

جمال الیوم

فی شرح

جمال الیوم

جلد پنجم

المشیخ عبد الرحمن بن رابی بکر جلال الدین السیوطی ۵۹۱۱۴

شاح

حضرت مولانا محمد جمال بلکد شہری

استاذ دارالعلوم دیوبند

زمزم پبلشرز

جدید ترین و سب سے زیادہ قیمتی
کتاب

جمالین

فی شرح

جلالین

جلد پنجم

الشیخ عبد الرحمن بن رُبی بکر جلال الدین السیوطی ۵۹۱۴ھ

شاح

حضرت مولانا محمد جمال بک شہری

استاذ دارالعلوم دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اُردو بازار کلاں

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

”جمالین“ فیض ”جلالین“ کے جملہ حقوق اشاعت و طباعت پاکستان میں صرف مولانا محمد رفیق بن عبد المجید مالک زمزم پبلشرز کراچی کو حاصل ہیں لہذا اب پاکستان میں کوئی شخص یا ادارہ اس کی طباعت کا مجاز نہیں بصورت دیگر زمزم پبلشرز کو قانونی چارہ جوئی کا مکمل اختیار ہے۔

از

حضرت مولانا محمد جمال بلکد شہری

اس کتاب کا کوئی حصہ بھی زمزم پبلشرز کی اجازت کے بغیر کسی بھی ذریعے بشمول فوٹو کاپی برقیاتی یا میکانیکی یا کسی اور ذریعے سے نقل نہیں کیا جاسکتا۔
زمزم پبلشرز کراچی

ملنے پکڑنے کی پگڑ پتے

مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726609

دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

قدیمی کتب خانہ بالقابل آرام باغ کراچی

مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ

مکتبہ غلیہ، علوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

Madrasah Arabia Islamia

1 Azaad Avenue P.O Box 9786-1750

Azaadvilie South Africa

Tel . 00(27)114132786

Azhar Academy Ltd.

54-58 Little Ilford Lane

Manor Park London E12 5QA

Phone. 020-8911-9797

ISLAMIC BOOK CENTRE

119-121 Halliwell Road, Bolton B11 3NE

U.S.A

Tel/Fax 01204-389080

AL FAROOQ INTERNATIONAL

68. Asfordby Street Leicester LE5-3QG

Tel . 0044-116-2537640

کتاب کا نام ————— جمالین فیض جلالین جلد نم

تاریخ اشاعت ————— فروری ۲۰۱۰ء

باہتمام ————— احکامات زمزم پبلشرز

ناشر ————— زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹرز و مقدس مسجد، اردو بازار کراچی

فون: 021-32760374

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: zamzampublishers.com





الشیخ محمد جمال القاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند (الہند)

MAULANA MOHD. JAMAL QASMI
(PROF.)

DARUL ULOOM DEOBAND
DISTT. SAHARANPUR (U.P) INDIA
PIN 247554 PHONE. 01338-224147
Mob. 9412848280

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمالین شرح اردو جملہ لین کے حقوق اشاعت و طباعت باہمی ایک
سابقہ کے تحت پاکستان میں مولانا محمد رفیع بن عبد المجید صاحب
نرم پبلشر کراچی کو دیدئے گئے ہیں لہذا پاکستان میں کوئی شخص
یا ادارہ جمالین کے کل یا جز کی اشاعت و طباعت کا مجاز نہ ہوگا
بصورت دیگر ادارہ نرمزم کو قانونی چارہ جوئی کا اختیار ہوگا۔

محمد جمال

استاذ دارالعلوم دیوبند

۱۸ دسمبر ۲۰۰۳ء ۱۱/۱۲/۲۵

عرضِ ناشر

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى...

اما بعد! اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو پیدا فرما کر اس کی تمام ضروریات کی کفالت فرمائی اور بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے انسانیت کے نام اپنا پیغام مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ بھیجا تا کہ انسان اس کی رہنمائی میں چل کر دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کو حاصل کر سکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام سے پہلی امتوں سے کتاب ہدایت کی حفاظت نہ ہو سکی جس کے نتیجہ میں وہ نسخہ اصلی سے محروم ہو گئے اور سیدھی راہ بتانے والا ہدایت نامہ جب نہ رہا تو اندھیروں میں بھٹکتے ہی چلے گئے۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو دی جانے والی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود خالق السموات والارض نے اٹھائی اور کھلے عام اعلان کر دیا ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ اس کتاب زندہ کی حفاظت اللہ پاک نے ہر طرح اور ہر طبقہ کے ذریعہ کرائی، قرآن مجید کی جملہ تفاسیر اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

زیر نظر ”تفسیر جمالین اردو“ جلالین شریف عربی کی اردو شرح ہے، یوں تو تفسیر جلالین کی بہت سی شروحات عربی اور اردو میں لکھی گئی ہیں، لیکن ”ہر گلے رارنگ و بوئے دیگر است“ حضرت مولانا محمد جمال سیفی صاحب دامت برکاتہم العالیہ استاذ دارالعلوم دیوبند نے نہایت عمدہ اور آسان سلیس زبان میں ہر بر مقام پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اللہ پاک امت مسلمہ کی طرف سے حضرت مصنف صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

زمزم پبلشرز نے پوری تفسیر کو نئی آب و تاب کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ کیا جو کہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، زمزم پبلشرز نے اس تفسیر میں مندرجہ ذیل قابل قدر کام کیے:

- 1 ملک کے معروف خطاط ”حافظ عبدالرؤف صاحب“ زید مجدہ سے قرآن کریم کتابت کروایا۔
- 2 پروف ریڈنگ پرزیر کثیر اور محنت شاقہ خرچ کی۔
- 3 عمدہ کاغذ پر ۶ جلدوں میں چھاپا۔
- 4 قرآن کریم کی آیات اور جلالین کی عبارت کو ممتاز کیا تا کہ پڑھنے میں سہولت ہو۔

فہرست مضامین جلد پنجم

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۷۴	غناء اور مرزا میر کے احکام:	۱۱	سورۃ العنکبوت:
۷۹	حکمت لقمان سے کیا مراد ہے؟	۱۴	شان نزول:
۸۰	والدین کی اطاعت فرض ہے بشرطیکہ معصیت الہی نہ ہو:	۲۱	اول ترکیب:
۸۵	شان نزول:	۲۲	دوسری ترکیب:
۸۸	شان نزول:	۲۲	تیسری ترکیب:
	سُورَةُ السَّجْدَةِ	۲۹	عالم کون؟
۹۰	سورۃ سجدہ:	۳۲	سابقہ آیات سے ربط:
۹۴	سورۃ سجدہ کی فضیلت:	۳۲	قرآن کی تلاوت کے فوائد:
۱۰۵	شان نزول:	۳۳	نماز تمام گناہوں سے روکتی ہے:
	سُورَةُ الْأَحْزَابِ	۳۴	آپ ﷺ کا امی ہونا آپ کی نبوت کی اہم دلیل ہے:
۱۰۷	سورۃ احزاب:		سُورَةُ الرُّومِ
۱۱۱	شان نزول:	۴۳	سورۃ روم:
۱۱۱	اس سورت کے شان نزول میں چند واقعات منقول ہیں:	۴۵	ربط و شان نزول:
۱۱۱	۱ پہلا واقعہ:	۵۸	دوسرے قول پر متعدد اعتراضات:
۱۱۱	۲ دوسرا واقعہ:	۵۸	پہلا اعتراض:
۱۱۱	۳ تیسرا واقعہ:	۵۹	دوسرا اعتراض:
۱۱۴	میشاقی انبیاء:	۵۹	تیسرا اعتراض:
۱۱۹	غزوۃ احزاب اور اس کا پس منظر:	۶۳	ایک شبہ اور اس کا جواب:
۱۱۹	غزوۃ احزاب کی تفصیل:		سُورَةُ لُقْمَانَ
۱۱۹	غزوۃ احزاب اور اس کا سبب:	۶۸	سورۃ لقمان:
۱۲۰	سیاست میں جھوٹ کوئی نئی چیز نہیں:	۷۳	شان نزول:
	آنحضرت ﷺ کو متحدہ محاذ کے حرکت میں آنے	۷۳	لَهُوَ الْحَدِيثُ:
۱۲۰	کی اطلاع:		
۱۲۱	خندق کا طول و عرض:		

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۱۵۸	تیسرا حکم:	۱۲۱	نابالغ بچوں کی شرکت اور ان کی واپسی:
۱۵۹	چوتھا حکم:	۱۲۲	ایک عظیم معجزہ:
۱۵۹	پانچواں حکم:	۱۲۳	منافقین کی طعنہ زنی اور مسلمانوں کا بے نظیر یقین ایمانی:
۱۵۹	چھٹا حکم:	۱۲۳	حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت اور ایک کھلمعجزہ:
	آپ ﷺ کی زاہدانہ زندگی اور اس کے ساتھ	۱۲۴	خندق کھودنے سے فراغت اور لشکر قریش کی آمد:
۱۶۰	تعدد ازواج:	۱۲۶	آپ ﷺ کی چار نمازیں قضاء:
۱۶۱	ساتواں حکم:	۱۲۷	ایک جنگی تدبیر:
۱۶۵	شان نزول:	۱۲۸	خدا کی غیبی مدد:
۱۶۶	آیت حجاب:		حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دشمن کے لشکر کی خبر لینے
۱۶۷	انسداد فواحش کا اسلامی نظام:	۱۲۸	کے لئے جانا:
	روس کے سابق صدر میخائیل گوربہ چوف اپنی کتاب	۱۳۳	شان نزول:
۱۶۸	پروشائیکا میں رقمطراز ہیں:	۱۳۴	غزوہ بنی قریظہ:
۱۶۸	انسداد جرائم کے لئے انسداد ذرائع کا زرین اصول: ...	۱۳۸	ربط آیات:
۱۷۳	شان نزول:	۱۳۹	شان نزول:
۱۷۷	عرض امانت اختیاری تھا جبری نہیں:	۱۴۱	اہل بیت سے کون مراد ہیں؟
۱۷۸	عرض امانت کا واقعہ کب پیش آیا؟	۱۴۵	شان نزول:
		۱۴۶	شان نزول:
		۱۴۶	طلاق کی نوبت:
			آیت مذکورہ میں اس کے متعلق تین احکام بیان کئے
			گئے ہیں:
۱۸۰	سورۃ سبا:	۱۵۵	پہلا حکم:
۱۸۹	صنعت و حرفت کی فضیلت:	۱۵۵	دوسرا حکم:
۱۹۰	صنعت کار کو حقیر سمجھنا گناہ ہے:	۱۵۵	اسلام حقوق انسانیت اور حسن معاشرت کا پاسدار ہے:
	حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی سکھانے	۱۵۶	تیسرا حکم:
۱۹۰	کی حکمت:	۱۵۷	پہلا حکم:
۱۹۴	سیل غرم اور سد مارب:	۱۵۷	دوسرا حکم:
۱۹۴	بند اور سیل غرم کا واقعہ:		

سُورَةُ السَّبَا

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۵۷۹	خط کا مضمون ابن اسحق کی روایت کے مطابق یہ تھا:	۵۵۰	ربط:
۵۸۱	مغرب نسخہ:	۵۵۶	انبیاء کے صحیفوں میں توحید کی تعلیم:
		۵۶۱	شان نزول:
		۵۶۱	دوسری روایت:
		۵۶۱	تیسری روایت:
	سُورَةُ الْجَاثِيَةِ		سُورَةُ الدُّخَانِ
۵۸۳	سورہ جاثیہ:	۵۷۰	سورہ دخان:
۵۸۶	شان نزول:	۵۷۷	قوم تبع کا واقعہ:
۵۸۶	شان نزول:	۵۷۸	قرآنی تبع:
۵۸۷	آیت کے دوسرے معنی:		
۵۹۱	شان نزول:		

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَسِتُّونَ آيَةً وَكُوعَاةٌ

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَسِتُّونَ آيَةً.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ اَلَمْ ۙ اللَّهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ ۙ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُتْرَكُوا اَنْ يَقُولُوا ۙ اى بقولهم اَمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۙ ۱ ۙ يُخْتَبَرُونَ بِمَا يَتَّبِعُونَ بِهِ حَقِيقَةً اِيْمَانِهِمْ نَزَلَ فِي جَمَاعَةٍ اَمَنُوا فَاذَابَهُمُ الْمُشْرِكُونَ ۙ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوا فِي اِيْمَانِهِمْ عِلْمٌ مُشَاهِدَةٌ وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَذٰبِيْنَ ۙ ۲ ۙ فِيْهِ اَمَحْسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ الشَّرْكَ وَالْمَعَاصِيَ اَنْ يَّسْبِقُونَا يَفُوتُونَا فَلَا نَنْتَقِمُ مِنْهُمْ سَاءَ بَشَسَ مَا الَّذِي يَحْكُمُونَ ۙ ۳ ۙ هُ حُكْمُهُمْ بِهَذَا مَنْ كَانَ يَرْجُوا يَخَافُ لِقَاءَ اللَّهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللَّهِ بِهٖ لَا يُلَاقُ فَلْيَسْتَعِذْ لَهٗ وَهُوَ السَّمِيعُ لِقَوْلِ الْعِبَادِ الْعَلِيْمِ ۙ ۴ ۙ بِاَفْعَالِهِمْ وَمَنْ جَاهَدَ جِهَادَ حَرْبٍ اَوْ نَفْسٍ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۙ لَآ اَنْ مِّنْفَعَةٍ جِهَادِهٖ لَهٗ لَا لِلَّهِ اِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ ۙ ۵ ۙ الْاَنَسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَعَنْ عِبَادَتِهِمْ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ بِعَمَلِ الصَّٰلِحٰتِ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ بِمَعْنٰى حَسَنٍ وَنَضْبُهُ بِنَزْعِ الْخَافِضِ الْبَاءِ الَّذِي كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۙ ۶ ۙ وَهُوَ الصَّٰلِحٰتِ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۙ اِى اِيْصَاءً ذَا حُسْنٍ بَاَنْ يَّبْرَهُمَا ۙ وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ بِاِشْرَاكِهٖ عِلْمٌ مُّوَافَقَةٌ لِلْوَاقِعِ فَلَا مَفْهُومَ لَهٗ فَلَا تُطْعُهُمَا ۙ ۷ ۙ فِى الْاِشْرَاكِ اِلَى مَرْجِعِكُمْ فَاَنْبِئْكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۙ ۸ ۙ فَاجَازِيْكُمْ بِهِۦ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّٰلِحِيْنَ ۙ ۹ ۙ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ بَاَنْ نَّخْشَرَهُمْ مَّعَهُمْ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَا اُوْدِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةً لِلنَّاسِ اِى اَذَابُهُمْ لَهٗ كَعَذَابِ اللّٰهِ فِى الْخَوْفِ مِنْهُ فَيُطِيعُهُمْ فَيُنَافِقُ ۙ وَلٰٓيْنَ لَا مُقَسِّمٌ جَاۤءَ نَصْرٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ ۱۰ ۙ مِّنْ رَبِّكَ فَغَنِمُوا لَيَقُوْلُنَّ حُذِرْ مِنْهُ نَوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي النُّونَاتِ وَالْوَاوِ ضَمِيْرُ الْجَمْعِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنِيْنَ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۙ ۱۱ ۙ فِى الْاِيْمَانِ فَاَشْرِكُوْنَا فِى الْغَنِيْمَةِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ اِى بِعَالَمٍ بِمَا فِى صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ۱۲ ۙ فِى قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالنِّفَاقِ بَلٰى وَلْيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِقُلُوْبِهِمْ وَلْيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۙ ۱۳ ۙ فَيُجَازِى الْفَرِيقَيْنِ وَاللَّامُ فِى الْفِعْلَيْنِ لَا مُقَسِّمٌ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا طَرِيقَنَا فِى دِيْنِنَا وَلَنَحْمِلَ خَطِيْئَكُمْ فِى

إِتْبَاعِنَا إِنْ كَانَتْ وَالْأَمْرُ بِمَعْنَى الْخَبَرِ قَالَ تَعَالَى وَمَا هُمْ بِحَمِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ فِی ذَلِكَ وَلِيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ أَوْزَارُهُمْ وَاتَّقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ بِقَوْلِهِمْ لِنُؤْمِنُنَّ بِتَبِيعُوا سَبِيلَنَا وَاضْلَالِهِمْ مُقْلِدِيهِمْ وَلَيْسَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ يَكْذِبُونَ عَلَى اللَّهِ سُؤَالَ تَوْبِيخٍ فَالْأَمُّ فِي الْفَعْلَيْنِ لَامٌ قَسَمٌ وَحُذِفَ فَاعِلُهُمَا الْوَاوُ وَنُونُ الرَّفْعِ.

ترجمہ: اَلَمْ اس کی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے کیا ان لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لائے ہم انہیں آزمائے بغیر چھوڑ دیں گے ان کو ایسی چیزوں سے آزمایا جائے گا کہ جن سے ان کے ایمان کی حقیقت ظاہر ہو جائے، یہ ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ ایمان لائے تو ان کو مشرکین نے اذیت پہنچائی اللہ تعالیٰ ان سے پہلے والوں کو بھی آزمایا چکا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی جانچے گا جو اپنے ایمان میں سچے تھے مشاہدہ کے طور جانچنا اور ایمان کے بارے میں جھوٹوں کو بھی معلوم کرے گا، کیا جو لوگ برائیاں یعنی شرک اور معاصی کر رہے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، تو ہم ان سے انتقام نہ لے سکیں گے ان کی یہ تجویز جس کا یہ فیصلہ کر رہے ہیں نہایت ہی بیہودہ ہے، جو شخص اللہ کی ملاقات کا خوف رکھتا ہے یقیناً اس کی ملاقات کا وقت آنے ہی والا ہے لہذا اس کو چاہئے کہ اس کے لئے تیاری کرے وہ اپنے بندوں کی باتوں کو سننے والا اور ان کے افعال کو جاننے والا ہے اور جس شخص نے جہاد کیا خواہ جہاد بالحرب ہو یا جہاد بالنفس تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے جہاد کرتا ہے اس لئے کہ اس کے جہاد کا نفع اسی کو ملنے والا ہے نہ کہ اللہ کو اللہ تعالیٰ تو جہان والوں (یعنی) انسانوں اور جنوں اور فرشتوں اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ہم ان کے گناہوں کا ان کے نیک اعمال کے صلہ میں ازالہ کر دیں گے اور ہم ان کے اعمال کا حال یہ ہے کہ وہ اعمال نیک ہوں بہترین بدلہ دیں گے أَحْسَنَ حَسَنَ کے معنی میں ہے اور اس کا نصب بآء جارہ کو ساقط کر دینے کی وجہ سے ہے اور ہم نے ہر انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کی ہے اچھی تاکید یہ کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرے اگر وہ تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک کرے کہ جس کے شریک کرنے کا تیرے پاس واقع کے مطابق علم نہیں ہے تو تو شرک کرنے میں ان کی اطاعت نہ کر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے پھر میں ہر اس چیز سے جو تم کرتے تھے تم کو باخبر کر دوں گا پس میں تمہیں تمہارے اعمال کی جزاء دوں گا اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہوں گے اور نیک اعمال کئے ہوں گے تو ہم ان کو صالحین یعنی انبیاء اور اولیاء میں شمار کر لیں گے بایں طور کہ ہم ان کا ان کے ساتھ حشر کریں گے اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو آمَنَّا بِاللَّهِ کہہ لیتے ہیں اور جب ان کو اللہ کے راستہ میں تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی تکلیف یعنی ان کی ایذا رسانی کو اپنے لئے عذاب الہی کے مانند سمجھ کر اس سے ڈرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی اطاعت کرتے اور نفاق کے مرتکب ہوتے ہیں، اور

قسم ہے اگر مومنین کو تیرے رب کی طرف سے کوئی مدد پہنچتی ہے جس کی وجہ سے ان کو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے تو کہتے ہیں ہم تو ایمان میں تمہارے ساتھ تھے لہذا ہم کو بھی مال غنیمت میں شریک کرلو وَلَئِنْ مِیْلَامِ قَسْمِ هِیَ لَیَقُولُنَّ مِیْلَامِ نُونِ رَفْعِ کُو مَسْلَسِلِ (تین) نون آنے کی وجہ سے اور جمع کی ضمیر واؤ کو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کو جہان والوں کے دلوں کا حال ایمان اور نفاق میں سے جو کچھ ہے معلوم نہیں ہے؟ ضرور کیوں معلوم نہیں ہے (معلوم ہے) اور اللہ تعالیٰ دل سے ایمان لانے والوں کو بھی بالیقین ظاہر کر کے رہے گا، اور دونوں فریقوں کو بدلہ دے گا، اور دونوں فعلوں میں لام لام قسم ہے، اور کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم دین میں ہمارا طریقہ اختیار کرو (بالفرض) اگر ہماری اتباع کرنے میں کوئی گناہ ہوا تو ہم اپنے اوپر اٹھالیں گے (یعنی اپنے ذمہ لے لیں گے اور تم سبکدوش ہو گے) اور امر بمعنی خبر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں، یہ تو اس معاملہ میں محض جھوٹے ہیں البتہ یہ اپنے (گناہوں کا بوجھ) لا دے ہوں گے اور اپنے (گناہوں) کے بوجھ کے ساتھ ساتھ کچھ اور بوجھ بھی، مومنین سے یہ کہنے کی وجہ سے کہ تم ہمارے طریقہ کی اتباع کرو اور اپنے متبعین کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اور یہ جو کچھ افتراء پر دازیاں کر رہے ہیں، قیامت کے روز ان سے ضرور باز پرس کی جائے گی، (یعنی) اللہ پر جو کذب بیانی کرتے ہیں، اور یہ باز پرس تو شیخ کے لئے ہوگی، لام دونوں فعلوں میں لام قسم ہے اور دونوں کا فاعل واؤ اور نون رفع حذف کر دیا گیا ہے۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْمِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: اِیْ بِقَوْلِهِمْ یَہْ مَا کَے مَصْدَرِیْہِ ہُونِے کِی طَرَفِ اِشَارَہِ ہِے اُور بَا مَحْذُوفِ ہِے اُور اَنْ یَتَرَ کُوا، حِسْبَ کَے دُو مَفْعُولُوں کَے قَائِمِ مَقَامِ ہِے۔

قَوْلًا: نَزَلَ فِی جَمَاعَةٍ جِیسا کہ عَمَارِ بنِ یَاسِر و عِیَاشِ بنِ اَبِی رُبِیعہ و وِلیدِ بنِ وِلید و سَلَمَانَ بنِ ہِشَامِ ان فُقَرَاءِ کُو مَکَہِ مِیْلَامِ ان کَے اِیْمَانِ لَانِے کِی وَجہِ سَے اذِیتِ دِی جَاتِی تھِی۔

قَوْلًا: عَلِمَ مَشَاهِدَةً اِس کَے اَضَافَہِ کَا مَقْصِدِ اِیکِ سَوَالِ مَقْدَرِ کَا جَوَابِ دِینَا ہِے، سَوَالِ یَہِ ہِے کہ یَہِ آیتِ عَلِمَ خُدا وَندِی کَے تَجَدُّدِ پَر دِلالتِ کَرْتِی ہِے حَالانکہ بَارِی تَعَالٰی کَا عَلِمَ قَدِیْمِ غَیْرِ حَادِثِ ہِے، جَوَابِ کَا خُلاصَہِ یَہِ ہِے کہ عَلِمَ سَے مَرادِ عَلِمَ ظہُورِ اُور عَلِمَ مَشاہِدَہِ ہِے، آیتِ کَا مَقْصِدِ یَہِ ہِے کہ اللہ تَعَالٰی صَادِقِیْنِ کَے صَدَقِ اُور کَا ذَبِیْنِ کَے کَذِبِ کُو ظاہرِ کَر دِے تاکہ مَعْلُومِ اللہ کَے عَلِمَ کَے مَطَابِقِ ظاہرِ ہُو جائِے (یعنی لوگوں کُو عَلِمَ خُدا وَندِی اُور مَعْلُومِ کِی مَطَابِقَتِ مَعْلُومِ ہُو جائِے) جو کہ مَعْلُومِ کَے ظاہرِ ہُونِے سَے پہلے پَر دَہِ خُفایِیْنِ تھِی۔

قَوْلًا: یَحْکُمُوْنَ جَمْلَہُ ہُو کَر مَا بِمَعْنٰی الذِی کَا صِلَہِ ہِے صِلَہِ مِیْلَامِ ضَمِیْرِ مَحْذُوفِ ہِے جس کُو شارِحِ رَحْمَہُ اللہ تَعَالٰی نے ظاہرِ کَر دِیا ہِے اُور حُکْمُہُمْ ہَذَا مُخْصِوْصٌ بِالذِمِّ ہِے۔

قَوْلُهُ: فَلْيَسْتَعِذْ بِمَنْ كَانَ جَوَابَ شَرْطٍ هُوَ أَحْسَنُ نَزْعٍ خَافِضٍ كِي وَجْهٍ سَ مَنْصُوبٍ هُوَ أَصْلٌ مِی بَاحْسَنَ تَهَا۔
قَوْلُهُ: اِیْصَاءٌ ذَا حَسَنِ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حَسَنًا وَصِیْدًا کے مصدر محذوف کی صفت ہے حذف مضاف کے ساتھ اور اگر مضاف کو محذوف نہ مانیں تو مبالغہ صفت واقع ہونا درست ہے۔

قَوْلُهُ: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مبتدا ہے اور لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ مع قسم محذوف کے مبتداء کی خبر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَاللّٰهُ لَنُكَفِّرَنَّ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وَالَّذِينَ آمَنُوا الخ فعل محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب ہو تقدیر عبارت یہ ہوگی وَنَخْلُصُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ من سَيِّئَاتِهِمْ اس صورت میں یہ باب اشتغال سے ہوگا۔

قَوْلُهُ: مُوَافَقَةٌ لِلْوَاقِعِ یہ محذوف کی علت ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَذَكَرَ هَذَا الْقَيْدَ مُوَافَقَةً لِلْوَاقِعِ۔

قَوْلُهُ: فَلَا مَفْهُومَ لَهُ مُطْلَبٌ یہ ہے کہ اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے کہ جس کے معبود ہونے پر تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو اس کو میرا شریک مت کر اور جس کے معبود ہونے پر دلیل ہو اس کو شریک کر سکتا ہے (یہاں یہ مراد نہیں ہے) اس لئے کہ اس کے سوانہ ایسا کوئی معبود ہے کہ اس کے وجود پر دلیل ہو اور نہ ایسا معبود ہے کہ اس کے وجود پر دلیل نہ ہو بلکہ وہ الہ واحد ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

الْمَرَّ أَحْسَبَ النَّاسُ أَنَّ يُتْرَكُوا (الآیۃ) یعنی یہ گمان کہ صرف زبانی ایمان لانے کے بعد بغیر امتحان لئے انہیں چھوڑ دیا جائے گا صحیح نہیں، بلکہ انہیں جان و مال کی تکالیف اور دیگر آزمائشوں کے ذریعہ جانچا پرکھا جائے گا تا کہ کھرے کھوٹے کا، سچے جھوٹے کا، مخلص و منافق کا (لوگوں کو) پتہ چل جائے۔

اہل ایمان خصوصاً انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کو مختلف قسم کی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے انجام کار ان کو کامیابی ہوتی ہے یہ آزمائشیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں کبھی تو کفار و فجار کی ایذا رسانی کے ذریعہ آزمائش ہوتی ہے جیسا کہ اکثر انبیاء اور خصوصاً خاتم الانبیاء اور آپ کے اصحاب کو بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑا، جس کے بے شمار واقعات سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، اور بعض اوقات جسمانی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے جیسے حضرت ایوب علیہ السلام کو گزرنا پڑا۔

شان نزول:

مراد اگرچہ عام ہے ہر زمانہ کے علماء و صلحاء اور اولیاء امت کو مختلف قسم کی آزمائشیں آتی ہیں اور آتی رہیں گی، مگر از روئے روایات یہ آیت چند ضعفاء صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن میں یہ حضرات بھی شامل ہیں، عمار بن یاسر، عیاش بن ابی ربیعہ، ولید بن الولید، سلمان بن ہشام ان تمام حضرات اور بہت سے فقراء صحابہ کو مکہ میں اذیت ناک سزائیں دی جاتی تھیں جس کی وجہ سے بعض صحابہ تنگ دل ہو کر دل برداشتہ ہو جاتے تھے، امام بخاری نے حضرت خباب بن الارت سے روایت کی ہے حضرت خباب فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت ﷺ بیت اللہ کے سایہ میں اپنی چادر پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، ہم نے

اپنی تکلیف کی آپ سے شکایت کی اور تکلیف کے ازالہ اور نصرت خداوندی کیلئے دعا کی درخواست کی، تو آپ نے فرمایا تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ جن کو گڑھے میں کھڑا کر کے نصف دفن کر دیا جاتا تھا اور سر پر آرا رکھ کر دو نصف کر دیا جاتا تھا اور لوہے کی کنگھیوں کے ذریعہ ہڈیوں سے گوشت چھڑایا جاتا تھا پھر بھی یہ لوگ اپنے دین کو رد نہیں کرتے تھے، واللہ یہ صورت حال جلدی ہی ختم ہونے والی ہے، یہاں تک کہ صنعاء یمن سے حضرموت تک سوار سفر کرے گا اور خدا کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا، مگر تم جلدی کرتے ہو۔ (جمل ملخصاً)

فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا یعنی امتحانات اور شہادت کے ذریعہ مخلص اور غیر مخلص اور نیک و بد میں ضرورت امتیاز کریں گے کیونکہ مخلصین کے ساتھ منافقین کا خلط ملط بعض اوقات بڑے نقصان کا باعث ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے پیدا ہونے سے پہلے ہی معلوم ہے کہ کون بد ہے اور کون نیک، اللہ تعالیٰ کے جانچنے اور پرکھنے کا مطلب دوسروں پر ظاہر کر دینا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِهَآ وَصَّيْنَا كَمَا مَعْنَى تَاكِيدِی حکم کرنے کے ہیں، نیز خیر خواہی اور ہمدردی کے طور پر کسی کو نیک کام کی طرف بلانے کے بھی ہیں حُسْنًا مصدر ہے اس کے معنی خوبی کے ہیں اس جگہ خوبی والے طرز عمل کو مبالغہ کے طور پر حسن سے تعبیر کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ ہو جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (رواہ احمد والحاکم) یعنی خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی طاعت جائز نہیں، مذکورہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کے بارے میں نازل ہوئی، یہ صحابہ کرام میں سے ان دس حضرات میں شامل ہیں جن کو آپ ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری سنا دی تھی، جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے یہ اپنی والدہ کے بہت فرمانبردار تھے اور ان کی راحت رسانی کا بہت خیال رکھتے تھے، ان کی والدہ حمہ بنت ابی سفیان کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کے بیٹے سعد مسلمان ہو گئے ہیں تو انہوں نے بیٹے کو تنبیہ کی اور قسم کھائی کہ میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تم اپنے آبائی دین میں پھر واپس نہ آ جاؤ، اسی طرح بھوک پیاس سے مر جاؤں گی اور ساری دنیا میں ہمیشہ کے لئے یہ رسوائی تمہارے سر رہے گی کہ تم اپنے والدہ کے قاتل ہو (مسلم، ترمذی) اس آیت نے حضرت سعد کو ان کی بات ماننے سے روک دیا، بغوی کی ایک روایت کے مطابق حضرت سعد کی والدہ تین دن اور تین راتیں اپنی قسم کے مطابق بھوک پیاسی رہیں، حضرت سعد حاضر ہوئے، ماں کی محبت اور اطاعت اپنی جگہ تھی مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے کچھ نہ تھی اس لئے والدہ کو مخاطب کر کے کہا امی جان! اگر تمہارے بدن میں سوروں بھی ہوتیں اور ایک ایک کر کے نکلتی رہتیں تب بھی میں اپنا دین نہ چھوڑتا، اب تم چاہو کھاؤ پیو یا مر جاؤ، بہر حال میں اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا، ماں نے ان کی گفتگو سے مایوس ہو کر کھانا کھا لیا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ (الآیۃ) اس آیت میں اہل نفاق یا کمزور ایمان والوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ اگر ایمان کی وجہ سے انہیں ایذا پہنچتی ہے تو عذاب الہی کی طرح وہ ان کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے، نتیجتاً وہ ایمان سے پھر جاتے ہیں اور عوام کے دین کو اختیار کر لیتے ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ وَعُصْرَةٌ اربعون سنة او اکثر فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ تَوْحِيدِ اللَّهِ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ أَي السَّيْلُ الْكَثِيرُ طَافَ بِهِمْ وَعَلَاهُمْ فَغَرَقُوا وَهُمْ ظَالِمُونَ ①
مُشْرِكُونَ فَأَنْجَيْنَاهُ أَي نُوحًا وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ أَي الَّذِينَ كَانُوا مَعَهُ فِيهَا وَجَعَلْنَاهَا آيَةً عِبْرَةً لِلْعَالَمِينَ ②
لَمَنْ يَغْدِبُهُمْ مِنَ النَّاسِ إِنْ عَصَوْا رُسُلَهُمْ وَعَاشَ نُوحٌ بَعْدَ الطُّوفَانِ سِتِّينَ سَنَةً أَوْ أَكْثَرَ حَتَّىٰ كَثُرَ النَّاسُ وَ
أَذْكَرَ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ خَافُوا عِقَابَهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ مِمَّا أَنتُمْ عَلَيْهِ مِنْ عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ
إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ③ الْخَيْرُ مِنْ غَيْرِهِ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَي غَيْرِهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا
تَقُولُونَ كَذِبًا إِنْ الْأَوْثَانُ شُرَكَاءُ لِلَّهِ إِنْ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا لَا يَقْدِرُونَ أَنْ
يَرْزُقُواكُمْ فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ أَصْلُبُوهُ مِنْهُ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ④ وَإِنْ تُكَذِّبُوا
أَي تُكَذِّبُونِي يَا إِبْرَاهِيمَ فَقَدْ كَذَّبَ أَمْرٌ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنْ قَبْلِي وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ⑤
الْبَلَاغُ الْمُبِينُ فِي بَيِّنَاتٍ الْفَيْصَلَيْنِ تَسْلِيَةً لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ تَعَالَى فِي قَوْمِهِ أَوَلَمْ يَرَوْا
بِالْبَيِّنَاتِ وَالنَّاءِ يَنْظُرُوا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ بَعْضَهُ أَوَّلَهُ وَفَرَىٰ بَفَتْحِهِ مِنْ بَدَأٍ وَأَبْدَأَ بِمَعْنَى أَي يَخْلُقُهُمْ ابْتِدَاءً
ثُمَّ يُوَعِّدُهُ أَي الْخَلْقَ كَمَا بَدَأَهُ إِنَّ ذَلِكَ الْمَذْكَورُ مِنَ الْخَلْقِ الْأَوَّلِ وَالثَّانِي عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ⑥ فَكَيْفَ
تُشْكِرُونَ الثَّانِي قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ لِمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَأَمَّا لَهُمْ
ثُمَّ اللَّهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ مَثَدًا وَقَضَرًا مَعَ سُكُونِ الشَّيْءِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑦ وَمِنْهُ الْبَدْءُ
وَالْإِعَادَةُ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ تَعَذِّيبُهُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ رَحْمَتَهُ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ⑧ تَرُدُّونَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ
رَبَّكُمْ عَنْ إِدْرَاكِكُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ لَوْ كُنْتُمْ فِيهَا أَي لَا تَقْوُونَهُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَي
غَيْرِهِ مِنْ وَلِيٍّ يَمْنَعُكُمْ مِنْهُ وَلَا نَصِيرٌ ⑨ يَنْصُرُكُمْ مِنْ عَذَابِهِ.

ترجمہ: اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی طرف مبعوث کیا اور اس وقت ان کی عمر چالیس سال یا اس سے زیادہ تھی چنانچہ (نوح) اپنی قوم میں پچاس کم ایک ہزار سال رہے اور ان کو اللہ کی توحید کی دعوت دیتے رہے تو انہوں نے (نوح علیہ السلام) کی تکذیب کی تو ان کو طوفان نے آدبا یعنی کثیر پانی نے جس نے ان کو گھیر لیا اور ان کے اوپر پھر گیا، سو وہ غرق ہو گئے، اور وہ بڑے ظالم مشرک لوگ تھے چنانچہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اور کشتی والوں یعنی ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی، اور اس واقعہ کو ہم نے تمام جہان والوں کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا یعنی ان کے بعد والے لوگوں کے لئے اوروہ اپنے رسولوں کی نافرمانی کریں، اور نوح علیہ السلام طوفان کے بعد ساٹھ سال یا اس سے زیادہ بقید حیات رہے، حتیٰ کہ لوگ

بکثرت ہو گئے اور حضرت ابراہیم کا ذکر کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو یعنی اس کے عذاب سے خوف کرو یہ تمہارے لئے بتوں کی بندگی سے جس پر تم جے ہوئے ہو بہتر ہے اگر تم کو بہتر سے غیر بہتر کی شناخت ہے تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پوجا پاٹ کرتے ہو یعنی بتوں کی اور جھوٹ گھڑتے ہو یعنی یہ جھوٹ بکتے ہو کہ بت اللہ کے شرکاء ہیں (سنو) تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ تمہارے رزق کے مالک نہیں (یعنی) تم کو رزق دینے پر قادر نہیں پس تمہیں چاہئے کہ تم اللہ ہی سے روزی طلب کرو اسی کی بندگی کرو اور اسی کی شکر گزاری کرو اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اے اہل مکہ اگر تم میری تکذیب کرو گے (تو یہ کوئی نئی بات نہیں) تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں مجھ سے پہلے والے رسولوں کو جھٹلا چکی ہیں رسول کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے یعنی محض واضح طور پر پہنچا دینا ہے، ان دونوں (یعنی نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام) کے قصوں میں نبی کریم ﷺ کو تسلی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کے بارے میں فرمایا کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح ابتداء پیدا کرتا ہے یٰوٰیٰ اور تادونوں قراءتیں ہیں، یٰبَدِیٰ اول کے ضمہ کے ساتھ اور اول کے فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے بَدْءٌ اور اَبَدْءٌ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی ان کو ابتداء پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا یعنی مخلوق کو جس طرح اس نے ابتداء پیدا کیا، بلاشبہ یہ ابتداء اور ثانیاً پیدا کرنا اللہ کے لئے بہت ہی آسان ہے لہذا تم ثانیاً پیدا کرنے کا کیوں انکار کرتے ہو؟ آپ کہئے کہ ملک میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ تم سے پہلے والوں کو کس طرح ابتداء پیدا کیا اور ان کو موت دی پھر دوسری مرتبہ بھی پیدا کرے گا نَشْأَةً مد کے ساتھ اور قصر کے ساتھ مع شین کے سکون کے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور اسی میں ابتداء اور ثانیاً پیدا کرنا بھی ہے جس کو عذاب دینا چاہے عذاب دے اور جس پر رحم کرنا چاہے رحم کرے سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور نہ تو تم اپنے رب کو تمہارے پکڑنے سے زمین میں عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں اگر تم آسمان میں ہو، یعنی تم اس سے بچ کر نہیں نکل سکتے، اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تمہارا کوئی ولی ہے کہ اس سے تم کو بچا سکے اور نہ مددگار کہ تمہاری اس کے عذاب سے مدد کر سکے۔

تحقیق و ترکیب تسمیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: نوحاً حضرت نوح علیہ السلام کے نام میں چند اقوال ہیں ① عبد الغفار ② یَشْکُر ③ السَّکَنُ ”نوح“ آپ کا لقب ہے نوح بہت زیادہ نوحہ کرنے والے کو کہتے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام چونکہ اپنی امت کی حالت کو دیکھ کر بہت زیادہ روتے تھے اس لئے ان کا لقب نوح مشہور ہو گیا۔

قَوْلًا: ابراہیم ابراہیم پر عام قرآن نے نصب پڑھا ہے، نصب کی تین وجہیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ نوحاً پر عطف ہو یا اس کا عامل ناصب محذوف مانا جائے جیسا کہ شارح نے اذکر محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے یا یہ کہ انسجیناہ کی ضمیر پر عطف ہو، اور بعض حضرات نے ابراہیم کو مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے خبر محذوف مانی ہے تقدیر عبارت یہ ہے

وَمِنَ السَّرَّاسِیْنِ اِبْرَاهِیْمَ.

قَوْلًا: اَوْتَانِ، وُتْنُ کی جمع ہے پتھر وغیرہ سے تراشے ہوئے بت جن کی بندگی کی جائے۔

قَوْلًا: یَرْزُقُوْكُمْ کا اضافہ کر کے شارح نے اشارہ کر دیا کہ رِزْقًا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی لَا یَمْلِكُوْنَ اَنْ یَّرْزُقُوْكُمْ رِزْقًا.

قَوْلًا: تَكْذِبُوْنِی اس سے اشارہ ہے کہ تکذبوا کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلًا: یَا اَهْلَ مَكَّةَ اس سے مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ آیت اور آئندہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور مقصد اس سے آپ کو تسلی دینا ہے اِنْ تَكْذِبُوْا شَرْطُہ ہے اور اس کی جزاء، فَلَا یُضْرِنِی تَکْذِیْبُکُمْ.

قَوْلًا: مَنْ قَبْلِی، مَنْ موصولہ کَذَبَ کا مفعول ہے۔

قَوْلًا: هَاتِیْنِ الْقِصَتِیْنِ سے مراد حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے ہیں۔

قَوْلًا: اَوَّلَمْ یَرَوْا یہاں رویت سے مراد علم یقینی ہے ورنہ تو ابتدا تخلیق کے وقت کوئی دیکھنے والا موجود نہیں تھا، لہذا اَوَّلَمْ یَرَوْا کے ذریعہ سوال کرنا بے معنی ہوگا۔

قَوْلًا: النَّشْأَةُ الْآخِرَةُ مَذًّا وَقَصْرًا مد کا مطلب ہے شین کے بعد الف اور قصر کا مطلب ہے بغیر الف۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

سابقہ انبیاء اور امتوں کے حالات و واقعات کا ذکر آپ ﷺ اور آپ کی امت کی تسلی کے لئے کیا گیا ہے، جس طرح انبیاء سابقین نے کفار و شرکین کی ایذاؤں کی وجہ سے کبھی ہمت نہیں باری، اسی طرح آپ ﷺ بھی اپنی قوم کی ایذاؤں کی پروا نہ کرتے ہوئے فریضہ رسالت کی ادائیگی مضبوطی کے ساتھ کرتے رہے۔

انبیاء سابقین میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا، اول اس لئے کہ وہ سب سے پہلے پیغمبر ہیں جن کو کفر و شرک کا مقابلہ کرنا پڑا، دوسرے اس لئے بھی کہ جتنی ایذائیں ان کو اپنی قوم سے پہنچیں وہ کسی دوسرے پیغمبر کو نہیں پہنچیں، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو طول عمر کا ایک خصوصی امتیاز بخشا تھا، اور ساری عمر کفار کی طرف سے ایذاؤں میں بسر ہوئی، حضرت نوح علیہ السلام کی عمر سارے نو سو سال تو قرآنی صراحت سے معلوم ہوتی ہے جو یقینی ہے بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمر دعوت و تبلیغ کی ہے، چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی اور طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اس حساب سے آپ کی عمر ایک ہزار اور پچاس سال معلوم ہوتی ہے، اتنی طویل عمر مسلسل دعوت و تبلیغ میں رہنا اور قوم کی طرف سے طرح طرح کی ایذائیں مار پیٹ گلا گھونٹنے کی سہتے رہنا اور چند نفر کے

ملا وہ کسی کا ایمان نہ لانا اور اس کے باوجود کسی وقت بھی ہمت نہ ہارنا، یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی خصوصیات ہیں، اور وہب رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ کی عمر ایک ہزار چار سو سال منقول ہے، ملک الموت نے حضرت نوح علیہ السلام سے دریافت کیا آپ عمر کے اعتبار سے اطول العمر انبیاء میں سے ہیں آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ آپ نے فرمایا دنیا کی مثال ایک مکان کی سی ہے کہ جس کے دو دروازے ہیں ایک سے داخل ہوا دوسرے سے نکل گیا۔ (حاشیہ جلالین)

دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیان ہوا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی بڑے سخت امتحانات سے گزرنا پڑا تھا، مثلاً حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو لوق و دوق بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ آنا، پھر اپنے ہی ہاتھ سے اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل کے ذبح کا واقعہ یہ سب وہ حالات ہیں کہ جن کو ایک اولوالعزم پیغمبر ہی برداشت کر سکتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بھی مذکور ہوا ہے، آخر سورت تک دوسرے بعض انبیاء اور ان کی سرکش امت کے حالات کا ذکر یہ سب رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کی تسلی کے لئے اور ہمت کے ساتھ دین پر قائم رہنے کے لئے بیان ہوئے ہیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَسُوءُ مِن رَّحْمَتِي أَيْ جَنَّتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مُؤَلِّمٌ قَالَ تَعَالَى فِي قِصَّةِ إِبْرَاهِيمَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ الَّتِي قَذَفُوهُ فِيهَا بَأْنْ جَعَلَهَا عَلَيْهِ بُرْدًا وَسَلَامًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ أَيْ إِنجَائِهِ مِنْهَا لَآيَاتٍ لِّبَنِي عَدَمٍ تَأْتِي بِهَا فِيهِ مَعَ عَظَمَتِهَا وَإِخْمَادِهَا وَأَنْشَاءِ رَوْضٍ مَكَانَهَا فِي زَمَنِ يَسِيرٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ يُضَدِّقُونَ بِتَوْحِيدِ اللَّهِ وَقُدْرَتِهِ لِأَنَّهُمُ الْمُتَنَفِّعُونَ بِهَا وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا تَعْبُدُونَهَا وَمَا مِصْرِيَّةٌ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ خَبَرُ إِنْ وَعَلَى قِرَاءَةِ النَّصَبِ مَفْعُولٌ لَهُ وَمَا كَافَّةُ الْمَعْنَى تَوَادَّدْتُمْ عَلَى عِبَادَتِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ يَتَّبِعُ الْقَادَةَ مِنَ الْآتِبَاعِ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا يَلْعَنُ الْآتِبَاعُ الْقَادَةَ وَمَا أُولَٰئِكَ مَحْسِرُكُمْ جَمِيعًا النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّن تَصْرِيحٍ ۝ مَا نَعْنِي مِنْهَا فَأَمَّنَ لَهُ صَدَقَ بِإِبْرَاهِيمَ لُوطٌ وَهُوَ ابْنُ أَخِيهِ بَارَانَ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ إِنِّي مُهَاجِرٌ مِّن قَوْمِي إِلَى رَبِّي أَيْ إِلَى حَيْثُ أَمَرَنِي رَبِّي وَبَجَرَ قَوْمَهُ وَبَاجَرَ مِّن سَوَادِ الْعِرَاقِ إِلَى الشَّامِ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ۝ فِي ضَعْفِهِ وَوَهْبِنَا لَهُ بَعْدَ إِسْمَاعِيلَ إِسْحَاقُ وَيَعْقُوبُ بَعْدَ إِسْحَاقَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ السُّبُوءَةَ فَكُلُّ الْأَنْبِيَاءِ بَعْدَ إِبْرَاهِيمَ مِّن ذُرِّيَّتِهِ وَالْكِتَابُ بِمَعْنَى الْكِتَابِ أَيْ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالزَّبُورِ وَالْقُرْآنِ وَأَتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَهُوَ الشَّاءُ الْحَسَنُ فِي كُلِّ أَهْلِ الْأَدْيَانِ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ الَّذِينَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى وَ أَذْكَرُ لُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ بِتَحْقِيقِ الْمَهْمَزَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَادْخَالِ الْفَاءِ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوُجْهِينِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لَتَأْتُونَنَا فَاحْشَةً أَيْ أَذْهَابَ الرِّجَالِ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ الْإِنْسِ

وَالْحَجَرِ اَيْتَكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرَّجَالَ وَتَقَطَّعُوْنَ السَّبِيْلَ طَرِيقَ الْمَارَةِ بِفِعْلِكُمْ الْفَاحِشَةُ بِمَنْ يَمُرُّ بِكُمْ فَتَرَكُ النَّاسُ الْمَمْرُ بِكُمْ وَتَأْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمْ مُتَحَدِّثُكُمْ الْمُنْكَرُ فَعَلِ الْفَاحِشَةُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ اِلَّا اَنْ قَالُوْا اِنَّنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ فِيْ اسْتِقْبَاحِ ذَلِكَ وَاَنَّ الْعَذَابَ نَازِلٌ لِّفَاعِلِيْهِ قَالَ رَبِّ اَنْصُرْنِيْ بِتَحْقِيْقِ قَوْلِيْ فِيْ اِنْزَالِ الْعَذَابِ عَلٰى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ الْعَاصِيْنَ بِاِثْنَيْنِ الرَّجَالَ فَاسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاؤَهُ

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کو بھولے ہوئے ہیں یعنی قرآن کو اور بعث بعد الموت کو یہ لوگ میری رحمت سے ناامید ہوں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا تو ان کی قوم کے پاس بجز اس کے کوئی جواب نہیں تھا کہ کہنے لگے ان کو یا تو قتل کر ڈالو یا ان کو جلادو آخرش اللہ نے ان کو اس آگ سے بچالیا جس میں ان کو ڈالا تھا اس طریقہ سے کہ اس آگ کو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی کر دیا بلاشبہ اس میں یعنی ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات دینے میں کئی نشانیاں ہیں ان نشانیوں میں ایک اس آگ کا باوجود اس کے عظیم ہونے کے حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اثر نہ کرنا اور اس کا بجھ جانا ہے اور اس آگ کی جگہ قلیل مدت میں گلستان کا پیدا ہو جانا ہے ایمان والوں کے لئے (یعنی) اللہ کی توحید اور اس کی قدرت کی تصدیق کرنے والوں کے لئے، اس لئے کہ یہی لوگ نشانیوں سے نفع حاصل کرنے والے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام نے یہ (بھی) فرمایا تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو (معبود) بنا رکھا ہے جن کی تم بندگی کرتے ہو بس یہ تمہارے آپسی دنیوی تعلقات کی وجہ سے ہے ما اتخذتم میں ما مصدر یہ ہے اور مَوْثِقٌ بَيْنَكُمْ ، اِنَّ کی خبر ہے اور نصب کی صورت میں (مودۃ) مفعول لہ ہے اور ما کافہ ہے، آیت کے معنی یہ ہیں ان بتوں کی عبادت کی وجہ سے تمہارے درمیان باہمی دوستی قائم ہے پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے منکر ہو جاؤ گے سردار اپنے ماتحتوں سے اظہار براءت کر دیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے یعنی ماتحت سرداروں پر لعنت کریں گے اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار (یعنی) آگ سے بچانے والا نہ ہوگا سولوٰط علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کی (نبوت) کی تصدیق کی اور وہ ان کے بھائی ہار ان کے بیٹے تھے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں اپنی قوم کو چھوڑ کر اپنے رب کی طرف یعنی میرے رب کی بتائی ہوئی جگہ ہجرت کر جاؤں گا اور اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور اطراف عراق سے شام کی طرف ہجرت کر گئے بے شک وہ اپنے ملک میں بڑا ہی غالب اور اپنی صنعت میں بڑا ہی حکمت والا ہے اور ہم نے اس کو اسماعیل کے بعد اسحق اور اسحق کے بعد یعقوب عطا کئے اور ہم نے ان کی اولاد میں نبوت جاری کر دی چنانچہ تمام انبیاء ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی نسل سے ہوئے اور کتاب (کا سلسلہ جاری کیا) اور کتاب بمعنی کتب یعنی تورات اور انجیل اور زبور اور قرآن کا اور ہم نے ان کا صلہ ان کو دنیا میں بھی دیا اور وہ تمام اہل ملت میں ان کا ذکر جمیل ہے اور بلاشبہ وہ آخرت میں بھی صالحین میں ہے جن کے لئے عالی شان درجات

ہیں اور لوط علیہ السلام کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو یعنی مردوں کے ساتھ بد فعلی کرتے ہو کہ کسی نے تم سے پہلے عالم والوں یعنی جن وانس نے نہیں کیا، دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں کے درمیان دونوں صورتوں میں دونوں مقام پر الف داخل کر کے کیا تم مردوں سے بد فعلی کرتے ہو اور تم گزرنے والوں کے ساتھ بے حیائی کا کام کر کے مسافروں کا راستہ روکتے ہو جس کی وجہ سے لوگوں نے تمہارے پاس سے گزرنا ترک کر دیا اور تم اپنی گفتگو کی مجلسوں میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بے حیائی کا کام کرتے ہو تو ان کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ کہنے لگے اگر تم اس فعل کو قبیح سمجھنے میں اور اس بات میں کہ ایسی حرکت کرنے والے پر عذاب نازل ہونے والا ہے سچے ہو تو اللہ کا عذاب لے آؤ تو لوط علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار عذاب نازل کرنے کے بارے میں میری بات کو سچ کر کے مردوں کے ساتھ بد فعلی کر کے نافرمانی کرنے والی قوم پر میری مدد فرما چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: يَسْأَلُونَ مِنْ رَحْمَتِي یہی ہیں وہ لوگ جو قیامت کے دن میری رحمت سے ناامید ہوں گے يَسْأَلُونَ ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے۔

قَوْلُهُ: اَقْتُلُوهُ او حَرِّقُوهُ یہاں حرف تردید کے ساتھ فرمایا اور سورۃ الانبیاء میں صرف ایک یعنی حَرِّقُوهُ فرمایا۔
جَوَابُ: یہاں ان کے مشورہ کو بیان فرمایا ہے اور سورۃ الانبیاء میں مشورہ کے بعد جو فیصلہ ہو گیا (یعنی جلانے کا) اس کو عملی جامہ پہنانے کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ: الَّتِي قَذَفُوهُ فِيهَا شَارِح نے اس عبارت سے کلام محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے، تقدیر کلام یہ ہے فَقَذَفُوهُ فِي النَّارِ فَانْجَاهَ اللَّهُ مِنَ النَّارِ وَقَالَ اِبْرَاهِيمُ كَا عَطْفٍ فَانْجَاهَ اللَّهُ مِنَ النَّارِ پر ہے، اِی قَالَ بَعْدَ اَنْجَايْهِ مِنَ النَّارِ۔

قَوْلُهُ: اِنَّ مَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ اَوْثَانًا الْخ مَا میں تین ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

اول ترکیب:

مَا موصولہ بمعنی الذی اور عائد محذوف ہے اور وہی اتَّخَذْتُمْ کا مفعول اول اور اَوْثَانًا مفعول ثانی اور مَوَدَّةٌ اِنَّ کی خبر تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنَّ الَّذِي اتَّخَذْتُمُوهُ اَوْثَانًا مَوَدَّةٌ (اس صورت میں مَوَدَّةٌ کا حمل اَوْثَانًا پر مبالغہ ہوگا، اور اگر مَوَدَّةٌ سے پہلے ذم محذوف مان لیا جائے تو حمل درست ہوگا) اور مَوَدَّةٌ پر نصب کی صورت میں اِنَّ کی خبر محذوف ہوگی تقدیر عبارت یہ

بَوَّلِي الَّذِي اتَّخَذْتُمُوهُ اَوْثَانًا لَّاجِلِ الْمَوَدَّةِ لَا يَنْفَعُكُمْ.

دوسری ترکیب:

مَا كَافَ جَوْكَ اِنْ كَوَّمَلَ سَے مانع ہے اَوْثَانًا اتَّخَذْتُمْ کا مفعول بہ اگر اتَّخَذْتُمْ کو متعدی بیک مفعول مانا جائے، اور اگر متعدی بد مفعول مانا جائے تو ثانی مفعول من دون اللہ ہوگا، اَر مَوَدَّةً کو مرفوع پڑھا جائے تو مبتدا محذوف ہی کی خبر ہوگی، ای ہی مَوَدَّةً جملہ اس صورت میں اَوْثَانًا کی صفت ہوگا، اور مستاتفہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اگر مَوَدَّةً پر نصب پڑھا جائے تو اتَّخَذْتُمْ کا مفعول نہ ہوگا، نیز اعنی محذوف کے ذریعہ بھی منصوب ہو سکتا ہے۔

تیسری ترکیب:

مَا كَوَّمَلَ سَے مانع ہے، اس کے بعد دو صورتیں ہیں، اتَّخَذَ سے پہلے سبب مضاف محذوف مانا جائے اور تقدیر عبارت یہ ہو اِنْ سَبَبَ اتَّخَذَ كَمَا اَوْثَانًا مَوَدَّةً اور یہ بھی جائز ہے کہ مضاف محذوف نہ مانا جائے بلکہ مبالغۃ نفس اتَّخَذَ ہی کو مَوَدَّةً قرار دیا جائے اور مَوَدَّةً پر نصب کی صورت میں خبر محذوف ہوگی جیسا کہ اول صورت میں ہے۔

قَوْلُنَا: الْمَعْنَى قِرَاءَاتُ مَذْكُورَةٍ كَمَا حَاصِلٌ مَعْنَى يَعْنِي اِنْ بَتُوں کی پوجا پاٹ ہی کی وجہ سے تم متفق ہو گئے ہو۔

قَوْلُنَا: صَدَّقَ بِابِرَاهِيمَ یعنی حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کی، نہ یہ کہ نفس ایمان کی تصدیق کی اس لئے کہ حضرت لوط علیہ السلام تو مومن تھے ہی، لوط پر وقف لازم ہوگا۔

قَوْلُنَا: اِلَى حَيْثُ اَمَرَنِي رَبِّي اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے وہ یہ کہ اِلَى رَبِّي سے باری تعالیٰ کے لئے جہت ثابت ہوتی ہے حالانکہ باری تعالیٰ جہات سے پاک ہے تو اس کا اِلَى حَيْثُ اَمَرَنِي رَبِّي کہہ کر جواب دیدیا۔

قَوْلُنَا: سَوَادَ الْعِرَاقِ اِی اطرافہا یقال سَوَادَ الْبِلَدِ اِی اطراف الْبِلَدِ.

قَوْلُنَا: لَمَنِ الصَّالِحِينَ اِی الصَّالِحِينَ الْكَامِلِينَ.

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ الْخِ اللہ تعالیٰ کی رحمت، دنیا میں عام ہے جس سے کافر و مومن، مخلص و منافق اور نیک و بد یکساں طور پر مستفیض ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو دنیا کے وسائل، آسائش اور مال و دولت عطا کر رہا ہے یہ رحمت الہی کی وہ وسعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف) لیکن آخرت چونکہ دارالجزاء ہے انسان نے دنیا کی کھیتی میں جو کچھ بویا ہوگا اس کی فصل اسے وہاں کاٹنی ہوگی، جیسے عمل کئے ہوں گے ویسی ہی جزاء وہاں ملے گی، اللہ کی بارگاہ میں بے لاگ فیصلے ہوں گے دنیا کی طرح اگر آخرت میں بھی نیک و بد کے ساتھ یکساں

سلوک ہو اور مومن و کافر دونوں ہی رحمت الہی کے مستحق قرار پائیں تو اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل پر حرف آتا ہے، دوسرے قیامت کا مقصود ہی فوت ہو جائے گا قیامت کا دن تو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہی اس لئے ہے کہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کے صلہ میں جنت ملے اور بدوں کو ان کی بدیوں کی جزاء میں جہنم دی جائے، اس لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف اہل ایمان کے ساتھ خاص ہوگی جس کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ ان آیات سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا تھا، یہاں سے اس کا بقیہ حصہ بیان کیا جا رہا ہے، درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر اللہ کی توحید اور اس کی قدرت و طاقت کو بیان کیا گیا ہے، بعض مفسرین فرماتے ہیں یہ سب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وعظ کا حصہ ہے جس میں حضرت ابراہیم نے توحید اور معاد کے اثبات میں دلائل دیئے ہیں جن کا کوئی جواب ان کی قوم سے جب نہ بن پڑا تو انہوں نے اس کا جواب ظلم و تشدد کی اس کارروائی سے دیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اسے قتل کر دیا اسے جلادو، چنانچہ انہوں نے آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجیق کے ذریعہ اس میں پھینک دیا۔

فَانجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آگ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے چشم زدن میں گل و گلزار کر دیا اور اپنے خلیل کو بچا لیا آگ ان کے بندھنوں کے علاوہ کچھ نہ جلا سکی۔

وقال انما اتخذتم من دون الله اوثانا مودة (الآية) یعنی یہ تمہارے قوی بت ہیں جو تمہاری اجتماعیت اور آپس کی دوستی کی بنیاد ہیں، اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو تمہاری قومیت اور دوستی کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

فَاَمِنْ لَهُ لُوطُ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادے تھے یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے، بعض مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھانجے لکھا ہے وہ درست نہیں ہے، آتش نمرود میں حضرت ابراہیم کا معجزہ دیکھ کر حضرت ابراہیم کی نبوت کی سب سے پہلے انہوں نے تصدیق کی، حضرت ابراہیم اور آپ کی زوجہ محترمہ سارہ جو آپ کی چچا زاد بہن بھی تھیں، اور مسلمان ہو چکی تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام کو ساتھ لیکر اپنے وطن سے ہجرت کا ارادہ فرمایا اور کسی ایسی جگہ کا قصد فرمایا کہ جہاں بفرغت و اطمینان قلبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی کر سکیں۔

وَوَهَبْنَا لَهُ اسْحَقَ وَيَعْقُوبَ یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت یعقوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں، حضرت یعقوب ہی کو اسرائیل کہتے ہیں (اس کے معنی ہیں اللہ کا بندہ) بنی اسرائیل انہیں کی نسل سے ہیں، حضرت محمد ﷺ کے علاوہ بعد کے تمام انبیاء حضرت یعقوب علیہ السلام ہی کی نسل سے ہیں، اسی لئے ان کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، آنحضرت ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں جو کہ حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل کو بنی اسماعیل کہا جاتا ہے عرب کا تعلق اسی نسل سے ہے۔

ولو طأ اذ قال لقومه حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے تین بڑے گناہوں کا ذکر فرمایا ہے اول مرد کی مرد کے ساتھ

بدفعی، دوسرے رہزنی، تیسرے اپنی مجلسوں میں سب کے سامنے بے حیائی کے جرم کرنا، حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ”کہ تمہاری شہوت پرستی انتہاء کو پہنچ گئی ہے“ کہ اس کے لئے طبعی طریقے تمہارے لئے ناکافی ہو گئے ہیں اور تم نے غیر طبعی طریقے اختیار کر لئے ہیں۔

وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ اس کے ایک معنی نو یہ کئے گئے ہیں کہ آنے جانے والے مسافروں کو زبردستی پکڑ کر تم ان سے بے حیائی کا کام کرتے ہو جس کی وجہ سے لوگوں نے اس راستہ سے گزرنا چھوڑ دیا تھا، دوسرے معنی یہ ہیں کہ تم آنے جانے والوں کو لوٹ لیتے ہو اور قتل کر دیتے ہو یا ازراہ شرارت انہیں کنکریاں مارتے ہو۔

تیسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ سر راہ بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جس سے وہاں سے گذرتے ہوئے لوگ شرم محسوس کرتے ہیں، ان تمام صورتوں سے راستے بند ہو جاتے ہیں، حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں ان منکرات سے منع کیا تو اس کے جواب میں کہنے لگے اگر تم سچے ہو تو ہمارے اوپر اللہ کا عذاب لے آؤ جب حضرت لوط علیہ السلام قوم کی اصلاح سے ناامید ہو گئے تو ان کے لئے بددعاء کردی اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی بددعاء قبول فرمائی اور فرشتوں کو ان کے ہلاک کرنے کے لئے بھیج دیا، فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور انہیں اسحق و یعقوب علیہما السلام کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ ہم لوط علیہ السلام کی بستی کو ہلاک کرنے جا رہے ہیں۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰٓ ۖ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ بَعْدَهُ ۚ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوكُمْ ۖ أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اٰی قَرْيَةِ لُوطِ ۚ
 اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوا ظٰلِمِيْنَ ۝۵۱ کافرین قَالَ اِبْرٰهِيْمُ اِنَّ فِيْهَا لُوطًا ۙ قَالُوْا اٰی الرُّسُلِ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۚ
 لَنَنْجِيْنَهٗ ۚ بِالتَّخْفِيْفِ ۖ وَالتَّشْدِيْدِ ۚ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا اَمْرًا تَهُۥ ۚ كَانَتْ مِنَ الْغٰیِبِيْنَ ۝۵۲ الباقین فی العذاب
 وَلَمَّا اَنَّ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِیِّئَۢمۡرِهِمْ ۚ حَزَنَۢمۡ بِسَبَبِهِمْ ۚ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا ۚ صَدَرًا لَّا تُنۡهَمۡ حَسَنُ الْوُجُوۡهِ فِی
 صُوْرَةِ اَضْیَافٍ فَخَافَ عَلَیْهِمْ قَوْمُهٗ فَاعْلَمُوۡهُ بِاَنَّهُمۡ رُسُلُ رَبِّہٖ ۚ وَقَالُوۡا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۚ اِنَّا مُنۡجُوۡکَ
 بِالتَّشْدِيْدِ ۖ وَالتَّخْفِيْفِ ۚ وَاَهْلَکَ اِلَّا اَمْرًا تَکَ ۚ کَانَتْ مِنَ الْغٰیِبِيْنَ ۝۵۳ وَنَضَبَ اَنْبَلُکَ عَطْفًا عَلٰی مَحَلِّ
 الْکَافِ اِنَّا مُنۡزِلُوۡنَ ۚ بِالتَّشْدِيْدِ ۖ وَالتَّخْفِيْفِ ۚ عَلٰی اَهْلِ هَذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا عَذَابًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَاۤ بِالْفِعْلِ الَّذِی
 کَانُوۡا یَفْسُقُوۡنَ ۝۵۴ بِہٖ اٰی سَبَبٍ فِیۡسُقِهِمْ وَلَقَدْ تَرٰکُنَا مِنْہَا اٰیۃً بَیِّنَۃً ظٰہِرَۃً سِیۡ اَثَارُ خَرَابِہَا لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوۡنَ ۝۵۵
 یَتَذَكَّرُوۡنَ ۚ وَ اَرْسَلْنَا اِلٰی مَدَیْنٍ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا فَقَالَ یَقُوۡمُوۡا عِبُدُوۡا اللّٰهَ وَارْجُوۡا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ ۚ اِخۡشَوۡهُ یَوۡمَ
 یَوْمِ الْقِیَمَةِ ۚ وَلَا تَعۡتَوۡا فِی الْاَرْضِ مُفۡسِدِیۡنَ ۝۵۶ حَالٌ مُّوَكَّدٌ لِّعَامِلِہَا مِنْ عِشٰی بِکَسْرِ الْمُثَلَّثَةِ اَفۡسَدَ
 فَکَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجْفَةُ ۚ الزَّلٰزِلَةُ الشَّدِیۡدَةُ ۚ فَاصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جَثِمٰٓیۡنَ ۝۵۷ بَارِکِنِ عَلٰی الرَّکَبِ مَسْتَنِیۡنِ
 وَ اَنْبَلُکُنَا عَادًا وَثَمُوۡدًا ۚ بِالصَّرَفِ وَتَرْکِہٖ بِمَعْنٰی الْحٰی وَالْقَبِیْلَۃِ ۚ وَقَدْ تَبَّیۡنَ لَکُمۡ اٰنۡبَاۡ کُھِمۡ مِّنۡ مَّسٰکِنِهِمْ ۝۵۸

بِالْحَجَرِ وَالْيَمَنِ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِي فَصَدَّاهُمْ عَنِ السَّبِيلِ سَبِيلِ الْحَقِّ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ۝ ذُو بَصَائِرٍ وَابْتَلَاكَ قَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلِ الْبَيِّنَاتِ بِالْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ ۝ فَاتَيْنَا عَذَابَنَا فَكَلَّا مِنَ الْمَذْكُورِينَ أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا رِيحًا عَاصِفًا فِيهَا حَصَبٌ كَقُومِ لُوطٍ وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ كَشُمُودٍ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ كَقَارُونَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا كَقُومِ نُوحٍ وَفِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ فَيُعَذِّبَهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ بَارِئُكَ الذَّنْبِ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ أَيْ أَصْنَامًا يَرْجُونَ نَفْعَهَا كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا لِنَفْسِهَا تَأْوِي إِلَيْهِ وَإِنْ أَوْهَنَ أضعفَتِ الْبُيُوتُ لَبِيتُ الْعَنْكَبُوتِ لَا يَدْفَعُ عَنْهَا حَرًّا وَلَا يَرُدُّهَا كَذَلِكَ الْأَصْنَامُ لَا تَنْفَعُ عَابِدِينَهَا لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ ذَلِكُمْ مَا عِبَدُوا إِنْ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا بِمَعْنَى الَّذِي يَدْعُونَ يَعْبُدُونَ بِالْبَاءِ وَالتَّاءِ مِنْ دُونِهِ غَيْرُهُ مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ۝ فِي صُنْعِهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ فِي الْقُرْآنِ نَضْرِبُهَا نَجْعَلُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا أَيْ يَفْهَمُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ۝ الْمُتَدَبِّرُونَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ أَيْ مُجَقًّا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً دَلَالَةً عَلَى قُدْرَتِهِ تَعَالَى لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ خُصُّوا بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُمُ الْمُتَنَفِّعُونَ بِهَا فِي الْإِيمَانِ بِخِلَافِ الْكَافِرِينَ

وقف لازمہ

تفسیر

ترجمہ: ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس اسحق کی اور ان کے بعد (اسحق کے بیٹے) یعقوب کی خوشخبری لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں یعنی لوط علیہ السلام کی بستی والوں کو بلاشبہ اس بستی والے ظالم یعنی کافر ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے اس میں تو لوط (بھی) ہیں فرشتوں نے کہا جو وہاں ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیں، ہم لوط علیہ السلام کو اور ان کے اہل خانہ کو سوائے ان کی بیوی کے بچالیں گے اس لئے کہ وہ تو عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی اور جب ہمارے فرستادے لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو ان کی وجہ سے حضرت لوط مغموں ہوئے اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہوئے اس لئے کہ وہ مہمانوں کی صورت میں نہایت ہی خوبصورت تھے، چنانچہ ان کے بارے میں اپنی قوم سے اندیشہ کیا، تو انہوں نے بتایا کہ وہ ان کے رب کے فرستادے ہیں وہ فرشتے کہنے لگے کہ آپ اندیشہ نہ کریں اور مغموں نہ ہوں ہم آپ کو اور آپ کے اہل کو بچالیں گے سوائے آپ کی بیوی کے کہ وہ (عذاب) میں رہ جانے والوں میں ہوگی اور اَهْلُكَ کا نصب محل کاف پر عطف ہونے کی وجہ سے ہے، ہم اس بستی والوں پر ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے یعنی ان کے فسق کے سبب سے آسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں البتہ ہم نے اس بستی کی کچھ ظاہر نشانیاں یعنی ان کے (مکانوں) کے خرابات کے آثار غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے چھوڑ دیئے ہیں اور مدین والوں کے پاس ہم نے ان کے بھائی شعیب کو (رسول بنا کر) بھیجا تو انہوں نے فرمایا اے

میری قوم (کے لوگو!) اللہ کی بندگی کرو اور آخرت کے دن سے جو کہ وہ قیامت کا دن ہے ڈرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو مفسدین اپنے عامل کے لئے جو کہ عِثِّی کسرۃ ثا سے ہے حال مؤکدہ ہے، اور عِثِّی معنی میں افسد کے ہے سوان لوگوں نے حضرت شعیب عَلَيْهِ السَّلَام کو جھٹلایا تو ان کو ایک جھٹکے یعنی شدید زلزلہ نے آ پکڑا پھر تو وہ اپنے گھروں میں مردہ گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے اور ہم نے عاد و ثمود کو ہلاک کر دیا (ثمود) منصرف اور غیر منصرف (دونوں ہو سکتا ہے) الْحَسِّی کے معنی میں منصرف اور القبیلۃ کے معنی میں غیر منصرف، تمہارے سامنے جن کی ہلاکت حجر و یمن میں ان کے مکانوں سے ظاہر ہے اور شیطان نے ان کے اعمال یعنی کفر و معاصی کو ان کی نظر میں مستحسن کر رکھا تھا اور انہیں راہ حق سے روک دیا تھا اور وہ غفلت مندوں میں شمار ہوتے تھے اور ہم نے قارون کو اور فرعون کو اور ہامان کو ہلاک کر دیا اور اس سے پہلے ان کے پاس موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کھلی کھلی دلیلیں لیکر آئے تھے، پھر بھی ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور ہمارے عذاب سے نہ بھاگ سکے تو ہم نے تمام مذکورین کو ان کے گناہوں کی سزا میں پکڑ لیا سوان میں سے بعض پر ہم نے آندھی بھیجی یعنی شدید ہوا جس میں کنکریاں تھیں، جیسا کہ قوم لوط پر اور ان میں سے بعض کو ہولناک شدید آواز نے آدبایا جیسا کہ ثمود کو اور ان میں سے بعض کو زمین میں دھنسا دیا جیسا کہ قارون اور ان میں سے بعض کو غرق کر دیا جیسا کہ قوم نوح اور فرعون اور اس کی قوم اور اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرے کہ بغیر جرم کے سزا دے لیکن وہ خود ہی جرم کا ارتکاب کر کے اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کار ساز تجویز کر رکھے ہیں یعنی بت جن سے نفع کی توقع رکھتے ہیں ان کی مثال مکڑی کے جالے جیسی ہے جس نے اپنے لئے ایک گھر بنایا جس میں وہ ٹھکانہ حاصل کرتی ہے بلاشبہ تمام گھروں میں مکڑی کا گھر سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے وہ گھر اس سے نہ گرمی دفع کر سکتا ہے اور نہ سردی، اسی طرح بت ہیں کہ اپنی پوجا پاٹ کرنے والوں کو نفع نہیں پہنچا سکتے اگر یہ لوگ اس حقیقت کو جان لیتے تو ان بتوں کی بندگی نہ کرتے اللہ تعالیٰ بلاشبہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جس کی اس کے سوا یہ بندگی کرتے ہیں یا اور تا کے ساتھ وہ اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے ہم ان قرآنی مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو بس غور و فکر کرنے والے عالم ہی سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق یعنی بامقصد پیدا فرمایا ہے بلاشبہ اس میں مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بڑی دلیلیں ہیں، مومنین کو خاص طور پر ذکر کیا اس لئے کہ ان دلائل سے ایمان میں مومن ہی فائدہ اٹھاتے ہیں بخلاف کافروں کے۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: اسحق و یعقوب سورہ ہود میں دو باتوں کی خوشخبری کا ذکر ہے، اسحق و یعقوب کی ولادت کی خوشخبری اور قوم لوط کی ہلاکت کی خبر کا، مگر یہاں شارح نے ایک پر اکتفاء کیا ہے، گویا کہ سابق کی تفصیل کی وجہ سے یہاں اجمال پر اکتفاء کیا ہے، احقر کے خیال میں بعدہ کے بجائے اگر شارح ولدہ فرماتے تو زیادہ مناسب رہتا اس لئے کہ حضرت یعقوب عَلَيْهِ السَّلَام حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں، بعدہ کی ضمیر حضرت احق کی طرف راجع ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احق اور احق کے بعد یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی اس سے وہم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب بھی حضرت ابراہیم کے صاحبزادے ہیں حالانکہ حضرت یعقوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں۔

قَوْلٌ: قَرِیۡۃٌ لُّوۡطٍ اس قریہ کا نام سدوم تھا (جمل) بعض کتابوں میں سدوم دال کے ساتھ ہے یہ قوم لوط کی بستیوں کا مرکزی مقام تھا، حضرت لوط علیہ السلام اسی بستی میں رہتے تھے۔

قَوْلٌ: کَانَتْ مِنَ الْغَابِرِیۡنَ اِیۡ فِیۡ عِلْمِ اللّٰہِ الْاَزَلِیۡ۔

قَوْلٌ: سِیۡئِۡ بِہِمۡ کی تفسیر حَزَنٌ بِسَبَبِہِمۡ سے کر کے شارح نے اشارہ کر دیا کہ سیئ کی ضمیر کا مرجع حضرت لوط علیہ السلام ہیں قاضی بیضاوی نے سیئ کی ضمیر کا مرجع مصدر مَسَاۃ کو قرار دیا ہے اِیۡ جَاءَتِ الْمَسَاۃُ بِہِمۡ مگر شارح نے اول کو اختیار کیا ہے اور ساتھ ہی اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ بِہِمۡ میں باسیہ ہے۔

قَوْلٌ: صَدْرًا، ذَرَعًا کی تفسیر صَدْرًا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ تفسیر حاصل معنی کے ذریعہ ہے ورنہ تو ذرعا کے معنی طاقت اور قوت کے ہیں، نیز ذرعا ضاق کی نسبت سے تمیز ہے جو فاعل سے منتقل ہوئی ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ضاق بامرہم۔

قَوْلٌ: لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوۡنَ لِقَوْمٍ کَا تَعْلُقُ تَرۡکَنًا یَاۡبَاۡۃً یَّاۡبِیۡنَۃً سے ہو سکتا ہے تیسرا ظاہر ہے۔

قَوْلٌ: اَرۡجَوُا الیَومَ الْاٰخِرَ رَجَاۃً کے مشہور معنی توقع اور امید کے ہیں چنانچہ بعض مفسرین یہی مراد لیتے ہیں، اور اس کے ایک معنی خوف کے بھی ہیں مفسر علام نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے یعنی قیامت کے دن میں اللہ کے عذاب سے ڈرو، پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تم لوگ یوم آخرت میں اجر و ثواب کی توقع رکھو۔

قَوْلٌ: مِّنۡ عَثٰیۡۤیَہِ (س ن) دونوں سے مستعمل ہے اس کے معنی ہیں فساد برپا کرنا۔

قَوْلٌ: مِّفۡسِدِیۡۤیَہِ لَا تَعۡنُوا کی ضمیر سے حال مؤکدہ ہے اس لئے کہ عَثٰیۡۤیَہِ کے جو معنی ہیں وہی اَفۡسَدَ کے ہیں گویا کہ یہ ابوک عطفاً کی قبیل سے ہے۔

قَوْلٌ: الرَّجۡفَۃُ شَدِیۡدُ زَلۡزَلٍ اور سورہ ہود میں ہے فَاَخَذَتۡہُمُ الصَّیۡحَۃُ دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، حالانکہ واقعہ واحد ہے اس لئے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ سے زلزلہ پیدا ہوا اور زلزلہ کی وجہ سے ہلاکت ہوئی، ایک جگہ ہلاکت کی اضافت سبب یعنی صیحة کی طرف کردی اور دوسری جگہ سبب یعنی رجفہ کی طرف کردی۔

قَوْلٌ: بِالۡصَّرۡفِ و تَرَکَہُ ان دونوں کا تعلق صرف ثمود سے ہے۔

قَوْلٌ: بِالۡحِجۡرِ حجر ایک وادی کا نام ہے جو کہ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے یہ قوم ثمود کی بستی تھی، اور یمن میں قوم عاد آباد تھی، یہ دونوں قومیں عذاب الہی میں معذب ہوئی تھیں۔

قَوْلٌ: ذَوٰی بَصَاۡئِرٍ یعنی صاحب بصیرت عقلمند، تجربہ کار، یعنی وہ کوئی دیوانے یا مجنون نہیں، دنیوی کاموں میں بڑے ہوشیار تھے اگر وہ چاہتے تو تو حید و آخرت کے معاملہ میں اپنی بصیرت اور دانشمندی سے کام لے سکتے تھے مگر دنیا کی حرص اور

قومی تعصب نے ان کو بے بصیرت بنا دیا تھا۔

قَوْلًا: قَارُونَ وَفِرْعَوْنَ یہاں پر قارون کو مقدم کیا گیا ہے حالانکہ شرارت اور تکبر میں فرعون قارون سے کہیں بڑھا ہوا تھا، قارون کو چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قرابت یعنی برادر عم ہونے کی وجہ سے ایک قسم کا شرف حاصل تھا، اسی وجہ سے قارون کو فرعون پر مقدم ذکر کیا ہے۔

قَوْلًا: الْعَنْكَبُوت، بیت العنکبوت سے مکڑی کا جالا مراد ہے مکڑی کئی قسم کی ہوتی ہے یہاں وہ مکڑی مراد ہے جو عام طور پر گھروں میں جالاتی ہے، صاوی میں ہے کہ مکڑی کے آٹھ پیر اور چھ آنکھیں ہوتی ہیں، یہ قانع ترین حیوانات میں سے ہے اپنے جالے میں صبر و قناعت کے ساتھ بیٹھی رہتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے صبر و قناعت کی وجہ سے حریص ترین حیوان یعنی مکھی اور مچھر کو اس کی غذا بنا دیا جو اس کے جال میں پھنس کر اس کی غذا بنتے ہیں، عنکبوت میں نون اصلی ہے اور واؤ تازائدہ ہیں اس لئے کہ اس کی جمع عناکب اور تصغیر عنیکب آتی ہے، اس کا اطلاق واحد، ثمنیہ، جمع، مذکر و مؤنث سب پر ہوتا ہے، گوتانیث میں کثیر الاستعمال ہے۔

قَوْلًا: مَا عَبْدُوَهَا یہ لو کانوا یعلمون کی جزا ہے۔

قَوْلًا: مَا بِمَعْنَى الذی، مَا یَعْلَمُ کا مفعول ہے اِی یَعْلَمُ الذین یَدْعُوْنَهُمْ اور بعض حضرات نے مَا کو استفہامیہ توخیہ بھی کہا ہے، اس صورت میں مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَیْءٍ یَعْلَمُ اور وَهُوَ الْعَزِیزُ الْحَکِیمُ کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔

قَوْلًا: مُحَقَّقًا سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بالحق جار مجرور ملا بست کے لئے ہے اور اللہ سے حال ہے اِی مُحَقَّقًا غَیْرُ قَاصِدٍ بِهٖ بَاطِلًا۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

حضرت لوط علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی گئی، اور اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کو بھیج دیا، وہ فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور انہیں حضرت اسحق اور یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ ہم لوط علیہ السلام کی بستی کو ہلاک کرنے جارہے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اس بستی میں تو لوط علیہ السلام بھی ہیں تو فرشتوں نے جواب دیا اے خلیل جلیل! ہمیں وہاں کے لوگوں کا حال معلوم ہے، ہم لوط علیہ السلام اور ان کے متعاقبین کو ہلاک ہونے سے بچا دیں گے البتہ ان کی کافرہ بیوی عذاب میں پھنسنے والوں میں رہ جائے گی، یہ کہہ کر قوم لوط کی بستی کی طرف روانہ ہو گئے، جب یہ فرشتے نو جوان خوبصورت مہمانوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ ان خوب رو مہمانوں کو دیکھ کر ڈرے اپنی قوم کی عادت اور سرکشی کی وجہ سے کہ اگر ان خوبصورت مہمانوں کی آمد کا علم قوم کو ہو گیا تو وہ ان سے زبردستی بے حیائی کا ارتکاب کریں گے جس سے میری رسوائی ہوگی، ان خوش شکل مہمانوں کو اپنی قوم سے بچانے کی کوئی

تدبیر سمجھ میں نہیں آئی، جس کی وجہ سے وہ غمگین اور دل ہی دل میں بہت پریشان ہوئے، فرشتوں نے جب حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی کو دیکھا تو انہیں تسلی دی اور کہا کہ آپ کوئی خوف نہ کریں ہم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں ہمارا مقصد آپ کی قوم کو ہلاک و برباد کرنا ہے اور آپ کو اور آپ کے تمام متعلقین و مومنین کو بچالینا ہے، سوائے آپ کی کافرہ بیوی کے۔

قَوْلُهُ: رَجَزًا مِنَ السَّمَاءِ اس آسمانی عذاب سے وہی آسمانی عذاب مراد ہے جس کے ذریعہ قوم لوط کو ہلاک کیا گیا تھا کہا جاتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے ان بستیوں کو زمین سے اکھیڑا اور آسمانوں کی بلندی پر لے گئے اور پلٹ دیا اس کے بعد کنکر پتھروں کی بارش کر دی اور اس جگہ کو سخت بدبودار (جھیل) میں تبدیل کر دیا گیا۔ (ابن کثیر ملخصاً)

مَسْئَلَةٌ: مکڑی کو مارنے اور اس کے جالے صاف کرنے کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں بعض حضرات اس کو پسند نہیں کرتے کیونکہ مکڑی آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے وقت غار ثور کے دہانے جالا تنے کی وجہ سے قابل احترام ہو گئی جیسا کہ خطیب نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے قتل کی ممانعت نقل کی ہے مگر ثعلبی نے اور ابن عطیہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے یہ روایت نقل کی ہے ظَهَرُوا بُيُوتَكُمْ مِنْ نَسَجِ الْعَنْكَبُوتِ فَإِنْ تَرَكَهُ الْفَقْرُ مَكْرِيٍّ كَالْوَلَدِ مِنْ بَنَاتِهِ مَكَانُوهَا كَوَصَافٍ رَكَّاهَا كَرُو، کیونکہ اس کے چھوڑ دینے سے فقر و فاقہ پیدا ہوتا ہے، سند دونوں روایتوں کی قابل اعتماد نہیں ہے مگر دوسری روایت کی دوسری احادیث سے تائید ہوتی ہے جس میں مکان اور فناء دار کو صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(روح المعانی، معارف)

تِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ (الآیۃ) مشرکین کے خداؤں کی کمزوری کی مثال مکڑی کے جالے سے دینے کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ ہم ایسی ایسی واضح مثالوں سے توحید کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں مگر ان مثالوں سے بھی نصیحت اور سمجھ علماء ہی حاصل کرتے ہیں، دوسرے لوگ تدبر اور غور و فکر نہیں کرتے کہ ان پر حق واضح ہو جائے۔

عالم کون؟

امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی، اور فرمایا کہ عالم وہی شخص ہے جو اللہ کے کلام میں غور و فکر کرے اور اس پر عمل کرے اور اللہ کو ناراض کرنے کے کاموں سے اجتناب کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کے محض الفاظ سمجھ لینے سے اللہ کے نزدیک کوئی شخص عالم نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن میں تدبر اور غور و فکر کی عادت نہ ڈالے اور جب تک اپنے عمل کو قرآن کے مطابق نہ بنائے۔

أَتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ الْقُرْآنِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ شَرْعًا اٰی مِنْ

شأنها ذلك ما دام المرء فيها وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ غَيْرِهِ مِنَ الطَّاعَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿۱۹﴾ فَيُجَازِيكُمْ بِهِ

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ كَالدَّعَاءِ إِلَى اللَّهِ بِآيَاتِهِ وَالتَّسْبِيحِ عَلَى خُجْجِهِ
إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ بَانَ حَارِبُوا وَأَبَوْا أَنْ يُقَرُّوا بِالْجِزْيَةِ فَجَادِلُوهُمْ بِالسَّيْفِ حَتَّى يُسَلِّمُوا أَوْ يُغْلَبُوا
الْجِزْيَةِ وَقُولُوا لِمَنْ قَبْلَ الْإِقْرَارِ بِالْجِزْيَةِ إِذَا أَخْبَرُواكُمْ بِشَيْءٍ بِمَا فِي كُتُبِهِمْ أَمَّا الَّذِي أَنْزَلَ الْيَنَى وَأَنْزَلَ إِلَيْكُمْ
وَلَا تُصَدِّقُوا بِهِ وَلَا تُكَذِّبُوا بِهِ فِي ذَلِكَ ۚ وَالْهَنَى وَالْهَكْمُ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۵﴾ مُطِيعُونَ
وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ ۚ كَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمُ التَّوْرَةَ وَغَيْرَهَا ۚ فَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ التَّوْرَةَ
كَعَبَدَ اللَّهُ نَبِيَّ سَلَامٍ وَغَيْرِهِ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ بِالْقُرْآنِ وَمَنْ هُوَ إِلَّا أَيْبَلُ مَكَّةَ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَا يَجْحَدُ بِالْيَتَنَى بَعْدَ
ظُهُورِهَا إِلَّا الْكَافِرُونَ ﴿۱۶﴾ ۚ أَيْ الْيَهُودُ وَظَهَرَ لَهُمْ أَنَّ الْقُرْآنَ حَقٌّ وَالْجَائِئِي بِهِ مُجَقٌّ وَجَحَدُوا ذَلِكَ
وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ أَيْ الْقُرْآنَ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُ بِيَمِينِكَ إِذَا أَيْ لَوْ كُنْتَ قَارِئًا كَاتِبًا لَرَتَّابَ شَكَّ
الْمُبْطِلُونَ ﴿۱۷﴾ ۚ أَيْ الْيَهُودُ فِيكَ وَقَالُوا الَّذِي فِي التَّوْرَةِ أَنَّهُ أَمِيٌّ لَا يَقْرَأُ وَلَا يَكْتُبُ بَلْ هُوَ أَيْ الْقُرْآنَ الَّذِي
جَنَّتْ بِهِ آيَةُ بَيِّنَاتٍ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ۚ أَيْ الْمُؤْمِنِينَ يَحْفَظُونَهُ وَمَا يَجْحَدُ بِالْيَتَنَى إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿۱۸﴾
الْيَهُودُ جَحَدُوا بِأَعْدَ ظُهُورِهَا لَهُمْ وَقَالُوا أَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ لَوْلَا ۚ أَنْزَلَ عَلَيْهِ عَلَى مُحَمَّدٍ آيَةُ مَنْ رَبِّهِ ۚ وَفِي
قِرَاءَةِ آيَاتِ كِسَافَةٍ صَالِحٍ وَغَضَا مُوسَى وَمَائِدَةُ عِيسَى ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَةُ عِنْدَ اللَّهِ يُنْزِلُهَا كَمَا يَشَاءُ
وَأِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۱۹﴾ ۚ مُظْهِرٌ إِنْ دَارَى بِالنَّارِ أَيْبَلُ الْمَعْصِيَةِ أَوْ لَمْ يَكْفِهِمْ فِيمَا طَلَبُوهُ أَنَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ
يَتْلَى عَلَيْهِمْ فَهُوَ آيَةُ مُسْتَمِرَّةٌ لَا انْقِضَاءَ لَهَا بِخِلَافِ مَا ذَكَرَ مِنَ الْآيَاتِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَكِرَامَةً وَذِكْرًا
عَظِيمًا لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: جو کتاب آپ پر یعنی قرآن وحی کی گئی ہے آپ اس کو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے یقیناً نماز بیجا کی اور
شرعاً ناشائستہ کاموں سے روک دیتی ہے یعنی نماز کی شان یہی ہے، جب تک انسان نماز میں ہوتا ہے بے شک اللہ کا ذکر دیگر
طاعتوں کے مقابلہ میں بہت بڑی چیز ہے جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے اس کی تم کو وہ جزا دے گا اور تم اہل کتاب
کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مجادلہ مت کرو مثلاً اللہ کی طرف اللہ کی آیات کے ذریعہ دعوت دو اور اس کے دلائل پر تنبیہ کرو مگر
ان کے ساتھ جو ان میں سے زیادتی کریں یاں طور کہ محاربہ کریں اور جزیہ دینے سے انکار کریں تو ایسے لوگوں سے جہاد بالسیف
کرو حتیٰ کہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دینا منظور کریں، اور ان لوگوں سے جنہوں نے جزیہ دینے کا اقرار کر لیا جب وہ اپنی کتابوں
میں سے کسی بات کی خبر دیں تو کہہ دو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر اتاری گئی
ہے، اور اس خبر کے بارے میں نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب اور ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں
(یعنی) اطاعت گزار ہیں اور ہم نے اسی طرح آپ پر کتاب یعنی قرآن نازل کی ہے جیسا کہ ان پر تورات وغیرہ نازل کی ہیں

سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب تورات دی ہے جیسا کہ عبد اللہ بن سلام وغیرہ تو وہ اس کتاب یعنی قرآن پر ایمان لائے ہیں اور ان لوگوں یعنی اہل مکہ میں بھی بعض ایسے ہیں جو قرآن پر ایمان لے آئے ہیں اور ہماری آیتوں کا ان کے ظہور کے بعد بجز کافروں یعنی یہود کے کوئی منکر نہیں اور ان پر واضح ہو گیا کہ قرآن حق ہے اور اس کا لانے والا حق پر ہے (پھر بھی) اس کے منکر ہوئے آپ اس کتاب یعنی قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھے ہوئے نہیں تھے اور نہ آپ اپنے ہاتھ سے کوئی کتاب لکھتے تھے ورنہ تو اگر آپ لکھنا پڑھنا جانتے تو یہ باطل پرست یہود آپ کے بارے میں ضرور شبہ نکالتے اور کہتے کہ جس (آنے والے نبی) کا ذکر تورات میں ہے وہ تو امی ہو گا وہ لکھنا پڑھنا کچھ نہ جانتا ہو گا (اور یہ تو جانتا ہے) بلکہ یہ قرآن جس کو آپ لائے ہیں خود ان لوگوں کے دلوں میں جن کو علم عطا کیا گیا ہے یعنی وہ مومنین جو اس کی حفاظت کرتے ہیں واضح دلیلیں ہیں اور ہماری آیتوں کا منکر بجز ظالم کے کوئی نہیں یہود نے ان پر ان آیتوں کے واضح ہونے کے باوجود انکار کر دیا، کفار مکہ نے کہا کس لئے محمد پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے نہیں اتاری گئی اور ایک قراءت میں (آیت کی بجائے) آیات ہے جیسا کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور عیسیٰ علیہ السلام کا دسترخوان آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ کے اختیار میں ہیں جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے اور میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں میرا ڈرانا اہل معصیت کو آگ (جہنم) سے ہے کیا ان کو اپنے مطالبہ کے سلسلہ میں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب قرآن نازل کر دی جو ان کو پڑھ کر سنائی جا رہی ہے یہ کتاب تو ایسی آیت ہے کہ جو ہمیشہ رہنے والی ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں بخلاف ان آیات کے جن کا تذکرہ کیا گیا اس کتاب میں رحمت (بھی) ہے اور نصیحت ایمان والوں کے لئے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَتْلُ مَا اُوْحِيَ الْبِكَ (الآیۃ) اے محمد ﷺ جب آپ کو اپنی قوم کے ایمان نہ لانے پر افسوس اور غم ہو تو آپ قرآن کی تلاوت کیا کیجئے تو آپ کو یہ جان کر تسلی ہوگی کہ حضرت نوح و لوط علیہما السلام وغیرہ کو بھی ایسے حالات پیش آئے تھے، جیسے آپ کو پیش آرہے ہیں نیز انہوں نے تبلیغ رسالت اور دلائل قائم کرنے میں بے حد محنت اور مبالغہ سے کام لیا مگر اس کے باوجود وہ اپنی قوموں کو ضلالت اور جہالت سے نہ بچا سکے، جب آپ قرآن کی تلاوت کریں گے اور انبیاء مذکورین کے حالات معلوم ہوں گے تو آپ کو ایک گونہ تسلی ہوگی۔

قَوْلُهُ: الْفَحْشَاءُ وَالْمُنْكَرُ ”فحش“ اس برائی کو کہتے ہیں جس کو شریعت نے برا قرار دیا ہو خواہ عرف عام میں اس کو اچھا ہی کیوں نہ سمجھا جاتا ہو۔

قَوْلُهُ: مَا دَامَ الْمَرْءُ فِيهَا یہ ایک قول ہے ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ فواحش اور منکرات سے روکنا نماز کی خاصیت ہے بشرطیکہ اس کو شرائط اور آداب کے ساتھ پابندی سے ادا کیا جائے، اگر کوئی شخص نماز کی پابندی کے باوجود فواحش سے باز نہیں آتا ہے تو

سمجھ لو کہ نماز کی ادائیگی میں قصور ہے نہ کہ نماز کی خاصیت میں۔

قَوْلُهُ: كَعْبِدَ اللّٰهَ بن سلام یہ سبقت قلم ہے اس لئے کہ یہ سورت مکی ہے اور عبد اللہ بن سلام مدینہ میں ایمان لائے ہیں لہذا عبد اللہ بن سلام کو مثال میں پیش کرنا درست نہیں ہے، ہاں البتہ یہ ممکن ہے اخبار بالغیب کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ بن سلام کے ایمان لانے کی خبر دی ہو۔

قَوْلُهُ: مِنْ كِتَابٍ، مِنْ كِتَابٍ، تَتْلُوْا کا مفعول ہے اور من زائدہ ہے۔

قَوْلُهُ: لَوْ كُنْتَ قَارِئًا كَاتِبًا یہ لف وشر مرتب ہے۔

قَوْلُهُ: الْيَهُودَ، مَبْطُلُونَ کی تفسیر میں یہود کی تخصیص مناسب نہیں ہے اس لئے کہ نصاریٰ کا بھی یہی حال تھا لہذا اگر الْيَهُودَ کے بجائے کالِیہود فرماتے تو زیادہ مناسب تھا تا کہ یہود کے علاوہ ہر منکر قرآن اس میں شامل ہو جاتا۔

قَوْلُهُ: اَوَّلَمْ يَكْفِهِمْ ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور واو عاطفہ ہے اور یكفہم کا عطف محذوف پر ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ اَجْهَلُوا وَلَمْ يَكْفِهِمْ اور یہ استفہام تو بخفی ہے۔

قَوْلُهُ: اَنَّا اَنْزَلْنٰ اَنّ اور جس پر اَنّ داخل ہے مصدر کی تاویل میں ہے، اور یكف کا فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَوَّلَمْ يَكْفِهِمْ اَنْزَلْنٰ۔

تَفْسِيْرٌ وَتَشْرِیْحٌ

سابقہ آیات سے ربط:

اَتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ سابقہ آیات میں چند انبیاء اور ان کی امتوں کا ذکر تھا جن میں چند بڑے بڑے سرکش کفار اور ان پر قسم کے عذابوں کا ذکر تھا، جن میں رسول اللہ ﷺ اور مومنین امت کے لئے تسلی بھی ہے کہ انبیاء سابقین نے مخالفین کی کیسی کیسی ایذاؤں پر صبر کیا اور اس کی تلقین بھی کہ تبلیغ و دعوت کے کام میں کسی حال میں ہمت نہیں ہارنا چاہئے۔

قرآن کی تلاوت کے فوائد:

اَتْلُ مَا اُوْحِيَ میں اگرچہ خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر مراد پوری امت ہے، قرآن کریم کی تلاوت متعدد مقاصد کے لئے مطلوب ہے، اجر و ثواب کے لئے اس کے معانی اور مطالب میں غور و فکر کرنے کے لئے تعلیم و تدریس کے لئے اور وعظ و نصیحت کے لئے، اس حکم تلاوت میں تمام صورتیں داخل ہیں۔

وَاقِمِ الصَّلٰوةَ۔ کیونکہ نماز سے (بشرطیکہ نماز ہو) انسان کا خصوصی تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم ہو جاتا ہے جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے، اسی لئے قرآن کریم میں کہا گیا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ”اے

ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو (البقرہ) نماز اور صبر کوئی مرقی چیز تو ہے نہیں کہ انسان ان کا سہارا پکڑ کر ان سے مدد حاصل کر لے یہ تو غیر مرقی چیز ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کے ذریعہ انسان کا اپنے رب کے ساتھ خصوصی تعلق قائم ہو جاتا ہے، وہ قدم قدم پر اس کی رہنمائی اور دشگیری کرتا ہے، آپ ﷺ کو جب کبھی کوئی اہم مرحلہ درپیش ہوتا تھا تو آپ نماز کا اور زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

نماز تمام گناہوں سے روکتی ہے:

”فحش“ اور ”منکر“ دو لفظ ہیں ان دو لفظوں میں تمام جرائم اور ظاہری و باطنی سب گناہ آگئے، متعدد مستند احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت صلوٰۃ کی یہ تاثیر ہے کہ جو شخص اس کی شرائط کے ساتھ پابندی کرتا ہے تو اس سے گناہ چھوٹ جاتے ہیں، مگر اس کی شرائط و آداب کے ساتھ پابندی ضروری ہے، جس طرح دواؤں کی مختلف تاثیرات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوا فلاں بیماری میں مفید ہے اور واقعتاً ایسا ہوتا بھی ہے لیکن کب؟ جب دوا توں کا التزام کیا جائے ایک تو دوا کو پابندی کے ساتھ بتائے ہوئے طریقہ اور شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے اور دوسری چیز پر ہیز یعنی ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو اس دوا کے اثرات کو زائل کرنے والی ہوں، اسی طرح نماز کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے یقیناً ایسی روحانی تاثیر رکھی ہے کہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے لیکن جب کہ نماز کو سنت نبوی کے طریقہ پر پڑھا جائے۔

وَلَذِكْرِ اللَّهِ اَكْبَرُ یعنی اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے، اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بندہ جو نماز یا نماز سے باہر اللہ کا ذکر کرتا ہے یہ بڑی چیز ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ بندے جب اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے ذاکر بندے کا ذکر فرشتوں کے مجمع میں کرتا ہے اور فاذا کرونی اذکر کم کے پیش نظر اللہ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا بہت بڑی نعمت ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا یعنی اہل کتاب سے اگر بحث و مباحثہ کی نوبت آئے تو مجادلہ ایسے طریقہ سے کرو جو بہتر ہو مثلاً سخت کلام کا جواب نرم گفتاری سے اِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا منہم یعنی جو بحث و مباحثہ میں افراط و تفریط سے کام لیں تو تمہیں بھی سخت لب و لہجہ اختیار کرنے کی اجازت ہے، بعض مفسرین نے پہلے گروہ سے وہ اہل کتاب مراد لئے ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور دوسرے گروہ سے وہ اشخاص مراد لئے ہیں جو مسلمان نہیں ہوئے بلکہ یہودیت اور نصرانیت پر قائم رہے اور بعض نے الَّذِينَ ظَلَمُوا منہم کا مصداق ان اہل کتاب کو لیا ہے جو مسلمانوں کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتے تھے، اور جنگ و جدال کے بھی مرتکب ہوتے تھے ان سے تم بھی قتال کرو تا آنکہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ دینا قبول کریں۔

اَمَّا بِالَّذِي اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ اس آیت میں مسلمانوں کے تورات اور انجیل پر ایمان لانے کا تذکرہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تورات اور انجیل پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کی نازل کردہ آسمانی کتابیں ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ موجودہ تورات و انجیل کے تمام مضامین پر ہمارا ایمان ہے گذشتہ زمانہ میں ان میں ہزار ہا تحریفات ہو چکی

ہیں اور اب بھی تحریفات کا سلسلہ جاری ہے۔

موجودہ تورات و انجیل کی نہ مطلقاً تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب، صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ اہل کتاب تورات و انجیل کو ان کی اصل زبان عبرانی میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کو ان کا ترجمہ عربی میں سناتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یوں کہو آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ یعنی ہم اجمالاً اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تمہارے انبیاء پر نازل ہوئی ہے اور جو تفصیلات تم بتاتے ہو وہ ہمارے نزدیک قابل اعتماد نہیں، اس لئے ہم اس کی تصدیق و تکذیب سے اجتناب کرتے ہیں۔

تفسیر کی کتابوں میں جو عام مفسرین نے اہل کتاب کی روایات (اسرائیلیات) نقل کی ہیں ان کا بھی یہی درجہ ہے اور نقل کرنے کا منشا اس کی صرف تاریخی حیثیت کو واضح کرنا ہے، حلال و حرام کا اس سے استنباط نہیں کیا جاسکتا ہے۔

آپ ﷺ کا امی ہونا آپ کی نبوت کی اہم دلیل ہے:

حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر جس طرح بہت سے واضح معجزات ظاہر فرمائے انہی میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کو امی رکھا، اور آپ کا اختلاط اہل کتاب سے بھی کبھی نہیں رہا کہ ان سے کچھ سن لیتے اس لئے کہ مکہ میں اہل کتاب تھے ہی نہیں، چالیس سال ہونے پر یکا یک آپ کی زبان مبارک سے ایسا کلام جاری ہونے لگا جو اپنے مضامین اور معانی کے اعتبار سے بھی معجزہ تھا اور لفظی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی۔

لَوْ لَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَمَنِ اهْلٌ مَكَهَ آپ سے حضرت موسیٰ عليه السلام اور حضرت عیسیٰ عليه السلام جیسے معجزے طلب کرتے ہیں اول تو آپ فرما دیجئے کہ معجزوں کا ظاہر کر دینا اور نشانیوں کا دکھا دینا میرے اختیار میں نہیں ہے اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں ظاہر فرما دیتے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ کیا یہ قرآن معجزہ نہیں ہے جس کی بابت انہیں چیلنج دیا گیا ہے کہ اس جیسا لا کر دکھائیں یا کوئی ایک ادنیٰ سورت ہی بنا کر پیش کر دیں، اور یہ چیلنج آج بھی باقی ہے اور تا قیامت رہیگا، جب قرآن کی اس معجزہ نمائی کے باوجود اس قرآن پر ایمان نہیں لارہے تو اگر موسیٰ عليه السلام کی طرح کے معجزے ان کو دکھا بھی دیئے گئے تو کیا ضمانت ہے کہ یہ ایمان لے ہی آئیں گے، جبکہ سابق انبیاء عليہم السلام کے معجزے ان کی زندگی کے ساتھ ساتھ ختم ہو گئے اور آپ ﷺ کا قرآن کا معجزہ آج بھی باقی ہے اور تا قیامت باقی رہے گا۔

قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِنْهُ حٰلِيْ وَحٰلِكُمْ ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَهٰوْا مَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ مِنْكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٥٧﴾ فِیْ صَفْحَتِهِمْ حَيْثُ اشْتَرَوْا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْ لَا اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّ ۙ لَّجَآءُهُمُ الْعَذَابُ ۚ عَاجِلًا ۚ وَلِيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْةٌ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٨﴾ بِوَقْتِ اٰتِيَآئِهِ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ فِی الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ ﴿٥٩﴾ يَوْمَ يَغْشَاهُمْ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

أَرْجُلَهُمْ وَيَقُولُ فِيهِ بِالنُّونِ أَيْ نَامِرٌ بِالْقَوْلِ وَبِالْيَاءِ أَيْ يَقُولُ الْمُؤَكَّلُ بِالْعَذَابِ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ^(۵۹) اِی جزاء و فلا تَفُوتُونَنَا لِعِبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِنِّي أَفْعِدُونَ^(۶۰) فِی اِی اَرْضِ تَبَسَّرْتُ فِیْهَا الْعِبَادَةَ بِأَنْ تُهَاجِرُوا إِلَيْهَا مِنْ أَرْضٍ لَمْ يَتَبَسَّرْ فِیْهَا نَزَلَ فِی ضِعْفَاءِ مُسْلِمٍ سَكَّةَ كَانُوا فِی ضِيقٍ مِنْ أَظْهَارِ الْإِسْلَامِ بِهَا كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ^(۶۱) بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ بَعْدَ الْبُعْثِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ نُزُلًا لَهُمْ وَفِی قِرَاءَةِ بِالمثلثة بَعْدَ النُّونِ مِنَ الثَّوْبِ الْإِقَامَةُ وَتَعْدِيَتُهُ إِلَى غُرَفٍ بِحَذَفٍ فِی مَنْ الْجَنَّةِ عُرُفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ مُقَدَّرِينَ الْخُلُودَ فِيهَا نِعْمَ أَجْرُ الْعَمَلِينَ^(۶۲) بِهَذَا الْاِجْرُ بِهِ الَّذِينَ صَبَرُوا عَلَى أَذَى الْمُشْرِكِينَ وَالْمُهْجَرَةِ لِأَظْهَارِ الدِّينِ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ^(۶۳) فَيَرْزُقُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُونَ وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ^(۶۴) أَيُّهَا الْمُهَاجِرُونَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ سَعْيُكُمْ زَادَ وَلَا نَفَقَةٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْقَوْلُ كَمِ الْعَلِيمِ^(۶۵) بَضْمِيرُكُمْ وَلَكِنْ لَا مَقْسَمٍ سَأَلْتَهُمْ أَيْ الْكَفَّارَ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِيَقُولَنَّ اللَّهُ فَإِنِّي يُوَفِّقُونَ^(۶۶) يُضَرَفُونَ عَنْ تَوْحِيدِهِ بَعْدَ أَقْرَارِهِمْ بِذَلِكَ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوسِّعُهُ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُ لَهُ^(۶۷) بَعْدَ الْبَسْطِ أَوْ لِمَنْ يَشَاءُ اِئْتِلَاءً إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ^(۶۸) وَمِنْهُ حَلُّ الْبَسْطِ وَالتَّضْيِيقِ وَلَكِنْ لَا مَقْسَمٍ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لِيَقُولَنَّ اللَّهُ فَكَيْفَ يُشْرِكُونَ بِهِ قُلْ لَهُمُ الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى ثُبُوتِ الْحُجَّةِ عَلَيْكُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ^(۶۹) تَنَاقُضُهُمْ فِي ذَلِكَ.

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان میری سچائی پر گواہ کافی ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے سب باتوں کی خبر ہے اور انہیں میں میرا اور تمہارا حال بھی ہے اور جو لوگ باطل پر اور وہ اللہ کے علاوہ وہ چیزیں ہیں جن کی پوجا پاٹ کی جاتی ہے یقین رکھتے ہیں اور تم میں سے اللہ کے منکر ہیں یہی لوگ ہیں جو اپنے سودے میں نقصان اٹھانے والے ہیں اس طور پر کہ انہوں نے ایمان کے بدلے کفر اختیار کر لیا ہے اور یہ لوگ آپ سے عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں اور اگر عذاب کی مدت متعین نہ ہوتی تو ان پر فوری عذاب آچکا ہوتا اور ان پر وہ عذاب دفعۃً آ پینچے گا اور ان کو اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہوگی، یہ لوگ آپ سے دنیا ہی میں عذاب کا تقاضا کرتے ہیں (ذرا تسلی رکھیں) بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرے میں لینے والی ہے جس دن عذاب ان کو ان کے اوپر سے اور نیچے سے گھیرے گا، عذاب کے ذمہ دار فرشتے کہیں گے اپنے اعمال کی جزا چکھو یقول میں نون اور یاد دہانوں ہیں، اگر نون ہو تو مطلب ہوگا ہم فرشتوں کو یہ بات کہنے کا حکم کریں گے تو تم ہم سے بچ کر نہیں نکل سکتے اے میرے ایماندار بندو! میری زمین بہت کشادہ ہے میری ہی بندگی کرو جہاں بھی عبادت آسان ہو، لہذا اس سرزمین سے جہاں عبادت آسان نہ ہو اس سرزمین کی طرف ہجرت کر جاؤ (کہ جہاں عبادت کرنا آسان ہو) (یہ آیت) مکہ کے ان

کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مکہ میں اظہار اسلام کے بارے میں تنگی میں تھے، ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تم سب زندہ ہونے کے بعد ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے تُرْجَعُونَ تا اور یا کے ساتھ، جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے ہم ان کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جنت کے بالا خانوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ہم نے ان کے لئے جنت کے بالا خانہ میں ہمیشہ رہنا مقدر کر دیا ہے، عمل کرنے والوں کا اجر کیا ہی خوب ہے یہ اجر، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مشرکین کی ایذاؤں پر اور دین کے اظہار پر صبر کیا اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں تو وہ ان کو ایسے طریقے سے روزی دے گا کہ ان کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی کمزوری کی وجہ سے اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے اے ہجرت کرنے والو! اللہ تم کو بھی روزی دے گا اور ان کو بھی اگرچہ تمہارے پاس زادراہ اور خرچہ نہ ہو وہ تمہاری باتوں کو سنتا ہے اور تمہارے دل کے رازوں کو جانتا ہے اور اگر آپ ان سے یعنی کفار سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اور کس نے شمس و قمر کو مسخر کر رکھا ہے؟ وَلَئِنْ مِثْلُ لَمْ تَسْمَعْ مِنْهُمْ جَوَابَ دیں گے کہ اللہ نے، تو پھر یہ لوگ تو حید کو چھوڑ کر اس کا اقرار کرنے کے بعد کہاں الٹے چلے جا رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتے ہیں بطور آزمائش رزق کشادہ کر دیتے ہیں اور کشادہ کرنے کے بعد اس کا رزق تنگ کر دیتے ہیں یا بطور آزمائش جس کی چاہیں (روزی تنگ کر دیتے ہیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر شے کے حال سے واقف ہے اور اسی (معلوم) شے میں روزی کشادہ اور تنگ کرنے کا محل بھی ہے اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ ذات کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس پانی کے ذریعہ زمین کو اس کے خشک ہو جانے کے بعد تر و تازہ کر دیا؟ تو یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے تو پھر اس کے ساتھ کسی کو کیوں شریک کرتے ہیں؟ آپ کہیے تمہارے اوپر حجت ثابت ہونے پر، الحمد للہ، بلکہ ان میں اکثر لوگ اس معاملہ میں اپنے (قول میں) تناقض کو سمجھتے بھی نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: صَفَقَةً ہاتھ پر ہاتھ مارنا، تالی بجانا، معاملہ کرنا، عرب کی عادت تھی کہ بیع کے تام ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے اختتام بیع پر ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے، یہاں مطلقاً بیع مراد ہے جس کو تجارتی اصطلاح میں سودا کہتے ہیں۔

قَوْلًا: فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ، إِيَّايَ اپنے ماقبل فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے بعد کا فعل اس کی تفسیر کر رہا ہے تقدیر عبارت یہ ہے فاعبدوا إِيَّايَ فاعبدون۔

قَوْلًا: لَنُبَوِّئَنَّهُمْ جَمْعَ مَكَلَمٍ لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ بَوَّءَ يَبْوِئُ تَبَوَّءَ (تفعیل) بَوَّءَ مادہ ہے، ٹھکانہ دینا، جگہ درست کرنا، اور ایک قراءت میں لَنُثْوِيَنَّهُمْ اِی لَنَقِيْمَنَّهُمْ مشتق من الثواء بمعنی اقامت، اس دوسری قراءت کے مطابق غَوْفًا مفعول بہ ہوگا نُثْوِي نُثْوِي کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے۔ اس صورت میں فنزل کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے

متعدی بد و مفعول ہوگا، مفعول اول ہم ضمیر ہے اور دوسرا غُرْفًا بتقدیر فی ہے، ای فی غُرْفٍ مِنَ الْجَنَّةِ پہلی قراءت میں غُرْفًا مفعول ثانی ہے اور ہم مفعول اول ہے اس لئے کہ بَوَّاءُ متعدی بد و مفعول ہے، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی تَبَوَّءُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ اور کبھی متعدی بالام بھی ہوتا ہے کَمَا قَالَ تَعَالٰی وَاِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرٰهٖمَ مَکَانَ الْبَیْتِ۔

قَوْلُهُ: تَجْرٰی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ یہ جملہ ہو کر غُرْفًا کی صفت ہے۔

قَوْلُهُ: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَبْتَدَآءَ لَنْبُوْنَتْنَهُمْ اس کی خبر وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فعل محذوف کی وجہ سے منصوب بھی ہو سکتا ہے جس پر بعد کا فعل دلالت کر رہا ہے اس صورت میں یہ باب اشتغال سے ہوگا۔

قَوْلُهُ: مَقْدِرِیْنَ الْخُلُوْدَ فِیْهَا اس سے اشارہ ہے کہ خَالِدِیْنَ حَالِ مَقْدَرِہ ہے ای اِنْهَمْ حِیْنَ الدَّخُوْلِ یَقْدِرُوْنَ الْخُلُوْدَ۔

قَوْلُهُ: هٰذَا الْاَجْرُ یَخْصُوصُ بِالْمَدْحِ ہے۔

قَوْلُهُ: الَّذِیْنَ صَبَرُوْا، ہم مَبْتَدَآءَ محذوف کی خبر ہے جیسا کہ شارح نے ظاہر کر دیا ہے اور الْعَامِلِیْنَ کی صفت بھی ہو سکتی ہے۔

قَوْلُهُ: وَکَآئِیْنٍ مِنْ دَابَّةٍ کَآئِیْنٍ مَبْتَدَآءٍ مِّیْزٍ، مِنْ دَابَّةٍ اس کی تمیز لَا تَحْمِلُ دَابَّةٌ کی صفت اللّٰهُ یَرْزُقُهَا جملہ ہو کر کَآئِیْنٍ مَبْتَدَآءٍ کی خبر۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

شروع سورت سے یہاں تک مسلمانوں کے ساتھ کفار کی عداوت اور توحید و رسالت سے مسلسل انکار اور حق اور اہل حق کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹوں کا بیان تھا، مذکورۃ الصدر آیات میں مسلمانوں کے لئے ان کے شر سے بچنے اور حق کو شائع کرنے اور حق و انصاف کو دنیا میں قائم کرنے کی ایک تدبیر کا بیان ہے جس کا اصطلاحی نام ہجرت ہے یعنی اس وطن اور ملک کو چھوڑ دینا جس میں انسان خلاف حق بولنے اور کرنے پر مجبور ہو اور شعائر دین کو آزادی سے ادا نہ کر سکتا ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةً فَاِیَّآیَ فَاَعْبُدُوْنَ یعنی اگر کسی ملک میں یا کسی علاقہ میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ جہاں فرائض دین اور شعائر اسلام کو بآسانی ادا نہ کر سکے اور باطل کی مجبورا تائید کرنی پڑے تو ایسی جگہ سے ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے، فرائض میں کوتاہی یا عدم ادائیگی کے بارے میں یہ عذر عند اللہ قابل قبول نہ ہوگا کہ جہاں ہم رہتے تھے کافروں اور ظالموں کی حکومت تھی فرائض اور شعائر اسلام کی ادائیگی وہاں ممکن نہیں تھی، اس لئے کہ اللہ کی زمین وسیع ہے ہجرت کر جانا چاہئے تھا۔

وطن سے ہجرت کر کے کسی دوسری جگہ جانے میں عام طور پر عادت و قسم کے خطرات پیش آیا کرتے ہیں جو ہجرت سے روکتے ہیں، پہلا خطرہ اپنی جان کا ہے، جب وطن کو چھوڑ کر جائیں گے تو یہاں کے کفار اور ظالم لوگ راہ میں حائل ہوں گے

اور یہ بھی ممکن ہے کہ راستہ میں دیگر کافروں سے بھی مقابلہ یا مقاتلہ کی نوبت آجائے جس سے جان کا خطرہ ہو، اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ کُلْ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ یعنی موت تو ہر حال اور ہر جگہ آنے والی ہے اس لئے موت سے خوف اور گھبراہٹ مومن کا کام نہیں ہونا چاہئے اور مومن کا یہ عقیدہ ہے کہ موت اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں آ سکتی اس لئے ہجرت کرنے میں موت کا خوف حائل نہ ہونا چاہئے، خصوصاً جبکہ احکام الہی کی اطاعت کرتے ہوئے موت آجانا دائمی راحتوں اور نعمتوں کا ذریعہ ہے جو ان کو آخرت میں ملیں گی، جس کا ذکر بعد کی ان دو آیتوں میں فرمایا اَلَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا۔ (الآیۃ)

دوسرا خطرہ ہجرت کی راہ میں یہ پیش آتا ہے کہ دوسرے ملک یا دوسری جگہ جا کر رزق کا کیا سامان ہوگا؟ اپنی جگہ رہتے ہوئے تو انسان کا کچھ نہ کچھ ذریعہ معاش ہوتا ہے، ہجرت کی وجہ سے یہ سب ختم ہو جاتا ہے، اس کا جواب بعد کی تین آیتوں میں اس طرح دیا گیا ہے کہ تم اس حاصل کردہ سامان کو رزق کی علت اور کافی سبب قرار دیتے ہو یہ خیال تمہارا غلط ہے رزق دینے والا درحقیقت اللہ ہے وہ بغیر کسی ظاہری سامان اور ذریعہ کے بھی رزق پہنچا دیتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو سامان اور اسباب کے ہوتے ہوئے بھی انسان رزق سے محروم ہو سکتا ہے اس کے بیان کے لئے فرمایا وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ یعنی اس پر غور کرو کہ زمین پر چلنے والے ہزاروں قسم کے جانور ہیں کہ جو اپنا رزق جمع کرنے اور رکھنے کا انتظام نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ ان کو روزانہ رزق مہیا کرتا ہے، سفیان بن عیینہ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ انسان اور چوہا اور چیونٹی کے سوا کوئی حیوان اپنی غذا جمع نہیں کرتا بعض حضرات نے کوئے کو بھی شمار کیا ہے وہ بھی اپنے آشیانہ میں غذا چھپا کر رکھتا ہے مگر بھول جاتا ہے، چیونٹی چونکہ سردی کے موسم میں اپنے سوراخ سے باہر نہیں آتی اس لئے موسم گرما ہی میں سرما کا انتظام کر لیتی ہے، بقیہ ہزار ہا اقسام کے جانور جن کا شمار بھی مشکل ہے ان میں کوئی جانور ایسا نہیں ہے کہ جو کل کی فکر کرتا ہو، حدیث شریف میں ہے کہ یہ پرندے صبح کو اپنے گھونسلوں سے بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے واپس ہوتے ہیں نہ ان کی کوئی کھیتی باڑی ہے اور نہ زمین جائیداد نہ کسی کارخانہ یا دفتر کے ملازم ہیں کہ وہاں سے اپنا رزق حاصل کریں، اور یہ ایک دن کا معاملہ نہیں جب تک وہ زندہ رہتے ہیں روزانہ ان کو پیٹ بھرائی رزق ملتا ہے۔

(معارف)

خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت سے روکنے والی دوسری شے فکر معاش ہے مگر یہ انسان کا خام خیال ہے اس لئے اپنے جمع کردہ اسباب معاش پر ہی بھروسہ کر لینا درست نہیں ہے اس لئے یہ دوسرا خطرہ بھی ہجرت سے مانع نہیں ہونا چاہئے۔

ہجرت سے متعلق الفاظ عام ہونے کی وجہ سے حکم اگرچہ عام ہے مگر آیت کے شان نزول میں مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مومنین کو جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم کس طرح مدینہ جائیں نہ وہاں گھر ہے نہ دراور نہ وہاں مال، ہمیں وہاں کون کھلائے پلائے گا؟ تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

مَسْكَنًا: جس شہر یا ملک میں انسان کو اپنے دین پر قائم رہنے کی آزادی نہ ہو، وہ کفر و شرک یا احکام شرعیہ کی خلاف ورزی

پر مجبور ہو تو ایسی جگہ سے بشرطیکہ قدرت ہو ہجرت کرنا واجب ہے البتہ اگر قدرت نہ ہو یا کوئی ایسی جگہ میسر نہ ہو کہ وہاں آزادی سے اپنے دین پر عمل کر سکے تو وہ شرعاً معذور ہے۔

مَسْئَلَتُنَا: جس جگہ عام احکام دینیہ پر عمل کرنے کی آزادی ہو وہاں سے ہجرت فرض یا واجب تو نہیں مگر مستحب ہے، اور اس میں دار الکفر ہونا بھی ضروری نہیں دار الفسق جہاں احکام الہیہ کی خلاف ورزی اعلانا ہوتی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے اگرچہ اس کو دار الاسلام کہا جاتا ہو، یہ تفصیل حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تحریر فرمائی ہے۔

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوَ وَلَعِبٌ ۚ وَامَّا الْقُرْبُ فَمِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ لَظُهُورُ ثَمَرَتِهَا فِيهَا وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ بِمَعْنَى الْحَيَاةِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾ ذَلِكَ مَا أَثَرُوا الدُّنْيَا عَلَيْهَا فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ أَيْ الدِّعَاءُ أَيْ لَا يَدْعُونَ مَعَهُ غَيْرَهُ لِأَنَّهُمْ فِي شِدَّةٍ وَلَا يَكْشِفُهَا إِلَّا بِهِ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿۱۱﴾ بِهِ لِيَكْفُرُوا بِمَا أَتَيْنَهُمْ مِنَ النِّعْمَةِ وَلِيَتَمَتَّعُوا ۚ بِاجْتِمَاعِهِمْ عَلَى عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ وَفِي قِرَاءَةِ بِسْكَوْنِ اللَّامِ أَمْرٌ تَهْدِيدٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۱۲﴾ عَاقِبَةُ ذَلِكَ أَوَّلَمِيرُوا يَعْلَمُوا أَنَّا جَعَلْنَا بَلَدَهُمْ مَكَّةَ حَرَمًا أَمِنًا وَبِتَخَطُّفِ النَّاسِ مِنْ حَوْلِهِمْ قِتْلًا وَسَبِيًّا دُونَهُمْ أَفَبِالْبَاطِلِ اعْتَمَدُوا ۚ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿۱۳﴾ بِأَشْرَافِهِمْ وَمَنْ أَظْلَمُ أَيْ لَا أَحَدٌ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا بِأَنَّهُ اشْرَكَ بِهِ أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ النَّبِيِّ أَوْ الْكِتَابِ لَمَّا جَاءَهُ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ﴿۱۴﴾ أَيْ فِيهِ ذَلِكَ وَبِهِ مِنْهُمْ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا فِي حَقِّنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ أَيْ طُرُقَ السَّيْرِ إِلَيْنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۵﴾ الْمُؤْمِنِينَ بِالنَّصْرِ وَالْعَوْنِ.

ترجمہ: اور یہ دنیوی زندگی کھیل تماشہ کے سوا کچھ نہیں البتہ عبادات تو یہ امور آخرت میں سے ہیں اس لئے کہ اس کے ثمرات آخرت میں ظاہر ہونگے اور اصل زندگی دار آخرت ہی کی ہے اگر یہ لوگ اس بات کو سمجھ لیتے تو دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے پھر جب یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ ہی سے دعا کرتے ہیں یعنی اس کے ساتھ غیر کو نہیں پکارتے اس لئے کہ وہ (اس وقت) ایک عظیم پریشانی میں (بتلا) ہوتے ہیں اور اس پریشانی کو اس کے علاوہ کوئی دور نہیں کر سکتا پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو فوراً ہی اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہیں تاکہ ہماری دی ہوئی نعمت کی ناقدری کرتے رہیں اور یہ لوگ بتوں کی بندگی پر مجتمع ہو کر قدرے اور فائدہ اٹھالیں اور ایک قراءت میں وَلِيَتَمَتَّعُوا کے لام کے سکون کے ساتھ امر تہدید ہے ان کو اس کے انجام کا جلدی ہی پتہ چل جائے گا، کیا یہ نہیں جانتے کہ ہم نے مکہ شہر کو امن والا بنادیا اور ان کے اطراف میں دوسرے لوگوں کو قتل و قید کے ذریعہ اچک لیا جاتا ہے کیا یہ لوگ جھوٹے

معبودوں (بتوں) پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے ساتھ شریک کر کے اس کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں، جو اللہ پر بہتان لگائے بائیں طور کہ اس کے ساتھ شرک کرے یا جب اس کے پاس حق یعنی نبی یا کتاب آجائے تو وہ اس کی تکذیب کرے کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں؟ اور ایسا شخص جہنمیوں میں سے ہے اور جو لوگ خالص ہمارے لئے جہاد کرتے ہیں تو ہم ایسے لوگوں کو ہم تک پہنچانے والے راستے ضرور دکھائیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اپنی) نصرت اور مدد کے ذریعہ محسنین (یعنی) مومنین کے ساتھ ہے۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: اللّٰهُوْ دِیَوِیْ لَذٰتُوْنَ سے لذت اندوز ہونا، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ لہو لایعنی چیزوں میں مشغول ہونے کو کہتے ہیں اور اللعِب هو العبث۔

قَوْلًا: حَیَوَانِ زَنْدَیْ، حَیْنًا، حَیَوَانِ حَیِّیْ یَحِیْ (س) کا مصدر ہے اصل میں حَیَّیَانٌ تھا، ثانی یا واؤ سے بدل دی گئی ہے یہ حَیَاۃ سے زیادہ بلغ ہے اس لئے کہ فَعْلَانٌ کے وزن میں حرکت اور اضطراب کے معنی ہیں جو لازماً حیات ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس مقام میں حیات کے بجائے حَیَوَانِ کا استعمال کیا گیا ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ذٰلِكَ۔ ذٰلِكَ يَعْلَمُونَ کا مفعول ہے لَوْ حرف شرط ہے مَا اَثَرُوا الدُّنْیَا عَلَیْهَا جواب شرط ہے۔

قَوْلًا: اِی الدُّعَاءِ یہ تعین معنی کے لئے ہے دین کے چونکہ مختلف معنی آتے ہیں الدعاء کے ذریعہ تفسیر کر کے چند معنی میں سے ایک معنی کو متعین کر لیا۔

قَوْلًا: اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ یہ فَلَمَّا کا جواب ہے، مطلب یہ ہے کہ غرق سے نجات پاتے ہی بلا تاخیر شرک شروع کر دیتے ہیں لیکفروا میں لام، لام کی ہے اور لَیَتَمَنَّعُوا کا لَیْکَفُرُوا پر عطف ہے۔

(تنبیہ) لام کی کے بجائے اس کو لام عاقبت مانا جائے تو زیادہ مناسب ہے (جمل) ایک قراءت میں لام کے سکون کے ساتھ ہے اس صورت میں لام امر ہوگا دونوں فعلوں میں مگر یہاں یہ شبہ پیدا ہوگا کہ اس سے اللہ کا فعل قبیح کا امر کرنا لازم آتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں اور حکیم قبیح شی کا امر نہیں کرتا، امر تہدید کہہ کر اس سوال کا جواب دیدیا یعنی امر سے مراد امثال امر نہیں ہے بلکہ تہدید و تنبیہ مراد ہے فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ امر کے تہیدی ہونے کا قرینہ ہے۔

قَوْلًا: وَیُتَخَفُّ جملہ حالیہ ہے اور اس سے پہلے هُمْ مبتداء محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَهْمٌ یَّتَخَفُّ النَّاسُ الْخ۔

قَوْلًا: فِیْهَا ذٰلِكَ اس سے اشارہ ہے کہ اَلْیَسَ فِیْ جَهَنَّمَ میں ہمزہ انکار کے لئے ہے اور یہ استفہام تقریری اس

لئے ہے کہ یس حرف نفی ہے جب اس پر ہمزہ انکاری داخل ہوا تو نفی اتنی ایجاب ہو گیا، لہذا اس میں تقریر کے معنی پیدا ہو گئے، مطلب یہ ہے کہ کافروں کا بلاشبہ ٹھکانہ جہنم ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

وَمَا هَذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (الآیۃ) سابقہ آیات میں مشرکین کا یہ حال مذکور ہوا ہے کہ آسمان اور زمین کی پیدائش شمس و قمر کا نظام، بارش برسانے اور اس سے نباتات اگانے کا پورا نظام مشرکین بھی اللہ ہی کے قبضے میں ہونے پر یقین رکھتے ہیں، اس میں کسی بت یا دیوی دیوتا کو شریک نہیں مانتے مگر پھر بھی وہ خدائی میں بتوں کو شریک ٹھہراتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اَکْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی ان میں اکثر لوگ ایسے ہیں کہ جو جانتے نہیں ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، آخر یہ لوگ مجنون یا دیوانے تو نہیں ہیں، ہوشیار اور سمجھ دار ہیں دنیا کے بڑے بڑے کام بخوبی انجام دیتے ہیں، پھر ان کے نا سمجھ ہونے کے کیا معنی؟ اس کا جواب مذکورۃ الصدر آیات سے سابقہ آیات میں یہ دیا گیا ہے کہ دنیا اور اس کی مادی اور فانی لذتوں و خواہشات نفسانی کی محبت نے ان کو آخرت اور انجام میں غور و فکر کرنے سے اندھا کر دیا ہے، حالانکہ یہ دنیا کی زندگی لہو و لعب کے سوا کچھ نہیں اور اصلی زندگی جو لافانی اور جاودانی ہے وہ آخرت کی زندگی ہے، مذکورہ آیت میں بھی دنیوی زندگی کو لہو و لعب فرمایا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح کھیلوں کا کوئی ثبات و قرار نہیں ہوتا اور نہ ان سے کوئی بڑا مقصد حل ہوتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد سب تماشہ ختم ہو جاتا ہے یہی حال اس دنیا کا ہے۔

اس کے بعد کی آیت میں ان مشرکوں کے قول میں تضاد کو بیان فرمایا گیا ہے جیسے یہ لوگ تخلیق کائنات میں اللہ کو منفرد ماننے کے باوجود اس جہالت کے شکار ہیں کہ بت خدائی میں شریک ہیں اور جب کوئی بڑی مصیبت آپڑتی ہے تو اس مصیبت کے وقت بھی ان کو یہ یقین اور اقرار ہوتا ہے کہ اس مصیبت میں کوئی بت ہمارا مددگار نہیں بن سکتا چنانچہ ایسے موقع پر خدائے واحد ہی کو بڑے اخلاص اور یقین کے ساتھ پکارتے ہیں۔

اس تناقض کو حضرت عکرمہ بن ابی جہل سمجھ گئے تھے جس کی وجہ سے ان کو قبول اسلام کی توفیق حاصل ہو گئی ان کے بارے میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد یہ مکہ سے فرار ہو گئے تاکہ نبی ﷺ کی گرفت سے بچ سکیں، یہ حبشہ جانے کیلئے ایک کشتی میں سوار ہوئے کشتی گرداب میں پھنس گئی تو کشتی میں سوار لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ پورے خلوص سے رب سے دعائیں کرو اس لئے کہ یہاں اس کے علاوہ کوئی نجات دینے والا نہیں، حضرت عکرمہ نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہاں سمندر میں اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا اور اسی وقت اللہ سے عہد کر لیا کہ اگر میں یہاں سے بخیریت ساحل پر پہنچ گیا تو میں محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا یعنی مسلمان ہو جاؤں گا، چنانچہ یہاں سے نجات پا کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

سُورَةُ الرُّومِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّونَ آيَةً قِسْتُ رُكُوعَاتٍ

سُورَةُ الرُّومِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّونَ آيَةً قِسْتُ رُكُوعَاتٍ

سورہ روم کی ہے اور وہ ساٹھ یا انسٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ اللَّهُ اعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ غَلَبَتِ الرُّومُ ۝ وَبِهِمُ انْبِلُ
كِتَابُ غَلَبَتِهَا فَارِسُ وَلَيْسُوا انْبِلُ كِتَابُ بَلْ يَعْبُدُونَ الْاَوْثَانَ فَفَرَحَ كُفَّارَ مَكَّةَ بِذَلِكَ وَقَالُوا لِلْمُسْلِمِينَ
نَحْنُ نَغْلِبُكُمْ كَمَا غَلَبَتْ فَارِسُ الرُّومِ فِي اَدْنَى الْاَرْضِ اَيَ اقْرَبَ اَرْضِ الرُّومِ اِلَى فَارِسٍ بِالْجَزِيرَةِ التَّقَى فِيهَا
الْجَيْشَانِ وَالْبَادِي بِالْغَزْوِ الْفُرْسُ وَهُمْ اَيَ الرُّومِ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ اُضِيفَ الْمَصْدَرُ اِلَى الْمَفْعُولِ اَيَ
غَلَبَتْ فَارِسَ اِيَّاهُمْ سَيَغْلِبُونَ ۝ فَارِسُ فِي يَضَعِ سِنِينَ ۝ هُوَ مَا بَيْنَ الثَّلَاثِ اِلَى التَّسْعِ اَوْ الْعَشْرِ فَالْتَقَى
الْجَيْشَانِ فِي السَّنَةِ السَّابِعَةِ مِنَ الْاِلْتِقَاءِ الْاَوَّلِ وَغَلَبَتْ الرُّومُ فَارِسَ ۝ لِلَّهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ اَيَ مِنْ
قَبْلِ غَلَبَةِ الرُّومِ وَمِنْ بَعْدِهِ الْمَعْنَى اَنَّ غَلَبَةَ فَارِسَ اَوَّلًا وَغَلَبَةَ الرُّومِ ثَانِيًا بِاَمْرِ اللَّهِ اَيَ اِرَادَتِهِ وَيَوْمَئِذٍ اَيَ
يَوْمَ تَغْلِبُ الرُّومُ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۝ يَنْصُرُ اللَّهُ اِيَّاهُمْ عَلَى فَارِسٍ وَقَدْ فَرِحُوا بِذَلِكَ وَعَلِمُوا بِهِ يَوْمَ وَقُوعِهِ
يَوْمَ بَذَرِ بِنُزُولِ جَبْرَائِيلَ بِذَلِكَ فِيهِ مَعَ فَرَحِهِمْ بِنَصْرِهِمْ عَلَى الْمُشْرِكِينَ فِيهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ
الْغَالِبُ الرَّحِيمُ ۝ بِالْمُؤْمِنِينَ وَعَدَّ اللَّهُ مَصْدَرًا يُدَلُّ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهِ وَالْأَصْلُ وَعَدَّاهُمُ اللَّهُ النَّصْرَ
لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ بِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ اَيَ كُفَّارَ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَعَدَّهُ تَعَالَى بِنَصْرِهِمْ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا
مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا اَيَ مَعَاشِهَا مِنَ التِّجَارَةِ وَالزَّرَاعَةِ وَالْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ
غَفْلُونَ ۝ اِعَادَهُ بِهِ تَاكِيدٌ اَوْلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي اَنْفُسِهِمْ لِيَرْجِعُوا عَنْ غَفْلَتِهِمْ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا
بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاجَلٍ مُّسَمًّى لِذَلِكَ تَفَنَّى عِنْدَ انْتِهَائِهِ وَبَعْدَهُ الْبَعْثُ ۝ اِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ اَيَ كُفَّارَ مَكَّةَ
يَلْقَآئِ رَبِّهِمْ لَكُفْرُونَ ۝ اَيَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ اَوْلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْاُتَمِّ وَبِهِ اِهْلَاكُهُمْ بِتَكْذِيبِهِمْ رُسُلَهُمْ كَانُوا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً كَعَادٍ وَثَمُودَ ۝ وَاَنَارُوا الْاَرْضَ
حَرْتُوبًا وَقَلْبُوبًا لِلزَّرْعِ وَالْغَرْسِ وَعَمَرُوهَا اَلْتَرَمِيمًا عَمَرُوهَا اَيَ كُفَّارَ مَكَّةَ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ بِالْحُجَجِ

الظَّالِمَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ بَابِلَا كَيْهَمٍ بِغَيْرِ جُرْمٍ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥﴾ بِتَكْذِيبِهِمْ رُسُلَهُمْ
ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ اسَاءُوا السَّوْءَ، الْأَقْبَحُ خَبَرُ كَانَ عَلَى رَفْعِ عَاقِبَةِ وَاسْمُهُ كَانَ عَلَى
نُصْبِ عَاقِبَةِ وَالْمَرَادُ بِهَا جَهَنَّمُ وَاسَاءَ تُهُمُ أَنْ أَيْ بَانَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ الْقُرْآنِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦﴾

ترجمہ: اَلَمْ اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے رومی مغلوب ہو گئے اور وہ اہل کتاب ہیں ان کو اہل فارس نے
مغلوب کر دیا اور وہ اہل کتاب نہیں ہیں، بلکہ بت پرست ہیں، اس خبر سے اہل مکہ خوش ہوئے اور مسلمانوں سے کہا ہم تم کو اسی
طرح مغلوب کر دیں گے جس طرح اہل فارس نے رومیوں کو قریبی زمین میں یعنی جزیرہ روم کے اس علاقہ میں جو فارس سے
بہت قریب تھا، جہاں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تھا اور وہ یعنی رومی مغلوب ہونے کے بعد مصدر کی اضافت مفعول کی جانب کی
گئی ہے، اِی غلبۃ فارس اِیّاہم جنگ کی ابتداء کرنے والے اہل فارس ہیں، عنقریب چند سالوں میں اہل فارس پر غالب
آجائیں گے اور وہ تین سال سے نو یا دس کے درمیان ہے چنانچہ پہلے مقابلہ کے سات سال کے بعد دونوں لشکروں کا دوبارہ
مقابلہ ہوا، اور رومی فارسیوں پر غالب آ گئے، پہلے اور بعد میں اختیار اللہ ہی کو ہے یعنی روم کے غلبہ سے پہلے اور اس کے بعد، معنی
یہ کہ اہل فارس کا اولاً غالب آ جانا اور رومیوں کا ثانیاً غالب آ جانا یہ (سب) اللہ ہی کے حکم اور ارادہ سے تھا، اور اس دن یعنی جس
دن رومی غالب ہوں گے تو مسلمان اہل فارس کے مقابلہ ان کی اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے چنانچہ (مسلمان) اس سے خوش
ہوئے، اور اس نصرت (غلبہ) کے وقوع کا علم بدر کے دن جبریل علیہ السلام کے وحی لیکر آنے سے ہوا، اور یہ خوشی مسلمانوں کو
مشرکوں پر (بدر کے دن) نصرت (غلبہ) کی خوشی کے ساتھ حاصل ہوئی وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ غالب ہے درحقیقت
غالب و مہربان وہی ہے اللہ کا وعدہ ہے اس کو تلفظ میں اپنے فعل سے بدل دیا گیا ہے اور اصل یہ ہے وَعَدَهُمُ اللَّهُ النَّصْرَ اللَّهُ
تعالیٰ نصرت کے اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرے گا لیکن اکثر لوگ یعنی کفار مکہ مومنین سے اللہ کے نصرت کے وعدہ کو نہیں جانتے
وہ تو (صرف) دنیوی زندگی کے ظاہر (ہی) کو یعنی دنیوی معاش کے طریقوں مثلاً تجارت اور زراعت اور تعمیرات اور شجر کاری
وغیرہ کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل بے خبر ہیں اور لفظ هُمْ کا اعادہ تاکید کے لئے ہے کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں
اس بات پر غور نہیں کیا؟ تاکہ اپنی غفلت سے باز آجائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے
(سب کو) بڑے قرینے سے اور مقررہ وقت تک کے لئے پیدا فرمایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اپنی مدت پوری ہونے کے بعد فنا
ہو جائے گا اور اس کے بعد (زندہ ہو کر) اٹھنا ہوگا یقیناً اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں یعنی مرنے کے
بعد زندہ ہونے پر یقین نہیں رکھتے، کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان کے پہلے لوگوں یعنی سابقہ امتوں کا کیا
انجام ہوا؟ اور وہ ان کی ہلاکت ہے ان کے رسول کی تکذیب کرنے کی وجہ سے اور وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور تھے مثلاً عاد
اور ثمود اور انہوں نے (بھی) زمین کو جوتا اور زراعت و شجر کاری کے لئے اس کو الٹ پلٹ کیا اور مکہ والوں سے اس کو زیادہ آباد

کیا، اور ان کے پاس ان کے رسول روشن یعنی واضح دلائل لے کر آئے یہ تو ناممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ بغیر جرم کے ان کو ہلاک کر کے ان پر ظلم کرتا لیکن (اصل بات یہ ہے) کہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر اپنے رسولوں کی تکذیب کر کے ظلم کرتے تھے آخرش برا کرنے والوں کا بہت ہی برا انجام ہوا السَّوْءُ، اَسْوَءُ کی تائید ہے بمعنی اَقْبَح اگر عاقبہ پر رفع ہو تو سُوْءِ کان کی خبر ہوگی اور کان فعل کی تذکیر عاقبہ کے مؤنث مجازی ہونے کی وجہ سے ہوگی اور اگر عاقبہ پر نصب ہو تو (السَّوْءِ) کان کا اسم ہوگا اور (بد انجامی) سے مراد جہنم ہے اور ان کی بد انجامی کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں قرآن کی تکذیب کی اور وہ ان (آیتوں) کا مذاق اڑاتے تھے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: غَلِبَتِ الرُّومُ روم ایک قبیلہ کا نام ہے جو کہ ان کے جد امجد روم بن عیسو بن اسحاق بن ابراہیم کے نام سے موسوم ہے، عیسو اپنے بھائی یعقوب کے ساتھ اپنی ماں کے بطن میں تھے جب ان کی ولادت کا وقت آیا تو عیسو نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا مجھے پہلے نکلنے دے اور اگر تو مجھے پہلے نہیں نکلنے دے گا تو میں تیزے برابر سے ہو کر نکل جاؤں گا، تو حضرت یعقوب شفقت پیچھے ہٹ گئے، یہی وجہ ہے کہ حضرت یعقوب ابوالانبیاء ہوئے اور عیسو ابوالجبارین ہوئے (جمل) الجزیرہ دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ کو کہا جاتا ہے، یہاں جزیرۃ العرب مراد نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: بِالْجَزِيرَةِ مَحْذُوفٌ كَيْفَ مَتَعَلِقٌ هُوَ كَرَالِارِضِ كِي صِفَتٌ هِيَ اِي اَرْضِ الرُّومِ الْكَائِنَةِ بِالْجَزِيرَةِ وَقَدْ فَرِحُوا بِذَلِكَ اِي بِنَصْرِهِ۔

قَوْلُهُ: يَوْمٌ وَقُوعِهِ يَوْمٌ بَدْرٍ يَوْمٌ وَقُوعِهِ سے بدل ہے بنزول، عَلِمُوا سے متعلق ہے یعنی روم کے غلبہ کا علم واقعہ بدر کے دن ہوا رومیوں کو غلبہ اس روز ہوا جبکہ مسلمانوں کو مشرکین پر بدر میں غلبہ حاصل ہوا اور مسلمانوں کو یہ خبر حضرت جبریل کے ذریعہ پہنچی۔

تفسیر و تشریح

رابط و شان نزول:

سورہ عنکبوت کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے راستہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے راستہ کھول دینے اور ان کے مقاصد میں کامیابی کی بشارت دی تھی، سورہ روم کی ابتداء جس قصہ سے ہوئی ہے وہ اسی نصرت الہیہ کا مظہر ہے اس سورت میں جو روم اور فارس کی جنگ کا واقعہ مذکور ہے، ظاہر ہے کہ دونوں فریق کفار ہی تھے، مگر ان دونوں مشرکوں میں فارس آتش پرست مشرک

تھے، اور رومی نصاریٰ اہل کتاب تھے، ظاہر ہے کہ دونوں قسم کے مشرکوں میں سے اہل کتاب مسلمانوں سے نسبتاً قریب ہیں، اس لئے کہ دونوں اہل کتاب ہیں، اور اسی قدر مشترک سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس مکتوب میں کام لیا جو روم کے بادشاہ کو دعوت اسلام دینے کے لئے بھیجا تھا اور وہ تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ہے۔

آنحضرت ﷺ کے مکہ کے قیام کے دوران روم اور فارس کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے گویا کہ دونوں حالت جنگ میں تھے، آخر کار دونوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور ابتداء فارس نے کی تھی اس جنگ میں اہل مکہ کی ہمدردیاں اہل فارس کے ساتھ تھیں اس لئے کہ اہل فارس اور اہل مکہ دونوں مشرک تھے اور مسلمانوں کی ہمدردیاں قدرتی طور پر رومیوں کے ساتھ تھیں، مشرکین مکہ کی یہ خواہش تھی کہ اہل فارس فتح مند ہوں اور مسلمانوں کی یہ تمنا تھی کہ رومی غالب ہوں، یہ جنگ رومیوں کے اس علاقہ میں ہوئی جو عرب کا علاقہ فارس سے بہت قریب تھا یہ جنگ اذرعات اور بصرہ کے علاقہ میں ہوئی، اس جنگ میں فارس نے روم کو شکست دیدی یہاں تک کہ قسطنطنیہ بھی فتح کر لیا اور وہاں اپنی عبادت کے لئے ایک آتش کدہ تعمیر کیا اور یہ فتح کسریٰ پرویز کی آخری فتح تھی، اس کے بعد اس کا زوال شروع ہوا، اور پھر مسلمانوں کے ہاتھوں حضرت عمر کے دور خلافت میں اس کا خاتمہ ہو گیا (جمل و قرطبی) اس واقعہ سے مشرکین مکہ نے خوشیاں منائیں اور مسلمانوں کو عار دلائی کہ تم جس کو چاہتے تھے وہ ہار گیا، اور جس طرح اہل کتاب رومیوں کو فارس کے مقابلہ میں شکست ہوئی ہے ہمارے مقابلہ میں تم کو بھی شکست ہوگی اس سے مسلمانوں کو رنج ہوا۔ (معارف)

سورہ روم کی ابتدائی آیتیں اسی واقعہ سے متعلق نازل ہوئی ہیں، جن میں پیشین گوئی اور بشارت دی گئی ہے کہ چند سال بعد پھر رومی فارسیوں پر غالب آجائیں گے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ آیات سنیں تو اس قدر پختہ یقین کر لیا کہ مکہ کے اطراف اور مشرکین کے مجمع اور بازار میں اعلان کرتے پھرتے تھے کہ تمہارے خوش ہونے کا کوئی موقعہ نہیں چند سال میں پھر روم فارس پر غالب آجائیں گے، مشرکین مکہ میں سے ابی بن خلف جمحی کھڑا ہوا اور کہا کذب تو جھوٹا ہے، تو حضرت ابو بکر صدیق نے کہا انت اکذب یاعدو اللہ تو جھوٹوں کا سردار ہے اے اللہ کے دشمن اور فرمایا میں تجھ سے اس بات پر شرط لگاتا ہوں کہ اگر رومی جیت گئے تو دس اونٹ تو مجھے دینا اور اگر ہار گئے تو میں دوں گا اور تین سال کی مدت مقرر ہوئی، (اس وقت تک اس قسم کی شرط حرام نہیں ہوئی تھی) شرط لگا کر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو تین سال کی مدت بیان نہیں کی تھی کیونکہ قرآن میں بضع سنین مذکور ہے جس کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے، تم جاؤ اور جس سے یہ معاہدہ ہوا ہے اس سے کہہ دو کہ میں دس اونٹوں کے بجائے سو اونٹوں کی شرط لگاتا ہوں مگر مدت تین سال کے بجائے نو سال ہوگی، بعض روایات میں ہے کہ سات سال مقرر کی، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر ابی بن خلف سے دوبارہ بات کی تو وہ راضی ہو گیا، جب ابی بن خلف کو یہ خطرہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ ابو بکر ہجرت کر کے چلے جائیں اور شرط کی رقم میں وصول نہ کر سکیں، چنانچہ ابی بن خلف ابو بکر صدیق کے پاس آیا اور کہا مجھے اندیشہ

ہے کہ کہیں تم مکہ چھوڑ کر چلے جاؤ لہذا مجھے ضامن دو چنانچہ حضرت ابو بکر نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمن کی ضمانت دی جب ابی بن خلف نے جنگ میں شرکت کے لئے احد جانے کا ارادہ کیا تو عبدالرحمن بن ابی بکر نے اس کو پکڑا اور کہنے لگے کہ کفیل دیکر جاؤ جب تک کفیل نہ دو گے میں تم کو ہرگز نہ چھوڑوں گا چنانچہ ابی بن خلف نے مجبوراً کفیل دیدیا، اور احد کی جنگ میں شریک ہونے کے لئے چلا گیا، احد سے آنحضرت ﷺ کی تلوار سے زخم خوردہ ہو کر واپس آیا اور اسی زخم کی وجہ سے کچھ روز بعد مر گیا، روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شرط کا یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل پیش آیا تھا اور سات سال پورے ہونے پر غزوہ بدر کے وقت رومی اہل فارس پر غالب آ گئے اس صورت میں شرط کا معاملہ ہجرت سے پانچ سال پہلے واقع ہوا، مگر اس روایت کو صحیح ماننے کی صورت میں دشواری یہ پیش آتی ہے کہ یہ بات طے ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرط کی رقم (سواونٹ) ابی بن خلف کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں سے وصول کی ہیں اور ابی بن خلف کا انتقال غزوہ احد کے بعد ہوا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ رومیوں کے غلبہ کی اطلاع کے وقت جو کہ غزوہ بدر میں ہوئی ابی بن خلف زندہ تھا اس لئے کہ اس کا انتقال غزوہ احد کے بعد ہوا ہے، تو پھر شرط کی رقم کے ورثاء سے وصول کرنے کے کیا معنی؟ البتہ تطبیق کی یہ شکل ہو سکتی ہے کہ ابی بن خلف نے شرط کی رقم (اونٹ) دینے میں تاخیر کی ہو ٹال مٹول کرتے کرتے ایک سال کا عرصہ نکال دیا ہو اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا ہو جس کی وجہ سے اس کے وارثوں سے رقم وصول کی گئی ہو۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ رومیوں کا غلبہ صلح حدیبیہ کے وقت ہوا تھا اخرجہ الترمذی وحسنہ (روح المعانی) اس روایت کے مطابق حضرت ابو بکر اور ابی بن خلف کی شرط کا معاملہ ہجرت سے ایک سال پہلے ماننا ہوگا جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے اس صورت میں ابی بن خلف کے ورثاء سے شرط کی رقم (سواونٹ) وصول کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہوگا اس لئے کہ ابی بن خلف غزوہ احد کے بعد متصلاً مر چکا تھا، صاحب جمل نے یوم بدر والی روایت کو قیل سے بیان کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کی روایت رائج ہے اگرچہ اکثر محدثین نے غزوہ بدر کے موقع ہی کو رومیوں کی فتح کا وقت قرار دیا ہے۔

جب شرط کے مطابق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیت گئے اور سواونٹ ان کو ہاتھ آئے تو سب کو لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا ان اونٹوں کو صدقہ کر دو اور حضرت براء بن عازب کی روایت سے اس میں یہ الفاظ منقول ہیں ہذا سحت تصدق بہ یہ تو حرام ہے اس کو صدقہ کر دو۔ (روح المعانی)

مسئلہ: قمار یعنی جوا، از روئے نصوص قرآنی قطعی حرام ہے، ہجرت مدینہ کے بعد جس وقت شراب حرام کی گئی اسی کے ساتھ قمار بھی حرام کر دیا گیا تھا اور اس کو شیطانی عمل قرار دیا انما الخمر والمیسر والآنصاب والازلام رجس من عمل الشیطن اور یہ دوطرفہ شرط جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن خلف کے ساتھ ٹھہرائی تھی یہ بھی قسم کا جوا ہی تھا، مگر یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے جب قمار حرام نہیں ہوا تھا، لہذا اس وقت شرط میں جیتا ہوا مال حرام نہیں تھا۔

اس لئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے صدقہ کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ اس کا جواب حضرات فقہاء نے یہ دیا ہے کہ یہ مال اگرچہ اس وقت حلال تھا مگر قمار کے ذریعہ اکتساب مال اس وقت بھی آپ کو پسند نہیں تھا اس لئے صدیق

اکبر کی شان کے مناسب نہ سمجھ کر ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ شراب حلال ہونے کے زمانہ میں بھی آپ ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی استعمال نہیں فرمائی۔

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَفْلُونَ یعنی یہ لوگ دنیا کے ایک پہلو کو تو خوب جانتے ہیں کہ تجارت کس طرح کریں؟ کس مال کی کریں، کہاں سے خریدیں اور کہاں فروخت کریں؟ لیکن اسی حیات دنیا کا دوسرا پہلو جو اس کی حقیقت اور اس کے اصلی مقصد کو واضح کرتا ہے کہ دنیا کا چند روزہ قیام درحقیقت ایک مسافرانہ قیام ہے انسان یہاں کا مقامی (نیشنل) نہیں بلکہ دوسرے ملک کا باشندہ ہے یہاں کچھ مدت کے لئے ویزا پر آیا ہے، اس کا اصلی کام یہ ہے کہ اپنے اصلی وطن کے لئے یہاں سے سامان راحت فراہم کر کے وہاں بھیجے اور وہ سامان راحت ایمان اور عمل صالح ہے، اس دوسرے رخ سے بڑے بڑے عاقل کہلانے والے غافل اور بے خبر ہیں۔ (معارف)

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ کیا لوگ اپنی ذات اور خدا کی کائنات میں غور نہیں کرتے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین و آسمان اور دنیا کی ہر شے کو کس قدر بہترین قرینے سے پیدا فرمایا ہے کوئی شے خدا کی کائنات میں بے مقصد اور بے فائدہ نہیں، اگر یہ لوگ صرف اپنے وجود ہی میں غور کر لیں کہ کس طرح نیست سے ہست کیا اور ایک حقیر و بے قدر پانی سے ان کی تخلیق کی اگر یہ لوگ اپنی ذات اور خدا کی کائنات میں غور و فکر کرتے تو یقیناً اللہ کے وجود، اس کی ربوبیت، اس کی الوہیت اور اس کی قدرت مطلقہ کا انہیں ادراک و احساس ہو جاتا اور اس پر ایمان لے آتے، نیز یہ حضرات تجارت کے سلسلہ میں شام و یمن کا سفر کرتے ہیں اور اس سفر کے دوران عاد و ثمود کی بستیوں پر سے ان کا گزر ہوتا ہے تو کیا ان کے خرابات و کھنڈرات کو نہیں دیکھتے؟ یقیناً دیکھتے ہیں مگر ان کی تباہی کے اسباب پر غور و فکر نہیں کرتے اگر یہ ان قوموں کی تباہی کے اسباب اور ان کے عبرتناک انجام پر غور کریں تو یقیناً ان کو ہدایت ہو سکتی ہے۔

قَوْلُنَا: سُوَّ آيَ بَرُوزَن فُعَلَى سُوَّءٍ سے اَسُوَّءُ کی مَوْنُٹ ہے جیسے حُسْنٰی اَحْسَنُ کی تَانِیْٹ ہے یعنی ان کا جو انجام ہوا وہ بدترین انجام تھا۔

اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ اَيْ يُنْشِئُ النَّاسَ ثُمَّ يُعِيدُهُ اَيْ خَلَقَهُمْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ① بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ② يَنْسِكُ الْمُشْرِكُونَ لِانْقِطَاعِ حُجَّتِهِمْ وَلَمْ يَكُنْ اَيْ لَا يَكُونُ لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ بِشَرٍّ اَشَرُ كُوبِهِم بِاللَّهِ وَبِهِمِ الْاَضْنَامُ لِيَشْفَعُوا لَهُمْ شُفَعَاؤُا وَكَانُوا اَيْ يَكُونُونَ بِشُرَكَائِهِمْ كُفْرِينَ ③ اَيْ مُتَبَرِّئِينَ مِنْهُمْ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُؤْمِدُ تَاكِيدٌ يَّتَفَرَّقُونَ ④ اَيِ الْمُؤْمِنُونَ وَالْكَافِرُونَ فَاَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ جَنَّةٍ يُحْبَرُونَ ⑤ يُسْرُونَ وَاَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الْفُرَانَ وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ الْبَغْثِ وَغَيْرِهِ فَاُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ⑥ فَسُبْحَنَ اللَّهِ اَيِ

سَبِّحُوا اللَّهَ بِمَعْنَى صَلُّوا حِينَ تُمْسُونَ اى تَدْخُلُونَ فِي الْمَسَاءِ وَفِيهِ صَلَاتَانِ الْمَغْرِبُ وَالْعِشَاءُ وَحِينَ تَصْبِحُونَ^{۱۷} تَدْخُلُونَ فِي الصَّبَاحِ وَفِيهِ صَلَوةُ الصُّبْحِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اغْتِرَاضٌ وَمَعْنَاهُ يَحْمَدُهُ أَهْلُهَا وَعَاشِيًا عَطَفَ عَلَى حِينَ وَفِيهِ صَلَوةُ الْعَصْرِ وَحِينَ تُظْهِرُونَ^{۱۸} تَدْخُلُونَ فِي الظُّهْرِ وَفِيهِ صَلَوةُ الظُّهْرِ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ كَالْإِنْسَانِ مِنَ النُّطْفَةِ وَالطَّائِرِ مِنَ الْبَيْضَةِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ النُّطْفَةَ وَالْبَيْضَةَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بِالنَّبَاتِ بَعْدَ مَوْتِهَا اى يُبْسِئُهَا وَكَذَلِكَ الْإِخْرَاجُ تَخْرُجُونَ^{۱۹} مِنَ الْقُبُورِ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُولِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کی ابتداء کرتا ہے یعنی انسانوں کی تخلیق کو ظاہر کرتا ہے (عدم سے وجود میں لاتا ہے) اور پھر وہی ان کے مرجانے کے بعد ان کی تخلیق کا اعادہ کرے گا پھر تم سب اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے تا اور یا کے ساتھ اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مجرم حیرت زدہ رہ جائیں گے اور مشرکین لا جواب ہو جانے کی وجہ سے ساکت (وصامت) رہ جائیں گے، اور ان کا ان کے شرکاء میں سے کوئی سفارشی نہ ہوگا (یعنی) ان شرکاء میں سے جن کو انہوں نے اللہ کا شریک قرار دیا تھا تاکہ ان کی سفارش کریں، اور وہ بت ہیں، اور یہ بت پرست اپنے شرکاء کا انکار کر دیں گے یعنی ان سے اظہار براءت کر دیں گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مومنین اور کفار الگ الگ ہو جائیں گے یَوْمَئِذٍ (پہلے یوم کی) تاکید ہے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے تو وہ جنت کے باغوں میں خوش و خرم ہوں گے لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں قرآن کو اور آخرت کے پیش آنے کو یعنی بعث (بعد الموت) وغیرہ کو جھٹلایا ایسے ہی لوگ ہیں جو عذاب میں گرفتار ہوں گے پس اللہ کی تسبیح بیان کیا کرو یعنی جب تم شام کے وقت میں داخل ہو تو نماز پڑھا کرو سبوحا بمعنی صلوا ہے اور اس وقت میں دو نماز ہیں مغرب اور عشاء اور جب تم صبح میں داخل ہو تو نماز پڑھا کرو (یعنی جب صبح کرو) اور اس وقت میں صبح کی نماز ہے آسمانوں اور زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے یہ جملہ معترضہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ زمین اور آسمانوں والے اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور شام کے وقت میں (نماز پڑھا کرو) اس کا عطف حین پر ہے اور اس وقت میں عصر کی نماز ہے اور جب تم دوپہر کے وقت میں داخل ہو (نماز پڑھا کرو) اور اس وقت میں ظہر کی نماز ہے (وہی) زندہ کو مردے سے نکالتا ہے جیسا کہ انسان کو نطفہ سے اور پرندے کو انڈے سے اور مردے کو جیسا کہ نطفہ اور انڈے کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو نباتات کے ذریعہ اس کے مردہ ہونے یعنی خشک ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم کو بھی نکالا جائے گا۔

تحقیق و ترکیب تسبیح و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: يَبْدُوُ الْخَلْقَ ماضی کے بجائے مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا تاکہ تجدد پر دلالت کرے اس لئے بدا اور خلق ہر آن اور ہر لمحہ ہوتا رہتا ہے اور تجدد جب تک دنیا رہے گی ہوتا رہے گا يَبْدُوُ، میں واو جمع کا نہیں ہے مشابہ جمع ہونے کی

وجہ سے اس کے آخر میں الف لکھا گیا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا اور نہ پڑھنے کی علامت کے طور پر اس الف پر ایک چھوٹا سا گول دائرہ بنا رہتا ہے۔

قَوْلٌ: يُنْشَىٰ يَتَدَوُّ کی تفسیر یُنْشَىٰ سے بیان معنی کے لئے کی ہے اس کے معنی ہیں ظاہر کرنا عدم سے وجود میں لانا یَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ کا ظرف مقدم ہے۔

قَوْلٌ: لَا يَكُونُ، لَمْ يَكُنْ کی تفسیر لا یكون سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ لم یکن اگرچہ ماضی کے معنی میں ہے مگر یہاں مضارع ہی کے معنی مراد ہیں۔

قَوْلٌ: بِشَرِّكَائِهِمْ كَافِرُونَ، بِشَرِّكَائِهِمْ كَافِرِينَ کا متعلق مقدم ہے۔

قَوْلٌ: يُخْبِرُونَ، حَبْرٌ سے مضارع جمع مذکر غائب (ن) ان کو خوش کیا جائے گا، ان کی عزت کی جائے گی۔

قَوْلٌ: بِمَعْنَى صَلُّوا، سَبِّحُوا کی تفسیر صَلُّوا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ تسبیح قولی، فعلی، قلبی تینوں طریقہ سے ہوتی ہے اور صلوة ان سب کو جامع ہے نیز سَبِّحُوا اللہ کی تفسیر سَبِّحُوا اللہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ خبر بمعنی امر ہے اور سَبِّحُوا مصدر ہے اس سے پہلے فعل محذوف ہے ای سَبِّحُوا سُبْحَانًا۔

قَوْلٌ: تَمْسُونَ اور تُصْبِحُونَ کی تفسیر تَدْخُلُونَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ دونوں فعل تام ہیں اس آیت میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے۔

قَوْلٌ: اعْتَراضٌ یعنی معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

اللہ تعالیٰ جس طرح پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح دوسری مرتبہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اس لئے کہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے مشکل نہیں ہوتا اور یہ انسانوں کے اعتبار سے ہے ورنہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے نہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل اور نہ دوسری مرتبہ اعادہ یُبْلِسُ السَّجْدُ مَوْنِ ابلاس کے معنی ہیں اپنے موقف و مدعی پر کوئی دلیل نہ پیش کر سکرنا اور حیران ساکت و صامت کھڑے رہ جانا، اسی کو ناامیدی کے مفہوم سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں، روز قیامت کافروں اور مشرکوں کا یہی حال ہوگا۔

وكانوا بشر كائهم كافرين جن معبودوں کی مشرکین یہ سمجھ کر کہ یہ ہماری سفارش کریں گے قیامت کے دن جب یہ دیکھیں گے کہ یہ تو کسی گزرت کے نہیں کیونکہ یہ تو کسی کو کوئی فائدہ پہنچانے پر قطعاً قادر ہی نہیں ہیں تو ان کی الوہیت کے منکر ہو جائیں گے فہم فی روضۃ یُخْبِرُونَ یحبرون حبور سے مشتق ہے جس کے معنی سرور اور خوشی کے ہیں اور اس لفظ کے عموم میں ہر قسم کی خوشی اور سرور و مسرت نیز نعمتیں جنت داخل ہیں۔

وَمِنْ آيَاتِهِ تَعَالَى الدَّالَّةُ عَلَى قُدْرَتِهِ تَعَالَى أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ أَيْ أَصْلَكُمْ آدَمَ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ مِنْ دَمٍ وَلَحْمٍ تَنْتَشِرُونَ^(۱) فِي الْأَرْضِ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا فَخَلَقَتْ حَوَاءُ مِنْ ضِلْعِ آدَمَ وَسَائِرُ النِّسَاءِ مِنْ نُطْفِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَتَأْلُفُوهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ جَمِيعًا مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَمَذْكُورٍ لآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ^(۲) فِي صُنْعِ اللَّهِ تَعَالَى وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ أَيْ لُغَاتِكُمْ مِنْ عَرَبِيَّةٍ وَعَجَمِيَّةٍ وَغَيْرِهَا وَأَلْوَانِكُمْ مِنْ بَيَاضٍ وَسَوَادٍ وَغَيْرِهَا وَأَنْتُمْ أَوْلَادُ رَجُلٍ وَاحِدٍ وَامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ دَلَالَتٌ عَلَى قُدْرَتِهِ تَعَالَى لِلْعَالِمِينَ^(۳) بَفَتْحِ اللَّامِ وَكُسْرِهَا أَيْ ذَوِي الْعُقُولِ وَأُولَى الْعِلْمِ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ بِإِرَادَتِهِ تَعَالَى رَاحَةً لَكُمْ وَابْتِغَاءُكُمْ بِالنَّهَارِ مِنْ فَضْلِهِ أَيْ تَصَرُّفُكُمْ فِي طَلَبِ الْمَعِيشَةِ بِإِرَادَتِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ^(۴) سَمَاعٌ تَدْبِيرٌ وَاعْتِبَارٌ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمْ أَيْ إِرَاءَ تَكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا لِلْمُسَافِرِ مِنَ الصَّوَاعِقِ وَطَمَعًا لِلْمُقِيمِ فِي الْمَطَرِ وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْجِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا أَيْ يُبْسِهَا بِأَنْ تُنْبِتَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَمَذْكُورٍ لآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ^(۵) يَتَدَبَّرُونَ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ بِإِرَادَتِهِ مِنْ غَيْرِ عَمَدٍ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ^(۶) بِأَنْ يَنْفُخَ اسْرَافِيلُ فِي الصُّورِ لِلْبَغْثِ مِنَ الْقُبُورِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ^(۷) مِنْهَا أَحْيَاءَ فَخَرُوجُكُمْ مِنْهَا بِدَعْوَةٍ مِنْ آيَاتِهِ تَعَالَى وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مَلَكًا وَخَلْقًا وَعَبِيدًا كُلٌّ لَهُ قِنْتُونَ^(۸) مُطِيعُونَ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ لِلنَّاسِ ثُمَّ يُعِيدُهُ بَعْدَ بَلَاءِكِهِمْ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ مِنَ الْبَدْءِ بِالنَّظَرِ إِلَى مَا عِنْدَ الْمُخَاطَبِينَ مِنْ أَنْ إِعَادَةَ الشَّيْءِ أَسْهَلُ مِنْ إِبْتِدَائِهِ وَالْأَفْهَمُ عِنْدَهُ تَعَالَى سَوَاءٌ فِي السَّهُولَةِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَى فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَيْ الصِّفَةُ الْعُلْيَا وَهِيَ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَهُوَ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ^(۹) فِي خَلْقِهِ.

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں سے کہ جو اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں یہ ہے کہ اس نے تم کو یعنی تمہاری اصل آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب دفعۃً تم خون اور گوشت کے انسان بن کر زمین میں پھیلے پھرتے ہو اور اسی کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں چنانچہ حواء کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا اور (دیگر) تمام عورتوں کو مردوں اور عورتوں کے نطفہ سے پیدا کیا گیا تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اور ان سے الفت کرو اور تم سب کے اندر محبت اور ہمدردی پیدا کی یقیناً ان مذکورہ چیزوں میں اللہ کی کاریگری میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے (قدرت) کی نشانیاں ہیں اور اسی کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور

زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں یعنی لغات کا (اختلاف ہے) بعض عربی اور بعض عجمی وغیرہ اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے کسی کا رنگ سفید اور (کسی کا) کالا وغیرہ حالانکہ تم سب ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد ہو دانشمندیوں کے لئے یقیناً ان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں الْعَلَمِينَ فتحۃ لام اور کسرۃ لام کے ساتھ ہے یعنی عقل و علم رکھنے والوں کے لئے اور اس کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن میں اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے تمہاری راحت کے لئے سونا (بھی) ہے اور دن میں تمہارا اس کی روزی میں سے طلب کرنا ہے یعنی طلب رزق کے لئے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے تمہارا چلت پھرت (کوشش) کرنا ہے بلاشبہ اس امر میں بھی ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر اور عبرت کے لئے سنتے ہیں (قدرت کی) نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے مسافروں کو ڈرانے کے لئے اور مقیموں کو بارش کی امید دلانے کے لئے بجلی چمکا کر دکھانا (بھی) ہے اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے جس کے ذریعہ مردہ یعنی خشک زمین کو زندہ کر دیتا ہے اس طریقہ سے کہ وہ زمین گھاس اگانے لگتی ہے بلاشبہ ان مذکورہ باتوں میں (بھی) غور و فکر کرنے والوں کے لئے (قدرت) کی نشانیاں ہیں اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ (بھی) ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم یعنی ارادہ سے بغیر ستون کے قائم ہیں پھر جب وہ تمہیں آواز دے گا تو ایک ہی آواز میں بایں طور کہ اسرافیل علیہ السلام قبروں سے اٹھانے کے لئے صور پھونکیں گے تو تم اچانک زمین یعنی قبروں سے زندہ ہو کر نکل آؤ گے، تو تمہارا قبروں سے ایک ہی آواز میں نکل آنا خدا کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے ہے اور زمین و آسمان کی ہر شئی اسی کی ہے ملک ہونے کے اعتبار سے اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے اور غلام ہونے کے اعتبار سے اور ہر شئی اسی کی فرمانبردار ہے وہی ہے جو اول بار لوگوں کو پیدا کرتا ہے پھر اس کے ہلاک ہونے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ (اعادہ) اس کے لئے ابتداء تخلیق سے بہت آسان ہے مخاطبین کی نسبت کا اعتبار کرتے ہوئے، اس لئے کہ شئی کا اعادہ اس کی ابتداء سے آسان ہوتا ہے ورنہ تو ابتداء اور اعادہ اللہ تعالیٰ کیلئے سہولت کے اعتبار سے برابر ہے آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان اعلیٰ ہے یعنی اسی کی صفت اعلیٰ ہے اور وہ یہ کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہی اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی تخلیق میں حکمت والا ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْهِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِيْ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: اَصْلَكُمْ مَقْدَرَمَانِ كَرِ اِشَارَهٗ كَر دِیَا كَه خَلَقَكُمْ مِیْن كُمْرٍ سَیْ پَہْلَی مَضَافِ مَحْذُوفِ ہِیْ اُورِیْ ہِیْ بَتَا دِیَا كَه اَصْلُ سَیْ مَرَادُ اَدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ ہِیْن۔

قَوْلُهُ: ثُمَّ، ثُمَّ سَیْ تَعْبِیْرُ كَر كَیْ تَاخِیْرُ تَغْیِیْرَاتِ كِیْ طَرَفِ اِشَارَهٗ كَر دِیَا اِیْن لَیْ كَیْ غِذَا اَوَّلَا نَظْفَہٗ بَنَتِ ہِیْ پَہْرُ عِلْقَہٗ اُورِ پَہْرُ مَضْغَہٗ اُورِ اِن سَب تَغْیِیْرَاتِ كَا وَ قَفَہٗ چَالِیْسَ، چَالِیْسَ اِیَّامِ ہُوتَا ہِیْ اُورِ جَب اِیْك سَوْبِیْس اِیَّامِ ہُوجَاتَی ہِیْن تُو اِس گوشتِ پُوسْت كَیْ لُوتْھُرَیْ مِیْن رُوحِ پَھُونَك دِی جَاتِی ہِیْ تُو وَہِ دَفْعَۃً بَشَرِ ہُوجَاتَا ہِیْ اِذَا مَقَاجَاتِیْہِ ہِیْ اِگَر چَہ اِذَا مَقَاجَاتِیْہِ اَكْثَرُ فَآ كَیْ بَعْدَ آتَا ہِیْ مَگَر بَعْضُ اَوْقَاتِ

واؤ کے بعد بھی آتا ہے، ادا مفا جاتیہ لانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جب مذکورہ تینوں تغیرات مکمل ہو جاتے ہیں تو پھر بشر بننے میں دیر نہیں لگتی ادھر روح پھونکی ادھر بشر بن کر تیار ہو گیا۔

قَوْلًا: وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمْ الْبَرْقَ.

قَوْلًا: يُرِيكُمْ اصل میں اَنْ يُرِيكُمْ تھا جس کی وجہ سے يُرِيكُمْ اراء تکم مصدر کے معنی میں ہے اَنْ مصدر یہ کو حذف کر دیا گیا مفسر علام نے يُرِيكُمْ کی تفسیر اراء تکم سے کر کے اسی حذف ان مصدر یہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور اَنْ مصدر یہ کو کلام عرب میں حذف کرنا شائع ذائع ہے، جیسے۔

تَسْمَعُ بِالْمَعْنَى خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَرَاهُ

ای اَنْ تَسْمَعُ، يُرِيكُمْ الْبَرْقَ مبتداء مؤخر ہے اور وَمِنْ آيَاتِهِ خبر مقدم ہے۔

قَوْلًا: خَوْفًا وَطَمَعًا یہ يُرِيكُمْ کے مفعول لہ ہیں۔

قَوْلًا: هُوَ اس کا مرجع اعادہ ہے جو یعیدہ سے مفہوم ہے ہو ضمیر کو خبر کی رعایت سے مذکر لایا گیا ہے، ہو اَهْوَن مبتداء خبر ہیں۔

قَوْلًا: بالنظر الى ما عند المخاطبين مفسر علام اس عبارت سے ایک شبہ کا جواب دینا چاہتے ہیں، شبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ابتداء اور اعادہ دونوں برابر ہیں یعنی آسان ہیں مگر اَهْوَن علیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی اعادہ ابتداء سے آسان ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں انسانوں کے اعتبار سے ایک اصولی بات بتائی گئی ہے اور عقل کا مقتضی بھی یہی ہے کہ ابتداء بنانے کے اعتبار سے ثانیاً کسی چیز کا بنانا آسان ہوتا ہے، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اَهْوَن اسم تفضیل ھین کے معنی میں ہے اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ ہے کہ هُوَ اَهْوَن علیہ میں علیہ کی ضمیر کا مرجع مخلوق کی طرف راجع ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اور مطلب یہ ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا، تو مخلوق کے لئے عود کرنا بہ نسبت ابتداء کے آسان ہوگا اس لئے کہ ادھر روح کا تعلق جسم سے ہوا ادھر اعادہ ہو گیا، بخلاف ابتداء کے کہ اس میں متعدد اور مختلف تغیرات ہونے کے بعد زندگی ملتی ہے، مثلاً پہلے چالیس روز میں علقہ بنتا ہے اس کے بعد دوسرے چالیس دن میں مضغہ بنتا ہے اس طرح اس میں تاخیر ہوتی ہے جو عود کے اعتبار سے دشوار ہے۔ (حاشیہ جلالین)

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِيحٌ

سورہ روم کے شروع میں روم و فارس کی جنگ کا ایک واقعہ سنانے کے بعد منکرین و کفار کی گمراہی اور حق بات سننے سمجھنے سے بے پروائی کا سبب ان کا صرف دنیا کی فانی زندگی کو اپنا مقصد حیات بنالینا اور آخرت کی طرف کوئی توجہ نہ دینا قرار دیا گیا تھا، اس کے بعد قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے واقع ہونے پر جو سطحی نظروالوں

کو استبعاد ہو سکتا تھا اس کا جواب مختلف پہلوؤں سے دیا گیا ہے، پہلے خود اپنے نفس میں غور و فکر کی، پھر گرد و پیش میں گزرنے والی اقوام کے حالات اور ان کے انجام میں نظر کرنے کی دعوت دی گئی، پھر حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر فرمایا جس کا کوئی سہم و شریک نہیں، مذکورۃ الصدر آیات میں اسی قدرت کاملہ اور اس کی حکمت بالغہ کے چھ مظاہر آیات قدرت کے عنوان سے بیان فرمائے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں۔

مظاہر قدرت کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وَمِنْ آيَاتِهِ کا اس موقع پر چھ مرتبہ ذکر فرمایا اور ابتداء تخلیق انسانی کے ذکر سے فرمائی ہے، اس کے بعد عالم علویٰ اور سفلیٰ کی تخلیق کا ذکر فرمایا اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ ان عالموں سے استفادہ کرنے کا حق انسان کو ہے اور ان کی تخلیق انسانوں ہی کے لئے ہوئی ہے، ان آیات قدرت اور مظاہر قدرت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان آیات قدرت میں غور و فکر کر کے راہ ہدایت کو اختیار کرے۔

ضَرْبَ جَعَلْ لَكُمْ اِيْهَا الْمُسْرِكُوْنَ مَثَلًا كَانُوا مِنْ اَنْفُسِكُمْ وَبِهِمْ هَلْ لَكُمْ مِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِی مِنْ مَمَالِكِكُمْ مِنْ شُرَكَاءِ لَكُمْ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ مِنْ الْاَنْوَالِ وَغَيْرِهَا فَانْتُمْ وَبِهِمْ فِيْهِ سَوَاءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِی اَمْثَالِكُمْ مِنَ الْاَحْزَارِ وَالْاِسْتَفْهَامُ بِمَعْنٰی النَّفٰی، الْمَعْنٰی لیس مَمَالِكِكُمْ شُرَكَاءُ لَكُمْ اِلٰی اٰخِرِهِ عِنْدَكُمْ فَكَيْفَ تَجْعَلُوْنَ بَعْضَ مَمَالِكِكُمُ اللّٰهُ شُرَكَاءَ لَهُ كَذٰلِكَ نَفِصِلُ الْاٰیٰتِ نَبِيْنَهَا بِمَثَلِ ذٰلِكَ التَّفْصِيْلِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ۝۱۰ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۱۱ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِالْاِشْرَاقِ اَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ اِی لَا بَادِيَ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِيْنَ ۝۱۲ مَا نَعْبُدُ اللّٰهَ فَاَقِمْ يٰ مُحَمَّدُ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيفًا مَّا بَلَا اِلٰهَ اِی اَخْلَصْ دِيْنَكَ لِلّٰهِ اَنْتَ وَمَنْ تَبِعَكَ فِطْرَتَ اللّٰهِ خَلَقْتِ الَّذِيْ فِطَرَ النَّاسَ عَلِيْهَا وَبِیْ دِيْنِهِ اِی الزُّمُوْبَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ لِیَدِيْنِهِ اِی لَا تُبَدِّلُوْهُ بَانَ تَشْرِكُوْا ذٰلِكَ الدِّيْنَ الْقَیِّمُ الْمُسْتَقِيْمُ تَوْحِيْدُ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ اِی كُفَارَ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ تَوْحِيْدُ اللّٰهِ مُنِیْبِيْنَ رَاجِعِيْنَ اِلَيْهِ تَعَالٰی فِیْمَا اَسْرَبَ وَنَهٰی عَنْهُ حَالٌ مِنْ فَاعِلٍ اَقِمْ وَمَا اُرِيْدُ بِهِ اِی اَقِيْمُوا وَاتَّقُوْهُ خَافُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۴ مِنَ الَّذِيْنَ بَدَّلَ بِاِعَادَةِ الْجَارِ فِرْقًاوَدِيْنَهُمْ بِاِخْتِلَافِهِمْ فِیْمَا يَعْبُدُوْنَهُ وَكَانُوا شُعَبًا فِرْقًا فِیْ ذٰلِكَ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ عِنْدِهِمْ فِرْحُوْنَ ۝۱۵ مَسْرُوْرُوْنَ وَفِی قِرَآءَةِ فَارَقُوا اِی تَرَكَوْا دِيْنَهُمُ الَّذِیْ اُبْرَزُوْا بِهِ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ اِی كُفَارَ مَكَّةَ ضُرٌّ شَدِيْدٌ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِیْبِيْنَ رَاجِعِيْنَ اِلَيْهِ دُوْنَ غَيْرِهِ ثُمَّ اِذَا دَافَقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةٌ بِالْمَطَرِ اِذَا فَرِحُوا مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝۱۶ لِيَكْفُرُوْا بِمَا اَلَيْسَ لَهُمْ اُرِيْدُ بِهِ التَّهْدِيْدُ فَتَمَتَّعُوا فَاَوْفَوْا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۷ عَاقِبَةُ تَمَتَّعِكُمْ فِيْهِ التَّيْفَاتُ عَنِ الْغَيْبَةِ اَمْرٌ بِمَعْنٰی بَهْمَزَةِ الْاِنْكَارِ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا حُجَّةً وَكِتٰبًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ تَكَلُّمٌ دَلٰلَةٌ بِمَا كَانُوْا بِهِ يُشْرِكُوْنَ ۝۱۸ اِی يَأْمُرُهُمْ بِالْاِشْرَاقِ لَا

وَإِذْ آذَقْنَا النَّاسَ كُفَّارَ مَكَّةَ وَغَيْرَهُمْ رَحْمَةً نَّعْمَةً فَرَحُوا بِهَا فَرَحَ بَطْرِ وَأَنْ تُصَبِّهُمُ سَيِّئَةً شِدَّةً
بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذْ هُمْ يَقْنُطُونَ ﴿۱﴾ يَأْسُونَ مِنَ الرَّحْمَةِ وَمِنْ شَأْنِ الْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَشْكُرَ عِنْدَ النِّعْمَةِ وَيَرْجُوا رَبَّهُ
عِنْدَ الشَّدَّةِ أَوْ لَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يَوْسَعُهُ لِمَنْ يَشَاءُ إِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهُ لِمَنْ يَشَاءُ إِبْتِلَاءً
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۲﴾ بِهَا فَاتِ ذَا الْقُرْبَى الْقَرَابَةِ حَقُّهُ مِنَ الْبِرِّ وَالصَّلَةِ وَالْمُسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ
الْمُسَافِرِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَامَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبِعَ لَهُ فِي ذَلِكَ خَيْرُ الَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ
أَيِ ثَوَابِهِ بِمَا يَعْمَلُونَ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳﴾ الْفَائِزُونَ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رَبًّا بَأَنْ يُعْطَى شَيْئًا سَبَّةً أَوْ بَهْدِيَّةً لِيُطْلَبَ
أَكْثَرُ مِنْهُ فَسُمِّيَ بِاسْمِ الْمَطْلُوبِ مِنَ الزِّيَادَةِ فِي الْمُعَامَلَةِ لِيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ الْمُعْطِينَ أَيْ يَزِيدَ
فَلَا يَرْبُوَ يَزْكُوا عِنْدَ اللَّهِ أَيْ لَا ثَوَابَ فِيهِ لِلْمُعْطِينَ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ
فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿۴﴾ ثَوَابُهُمْ بِمَا أَرَادُوهُ فِيهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْخَطَابِ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ
ثُمَّ يَمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مِمَّنْ أَسْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَلِكَ مِنْ شَيْءٍ لَا سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا
يُشْرَكُونَ ﴿۵﴾

ترجمہ: اے مشرک! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے خود تمہاری ہی مثال بیان فرمائی اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے تم کو
اموال وغیرہ دے رکھے ہیں کیا اس میں تمہارے غلاموں میں سے تمہارا کوئی شریک ہے؟ کہ تم اور وہ اس میں برابر درجہ کے ہو
اور تم ان سے ایسا اندیشہ رکھتے ہو جیسا کہ خود آپس کا یعنی اپنے جیسے آزاد لوگوں کا، اور استفہام نفی کے معنی میں ہے، مطلب یہ کہ
تمہارے نزدیک بھی تمہارے غلام تمہارے شریک نہیں ہیں، (الی آخرہ) یعنی ان اموال میں جو ہم نے تم کو دے رکھے ہیں
تمہارے غلام تمہارے جیسے آزادوں کے مانند شریک نہیں ہیں کہ برابر کا درجہ رکھتے ہوں، تو پھر تم اللہ کے بعض غلاموں کو اس کا
شریک کس طرح قرار دیتے ہو؟ ہم اسی طرح جس طرح یہ تفصیل بیان کی عقلمندوں کے لئے یعنی غور و فکر کرنے والوں کے لئے
صاف صاف دلائل بیان کرتے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ شرک کرنے والے ظالم تو بغیر جانے بوجھے ہی اپنی خواہشات کی اتباع
کر رہے ہیں سو جسے اللہ گمراہ کرے اس کو کون راہ (راست) پر لائے یعنی اس کو کوئی راہ پر لانے والا نہیں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا
یعنی اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہیں ہوگا تو اے محمد ﷺ آپ یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین (حق) کی طرف رکھیں یعنی اپنے
دین کو اللہ کے لئے آپ اور آپ کی اتباع کرنے والے خالص رکھیں خداداد قابلیت کو جس پر لوگوں کو پیدا فرمایا ہے اور وہ اس کا
دین ہے لازم پکڑو، اللہ تعالیٰ کے دین کو بدلنا نہیں چاہئے یعنی شرک کر کے دین فطرت کو تبدیل مت کرو یہی اللہ کی توحید کا قائل
ہونا ہی دین مستقیم ہے لیکن اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اللہ کی توحید کو نہیں جانتے (آپ مع اپنے اصحاب کے دین کی جانب رخ
رکھئے) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے ان چیزوں میں جن کا حکم کیا گیا ہے، اور جن سے منع کیا گیا ہے (منیبین) اقم

سے اور اَقِم سے جو مراد ہیں یعنی اَقِمْ سوا سے حال ہے اس سے ڈرتے رہو نماز کی پابندی رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ، جنہوں نے اپنے دین کے اپنے معبودوں کے بارے میں اختلاف کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے (من الذین) اعادہ جار کے ساتھ المشرکین سے بدل ہے اور دین کے بارے میں گروہ درگروہ ہو گئے اور ان میں کا ہر گروہ اس (دین) پر جو اس کے پاس ہے خوش ہے مگن ہے اور ایک قراءت میں فارقوا ہے یعنی ان لوگوں نے اپنے اس دین کو ترک کر دیا جس دین کا ان کو حکم دیا گیا تھا اور جب لوگوں کو یعنی مکہ کے کافروں کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اس کی طرف نہ کہ اس کے غیر کی طرف رجوع ہو کر اپنے رب (حقیقی) کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا بارش کے ذریعہ مزا چکھا دیتا ہے تو ان میں کا ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے چاہئے کہ وہ ہماری دی ہوئی (نعمتوں) کی ناشکری کریں اس امر سے تہدید کا ارادہ کیا گیا ہے سو چند دن اور مزے اڑالو، تمہارے مزے اڑانے کا انجام تم کو جلدی ہی معلوم ہو جائے گا اس میں غیبت سے (خطاب) کی جانب التفات ہے کیا ہم نے ان کے اوپر کوئی حجت اور کتاب نازل کی ہے کہ وہ دلالت ان سے شریک کرنے کے لئے کہتی ہے یعنی (وہ کتاب) (دلالت حال سے) ان کو شرک کرنے کو کہتی ہے، نہیں، اور جب ہم لوگوں یعنی مکہ کے کفار وغیرہ کو رحمت یعنی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس نعمت سے خوش ہوتے ہیں اترانے لگتے ہیں، اور اگر ان کے اعمال کے بدلے ان کو کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو وہ ایک دم رحمت سے ناامید ہو جاتے ہیں اور مومن کی شان یہ ہے کہ نعمت کے وقت شکر ادا کرے اور مصیبت کے وقت اپنے رب سے امید رکھے کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے امتحان اس کے رزق میں وسعت کرتا ہے اور جس کے رزق میں چاہتا ہے ابتلاء تنگی کرتا ہے ان میں (بھی) ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ان نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں پس قرابت دار کو اس کا حق جو کہ حسن سلوک اور صلہ رحمی ہے دیجئے اور مسکین اور مسافر کو صدقہ دیجئے اور نبی ﷺ کی امت بھی اس حکم میں نبی کے تابع ہے یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں یعنی اس سے اپنے اعمال کے ثواب کے طالب ہیں ایسے ہی لوگ فائز المرام ہونے والے ہیں اور جو چیز تم زیادہ ہونے کے خیال سے دیتے ہو اس طریقہ پر کوئی چیز بہہ یا ہدیہ کے طور پر دی اس خیال سے کہ اس سے دیئے ہوئے سے زیادہ طلب کرے تاکہ جن لوگوں کو دیا گیا ہے ان کے مال میں مل کر زیادہ ہو جائے تو وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے یعنی اس میں دینے والوں کو کوئی اجر نہیں ہے، دسوا کے خیال سے (دی ہوئی چیز کا) جس کے دینے میں زیادتی مطلوب ہے اس شئی کا نام دسوا رکھ دیا ہے (یعنی جو ہدیہ یا بہہ زیادتی کے ارادہ سے دیا گیا ہے چونکہ اس میں زیادتی یعنی دسوا مطلوب ہے لہذا اس بہہ یا ہدیہ کا نام ہی قرآن میں دسوا رکھ دیا گیا ہے) اور جو تم زکوٰۃ دو گے جس سے تمہارا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو ایسے لوگ ہی ہیں جو اپنے ثواب کو اپنے مطلوب کے مطابق دو گنا کرتے ہیں اس میں خطاب سے (غیبت) کی طرف التفات ہے اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو زندہ کرے گا تمہارے شرکاء میں بھی جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو کوئی ایسا ہے کہ جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے نہیں وہ ان کے شریک سے پاک اور برتر ہے۔

تحقیق و تہذیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: كَانْنَا مَحْذُوفًا مِّنْ كَرَاهٍ لِّدِيَارِهِمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ كَانْنَا سے متعلق ہو کر مثلاً کی صفت ہے اور مِّنْ ابتدائیہ ہے۔

قَوْلًا: مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ سے حال مقدم ہے پہلا مِّنْ ابتدائیہ ہے دوسرا تبعیضیہ ہے اور تیسرا زائد و۔
قَوْلًا: أَنْتَ وَمَنْ أَتْبَعَكَ اس سے اشارہ کر دیا کہ أَقِمُوا وَجْهَكُمْ میں اگرچہ خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے۔

قَوْلًا: فَطَرَتِ اللَّهُ فِعْلٌ مَحْذُوفٌ کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ الزموا ہے جیسا کہ شارح رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى نے مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے ”فطرة“ کے معنی پیدائشی صلاحیت اور خداداد قابلیت کے ہیں ”فطرت“ لمبی ت کے ساتھ قرآن میں صرف اسی جگہ ہے۔

قَوْلًا: لَا تُبَدِّلُوهُ اس سے شارح نے اشارہ کر دیا کہ لَا تُبَدِّلُ خبر بمعنی امر ہے، یہ بھی کہہ سکتے ہیں نئی بمعنی نہیں ہے فطرة کی دو تفسیریں ہیں ایک فطری صلاحیت دوسری بمعنی دین اسلام دوسری تفسیر کی طرف شارح علام نے وہی دینہ کہہ کر اشارہ کر دیا، جس کی وجہ سے دونوں تفسیریں خلط ملط ہو گئیں، البتہ اگر وہی دینہ کے واؤ کو اؤ کے معنی میں لے لیا جائے تو یہ اختلاط ختم ہو سکتا ہے۔ (حمل)

قَوْلًا: مَنِيبِينَ یہ اَقِم اور اَقِم سے جو مراد ہے یعنی اَقِمُوا سے حال ہے اس لئے کہ اَقِم میں اگرچہ خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے۔

قَوْلًا: لِيَكْفُرُوا کے بعد اُرِيدَ بِهِ التَّهْدِيدُ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ لِيَكْفُرُوا میں لام امر کا ہے اور لام عاقبت بھی ہو سکتا ہے یعنی آخر کار وہ ناشکری کرنے لگتے ہیں۔

قَوْلًا: تَكَلَّمَ دَلَالَةٌ یہاں تکلم سے مجاز اولالت مراد ہے ورنہ توجہ یا کتاب تکلم نہیں کرتی، البتہ مجازاً کہا جاتا ہے کتاب ناطق و يقال هذا مما نطق به القرآن، بطر بے انتہاء خوشی کا اظہار کرنا جو تکبر اور اترانے کی حد تک پہنچ جائے، شارح رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى نے فرح بطر کا اضافہ کر کے اس شبہ کا جواب دیدیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر خوشی کا اظہار کرنا کوئی مذموم بات نہیں بلکہ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی رو سے محمود ہے، تو اس کا جواب دیا کہ تحدیث نعمت کے طور پر اظہار نعمت کرنا اگرچہ محمود ہے مگر تکبر اور اترانے کے طور پر اظہار ممنوع ہے۔

قَوْلًا: اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ اللَّهُ مبتداء ہے الَّذِي خَلَقَكُمْ موصول صلہ سے مل کر مبتداء کی خبر، مبتداء اور خبر دونوں کے معروفہ ہونے کی وجہ سے جملہ حصر کا فائدہ دے رہا ہے۔

قَوْلًا: هَلْ مِنْ شَرٍّ كَانَتْكُمْ خَيْرٌ مَّقْدَمٌ ہے مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَلِكَ مبتداء مؤخر ہے اور مِنْ شَرٍّ كَاءِ هم خبر مقدم ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

ضَرْبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ آیات مذکورہ میں توحید کے مضمون کو مختلف شواہد اور دلائل اور مختلف عنوانات میں بتلایا گیا ہے اور ایسا دلنشین انداز بیان اختیار کیا گیا ہے کہ ہر شخص کے دل میں اتر جائے، پہلے ایک مثال سے سمجھایا کہ تمہارے غلام و نوکر جو تمہارے ہی جیسے انسان ہیں شکل و صورت ہاتھ پاؤں اور مقتضیات طبعیہ سب چیزوں میں تمہارے شریک ہیں مگر تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ تمہارے مال و دولت میں شریک ہو جائیں تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کے بندے چاہے وہ فرشتے ہوں یا رسول اور نبی، اولیاء اللہ ہوں یا صلحاء و اتقیا، یا شجر و حجر کے بنائے ہوئے معبود، وہ اللہ کے ساتھ شریک ہو جائیں، جبکہ وہ بھی اللہ کے غلام اور اس کی مخلوق ہیں، یعنی جس طرح پہلی بات نہیں ہو سکتی دوسری بھی نہیں ہو سکتی، اس لئے اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی بندگی کرنا اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا یکسر غلط ہے۔

فَطَرَتِ اللّٰهُ الَّتِیْ فَطَرَ الْمَآءِ عَلَیْهَا فطرت کے کیا معنی ہیں؟ اس بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں ان میں دو زیادہ مشہور ہیں (اول قول) یہ ہے کہ فطرت سے مراد استعداد و صلاحیت ہے یعنی تخلیق انسانی میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے، ہر انسان اپنے خالق کو پہچانے جس کا اثر اسلام کا قبول کرنا ہوتا ہے بشرطیکہ اس استعداد و صلاحیت سے کام لے، یہی معنی مفسر غلام علامہ محلی نے اختیار کئے ہیں، یہ معنی بے غبار ہیں اس پر کسی قسم کا اعتراض و شبہ وارد نہیں ہوتا، اس خلقی صلاحیت کے متعلق یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، جو شخص والدین یا کسی دوسرے کے گمراہ کرنے سے کافر ہو گیا اس میں استعداد اور قابلیت حق ختم نہیں ہوتی گو مغلوب و مستور ہو جاتی ہے۔

فطرت کے دوسرے معنی۔ بعض مفسرین نے فطرت سے اسلام مراد لیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے مسلمان پیدا کیا ہے، اگر اس کو گرد و پیش اور ماحول میں کوئی خراب کرنے والا خراب نہ کرے تو ہر پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہی ہوگا، مگر عموماً ہوتا یہ ہے کہ والدین اس کو بعض اوقات اسلام کے خلاف باتیں بتلاتے ہیں، ذہن نشین کراتے ہیں جس کے سبب وہ اسلام پر قائم نہیں رہتا، جیسا کہ صحیحین کی ایک روایت میں مذکور ہے، قرطبی نے اس قول کو جمہور کا قول قرار دیا ہے۔

دوسرے قول پر متعدد اعتراضات:

پہلا اعتراض:

یہ کہ خود اسی آیت میں آگے یہ مذکور ہے کہ لا تبدیل لخلق اللہ اور یہاں خلق اللہ سے مراد وہی فطرۃ اللہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اس لئے اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی اس فطرت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا حالانکہ صحیحین کی حدیث شریف میں خود

یہ آیا ہے کہ پھر ماں باپ بعض اوقات بچے کو یہودی یا نصرانی بنا لیتے ہیں، اگر فطرت کے معنی خود اسلام کے لئے جائیں جس میں تبدیلی نہ ہونا خود اسی آیت میں مذکور ہے تو حدیث مذکور میں یہودی، نصرانی بنانے کی تبدیلی کیسے صحیح ہوگی اور یہ تبدیلی تو عام مشاہدہ ہے، اور اگر اسلام ایسی فطرت ہے، جس میں تبدیلی نہ ہو سکے تو پھر یہ تبدیلی کیسے اور کیوں؟

دوسرا اعتراض:

حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا اس کے متعلق صحیح حدیث میں ہے کہ اس لڑکے کی فطرت میں کفر تھا اس لئے خضر علیہ السلام نے اس کو قتل کیا یہ حدیث بھی اس کے منافی ہے کہ ہر انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

تیسرا اعتراض:

اگر اسلام کوئی ایسی چیز ہے جو انسان کی فطرت میں اس طرح رکھ دی گئی ہے کہ جس کی تبدیلی پر انسان کو قدرت نہیں تو اس صورت میں اسلام کوئی اختیاری فعل نہ ہوا پھر اس پر آخرت کا ثواب کیسا؟ اس لئے کہ ثواب تو اختیاری عمل پر ملتا ہے، یہ سب شبہات امام تورپشتی رحمہ اللہ نے شرح مصابیح میں بیان کئے ہیں اور اسی بناء پر انہوں نے اول معنی کو ترجیح دی ہے کہ اس خلقی صلاحیت کے متعلق یہ صحیح ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ (معارف ملخصاً)

وَمَا آتَيْتُم مِّن رَّبًّا لِّرَبِّوَا فِي اَمْوَالِ النَّاسِ اس آیت میں ایک بری رسم کی اصلاح کی گئی ہے جو عام خاندانوں اور اہل قرابت میں چلتی ہے وہ یہ کہ عام طور پر کنبہ رشتہ کے لوگ شادی بیاہ، عقیقہ یا دیگر تقریبات کے موقع پر ہدیہ تحفہ کے نام پر روپیہ پیسہ یا کوئی چیز دیتے ہیں تو ان کی نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ ہمارے یہاں تقریبات کے موقع پر کچھ دے گا دیکھنے میں یہ بھی آیا ہے کہ دینے والا اور لینے والا اس رقم یا ہدیہ تحفہ کو لکھ بھی لیتا ہے تاکہ بھول نہ جائے اس سے معلوم ہوا کہ بدلے کی نیت ہے ورنہ لکھنے کے کیا معنی، اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ نہ ان پر احسان جتائے اور نہ کسی بدلے پر نظر رکھے اور جس نے بدلے کی نیت سے دیا کہ اس کا مال دوسرے عزیز رشتہ دار کے مال میں شامل ہونے کے بعد کچھ زیادتی لے کر واپس آئے گا تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی درجہ اور ثواب نہیں اور قرآن کریم نے اس زیادتی کو لفظ ربوا سے تعبیر کر کے اس کی قباحت کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ایک صورت سود کی سی ہو گئی۔

مَسْئَلَةٌ: بغیر بدلہ اور عوض کی نیت کے ہدیہ تحفہ لینے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ باعث اجر و محبت ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ اِی الْقِفَارِ بِقَحْطِ الْمَطَرِ وَقِلَّةِ النَّبَاتِ وَالْبَحْرِ اِی الْبِلَادِ الَّتِي عَلَى الْاَنْهَارِ بِقِلَّةِ مَائِهَا بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ مِنَ الْمَعَاصِي لِيُذِيقَهُمْ بِالنُّونِ وَالْبِئَاءِ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا اِی عُقُوبَتَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۸۰﴾

يَتُوبُونَ قُلْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۱﴾
فَأَنبَلِكُوا بِأَشْرَافِهِمْ وَمَسَاكِينِهِمْ وَمَنَازِلِهِمْ خَاوِيَةً فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ دِينَ الْإِسْلَامِ
مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَوْمَ يَصْدَعُونَ ﴿۲﴾ فِيهِ إِذْ غَامُ التَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي
الْعَصَادِ يَتَفَرَّقُونَ بَعْدَ الْحِسَابِ إِلَى الْجَنَّةِ وَالنَّارِ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَبِالْ كُفْرِ هُوَ النَّارُ
وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا نَفْسَ لَهُ يَمْهَدُونَ ﴿۳﴾ يُوَسِّطُونَ بَيْنَ مَنَازِلِهِمْ فِي الْجَنَّةِ لِيَجْزِيَ مُتَعَلِّقٌ بِصِدْعِ عَوْنِ
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ يُشَبِّهِهُمْ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿۴﴾ أَيْ يُعَاقِبُهُمْ وَمِنْ آيَتِهِ تَعَالَى
أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ بِمَعْنَى لَتُبَشِّرَكُم بِالْمَطَرِ وَلِيَذِّقَكُم بِهَا مِنْ رَحْمَتِهِ الْمَطَرُ وَالْخَصْبُ وَلَتَجْزِيَ الْفُلُكُ
السُّفُنُ بِهَا بِأَمْرِهِ بِإِزَادَتِهِ وَلَتَبْتَغُوا تَطْلُبُوا مِنْ فَضْلِهِ الرِّزْقَ بِالتَّجَارَةِ فِي الْبَحْرِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵﴾ بِهَذِهِ النِّعَمِ
يَا أَهْلَ مَكَّةَ فَتُوحِدُونَهُ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ بِالْحُجَجِ الْوَاضِحَاتِ
عَلَى صِدْقِهِمْ فِي رِسَالَتِهِمْ إِلَيْهِمْ فَكَذَّبُوهُمْ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا أَهْلَكْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوهُمْ
وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۶﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ بِأَهْلَاكِهِمْ وَانْجَاءِ الْمُؤْمِنِينَ اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ
فَتُثِيرُ سَحَابًا تَرْعَاهُ فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ مِنْ قَلْعَةٍ وَكَثْرَةٍ وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا يَفْتَحُ السَّيْنَ وَسُكُونَهَا
قِطْعًا مُتَفَرِّقَةً فَتَرَى الْوَدْقَ الْمَطَرُ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ أَيْ وَسْطِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ بِالْوَدْقِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ
عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۷﴾ يَفْرَحُونَ بِالْمَطَرِ وَإِنْ وَقَدْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ تَاكِيدُ
لِمُبْلِسِينَ ﴿۸﴾ أَيْ سَيِّئِينَ مِنْ أَنْزَالِهِ فَانْظُرْ إِلَى أَثَرِ وَفِي قِرَاءَةِ آثَرِ رَحْمَتِ اللَّهِ أَيْ نِعْمَتِهِ بِالْمَطَرِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا أَيْ يُبْسِطُهَا بَانَ تَنْبِتَ إِنَّ ذَلِكَ الْمُحْيِي الْأَرْضَ لَمُحْيِي الْمَوْتِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنْ لَمْ
قَسَمِ أَرْسَلْنَا رِيحًا مُضِرَّةً عَلَى نَبَاتٍ فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا الظَّلْوُ صَارُوا جَوَابُ الْقَسَمِ مِنْ بَعْدِهِ أَيْ بَعْدَ إِضْفَارِهِ
يَكْفُرُونَ ﴿۱۰﴾ يَجْحَدُونَ النِّعْمَةَ بِالْمَطَرِ فَإِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتِ وَلَا تَسْمِعُ الصَّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا ابْتَحَقَّقَ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ
الْثَانِيَةِ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الْيَاءِ وَلَوْ أَمْدَبَرِينَ ﴿۱۱﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمَى عَنْ ضَلَالَتِهِمْ إِنْ مَا تَسْمِعُ سَمَاعَ إِفْهَامٍ وَقَبُولِ
إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الْقُرْآنِ فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۲﴾ مُخْلِصُونَ بِتَوْحِيدِ اللَّهِ.

ترجمہ: خشکی یعنی میدانوں میں خشک سالی اور نباتات کی کمی کی وجہ سے اور تری یعنی ان شہروں میں جو نہروں

(سمندروں) کے کنارے واقع ہیں پانی کی قلت کی وجہ سے لوگوں کی بد اعمالیوں کے باعث فساد ظاہر ہو گیا تا کہ ہم ان کو ان کے
بعض اعمال کی سزا کا مزہ چکھائیں ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں توبہ کریں، آپ مکہ کے کافروں سے کہئے کہ زمین میں چلو پھرو
دیکھو پہلوں کا کیا انجام ہوا؟ جن میں اکثر لوگ مشرک تھے تو وہ اپنے شرک کے سبب ہلاک کر دیئے گئے اور ان کے گھر اور

مکانات گرے پڑے ہیں آپ اپنی توجہ دین قیم یعنی اسلام کی جانب رکھئے قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس کو اللہ (ہرگز) نہیں ٹالے گا وہ قیامت کا دن ہوگا اس روز سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے (یَصْدَعُونَ) میں اصل میں تا کا صاد میں ادغام ہے (یعنی) حساب کے بعد جنت یا دوزخ کی طرف متفرق ہو جائیں گے کفر کرنے والوں پر ان کے کفر کا وبال پڑے گا وہ دوزخ ہے اور نیک عمل کرنے والے اپنے لئے آرام گاہ بنوا رہے ہوں گے یعنی جنت میں اپنے گھر بنارے ہوں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو اپنے فضل سے اجردے لِيَجْزِيَ، يَصْدَعُونَ کے متعلق ہے بلاشبہ وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا یعنی ان کو سزا دے گا اور اللہ تعالیٰ کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے بارش کی خوشخبری دینے والی ہواؤں کا چلانا بھی ہے اور مُبَشِّرَاتٍ، لَتُبَشِّرَكُمْ کے معنی میں ہے تاکہ تم کو ہواؤں کے ذریعہ اپنی رحمت یعنی بارش اور شادابی کے ذریعہ لطف اندوز کرے اور اس لئے کہ اس کے حکم ارادہ سے ہواؤں کے ذریعہ کشتیاں چلیں اور اس لئے کہ تم اس کا فضل یعنی روزی دریائی سفر کے ذریعہ تجارت کر کے تلاش کرو اور اس لئے تاکہ اے مکہ والو! تم ان نعمتوں کا شکر ادا کرو پھر اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ اور ہم نے آپ سے پہلے بھی اپنے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان کے پاس ان کی طرف رسول ہونے کے بارے میں اپنی صداقت کی واضح دلیلیں لے آئے پھر بھی ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی پھر ہم نے مجرموں سے انتقام لیا یعنی جن لوگوں نے ان کی تکذیب کی ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم پر کافروں کے مقابلہ میں مومنین کی مدد کرنا لازم ہے کافروں کو ہلاک کر کے اور مومنوں کو نجات دے کر اللہ وہ ذات ہے جو ہوائیں چلاتا ہے وہ بادل کو اٹھاتی ہیں حرکت دیتی ہیں پھر وہ اپنی منشاء کے مطابق آسمان میں کم یا زیادہ پھیلا دیتا ہے پھر اس کو متفرق کر دیتا ہے (كِسْفًا) سین کے فتح اور اس کے سکون کے ساتھ الگ الگ ٹکڑے کرنا پھر اے مخاطب تو بارش کو دیکھے گا کہ وہ بادل کے درمیان سے نکلتی ہے پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے وہ بارش پہنچا دیتا ہے تو وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں یعنی بارش سے خوش ہو جاتے ہیں، یقین ماننا کہ ان پر بارش برسنے سے پہلے پہلے تو وہ بارش سے ناامید ہو رہے تھے قَبْلَ پہلے قبل کی تاکید ہے پھر آپ رحمت الہی کے آثار دیکھیں یعنی اس نعمت کو بارش کی صورت میں ایک قراءت میں آثار ہے کہ وہ زمین کو مردہ ہونے یعنی اس کے خشک ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے بایں معنی کہ وہ اگانے لگتی ہے یقیناً یہی زمین کو زندہ کرنے والی ذات مردوں کو زندہ کرے گی اور وہ ہر شے پر قادر ہے اور قسم ہے اگر ہم ان کی کھیتیوں پر مضر ہوا چلا دیں تو وہ اس کھیتی کو زرد دیکھیں تو وہ اس کے زرد ہونے کے بعد نعمت باران کی ناشکری کرنے لگیں اور وَلَئِنْ میں لام قسم ہے بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چلدیں (ءَاِذَا) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل یا اور ہمزہ کے بین بین اور اسی طرح آپ اندھوں کو ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لاسکتے آپ تو بس فہم و قبول کا سنانا اسی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر قرآن پر ایمان رکھتا ہو لہذا اللہ کی توحید میں یہی لوگ مخلص ہیں۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْهِيلِ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: قَفَّارٌ قَفَّرٌ کی جمع ہے چٹیل میدان، قَفَّارِ قاف کے فتح کے ساتھ وہ روٹی کہ جس کے ساتھ سالن نہ ہو بِمَا كَسَبَتْ با سبب اور ما مصدر یہ ہے ای بسبب کسبہم لِنَذِيْقَهُمْ میں لام عاقبت کا ہے اور ظَهَرَ الفساد سے متعلق ہے۔

قَوْلٌ: ای عُقُوبَتُهُ سے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اِنِّیْ عُقُوبَةٌ مَا عَمِلُوْا مجازاً سبب کا اطلاق مسبب پر کیا ہے، چونکہ اعمال بد عُقُوبَت کا سبب ہیں لہذا سبب بول کر مسبب مراد لیا ہے۔

قَوْلٌ: مِنْ اللّٰهِ کا تعلق یاتنی سے ہے۔

قَوْلٌ: یَوْمَئِذٍ، یَوْمَئِذٍ کی تین جملہ کے عوض میں ہے، ای یَوْمٌ اِذْ یَاتِیْ هٰذَا الْیَوْمَ۔

قَوْلٌ: یَصَّدَّعُوْنَ مضارع جمع مذکر غائب اصل میں یَتَصَدَّعُوْنَ تھا تا کو صا دکیا اور صا د کو صا د میں ادغام کر دیا تَفْعُلُ سے تَصَدَّعٌ مصدر ہے منتشر ہونا، کسی سخت چیز کا پھٹنا و بال کُفْرِهِ کا اضافہ کر کے حذف مضاف کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلٌ: یُوطَّئُوْنَ وہ آراستہ کرتے ہیں سنوارتے ہیں بناتے ہیں وَطَّأ تَوَطَّأٌ درست کرنا بچھانا لِيَجْزِيَ یَصَّدَّعُوْنَ سے متعلق ہے، ای یَصَّدَّعُوْنَ لِيَجْزِيَہم وہ الگ الگ ہو جائیں گے تاکہ ان کو اللہ جزا دے۔

قَوْلٌ: یُثَبِّتُہُمْ لِیَجْزٰی کی تفسیر ہے۔

قَوْلٌ: بِمَعْنٰی لَتُبَشِّرَکُمْ اس اضافہ کا مقصد سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ لِيُذِیْقَکُمْ کا عطف مبشرات پر ہے اور یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ یہ فعل کا اسم پر عطف ہے، شارح رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے اس کا جواب دیا کہ مُبَشِّرٌ بِمَعْنٰی تُبَشِّرُ ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلٌ: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ (الآیۃ) یہ آیت، آیت مُفَصَّلَہ یعنی وَمِنْ آیَاتِہِ اَنْ یُرْسِلَ (الآیۃ) اور آیت مُفَصَّلَہ یعنی اللہ الذی یُرْسِلُ الرِّیَّاحَ (الآیۃ) کے درمیان معترضہ ہے، مطلب یہ کہ وَمِنْ آیَاتِہِ الخ مفصل ہے اور اللہ الذی اس کی تفصیل ہے اور وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الخ آیت معترضہ ہے اور مقصد اس کا آپ ﷺ کی تسلی ہے۔

قَوْلٌ: فَانْتَقَمْنَا کا عطف محذوف پر ہے شارح نے فکذبوا سے معطوف علیہ محذوف کی جانب اشارہ کر دیا ہے،

قَوْلٌ: وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ کان فعل ناقص حَقًّا اس کی خبر مقدم اور نصر المؤمنین اسم مؤخر، اور عَلَيْنَا حَقًّا کے متعلق ہے۔

قَوْلٌ: وَاِنْ وَقَدْ شارح رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے اِنْ کی تفسیر قَدْ کے ساتھ بغوی کی اتباع میں کی ہے اس صورت میں واؤ حالیہ ہے، اور دیگر حضرات نے اِنْ کو مخففہ عن المثلہ قرار دیا ہے اور اس کا اسم هُمْ ضمیر شان محذوف مانی ہے اور جملہ کو اِنْ کی خبر قرار دیا ہے اور لمبلسین میں لام فارقہ ہے۔

قَوْلٌ: لَظَلُّوْا جواب قسم ہے جو کہ جواب شرط کے بھی قائم مقام ہے، اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب شرط اور قسم دونوں جمع

ہو جائیں تو ان میں سے پہلے کا جواب مذکور ہوتا ہے اور دوسرے کا محذوف اور پہلے کا جواب ہی دوسرے کے جواب کی قائم مقامی کرتا ہے یہاں لَئِنْ میں قسم اور شرط دونوں جمع ہیں۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ بحروبر میں فساد پھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ پوری دنیا میں فساد نمودار ہو گیا، مفسرین نے ”فساد“ کے مختلف معنی مراد لئے ہیں، بعض حضرات نے قحط اور وبائی امراض اور ہرشی سے خیر و برکت کا اٹھ جانا مراد لیا ہے، نیز مذکورہ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان آفات کا سبب انسانوں کے اعمال بد ہیں جن میں شرک و کفر سب سے زیادہ شدید ہے اور یہی دیگر آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے مثلاً وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

احادیث صحیحہ میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی موجود ہے کہ دنیا مومن کیلئے جیل خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت، اور یہ کہ کافر کو اس کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں مال و دولت اور صحت کی صورت میں دیدیا جاتا ہے اور مومن کے اعمال کا بدلہ آخرت کیلئے محفوظ کر دیا جاتا ہے، اور یہ کہ اشد الناس بلاء الانبياء ثم الامثل فالامثل یعنی دنیا میں سب سے زیادہ مصیبتیں انبیاء پر آتی ہیں پھر جو ان سے قریب ہو، مذکورہ احادیث اس آیت کے مضمون سے مختلف ہیں اور عام دنیا کے مشاہدات بھی بتلاتے ہیں کہ دنیا میں عام طور پر مومن تنگی اور تکلیف میں اور کفار و فجار عیش و عشرت میں رہتے ہیں، اگر آیت مذکورہ کے مطابق دنیا کے مصائب اور تکلیفیں گناہوں کی وجہ سے ہوتیں تو معاملہ برعکس ہوتا۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں گناہوں کو آفات و مصائب کا سبب ضرور بتایا گیا ہے مگر علت تامہ نہیں فرمایا کہ جب کسی پر مصیبت آئے تو گناہوں کے ہی سبب سے آئے گی اور جس پر اگر کوئی مصیبت آئے تو اس کا گناہ گار ہونا ضروری ہو، بلکہ عام اسباب کا جو دنیا میں دستور ہے کہ سبب واقع ہونے کے بعد اس کا سبب اکثر واقع ہو جاتا ہے اور اگر کبھی کوئی دوسرا سبب اس کے اثر کے ظاہر ہونے سے مانع ہو جاتا ہے تو اس سبب کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، جیسے کہ کوئی شخص کسی دست آورد کے متعلق یہ کہے کہ اس سے اسہال ہوں گے، تو یہ اپنی جگہ صحیح ہے مگر بعض اوقات کسی عارض کی وجہ سے دست آورد سے اسہال نہیں آتے اور کبھی اسہال بغیر کسی دست آورد کا کھائے بھی آ جاتے ہیں، اس لئے آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ گناہوں کا اصل خاصہ یہ ہے کہ ان سے مصائب و آفات آئیں لیکن بعض اوقات دوسرے کچھ اسباب اس کے منافی جمع ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے مصائب کا ظہور نہیں ہوتا، اور بعض صورتوں میں بغیر کسی گناہ کے کسی مصیبت اور آفت کا آ جانا بھی اس کے منافی نہیں کیونکہ آیت میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ بغیر گناہ کے کسی کو کوئی تکلیف یا مصیبت پیش نہیں آتی، بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو کوئی مصیبت و آفت کسی دوسرے سبب سے پیش

آجائے، جیسے انبیاء و اولیاء کو جو مصیبتیں اور تکلیفیں پیش آتی ہیں ان کا سبب گناہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی آزمائش اور آزمائش کے ذریعہ ان کے درجات کی ترقی اس کا سبب ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ قرآن نے جن مصائب و آلام کا گناہوں کو سبب قرار دیا ہے اس سے مراد وہ آفات و مصائب ہیں جو عمومی ہوں اور پوری دنیا یا پورے علاقہ یا پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، ذاتی اور شخصی آفات و مصائب مراد نہیں ہیں۔

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے رہا یہ معاملہ کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت ہے یا نہیں اور عام مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں یا نہیں اس مسئلہ کی تحقیق سورہ نحل کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ نَسَاءً مَسْهِينٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ الْخَرُّ وَهُوَ ضَعْفُ الطُّفُولِيَّةِ قُوَّةً أَيْ قُوَّةَ الشَّبَابِ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً ضَعْفُ الْكِبَرِ وَشَيْبُ الْهَرَمِ وَالضَّعْفُ فِي الثَّلَاثَةِ بَضْمٍ أَوَّلُهُ وَفَتْحُهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ مِنَ الضَّعْفِ وَالْقُوَّةِ وَالشَّبَابِ وَالشَّيْبَةِ وَهُوَ الْعَلِيمُ بِتَذْوِيرِ خَلْقِهِ الْقَدِيرُ ۝ عَلَى مَا يَشَاءُ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ بِخَلْقِ الْمُجْرِمُونَ ۝ الْكَافِرُونَ مَا لَبِثُوا فِي الْقُبُورِ غَيْرَ سَاعَةٍ ۝ قَالَ تَعَالَى كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ۝ يُضْرَفُونَ عَنِ الْحَقِّ الْمُبِيتِ كَمَا صَرَفُوا عَنِ الْحَقِّ الصِّدْقِ فِي مُدَّةِ اللَّيْلِ وَقَالَ الَّذِينَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَغَيْرِهِمْ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ فِيمَا كُتِبَ فِي سَابِقِ عِلْمِهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ الَّذِي أَنْكَرْتُمُوهُ وَلَكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَقُوَّةً فَيَوْمَئِذٍ لَا يُنْفَعُ بِالنِّسَاءِ وَالْيَاءِ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعَذَرَتُهُمْ فِي أَنْكَارِهِمْ لَهُ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ لَا يُطْلَبُ مِنْهُمْ الْعُتْبَى أَيْ الرُّجُوعُ إِلَى مَا يَرْضَى اللَّهُ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا جَعَلْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ تَنْبِيْهُهَا لَهُمْ وَلَئِنْ لَمْ قَسَمِ جُتُّهُمْ يَا مُحَمَّدُ بِآيَةِ مِثْلِ الْعَصَا وَالْيَدِ لِمُوسَى لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ مَا أَنْتُمْ أَيْ مُحَمَّدٌ وَأَصْحَابُهُ الْأُمْبِطُونَ ۝ أَصْحَابُ أَبَاطِيلٍ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ التَّوْحِيدَ كَمَا طَبَعَ عَلَى قُلُوبِ بَنِي إِسْرَءِيلَ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ بِنُصْرِكَ عَلَيْهِمْ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفُّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ۝ بِالْبَعْثِ أَيْ لَا يَحْمِلَنَّكَ عَلَى الْخِفَةِ وَالطَّيِّشِ بِتَرْكِ الصَّبْرِ أَيْ لَا تَتْرُكْنَهُ.

ترجمہ: اللہ نے تم کو کمزور سے پیدا کیا پھر کمزور سے بڑھ کر قوتور کی کمزوری اور بڑھ کر قوتور کی سفیدی اور (لفظ ضعف) تینوں جگہ ضاد کے ضمہ اور فتح کے ساتھ ہے (اور) وہ ضعف و قوت جوانی اور بڑھاپا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ اپنی مخلوق کی تدبیر سے باخبر اور جو چاہے اس پر قادر ہے اور جس دن قیامت برپا ہوگی تو یہ مجرم کافر

۶۴

ترجمہ: اللہ وہ ذات ہے کہ جس نے تم کو ضعف (یعنی) بے وقعت پانی سے پیدا کیا پھر ضعف آخر یعنی ضعف طفولیت کے بعد تو انائی بخشی یعنی قوت شباب پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا یا یعنی کلاں سالی کی کمزوری اور بڑھاپے کی سفیدی اور (لفظ ضعف) تینوں جگہ ضاد کے ضمہ اور فتح کے ساتھ ہے (اور) وہ ضعف و قوت جوانی اور بڑھاپا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ اپنی مخلوق کی تدبیر سے باخبر اور جو چاہے اس پر قادر ہے اور جس دن قیامت برپا ہوگی تو یہ مجرم کافر

قسمیں کھائیں گے کہ وہ قبروں میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح یہ حق یعنی بعث بعد الموت سے (دنیا) میں اٹے چلا کرتے تھے جیسا کہ مدت بعث کے بارے میں سچی حقیقت سے اٹے چل رہے ہیں اور جن ملائکہ وغیرہ کو علم و ایمان عطا کیا گیا وہ کہیں گے تم تو نوشتہ خداوندی کے مطابق یعنی اس نوشتہ کے مطابق جو کہ اس کے علم ازلی میں ہے قیامت کے دن تک ٹھہرے رہے یہ (دن) یوم بعث ہی ہے جس کا تم انکار کرتے رہے لیکن تم تو اس کے وقوع کا یقین ہی نہیں کرتے تھے، غرض یہ کہ اس دن ظالموں کو بعث کے انکار کے بارے میں معذرت کرنا کوئی فائدہ نہیں دے گا تنفع میں یا اور تادونوں صحیح ہیں اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا یعنی نہ ان سے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کہا جائے گا اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ان کو تنبیہ کرنے کے لئے ہر قسم کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں اور قسم ہے اے محمد اگر آپ ان کے پاس موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور ید بیضاء جیسے معجزے لے آئیں تو بھی ان میں جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم اور تمہارے ساتھی نرے اہل باطل ہو جو لوگ توحید کا علم (یقین) نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ ان کے قلوب پر مہر لگا دے گا جیسا کہ ان لوگوں کے قلوب پر مہر لگا دی لہذا آپ صبر کیجئے بلاشبہ ان کے مقابلہ میں اللہ کا وعدہ آپ کی نصرت کا سچا ہے اور بعث بعد الموت کا یقین نہ رکھنے والے یہ لوگ (کہیں) آپ کو بے صبرانہ کر دیں یعنی (کہیں) آپ کو ورغلا کر جلد بازی اور غصہ پر مجبور نہ کر دیں یعنی ہرگز آپ کے ہاتھ سے دامن صبر چھوٹنے نہ پائے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: مَاءٍ مَّهِينٍ یہ ضَعْف کی تفسیر ہے اس تفسیر کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض یہ ہے کہ ضَعْف صفت ہے اس سے کسی چیز کی تخلیق نہیں ہو سکتی۔

جَوَابُ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ضَعْف سے مراد اصل ضعیف ہے جیسا کہ نطفہ اصل ضعیف ہے یعنی ضَعْف مصدر ذو ضَعْف کے معنی میں ہے۔

قَوْلُهُ: اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ جملہ مبتداء و خبر ہے۔

قَوْلُهُ: شَيْبَةً بِالْوِجْدَانِ کی سفیدی جو عام طور پر تینتالیس سال کی عمر میں ظاہر ہوتی ہے، اور یہی کہولت کی ابتداء ہوتی ہے۔

قَوْلُهُ: مِنَ الضَّعْفِ وَالْقُوَّةِ، ماء، کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ: مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَغَيْرِهِمْ ای الانبیاء والمؤمنون۔

قَوْلُهُ: وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ (استعمال) سے استعتاب مصدر ہے، ان سے (اللہ کو) رضا مند کرنے کی خواہش نہیں کی جائے گی، بعض مفسرین نے ترجمہ کیا ہے، ان کے عذر قبول نہیں کئے جائیں گے، علامہ محلی نے اس لفظ کی تشریح میں فرمایا لَا يُطْلَبُ مِنْهُمْ الْعَتَبَةُ ای الرجوع الی مَا يَرْضَى اللَّهُ ان ظالموں سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا یعنی ایسے عمل کی طرف رجوع

کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا جس سے اللہ راضی ہو، امام بغوی نے معاملہ میں لکھا ہے لا یكلفون ان یرضوا ربہم لان الآخرة لیست بدار التکلیف قیامت کے دن وہ اللہ کو رضا مند کرنے کے مکلف نہ ہوں گے کیونکہ دار آخرت دار تکلیف نہیں ہے بلکہ دار جزا ہے، صاوی نے کہا ہے العُتْبٰی، الرُّجْعٰی کے مانند ہے وزن اور معنی میں، اور لَا یُسْتَعْتَبُونَ کے معنی ہیں دنیا میں واپس جانے کی ان کی درخواست قبول نہیں کی جائے گی، دیگر آیات میں بھی اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے کہ کفار و شرکین قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ ہم کو دنیا میں واپس بھیج کر ایک موقع دیا جائے تاکہ ہم اپنی مافات کر سکیں۔

قَوْلًا : لَیْقُولَنَّ اس کے بعد کی عبارت شارح کے قلم کی سبقت ہے غالباً جمع مذکر غائب کا صیغہ سمجھ کر مذکورہ تعلیل کی ہے، ورنہ باتفاق قراء لَیْقُولَنَّ میں لام مفتوح ہے اور الذین کفروا اس کا فاعل ہے۔

قَوْلًا : فَاصْبِرْ شرط محذوف کی جزاء ہے، اِذَا عَلِمْتَ حَالَهُمْ اَنْهُمْ لَا یُؤْمِنُونَ فَاصْبِرْ۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

اس سورت کا بڑا حصہ منکرین قیامت کے شبہات کے ازالہ سے متعلق ہے، جس کے لئے حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی بہت سی آیات اور نشانیاں دکھلا کر غافل انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کا سامان کیا گیا ہے، مذکورۃ الصدر آیت میں قوت و ضعف کے اعتبار سے انسانی وجود کا ایک مکمل خاکہ پیش کیا گیا ہے، جس میں دکھلایا گیا ہے کہ انسان کی ابتداء بھی کمزور اور انتہا بھی درمیان میں بہت تھوڑے دنوں کے لئے اس کو ایک قوت ملتی ہے عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ اس چند روزہ قوت کے زمانہ میں اپنی پہلی کمزوری اور آنے والی کمزوری سے غافل نہ ہو۔

خَلَقْکُمْ مِنْ ضَعْفٍ انسان کو یہی سبق دیا گیا ہے کہ اپنی اصل بنیاد کو دیکھ کہ کس قدر ضعیف بلکہ عین ضعیف ہے کہ قطرہ بے شعور و بے جان ہے کہ کس کی قدرت و حکمت نے اس حقیر اور ناپاک قطرے کو مختلف اطوار و حالات سے گذار کر ایک عاقل و باشعور، باعزت و باوقار انسان کا وجود بخشا۔

کمزوری سے مراد کہولت کی عمر ہے جس میں عقلی اور جسمانی قوتوں میں نقصان کا آغاز ہو جاتا ہے اور بڑھاپے سے مراد شیخوخت کا دور ہے جس میں ضعف بڑھ جاتا ہے، ہمت پست، ہاتھ پیروں کی حرکت اور گرفت کمزور، بال سفید اور تمام ظاہری و باطنی صفات متغیر ہو جاتی ہیں۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ یعنی جس روز قیامت قائم ہوگی تو منکرین قیامت وہاں کی ہولناکی اور شدائد کو دیکھ کر قسمیں کھانے لگیں گے کہ ہمارا قیام تو ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہا، اس قیام سے مراد ہو سکتا ہے کہ دنیا کا قیام ہو کیونکہ ان کی دنیا عیش و آرام سے گذری تھی اور اب یہاں مصائب و شدائد سامنے آئے تو انسانی

عادت اور فطرت کے مطابق انسان آرام و راحت کے زمانہ کو بہت مختصر سمجھتا ہے اس لئے قسمیں کھائیں گے کہ دنیا میں تو ہمارا قیام بہت ہی مختصر صرف ایک گھڑی کا تھا۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس قیام سے قبر اور برزخ کا قیام مراد ہو اور ”بہت قلیل مدت“ کے قیام سے قبر یا برزخ کا قیام مراد ہو یہ انسانی فطرت ہے کہ مصائب کے وقت پچھلی راحت کو بہت مختصر سمجھنے لگتا ہے، اور کافروں کو اگرچہ قبر و برزخ میں بھی عذاب ہوگا مگر قیامت کے عذاب کے مقابلہ میں وہ بھی راحت محسوس ہونے لگے گا اور اس زمانہ کو مختصر سمجھ کر قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا قیام قبر میں بہت مختصر تھا۔

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجرموں سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم تو بہ کر کے یا نیک اعمال کر کے خدا کو راضی کر لو کیونکہ قیامت کا دن دارالجزاء ہے، دارالعمل نہیں ہے، صاحب جلالین نے یہی مطلب بیان کیا، ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا کہ مجرمین اللہ تبارک و تعالیٰ سے دنیا میں واپس بھیجے جانے کی درخواست کریں گے تاکہ دنیا میں نیک عمل کر کے تلافی مافات کر سکیں مگر ان کی یہ درخواست قبول نہیں کی جائے گی، تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان اس کی مزید تفصیل گزر چکی ہے دیکھ لیا جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ لُقْمَانَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ آيَةً وَارْتِجَ رُكُوعَاتُهَا

سُورَةُ لُقْمَانَ مَكِّيَّةٌ إِلَّا وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ

أَقْلَامٌ الْآيَتَيْنِ وَهِيَ أَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ آيَةً.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ أَلَمْ ۝ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ تِلْكَ أَى بِهَذِهِ الْآيَاتِ آيَةُ الْكِتَابِ
الْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ ذِي الْحِكْمَةِ وَالْإِضَافَةُ بِمَعْنَى مِنْ هُوَ هُدًى وَرَحْمَةً بِالرَّفْعِ لِلْمُحْسِنِينَ ۝ وَفِي قِرَاءَةِ الْعَامَّةِ
بِالنَّصَبِ حَالًا مِنْ الْآيَاتِ الْعَامِلُ فِيهَا مَا فِي تِلْكَ مِنْ مَعْنَى الْإِشَارَةِ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ بَيَانٌ لِلْمُحْسِنِينَ
وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ ۱ ۝ ثُمَّ الثَّانِي تَأْكِيدُ أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ الْفَائِزُونَ
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ أَى مَا يُلْهِى مِنْهُ عَنْ مَا يَعْنَى لِيُضِلَّ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّهَا
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ طَرِيقِ الْإِسْلَامِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا بِالنَّصَبِ عِظْفًا عَلَى يُضِلُّ وَبِالرَّفْعِ عِظْفًا عَلَى
يَشْتَرِي هُزُوًا سَهَرًا وَابْهًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ ۲ ۝ ذُو الْإِهَانَةِ وَإِذَا نُتِلَى عَلَيْهِ الْإِنشَاءُ الْقُرْآنُ وَلَّى مُسْتَكْبِرًا مُتَكَبِّرًا
كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا ضَمَمًا وَجُمَلْنَا التَّشْبِيهَ حَالًا مِنْ ضَمِيرٍ وَلَّى أَوِ الثَّانِيَةِ بَيَانٌ لِلأُولَى
فَبَشِّرْهُ أَعْلَمُهُ بِعَذَابِ الْيَمِّ ۝ ۳ ۝ مُؤَلِّمٌ وَذَكَرَ الْبَشَارَةَ تَهَكُّمٌ بِهِ وَهُوَ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ كَانَ يَأْتِي الْحَبِيرَةَ
يَتَجَرَّ فَيَشْتَرِي كُتُبَ أَخْبَارِ الْأَعَاجِمِ وَيُحَدِّثُ بِهَا أَهْلَ مَكَّةَ وَيَقُولُ إِنَّ مُحَمَّدًا يُحَدِّثُكُمْ أَحَادِيثَ عَادٍ
وَتَمُودَ وَإِنَّا أَحَدُكُمْ حَدِيثَ فَارَسَ وَالرُّومَ فَيَسْتَمْلِحُونَ حَدِيثَهُ وَيَتَرُكُونَ اسْتِمَاعَ الْقُرْآنِ
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ ۝ ۴ ۝ خُلْدٌ فِيهَا ۝ ۵ ۝ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ أَى مُقَدَّرًا خَلُودُهُمْ فِيهَا إِذَا دَخَلُوهَا
وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا أَى وَعَدَهُمُ اللَّهُ ذَلِكَ وَحَقُّهُ حَقًّا وَهُوَ الْعَزِيزُ الَّذِي لَا يَغْلِبُهُ شَيْءٌ فَيَمْنَعُهُ عَنْ أَنْجَازِ وَعْدِهِ
وَوَعْدِهِ الْحَكِيمُ ۝ ۶ ۝ الَّذِي لَا يَضَعُ شَيْئًا إِلَّا فِي مَحَلِّهِ خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا أَى الْعَمَدُ جَمْعُ عِمَادٍ وَهُوَ
الْأَسْطُوَانَةُ وَهُوَ صَادِقٌ بَانَ لَا عَمَدَ أَصْلًا وَالْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ جِبَالًا مُرْتَفِعَةً أَنْ لَا تَمِيدَ تَتَحَرَّكُ بِكُمْ
وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَأَنْزَلْنَا فِيهِ التِّفَافَ عَنْ الْغَيْبَةِ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝ ۷ ۝ صَفْ
حَسَنٌ هَذَا خَلْقُ اللَّهِ أَى مَخْلُوقُهُ فَأَرْوِي أَخْبَرُونَنِي يَا أَهْلَ مَكَّةَ مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ غَيْرُهُ أَى

الْهَيْتُكُمْ حَتَّىٰ أَشْرَكْتُمُوهُنَّ بِهٖ تَعَالٰی وَمَا اسْتَفْتَهُمْ اِنْكَارٌ مُّبْتَدِئًا وَاذَا بِمَعْنٰی الَّذِیْ بِصَلٰتِهٖ خَبْرُهُ وَاَرُوْنِیْ مُعَلِّقٌ عَنِ الْعَمَلِ وَمَا بَعْدَهُ سَدٌّ مَّسَدٌ الْمَفْعُولِیْنِ بَلِّ لِّلْاِنْتِقَالِ الظَّالِمُوْنَ فِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۱۱ بَيْنَ بَاشِرَا كِهِم وَاَنْتُمْ مِنْهُمْ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے اَلَمْ اَسْ کی (حقیقی) مراد تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے تِلْكَ یعنی یہ آیتیں حکمت والی کتاب یعنی قرآن کی آیتیں ہیں، اضافت بمعنی مَنْ ہے، وہ نیکوکاروں کے لئے رہبر اور (سراسر) رحمت ہے رَحْمَةً کے رفع کے ساتھ رَحْمَةً عام قراءت میں آیات سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (اور) عامل اس میں وہ (فعل) ہے جو تِلْكَ میں اشارہ کے معنی ہیں (یعنی اُشِيرُ) جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں یہ محسنین کا بیان ہے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر (کامل) یقین رکھتے ہیں ثانی ہم پہلے ہم کی تاکید ہے، یہی ہیں وہ لوگ جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں کامیاب ہونے والے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو لغو باتوں کو خریدتے ہیں یعنی وہ چیز جس کی وجہ سے مقصد سے غافل رہتے ہیں (نوٹ) یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ یلْهٰی معروف پڑھا جائے اور اگر یُلْهٰی مجہول پڑھا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو ایسی لغویات کو خرید لیتے ہیں کہ جن کے ذریعہ مقصد سے غافل کئے جائیں تاکہ اللہ کے راستہ سے یعنی اسلام کے طریقہ سے ناگجھی کی وجہ سے گمراہی میں پڑے رہیں (یا) تاکہ لوگوں کو گمراہ کریں لِيُضِلُّ فِتْنَةً اور ضمہ کے ساتھ ہے وَيَتَّخِذَهَا نَصَبٌ کے ساتھ يُضِلُّ پر عطف کرتے ہوئے اور رفع کے ساتھ يَشْتَرِي پر عطف کرتے ہوئے تاکہ ان آیات یعنی سبیل اللہ کا مذاق اڑائے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے اور جب اس کو ہماری آیتیں قرآن پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا کہ اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے (یعنی) گراں گوش ہے، اور تشبیہ کے دونوں جملے وَلٰی کی ضمیر سے حال ہیں یا ثانی جملہ پہلے جملہ کا بیان ہے آپ اس کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے اور خوشخبری کا ذکر اس کے لیے مذاق کے بطور ہے اور وہ نصر بن حارث ہے جو تجارت کے سلسلہ میں حیرہ جایا کرتا تھا (وہاں) سے عجیبوں کی تاریخی کتابیں خرید لاتا تھا اور ان کتابوں کو اہل مکہ کو سنایا کرتا تھا، اور کہا کرتا تھا کہ محمد تو تم کو عادی و ثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تم کو فارس اور روم کے قصے سناتا ہوں تو یہ لوگ اس کی بات کو پسند کرتے تھے اور قرآن سننا ترک کر دیتے تھے، بے شک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کام بھی نیک کئے ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، حال مقدرہ ہے، یعنی ان کا جنت میں ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے جب وہ اس میں داخل ہو جائیں گے اللہ کا وعدہ سچ یعنی اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے سچا وعدہ وہ غالبہ والا ہے اس کو کوئی شئی مغلوب نہیں کر سکتی کہ اس کو اس کے وعدوں اور وعیدوں کو پورا کرنے سے روک سکے، وہ بڑی حکمت والا ہے کہ وہ ہر شئی کو اس کے محل اور موقع ہی میں رکھتا ہے اسی نے آسمانوں کو بلاستون بنایا (جیسا کہ) تم ان کو دیکھ رہے ہو عَمَدٌ عِمَادٌ کی

جمع ہے اور وہ ستون ہیں، اور یہ بات اس صورت میں بھی صادق آتی ہے کہ ستون بالکل ہی نہ ہوں اور زمین پر اونچے اونچے پہاڑ رکھ دیئے تاکہ تم کو لیکر (اضطرابی) حرکت نہ کرے اور ہر قسم کے جانور زمین میں پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا اس میں غیبت (سے تکلم کی جانب) التفات ہے پھر اس زمین میں طرح طرح کی (نباتات) کی عمدہ قسمیں اگائیں یہ ہیں اللہ کی پیدا کی ہوئی (چیزیں) یعنی اس کی مخلوق اب اے مکہ والو! مجھے بتاؤ کہ غیر اللہ نے کیا پیدا کیا؟ یعنی تمہارے معبودوں نے، حتیٰ کہ تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا دیا، ما، استفہام انکاری مبتداء ہے اور ذال بمعنی الذی مع اپنے صلہ کے اس کی خبر ہے، اور اذونسی کو عمل سے روک دیا گیا ہے، اور اس کا مابعد و مفعولوں کے قائم مقام ہے بل انتقال کے لئے ہے بلکہ ظالم صریح گمراہی میں ہیں ان کے شرک کرنے کی وجہ سے اور انہیں میں سے تم بھی ہو۔

تحقیق و ترکیب تسبیح و تفسیری فوائد

قَوْلًا: اِنِّیْ هٰذِهِ الْآیَاتِ، تِلْكَ اَسْمَ اَشْرَافٍ بَعِیدَیْ تَفْسِیْرٌ، هٰذِهِ اَسْمَ اَشْرَافٍ قَرِیْبٍ سَے کر کے اشارہ کر دیا کہ سورت کی آیات عند اللہ رتبہ کے اعتبار سے رفیع القدر ہیں، اگرچہ اذہان سے قریب ہیں، هُوَ مَحْذُوفٌ مَّا نَکَرِ اَشْرَافٍ کر دیا کہ هُدًی و رَحْمَةٌ مَبْتَدَاءٌ مَحْذُوفٌ کی خبر ہے، اور اگر هُدًی اور رَحْمَةٌ مَنْصُوبٌ ہوں تو آیات سے حال ہوں گے اور عامل تِلْكَ، یُسَیِّرُ کے معنی میں ہو کر ہوگا۔

قَوْلًا: وَمِنْ النَّاسِ مَنْ یَشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ اِس سے پہلی آیت میں نیکوکار مومنین کا ذکر تھا، اس آیت میں بطور تقابل بدکار مشرکین کا ذکر ہے، پہلی آیت میں محسنین کے اوصاف کا ذکر تھا اس آیت میں مشرکین کے اوصاف کا ذکر ہے، وَمِنْ النَّاسِ میں مَنْ تَبْعِیْضِیْہِ ہے، شان نزول کے اعتبار سے اگرچہ ایک خاص شخص نصر بن حارث بن کلدہ مراد ہے مگر الفاظ عام ہیں جس میں لہو الحدیث سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص داخل ہے۔

قَوْلًا: لَهْوَ (ن) کا مصدر ہے، ایسے فضول کام میں مشغول ہونا کہ جس کی وجہ سے مفید کام متروک ہو جائے، یہاں مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی وہ فضول باتیں جو غافل کرنے والی ہوں لَهْوَ الْحَدِیْثِ یہ اضافت بمعنی مَنْ ہے، جیسا کہ شارح نے منہ کہہ کر اشارہ کر دیا ہے، اصل میں لَهْوَ اَمِنْ الْحَدِیْثِ تھا، فضول اور بے سرو پا قصوں کا کھیل تماشہ۔

قَوْلًا: اِیْ مَا یَلْهٰی (س) واحد مذکر غائب مضارع معروف۔

قَوْلًا: عَمَّا یَعْنٰی۔ مایعنی وہ چیز جو مقصود ہو، اب ترجمہ یہ ہوا لَهْوَ الْحَدِیْثِ وہ شی جو مفید اور کارآمد شی سے غافل کر دے۔

قَوْلًا: لَیْضَلَّ اور لَیْضَلَّ دونوں قراءتیں ہیں پہلی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا، وہ لہو الحدیث اس لئے خرید کر لاتا ہے تاکہ خرافات اور بیہودہ قصہ گوئیوں میں ہمیشہ مشغول ہو کر گمراہ رہے، اور دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا، تاکہ وہ دوسروں کو

گمراہ کرے یعنی ضال بھی اور مضل بھی۔

قَوْلًا: صَمَمًا یہ وقرّٰ کی تفسیر ہے ”وقر“ ڈاٹ کو کہتے ہیں جو کہ محسوس اور خارجی چیز ہوتی ہے، یہاں معنوی ڈاٹ مراد ہے اور وہ نقل اور بہرائین ہے نہ سننے یا سن کر عمل نہ کرنے کو وقر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قَوْلًا: فَبَشِّرْهُ اٰی اَعْلَمُهُ بِشْرُهُ کی تفسیر اَعْلَمُهُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں خوشخبری دینا مراد نہیں ہے، کیونکہ عذاب الیم کی خوشخبری کا کوئی مطلب نہیں، اس لئے کہ خوشخبری اچھی خبر کی ہوا کرتی ہے، مراد مطلقاً خبر دینا ہے۔

قَوْلًا: وَذِكْرُ الْبَشَارَةِ تَهْكُمُ یہ فَبَشِّرْهُ کی دوسری تفسیر ہے، شارح علام کے لئے مناسب تھا کہ یہاں واؤ کے بجائے او ذکر کرتے۔

دوسری تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں بشارت سے مراد بشارت ہی ہے مگر یہ تمسخر اور استہزاء ہے۔

قَوْلًا: خَالِدِیْنِ فِیْہَا یہ جَنَّتْ یَا لَہُمْ کی ضمیر سے حال مقدرہ ہے، اس لئے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہونا ضروری ہے۔

قَوْلًا: وَعَدَهُمُ اللّٰہُ ذٰلِكَ اس تفسیر سے اشارہ کر دیا کہ وَعَدًا مصدر ہے اور اپنے فعل کی جگہ واقع ہے یعنی فعل کو حذف کر کے مصدر کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا ہے، تقدیر عبارت تھی وَعَدَهُمُ اللّٰہُ وَعَدًا اور وَعَدًا مصدر مؤکد لنفسہ ہے، اس لئے کہ۔ لَہُمْ جَنَاتُ النّعِیْمِ معنی میں وَعَدَهُمُ اللّٰہُ ذٰلِكَ کے ہے، اور حَقًّا مصدر مؤکد لغیرہ ہے اس لئے کہ ہر وعدہ حق نہیں ہوتا۔

قَوْلًا: اُسْطُوَانَةٌ ستون، کھمبا (ج) اساطین۔

قَوْلًا: هُوَ صَادِقٌ بَانَ لَا عَمَدَ اَصْلًا شارح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے مذکورہ عبارت سے بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَ کے دو معنی کی طرف اشارہ کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ایسے ستونوں پر قائم کیا ہے جن کو تم نہیں دیکھ سکتے، اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کو بغیر ستونوں کے قائم کیا ہے جن کو تم نہیں دیکھ سکتے، اور اس کا تیسرا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا فرمایا اس لئے کہ جب آسمانوں کے ستون ہیں ہی نہیں تو نظر کہاں سے آئیں گے، اس لئے کہ قضیہ سالبہ جس طرح موضوع کے لئے محمول کے ثابت نہ ہونے کی صورت میں صادق آتا ہے اسی طرح موضوع سرے سے موجود نہ ہونے کی صورت میں بھی صادق آتا ہے، زید اگر بیٹھا ہو تو زید لیس بقائم کہنا صحیح ہے، اور اگر زید دنیا میں موجود ہی نہ ہو تب بھی زید لیس بقائم صادق ہے۔

قَوْلًا: لِاَنَّ لَا تَمِیْدَ بِکُمْ مفسر علام نے لام تعلیل اور لائے نافیہ مقدار مان کر اشارہ کر دیا ہے کہ زمین پر پہاڑوں کے نصب کرنے کی علت زمین کو اضطرابی حرکت سے روکنا ہے، پیش نظر نسخہ میں ان سے پہلے لام مکتوب نہیں ہے، صاوی کے نسخہ میں لام تعلیلیہ بھی مکتوب ہے۔

قَوْلًا: مَا ذَا خَلَقَ الدِّیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ، غَیْرِہٖ، دُوْنِہٖ کی تفسیر ہے اَلْہٰتُکُمْ، الدِّیْنِ کی تفسیر ہے مَا ذَا میں مَا استفہام

انکاری ہے اور مبتداء ہے اور ذَا بِمَعْنَى الذی مع اپنے صلہ کے مبتداء کی خبر ہے اور عائد محذوف ہے اِی مَا الذی خَلَقَهُ اِلَهِتُكُمْ اور اَرُونِی مَمْنُوعُ الْعَمَلِ ہے لفظاً، اس لئے کہ ما استفہامیہ سے پہلے واقع ہوا ہے اگر ارونِی کو عمل دیدیا جائے، تو ما استفہامیہ کی صدارت کلام باطل ہو جائے گی۔

قَوْلُہٗ: مَا بَعْدُ سَدِّ الْمَفْعُولِیْنِ یہ اس صورت میں درست ہے جبکہ اَرُونِی کو متعدی بسہ مفعول مانا جائے تو اس صورت میں مفعول اول اَرُونِی کی یاء ہوگی اور بعد کا جملہ قائم مقام دو مفعولوں کے ہوگا، مگر یہ اس کے خلاف ہے جو بیان کیا گیا ہے کہ اَرِیْ جَبْ اَخْبَرَ کے معنی میں ہو تو متعدی بدو مفعول ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے، لہذا اس صورت میں شارح کا سَدِّ مَسَدِ الْمَفْعُولِیْنِ کہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا بلکہ سَدِّ مَسَدِ الْمَفْعُولِ الثَّانِی فرماتے تو بہتر ہوتا۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

الْمَ یہ حروف مقطعات میں سے ہے جن کی حقیقی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے، تاہم بعض مفسرین نے اس کے دواہم فائدے بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ یہ قرآن انہی حروف مقطعات سے مرتب ہے جن کو تمام عرب استعمال کرتے ہیں پھر بھی قرآن کا مثل پیش کرنے سے عاجز ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے، اور جس پیغمبر پر یہ نازل ہوا ہے وہ سچا رسول ہے۔

دوسرا یہ کہ مشرکین اپنے ساتھیوں کو اس قرآن کے سننے سے روکتے تھے کہ مبادا اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے فرمایا تا کہ وہ اس کے سننے پر مجبور ہو جائیں، کیونکہ یہ انداز بیان نرالا اور اچھوتا تھا۔

محسنین، محسن کی جمع ہے اس کے ایک معنی ہیں احسان کرنے والا، والدین کے ساتھ، اعزہ و اقارب کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا، دوسرے معنی ہیں نیکیاں اختیار کرنے والا اور برائیوں سے اجتناب کرنے والا، تیسرے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ کرنے والا جس طرح حدیث جبرائیل میں ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَانَکَ تَسْرَاح میں یہی معنی مراد ہیں، قرآن ویسے تو سارے جہان کے لئے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے لیکن اس سے اصل فائدہ چونکہ محسنین اور متقین ہی اٹھاتے ہیں اس لئے یہاں محسنین کی تخصیص فرمائی، محسنین کے اوصاف شمار کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے نماز، زکوٰۃ، اور آخرت پر یقین کو بیان فرمایا، یہ تینوں چونکہ نہایت اہم ہیں اس لئے ان کا بطور خاص ذکر کیا ورنہ محسنین و متقین تمام فرائض و سنن بلکہ مستحبات تک کی پابندی کرتے ہیں۔

يُؤْتُونَ الزَّكٰوٰةَ اس آیت میں زکوٰۃ کا حکم ہے حالانکہ آیت مکی ہے اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا حکم مکہ ہی میں ہجرت سے پہلے آچکا تھا، ورنہ یہ مشہور ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ہجرت سے دوسرے سال نافذ ہوا، اس سے مراد نصابوں کا تعین اور اس کی تفصیل ہے اور حکومت اسلامیہ کی جانب سے اس کی وصول یا بی اور مصرف کا انتظام ہے، یہ ہجرت کے دوسرے سال

ہوا ہے، ابن کثیر نے اَقْبِمُوا الصَّلٰوةَ وَاَتُوا الزَّكٰوةَ کے تحت یہی تحقیق فرمائی ہے۔

وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ، اشتراعی کے لغوی معنی خریدنے کے ہیں، اور بعض اوقات ایک کام کے بدلے دوسرے کو اختیار کرنے کیلئے بھی لفظ اشتراء استعمال کیا جاتا ہے جیسے الَّذِينَ اشْتَرَوْا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی وغیرہ آیات میں یہی معنی مراد لئے گئے ہیں۔

شان نزول:

اس آیت کا شان نزول ایک خاص واقعہ ہے کہ نصر بن حارث بن کلدہ مشرکین مکہ میں ایک بڑا تاجر تھا، اور تجارت کے لئے مختلف ملکوں کا سفر کرتا تھا وہ ملک فارس سے شاہان عجم، کسریٰ وغیرہ کے تاریخی قصے خرید کر لایا اور مشرکین مکہ سے کہا کہ محمد ﷺ تم کو قوم عاد و ثمود کے واقعات سناتے ہیں، میں تمہیں ان سے بہتر، رستم اور اسفندیار اور دوسرے شاہان فارس کے قصے سناتا ہوں، یہ لوگ اس قصہ کو شوق اور رغبت سے سننے لگے، کیونکہ اس میں کوئی تعلیم تو تھی نہیں جس پر عمل کرنے کی محنت اٹھانی پڑے صرف لذت آمیز کہانیاں تھیں ان کی وجہ سے بہت سے مشرکین اس سے پہلے جو کلام الہی کے اعجاز اور یکتائی کی وجہ سے اس قرآن سننے کی رغبت رکھتے تھے اور چوری چوری سنا بھی کرتے تھے ان لوگوں کو قرآن سے اعراض کا بہانا ہوتا تھا آگیا اور حضرت ابن عباس سے درمنثور میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ نصر بن الحارث باہر سے ایک گانے والی لونڈی خرید لایا تھا اور قصہ و سرود کی محفل قائم کرتا تھا تاکہ لوگوں کو قرآن سننے سے روکے۔

لَهْوَ الْحَدِيثِ:

”لہو الحدیث“ کے معنی اور تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں حضرت ابن عباس اور ابن مسعود اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک روایت میں اس کی تفسیر گانے بجانے سے کی گئی ہے۔ (رواہ الحاکم) اور جمہور صحابہ و تابعین اور عامۃ المفسرین کے نزدیک لہو الحدیث عام ہے تمام ان چیزوں کے لئے جو اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے غفلت میں ڈال دیں اس میں غنا و مزامیر بھی داخل ہیں، اور بے سرو پا بیہودہ قصے کہانیاں بھی، امام بخاری نے اپنی کتاب الادب المفرد میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں یہی تفسیر کی ہے اس میں فرمایا لَهْوُ الْحَدِيثِ هُوَ الْغِنَاءُ وَاشْبَاهُهُ۔ (معارف)

لہو و لعب اور تمتع و تفریح کے ساز و سامان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جن کا تعلق کھیل کود کے مقابلوں اور مظاہروں سے بڑھی ہوئی دلچسپی اور انہماک سے ہے جیسا کہ اس زمانہ میں کرکٹ وغیرہ، اور دوسری قسم لطف و تفریح کی گفتگو ہے جس میں پڑ کر لوگ فرائض و واجبات سے غافل ہو جاتے ہیں اس میں قصے کہانیاں اور فحش افسانے آتے ہیں، یہاں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دونوں کو یکجا کر دیا ہے اور ان کو لہو و لعب سے تعبیر کیا ہے۔

قرآن کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ یہ آیت آج کے جدید ترین اسالیب و آلات تسلی و تفریح پر بھی منطبق ہوتی ہے، خصوصاً ویڈیو،

نئی ویشن پر تو پوری طرح منطبق ہوتی ہے اس لئے کہ یہ بیک وقت لہو بھی ہے اور حدیث بھی، تطبیق کی تکمیل آیت کریمہ کے اگھے لفظ سے مزید ہو جاتی ہے، فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ بیہودہ حکایتیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو بے سمجھے خدا کے راستے سے گمراہ کریں، اب ذرا غور کیجئے کہ اس کے حصول کے لئے رقم خرچ کرنے اور بازار سے خریدنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف نام لینا باقی رہ گیا، ویڈیو اور ٹیلی ویشن کا، یہ قرآن کا اعجاز ہی معلوم ہوتا ہے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے جو کتاب نازل ہوئی اس میں ٹھیک ٹھیک چودہ سو سال بعد ظاہر ہونے والے آلات و حالات کی نشاندہی کی اور وہ حرف بحرف صادق آئی، آج سے چودہ سو برس پہلے جب یہ چیزیں ایجاد ہونا تو درکنار کسی نے خواب میں بھی نہ دیکھا تھا اور نہ اس وقت کوئی تصور کر سکتا تھا، اس وقت اللہ کی کتاب نے کہہ دیا کہ، بہت سے لوگ ہیں جو لہو الحدیث خریدتے ہیں۔

غناء اور مزامیر کے احکام:

آیت مذکورہ میں چند صحابہ کرام نے لہو الحدیث کی تفسیر گانے بجانے سے کی ہے اور دوسرے حضرات نے اگرچہ تفسیر عام قرار دی ہے، ہر ایسے کھیل کو جو اللہ سے غافل کرے، لہو الحدیث قرار دیا ہے مگر ان کے نزدیک بھی گانا بجانا لہو الحدیث میں داخل ہے، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے سنن میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوما لک اشعری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَيْشْرَبَنَّ نَاسٌ مِّنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يَسْمُونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا يَغْرِفُ عَلَى رُؤُسِهِمْ بِالْمَعَارِفِ وَالْمَغْنِيَاتِ يَخْسِفُ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَيَجْعَلُ اللَّهُ مِنْهُمْ الْقُرْدَةَ وَالْخَنَازِيرَ.

”میری امت کے کچھ لوگ شراب کو اس کا نام بدل کر پیئیں گے ان کے سامنے معارف اور مزامیر کے ساتھ عورتوں کا گانا ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں خسف کر دے گا اور بعض کی صورتیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دے گا۔“

رَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ① اتَّخَذَ الْفَيُّ دَوْلًا ② وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا ③ وَالزُّكُوةُ مَغْرَمًا، ④ وَتَعَلَّمَ لَغِيْرَ الدِّينِ، ⑤ وَأَطَاعَ الرَّجُلَ امْرَأَتَهُ ⑥ وَعَقَّ امَةً، ⑦ وَأَوَّلَى صَدِيقَهُ، ⑧ وَأَقْضَى ابَاهُ، ⑨ وَظَهَرَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ ⑩ وَسَادَ الْقَبِيلَةَ فَاسْقُهُمْ ⑪ وَكَانَ زَعِيمَ الْقَوْمِ ارْذَلُهُمْ ⑫ وَآكْرَمَ الرَّجُلَ مَخَافَةُ شَرِّهِ ⑬ وَظَهَرَتِ الْقَبَائِدُ وَالْمَعَارِيفُ ⑭ وَشَرِبَتِ الْخَمْرُ ⑮ وَلَعَنَ آخِرَ هَذِهِ الْأَمَةِ أَوَّلُهَا فَلْيَبْتَغُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِبْحًا حَمْرًا وَزَلْزَلَةً وَمُسْخًا وَقَذْفًا وَأَيَاتٍ تَتَابِعُ كَنْظَامَ بَالٍ قَطَعَ سِلْكُهُ فَتَتَابِعُ بَعْضُهُ بَعْضًا.

(رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن غریب)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مال غنیمت کو شخصی دولت بنا لیا جائے اور

جب لوگوں کی امانت کو مال غنیمت سمجھ لیا جائے، اور جب زکوٰۃ کو ایک تاوان سمجھا جانے لگے، اور علم دین کو دنیا طلبی کے لئے سیکھا جانے لگے اور جب شوہر اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے اور دوست کو اپنے قریب کر لے اور باپ کو دور رکھے اور مسجدوں میں شور و غل ہونے لگے اور قبیلہ کا سردار ان کا فاسق، بدکار بن جائے اور جب قوم کا سردار ان میں کا اربل شخص بن جائے اور جب شریر آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جانے لگے اور جب گانے والی عورتوں اور باجوں گاجوں کا عام رواج ہو جائے اور جب شرابیوں (کثرت) سے پی جانے لگیں اور اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں، تو اس وقت انتظار کرنا زمین میں دھنسنے کا اور صورتیں مسخ ہونے کا اور قیامت کی ایسی نشانیوں کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے کسی ہار کی لڑی ٹوٹ جائے اور اس کے دانے بیک وقت بکھر جاتے ہیں۔

تَنْبِيْهُمُ: اس حدیث کے الفاظ کو بار بار پڑھئے اور دیکھئے کہ اس وقت کی دنیا اس حدیث کا پورا پورا نقشہ ہے یا نہیں؟ اور وہ گناہ جو مسلمانوں میں عام ہو چکے ہیں اور بڑھتے جا رہے ہیں ان کی خبر چودہ سو سال پہلے رسول اللہ ﷺ نے دیدی ہے، اور مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے حالات سے باخبر رہیں، اور گناہوں سے بچنے بچانے کا پورا پورا اہتمام کریں، ورنہ جب یہ گناہ عام ہو جائیں گے تو ایسے گناہ کرنے والوں پر آسمانی عذاب نازل ہوں گے، اور پھر قیامت کی آخری علامات سامنے آ جائیں گی، مذکورہ گناہوں میں عورتوں کا گانا اور گانے بجانے کے آلات طبلہ، سارنگی وغیرہ بھی ہیں، اس جگہ اس روایت کو اسی مناسبت سے نقل کیا گیا ہے۔ (معارف)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَّرَوْنَہَا ترکیب نحوی کے اعتبار سے اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ تَرَوْنَہَا کو عَمَدٍ کی صفت قرار دیا جائے اور اس کی ضمیر عَمَدٍ کی طرف راجع کی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا بغیر ستونوں کے جیسا کہ تم دیکھتے ہو، یعنی اگر ستون ہوتے تم ان کو دیکھتے جب ستون نظر نہیں آتے تو معلوم ہوا کہ یہ آسمان کی عظیم الشان چھت بغیر ستونوں کے بنائی گئی ہے یہ تفسیر حضرت حسن اور قتادہ سے منقول ہے۔ (ابن کثیر)

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تَرَوْنَہَا کی ضمیر سموات کی طرف راجع ہو اور یہ جملہ مستقل قرار دیا جائے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا فرمایا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، پہلی صورت میں ایک ترجمہ یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ آسمان ستونوں پر قائم ہیں لیکن ان ستونوں کو تم دیکھ نہیں سکتے وہ غیر مرئی ہیں۔ (یہ تفسیر ابن عباس و عکرمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے منقول ہے)۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ مِنَّمَا الْعِلْمُ وَالدِّیَانَةُ وَالْإِصَابَةُ فِی الْقَوْلِ وَحِكْمَةٌ کَثِیْرَةٌ مَّا تُؤْتَرُ کَانَ یُفْتٰی قَبْلَ بَعِثِ دَاوُدَ وَأَذْرَکَ زَمَنَهُ وَآخَذَ مِنْهُ الْعِلْمَ وَتَرَکَ الْفِتْیَا وَقَالَ فِیْ ذٰلِكَ اَلَا اُکْتَفٰی اِذَا کُفِیْتُ وَقِیْلَ لَہٗ اٰیُّ النَّاسِ شَرٌّ قَالَ الذِّیْ لَا یُبَالٰی اَنْ رَاہُ النَّاسُ مَسِیْنًا اِنْ اٰیُّ وَقُلْنَا لَہٗ اَنْ اَشْکُرَ اللّٰہَ عَلٰی مَا اَعْطٰکَ مِنَ الْحِکْمَةِ وَمَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ لَآ اَنْ ثَوَابَ شُکْرِہٖ لَہٗ وَمَنْ کَفَرَ بِالْبِعْمَةِ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفِیْرٌ عَنِ خَلْقِہٖ حَمِیْدٌ ۝۱۷ مَخْمُودٌ فِی

صَنَعِهِ وَ اِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يُعِظُهُ يَبْنَى تَصْغِيرُ اشْفَاقِ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ بِاللّٰهِ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝۱۰
 فَرَجَعَ اِلَيْهِ وَاَسْلَمَ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اَمْرًا اَنْ يَبْرَهُمَا حَمَلَتْهُ اُمُّهُ فَوَهْبَتْ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ اِی ضَعْفَتْ
 لِلْحَمْلِ وَضَعْفَتْ لِلطَّلُقِ وَضَعْفَتْ لِلْوِلَادَةِ وَفُصِّلَتْ فِطَامُهُ فِي عَامَيْنِ وَقُلْنَا لَهُ اِنْ اَشْكُرْتُ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَى الْمَصِيرِ ۝۱۱
 اِی الْمَرْجِعِ وَلَنْ جَاهِدَكَ عَلٰی اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ مُّوَافِقَةُ لِلْوَاقِعِ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا
 اِی بِالْمَعْرُوفِ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ طَرِيقٍ مَنْ اَنَابَ رَجَعَ اِلَى الطَّاعَةِ ثُمَّ اِلَى مَرْجِعِكُمْ فَاَنْبِئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
 تَعْمَلُوْنَ ۝۱۲ فَاجَازِيَكُمْ عَلَيْهِ وَجُمْلَةُ الْوَصِيَّةِ وَمَا بَعْدَهَا اِغْتِرَاضُ يَبْنَى اِنَّهَا اِی الْخَصْلَةُ السَّيِّئَةُ اِنْ تَكُ
 مُثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ اِی فِيْ اَخْفٰی مَكَانٍ مِّنْ ذَلِكَ يَأْتِي بِهَا اللّٰهُ
 فَيَحَاسِبُ عَلَيْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ بِاسْتِخْرَاجِهَا خَيْرٌ ۝۱۳ بِمَكَانِهَا يَبْنَى اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ
 الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ بِسَبَبِ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ اِنَّ ذَلِكَ الْمَذْكُورَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُورِ ۝۱۴ اِی مَعْرُومَاتِهَا الَّتِي
 يُعْزَمُ عَلَيْهَا لِوُجُوبِهَا وَلَا تُصَعِّرْ وَفِي قِرَاءَةِ تُصَاعِرُ خَذَّكَ لِلنَّاسِ لَا تُمِلْ وَجْهَكَ عَنْهُمْ تَكْبَرًا
 وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِی خِيَلًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝۱۵ فَيُخَوِّرُ ۝۱۶ عَلٰی النَّاسِ
 وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ تَوَسُّطٌ فِيهِ بَيْنَ الدَّهِيْبِ وَالْاِسْرَاعِ وَعَلَيْكَ السَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ وَاغْضُضْ اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ
 اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ اَقْبَحُهَا لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝۱۷ اَوَّلُهُ زَفِيرٌ وَآخِرُهُ شَهِيْقٌ

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی ان ہی میں سے علم اور دیانت اور راست گوئی ہیں، اور ان کی حکمت کی (باتیں) بہت ہیں جو کہ منقول ہیں اور وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے فتویٰ دیا کرتے تھے حضرت لقمان نے داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا اور ان سے علم بھی حاصل کیا تھا، اور (داؤد علیہ السلام کی بعثت کے بعد) فتویٰ دینا ترک کر دیا تھا، اور فتویٰ (کے معاملہ میں) فرمایا کیا میں سبک دوشی اختیار نہ کروں؟ جب سبک دوش کیا جاؤں اور حضرت لقمان سے دریافت کیا گیا کہ بدترین شخص کون ہے؟ جواب دیا: وہ شخص جو اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ لوگ اسے برا کرتے ہوئے دیکھیں گے یعنی ہم نے اس سے کہا تو اللہ کا شکر کر اس بات پر کہ تجھ کو حکمت عطا کی اور ہر شکر کرنے والا اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے اس لئے کہ اس کے شکر کا اجر اسی کو ملتا ہے اور جس نے نعمت کی ناشکری کی (وہ جان لے) کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے اور اپنی صنعت میں قابل ستائش ہے اور اس وقت کو یاد کرو جب لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا اے میرے مَنے بُنسی شفق کے لئے تصغیر ہے اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا بلاشبہ شرک باللہ بڑا بھاری ظلم ہے چنانچہ اس نے لقمان کی بات مان لی اور اسلام قبول کر لیا، اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا (تاکیدی) حکم دیا ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اس کو حمل میں رکھا یعنی حمل کی وجہ سے اسے ضعف لاحق ہوا، اور درِ دِزہ کی وجہ سے کمزوری لاحق ہوئی، اور

ولادت کی وجہ سے ناتوانی ہوئی، اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے اور ہم نے اس سے کہا کہ تو میری اور اپنے والدین کی شکر گزاری کیا کر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ دونوں (بھی) تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک کر کہ جس کی تیرے پاس واقع کے مطابق دلیل نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا (ہاں) دنیا میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا یعنی حسن سلوک کے ساتھ اور اس شخص کے طریقہ کی اتباع کرنا جو میری طرف طاعت کے ذریعہ رجوع ہو پھر تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے پھر میں تم کو بتلا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے بعد ازاں ان اعمال کی تم کو جزا دوں گا، وصیت اور اس کے مابعد کا جملہ جملہ معترضہ ہے اے میرے پیارے بیٹے بری خصلت اگرچہ وہ رائی کے دانے کے برابر ہو اور پھر وہ (بھی) چٹان میں ہوا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو یعنی ان مذکورہ جگہوں سے زیادہ پوشیدہ جگہ میں ہو، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور نکال لائے گا پھر اس پر محاسبہ کرے گا بلاشبہ اللہ اس کو نکالنے کے بارے میں باریک بین ہے اور اس کی جگہ سے باخبر ہے، اے میرے پیارے بیٹے تو نماز قائم رکھنا اور اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا برے کاموں سے منع کرتے رہنا اور امر و نہی کی وجہ سے تم پر اگر کوئی مصیبت آجائے تو صبر کرنا یقیناً مان کہ یہ صبر بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے یعنی یہ صبر ان امور میں سے ہے کہ جن کے واجب ہونے کی وجہ سے ان کی تاکید کی گئی ہے اور تو لوگوں سے تکبر کی وجہ سے اپنا رخ نہ پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل یعنی عجب و خود پسندی کے ساتھ، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اکڑ کر چلنے والوں کو اور لوگوں کے مقابلہ میں فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور تو اپنی رفتار میں ریگننے اور دوڑنے کے درمیان اعتدال اختیار کر اور وقعت و وقار کو لازم پکڑ اور اپنی آواز پست کر یقیناً آوازوں میں سب سے زیادہ ناگوار گدھے کی آواز ہے (گدھے کی آواز کا) اول حصہ زفیر ہے اور اس کا آخر شہیق ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ لُقْمَانُ عَلَيْهِ السَّلَامُ کے بارے میں بعض نے کہا یہ عجمی لفظ ہے اور علمیہ اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ عربی لفظ ہے علمیہ اور الف نون زائدتان کی وجہ سے غیر منصرف ہے، حضرت لقمان کے نسب کے بارے میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات لقمان بن باغور بن ناخور بن تارخ اور تارخ آزر ہی کا نام ہے، اس نسب کے اعتبار سے لقمان عَلَيْهِ السَّلَامُ حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کے بھائی کے پوتے ہوتے ہیں اور بعض حضرات نے حضرت ایوب عَلَيْهِ السَّلَامُ کے بھانجے کہا ہے، اور بعض نے حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کا خالہ زاد بھائی بتایا ہے، کہا گیا ہے کہ حضرت لقمان عَلَيْهِ السَّلَامُ ایک ہزار سال بقید حیات رہے حتیٰ کہ حضرت داؤد عَلَيْهِ السَّلَامُ کا زمانہ پایا، جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت لقمان حکیم تھے نبی نہیں تھے، البتہ عکرمہ اور شععی ان کی نبوت کے قائل ہیں۔ (صاوی)

قَوْلُهُ: اَنْ اِیْ وَقُلْنَا لَهُ شَارِحٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اس تفسیری عبارت سے دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اول یہ کہ اُن تفسیر یہ ہے، دوسرے یہ کہ حذف قبلنا کے ذریعہ اُن اشکر کا عطف ولقد آتینا لقمن پر ہے، حضرت لقمان عَلَيْهِ السَّلَامُ

کے صاحبزادے کے نام میں تین قول ہیں، بعض نے ”ٹارن“ بتایا ہے، اور کبھی نے ”مشکم“ کہا ہے اور بعض نے ”انعم“ بتایا ہے (جمل) کہا گیا ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام کی اہلیہ اور صاحبزادے کا فرتحے، آپ کی نصیحت سے مسلمان ہو گئے۔

قَوْلًا: فَرَجَعَ وَأَسْلَمَ یہ عطف تفسیری ہے۔

قَوْلًا: وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ یہ دو آیتیں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ سابق میں گذر گیا ہے اور یہ دو آیتیں حضرت لقمان کے کلام کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر واقع ہوئی ہیں۔

قَوْلًا: وَهَلَنْتَ وَهَذَا عَلَى وَهْنٍ مفسر علام نے وَهْنًا سے پہلے وَهَلَنْتَ فعل محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ وَهْنًا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور عَلَى وَهْنٍ یہ کائنات محذوف سے متعلق ہو کر وَهْنًا کی صفت ہے ای وَهْنًا کائناتًا عَلَى وَهْنٍ اور صاوی نے کہا ہے کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اُمُّہ سے حال قرار دیا جائے، ای حَمَلَتْہُ اُمُّہ ذات وَهْنٍ۔

قَوْلًا: مُوَافَقَةً لِلْوَاقِعِ شارح رحمۃ اللہ تعالیٰ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ یہ قید بیان واقعہ کے لئے ہے یعنی واقعی اور حقیقت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو پھر اس کا علم یا دلیل کہاں ہوگی؟ یہ قید احترازی نہیں ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جس کے شریک ہونے کی تیرے پاس دلیل نہ ہو اس کو شریک نہ کر اور جس کے شریک ہونے کی دلیل ہو اس کو شریک کر سکتا ہے یہ اس کا مفہوم مخالف ہوگا، جو معتبر نہیں ہے اسی کو کہا جاتا ہے لا مفہوم لہ یعنی اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے۔

قَوْلًا: وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ سے دو آیتیں، حضرت لقمان علیہ السلام کے کلام کے درمیان بطور جملہ معترضہ کے ہیں، مقصد ان کا حضرت لقمان کے کلام کی تاکید ہے یا بُنَیٰ یہ حضرت لقمان علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو نصیحت کی جانب عود ہے۔

قَوْلًا: فِي صَخْرَةٍ، صخرۃ مطلقاً پتھر کی چٹان کو کہتے ہیں اور ساتویں زمین کے نیچے جو سخت پتھر ہے اس کو بھی کہتے ہیں۔
قَوْلًا: لَا تُصْعِرْ فَعْلٌ نہی تو نہ موڑ، یہاں تکبر کی وجہ سے رخ پھرنے سے نہی ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحِ

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ حضرت لقمان علیہ السلام وہب بن منبہ کی روایت کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے اور مقاتل نے ان کا خالہ زاد بھائی بتلایا ہے، تفسیر بیضاوی وغیرہ میں ہے کہ ان کی عمر دراز ہوئی، حضرت لقمان نے حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا۔

اور تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباس کی روایت یہ ہے کہ حضرت لقمان ایک حبشی غلام تھے، نجاری کا کام کرتے تھے اور حضرت جابر بن عبد اللہ سے ان کے حالات دریافت کئے گئے تو فرمایا پست قد، چپٹی ناک کے حبشی تھے، ایک حبشی حضرت سعید بن مسیب کے پاس کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آیا تو حضرت سعید نے ان کی دل جوئی کے لئے فرمایا کہ تم اپنے کالے ہونے پر غم نہ کرو کیونکہ کالے لوگوں میں تین بزرگ ایسے گذرے ہیں جو لوگوں میں سب سے بہتر تھے ① حضرت

بلال حبشی (۲) اور منہج جمع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور (۳) حضرت لقمان علیہ السلام۔
حضرت لقمان جمہور سلف کے نزدیک نبی نہیں تھے، بلکہ ولی اور حکیم تھے، ابن کثیر نے بھی ان کے نبی نہ ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے، صرف مکرّمہ نے ان کو نبی کہا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

جب جمہور کے نزدیک حضرت لقمان کا نبی نہ ہونا رائج بلکہ مسلم ہے تو پھر ان کو وہ حکم جو قرآن میں مذکور ہے اُن اشکر لی یہ بذریعہ الہام ہو سکتا ہے جو اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے شرعی مسائل میں لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے، جب داؤد علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی تو فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اب میری ضرورت نہیں رہی، اس بات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ لقمان نبی نہیں تھے اس لئے کہ کسی نبی کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ کار نبوت کو ترک کر دے، بعض روایات میں ہے کہ بنی اسرائیل کے قاضی تھے، حضرت لقمان کے کلمات حکمت بہت منقول ہیں، وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت لقمان کی حکمت کے دس ہزار سے زیادہ ابواب پڑھے ہیں۔ (قرطبی، معارف)

ایک روز حضرت لقمان ایک بڑی مجلس میں لوگوں کو حکمت کی باتیں سنارہے تھے ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ کیا تم وہی نہیں جو میرے ساتھ فلاں جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے، لقمان علیہ السلام نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں، تو اس شخص نے پوچھا کہ پھر آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ خلق خدا آپ کی تعظیم کرتی ہے اور آپ کے کلمات سننے کے لئے دور دور سے جمع ہوتی ہے، حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا سبب میرے دو کام ہیں، اول ہمیشہ سچ بولنا، دوسرے فضول باتوں سے اجتناب کرنا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ لقمان نے فرمایا کہ چند کام ایسے ہیں جنہوں نے مجھے اس درجہ پر پہنچایا، اگر تم اختیار کر لو تو تمہیں بھی یہی درجہ اور مقام حاصل ہو جائے گا وہ کام یہ ہیں، اپنی نظر کو پست رکھنا، زبان کو بند رکھنا، حلال روزی پر قناعت کرنا، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا، بات کی سچائی پر قائم رہنا، عہد پورا کرنا، مہمان کا اکرام کرنا پڑوسی کی حفاظت کرنا، اور فضول کام اور فضول کلام چھوڑ دینا۔ (ابن کثیر)

حکمت لقمان سے کیا مراد ہے؟

لفظ ”حکمت“ قرآن کریم میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے، علم، عقل، حلم، بردباری، نبوت، اصابت رائے، ابو حیان نے فرمایا کہ حکمت سے مراد وہ کلام ہے جس سے لوگ نصیحت حاصل کریں، اور ان کے دلوں میں موثر ہو اور جس کو لوگ محفوظ کر کے دوسروں کو پہنچائیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حکمت سے مراد عقل و فہم اور ذہانت ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ علم کے مطابق عمل کرنا حکمت ہے۔

آیت مذکور میں حضرت لقمان علیہ السلام کو حکمت عطا کرنے کا ذکر فرما کر آگے فرمایا ہے اُن اشکر لی یہ خود حکمت کی تفسیر ہے یعنی وہ حکمت جو لقمان علیہ السلام کو دی گئی تھی کہ ہم نے اس کو شکر کا حکم دیا، انہوں نے تکمیل کی اس صورت میں مطلب یہ ہوگا

کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر گزار ہونا بڑی حکمت ہے، اس کے بعد یہ بتلادیا کہ یہ شکر گزاری کا حکم ہم نے کچھ اپنے فائدے کے لئے نہیں دیا، ہمیں کسی کے شکر کی حاجت نہیں بلکہ یہ ان ہی کے فائدے کے لئے دیا ہے کیونکہ ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص ہماری نعمت کا شکر ادا کرتا ہے، ہم اس کی نعمت میں اور زیادتی کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد لقمان علیہ السلام کے کچھ کلمات حکمت کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائے تھے وہ کلمات قرآن کریم نے اس لئے نقل فرمائے کہ دوسرے لوگ بھی ان سے فائدہ اٹھائیں، ان کلمات حکمت میں سب سے اول تو عقائد کی درستی ہے اور ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو سارے عالم کا خالق و مالک بلا شرکت غیرے یقین کرے اس لئے کہ اس دنیا میں اس سے بڑا بھاری ظلم کوئی نہیں ہو سکتا کہ خدائے تعالیٰ کی کسی مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرائے، اس لئے فرمایا یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ اس کے بعد حضرت لقمان کی دوسری نصائح اور کلمات حکمت بیان ہوئے ہیں جو اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمائے تھے، حکمت لقمان کے کچھ کلمات قرآن کریم نے اس لئے نقل فرمائے ہیں تاکہ دوسرے لوگ بھی اس سے استفادہ کریں۔

والدین کی اطاعت فرض ہے بشرطیکہ معصیت الہی نہ ہو:

والدین کی اطاعت اور شکرگزاری کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت و شکرگزاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکرگزاری اور اطاعت کا حکم دیا ہے، لیکن شرک ایسا ظلم عظیم اور سنگین جرم ہے کہ وہ والدین کے کہنے اور ان کے مجبور کرنے سے بھی جائز نہیں۔

یہاں والدین کی شکرگزاری اور اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ساتھ ساتھ اس کی حکمت بھی بیان فرمادی کہ اس کے وجود و بقاء میں والدین کا بہت بڑا دخل ہے، خاص طور سے اس کی ماں کو اس کے وجود و بقاء کے لئے بڑی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، اسی لئے ماں کے حقوق پہلے بیان فرمائے ہیں، وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهَذَا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفَصَّالَهُ فِي عَامَيْنِ ممکن تھا کہ بیٹا والدین کے شرک کے لئے مجبور کرنے اور دباؤ ڈالنے کی وجہ سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہو کر والدین کے ساتھ بدکلامی یا بد خوئی سے پیش آئے ان کی توہین کرے، اسلام چونکہ ایک قانون عدل ہے اس لئے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیدیا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا یعنی معصیت کے معاملہ میں تو تم ان کا کہنا نہ مانو البتہ دنیا کے کاموں میں اس کے عام دستور کے مطابق معاملہ کرو، مالی اخراجات وغیرہ میں کمی نہ ہونے دو اور نہ عزت و احترام میں کسی قسم کی کوتاہی ہونے دو۔

فائدہ: اس آیت میں جو بچے کے دودھ چھڑانے کی مدت دو سال بتلائی گئی ہے، یہ عام عادت کے مطابق ہے اس میں اس کی کوئی صراحت نہیں کہ اس سے زیادہ مدت تک دودھ پلایا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ کی تشریح انشاء اللہ سورۃ احقاف کی آیت و حملہ و فصالہ ثلثون شہراً کے تحت آئے گی۔

قَوْلُهُ: إِنَّ تَكَ کا مرجع اگر خطیئۃ ہو تو مطلب گناہ اور اللہ کی نافرمانی والا کلام ہے اور اگر اس کا مرجع خصلۃ ہو تو مطلب

اچھی یا بری خصلت ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ انسان اچھا یا برا عمل کتنا ہی چھپ کر کرے اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ضرور حاضر کر لیں گے، یعنی اس کی جزاء یا سزا دے گا خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا عمل کیوں نہ ہو؟

قَوْلًا: مِنْ ذَلِكَ اى المذكور۔

قَوْلًا: اِنَّ ذَلِكَ يَہَاں ذَلِكَ کا مرجع صبر ہے۔

قَوْلًا: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ یعنی تکبر نہ کر کہ لوگوں کو حقیر سمجھے اور جب وہ تجھ سے ہم کلام ہوں تو تو ان سے منہ پھیر لے یعنی بے رخی کرے، صعر ایک قسم کی بیماری ہے جس کی وجہ سے اونٹ کی گردن مڑ جاتی ہے، یہاں بطور کنایہ یہ لفظ تکبر سے منہ پھیر لینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قَوْلًا: واقصد فی مشیک یعنی ایسی چال یا رویہ کہ جس سے مال و دولت یا جاہ و منصب یا قوت و طاقت کی وجہ سے فخر و غرور کا اظہار ہوتا ہو، یہ اللہ کو ناپسند ہے، اس لئے کہ انسان ایک بندہ عاجز و حقیر ہے، اللہ کو یہی پسند ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق عاجزی اور انکساری ہی اختیار کرے، ایسا کوئی طریقہ اختیار نہ کرے کہ اس سے بڑائی کا اظہار ہوتا ہو اس لئے کہ بڑائی صرف اللہ ہی کے لئے زیبا ہے، اور یہ کہ زیادہ چیخ و چلا کر بات نہ کر، اس لئے کہ اگر زیادہ اونچی آواز سے بات کرنا پسندیدہ ہوتا تو گدھے کی آواز سب سے اچھی سمجھی جاتی، حال یہ ہے کہ گدھے کی آواز سب سے زیادہ بدتر اور کریہہ ہے، حدیث میں بھی آیا ہے کہ اگر گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو۔ (بخاری کتاب بدء الخلق)

الْمُتَرَوِّا تَعْلَمُوا يَا مَخَاطِبِينَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنُّجُوْمِ لَتَنْتَفِعُوْا بِهَا وَمَا فِى الْاَرْضِ مِنَ الثَّمَارِ وَالْاَنْهَارِ وَالذُّوَابِ وَاَسْبَغَ اَوْسَعَ وَاَتَمَّ عَلَيْكُمْ نِعْمَتَهٗ ظَاهِرَةً وَّهٰى حُسْنُ الصُّوْرَةِ وَتَسْوِیَةِ الْاَعْضَاءِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ وَبَاطِنَةً ۝۱۰ ہى المعرفة و غیریہا و مِن النَّاسِ اِی اہل مکہ مَن يُجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًی مِّن رَّسُوْلٍ ۝۱۱ وَلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ۝۱۲ اَنْزَلَهُ اللّٰهُ بِلِ التَّقْلِیْدِ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اَتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءُنَا قَالِ تَعَالٰی اَیْتَّبِعُوْنَهٗ وَلَوْ کَانَ الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ ۝۱۳ اِی مَوْجِبَاتِہٖ، وَمَنْ یُّسَلِّمْ وَجْهَہٗ اِلٰی اللّٰهِ اِی یُقْبَلَ عَلٰی طَاعَتِہٖ وَهُوَ حَسَنٌ مُّوْجِدٌ فَقَدْ اَسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی بِالْطَّرَفِ الْاَوْثَقِ الَّذِی لَا یَخَافُ اِنْقِطَاعَہٗ وَاِلٰی اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۱۴ مَرْجِعُہَا وَمَنْ کَفَرَ فَلَا یَحْزَنُکَ یَا مُحَمَّدٌ کُفْرُہٗ لَا تَهْتَمُ بِکُفْرِہٗ اِلَیْنَا مَرْجِعُہُمْ فَنُنَبِّئُہُمْ بِمَا عَمِلُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۵ اِی بِمَا فِیْہَا کَغَیْرِہٖ فَمُجَازٍ عَلَیْہِ نَمَتُّعُہُمْ فِی الدُّنْیَا قَلِیْلًا اِیَامَ حَیٰوَتِہُمْ ثُمَّ نَضْطَرُّہُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیْظٍ ۝۱۶ وِہو عَذَابُ النَّارِ لَا یَجْدُوْنَ عَنْہٗ مَحِیْضًا وَلٰکِنْ لَا مُقَسِّمٍ سَاَلْتَهُمْ مِّنْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّ اللّٰهَ حَذَفَ مِنْہٗ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِی الْاَمْثَالِ وَوَاوُ الضَّمِیْرِ لَا لِتَقَا السَّاکِنِیْنَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ظُہُوْرِ الْحُجَّةِ عَلَیْہِمْ بِالتَّوْحِیْدِ بَلْ اَکْثَرُہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۱۷ وَجُوْبَہٗ

عَلَيْهِمْ اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بَلَّغْنَا وَخَلَقْنَا وَعَبِيدًا فَلَا يَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةُ فِيهِمَا غَيْرُهُ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ عَنْ خَلْقِهِ الْحَمِيدُ ۝ الْمَحْمُودُ فِي صُنْعِهِ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ عَطْفٌ عَلَى اسْمِ أَنْ يَمِدَّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مِدَادَ مَا نَفَذْتَ كَلِمَتُ اللَّهِ الْمَعْتَرِبُ بِهَا عَنْ مَعْلُومَاتِهِ بِكِتَابِهَا بِتِلْكَ الْأَقْلَامِ بِذَلِكَ الْمِدَادِ وَلَا بَاكُثَرٍ مِنْ ذَلِكَ لِأَنَّ مَعْلُومَاتِهِ تَعَالَى غَيْرُ مُتَنَابِيَةٍ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ حَكِيمٌ ۝ لَا يَخْرُجُ شَيْءٌ عَنْ عِلْمِهِ وَحُكْمَتِهِ مَا خَلَقَكُمْ وَلَا بَعَثَكُمْ إِلَّا كَفْسٌ وَاحِدَةً خَلَقْنَا وَبَعَثْنَا لَأَنَّهُ بِكَلِمَةٍ كُنْ فَيَكُونُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ يَسْمَعُ كُلَّ مَسْمُوعٍ بَصِيرٌ ۝ يَنْصُرُ كُلَّ مُنْصَرٍ لَا يَشْغُلُهُ شَيْءٌ عَنْ شَيْءٍ أَلَمْ تَرَ تَعْلَمُ يَا مُخَاطَبُ أَنَّ اللَّهَ يُوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ فَيَزِيدُ كُلَّ مِنْهُمَا بِمَا نَقَصَ مِنَ الْآخِرِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلًّا مِنْهُمَا يُجْرِي فِي فَلَكِهِ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ ذَلِكَ الْمَذْكُورُ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الثَّابِتُ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ بِالْيَاءِ وَالشَّاءِ يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ الْبَاطِلِ الزَّائِلِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ عَلَى خَلْقِهِ بِالْقَهْرِ الْكَبِيرِ ۝ الْعَظِيمِ

۲

ترجمہ: اے مخاطب! کیا تم اس بات کو نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں یعنی سورج اور چاند اور ستارے تاکہ تم ان سے فائدہ حاصل کرو اور ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں، پھل اور نہریں اور جانور (وغیرہ) اور تم کو اپنی ظاہری نعمتیں اور وہ حسن صورت اور تناسب اعضاء وغیرہ وغیرہ ہیں، اور باطنی (نعمتیں) (اور) وہ معرفت (الہی) وغیرہ ہے بھرپور دے رکھی ہیں اور کچھ لوگ یعنی اہل مکہ ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور رسول کی جانب سے بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے کہ جس کو اللہ نے نازل کیا ہو، جھگڑتے ہیں بلکہ تقلید کی وجہ سے (جھگڑتے ہیں) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کی تابعداری کرو تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو جس طریق پر اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے، اسی کی تابعداری کریں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ اسی راستہ کی پیروی کریں گے اگرچہ ان کو شیطان نے دوزخ کے عذاب کی طرف یعنی اس کے موجبات کی طرف بلایا ہو؟ نہیں اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے یعنی اس کی اطاعت کی طرف متوجہ ہو جائے اور حال یہ ہے کہ وہ نیکو کار یعنی موحد ہو تو یقیناً اس نے مضبوط حلقہ یعنی ایسا مضبوط کنارہ اتھام لیا کہ جس کے ٹوٹنے کا اندیشہ نہیں اور تمام کاموں کا انجام یعنی مرجع اللہ ہی کی طرف ہے اے محمد ﷺ آپ کافروں کے کفر سے رنجیدہ نہ ہوں، یعنی آپ ان کے کفر سے کبیدہ خاطر نہ ہوں، (آخر) ان کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے تو ہم ان کو ان کے سب کړتوت بتا دیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں سے یعنی جو کچھ دلوں میں ہے واقف ہے، جیسا کہ دلوں کے رازوں کے علاوہ سے واقف ہے تو ان کا بدلہ دے گا ہم ان کو دنیا میں کچھ تھوڑا سا (یعنی) ان کی مدت حیات تک فائدہ دیدیں گے، بالآخر ہم انہیں نہایت بیچارگی کی حالت میں آخرت میں سخت عذاب کی طرف ہٹا لیا جائے گا، اور وہ دوزخ کا

عذاب ہے کہ وہ اس سے جائے پناہ نہ پائیں گے اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے؟ تو یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہے اس سے نون رفع کو پے درپے چند نونوں کے آجانے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، اور ضمیر کا واؤ (بھی) انتقاء ساکنین کی وجہ سے ساقط ہو گیا، ان پر توحید کی حجت ظاہر ہو جانے پر آپ الحمد للہ کہئے، لیکن ان میں اکثر لوگ اپنے اوپر توحید کے وجوب سے واقف نہیں ہیں، آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے مملوک اور مخلوق اور غلام ہونے کے اعتبار سے اللہ ہی کا ہے، لہذا آسمانوں اور زمینوں میں اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے اور اپنی صنعت میں قابل ستائش ہے اگر روئے زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور تمام سمندر روشنائی ہو جائیں، ان کے اسم پر عطف ہے اور ان کے ساتھ سات سمندر اور شامل ہو جائیں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ کی معلومات کو کلمات سے تعبیر کیا ہے ان معلومات کے ان قلموں سے لکھنے کی وجہ سے اس روشنائی سے اور نہ اس (مذکور) سے زیادہ (مقدار) سے ختم ہو سکتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہیہ ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے غلبہ والے ہیں اس کو کوئی شئی عاجز نہیں کر سکتی اور بڑی حکمت والے ہیں کوئی شئی اس کے علم و حکمت سے خارج نہیں ہے تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد زندہ ہونا ایسا ہی ہے جیسے نفس واحد کا پیدا ہونا اور زندہ ہونا، اس لئے کہ یہ سب (کچھ) کلمہ کن فیکون سے ہوتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر بات کو سنتا ہے ہر مری شئی کو دیکھتا ہے اس کو کوئی شئی کسی شئی سے نہیں روک سکتی، اے مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، ان میں سے ہر ایک میں اتنا اضافہ ہو جاتا ہے جتنا دوسرے سے کم ہوتا ہے شمس و قمر میں سے ہر ایک کو اس نے مسخر کر رکھا ہے کہ مقررہ وقت تک اپنے محور پر چلتا رہے اور مقررہ وقت قیامت کا دن ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے، یہ مذکور (تسخیر و انتظامات) اس لئے ہیں کہ اللہ برحق ثابت الالوہیہ ہے اور اس کے علاوہ جن جن (معبودوں) کو پکارتے ہیں یعنی بندگی کرتے ہیں سب باطل ہیں، زائل ہونے والے ہیں یذعون یا اور تادونوں قراءتیں ہیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر غلبہ کے اعتبار سے عالی ہے اور عظیم ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ، الْآیۃ یہ رد علی المشرکین کے مضمون سابق کی جانب رجوع ہے۔

قَوْلُهُ: يَا مَخَاطِبِینَ منادی مفرد ہونے کی وجہ سے قیاس یہ تھا کہ یا مخاطبون ہوتا، اس لئے کہ منادی مفرد یعنی علی علامۃ الضم ہوتا ہے، مگر ہو سکتا ہے کہ نکرہ غیر مقصودہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو۔

قَوْلُهُ: یَقْبَلُ عَلٰی طَاعَتِهِ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ وَجْہ سے چہرہ مراد نہیں ہے بلکہ ذات مراد ہے۔

قَوْلُهُ: مُوَحِّدٌ، مُحْسِنٌ کی تفسیر مُوَحِّدٌ سے کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہاں احسان سے مراد احسان کامل نہیں ہے جو کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَانَکَ تَرَاہِ کا درجہ ہے یہاں تو توحید کا قائل مسلمان مراد ہے تاکہ عام مسلمان بھی اس میں داخل ہو جائیں۔

قَوْلًا: لَيَقُولَنَّ اللَّهُ: یہ جملہ قسم محذوف کا جواب ہے اور جواب شرط قاعدہ کے مطابق محذوف ہے لفظ اللہ یا تو فعل محذوف کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، تقدیر عبارت یہ ہے خَلَقَهُنَّ اللَّهُ اور اس حذف کا قرینہ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ہے، یا مبتداء محذوف کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے الخالق لَهُنَّ اللَّهُ۔

قَوْلًا: وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ یہ پورا جملہ اُن کا اسم ہے اور اَقْلَامٌ اس کی خبر ہے۔
قَوْلًا: وَالْبَحْرُ عَظْفٌ عَلَى اسْمِ اَنَّ یہ البحر کے نصب کی توجیہ ہے، شارح نے رفع کی توجیہ ترک کر دی ہے، رفع کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ البحر کا عطف اُن اور اس کے اسم و خبر سے مل کر جملہ پر ہے، اس لئے کہ جملہ فعل محذوف کے فاعل ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَوْ ثَبَتَ اَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ الْخِ يَابِ الْبَحْرِ مبتداء ہے اور یمدہ اس کی خبر ہے اور جملہ حالیہ ہے۔

قَوْلًا: مِدَادٌ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای الجمع مِدَادٌ یہ جملہ مستانفہ ہے۔
قَوْلًا: مَا نَفِذْتَ الْخِ یہ لَوْ کا جواب ہے مگر لَوْ یہاں اپنے مشہور معنی یعنی انتفاء شرط کی وجہ سے انتفاء جزاء کے لئے نہیں ہے۔

قَوْلًا: بَكْتَبُهَا بِتِلْكَ الْأَقْلَامِ الْخِ اس عبارت سے اشارہ کر دیا کہ کلام میں حذف ہے اور کلمات اللہ سے اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی قدیم قائم بالذات کے مدلولات مراد ہیں۔
قَوْلًا: ذَلِكَ الْمَذْكُورُ، ذَلِكَ مبتداء بَأَنَّ اللَّهُ هو الحق اس کی خبر ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، مسخر کر دیا ہے، مسخر کرنے کے مشہور معنی کسی چیز کو کسی کے تابع کر دینے کے ہیں، یہاں اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے اول تو زمین کی سب چیزیں بھی انسان کے تابع فرمان نہیں، بلکہ بہت سی چیزیں اس کے مزاج کے خلاف کام کرتی ہیں، خصوصاً جو چیزیں آسمانوں میں ہیں ان میں تو انسان کے تابع فرمان ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں۔

جواب یہ ہے کہ دراصل تسخیر کے معنی کسی چیز کو زبردستی کسی خاص کام میں لگا دینا ہے اور اس پر مجبور کر دینا ہے، آسمان و زمین کی تمام مخلوق انسان کے تابع اور مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام مخلوقات کو انسان کی خدمت اور نفع رسانی میں لگا دیا ہے، ان میں بہت سی چیزیں اس طرح خدمت میں لگایا کہ ان کو انسان کا تابع فرمان بھی بنا دیا وہ جس وقت جس طرح چاہے ان کو استعمال کرتا ہے، بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو انسان کے کام میں تو لگا دیا ہے کہ وہ انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں، مگر بتقاضائے حکمت ربانی ان کو انسان کے تابع نہیں بنایا گیا مثلاً آسمانی مخلوق، سیارات، برق و باران وغیرہ، کہ ان کو انسان کے حکم کے تابع بنا دیا جاتا تو انسان کی طبائع اور مزاجوں اور حالات کے اختلاف کا ان پر اثر پڑتا، ایک انسان چاہتا کہ آفتاب

جلدی طلوع ہو اور دوسرے کی خواہش یہ ہوتی کہ دیر سے طلوع ہو ایک بارش چاہتا اور دوسرا چاہتا کہ بارش نہ ہو یہ متضاد تقاضے آسمانی کائنات کے عمل میں خلل پیدا کرتے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کو انسان کی خدمت میں لگا دیا مگر ان کا تابع حکم نہیں بنایا یہ بھی ایک قسم کی تسخیر ہی ہے۔ (معارف)

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معلومات اور اپنی قدرت کے تصرفات اور اپنی نعمتوں کی مثال دی ہے کہ وہ غیر متناہی ہیں نہ وہ زبان سے شمار ہو سکتی ہیں اور نہ قلم سے ان کو لکھا جاسکتا ہے، مثال یہ بیان فرمائی کہ ساری زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان سب کی شاخوں کے قلم بنائے جائیں اور ان سے لکھنے کے لئے سمندروں کو روشنائی بنا دیا جائے اور یہ سب قلم حق تعالیٰ کی معلومات اور تصرفات قدرت کو لکھنا شروع کر دیں تو سمندر ختم ہو جائیں گے مگر معلومات اور تصرفات ختم نہ ہوں گے۔

شان نزول:

بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت احبار یہود کے ایک سوال کے جواب میں نازل ہوئی وجہ یہ تھی کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا یعنی تم کو بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو چند احبار یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس آیت کے بارے میں معارضہ کیا کہ آپ جو کہتے ہیں کہ تمہیں تھوڑا علم دیا گیا ہے، یہ آپ نے اپنی قوم کا حال ذکر کیا ہے یا اس میں آپ نے ہمیں بھی داخل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سب مراد ہیں یعنی ہماری قوم بھی اور یہود و نصاریٰ بھی، تو انہوں نے یہ معارضہ کیا کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے توریت عطا فرمائی ہے جس کی شان تبیان لکھل شی ہے یعنی اس میں ہر چیز کا بیان ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ بھی علم الہی کے مقابلہ میں قلیل ہی ہے، پھر تو رات میں جتنا علم ہے اس کا بھی تم کو پورا علم نہیں، بقدر کفایت ہی ہے اس لئے علم الہی کے مقابلہ میں ساری آسمانی کتابوں اور سب انبیاء کے علوم کا مجموعہ بھی قلیل ہے، اسی کلام کی تائید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ (الآیۃ)۔ (ابن کثیر)

الْمُرْتَرَا أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ (الآیۃ) اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ رات کے کچھ حصہ کو دن میں اور دن کے کچھ حصہ کو رات میں داخل کر دیتا ہے جس سے دن اور رات چھوٹے بڑے ہوتے رہتے ہیں، رات اور دن کے مجموعی گھنٹے چوبیس ہوتے ہیں، مگر ان میں چار گھنٹے ایسے ہیں جو بتدریج کبھی دن میں شامل ہو جاتے ہیں تو دن سولہ گھنٹے کا اور رات آٹھ گھنٹے کی ہو جاتی ہے اور جب یہ چار گھنٹے رات میں بتدریج شامل ہو جاتے ہیں تو رات سولہ گھنٹے کی اور دن آٹھ گھنٹے کا ہو جاتا ہے، مگر رات اور دن کے مجموعی گھنٹوں کی تعداد چوبیس ہی رہتی ہے۔

فَالْيَاكُ: ایک سو بیس ہزار سال میں زمین کی حرکت محوری ایک سکنڈ سست ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے قرب قیامت میں ایک رات کئی راتوں کے برابر اور ایک دن کئی دنوں کے برابر ہوگا۔ (فلکیات جدیدہ)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ السُّفُنَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيَكُمْ يَا مُخَاطَبِينَ بِذَلِكَ مِّنْ آيَاتِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ عِبْرًا
 لِّكُلِّ صَبَّارٍ عَنِ مَعْصِيَةِ اللَّهِ شُكُورًا ۝ لِّنِعْمِهِ وَإِذَا غَشِيَهُمْ آيٌ عَلاَ الْكُفَّارِ مَوْجٌ كَالظُّلُمِ كَالْجِبَالِ الَّتِي تَظَلُّ مِنْ
 تَحْتِهَا دَعَا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ أَيِ الدُّعَاءِ بِأَن يُنَجِّيَهُمْ أَيِ لَا يَدْعُونَ مَعَهُ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ
 فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ مُّتَوَسِّطٌ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ وَمِنْهُمْ بَاقٍ عَلَى كُفْرِهِ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا وَمِنْهَا الْإِنجَاءُ مِنَ
 الْمَوْجِ إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ غَدَّارٍ كَفُورًا ۝ لِّنِعْمِ اللَّهُ بِآيَاتِهَا النَّاسُ أَيِ أَهْلِ مَكَّةَ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاحْشَوْا يَوْمَ مَا لَا يَجْزِي
 يُغْنِي وَالِدُ عَنْ وَلَدِهِ فِيهِ شَيْئًا وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَارِعٌ عَنْ وَالِدِهِ فِيهِ شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ بِالْبَعْثِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ
 الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ عَنِ الْإِسْلَامِ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ فِي حِلْمِهِ وَاسْمُهَا الْغُرُورُ ۝ الشَّيْطَانُ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ
 مَتَى تَقُومُ وَيُنَزَّلُ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ الْغَيْثُ يَوْماً يَعْلَمُهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ذَكَرَ أَوْ أَنْشَى وَلَا يَعْلَمُهُ
 وَاحِدٌ مِنَ الثَّلَاثَةِ غَيْرُ اللَّهِ تَعَالَى وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۚ مِنْ خَيْرٍ أَوْ شَرٍّ وَيَعْلَمُهُ اللَّهُ
 وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ وَيَعْلَمُهُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِكُلِّ شَيْءٍ خَبِيرٌ ۝ بِبَاطِنِهِ كُظَاهِرِهِ رَوَى الْبُخَارِيُّ
 عَنْ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثَ مِفْتَاحِ الْغَيْبِ خُمُسُهُ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ إِلَى آخِرِ السُّورَةِ.

ترجمہ: کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ دریا میں کشتیاں اللہ کے فضل سے چلتی رہتی ہیں تاکہ اے مخاطبوا! اس کے
 ذریعہ تم کو اپنی (قدرت) کی نشانیاں دکھا دے یقیناً اس میں اللہ کی معصیت سے ہر صبر کرنے والے اور اس کی نعمتوں کا شکر
 کرنے والے کے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں اور جب ان پر یعنی کفار پر موجیں ایسے پہاڑوں کے مانند چھا جاتی ہیں جو ہر اس شے
 پر جو اس کے زیر سایہ آجائے سایہ فگن ہو جائیں، تو نہایت خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ ہی سے دعاء کرنے لگتے ہیں کہ ان کو
 (غرق) سے نجات دے یعنی (اس وقت) اس کے ساتھ غیر اللہ کو نہیں پکارتے پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا
 دیتا ہے تو کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں یعنی کفر اور ایمان کی درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں اور بعض اپنے کفر ہی پر باقی رہ
 جاتے ہیں اور ہماری نعمتوں کا اور ان میں (دریائی) موجوں سے نجات دینا بھی ہے صرف وہی انکار کرتے ہیں جو بد عہد اور اللہ کی
 نعمتوں کے ناشکرے ہوتے ہیں، اے لوگو! مکہ والو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنے بیٹوں کو کوئی
 فائدہ نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کو اس دن کچھ بھی فائدہ پہنچا سکے گا، یقیناً مانو اللہ کا بعث کا وعدہ حق ہے دیکھو تمہیں دنیوی
 زندگی اسلام کے بارے میں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان تم کو اللہ کے حلم اور مہلت دینے کے بارے میں دھوکے میں
 ڈالے بلاشبہ اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم کہ کب واقع ہوگی، اور وہی بارش نازل کرتا ہے اس وقت میں جس کو وہ جانتا ہے،
 یمنزل تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے اور اس کو بھی جانتا ہے جو رحم مادر میں ہوتا ہے آیا لڑکی ہے یا لڑکا؟ اور تینوں میں سے ایک کو بھی

اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا خیر یا شر اللہ اس کو جانتا ہے اور نہ کسی کو یہ معلوم کہ وہ کہاں مرے گا اور اللہ کو معلوم ہے بلاشبہ اللہ کو ہرشی کا علم ہے (اور وہ) ہرشی کے باطن سے اسی طرح واقف ہے جس طرح ظاہر سے امام بخاری نے ابن عمر سے مفاتیح الغیب خمسۃ والی حدیث روایت کی ہے إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ إِلَى آخِرِ السَّوْرَةِ.

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ الْخ مذکورہ دونوں جملے یومًا کی صفت ہیں اور عائد محذوف ہے جیسا کہ شارح نے فیہ مقدار مان کر اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلًا: وَلَا مَوْلُودٌ یہ مبتداء اول ہے اور هُوَ مبتداء ثانی ہے اور جازِ مبتداء ثانی کی خبر ہے اور پھر جملہ ہو کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

سُؤَال: مولود نکرہ ہے اس کا مبتداء بنا کس طرح درست ہے؟

جَوَاب: نکرہ جب تحت النفی داخل ہو تو اس کا مبتداء بنا درست ہوتا ہے، یہاں بھی مولود، لانا فیہ کے تحت داخل ہے۔
قَوْلًا: شَيْئًا یہ تنازع فعلان کے قبل سے ہے شیئًا میں یجزی اور جاز نے مفعول بنانے میں تنازع کیا ثانی یعنی جاز کو عمل دے دیا اور اول یعنی یجزی کے لئے مفعول محذوف مان لیا جیسا کہ شارح رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى نے شیئًا محذوف مان کر اشارہ کر دیا۔

قَوْلًا: غُرُورٌ صیغہ صفت ہے دھوکا دینے والا، جھوٹی امید دلانے والا، شیطان۔

قَوْلًا: بِاللَّهِ بآسیہ ہے اور مضاف محذوف ہے ای بسبب حلم اللہ جیسا کہ شارح نے حذف مضاف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلًا: إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ یہ آیت حارث بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

قَوْلًا: وَيَنْزِلُ الْغَيْثُ اس کا عطف عندہ علم الساعة پر ہے جو کہ إِنَّ کی خبر ہے۔

قَوْلًا: بِوَقْتٍ ای فی وقت۔

قَوْلًا: وَاحِدًا یہ لَا يَعْلَمُ کا مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور غیر اللہ اس کا فاعل ہے۔

قَوْلًا: مَا ذَا تَكْسِبُ غَدًا مَا استفہامیہ مبتداء، ذَا اسم موصول تَكْسِبُ غَدًا صلہ موصول باصلہ مبتداء کی خبر۔

تفسیر و تشریح

الْمَرْتَرَانُ الْفُلُكُ یہ خدا کی غالب قدرت اور غایت حکمت پر دوسرا استشہاد ہے، سمندروں میں کشتیوں کا چلنا یہ بھی اس کے لطف و کرم کا ایک مظہر اور اس کی قدرت و تسخیر کا ایک نمونہ ہے، اس نے ہوا اور پانی کو ایسے مناسب انداز سے رکھا ہے کہ سمندر

کی سطح پر کشتیاں چل سکیں ورنہ وہ چاہے تو ہوا کی تندی اور موجوں کی طغیانی سے کشتیوں کا چلنا ناممکن ہو جائے، جب ان کی کشتیاں ایسی طغیانی والی موجوں میں گھر جاتی ہیں جو بادلوں اور پہاڑوں کی طرح ہوتی ہیں اور موت کا آہنی پنجہ ان کو اپنی گرفت میں لیتا نظر آتا ہے تو پھر سارے زمینی معبودان کے دل و دماغ سے نکل جاتے ہیں، اور صرف ایک آسمانی معبود کو بڑے اخلاص و اعتقاد کے ساتھ پکارتے ہیں، جو واقعی اور حقیقی معبود ہے۔

شہان نزول:

فمنہم مقتصد بعض حضرات نے ”مقتصد“ کے معنی عہد کو پورا کرنے والا، کئے ہیں یعنی بعض لوگ ایمان، توحید اور اطاعت کے اس عہد پر قائم رہتے ہیں جو موج و گرداب میں انہوں نے کیا تھا، ان کے نزدیک کلام میں حذف ہوگا، تقدیر کلام یہ ہوگی، فمنہم مقتصد و منہم کافر (تو ان میں سے بعض مومن اور بعض کافر ہوتے ہیں،) خازن میں ہے کہ مذکورہ آیت حضرت عکرمہ بن ابی جہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس کا مختصر واقعہ اس طرح ہے کہ فتح مکہ کے دن عکرمہ ڈر کے مارے دریا کی طرف بھاگ گئے تھے، اور ایک کشتی میں سوار ہو کر فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے کہ اچانک کشتی گرداب میں پھنس گئی، نجات کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس وقت عکرمہ نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس مصیبت سے نجات دیدی تو میں مکہ جا کر محمد ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدوں گا، چنانچہ ہوا کی تندہی اور موجوں کی طغیانی ختم ہو گئی اور کشتی گرداب سے نکل کر ساحل سمندر پر آ گئی، چنانچہ عکرمہ مکہ آئے اور اسلام قبول کر لیا اور بہت خوب اسلام قبول کیا، مذکورہ آیت میں حضرت عکرمہ کو مقتصد یعنی عہد کو پورا کرنے والا اور وعدہ کو وفا کرنے والا کہا گیا ہے، اور بعض مفسرین نے مقتصد کے معنی اعتدال پر رہنے والا، کے کئے ہیں یعنی اتنے ہولناک حالات اور وہاں قدرت خداوندی کی اتنی عظیم آیات کا مشاہدہ کرنے، اور اللہ کے اس احسان کے باوجود کہ اس نے غرق ہونے سے نجات دی، انسان اب بھی اللہ کی مکمل عبادت و اطاعت نہیں کرتا اور متوسط راستہ اختیار کرتا ہے، جبکہ وہ حالات جن سے یہ گذر کر آیا ہے مکمل بندگی کا تقاضہ کرتے ہیں، نہ کہ اعتدال کا، شارح جلالین علامہ محلی نے دوسرے مفہوم کو اختیار کیا ہے، مگر سیاق و سباق کے اعتبار سے پہلا مفہوم رائج ہے، اگر مفسر علام مقتصد کی تفسیر متوسط کے بجائے معتدل سے کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔

وَآخِشُوا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ (الآية) یعنی اس دن سے اندیشہ کرو کہ جس دن نہ بیٹا باپ کے کام آئے گا اور نہ باپ بیٹے کے، یہاں باپ بیٹوں سے وہ مراد ہیں کہ ایک مومن ہو اور دوسرا کافر، ورنہ تو مومن باپ بیٹے ایک دوسرے کے کام آئیں گے، اس لئے کہ حدیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اولاد والدین کے اور والدین اولاد کے کام آئیں گے، قرآن کریم میں بھی اس کی صراحت موجود ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

صالحین ماں باپ کے درجہ میں پہنچا دیں گے اگرچہ ان کے اپنے اعمال اس درجہ کے قابل نہ ہوں مگر شرط اس میں یہی ہے کہ اولاد مومن ہو اگرچہ عمل میں کچھ کوتاہی ہوئی ہو۔

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ (الآیۃ) حدیث شریف میں آیا ہے کہ پانچ چیزیں مفاتیح الغیب ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، (صحیح بخاری، تفسیر سورہ لقمان) قرب قیامت کی علامات قریبہ و بعیدہ تو اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہیں، لیکن ① قیامت کے وقوع کا یقینی علم کسی کو نہیں نہ کسی فرشتے کو اور نہ کسی نبی مرسل کو، ② بارش کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، آثار و علامات سے تخمینہ تو لگایا جاسکتا ہے، مگر یہ تخمینے کبھی صحیح ثابت ہوتے ہیں اور کبھی غلط حتیٰ کہ محکمہ موسمیات کے اعلانات بھی بعض دفعہ صحیح ثابت نہیں ہوتے جس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ بارش کا صحیح اور یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، ③ رحم مادر میں مشینی ذرائع سے جنسیت کا ناقص اندازہ تو شاید ممکن ہو کہ بچہ ہے یا بچی؟ لیکن رحم مادر میں نشوونما پانے والا بچہ نیک بخت، ہے یا بد بخت ناقص ہو گیا یا کامل، خوبرو ہو گا یا بد شکل وغیرہ ان باتوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، ④ انسان کل کیا کرے گا؟ خواہ دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا آنے والے کل کے بارے میں کسی کو کچھ یقینی طور پر معلوم نہیں کہ کل کا دن آئے گا یا نہیں، اور وہ کل کیا کچھ کرے گا؟ یہ سب پردہ غیب میں ہے، ⑤ موت کہاں آئے گی؟ گھر میں یا گھر سے باہر اپنے وطن میں یا دیار غیر میں جوانی میں یا بڑھاپے میں کسی کو معلوم نہیں۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۲ شعبان ۱۴۲۱ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۱ء

بسم اللہ

سُورَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُونَ آيَةً

سُورَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُونَ آيَةً.

سورہ سجدہ مکی ہے اور وہ تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ الْقُرْآنَ مُبْتَدَأً لَا رَيْبَ
شَكٍّ فِيهِ خَبْرٌ أَوَّلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ خَيْرٌ ثَانٍ أَمْ بَلْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ مُحَمَّدٌ لَا بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ بِهِ
قَوْمًا مَّا نَافِيَةً أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ يَأْذَارُكَ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ أَوَّلُهَا الْآخِذُ وَالْآخِرُهَا الْجُمُعَةُ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ وَهُوَ فِي اللَّغَةِ سَرِيرُ الْمَلِكِ اسْتَوَاءٌ يَلِيقُ
بِهِ مَا لَكُمْ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ مِنْ دُونِهِ غَيْرُهُ مِنْ وَلِيٍّ اسْمُ مَا بَزِيَادَةٍ مِنْ أَيْ نَاصِرٍ وَلَا شَفِيعٌ يَدْفَعُ عَنْكُمْ عَذَابَهُ
أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝ هَذَا فَتُؤْمِنُونَ يُدِيرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ مُدَّةَ الدُّنْيَا ثُمَّ يَعْرُجُ الْأَمْرُ وَالْتِدْبِيرُ
إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ۝ فِي الدُّنْيَا وَفِي سُورَةِ سَالٍ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ
لِشِدَّةِ أَنْوَالِهِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْكَافِرِ وَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَكُونُ أَخَفَّ عَلَيْهِ مِنْ صَلَوةٍ مَكْتُوبَةٍ يُصَلِّيُهَا فِي الدُّنْيَا
كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ ذَلِكَ الْخَالِقُ الْمُدِيرُ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَيْ مَا غَابَ عَنِ الْخَلْقِ وَمَا حَضَرَ الْعَزِيزُ
الْمُنِيعُ فِي مُلْكِهِ الرَّحِيمِ ۝ بِأَنَّهُ طَاعَتِهِ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ بَفَتْحِ اللَّامِ فِعْلًا مَاضِيًا صِفَةً وَبِسُكُونِهَا
بَدَلُ إِشْتِمَالٍ وَبَدَأَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ أَدَمَ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ ذُرِّيَّتَهُ مِنْ سُلَالَةٍ عُلِقَتْ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ۝ ضَعِيفٌ
بِهِو النَّظْفَةُ ثُمَّ سَوَّاهُ أَيْ خَلَقَ أَدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ أَيْ جَعَلَهُ حَيًّا حَسَّاسًا بَعْدَ أَنْ كَانَ جَمَادًا
وَجَعَلَ لَكُمْ أَيْ الذَّرِيَّةِ السَّمْعَ بِمَعْنَى الْأَسْمَاعِ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفِيدَةَ الْقُلُوبَ قَلِيلًا مِمَّا تَشْكُرُونَ ۝ مَا زَائِدَةٌ
مُسَوِّدَةٌ لِلْقَلْبِ وَقَالُوا أَيْ مُنْكَرُوا الْبَعْثِ إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ غَبْنَا فِيهَا بِأَنْ صِرْنَا تُرَابًا مُخْتَلِطًا بِتُرَابِهَا
عَلَانَا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ اسْتَفْهَامٌ أَنْكَارٌ بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَادْخَالِ الْفَاءِ بَيْنَهُمَا عَلَى
الْوَجْهِينِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ قَالَ تَعَالَى بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ بِالْبَعْثِ كَافِرُونَ ۝ قُلْ لَهُمْ يَتَوَفَّكُم مَلَائِكَةُ الْمَوْتِ

الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ اِي يَقْبِضُ اَرْوَاحَكُمْ ثُمَّ اِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿۱۱﴾ اَحْيَاءُ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوا اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اَلَمْ اَس کی مراد تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، بلاشبہ یہ کتاب قرآن تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے (تنزیل الکتاب) مبتداء ہے (لا شک فیہ) خبر اول ہے (من رب العالمین) خبر ثانی ہے، کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کو محمد ﷺ نے گھڑ لیا ہے؟ نہیں، (نہیں) بلکہ وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ اس قوم کو ڈرائیں کہ جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، مانا فیہ ہے تاکہ وہ آپ کے ڈرانے سے ہدایت حاصل کریں، اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ دن میں پیدا کیا ان میں کا پہلا دن یکشنبہ ہے اور آخری دن جمعہ پھر وہ عرش پر قائم ہو گیا (عرش) لغت میں تخت شاہی کو کہتے ہیں، ایسا قیام جو اس کی شان کے لائق ہے، اے کفار مکہ! تمہارے لئے اس کے علاوہ کوئی حمایتی نہیں ہے (من ولی) من کی زیادتی کے ساتھ صا کا اسم ہے، یعنی کوئی حمایتی نہیں، اور نہ کوئی سفارشی کہ جو تم سے اس کے عذاب کو دفع کر سکے، پھر کیا تم اس کو سمجھتے نہیں ہو کہ ایمان لے آؤ، آسمان سے لیکر زمین تک دنیا کی مدت تک ہر حال کی تدبیر کرتا ہے پھر تمام امور اور تدبیریں اسی کی طرف لوٹ جائیں گی ایسے دن میں کہ جس کی مقدار دنیا میں تمہارے شمار کے اعتبار سے ہزار سال کے برابر ہوگی اور سورہ سأل میں پچاس ہزار سال ہے، اور وہ قیامت کا دن ہے اس کی شدید ہولناکی کی وجہ سے بہ نسبت کافر کے، رہا مومن تو (وہ دن) اس پر ایک فرض نماز پڑھنے کے وقت سے بھی کم ہوگا کہ جس کو دنیا میں پڑھا کرتا تھا، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے، یہ خالق جو کہ تدبیر کرنے والا ہے غائب اور حاضر کا جاننے والا ہے یعنی (ہر اس چیز کا) جو مخلوق کے لئے غائب اور جو ظاہر ہے جو غالب ہے اپنے ملک میں اور نہایت رحم والا ہے اطاعت کرنے والوں پر جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی (خَلَقَهُ) میں لام کے فتح کے ساتھ فعل ماضی ہونے کی وجہ سے، حال یہ ہے کہ (جملہ ہو کر) شیء کی صفت ہے اور سکون لام کے ساتھ بدل الاشتمال ہے، اور انسان یعنی آدم ﷺ کی تخلیق کی ابتداء مٹی سے کی، پھر اس کی نسل کا (سلسلہ) بے وقعت پانی کے جوہر خون بستہ سے جاری کیا اور وہ نطفہ منی ہے اور پھر اس کو یعنی آدم کی تخلیق کو ٹھیک ٹھاک کیا پھر اس میں اپنی روح پھونک دی یعنی اس کو زندگی بخشی اور حساس بنایا حالانکہ وہ جماد (بے حس) تھا اور اسی نے اے اولاد آدم تمہارے کان بنائے سَمِعَ بمعنی اسماع ہے اور آنکھیں بنائیں اور دل بنائے (اس پر بھی) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو مازائدہ قلت کی تاکید کے لئے ہے، اور منکرین بعث نے کہا: کیا جب ہم زمین میں رل مل جائیں گے یعنی زمین میں غائب ہو جائیں گے اس طریقہ پر کہ ہم مٹی ہو جائیں گے اور زمین کی مٹی میں خلط ملط ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی تخلیق میں آجائیں گے؟ یہ استفہام انکاری ہے، دونوں جگہوں میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ (بات یہ ہے) کہ وہ لوگ بعث (بعد الموت) کے ذریعہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر

ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم کو موت کا فرشتہ فوت کرے گا جو تم پر مقرر ہے یعنی تمہاری روحوں کو قبض کر کے پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے، زندہ کر کے، بعد ازاں وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

سورہ سجدہ مکی ہے اس میں تیس آیات ہیں اور بعض کے نزدیک اسی آیات ہیں، البتہ تین آیتیں مدنی ہیں، یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے، ان کے علاوہ نے کہا ہے پانچ آیتیں مدنی ہیں، جن کی ابتداء تنجافی جنوبہم سے ہے، اور انتہاء الذی کنتم بہ تکذبون پر ہے۔

قَوْلٌ: اَلَمْ تَنْزِلِ الْكِتَابَ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ اس میں متعدد ترکیبیں ہو سکتی ہیں مگر بہتر اور آسان وہی ہے جس کو شارح علام نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ تنزیل الكتاب مبتداء اور لا ریب فیہ خبر اول اور من رب العالمین خبر ثانی، مبتداء اپنی دونوں خبروں سے مل کر خبر الم مبتداء کی۔

قَوْلٌ: اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ اَمْ مَنْقُطَعٌ ہے جو معنی میں بل ابقولون افتراه کے ہے اس میں ہمزہ انکاری ہے مگر مفسر علام نے صرف بل تحریر کیا ہے، شاید کہ کاتب سے ہمزہ رہ گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس میں مشرکین کے اس دعوے کا انکار ہے کہ یہ قرآن محمد ﷺ کی خود ساختہ اور گھڑی ہوئی کتاب ہے، اس کا رد اور انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس قسم کا کلام طاقت بشری سے باہر ہے پوری دنیائے عرب کے فصحاء وبلغاء اس کے مثل لانے سے عاجز رہے ہیں، اور آج بھی قرآن کا یہ چیلنج باقی ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مثل تین آیتوں کے کوئی سورت بنا کر پیش کر دے۔

قَوْلٌ: بَلْ هُوَ الْحَقُّ، افتراء کی نفی کرنے کے بعد اثبات حقیقت کے لئے یہ اضراب انتقالی ہے، یہ اضراب ابطالی بھی ہو سکتا ہے یعنی مشرکین کے قول افتراء کو باطل کرتے ہوئے کہا گیا ہے، اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی لیس هو کما قالوا بل هو الحق اب رہا یہ مقولہ کہ کل ما فی القرآن من الاضراب انتقالی تو اس کے علاوہ پر محمول ہوگا (صاوی) آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ حق ہے اور یہ حصر جملہ (بل هو الحق) معرفۃ الطرفین سے مستفاد ہے۔

قَوْلٌ: لَتُنْذِرَ قَوْمًا. تُنْذِرُ دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے پہلا مفعول قَوْمًا ہے، دوسرا محذوف ہے جس کو مفسر نے اپنے قول بہ سے ظاہر کیا ہے اور بعض حضرات نے مفعول ثانی العقاب محذوف مانا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی لَتُنْذِرَ قَوْمًا الْعِقَابِ اور مَا اتَاهُمُ الْخِ قَوْمًا کی صفت ہے۔

قَوْلٌ: لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ یہ ترجی آپ ﷺ کے اعتبار سے ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ قوم کو ہدایت کی امید کے ساتھ ڈراتے رہے اور مایوس نہ ہوئے۔

قَوْلٌ: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ الْخِ جملہ مبتداء خبر ہے۔

قَوْلٌ : مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ مَنْ دُونِهِ، ما کا اسم ہے مَنْ زائدہ ہے، اس عبارت سے مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ ما حجازیہ ہے مَنْ وَلِيٍّ اسم مؤخر ہے، اور مَنْ دُونِهِ خبر مقدم ہے، مگر اس میں یہ اعتراض ہوگا کہ ما کے عامل ہونے کے لئے اس کے اسم و خبر میں ترتیب ضروری ہے حالانکہ یہاں ترتیب باقی نہیں ہے، اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ نحو یوں کے قول ضعیف کے مطابق عمل کیا ہے، اس لئے کہ قول ضعیف کے مطابق ما کے عمل کے لئے ترتیب شرط نہیں ہے، اور بہتر یہ ہے کہ ما کو تمیمیہ مانا جائے اور مَنْ دُونِهِ کو خبر مقدم اور وَلِيٍّ کو مبتداء مؤخر مانا جائے اس لئے کہ قرآن میں قول ضعیف پر حمل کرنا مناسب نہیں ہے۔

قَوْلٌ : أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ہمزہ، محذوف پر داخل ہے، اور فاعل ظہر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے أَغْفَلْتُمْ فَلَا تَتَذَكَّرُونَ هَذَا، هَذَا، تَذَكَّرُونَ کا مفعول ہے۔

قَوْلٌ : يُدَبِّرُ الْأَمْرَ (الآیۃ) یعنی اللہ تعالیٰ جو کہ خالق اور مدبر الامور ہے وہ اپنے ارادے اور علم ازلی کے مطابق مخلوق میں تصرف کرتا ہے یعنی ہر آن اس کی ایک شان ہے اسی کُلُّ یَوْمٍ ہو فی شأن ہر شئی اسی کی قضاء و قدر سے ہوتی ہے۔

قَوْلٌ : مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ قضاء و قدر نازل ہوتی ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مراد وحی کا نزول ہے۔

قَوْلٌ : مَدَّةُ الدُّنْيَا مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی عمر (انسانی) سات ہزار سال ہے اور آپ کی بعثت چھٹے ہزار کے شروع میں ہوئی ہے اور بعض آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی عمر ہزار سال سے زیادہ ہوگی مگر یہ زیادتی پانچ سو سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ (الکشف عن مجاوزة هذه الامة الف، للسیوطی)۔

قَوْلٌ : فِی یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ الْفَ سَنَةٍ یہاں یوم سے معروف یوم مراد نہیں ہے کہ جو دور اتوں کے درمیان محدود ہوتا ہے بلکہ مدت دراز اور عصر طویل مراد ہے اس لئے کہ عرب مدت دراز کو یوم سے تعبیر کرتے ہیں، نحاس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ لغت میں مطلق وقت کے معنی میں بھی مستعمل ہے، لہذا اب تعارض کا وہ اشکال دفع ہو گیا جو سورہ سأل میں خمسین الف سنة اور یہاں الف سنة وارد ہوا ہے، مندرجہ ذیل شعر میں یوم مطلق مدت کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

یومسان: یوم مقامات و اندیۃ ویوم سیر الی الأعداء تأویب

(اعراب القرآن)

قَوْلٌ : ذَلِكَ مبتداء ہے اور عالم خبر اول العزیز خبر ثانی اور الرحیم خبر ثالث اور الذی احسن خبر رابع۔

قَوْلٌ : خَلَقَهُ فعل ماضی کی صورت میں جملہ ہو کر شئی کی صفت ہو تو محلاً مجرور ہوگی اور اگر کُلُّ کی صفت ہو تو محلاً منصوب ہوگی اور اگر خَلَقَهُ سکون لام کے ساتھ ہو جیسا کہ بعض قراءتوں میں ہے تو کُلُّ سے بدل الاشتمال ہوگا۔

قَوْلٌ : وَبَدَأَ اس کا عطف احسن پر ہے اور الانسان مفعول بہ ہے اور من طین خلق کے متعلق ہے، انسان سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور ہ ضمیر کا مرجع آدم ہیں نسل بھی مرجع ہو سکتا ہے یعنی نسل آدم کو رحم مادر میں درست کیا۔

قَوْلًا: مِنْ رُوحِهِ میں اضافت تشریف کے لئے ہے۔

قَوْلًا: جَعَلَ لَكُمْ میں غیبت سے خطاب کی جانب التفات ہے اس لئے کہ مضغہ میں روح پھونکنے کے بعد مخاطب بننے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے السَّمْعُ مصدر بمعنی اسماع ہے۔

قَوْلًا: ادْخَالَ الْفِ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهِینِ یہاں و تروکھا کالفظ چھوٹ گیا ہے، اس طرح کل چار قراءتیں ہوں گی۔

قَوْلًا: فِی الْمَوْضِعِیْنِ مَوْضِعِیْنِ سے مراد اِذَا ضَلَلْنَا اور اِنَّا ہے۔

قَوْلًا: بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كَافِرُونَ یہ انکار بعث سے انکار لقاء کی طرف اضراب ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

سورہ سجدہ کی فضیلت:

صحیح بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورہ السجدہ اور دوسری رکعت میں ھَلْ اَتٰی عَلٰی الْاِنْسَانِ پڑھتے تھے، اور یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کو سونے سے قبل سورہ الم السجدہ اور سورہ ملک تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

السم (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ یہ جھوٹ، جادو، کہانت اور من گھڑت قصے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ رب العالمین کی طرف سے صحیفہ ہدایت ہے اَمْ یَقُولُوْنَ سَیَ بَطُوْرٌ تَوْنِیْخٌ فرمایا، کیا یہ کافر اور مشرک رب العالمین کے نازل کردہ اس کلام بلاغت نظام کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اسے محمد ﷺ نے خود گھڑ لیا ہے؟ ایسی بات نہیں ہے بلکہ یہ تیرے رب کی طرف سے صحیفہ حق ہے تاکہ آپ انہیں ذرائع جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں، اس آیت میں نزول قرآن کی علت کا بیان ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ عربوں میں پہلے نبی تھے، بعض حضرات نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی عربوں میں مبعوث نبی قرار دیا ہے، (واللہ اعلم) اس اعتبار سے قوم سے مراد پھر خاص قریش مراد ہوں گے، جن کی طرف آپ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا۔

مَا اَتٰهُمْ مِنْ نَّذِیْرٍ نَذِیْرٍ سے اس جگہ رسول اصطلاحی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ قریش مکہ میں آنحضرت ﷺ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا تھا، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انبیاء کی دعوت بھی ان تک نہ پہنچی ہو اس لئے کہ دوسری آیت میں واضح طور پر ارشاد ہے وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ یعنی کوئی امت اور جماعت دنیا میں نہیں جس میں کوئی اللہ سے ڈرانے والا اور اللہ کی طرف دعوت دینے والا نہ آیا ہو۔

اس آیت میں لفظ نذیر اپنے عام لغوی معنی میں ہے یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والا وہ خواہ کوئی رسول ہو یا اس کا کوئی نائب یا عالم دین اور داعی، تو اس آیت سے تمام امتوں تک توحید کی دعوت پہنچ جانا معلوم ہوتا ہے، اس کا مقتضی یہ ہے کہ اقوام عرب میں

بھی تو حید کی دعوت پہلے سے ضرور پہنچی ہوگی، مگر اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ یہ دعوت خود کوئی نبی و رسول لے کر آیا ہو ہو سکتا ہے کہ ان کے نابین علماء کے ذریعہ پہنچ گئی ہو، اسلئے اس سورت اور سورہ یسین وغیرہ کی وہ آیتیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قریش عرب میں آپ سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا تھا، ضروری ہے کہ اس میں نذیر سے مراد اصطلاحی معنی کے اعتبار سے رسول و نبی ہوا اگرچہ دعوت ایمان و توحید دوسرے ذرائع سے ان کے پاس پہنچ چکی ہو۔

زمانہ فترت یعنی آپ کی بعثت سے پہلے بعض حضرات کے متعلق ثابت ہے کہ وہ دین ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام پر قائم تھے تو حید پر ان کا ایمان تھا اور بت پرستی اور بتوں کے لئے قربانی سے متنفر تھے۔

روح المعانی میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ عمرو بن نفیل جو آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ سے بھی ملے تھے مگر آپ کی بعثت سے قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا، اسی سال قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی، یہ واقعہ آپ کی بعثت سے پانچ سال قبل کا ہے، ان کا حال موسیٰ بن عقبہ نے یہ نقل کیا ہے کہ قریش کو بت پرستی سے روکتے تھے اور بتوں کے نام پر قربانی کو برا سمجھتے تھے، اور مشرکین کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے۔

اسی طرح ورقہ بن نوفل جو آپ کے زمانہ نبوت شروع ہونے اور نزول قرآن کے وقت موجود تھے، توحید پر قائم تھے اور انہوں رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے کا اپنا عزم ظاہر کیا تھا مگر جلدی ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

فی یومٍ کانَ مقدارُہ الفَ سنۃٌ مِمَّا تَعُدُّونَ یعنی اس دن کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہوگی، اور سورہ معارج میں فرمایا گیا فی یومٍ کانَ مقدارُہ خمسین الفَ سنۃٌ یعنی اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، اس ایک اور پچاس کے فرق کی توجیہ، تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان دیکھ لی جائے، ایک سیدھا سا جواب وہ ہے جو بیان القرآن میں اختیار کیا گیا ہے، کہ اس دن کے ہولناک ہونے کے سبب یہ لوگوں کو بہت دراز معلوم ہوگا، اور یہ درازی اپنے ایمان و اعمال کے اعتبار سے ہوگی جو بڑے مجرم ہوں گے ان کو زیادہ اور جو کم ہیں ان کو کم محسوس ہوگی، یہاں تک کہ بعض لوگوں کو یہ دن ایک ہزار سال اور دوسروں کو وہی دن پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا، حتیٰ کہ مومنین صالحین کو وہی دن ایک فرض نماز کے بقدر معلوم ہوگا، روح المعانی میں اور بھی متعدد توجیہات بیان کی گئی ہیں مگر سب کی سب قیاسات اور تخمینات کے قبیل سے ہیں، ایسی چیز جس کو قرآن کا مدلول کہا جاسکے نہیں اس لئے اسلم اور بہتر طریقہ وہی ہے جو سلف صالحین اور صحابہ و تابعین نے اختیار کیا ہے کہ اس ایک اور پچاس کے فرق کو علم الہی کے حوالہ کیا جائے، اور واللہ اعلم کہنے پر اکتفا کیا جائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔

الَّذی أَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهُ یعنی جو چیز بھی اللہ نے بنائی ہے چونکہ وہ اس کی حکمت اور مصلحت کے اقتضاء کے مطابق ہے، اس لئے اس میں اپنا ایک حسن اور انفرادیت ہے اس اعتبار سے اس کی ہر بنائی ہوئی چیز حسین ہے اور ان میں سب سے زیادہ حسین اور بہتر انسان کو بنایا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ دیگر مخلوقات خواہ بظاہر کتنی ہی بری سمجھی جاتی ہوں، مثلاً کتا، خنزیر، سانپ، بچھو وغیرہ مگر مجموعہ عالم کے مصالح کے لحاظ سے ان میں کوئی برا نہیں۔

وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ اوپر بیان فرمایا کہ کارخانہ عالم میں یوں تو ہر چیز حسین ہے مگر انسان سب سے زیادہ حسین اور بہتر ہے مگر یہ اس لئے نہیں کہ انسان کا مادہ جس سے انسان کو بنایا گیا ہے، وہ سب سے بہتر تھا اس لئے انسان سب سے زیادہ بہتر ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا مادہ تخلیق سب سے کمتر یعنی مٹی یا مٹی ہے، اول انسان، آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا جو عناصر اربعہ میں کمتر ہے اور دیگر انسانی ذریت کو مادہ منویہ سے پیدا فرمایا جو کہ کمتر اور ناپاک بھی ہے۔

قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ اس سے سابقہ آیت میں منکرین قیامت کو تنبیہ اور ان کے استعجاب کا جواب تھا کہ مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ کس طرح زندہ ہوں گے؟ اس آیت میں اس بات کا بیان ہے کہ انسان کو موت خود بخود نہیں آتی بلکہ ہر ذی روح کی موت کا ایک وقت مقرر ہے اور اس کے لئے حضرت عزرائیل علیہ السلام کی زیر قیادت فرشتوں کا ایک نظام قائم ہے، جس کی جس وقت اور جس جگہ موت مقرر ہے ٹھیک اسی جگہ اور اسی وقت اس کی روح قبض کر لی جاتی ہے، اس آیت میں ”ملک الموت“ بلفظ مفرد ذکر کیا گیا ہے اس سے حضرت عزرائیل علیہ السلام مراد ہیں، اور ایک دوسری آیت میں بلفظ جمع ذکر کیا گیا ہے الذین تتوففہم الملائکۃ اس میں اشارہ ہے کہ قبض روح کی خدمت تنہا حضرت عزرائیل انجام نہیں دیتے ان کے ماتحت بہت سے فرشتے شریک کار ہیں۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسَ رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ مُطَاطِبُونَ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا مَا أَنْكَرْنَا مِنَ الْبَغْثِ وَسَمِعْنَا مِنْكَ تَصْدِيقَ الرُّسُلِ فِيمَا كَذَبْنَا بِهِمْ فِيهِ فَارْجِعْنَا إِلَى الدُّنْيَا نَعْمَلْ صَالِحًا فِيهَا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿۱۷﴾ الْآنَ فَمَا يَنْفَعُهُمْ ذَلِكَ وَلَا يُرْجِعُونَ وَجَوَابُ لَوْ لَرَأَيْتَ أَمْرًا فُظِيْعًا قَالَ تَعَالَى وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى فَتَهْتَدَىٰ بِالْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ بِاخْتِيَارٍ مِنْهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ الْبَغِثِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۸﴾ وَتَقُولُ لَهُمُ الْحَزَنَةُ إِذَا دَخَلُوبَا فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا أَيْ بِتَرْكِكُمْ الْإِيمَانَ بِهِ إِنَّا نَسِينَاكُمْ تَرْكَنَا فِي الْعَذَابِ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ الدَّائِمِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ مِنَ الْكُفْرِ وَالتَّكْذِيبِ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الْقُرْآنَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا وَعَظُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا مُتَلَبِّسِينَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ أَيْ قَالُوا سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۲۰﴾ عَنِ الْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ تَرْفَعُ عَنِ الْمَضَاجِعِ مَوَاضِعَ الْإِضْطِجَاعِ بِفَرْشِهَا لِصَلَاتِهِمْ بِاللَّيْلِ تَهْجُدًا يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا مِنْ عِقَابِهِ وَطَمَعًا فِي رَحْمَتِهِ وَمِمَّا زَرَقْنَاهُمْ يُفْقُونَ ﴿۲۱﴾ يَتَصَدَّقُونَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ مَا تَقْرِبُهِ أَغْيُسُهُمْ وَفِي قِرَاءَةِ سُكُونِ الْبَيَاءِ مُضَارِعٌ جَزَاءٌ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۲﴾ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ﴿۲۳﴾ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا وَهُوَ مَا يُعْدُّ لِلْضَّيْفِ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۴﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا بِالْكَفْرِ وَالتَّكْذِيبِ فَمَا لَهُمْ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿۲۵﴾ وَلَنَذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ

الْأَدْنَىٰ عَذَابِ الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْأَسْرِ وَالْجَذْبِ سَنِينَ وَالْإِسْرَاضِ دُونَ قَبْلِ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ عَذَابِ الْآخِرَةِ لَعَلَّهُمْ
 اِی مَنْ بَقِيَ مِنْهُمْ يَرْجِعُونَ ⑩ اِلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ اَظْلَمَ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ الْقُرْآنَ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِی
 لَا اَحَدًا اَظْلَمَ مِنْهُ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ اِی الْمُشْرِكِيْنَ مُنْتَقِمُونَ ⑪

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھیں جبکہ گنہگار لوگ یعنی کافر اپنے رب کے سامنے سرنگوں ہوں گے یعنی ندامت کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے مرنے کے بعد زندہ ہونے کو دیکھ لیا جس کے ہم منکر تھے، اور تیری جانب سے رسولوں کی ان باتوں کی تصدیق سن لی جن باتوں میں ہم ان کی تکذیب کیا کرتے تھے اب تو ہمیں دنیا میں واپس لوٹا دے ہم دنیا میں جا کر نیک اعمال کریں گے اب ہم کو یقین آ گیا ان کو ان کا (یہ اقرار و یقین) کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ ان کو دنیا میں واپس لوٹایا جائے گا، اور لو کا جواب لَرَأَيْتَ اَمْرًا فُطِيعًا مَحْذُوفٌ ہے اور اگر ہم چاہتے تو ہر ایک کو ہدایت نصیب فرما دیتے تو وہ ایمان و اطاعت کو قبول کر کے ہدایت یافتہ ہو جاتا، لیکن میری بات بالکل حق ہو چکی ہے اور وہ یہ ہے کہ میں بالیقین جہنم کو جن اور انسانوں سے پر کر دوں گا جب وہ جہنم میں داخل ہوں گے تو جہنم کے نگران ان سے کہیں گے کہ اب تم اس دن کو فراموش کرنے کے عذاب کا مزہ چکھو یعنی تمہارے اس دن پر ایمان کو ترک کرنے کی وجہ سے ہم نے بھی تم کو بھلا دیا (یعنی) تم کو عذاب میں چھوڑ دیا اور تم اپنے اعمال (کی شامت) یعنی کفر و تکذیب کے دائمی عذاب کا مزہ چکھو ہماری آیتوں (یعنی) قرآن پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جنہیں جب بھی اس کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں یعنی سبحان اللہ و بحمدہ کہتے ہیں اور وہ ایمان و طاعت کے مقابلہ میں تکبر نہیں کرتے اور ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں یعنی راتوں میں تہجد کی نماز پڑھنے کی وجہ سے خوابگا ہوں میں بچھے ہوئے بستر کو چھوڑ دیتے ہیں اپنے رب کو اس کے عذاب کے خوف اور اس کی رحمت کی امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے راہ خدا میں صدقہ کرتے ہیں اور کوئی نفس اس کو نہیں جانتا جو ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پردہ غیب میں مخفی کر رکھا ہے یعنی ایسا سامان کہ جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، اور ایک قراءت میں (اُخْفِی) کی یا کے سکون کے ساتھ مضارع کا صیغہ ہے یہ ان کے اعمال کے صلہ کے طور پر ہے، کیا وہ شخص جو مومن ہو اس کے مثل ہو سکتا ہے جو فاسق ہو؟ برابر نہیں ہو سکتے یعنی مومن اور فاسق (کافر) برابر نہیں ہو سکتے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بھی کئے تو ان لوگوں کے لئے دائمی ٹھکانہ جنتوں میں بطور مہمانی کے ہوگا (نُزُل) اس چیز کو کہا جاتا ہے جو مہمان کے لئے تیار کی جاتی ہے اور جن لوگوں نے کفر و تکذیب کے ذریعہ حکم عدولی کی تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جب بھی جہنم سے باہر نکلنا چاہیں گے اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہہ دیا جائے گا اس دوزخ کا عذاب چکھو جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے اور ہم ان کو قتل و قید اور قحط سالی اور امراض کا

اولیٰ دنیوی عذاب (بھی) چکھائیں گے عذاب آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ یعنی جوان میں سے باقی رہ گئے ہیں ایمان کی طرف رجوع کریں اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں یعنی قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جائے پھر وہ اس سے اعراض کرے؟ یعنی ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں یقیناً ہم مجرموں یعنی مشرکوں سے انتقام لیں گے۔

تَحْقِيقُ وَتَرْكِيبُ تَسْبِيلٍ وَتَفْسِيرُ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: وَلَوْ تَرَىٰ اِذَا الْمَجْرُمُونَ رُزِقِيَامَتِ مَجْرَمِينَ کی عام حالت کو بیان کرنے کے لئے یہ جملہ مستأنفہ ہے، خطاب آپ ﷺ کو ہے یا ہر وہ شخص مخاطب ہے جس میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہے اس آیت میں مجرموں کی روز محشرنا گفتہ بہ حالت کی منظر کشی کی گئی ہے، اور ان کی معنوی حالت کو محسوس و مجسم کر کے پیش کیا گیا ہے، لَسُوْا اور اِذَا اگرچہ ماضی کے لئے ہیں مگر یہاں مضارع پر داخل ہیں اس لئے کہ مجرمین کی حالت مذکورہ کا وقوع یقینی ہے اس لئے ان کا مضارع پر داخل ہونا درست ہے اور ابوالبقاء نے کہا ہے کہ اِذَا، اِذَا کی جگہ واقع ہے۔

قَوْلُهُ: الْمَجْرُمُونَ مبتدا ہے اور فاعل سوارء و سهم اس کی خبر ہے، جملہ فعلیہ کے بجائے جملہ اسمیہ اختیار کرنے کا مقصد ان کی سرنگونی اور حالت ندامت کے دوام پر دلالت کرنا ہے۔

قَوْلُهُ: تَرَىٰ کا مفعول محذوف ہے اس لئے رویت سے رویت بصریہ مراد ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَوْ تَرَى الْمَجْرَمِينَ جواب لَوْ محذوف ہے اِی لَرَأَيْتَ اَمْرًا فِطْرِيًّا لَا يُمْكِنُ وَصْفُهُ اور علامہ زمخشری نے لَوْ کو تمنی کے لئے کہا ہے اس صورت میں جواب کی ضرورت نہ ہوگی۔

قَوْلُهُ: يَقُولُونَ رَبَّنَا مفسر علام نے یقولون کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ رَبَّنَا بتقدیر قول حال ہے اِی قائلین یا رَبَّنَا۔

قَوْلُهُ: ابْصَرْنَا فعل بافاعل ہے اور مفعول محذوف ہے اِی ابْصَرْنَا صِدْقَ وَعْدِكَ وَوَعْدِكَ۔

قَوْلُهُ: سَمِعْنَا کا عطف ابصرنا پر ہے سَمِعْنَا کا بھی مفعول محذوف ہے اِی سَمِعْنَا مِنْكَ تَصْدِيقَ رُسُلِكَ اور یہ بھی جائز ہے کہ مفعول محذوف نہ مانا جائے، اِی صِرْنَا مِمَّنْ يَبْصُرُ وَيَسْمَعُ وَكَثَا مِنْ قَبْلِ صَمًّا وَعَمِيَانًا۔

قَوْلُهُ: نَعْمَلْ جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے۔

قَوْلُهُ: فَتَهْتَدِيْ یہ لَوْ کا جواب ہے جس کو شارح نے ظاہر کر دیا ہے۔

قَوْلُهُ: بَلَّغْكُمْ مفسر علام نے نسیان کی تفسیر ترک سے کر کے اشارہ کر دیا کہ نسیان سے دونوں جگہ لازم معنی مراد ہیں اس لئے کہ نسیان کے لئے ترک لازم ہے، ورنہ تو نسیان پر مواخذہ نہیں ہے، نیز اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب نسیان کی نسبت

محال ہے یہ نسبت استعارہ یا مجاز مرسل کے طور پر ہی ہو سکتی ہے۔

قَوْلًا: ذوقوا عذاب الخلد کی تکرار اول ذوقوا کے مفعول محذوف ہونے پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔

قَوْلًا: بما كنتم من الكفر والتكذيب، ما کا بیان ہے۔

قَوْلًا: تتجافى جنوبهم، تتجافى سے مضارع واحد مؤنث غائب، دور رہتی ہے، الگ رہتی ہے، یہ جملہ متانفہ بھی ہو سکتا ہے اور يستكبرون کی ضمیر سے حال بھی ہو سکتا ہے، اسی طرح يدعون میں بھی یہی دونوں احتمال ہیں، يدعون کو حال قرار دینے کی صورت میں یہ بھی احتمال ہے کہ حال ثانیہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ جنوبہم کی ضمیر سے حال ہو۔

قَوْلًا: خوفًا وطمعًا یہ دونوں مفعول لہ ہیں، اور حال بھی ہو سکتے ہیں اور فعل محذوف کے مفعول مطلق بھی ہو سکتے ہیں ای جو زوا جزاء اور اخفی کا مفعول لہ بھی ہو سکتے ہیں ای اخفی لاجل جزاء ہم۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِيحٌ

وَلَوْ تَرَىٰ اس آیت میں مجرمین کی اس ناگفتہ بہ حالت کا بیان ہے جو محشر میں رب العالمین کے روبرو پیشی کے وقت ذلت و رسوائی کی صورت میں ہوگی، ذلت و رسوائی ندامت و شرمندگی کو جو کہ معنوی اور غیر مرئی شئی ہے اللہ تعالیٰ نے محسوس اور مرئی صورت میں بیان فرمایا ہے، اور مجرمین سے یہاں وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے کہا تَهَانًا إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ ۚ أَنَا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ جب ہم خاک میں رل مل جائیں گے تو کیا ہم کو نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا؟ مذکورہ مجرمین کہیں گے کہ ہمارے کان اور آنکھیں کھل گئیں، پیغمبر جو فرمایا کرتے تھے اب ہم کو ان کا یقین آگیا بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا، اب ایک مرتبہ پھر دنیا میں بھیج دیجئے، دیکھئے ہم کیسے نیک کام کرتے ہیں، مگر اس وقت کا یقین کرنا کچھ کام نہ آئے گا اب تو اللہ کا عذاب ان پر ثابت ہو چکا بھگتنا ہی پڑے گا، اس لئے کہ ایمان وہی معتبر ہوتا ہے جو غائبانہ ہو ورنہ عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد تو ہر مشرک و کافر ایمان لے ہی آتا ہے، لہذا ایمان بالمشاہدہ معتبر نہیں، یہی وجہ ہے کہ حالت غرغره کا ایمان معتبر نہیں ہے، آگے آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے فرماتے ہیں کہ آپ اہل مکہ کے ایمان نہ لانے پر اس قدر غم نہ کریں، کہ خود کو ہلاک ہی کر ڈالیں، اس لئے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر کافر و مشرک کو ایمان کی ہدایت عطا کر دیتے لیکن یہ ہدایت جبری ہوتی جس میں امتحان اور آزمائش کی گنجائش نہ ہوتی آزمائش تو اختیاری ایمان ہی میں ہوتی ہے، دوسری جگہ فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (انعام: رکوع ۳) یعنی جھوٹے ہیں اگر دنیا کی طرف لوٹائے جائیں پھر ان کی وہی روش رہے گی، ان کی طبیعت کی افتاد ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ شیطان کے اغوا کو قبول کر لیں اور اللہ کی رحمت سے دور بھاگیں، بلاشبہ ہم کو قدرت ہے اگر ہم چاہتے تو تمام انسانوں کو زبردستی اسی راہ ہدایت پر قائم رکھتے جس کی طرف انسان کا دل فطرۃً رہنمائی کرتا ہے لیکن اس طرح سب کو ایک ہی طور و طریق اختیار کرنے کے لئے مضطر و مجبور کر دینا حکمت کے خلاف تھا، اور وہ بات بھی پوری ہونی تھی جو

ابلیس کے دعوے لَاغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ کے جواب میں فرمائی تھی فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقْوَلُ لَاأَمْلِكُ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ معلوم ہوا کہ یہاں جن والنس سے شیاطین اور ان کے اتباع مراد ہیں، اِنَّا نَسِينُكُمْ مِّنْ نَّسْيَانٍ سے ترک کرنا اور نظر انداز کرنا مراد ہے جو کہ نسیان کے لئے لازم ہے، اس لئے کہ نسیان اللہ تعالیٰ سے محال ہے۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا (الآیۃ) سے اسلوب قرآنی کے مطابق تقابل کے طور پر مومنین اور ان کے اوصاف کا ذکر ہے یعنی مشرکین متمردين کے برخلاف مومنین کا حال یہ ہے کہ وہ خوف و خشیت اور خشوع و خضوع سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں، زبان سے اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں دل میں کبر و غرور نہیں، مومنین مخلصین کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ سردی کے موسم میں میٹھی نیند اور نرم گرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اس سے مراد تہجد کی نماز ہے، روایات حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، مسند احمد، ترمذی، نسائی وغیرہ میں حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا، ایک روز میں دوران سفر صبح کے وقت آپ ﷺ کے قریب ہوا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کرے، اور جہنم سے دور کرے، آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ایک بڑی چیز کا سوال کیا مگر جس کو اللہ آسان کر دے اس کے لئے آسان ہو جاتی ہے، اور فرمایا کہ وہ عمل یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور بیت اللہ کا حج کرو اور پھر فرمایا کہ لو اب میں تم کو خیر کے ابواب بتلاتا ہوں وہ یہ ہیں روزہ و ہال ہے جو عذاب سے بچاتا ہے، اور صدقہ آدمی کے گناہوں کی آگ کو بجھا دیتا ہے، اسی طرح آدمی کی نماز درمیان شب میں، اور یہ فرما کر قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ

حضرت قتادہ، ابوالدرداء اور ضحاک رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے فرمایا ہے کہ پہلوؤں کے بستروں سے الگ ہونے کی صفت ان لوگوں پر بھی صادق آتی ہے جو عشاء کی نماز جماعت سے ادا کریں پھر فجر کی نماز جماعت سے ادا کریں، اور ترمذی میں صحیح سند کے ساتھ انس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَشَاءَ کی نماز سے پہلے نہ سونے اور جماعت عشاء کا انتظار کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں سے متعلق ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھتے ہیں (رواہ محمد بن نصر) اور حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ جب آنکھ کھلے اللہ کا ذکر کریں لیٹے بیٹھے اور کروٹ پر وہ بھی اس میں داخل ہیں، امام تفسیر ابن کثیر نے فرمایا کہ ان تمام اقوال میں کوئی تعارض نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ان سب کو شامل ہے آخر شب کی نماز ان سب میں اعلیٰ و افضل ہے۔ (بیان القرآن)

اور حضرت اسماء بنت یزید رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین و آخرین کو جمع فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی کھڑا ہوگا جس کی آواز تمام مخلوق سنے گی، وہ ندا دے گا کہ آج اہل محشر جان لیں گے کہ اللہ کے نزدیک کون لوگ عزت و اکرام کے مستحق ہیں، پھر وہ فرشتہ ندا دے گا کہ اہل محشر میں سے وہ

لوگ کھڑے ہوں جن کی صفت یہ تھی تتجافی جنوبہم عن المضاجع یعنی ان کے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں، اس آواز پر یہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کی تعداد قلیل ہوگی اور اسی روایت کے بعض الفاظ میں ہے کہ یہ لوگ بغیر حساب کے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے، اس کے بعد اور تمام لوگ کھڑے ہوں گے ان سے حساب لیا جائے گا۔ (مظہری)

يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا یعنی اس کی رحمت و فضل و کرم کی امید بھی رکھتے ہیں اور اس کے عتاب و غضب اور مواخذہ و عذاب سے ڈرتے بھی ہیں، محض امید ہی امید نہیں رکھتے کہ عمل سے بے پرواہ ہو جائیں (جیسا کہ بے عمل اور بد عمل لوگوں کا شیوہ ہے) اور نہ عذاب و مواخذہ کا اتنا خوف طاری کر لیتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے مایوس ہو جائیں کہ یہ مایوسی بھی کفر و ضلالت ہے۔

فَائِدَةٌ: انفاق میں صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں شامل ہیں اہل ایمان حسب استطاعت دونوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مِّنْ نَّفْسٍ نَّكَرَہ ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یعنی ان نعمتوں کی حقیقت کو کما حقہ کوئی نہیں جانتا جو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ اہل ایمان کے لئے مخفی رکھی ہیں، ان کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ نے یہ حدیث قدسی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا گزر ہوا۔ (صحیح بخاری تفسیر سورہ سجدہ)

تَذَكُّيرٌ: اس حدیث کو لے کر سرسید وغیرہ نے جنت کی جسمانی نعمتوں کا انکار کیا ہے، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا اس کے جواب میں ”ہدیہ سنہ“ کے نام سے ایک مضمون چھپا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔ (فوائد عثمانی)

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا (الآیۃ) یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں مومن و کافر، فرمانبردار اور نافرمان برابر نہیں ہو سکتے، اگر دونوں کا انجام برابر ہو جائے تو یہ عدل کے خلاف ہوگا (نعوذ باللہ) یہ اندھیرنگری جیسا معاملہ ہو جائے گا، بلکہ ان دونوں فریقوں کے درمیان بڑا فرق ہوگا، مومن اللہ کے مہمان ہوں گے نیز اعزاز و اکرام کے مستحق، اور فاسق و کافر تعزیر و عقوبت کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے جہنم کی آگ میں جھلسیں گے، جہنم کے عذاب کی شدت اور ہولناکی سے گھبرا کر جہنمی باہر نکلنا چاہیں گے یا کبھی کبھی آگ کے شعلے جہنمیوں کو دروازے کی طرف پھینک دیں گے اس وقت شاید نکلنے کا خیال کریں فرشتے پھر ادھر ہی دھکیل دیں گے کہ جاتے کہاں ہو؟ جس چیز کو جھٹلاتے تھے ذرا اس کا مزہ چکھو (فوائد عثمانی) آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے دنیوی چھوٹے عذاب مثلاً دنیا کی مصیبتیں امراض، بعض کے نزدیک ادنیٰ عذاب سے وہ قتل مراد ہے جس سے کافر عزوۃ بدر میں دوچار ہوئے تھے، یا وہ قحط سالی جو مکہ والوں پر مسلط کی گئی تھی مراد ہے، دنیوی مصائب و آلام بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ جس کے لئے رجوع کی توفیق مقدر ہے وہ خدا کی طرف رجوع ہو جائے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ التَّوْرَةَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ وَقَدْ آتَيْنَا لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ وَجَعَلْنَاهُ

ای موسیٰ او الکتاب هُدًى هَادِيًا لِّبَنِي إِسْرَآئِيلَ ۖ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَتَيْنِ وَابْدَالِ

الثانیۃ یاء قادیۃ یَهْدُونَ الناس بِأَمْرِنَا لِمَا صَبَرُوا عَلَى دِينِهِمْ وَعَلَى الْبَلَاءِ مِنْ عَذَابِهِمْ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا الْدَالَّةِ عَلَى قُدْرَتِنَا وَوَحْدَانِيَّتِنَا يُوقِنُونَ^{۱۹} وَفِي قِرَاءَةِ بِكْسَرِ اللَّامِ وَتَخْفِيفِ الْمِيمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ^{۲۰} مِنْ أَمْرِ الَّذِينَ أَوْلَمَ يَهْدِي لَهُمْ كَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ أَى لَمْ يَتَّبِعْ لِكُفَّارِ نَكَّةِ انْبِلَا كُنَّا كَثِيرًا مِنَ الْقُرُونِ الْأَتَمِ بِكُفْرِهِمْ يَمْشُونَ حَالًا مِنْ ضَمِيرِ لَهُمْ فِي مَسْكِتِهِمْ فِي أَنْفَارِهِمْ إِلَى الشَّامِ وَغَيْرِهَا فَيَعْتَبِرُوا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَبْصَارِ^{۲۱} سَمَاعٌ تَذَبُّرٌ وَاتِّعَاطٌ أَوْلَمَ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ الْيَابِسَةِ الَّتِي لَا نَبَاتُ فِيهَا فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ^{۲۲} بِهَذَا فَيَعْلَمُونَ أَنَّا نَقْدِرُ عَلَى إِعَادَتِهِمْ وَمَتَّى هَذَا الْفَتْحُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ^{۲۳} قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ يَنْزِلُ الْعَذَابُ بِهِمْ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ^{۲۴} يُنْمِلُونَ لِقَايَةَ أَوْ مَعْدَرَةَ فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ وَانْتَظَرُوا انْزَالَ الْعَذَابِ بِهِمْ إِنَّهُمْ مُنْتَظَرُونَ^{۲۵} بِكَ حَادِثِ مَوْتٍ أَوْ قَتْلِ فَيَنْسْتَرْيَحُونَ مِنْكَ وَبِهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ يَقْتَالُهُمْ.

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتابِ تورات عطا کی سو آپ کو ان کی ملاقات کے بارے میں ہرگز شک نہ کرنا چاہئے اور ان دونوں حضرات کی ملاقات لیلۃ الاسراء میں ہوئی اور ہم نے ان کو یعنی موسیٰ یا کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے رہنما بنایا اور جب ان لوگوں نے اپنے دین پر (قائم رہنے) اور اپنے دشمنوں کی جانب سے ایذاؤں پر صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے (السمۃ) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور ثانی ہمزہ کوئی سے بدل کر بمعنی پیشوا اور ان آیات پر ایمان رکھتے تھے جو ہماری قدرت اور ہماری وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں، اور (لَمَّا) ایک قراءت میں لام کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے (یعنی لَمَّا) یقیناً آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں (یعنی) امور دین کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں کیا اس بات نے بھی ان کو ہدایت نہیں دی کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی امتوں کو ان کے کفر کے سبب سے ہلاک کر دیا، حالانکہ یہ لوگ اپنے شام وغیرہ کے سفر میں ان کے مکانوں سے گزرتے ہیں کہ عبرت حاصل کریں، بلاشبہ اس میں ہماری قدرت کے دلائل ہیں کیا یہ تدبیر و تذکر کے طور پر سنتے نہیں ہیں کیا یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف جس میں گھاس نہیں ہوتی پہنچاتے ہیں پھر اس پانی سے ہم کھیتی اگاتے ہیں جس سے وہ اور ان کے جانور کھاتے ہیں کیا پھر بھی یہ اس کو نہیں دیکھتے کہ سمجھ جائیں کہ ہم دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہیں، اور مومنین سے کہتے ہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) آپ کہہ دیجئے ان پر عذاب نازل کر کے فیصلے کے دن ان کافروں کو ان کا ایمان کچھ فائدہ نہ دے گا اور نہ ان کو توبہ یا عذر خواہی کیلئے مہلت دی جائے گی اب آپ ان کا خیال چھوڑ دیجئے اور ان پر نزول

عذاب کا انتظار کیجئے وہ بھی آپ پر حادثہ موت یا قتل کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ وہ آپ سے راحت پا جائیں، اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: مَرِیَّة اسم مصدر بمعنی تردد، شک لِقَائِهِ ضمیر کے مرجع میں چند اقوال ہیں ① موسیٰ عَلَیْهِ السَّلَام کی طرف راجع ہے اور لقاء مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مِنْ لِقَائِكَ موسیٰ لیلۃ الإسراء ② کتاب کی طرف راجع ہے، اس صورت میں مصدر کی اضافت فاعل اور مفعول دونوں کی طرف درست ہوگی، فاعل کی طرف اضافت کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی مِنْ لِقَاءِ الْكِتَابِ لِمُوسَى اور مفعول کی طرف بھی درست ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی لِقَاءِ موسیٰ الْكِتَابِ یہ بھی احتمال ہے کہ لِقَائِهِ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو، اِی مِنْ لِقَاءِ موسیٰ اللہ اس صورت میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہوگی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ لِقَائِهِ کی ضمیر موسیٰ کی طرف راجع ہو اس صورت میں اضافت فاعل کی طرف ہوگی، یعنی اے محمد ﷺ آپ موسیٰ کی اللہ سے ملاقات کے بارے میں شک نہ کیجئے یا اللہ کی موسیٰ عَلَیْهِ السَّلَام سے ملاقات کے بارے میں شک نہ کیجئے (اعراب القرآن لابی البقاء) ان اقوال کے علاوہ بھی اقوال ہیں مگر وہ ضعف سے خالی نہیں۔

قَوْلًا: اُئِمَّة اس میں ایک قراءت ہمزہ کوئی سے بدل کر بھی ہے یعنی اِئِمَّة اور یہ قراءت عربیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ قراءت سبعہ کے اعتبار سے اور شرح عقائد میں ہے کہ اُئِمَّة کی اصل اُئِمَّة تھی اس لئے کہ یہ امام کی جمع ہے دو میم جمع ہوئے، اول کا ثانی میں ادغام کر دیا، نیز حرکت نقل کر کے ہمزہ کو دیدی ائِمَّة ہو ادو ہمزوں کے اجتماع کی کراہت کی وجہ سے ہمزہ مکسورہ کو کی سے بدل دیا اِئِمَّة ہو گیا۔

قَوْلًا: قَادۃ یہ قائد کی جمع ہے بمعنی رہبر، کشندہ، جیسا کہ سادۃ سید کی جمع ہے۔

قَوْلًا: لَمَّا صَبَرُوا جمہور کی قراءت میں لام کے فتح اور میم کی تشدید کے ساتھ ہے لَمَّا، حِیْنَ کے معنی میں ہے اور جملہ جزائیہ ہے اِی جَعَلْنَاهُمْ اِئِمَّة حِیْنَ صَبَرُوا، صَبَرُوا کی ضمیر اِئِمَّة کی طرف راجع ہے اور لَمَّا کا جواب محذوف ہے جس پر جَعَلْنَاهُمْ مِنْهُمْ دلالت کر رہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَمَّا صَبَرُوا جَعَلْنَاهُمْ اِئِمَّة حمزہ اور کسائی کی قراءت میں لَمَّا لام کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے اس صورت میں لام تعلیلیہ ہوگا اور ما مصدر یہ اِی بسبب صبرہم علی دینہم و علی البلاء مِنْ عَدُوِّهِمْ (جمل)

قَوْلًا: بَيْنَهُمْ سے یا تو انبیاء عَلَیْہِ السَّلَام اور ان کی امتیں مراد ہیں، یا مومنین و مشرکین مراد ہیں۔

قَوْلًا: اَوْ لَمْ يَهْدِلْهُمْ کا عطف محذوف پر ہے اِی اَغْفُلُوا وَلَمْ يَتَّبِعْنِ لَهُمْ يَا الْمَرِیَّتَظُوا۔

قَوْلًا: يَهْدِلْهُمْ کا فاعل مضمون جملہ ہے جیسا کہ مفسر علام نے هَلَاكُنَا کہہ کر اشارہ کر دیا ہے، اگر حذف فاعل پر قرینہ موجود

ہو تو فاعل کو حذف کرنا جائز ہے۔

قَوْلًا: فِي ذَلِكَ اِی فِي كَثْرَةِ اِهْلَاكِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ.

قَوْلًا: الْجُرُزُ اس زمین کو کہتے ہیں جس کی گھاس وغیرہ کاٹ کر سپاٹ میدان کر دیا گیا ہو یا بسے اس کے لازم معنی ہیں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰی الْكِتَابَ.

سُئِلَ: اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اعطاء کتاب کا ذکر کس مناسبت سے کیا گیا ہے؟ حالانکہ زمانہ کے اعتبار سے آپ ﷺ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریب ہیں۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت سے احوال میں قریبی مشابہت ہے، جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا، دوسری وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں پر حجت قائم کرنی مقصود تھی وہ یہود و نصاریٰ ہیں یہود چونکہ حضرت عیسیٰ کی نبوت کے قائل نہیں تھے اس لئے اگر عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا جاتا تو یہود کے لئے قابل قبول نہ ہوتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ یہود و نصاریٰ کے لئے متفق علیہ نبی ہیں دونوں ان کو مانتے ہیں جس کی وجہ سے دونوں کے لئے قابل قبول تھے، اس وجہ سے بھی حضرت موسیٰ کے ذکر کو اختیار فرمایا۔ (صاوی مع الاضافة)

وَلَقَدْ اَتَيْنَا (الآیة) یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی بلاشبہ موسیٰ کو کتاب دی گئی اور آپ کو بھی اسی طرح کتاب ملی ہے اس میں بھی شک و شبہ نہیں ہے، یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر فرمادیا کہ آپ کی ملاقات شب معراج میں جو موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تھی وہ حقیقت ہے کوئی دھوکا یا نظر بندی نہیں ہے۔ (فوائد عثمانی)

فَلَا تَكُنْ فِی مَرِیۡۃٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَاجِدِیْ نَے فرمایا کہ مفسرین نے کہا ہے آنحضرت ﷺ سے وعدہ فرمایا گیا کہ آپ کی ملاقات دنیوی زندگی ہی میں موسیٰ علیہ السلام سے ہوگی، لہذا آپ کی ملاقات بیت المقدس میں لیلۃ الاسراء میں اور آسمانوں پر معراج میں ہوئی۔

لِقَاء کے معنی ملاقات کے ہیں، اس آیت میں کس کی ملاقات کس سے مراد ہے اس میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ لقائہ کی ضمیر کتاب یعنی قرآن کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کتاب دی تھی آپ بھی اپنی اس کتاب کے آنے میں کوئی شک نہ کریں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں قرآن کے متعلق ایسے الفاظ آئے ہیں وَانَّكَ لَتَلْقٰی الْقُرْآنَ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی تفسیر اس طرح منقول ہے کہ لقائہ کی ضمیر حضرت موسیٰ کی طرف راجع ہے اور اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام کے

ساتھ ہونے کی خبر دی گئی ہے، اور فرمایا کہ آپ اس میں شک نہ کریں کہ آپ کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوگی، چنانچہ ایک ملاقات کا تو شب معراج میں ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے پھر قیامت میں ملاقات ہونا بھی ثابت ہے۔

اور حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ایک کتاب دی گئی اور لوگوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کو ستایا، آپ بھی یقین رکھیں کہ یہ سب چیزیں آپ کو بھی پیش آئیں گی اس لئے آپ کفار کی ایذاؤں سے رنجیدہ نہ ہوں بلکہ اس کو سنت انبیاء سمجھ کر برداشت کریں۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أُمَّةً (الآیۃ) اس آیت سے صبر کی فضیلت واضح ہے، صبر کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اوامر کے بجالانے اور ترک زواجر میں، اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق اور ان کے اتباع میں جو تکلیفیں آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے صبر کرنے اور آیات الہیہ پر یقین رکھنے کی وجہ سے ہم نے ان کو دینی امامت اور پیشوائی کے منصب پر مائز کیا، لیکن جب انہوں نے اس کے برعکس تبدیل و تحریف کا ارتکاب کیا تو ان سے یہ مقام سلب کر لیا گیا چنانچہ اس کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے، پھر نہ ان کا عمل صالح رہا اور نہ ان کا اعتقاد صحیح۔

خلاصہ یہ ہے کہ امامت اور پیشوائی کے لائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں جو عمل میں کافی کامل ہوں اور علم میں بھی اور یہاں عملی کمال کو علمی کمال پر مقدم بیان فرمایا ہے حالانکہ طبعی ترتیب کے اعتبار سے علم عمل سے مقدم ہوتا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ علم قابل اعتبار ہی نہیں جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ (معارف)

شان نزول:

کفار مکہ کی جانب سے رات دن کی ایذاؤں سے تنگ آ کر مسلمان مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب مسلمانوں کو مشرکین پر فتح عطا فرمائیں گے اور ہمارے اور ان کے درمیان ایک روز عملی فیصلہ فرمائیں گے۔ جب مشرکین مسلمانوں کی یہ بات سنتے تھے تو استہزاء و استعجال و تکذیب کے طور پر کہا کرتے تھے کہ یہ فتح و نصرت کا دن کب آئے گا تو اس وقت متلیٰ ہذا لفتح ان کنتم صادقین نازل ہوئی، اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا يُمَانُهُمْ یعنی آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ تم ہماری فتح کا دن ہم سے کیا پوچھتے ہو وہ دن تو تمہاری مصیبت کا ہوگا کیونکہ جس دن ہماری فتح ہوگی تو اس دن تم عذاب میں گرفتار ہو چکے ہو گے، خواہ دنیا میں جیسے غزوہ بدر میں ہوا، یا آخرت میں، اور جب اللہ کا عذاب کسی کو پکڑ لیتا ہے پھر اس کا ایمان قبول نہیں کرتا (کذا ذکرہ ابن کثیر) اور بعض حضرات نے اس جگہ متلیٰ ہذا الفتح کے معنی روز قیامت کے کئے ہیں۔

سُئِلَ: مشرکین مکہ کے قول و یقولون متلیٰ ہذا الفتح میں وقت فتح کا سوال ہے اور وہ مومنین و کافرین کے درمیان یوم

قضا یعنی یوم قیامت ہے تو اس صورت میں مابعد کے جواب کی سوال کے ساتھ کیسے مطابقت ہوگی؟

جواب: مشرکین مکہ کا سوال چونکہ قیامت کے بارے میں بطور تکذیب و استہزاء کے تھا نہ کہ سوال استفہام، لہذا جواب بھی تکذیب و استہزاء کے مطابق تہدید سے دیا گیا جو کہ عین مطابق ہے۔

سوال: جن حضرات نے یوم الفتح کی تفسیر فتح مکہ یا یوم بدر سے کی ہے تو پھر جواب کی تطبیق، یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا سے کس طرح ہوگی، حالانکہ بعض کفار کو ان دونوں دنوں میں ان کے ایمان نے فائدہ پہنچایا، اس لئے کہ جو لوگ ایمان لائے وہ طلقاء قرار دیئے گئے۔

جواب: مراد مشرکین کے مقتولین ہیں ان کے ایمان نے حالت قتل میں ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا، جیسا کہ غرق کے یقین کے وقت فرعون کو اس کے ایمان نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا (انموذج جلیل فی بیان اسئلة واجوبة من غرائب التنزیل، لعلامہ محمد بن ابی بکر القادر الرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الْأَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ وَسَبْعُونَ آيَةً

سُورَةُ الْأَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ وَسَبْعُونَ آيَةً.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ ذُمْ عَلَى تَقْوَاهُ وَلَا تَطِيعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ
 فِيمَا يُخَالِفُ شَرِيعَتَكَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا بِمَا يَكُونُ قَبْلَ كَوْنِهِ حَكِيمًا فِيمَا يَخْلُقُهُ وَاتَّبِعْ
 مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ أَيْ الْقُرْآنَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا وَفِي قِرَاءَةِ بِالنُّونِ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فِي
 أَمْرِكَ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا حَافِظًا لَكَ وَأَمْتًا تَبِعَ لَهُ فِي ذَلِكَ كَلِمَةً مَّا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ رَدًّا عَلَى
 مَنْ قَالَ مِنَ الْكُفَّارِ إِنَّ لَهُ قَلْبَيْنِ يَغْتَلُ بِكُلِّ مَنِهْمَا أَفْضَلَ مِنْ عَقْلِ مُحَمَّدٍ وَمَا جَعَلَ أَرْوَاجَكُمْ أَلَىٰ بِهِمْزَةٍ وَبَاءٍ
 وَبَلَاءٍ تَظْهَرُونَ بِهَا أَلِفٌ قَبْلَ الْهَاءِ وَبِهَا وَالتَّاءُ الثَّانِيَّةُ فِي الْأَصْلِ مُدْغَمَةٌ فِي الطَّاءِ مِنْهُنَّ يَقُولُ الْوَاحِدُ
 مَثَلًا لِرِزْوَجْتِهِ أَنْتَ عَلَى كَظْهَرِ أُنْتَى أَمَهْتِكُمْ أَيْ كَالْأَمْهَاتِ فِي تَحْرِيبِهَا بِذَلِكَ الْمَعْدِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ
 طَلَاقًا وَإِنَّمَا تَجِبُ بِهِ الْكَفَّارَةُ بِشَرْطِهِ كَمَا ذَكَرَ فِي سُورَةِ الْمُجَادَلَةِ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ جَمْعُ دَعَى وَبِهِمْزٍ
 يُدْعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ إِنَّمَا لَهُ أَبْنَاءُكُمْ حَقِيقَةً ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ أَيْ الْيَهُودُ وَالْمُنَافِقِينَ قَالُوا لَمَّا تَزَوَّجَ النَّبِيُّ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ الَّتِي كَانَتْ امْرَأَةً لَزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ الَّذِي تَبَنَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ قَالُوا تَزَوَّجَ مُحَمَّدٌ امْرَأَةً أَنِيَةً فَكَذَبَهُمُ اللَّهُ فِي ذَلِكَ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ فِي ذَلِكَ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ
 سَبِيلَ الْحَقِّ لَكِنْ أَدْعَوْهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ أَعْدَلُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ
 بَنُو عَمِّكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ فِي ذَلِكَ وَلَكِنْ فِي مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ فِيهِ وَبِهِمْزٍ وَبَعْدَ النَّهْيِ
 وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا لَمَّا كَانَ مِنْ قَوْلِكُمْ قَبْلَ النَّهْيِ رَحِيمًا بِكُمْ فِي ذَلِكَ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ
 فِيمَا دَعَا بِهِ إِلَيْهِ وَدَعَتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ إِلَى خِلَافِهِ وَأَرْوَاجُهُمْ أَمَهْتُهُمْ فِي حُرْمَةِ نِكَاحِهِمْ عَلَيْهِمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ
 ذَوُوا الْقَرَابَاتِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي الْإِثْرِ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ أَيْ مِنَ الْإِثْرِ بِالْإِيمَانِ
 وَالْمِهْجَةِ الَّتِي كَانَ أَوَّلَ الْإِسْلَامِ فَنُسِخَ إِلَّا لَكِنْ أَنْ تَفْعَلُوا إِلَى أَوْلِيَّكُمْ مَعْرُوفًا بِوَصِيَّةٍ فَجَائِزٌ كَانَ ذَلِكَ أَيْ
 نُسِخَ الْإِثْرُ بِالْإِيمَانِ وَالْمِهْجَةِ بَارِثُ ذَوِي الْأَرْحَامِ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا وَأُرِيدَ بِالْكِتَابِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ اللَّوْحُ

الْمَحْفُوظُ وَ اِذْ كُنَّا اِذَا اخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّنَ مِيثَاقَهُمْ حِينَ اُخْرِجُوا مِنْ صُلْبِ اٰدَمَ كَالَّذِیْ جَمَعَ ذُرَّۃً وَّسٰی اَصْغَرَ السَّمَلِ وَمِنْكَ وَمَنْ نُّوحٌ وَّابْرٰهِيْمٌ وَمُوسٰی وَعِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ بَاۤیْ یُعْبُدُوْا اللّٰهَ وَیَدْعُوْا النَّاسَ اِلٰی عِبَادَتِهٖ وَذِكْرُ الْخَمْسَةِ مِنْ عَطْفِ الْخَاصِّ عَلٰی الْعَامِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّثَاقًا غَلِيْظًا ۝۷ شَدِيْدًا بِالْوَفَاءِ بِمَا حَمَلُوْهُ وَهُوَ الْیَمِيْنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی ثُمَّ اَخَذَ الْمِیْثَاقَ لَیْسَلَّ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ فِی تَبْلِیْغِ الرِّسَالَةِ تَبْكِیْتًا لِلْكَافِرِيْنَ بِهِمْ وَاَعَدَّ تَعَالٰی لِلْكَافِرِيْنَ بِهِمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۸ مُؤَلِّمًا هُوَ عَطْفٌ عَلٰی اَخَذْنَا.

۱۷

ترجمہ: شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے اے نبی اللہ سے ڈرتے رہئے یعنی اس کے تقویٰ پر قائم رہئے اور کافروں اور منافقوں کی وہ باتیں نہ مانئے جو آپ کی شریعت کے خلاف ہوں اللہ تعالیٰ ہونے والی شئی کا اس کے ہونے سے پہلے علم رکھتے ہیں اور جو چیز پیدا فرماتے ہیں اس کے بارے میں حکیم ہیں اور آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ کی طرف بذریعہ وحی یعنی بذریعہ قرآن بھیجا جاتا ہے آپ اس پر چلتے رہئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے پوری طرح باخبر ہے ایک قراءت میں تائے فوقانیہ کے ساتھ ہے اور آپ اپنے معاملہ میں اللہ ہی پر توکل رکھئے اور اللہ کار سازی کے اعتبار سے کافی ہے آپ کا محافظ ہے، اور آپ کی امت ان تمام امور میں آپ کے تابع ہے اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دودل نہیں بنائے یہ رد ہے بعض کفار کے اس قول کا کہ فلاں شخص کے سینے میں دودل ہیں وہ دونوں دلوں سے محمد ﷺ سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے اور اپنی جن بیبیوں سے تم ظہار کر بیٹھتے ہو (یعنی حرمت کی نیت سے ماں کہہ بیٹھتے ہو) انہیں اللہ نے تمہاری (حقیقی) ماں نہیں بنایا اللہ ہی ہمراہ اور بی بیوں دونوں قراءتیں ہیں تظہرون ہا سے پہلے الف اور بغیر الف دونوں صورتیں ہیں اور تاء ثانیہ اصل میں طا میں مدغم ہے، کسی نے اپنی بیوی سے مثلاً (انت علی کظہر امی) کہا یعنی ظہار کی وجہ سے حرمت میں (حقیقی) ماں کے مثل نہیں ہے ظہار کو جاہلیت میں طلاق شمار کرنے کی وجہ سے اور بلاشبہ ظہار کی وجہ سے کفارہ اس کی شرط کے ساتھ واجب ہوتا ہے جیسا کہ سورہ مجادلہ میں ذکر کیا گیا ہے اور نہ تمہارے متبناؤں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا، اذعیاء دعی کی جمع ہے، اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ابن ہونے کی نسبت اس کے باپ کے بجائے غیر کی جانب کی گئی ہو اے یہود اور منافقو! یہ تمہارے منہ کی باتیں ہیں، جب نبی ﷺ نے اپنے متبنی زید بن حارثہ کی بیوی زینب بنت جحش سے نکاح کر لیا تو (یہود و منافقین) نے کہا تھا کہ محمد ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بارے میں تکذیب فرمائی اور اللہ اس معاملہ میں حق بات کہتا ہے اور وہ راہ (حق) کی جانب رہنمائی کرتا ہے لیکن تم متبناؤں کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارا کرو اللہ کے نزدیک صحیح بات یہی ہے اور اگر تم کو ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے چچا زاد بھائی ہیں اور اگر تم سے اس معاملہ میں بھول چوک ہو جائے تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں، البتہ گناہ وہ ہے کہ ممانعت کے بعد تم قصداً کرو اور ممانعت سے پہلے تم جو کچھ کہہ چکے ہو اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا ہے اور اس بارے میں تم پر

مہربان ہے نبی مومنین پر خود کے نفوس سے بھی زیادہ مشفق (مہربان) ہے ان چیزوں میں جن کی طرف وہ بلا تے ہیں اور ان کے نفوس اس کے خلاف کی جانب بلا تے ہیں اور ان کی ازواج ان کی مائیں ہیں ان پر ان کے نکاح کے حرام ہونے میں اور ذوی الارحام یعنی قریبی رشتہ دار کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے آپس میں زیادہ حقدار ہیں میراث کے معاملہ میں یعنی ایمان اور ہجرت کی وجہ سے ارث سے جو ابتداء اسلام میں تھی پھر منسوخ کر دی گئی مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ وصیت کے ذریعہ کچھ سلوک کرنا چاہو تو جائز ہے اور یہ یعنی ایمان و ہجرت کی وجہ سے میراث کا حکم ذوی الارحام کے ذریعہ منسوخ ہونا کتاب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے کتاب سے دونوں جگہ لوح محفوظ مراد ہے اور یاد کرو ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا جب کہ ان کو آدم عَلَيْهِ السَّلَام کی پشت سے چھوٹی چیونٹیوں کے مانند نکالا گیا تھا ذُرُّ ذَرَّةٍ کی جمع ہے نہایت چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں، اور (بالخصوص) آپ سے اور نوح عَلَيْهِ السَّلَام سے اور ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَام سے اور موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام اور عیسیٰ ابن مریم عَلَيْهِمَا السَّلَام سے (عہد لیا تھا) یہ کہ اللہ کی بندگی کریں گے اور لوگوں کو اس کی بندگی کی طرف دعوت دیں گے اور تخصیص کے طور پر ان پانچ (انبیاء) کا ذکر عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے اور ہم نے ان سے ذمہ داری کو پورا کرنے کا نہایت پختہ عہد لیا تھا اور وہ (میشاق) اللہ تعالیٰ کی قسم تھی تاکہ اللہ تعالیٰ ان بچوں سے تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں سچ کے بارے میں دریافت کرے ان کے منکرین کو لا جواب کرنے کے لئے اور کافروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے یعنی تکلیف دہ، اس کا عطف اخذنا پر ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو دیگر انبیاء کی مانند خطاب نہیں فرمایا، دیگر انبیاء کو خطاب فرمایا یا موسیٰ یا عیسیٰ یا داؤد، اس لئے کہ آپ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بلاشبہ افضل المخلوق علی الاطلاق ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعظیم و اکرام کے الفاظ سے خطاب فرمایا ہے مثلاً فرمایا۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ، يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ اور اگر کہیں صراحتاً آپ سے نام کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو معاً اس کے بعد کوئی کلمہ ذکر فرمایا جو تعظیم پر دلالت کرتا ہو، مثلاً فرمایا محمد رسول اللہ۔ وما محمد إلا رسول و غیر ذلک۔

قَوْلُهُ: دُمْ عَلَى تَقْوَاهُ اس اضافہ کا مقصد تحصیل حاصل کے شبہ کا جواب ہے، اس لئے کہ آپ تو تقویٰ پر پہلے ہی سے تھے پھر آپ کو تقویٰ کا حکم دینا یہ تحصیل حاصل ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مقصد تقویٰ پر قائم رہنے کا حکم ہے نہ کہ انشاء تقویٰ کا یا حکم اگرچہ آپ کو ہے مگر مراد امت ہے۔

قَوْلُهُ: كَفَى بِاللّٰهِ میں اللہ کفی کا فاعل ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہے فاعل پر ب زائدہ ہے، و کیدلاً تمیز ہے یا حال ہے۔

نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ تھی، اللہ تبارک و تعالیٰ نے موجودہ مقدار کے علاوہ بقیہ کو اٹھالیا، روافض کہتے ہیں کہ سورہ احزاب کا کچھ حصہ ایک صحیفہ پر مکتوب تھا جو حضرت عائشہ (صدیقہ) کے گھر میں تھا اس کو بکری کھا گئی، یہ قول روافض اور زنادقہ کی تصنیف ہے، آیت رجم کے الفاظ اگرچہ منسوخ ہو گئے مگر حکم باقی ہے۔ (حمل)

شان نزول:

اس سورت کے شان نزول میں چند واقعات منقول ہیں:

۱ پہلا واقعہ:

یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف فرما ہوئے، تو مدینہ کے آس پاس یہود کے قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع وغیرہ آباد تھے، آپ ﷺ کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہو جائیں، اتفاقاً ان یہودیوں میں سے چند آدمی آپ کی خدمت میں آنے لگے، اور منافقانہ طور پر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے لگے، آپ ﷺ نے اس کو غنیمت سمجھا کہ کچھ لوگ اگر مسلمان ہو جائیں تو دوسروں کو دعوت دینا آسان ہو جائے گا، اس لئے آپ ان کے ساتھ خاص مدارات کا معاملہ فرماتے تھے اور ان کے آنے والے ہر چھوٹے بڑے کا اکرام فرماتے اور ان کی بعض غلطیوں کو نظر انداز بھی فرماتے، اس واقعہ پر سورہ احزاب کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ (قرطبی)

۲ دوسرا واقعہ:

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ہجرت کے بعد کفار مکہ میں سے ولید بن مغیرہ اور شبیبہ بن ربیعہ مدینہ طیبہ آئے اور آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ ہم قریش مکہ کے نصف اموال آپ کو دیدیں گے اگر آپ اپنے دعوے کو چھوڑ دیں، اور مدینہ طیبہ کے منافقین اور یہود نے آپ ﷺ کو یہ دھمکی بھی دی کہ اگر آپ نے اپنے دعوئے نبوت سے رجوع نہ کیا تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (روح)

۳ تیسرا واقعہ:

روایت کیا گیا ہے کہ ابوسفیان بن حرب اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور سلمیٰ اس زمانہ میں جبکہ صلح حدیبیہ کی وجہ سے آپس میں ناجنگ معاہدہ ہو چکا تھا، مدینہ طیبہ آئے اور عبد اللہ بن ابی ریمس المنافقین کے یہاں اترے، اور آپ ﷺ نے ان کو ملاقات کرنے اور گفتگو کرنے کی اجازت دیدی، ان کے ساتھ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح اور طعمہ بن ابیرق بھی آئے حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت آپ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے، ان حضرات نے گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرنا چھوڑ دیں اور صرف اتنا کہہ دیں کہ یہ بت بھی اپنے عابدین کی شفاعت کریں گے، اگر آپ اتنا کریں تو ہم آپ کو اور آپ کے رب کو چھوڑ دیں گے، جھگڑا ختم ہو جائے گا، یہ بات آپ کو اور مسلمانوں کو سخت ناگوار ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ اجازت دیجئے میں ان کو قتل کر دوں، آپ نے فرمایا میں ان سے معاہدہ امن کر چکا ہوں، اس لئے ایسا نہیں ہو سکتا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں (روح و اعراب القرآن للدرویش ملخصاً) یہ روایات اگرچہ مختلف ہیں مگر ان میں کوئی تضاد نہیں یہ سب واقعات بھی نزول کا سبب ہو سکتے ہیں۔

ان آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کو دو حکم دیئے گئے ہیں: ① اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ② لَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ لَعَلَّكَ كُفِّرُوا كَمَا كُفِّرْنَا لَكَ مِنْهُمْ لَمَّا كَانُوا كَافِرِينَ ③ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ④ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑤ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑥ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑦ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑧ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑨ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑩ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑪ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑫ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑬ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑭ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑮ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑯ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑰ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑱ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑲ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ⑳ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉑ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉒ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉓ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉔ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉕ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉖ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉗ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉘ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉙ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉚ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉛ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉜ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉝ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉞ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㉟ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊱ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊲ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊳ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊴ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊵ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊶ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊷ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊸ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊹ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊺ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊻ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊼ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊽ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊾ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ ㊿ اتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْعَثَ وَتُنَبِّئُ الْمَعْرُوفَ

ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آیت میں کفار و مشرکین کی اطاعت سے منع کرنے کا مقصد آپ کو ان سے مشورہ کرنے اور ان کو اہمیت دینے نیز ان کو زیادہ مجالست کا موقع فراہم کرنے سے منع کیا گیا ہے اس لئے کہ بعض اوقات ایسے مشورے اور باہمی روابط بات ماننے کا سبب بن جایا کرتے ہیں اگرچہ آپ ﷺ سے ان کی بات مان لینے کا کوئی احتمال نہیں تھا مگر ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے، تو یہاں درحقیقت آپ کو اسباب اطاعت سے منع کیا گیا ہے نفس اطاعت کا تو آپ سے احتمال ہی نہ تھا۔

فَائِدَةٌ: اس سے معلوم ہوا کہ امور دین میں کفار سے مشورہ لینا بھی جائز نہیں دیگر امور جن کا تعلق تجربے یا مہارت وغیرہ سے ہو تو ان میں مشورہ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (واللہ اعلم)۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ سابقہ آیات میں رسول اللہ ﷺ کو کفار و منافقین کے مشوروں پر عمل کرنے اور ان کو مشوروں میں شریک کرنے سے منع فرمایا تھا، آیات مذکورہ میں کفار میں چلی ہوئی رسموں اور باطل خیالات کی تردید ہے، پہلی بات یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ ایسے شخص کے بارے میں جو غیر معمولی ذہین ہو کہا کرتے تھے کہ اس کے سینے میں دو دل ہیں، چنانچہ ابو عمر جمیل بن اسد الفہری جو کہ نہایت ذہین شخص تھا اس کے بارے میں عرب کا یہی خیال تھا، اس کا لقب ہی ذوالقلبین پڑ گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ منافقین کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کے سینے میں دو قلب ہیں ایک ہمارے ساتھ ہے اور ایک مسلمانوں کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے اس باطل خیال کی مذکورہ آیت میں تردید فرمائی ہے۔

دوسری بات یہ کہ عرب میں یہ رسم تھی کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لیتا یعنی اس کو اپنی محرمات ابدیہ جیسا کہ ماں، بہن وغیرہ کے ساتھ تشبیہ دیدیتا تو اس کو ہمیشہ کے لئے حرام سمجھا جاتا تھا۔

تیسری بات یہ کہ عرب میں متبہنی کو حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا اور منہ بولا بیٹا تمام احکام میں حقیقی بیٹے کے مانند ہوتا تھا، مثلاً میراث میں حقیقی بیٹے کے مانند شریک ہوتا تھا، اور جس طرح نسبی رشتے بیٹے کے لئے حرام ہوتے ہیں اسی طرح متبہنی کے لئے بھی ان سے نکاح کرنا حرام سمجھا جاتا تھا، جس طرح حقیقی بیٹے کی بیوی سے طلاق دینے کے باوجود نکاح حرام ہے، اسی طرح متبہنی کی بیوی سے بھی نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔

زمانہ جاہلیت کے یہ تین باطل خیالات اور رسوم تھیں جن میں سے پہلی بات کا تعلق مذہبی عقیدے سے نہیں ہے یہ تو محض طبی اور فنی مسئلہ ہے کہ ایک شخص کے دودل ہو سکتے ہیں یا نہیں اس کی تردید کی بھی چنداں ضرورت نہیں تھی، مگر اس کی تردید بقیہ دو مسئلوں کی تمہید و تائید کے طور پر کی گئی ہے، یعنی جس طرح اہل جاہلیت کا یہ کہنا باطل ہے کہ کسی شخص کے سینے میں دودل ہو سکتے ہیں اور اس کے بطلان کو خاص و عام سب ہی جانتے ہیں، اسی طرح ظہار اور متبہنی کے مسائل میں بھی ان کے خیالات باطل ہیں، باقی دو مسئلے یعنی ظہار اور متبہنی کے احکام یہ ان معاشرتی اور عائلی مسائل میں سے ہیں جن کی اسلام میں خاص اہمیت ہے، حتیٰ کہ ان کی جزئیات بھی حق تعالیٰ نے قرآن میں خود ہی بیان فرمائی ہیں۔

وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمْ اللَّائِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَزْنُونَ مَنِ الظَّاهِرُ غُلُظٌ هُوَ كَمَا أَنَّ كَسَى فِي أَزْوَاجِهِمْ لَعَلَّكُمْ تَزْنُونَ (نیت سے) ماں کے برابر یا مثل کہہ دیا تو وہ ماں کی طرح اس کے واسطے ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی تمہارے کہنے سے بیوی حقیقی ماں نہیں ہو جاتی، تمہاری حقیقی ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے تم پیدا ہوئے ہو، اس آیت نے اہل جاہلیت کے اس خیال کو باطل کر دیا کہ ظہار سے حرمت مؤبدہ ثابت ہو جاتی ہے۔

دوسرا مسئلہ متبہنی بیٹے کا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح کسی انسان کے دودل نہیں ہوتے اور جس طرح بیوی ماں کہنے سے ماں نہیں بن جاتی، اسی طرح متبہنی بھی تمہارا حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا، یعنی متبہنی دوسرے حقیقی بیٹوں کے ساتھ نہ میراث میں شریک ہوگا اور نہ حرمت نکاح کے مسائل میں۔

چونکہ اس آخری معاملہ کا اثر بہت سے معاملات پر پڑتا ہے اس لئے یہ حکم نافذ کر دیا گیا کہ متبہنی بیٹے کو جب پکارو تو اصلی باپ کی طرف منسوب کر کے پکارو، کیونکہ اس سے بہت سے معاملات میں اشتباہ پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہم نے زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہنا چھوڑ دیا۔

النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ (الآیۃ) نبی ﷺ مؤمنین کے ساتھ تو ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ انسان کا نفس تو کبھی اس کو نفع پہنچاتا ہے، اور کبھی نقصان، بخلاف رسول اللہ ﷺ کے کہ آپ کی تعلیم نفع ہی نفع ہے اور خیر ہی خیر ہے، اس لئے کہ اپنے نفس کو تو خیر و شر اور منفعت و مضرت میں مغالطہ بھی ہو سکتا ہے اور نفس کو مصالح و مضار کا پورا علم بھی نہیں، بخلاف رسول

اللہ ﷻ کے کہ آپ کی تعلیمات میں کسی مغالطہ کا خطرہ ہی نہیں، جب نفع رسانی میں رسول اللہ ﷺ ہماری جان اور نفس سے بھی زیادہ ہیں تو ان کا حق بھی ہم پر ہماری جان سے زیادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کی ہر کام میں اطاعت کریں اور آپ ﷺ کی تکریم و تعظیم تمام مخلوقات سے زیادہ کریں، اور آپ کی ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں اور آپ ﷺ تمام امت کے روحانی باپ ہیں جو ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ ان پر شفیق و مہربان ہیں، اسی مناسبت سے آپ کی ازواج مطہرات جو کہ امت کی روحانی مائیں ہیں، یعنی ان کی تکریم و تعظیم اپنی حقیقی ماؤں کی طرح ہے۔

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو امت کا روحانی باپ اور آپ کی ازواج کو امت کی مائیں قرار دیا ہے تو اس سے بھی اسی طرح کا التباس اور اشتباہ ہو سکتا تھا جس طرح کا اشتباہ متنبی کو اس کے غیر حقیقی باپ کی طرف منسوب کرنے میں ہوتا تھا جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا تھا کہ امت کے مسلمان سب آپس میں بھائی بہن ہو جائیں جس کی وجہ سے آپس میں نکاح کا تعلق حرام ہو جائے، اور میراث کے احکام میں بھی ہر مسلمان دوسرے کا وارث قرار دیا جائے، اس التباس کو دور کرنے کے لئے آیت کے آخر میں فرمایا وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ (الآیۃ) کتاب اللہ یعنی حکم شرعی میں ایک دوسرے سے میراث کا بہ نسبت دیگر مومنین و مہاجرین کے زیادہ تعلق رکھتے ہیں، ابتداء ہجرت میں ایمانی اخوت کی بناء پر مہاجرین کو انصار کی میراث کا حق دار بنادیا گیا تھا مگر بالآخر تقسیم میراث رشتہ داری اور ارحام کی بناء پر رہے گی، البتہ حسن سلوک رفیقوں اور دوستوں سے وصیت کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ یہ وصیت تہائی متروکہ مال سے زیادہ نہ ہو۔ (الآیۃ)

مِثَاقِ انبیاء:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ. آیت مذکورہ میں جو انبیاء علیہم السلام سے عہد و قرار لینے کا ذکر ہے وہ اس اقرار عام کے علاوہ ہے جو تمام مخلوق سے لیا گیا تھا، جیسا کہ مشکوٰۃ میں بروایت امام احمد مرفوعاً آیا ہے، کہ خُصُّوا بِمِثَاقِ الرِّسَالَةِ وَالنُّبُوَّةِ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَىٰ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ. (الآیۃ)

یہ عہد انبیاء علیہم السلام سے نبوت و رسالت کے فرائض ادا کرنے اور باہم ایک دوسرے کی تصدیق اور مدد کرنے کا عہد تھا، جیسا کہ ابن جریر و ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے، اور ایک روایت میں اس عہد نامہ میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ سب اس کا بھی اعلان کریں کہ محمد رسول اللہ لانی بعدہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اور یہ مِثَاقِ انبیاء بھی ازل میں اسی وقت لیا گیا تھا، جبکہ عام مخلوق سے السُّبُّ بِرَبِّكُمْ کا عہد لیا گیا تھا (روح، مظہری) انبیاء علیہم السلام کے عام ذکر کے بعد ان میں سے پانچ انبیاء کا خصوصی ذکر ان کے اس خاص امتیاز و شرف کی بناء پر کیا گیا جو ان کو زمرۂ انبیاء میں حاصل ہے اور ان میں بھی آنحضرت ﷺ کو مقدم کیا گیا حالانکہ آپ کی بعثت سب کے بعد ہے، اس کی وجہ خود حدیث میں بیان کی گئی ہے، کُنْتُ أَوَّلَ النَّاسِ فِي الْخَلْقِ وَآخِرُهُمْ فِي الْبَعْثِ دُورِی وَجِبَہِیہ کہ آپ تمام انبیاء میں افضل ہیں اس لئے ذکر ابھی آپ کو مقدم کر دیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ مِنَ الْكُفَّارِ مَتَخَرِبُونَ آيَاتِ حَفْرِ الْخَنْدَقِ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ مَلَائِكَةٌ كَانَتْ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ أَيْ بِالتَّاءِ مِنْ حَفْرِ الْخَنْدَقِ وَبِالْيَاءِ مِنْ تَخْرِيبِ الْمُشْرِكِينَ بَصِيرًا ۚ إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ أَيْ مِنْ أَعْلَى السَّوَادِي وَأَسْفَلِهِ مِنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَإِذْ رَاغَبَتِ الْأَبْصَارُ مَالَتْ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَى عَدُوِّهَا مِنْ كُلِّ جَانِبٍ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ جَمَعَ حَنْجَرَةً وَهِيَ مُنْتَهَى الْخُلُقُومِ مِنْ شِدَّةِ الْخَوْفِ وَتُظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا ۝ الْمُخْتَلِفَةُ بِالنُّصْرِ وَالْيَاسِ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ اخْتَبِرُوا لِتَبَيُّنِ الْمُخْلِصِ مِنْ غَيْرِهِ وَزُلْزِلُوا خَرَكُوا زَلْزَالًا شَدِيدًا ۝ مِنْ شِدَّةِ الْفَرْعِ وَإِذْ كُرِ اذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ ضَعُفَ إِعْتِقَادُ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ بِالنُّصْرِ الْأَعْرُورِ ۝ بَاطِلًا وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَيْ الْمُنَافِقِينَ لَأَيُّهَا يَثْرِبَ هِيَ أَرْضُ الْمَدِينَةِ وَلَمْ تَنْصَرِفْ لِلْعِلْمِيَّةِ وَوَزْنِ الْفِعْلِ لَا مَقَامَ لَكُمْ بِضَمِّ الْمِيمِ وَفَتْحِهَا أَيْ لَا إِقَامَةَ وَلَا مَكَانَةَ فَأَرْجِعُوا إِلَى مَنَازِلِكُمْ مِنَ الْمَدِينَةِ وَكَانُوا خَرَجُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى سَلْعِ جَبَلٍ خَارِجِ الْمَدِينَةِ لِلْقِتَالِ وَيَسْتَأْذِنُ قَرِيبٌ مِنْهُمْ النَّبِيَّ فِي الرَّجُوعِ يَقُولُونَ إِنَّ بَيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۚ غَيْرُ خَصِيْنَةٍ نَخْشَى عَلَيْهَا قَالَ تَعَالَى وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنْ مَا يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝ مِنَ الْقِتَالِ وَلَوْ دَخَلَتْ أَيْ الْمَدِينَةُ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا نَوَاجِيْهَا ثُمَّ سَبَلُوا أَيْ سَأَلَهُمُ الدَّاخِلُونَ الْفِتْنَةَ الشِّرْكَ لَا تَوَّهَا بِالْمَدَةِ وَالْقَضَرِ أَيْ أَغْطَوْهَا وَفَعَلُوا بِهَا وَمَاتَلَبَتْهُوا بِهَا الْإِسِيرًا ۝ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُؤْلُونَ الْأَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ۝ عَنِ الْوَفَاءِ بِهِ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذَا أَنْ فَرَرْتُمْ لَا تَمْتَعُونَ فِي الدُّنْيَا بَعْدَ فِرَارِكُمْ إِلَّا قَلِيلًا ۝ بَقِيَّةُ أَجَالِكُمْ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ يُجِيرُكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ بِإِبْلَاسًا أَوْ بِزَيْنَةٍ أَوْ يُصِيبُكُمْ بِسُوءٍ إِنْ أَرَادَ اللَّهُ بِكُمْ رَحْمَةً خَيْرًا وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَيْ غَيْرِهِ وَلِيًّا يَنْفَعُهُمْ وَلَا نَصِيرًا ۝ يَذْفَعُ الضَّرَّ عَنْهُمْ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمَعْقُوقِينَ الْمُشْتَطِّينَ مِنْكُمْ وَالْقَالِينَ لِأَخْوَانِهِمْ هَلُمَّ تَعَالَوْا إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ الْقِتَالِ إِلَّا قَلِيلًا ۝ رِيَاءٌ وَسُمْعَةٌ أَشْجَعَتْ عَلَيْكُمْ بِالْمُعَاوَنَةِ جَمَعَ شَحِيحٌ وَهُوَ حَالٌ مِنْ ضَمِيرِ يَأْتُونَ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يُنْظَرُونَ إِلَيْكَ تَدَوَّرَ عَلَيْهِمْ كَالَّذِي كُنْظَرُ أَوْ كَدُورَانِ الَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ أَيْ سَكَرَاتِهِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ وَحِيزَتِ الْغَنَائِمُ سَلَقُوكُمْ أَذُوكُمْ وَضَرَبُوكُمْ بِالسِّنَةِ حِدَادٍ أَشْجَعَتْ عَلَى الْخَيْرِ أَيْ الْغَنِيمَةِ يَطْلُبُونَهَا أُولَئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا حَقِيقَةً فَاحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ الْإِحْبَاطُ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ بِإِرَادَتِهِ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ مِنَ الْكُفَّارِ لَمْ يَذْهَبُوا إِلَى مَكَّةَ لِخَوْفِهِمْ مِنْهُمْ وَلَئِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ كَرَّةً أُخْرَى يَوَدُّوا أَنْ يَتَمَنَّوْا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ أَيْ كَائِنُونَ فِي الْبَادِيَةِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَاءِكُمْ أَخْبَارَكُمْ مَعَ الْكُفَّارِ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ

بِذِهِ الْكُرَّةَ مَاقْتُلُوا إِلَّا قَلِيلًا ۝ رِيَاءَ وَخَوْفًا مِنَ التَّعْيِيرِ

۱۸

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کے انعام کو یاد کرو جبکہ تم پر کفار کے بہت سے لشکر خندق کھودنے کے

ایام میں (متحدہ محاذ) بنا کر چڑھ آئے تھے تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فرشتوں کی ایسی فوج بھیجی کہ جو تم کو نظر نہ آتی تھی

اور اللہ تعالیٰ تمہارے خندق وغیرہ کھودنے کے عمل کو دیکھ رہا تھا (تعملون) میں تا اور یاء کے ساتھ اور مشرکین کی گروہ

بندی (متحدہ محاذ) کو دیکھ رہا تھا، جبکہ (دشمن) تمہارے اوپر یعنی وادی کے اوپر کی جانب سے اور نیچے کی جانب سے چڑھ

آئے تھے یعنی مشرق و مغرب کی جانب سے اور جبکہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں (یعنی) ہر طرف سے چڑھ آنے والے

اپنے دشمن کی طرف لگی ہوئی تھیں اور شدت خوف کی وجہ سے کلیجے منہ کو آنے لگے تھے (حناجر) حجرۃ کی جمع ہے حجرۃ حلق

کے آخری حصہ کو کہتے ہیں اور تم اللہ کی نسبت مدد اور ناامیدی کے طرح طرح کے گمان کر رہے تھے اس موقع پر مومنوں کو

آزمایا گیا تا کہ مخلص غیر مخلص سے ممتاز ہو جائے اور شدید خوف کے شدید زلزلے میں ڈالے گئے اور اس وقت کو یاد کیجئے

جبکہ منافق اور وہ لوگ جن کے قلوب میں ضعف اعتقاد کا مرض تھا کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ اور اس کے رسول نے

نصرت کا محض دھوکا دیا ہے اور جبکہ ان میں یعنی منافقوں میں سے ایک جماعت نے کہا اے یثرب والو! یہ مدینہ

کے علاقہ کا نام ہے علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے کہ تمہارے لئے ٹھہرنے کا موقع نہیں (مقام) میں میم

کے ضمہ اور فتح کے ساتھ نہ ٹھہرنے کا موقع اور نہ ٹھہرنے کا مقام اپنے گھروں یعنی مدینہ لوٹ چلو اور یہ لوگ آپ ﷺ کے

ساتھ جہاد کے لئے مدینہ سے باہر جبل سلع تک نکلے تھے، اور ان میں سے بعض لوگ نبی سے یہ کہہ کر واپس لوٹنے کی

اجازت طلب کر رہے تھے کہ ہمارے گھر خالی (یعنی) غیر محفوظ ہیں ہمیں اپنے گھروں کے بارے میں (دشمن) کا اندیشہ

ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں، ان کا ارادہ قتال سے بھاگ کھڑے ہونے ہی کا تھا اور اگر مدینہ میں

ان کے اوپر اطراف (مدینہ) سے لشکر چڑھا دیئے جائیں پھر ان سے داخل ہونے والے فتنہ شرک کا مطالبہ کریں تو یہ اس

کو منظور کر لیں (لا توہا) میں مدد اور قصردنوں ہیں یعنی اس کو منظور کر لیں اور کر گزریں اور گھر میں بہت ہی کم ٹھہریں

حالانکہ یہ لوگ پہلے اللہ سے عہد کر چکے ہیں کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی وفا کے بارے میں باز

پرس ہوگی، آپ فرمادیتے کہ تم کو بھاگنا کچھ فائدہ نہ دے گا اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اگر تم بھاگے تو فرار

کے بعد دنیا میں بجز تھوڑے دنوں کے یعنی بجز بقیہ مدت حیات کے مستفید نہیں ہو سکتے اور یہ بھی فرمادیتے کہ وہ کون ہے

جو تم کو اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمہارے ساتھ برائی یعنی ہلاکت یا ہزیمت کا ارادہ کرے یا وہ کون ہے جو تم کو تکلیف پہنچا سکے

اگر اللہ تمہارے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہے؟ اور نہ وہ خدا کے سوا اپنا کوئی حمایتی پائیں گے کہ ان کو نفع پہنچا سکے اور نہ

مددگار کہ ان سے ضرر کو دفع کر سکے اللہ تعالیٰ تم میں سے ان کو جانتا ہے جو دوسروں کو روکنے والے ہیں اور اپنے بھائی

بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ، اور لڑائی میں شریک نہیں ہوتے مگر بہت کم دکھانے اور سنانے (ریا کاری) کے لئے، معاونت کے بارے میں تمہارے حق میں پورے بخیل ہیں اَشْحٰۃٌ شَحِیْحٌ کی جمع ہے، اور وہ یاتون کی ضمیر سے حال ہے اور جب خوف کا موقع آجائے تو آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا جاتی ہیں، اس شخص کی نظر کے مانند یا اس شخص کے چکرانے کے مانند کہ جس پر نزع کی بیہوشی چھا گئی ہو اور جب خوف جاتا رہتا ہے اور اموال غنیمت جمع کئے جاتے ہیں تو تم کو تیز تیز زبانوں سے ایذا پہنچاتے ہیں طعنے دیتے ہیں اور مال غنیمت پر بڑے حریص ہیں اس کا مطالبہ کرتے ہیں یہ لوگ حقیقت میں ایمان نہیں لائے تو اللہ نے ان کے اعمال بیکار کر دیئے اور یہ بیکار کرنا اللہ کے لئے اس کی مشیت سے بہت آسان ہے ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کافروں کی یہ جماعتیں ابھی مکہ مکرمہ گئی نہیں ہیں ان سے خوف زدہ ہونے کی وجہ سے اور اگر (بالفرض) یہ جماعتیں پھر لوٹ آئیں تو یہ اس بات کو پسند کریں کہ کاش ہم دیہاتوں میں باہر جا رہیں یعنی دیہاتوں میں سکونت اختیار کر لیں، اور کافروں کے ساتھ تمہاری لڑائی کی خبریں معلوم کرتے رہیں اور اگر اس مرتبہ وہ تمہارے ساتھ ہوتے تو بھی بہت کم لڑتے ریا کاری کے طور پر اور عار کے خوف سے۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ لِتَسْہِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: جُنُودٌ جمع جُنْدٍ بمعنی لشکر، قریش، غطفان، اور یہود بنی نضیر وغیرہ کے لشکر مراد ہیں۔

قَوْلٌ: اِذَا جَاءَ تَکْمٌ، نِعْمَةٌ اللّٰہ سے بدل ہے، اس میں عامل اُذْکُرُوا ہے۔

قَوْلٌ: مُتَحَزِّبُونَ اِی مُجْتَمِعُونَ۔ متحدہ محاذ۔

قَوْلٌ: اِذَا جَاءَ وَکُمْ یہ اِذَا جَاءَ تَکْمٌ سے بدل ہے، ظَنُّوْنَا میں نافع اور ابن عامر اور ابو بکر نے مصحف امام (یعنی مصحف عثمانی) کی رعایت کرتے ہوئے وَقَفَا وَوَصَلَا الف کے ساتھ پڑھا ہے اور ابو عمر و حمزہ نے دونوں حالتوں میں حذف الف کے ساتھ پڑھا ہے۔

قَوْلٌ: بِالْغَضْرِ وَالْيَاسِ نصرت کی امید رکھنے والے مومنین مخلصین تھے اور ناامید ہونے والے منافقین تھے۔

قَوْلٌ: زَلْزَالًا زَا کے کسرہ کے ساتھ یہ عام قراءت ہے اور بعض حضرات نے زَا کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اس لئے کہ فِعْلَالٌ کے دونوں مصدر آتے ہیں جیسے زَلْزَالَ، قِلْقَالَ، وَصِلْصَالَ کبھی زَلْزَالَ بالفتح اسم فاعل کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے زَلْزَالَ بمعنی مُزْلَزَلٌ۔

قَوْلٌ: اِذَا قَالَتْ طَائِفَةٌ قَاتِلِ مَنَافِقِ اَوْسَ بْنِ قَيْطِیٍّ اور اس کے اصحاب ہیں لَا مَقَامَ قِرَاءَتِ حَفْصِ مِیْمِ کے ضمہ کے ساتھ ہے اور بقیہ حضرات کے نزدیک فتح کے ساتھ ہے، قول الشارح لَا اِقَامَةَ بمعنی ٹھہرنا مُقَامٌ بالضمہ کی تفسیر ہے اور لَا

قَوْلًا: يَنْظُرُونَ جملہ حالیہ ہے اس لئے کہ مراد رویت بصریہ ہے۔

قَوْلًا: كَنْظَرٍ اَوْ دَوْرَانِ شارح کا مقصد اس عبارت سے یہ بتانا ہے کہ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ میں دو صورتیں ہیں اول یہ کہ یہ يَنْظُرُونَ کے مصدر محذوف کی صفت ہو ای يَنْظُرُونَ اَلَيْكَ نَظْرًا كَنْظَرًا الَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ دوسرے یہ کہ تَدَوَّرُ کے مصدر محذوف کی صفت ہو ای تَدَوَّرُ دَوْرَانًا كَدَوْرَانٍ عَيْنِ الَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ۔

قَوْلًا: سَلَقَ (ض) سَلَقًا زَبَان سے تیز بات کہنا سَلَقَهُ بِالْكَلَامِ اس کو تیز بات کہی، طعنہ دیا۔

قَوْلًا: بَادُونَ یہ باد کی جمع ہے، دیہاتی، دیہات کا باشندہ، یعنی کاش وہ دیہات کے باشندے ہوتے یَسْأَلُونَ جملہ ہو کر بَادُونَ کی خبر ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

غزوہ احزاب اور اس کا پس منظر:

سابقہ آیات میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت شان اور مسلمانوں کو آپ کی مکمل اتباع و اطاعت کی ہدایت تھی، اسی کی مناسبت سے یہ پورے دور کو قرآن کے غزوہ احزاب کے واقعہ سے متعلق نازل ہوئے ہیں، جس میں کفار و مشرکین کی بہت سی جماعتوں کا مسلمانوں پر یکبارگی متحدہ محاذ کی شکل میں حملہ آور ہونے اور سخت زرعہ کے بعد مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور رسول اللہ ﷺ کے متعدد معجزات کا ذکر ہے۔

غزوہ احزاب کی تفصیل:

ان آیات میں غزوہ احزاب کی کچھ تفصیل ہے جو شوال ۴ھ یا ۵ھ مطابق ۶۲۷ء میں پیش آیا، امام بخاری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے علاوہ جمہور مؤرخین اور مفسرین کے نزدیک رائج یہ ہے کہ ۵ھ میں واقع ہوا، تمام ائمہ مغازی اور علماء تاریخ و سیر کا اسی پر اتفاق ہے، حافظ ذہبی اور حافظ ابن قیم فرماتے ہیں، یہی قول قابل اعتماد اور صحیح ہے۔ (سیرت المصطفیٰ)

غزوہ احزاب اور اس کا سبب:

اس غزوہ کو غزوہ احزاب اس لئے کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں تمام اسلام دشمن جماعتیں متحدہ محاذ بنا کر مسلمانوں کے مرکز مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئی تھیں، احزاب حزب کی جمع ہے بمعنی گروہ، اسی غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کے لئے مدینہ کے اطراف میں حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے خندق کھودی تھی تاکہ دشمن مدینہ میں داخل نہ ہو سکے۔

غزوہ احزاب کا باعث اور سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کے قبیلہ بنو نضیر کو ان کی مسلسل بد عہدیوں اور آپ ﷺ

کے قتل کی سازش کی وجہ سے جلاوطن کر دیا تھا، یہ مدینہ سے نکل کر خیبر میں جا کر آباد ہو گیا تھا، یہودی اسلام اور مسلمانوں سے نہایت ہی بغض و عداوت رکھتے تھے، چنانچہ بنو نضیر کے سرکردہ لوگوں کا ایک وفد جو کہ بیس افراد پر مشتمل تھا ان کے سردار حیی بن اخطب کی سرکردگی میں مشرکین مکہ کو آپ ﷺ سے جنگ کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے روانہ ہوا، مکہ پہنچ کر قریشی سرداروں سے ملاقات کر کے ان کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ کیا، قریشی سردار سمجھتے تھے کہ جس طرح مسلمان ہماری بت پرستی کو کفر کہتے ہیں اور اسی لئے ہمارے مذہب کو برا سمجھتے ہیں، یہود کا بھی یہی خیال ہے، تو ان سے موافقت اور اتحاد کی کیا توقع رکھی جائے؟ اس لئے ان لوگوں نے یہود سے سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان دین و مذہب کا اختلاف ہے اور آپ لوگ اہل کتاب اور اہل علم ہیں، پہلے ہمیں یہ بتائیے کہ آپ لوگوں کے نزدیک ہمارا دین بہتر ہے یا مسلمانوں کا؟

سیاست میں جھوٹ کوئی نئی چیز نہیں:

ان یہودیوں نے اپنے علم اور ضمیر کے بالکل برخلاف ان کو یہ جواب دیا کہ تمہارا دین محمد (ﷺ) کے دین سے بہتر ہے، اس پر یہ لوگ کچھ مطمئن ہوئے، مگر اس پر بھی یہ طے ہوا کہ آنے والے یہ بیس آدمی اور پچاس آدمی قریشی مع سرداروں کے مسجد حرام میں جا کر بیت اللہ کی دیواروں سے سینہ لگا کر اللہ کے سامنے یہ عہد کریں کہ ہم میں سے جب تک ایک فرد بھی زندہ رہے گا محمد (ﷺ) کے خلاف جنگ کرتا رہے گا۔

یہ یہودی قریش مکہ سے معاہدہ کرنے کے بعد عرب کے ایک بڑے جنگ جو قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ ہم اور قریش مکہ اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ اس نئے دین (اسلام) کے پھیلانے والوں کا ایک مرتبہ سب مل کر استیصال کر دیں، آپ لوگ بھی اس پر ہم سے معاہدہ کریں، اور ان کو یہ رشوت بھی پیش کی کہ خیبر میں جس قدر کھجوروں کی پیداوار ہوگی اس کا نصف آپ کو ہر سال دیا کریں گے، قبیلہ بنو غطفان کے سردار نے جو کہ عیینہ بن حصن فزاری تھا اس پیش کش کو قبول کر لیا اور جنگ میں شریک ہونا منظور کر لیا، یہود کے وفد نے پورے جزیرۃ العرب کا ہنگامی دورہ کر کے بنو اسد، قبیلہ اسلم، قبیلہ اشجع اور بنو مرہ اور بنو کنانہ اور فزارہ وغیرہ دیگر قبائل کو بھی آمادہ جنگ کر لیا، اس طرح یہ یہودی اسلام اور مسلمانوں کے تمام دشمنوں کا متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر حملہ آور ہونے میں کامیاب ہو گئے، حملہ آور اتحادیوں کی تعداد دس اور بارہ ہزار کے درمیان تھی ایک روایت میں پندرہ ہزار بھی مذکور ہے (معارف القرآن) جبکہ مسلمانوں کی تعداد کل تین ہزار تھی اور وہ بھی بے سروسامانی کے ساتھ جن میں صرف چھتیس گھوڑے تھے، مشرکین مکہ کی جن کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی، قیادت ابوسفیان کے پاس تھی اور قبیلہ غطفان کی قیادت عیینہ بن حصن فزاری کے سپرد تھی۔

آنحضرت ﷺ کو متحدہ محاذ کے حرکت میں آنے کی اطلاع:

رسول اللہ ﷺ کو جب متحدہ محاذ کے حرکت میں آنے کی اطلاع ملی تو سب سے پہلا کلمہ جو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر آیا وہ حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ تھا، اس کے بعد آپ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے اہل حل و عقد کو جمع کر کے ان سے

مشورہ لیا، اگرچہ صاحب وحی کو حقیقت میں مشورہ کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ براہ راست اللہ کے اذن و اجازت سے کام کرتے ہیں مگر مشورہ میں دو فائدے تھے ایک تو امت کے لئے مشورہ کی سنت جاری کرنا، دوسرے قلوبِ مومنین میں باہمی ربط و اتحاد کی تجدید اور تعاون و تناصر کا جذبہ بیدار کرنا، اس کے بعد جنگ کے مادی وسائل پر غور ہوا، مجلس مشورہ میں حضرت سلمان فارسی بھی شریک تھے، جو ابھی حال ہی میں ایک یہودی کی غلامی سے نجات حاصل کر کے اسلامی خدمات کے لئے تیار ہوئے تھے، انہوں نے مشورہ دیا کہ ہمارے بلاد فارس کے بادشاہ ایسے حالات میں دشمن کا حملہ روکنے کے لئے خندق کھود کر ان کا راستہ روک دیتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرما کر خندق کھودنے کا حکم دیدیا، اور اپنے دست مبارک سے خندق کے نشانات لگا کر اور بنفس نفیس خود بھی کھدائی کے کام میں شریک ہو گئے۔

خندق کا طول و عرض:

یہ خندق جبلِ سلع کے پیچھے اس پورے راستہ کی لمبائی پر کھودنا طے ہوا جس سے مدینہ کے شمال کی طرف سے دشمن آسکتا تھا، اس خندق کے طول و عرض کا خط خود رسول اللہ ﷺ نے کھینچا یہ خندق شیخین سے شروع ہو کر جبلِ سلع کے مغربی کنارے تک آئی اور بعد میں اس میں اور اضافہ کر کے وادیِ بطحان اور وادیِ رانونا کے مقامِ اتصال تک پہنچا دیا گیا، اس خندق کی کل لمبائی ساڑھے تین میل یعنی تقریباً چھ کلومیٹر تھی، اور چوڑائی اس قدر کہ آسانی سے گھوڑ سوار عبور نہ کر سکے، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چوڑائی پانچ گز تھی، ابن سعد فرماتے ہیں کہ چھ دن میں خندق کھودنے سے فراغت ہوئی، موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ بیس دن میں فارغ ہوئے، علامہ سمودی فرماتے ہیں کہ چھ دن کی روایت صحیح ہے بیس دن حصار کی مدت ہے، غزوہ خندق میں شریک مجاہدین کی کل تعداد تین ہزار بتائی گئی ہے ہر دس افراد کی جماعت کو بقول جمل و صاوی و معارف چالیس گز خندق کھودنے کا کام سپرد کیا گیا، مگر سیرتِ مصطفیٰ اور یسی میں ہر دس افراد کو دس گز سپرد کی گئی تھی، پہلے قول کے مطابق خندق کی لمبائی بارہ ہزار گز ہوتی ہے، دوسرے قول کے مطابق تین ہزار گز ہوتی ہے، شرعی میل دو سو گز کا ہوتا ہے۔

غرضیکہ دشمن اس خندق کی وجہ سے مدینہ کے اندر داخل نہ ہو سکا، تاہم مسلمان اس محاصرہ اور دشمن کی یلغار سے سخت خوف زدہ تھے، کم و بیش یہ محاصرہ ایک ماہ تک قائم رہا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے پردہ غیب سے مسلمانوں کی مدد فرمائی، مذکورہ آیات میں ان ہی سراسیمہ کر دینے والے حالات اور امدادِ غیبی کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

نابالغ بچوں کی شرکت اور ان کی واپسی:

چونکہ اس غزوہ میں پورا جزیرۃ العرب متحدہ محاذ کی شکل میں مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوا تھا کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے، گویا اس غزوہ کے نتیجہ پر اسلام کی بقاء و فناء کا بظاہر دار و مدار تھا، جس کی وجہ سے ہر مسلمان حتیٰ کہ نابالغ بچے بھی جان

تھیلی پر رکھ کر نکل کھڑے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان بچوں کو واپس فرما دیا جن کی عمر پندرہ سال سے کم تھی، مگر پندرہ سالہ نوجوانوں کو شرکت کی اجازت دیدی گئی، جن میں حضرت عبداللہ بن عمر بھی تھے، جن کو کم عمری کی وجہ سے غزوہ احد میں واپس کر دیا گیا تھا، ان کے علاوہ زید بن ثابت، ابوسعید خدری، براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں، جس وقت یہ اسلامی لشکر مقابلہ کے لئے روانہ ہونے لگا تو جو منافقین مسلمانوں میں رلے ملے رہتے تھے انہوں نے سرکنا شروع کر دیا کچھ تو چھپ کر نکل گئے، اور کچھ نے جھوٹے اعذار پیش کر کے رسول اللہ ﷺ سے واپسی کی اجازت لینی چاہی، یہ اپنے اندر ایک نئی آفت پھوٹی، مذکورۃ الصدرا آیات میں انہیں منافقین کے متعلق چند آیات نازل ہوئی ہیں۔ (قرطبی)

ایک عظیم معجزہ:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حصہ میں جو حضرت سلمان فارسی اور ان کے رفقاء کے سپرد تھا اس میں ایک سخت چٹان نکل آئی، حضرت سلمان کے ساتھی عمرو بن عوف فرماتے ہیں کہ اس چٹان نے ہمارے اوزار توڑ دیئے اور ہم اس کے کاٹنے سے عاجز ہو گئے، تو میں نے سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اس جگہ سے کچھ ہٹ کر خندق کھودیں اور ذرا سی کچی کے ساتھ اس کو اصل خندق کے ساتھ ملا دیں، مگر رسول اللہ ﷺ کے کھینچے ہوئے خط سے انحراف ہمیں اپنی رائے سے نہیں کرنا چاہئے، آپ آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کر کے حکم حاصل کریں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت واقعہ بیان کی، آپ ﷺ خود بھی اپنے حصہ کی خندق میں کام کر رہے تھے خندق کی مٹی کو اس جگہ سے منتقل کرنے میں مصروف تھے، حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم مبارک کو غبار نے ایسا ڈھانپ لیا تھا کہ پیٹ اور پیٹھ کی جلد نظر نہ آتی تھی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی حکم یا ہدایت دینے کے بجائے آپ خود ان کے ہمراہ موقع پر تشریف لائے اور خود خندق میں اترے اور کدال اپنے ہاتھ میں لیکر اس چٹان پر ایک ضرب لگائی اور یہ آیت پڑھی تَمَّتْ کَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا اس ایک ہی ضرب سے چٹان کا ایک تہائی حصہ کٹ گیا اور اس پتھر سے ایک روشنی نکلی، اس کے بعد دوسری ضرب لگائی اور آیت مذکورہ آخر تک پوری پڑھی، اس دوسری ضرب سے ایک تہائی چٹان اور کٹ گئی اور اسی طرح پتھر سے ایک روشنی نکلی، تیسری مرتبہ پھر وہی آیت پڑھ کر ضرب لگائی تو باقی چٹان بھی کٹ کر ختم ہو گئی (مسند احمد و نسائی) اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ نے پہلی کدال ماری تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھ کو شام کی کنجیاں عطا کی گئیں، خدا کی قسم میں شام کے سرخ محلوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، پھر جب آپ نے دوسری کدال ماری تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر! فارس کی کنجیاں مجھے عطا کی گئیں، خدا کی قسم مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، جب تیسری مرتبہ آپ نے کدال ماری اور چٹان کا بقیہ حصہ بھی ٹوٹ گیا تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر! یمن کی کنجیاں مجھ کو عطا کی گئیں، خدا کی قسم صنعاء کے دروازوں کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، حافظ عسقلانی فرماتے ہیں اس روایت کی سند حسن ہے۔ (ملخصاً)

منافقین کی طعنہ زنی اور مسلمانوں کا بے نظیر یقین ایمانی:

خندق کی کھدائی میں جو منافقین مرے دل سے شامل تھے وہ کہنے لگے کہ تمہیں محمد ﷺ کی بات پر حیرت اور تعجب نہیں ہوتا، وہ تمہیں کیسے باطل اور بے بنیاد وعدے سنار ہے ہیں، کہ یثرب میں خندق کی گہرائی میں انہیں حیرہ اور مدائن کسریٰ کے محلات نظر آرہے ہیں، ذرا اپنے حال کو تو دیکھو کہ تمہیں اپنے تن بدن کا تو ہوش نہیں قضاے حاجت کی مہلت نہیں، کیا تم ایسی حالت میں کسریٰ وغیرہ کے ملک کو فتح کرو گے؟ اس واقعہ پر مذکورۃ الصدر آیات نازل ہوئیں ”اِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا“ آپ غور کیجئے کہ ظاہری حالات کے بالکل ناموافق ہونے کے باوجود مسلمانوں کا آپ ﷺ کی خبر پر کس قدر یقین کامل تھا، ہر طرف سے کفار کے نرغہ اور خطرے میں ہیں نہایت سخت سردی نے سب کو پریشان کر رکھا ہے، ہر طرف خوف ہی خوف ہے بھوک کی شدت نے ہر شخص کو نڈھال کر رکھا ہے بھوک کی شدت کو کم کرنے کے لئے پیٹوں پر پتھر باندھے ہوئے ہیں، بظاہر اپنے بچاؤ کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، ایسی حالت میں دنیا کی عظیم سلطنت روم و فارس کی فتوحات کی خوشخبری پر یقین کس طرح ہو، مگر ایمان کی قیمت سب اعمال سے زیادہ اسی وجہ سے ہے کہ اسباب و حالات کے سراسر خلاف ہونے کے باوجود ان کو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد میں کوئی شک و شبہ پیدا نہ ہوا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت اور ایک کھلا معجزہ:

اسی خندق کی کھدائی کے دوران ایک مشہور واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک روز حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ آپ بھوک سے متاثر ہو رہے ہیں، اپنی اہلیہ سے جا کر کہا تمہارے پاس کچھ ہو تو پکا لو، حضور ﷺ پر بھوک کا اثر دیکھا نہیں جاتا، اہلیہ نے بتلایا کہ ہمارے گھر میں ایک صاع (تقریباً ساڑھے تین سیر) جو رکھے ہیں میں ان کو پیستی ہوں، اہلیہ پینے پکانے میں لگیں، گھر میں ایک بکری کا بچہ تھا، حضرت جابر نے اس کو ذبح کر کے گوشت تیار کیا اور آنحضرت ﷺ کو بلانے کے لئے چلے، تو اہلیہ نے پکار کر کہا، دیکھئے حضور کے ساتھ صحابہ کا بہت بڑا مجمع ہے، صرف حضور کو کسی طرح تنہا بلائیں، مجھے رسوا نہ کیجئے کہ کہیں صحابہ کا بڑا مجمع چلا آئے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوری صورت حال عرض کر دی اور کہہ دیا کہ صرف اتنا کھانا ہے، مگر آپ نے پورے لشکر میں اعلان فرمادیا کہ چلو جابر کے گھر دعوت ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیران تھے، گھر پہنچے تو اہلیہ نے سخت پریشانی کا اظہار کیا، اور پوچھا کہ آپ نے آنحضرت کو پوری صورت حال اور کھانے کی مقدار بتلا دی تھی؟ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں! میں بتلا چکا ہوں، تو اہلیہ محترمہ مطمئن ہوئیں کہ پھر ہمیں کچھ فکر نہیں، حضور مالک ہیں جس طرح چاہیں کریں۔

واقعہ کی مزید تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں، بس اتنا نتیجہ معلوم کر لینا کافی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے روٹی اور سالن سب کو دینے اور کھلانے کا اہتمام فرمایا اور پورے مجمع نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا، حضرت جابر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ مجمع کی فراغت کے بعد بھی سالن اور روٹیاں اسی قدر موجود تھیں جتنی کہ شروع میں تھیں، بعد میں گھر والوں نے بھی کھایا اور پڑوسیوں میں بھی تقسیم کر دیا۔

خندق کھودنے سے فراغت اور لشکر قریش کی آمد:

ادھر خندق کھودنے سے فراغت ہوئی ادھر قریش کا لشکر آ گیا اس بارہ ہزار کے لشکر نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا، جب قریش نے دیکھا تو کہنے لگے، یہ وہ مکر ہے کہ اس سے پہلے عرب اس سے واقف نہیں تھے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مشورہ سے خندق کا طریقہ اختیار فرمایا تھا، عرب اس طریقہ سے واقف نہیں تھے، اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے طریقہ جنگ کو اختیار کرنا درست ہے، اسی طرح کفار کے ایجاد کردہ آلات حرب کا استعمال بھی درست ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے غزوہ طائف میں منجیق کا استعمال فرمایا، دونوں لشکر آمنے سامنے کھڑے ہو گئے دونوں کے درمیان خندق حائل تھی جبل سلع مسلمانوں کے پس پشت تھا اور خندق سامنے، آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ ہو جانے کا حکم دیا اور حسان بن ثابت رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ان کا نگران مقرر فرما دیا، بنو قریظہ کے ساتھ چونکہ آپ ﷺ نے معاہدہ کر رکھا تھا اس وقت تک تو بنی قریظہ متحدہ محاذ سے الگ تھے مگر حیی بن اخطب بنو نضیر کا سردار بنی قریظہ کو اپنے ساتھ ملانے کی پوری کوشش کر رہا تھا، یہاں تک حیی بن اخطب خود بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا، کعب بن اسد نے حیی بن اخطب کو آتے دیکھ کر قلعہ کا دروازہ بند کر لیا، حیی بن اخطب نے آواز دی کہ دروازہ کھولو، کعب نے جواب دیا ”افسوس اے حیی بلاشبہ تو منحوس آدمی ہے، میں محمد (ﷺ) سے معاہدہ کر چکا ہوں میں اب اس عہد کو نہ توڑوں گا کیونکہ میں نے محمد (ﷺ) سے سوائے سچائی اور ایفائے عہد کے کچھ نہیں دیکھا“ حیی نے جواب دیا، میں تمہارے لئے دائمی عزت لے کر آیا ہوں، قریش اور غطفان کی فوج کو میں نے یہاں لا کر اتارا ہے، ہم سب نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک محمد اور ان کے ساتھیوں کا استیصال اور قلع قمع نہ کر دیں گے اس وقت تک یہاں سے ہرگز نہ ٹلیں گے۔

کعب نے کہا خدا کی قسم تو ہمیشہ کی ذلت اور رسوائی لے کر آیا ہے، میں محمد (ﷺ) سے کبھی عہد نہ توڑوں گا، حیی برابر اصرار کرتا رہا، یہاں تک کہ اس کو عہد شکنی پر آمادہ کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو سعد بن معاذ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور سعد بن عبادہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور عبد اللہ بن رواحہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو تحقیق حال کے لئے روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اگر یہ خبر صحیح نکلے تو وہاں سے واپس آ کر اس خبر کو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کرنا کہ لوگ سمجھ نہ سکیں اور اگر خبر غلط ہو تو پھر علی الاعلان بیان کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ لوگ کعب بن

اسد کے پاس گئے اور اس کو معاہدہ یاد دلایا، کعب نے کہا کیسا معاہدہ اور کون محمد؟ (ﷺ) میرا ان سے کوئی معاہدہ نہیں، جب یہ لوگ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، عضل وقارۃ یعنی جس طرح عضل وقارۃ نے اصحاب رجب یعنی خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ غد کیا تھا اسی طرح انہوں نے بھی غداری کی (سیرت ابن ہشام) آپ ﷺ سمجھ گئے کہ بنی قریظہ کی غداری کی خبر صحیح ہے، مسلمانوں کے لئے یہ وقت بڑے ابتلا و آزمائش کا تھا، ابتلاء کی کسوٹی پر نفاق و اخلاص کسا جا رہا تھا، اس کسوٹی نے کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا، چنانچہ منافقین نے حیلے بہانے شروع کئے، اور عرض کیا یا رسول ہمارے گھر پست دیوار ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہیں، بچوں اور عورتوں کی حفاظت ضروری ہے، اس لئے ہم اجازت چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسی صورت حال کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يَقُولُونَ اِنْ بُيُوتُنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُرِيدُونَ اِلَّا فِرَارًا. (احزاب آیت ۱۳)

منافقین کہتے ہیں کہ ہمارے گھر خالی ہیں حالانکہ وہ خالی نہیں محض فرار مقصد ہے اس لئے یہ حیلے بہانے کر رہے ہیں۔ اور مسلمان جن کے قلوب اخلاص و ایقان سے لبریز تھے ان کی ایمانی کیفیت کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا اِيْمَانًا وَتَسْلِيمًا. (سورۃ احزاب: آیت ۲۲)

اور اہل ایمان نے جب کافروں کی فوجیں دیکھیں تو فوراً یہ کہا کہ یہ وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے، اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے، اور اس سے ان کے یقین اور ایمان میں اور زیادتی ہو گئی۔

غرض یہ کہ یہود و منافقین سب ہی نے اس لڑائی میں بد عہدی کی، اور مسلمان اندرونی و بیرونی دشمنوں کے محاصرہ اور نرغہ میں آ گئے، محاصرہ کی شدت اور سختی سے رسول اللہ ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ مسلمان بمقتضائے بشریت کہیں گھبرانہ جائیں، اس لئے یہ ارادہ فرمایا کہ عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف سے (جو قبیلہ غطفان کے سردار اور قائد تھے) مدینہ کے نخلستان کے تہائی پھل دیکر ان سے صلح کر لی جائے تاکہ یہ لوگ ابوسفیان کی مدد سے کنارہ کش ہو جائیں اور مسلمانوں کو اس حصار سے نجات ملے، چنانچہ آپ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا، ان دونوں حضرات نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا اللہ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہم اس کی تعمیل کے لئے حاضر ہیں، یا محض آپ ازراہ شفقت و رافت ایسا قصد فرما رہے ہیں، آپ نے فرمایا اللہ کا کوئی حکم نہیں، محض تمہاری خاطر میں نے ایسا ارادہ کیا ہے، اس لئے کہ عرب نے متحد ہو کر ایک کمان سے تم پر تیر باری شروع کی ہے، اس طریقہ سے میں ان کی شوکت اور اجتماعی قوت کو توڑنا چاہتا ہوں۔

سعد بن معاذ نے عرض کیا کہ جب ہم اور یہ کافر و مشرک تھے، بتوں کو پوجتے تھے، اللہ عز و جل کو جانتے بھی نہ تھے اس وقت بھی ان کی یہ مجال نہ تھی کہ ہم سے ایک خرما بھی لے سکیں، الا یہ کہ مہمانی کے طور پر یا خرید کر اور اب جب کہ ہم کو اللہ

تعالیٰ نے ہدایت لازوال اور نعمت بے مثال سے مالا مال فرمایا اور اسلام سے ہم کو عزت بخشی تو اپنا مال ہم ان کو دیدیں یہ ناممکن ہے، واللہ انہیں اپنا مال دینے کی ہمیں کوئی حاجت نہیں، خدا کی قسم ہم ان کو سوائے تلوار کے کچھ نہ دیں گے، اور ان سے جو ہو سکتا ہے وہ کر لیں۔

دو ہفتے اسی طرح گزر گئے مگر دست بدست لڑائی اور مقابلہ کی نوبت نہیں آئی، طرفین سے صرف تیر اندازی ہوتی رہی، بالآخر عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب، ضرار بن خطاب، نوفل بن عبد اللہ، مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلے، ایک جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی وہاں سے پھاند کر اس طرف پہنچے اور مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے آواز دی، عمرو بن عبدود جو کہ سرتاپا غرق آہن تھا میدان میں آیا اور مبارزہ کے لئے آواز دی، شیر خدا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مقابلہ کے لئے بڑھے اور فرمایا اے عمرو! میں تجھ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں، عمرو نے کہا تم کم سن ہو اپنے سے بڑے کو میرے مقابلہ کے لئے بھیجو، میں تمہارے قتل کو پسند نہیں کرتا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں تمہارے قتل کو پسند کرتا ہوں یہ سن کر عمرو کو طیش آگیا اور گھوڑی سے نیچے اتر آیا، اور آگے بڑھ کر حضرت علی پر وار کیا، جس کو حضرت علی نے سپر سے روکا لیکن پیشانی پر زخم آیا بعد ازاں حضرت علی نے اس پر وار کیا جس نے اس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت علی نے اللہ اکبر! کا نعرہ لگایا جس سے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو فتح دی، نوفل بن عبد اللہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کے ارادے سے آگے بڑھا، گھوڑے پر سوار تھا خندق عبور کرتے ہوئے خندق میں گر پڑا اور گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا مشرکین نے دس ہزار درہم آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کئے کہ اس کی لاش ہمارے حوالہ کر دیں، آپ نے ارشاد فرمایا وہ بھی خبیث اور ناپاک تھا اور اس کی دیت بھی خبیث اور ناپاک ہے، غرضیکہ لاش بلا عوض سپرد کر دی۔

حضرت سعد بن معاذ شہ رگ پر تیر لگنے کی وجہ سے زخمی ہو گئے تھے، حضرت سعد بن معاذ نے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ اگر قریش کے ساتھ ابھی لڑائی باقی ہے تو تو مجھے زندہ رکھ اور اگر تو نے ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی کو ختم کر دیا تو تو اس زخم کو میرے لئے شہادت کا ذریعہ بنا۔

آپ ﷺ کی چار نمازیں قضاء:

حملے کا یہ دن نہایت ہی سخت تھا پورا دن تیر اندازی اور سنگ باری میں گزرا، اسی میں رسول اللہ ﷺ کی چار نمازیں قضاء ہوئیں۔

آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ کر دیا تھا، حضرت حسان بن ثابت اس قلعہ کی نگرانی پر مامور تھے، آپ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا کہ ایک یہودی قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا رہا ہے اندیشہ ہوا کہ کہیں جاسوس نہ ہو، حضرت صفیہ نے حضرت حسان سے کہا کہ اس کو قتل کر دو ایسا نہ ہو کہ کہیں دشمنوں سے ہماری مخبری کر دے، حضرت حسان نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں اس کام کا آدمی نہیں حضرت صفیہ نے خیمہ کی ایک

لکڑی لیکر اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا، اور حضرت حسان سے فرمایا یہ مرد ہے اور میں عورت ہوں اس لئے میں تو ہاتھ نہ لگاؤں گی تم اس کے ہتھیار اتار لاؤ، حضرت حسان نے کہا مجھے اس کے ہتھیار اور سامان کی ضرورت نہیں (ابن ہشام) مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلْبُهُ۔

ایک جنگی تدبیر:

اثناء محاصرہ میں نعیم بن مسعود اشجعی غطفان کے ایک رئیس آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا، یا رسول اللہ میں آپ پر ایمان لایا ہوں، میری قوم کو ابھی میرے اسلام لانے کا علم نہیں، اگر اجازت ہو تو میں کوئی تدبیر کروں جس سے یہ حصار ختم ہو، آپ نے فرمایا ہاں تم ایک تجربہ کار آدمی ہوا اگر کوئی ایسی تدبیر ہو سکے تو کر گزرو۔

فَإِنَّ الْحَرْبَ خِدْعَةٌ اس لئے کہ لڑائی نام ہی اصل میں حیلہ و تدبیر کا ہے، نعیم بن مسعود ایک ذہین اور سمجھ دار آدمی تھے، ایک منصوبہ دل میں بنالیا اور آنحضرت ﷺ سے اس کی اجازت چاہی کہ میں ان لوگوں میں جا کر جو مصلحت دیکھوں کہوں، آپ ﷺ نے اجازت دیدی، نعیم بن مسعود، بنی قریظہ کے پاس گئے جن کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں قدیم تعلقات تھے، ان سے کہا اے بنو قریظہ! تم جانتے ہو کہ میں تمہارا قدیم دوست ہوں، انہوں نے اقرار کیا کہ ہمیں آپ کی دوستی میں کوئی شبہ نہیں، اس کے بعد بنو قریظہ کے سرداروں سے خیر خواہانہ انداز میں سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ قریش مکہ ہوں یا ہمارا قبیلہ غطفان، یا دوسرے قبائل یہود وغیرہ ان کا یہاں وطن نہیں، یہ اگر شکست کھا کر بھاگ جائیں تو ان کا کوئی نقصان نہیں، تمہارا معاملہ اس سے مختلف ہے، مدینہ تمہارا وطن ہے، تمہاری عورتیں اور اموال سب یہاں ہیں اگر تم نے ان کے ساتھ جنگ میں شرکت کی اور خدا نخواستہ ان کو شکست ہوئی اور یہ بھاگ گئے تو تمہارا کیا بنے گا؟ کیا تم تنہا مسلمانوں کا مقابلہ کر سکو گے؟

اس لئے میں تم کو خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم لوگ ان کے ساتھ اس وقت تک جنگ میں شریک نہ ہو، جب تک یہ لوگ اپنے خاص سرداروں کی ایک تعداد تمہارے پاس رہن نہ رکھ دیں کہ یہ تم کو مسلمانوں کے حوالہ کر کے نہ بھاگ جائیں، بنو قریظہ کو ان کا یہ مشورہ بہت اچھا معلوم ہوا، اس کی قدر کی اور کہا تم نے بہت اچھا مشورہ دیا۔

اس کے بعد نعیم بن مسعود، قریشی سرداروں کے پاس تشریف لے گئے، اور ان سے کہا تم لوگ جانتے ہو کہ میں تمہارا دوست ہوں، اور محمد ﷺ سے بری ہوں، مجھے ایک خبر ملی ہے تمہاری خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ میں وہ خبر تمہیں پہنچا دوں، بشرطیکہ آپ لوگ میرے نام کا اظہار نہ کریں، وہ خبر یہ ہے کہ یہود بنی قریظہ تمہارے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد نادام ہوئے اور اس کی اطلاع محمد ﷺ کے پاس یہ کہہ کر بھیج دی ہے کہ کیا آپ ہم سے اس شرط پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم قریش اور غطفان کے چند سرداروں کو آپ کے حوالہ کر دیں کہ آپ ان کی گردن مار دیں پھر ہم آپ کے ساتھ مل کر ان کے ساتھ جنگ کریں، محمد ﷺ نے اس بات کو قبول کر لیا ہے، اب بنو قریظہ تم سے بطور رہن کے تمہارے کچھ سرداروں کا مطالبہ کریں گے اب آپ لوگ اپنے معاملہ کو سوچ لیں، اس کے بعد نعیم اپنے قبیلہ غطفان میں گئے اور ان کو بھی یہی خبر سنائی، ادھر یہ ہوا کہ ابوسفیان نے جو کہ متحدہ محاذ کی فوج کے

اعلیٰ کمانڈر تھے قریش کی طرف سے عکرمہ بن ابی جہل کو اور غطفان کی طرف سے ورقہ کو اس کام کے لئے مقرر کیا کہ وہ بنو قریظہ سے جا کر کہیں کہ اب ہمارا سامان جنگ ختم ہو رہا ہے اور ہمارے آدمی بھی مسلسل جنگ سے تھک رہے ہیں ہم آپ کے معاہدہ کے مطابق آپ کی شرکت اور امداد کے منتظر ہیں، بنو قریظہ نے اپنی قرارداد کے مطابق یہ جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ جنگ میں اس وقت تک شریک نہیں ہو سکتے جب تک تم اپنے چند سردار ہمارے پاس بطور رہن نہ بھیج دو، عکرمہ اور ورقہ نے یہ خبر ابوسفیان کو پہنچادی، قریش اور غطفان کے سرداروں نے یقین کر لیا کہ نعیم بن مسعود نے جو خبر دی تھی، وہ صحیح ہے، اور بنی قریظہ سے کہلا بھیجا کہ ہم اپنا ایک آدمی بھی تم کو نہیں دیں گے پھر آپ کا دل چاہے تو ہمارے ساتھ جنگ میں شرکت کریں اور نہ چاہے تو نہ کریں، بنو قریظہ کو بھی یہ صورت حال دیکھ کر اور قریش و غطفان کا جواب سن کر نعیم کی بات کا اور زیادہ یقین ہو گیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمن کے متحدہ محاذ میں ایک شخص کے ذریعہ پھوٹ ڈال دی اور دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

خدا کی غیبی مدد:

حضرت نعیم بن مسعود کی تدبیر کے علاوہ دوسری آسمانی افتاد ان پر یہ آئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سخت اور ٹھنڈی ہوا ان پر مسلط کر دی، سخت جاڑوں کا موسم تھا، ہوانے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے، ہانڈیاں چولہوں سے الٹ دیں، یہ تو ظاہری اسباب اللہ تعالیٰ نے دشمن کے پاؤں اکھاڑنے کے لئے پیدا فرما دیئے تھے، اس پر مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیج دیئے تاکہ باطنی طور پر ان کے دلوں پر رعب طاری کر دیں، ان دونوں باتوں کا ذکر آیات مذکورہ میں اس طرح فرمایا گیا ہے، فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ دَرِيْجًا وَّجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا یعنی ہم نے ان کے اوپر ایک تند و تیز ہوا بھیج دی اور فرشتوں کے لشکر بھیج دیئے، جن کو تم نہیں دیکھ رہے تھے، غزوہ احزاب میں فرشتوں نے اگرچہ عملی حصہ نہیں لیا تھا بلکہ مشرکین کے لشکر کو مرعوب اور خوف زدہ کیا تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اب ان کے لئے بھاگ کھڑے ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

حضرت حذیفہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا دشمن کے لشکر کی خبر لینے کے لئے جانا:

حضرت نعیم بن مسعود کی کارگزاری اور احزاب کے درمیان پھوٹ کے واقعات کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ کوئی آدمی جا کر دشمن کے لشکر اور ان کے ارادوں کی خبر لائے، مگر سخت برفانی ہوا جو دشمن پر بھیجی گئی تھی اس کا اثر مدینہ پر بھی تھا، رسول اللہ ﷺ نے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کون ہے؟ جو کھڑا ہو اور دشمن کے لشکر میں جا کر ان کی خبر لائے؟ آنحضرت ﷺ نے یہ بات تین بار فرمائی مگر پورے مجمع میں دن بھر کی تکان اور سخت سردی کی وجہ سے کوئی ہمت نہ کر سکا، آخر میں آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا نام لیکر فرمایا اے حذیفہ تم جاؤ، حذیفہ فرماتے ہیں میری حالت بھی دوسروں سے مختلف نہیں تھی مگر جب آپ نے نام لیکر فرمایا، اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، میں کھڑا ہو گیا، سردی سے میرا بدن کانپ رہا تھا، آپ نے اپنا دست مبارک میرے سر اور چہرے پر پھیرا، اور فرمایا کہ دشمن کے لشکر میں جاؤ اور مجھے خبر لا دو اور میرے پاس واپس آنے سے پہلے کوئی

کام نہ کرو اور پھر آپ نے میری حفاظت کے لئے دعا فرمائی، میں اپنی تیرکمان اٹھا کر ان کی طرف روانہ ہو گیا، حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں یہاں سے روانہ ہوا تو عجیب ماجرا یہ دیکھا کہ خیمے کے اندر بیٹھے ہوئے سردی سے جو کچپی طاری تھی وہ ختم ہو گئی جب میں لشکر میں پہنچا تو دیکھا کہ ہوا کے طوفان نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے تھے اور ہانڈیاں الٹ دی تھیں، ایک موقع ایسا آیا کہ ابوسفیان میرے تیر کی زد میں تھا میں نے چاہا کہ اس پر تیر چلاؤں مگر پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد آیا جس کی وجہ سے میں نے ارادہ ملتوی کر دیا۔

ابوسفیان واپسی کا اعلان کرنا چاہتے تھے مگر اس کے لئے ضروری تھا کہ دیگر ذمہ داروں سے مشورہ کریں رات کی تاریکی اور سناٹے میں یہ خطرہ بھی تھا کہ کہیں کوئی جاسوس موجود نہ ہو اور وہ ہمارے راز کی بات سن لے، اس لئے ابوسفیان نے یہ ہوشیاری کی کہ بات کرنے سے پہلے سارے مجمع سے کہا کہ ہر شخص اپنے برابر والے شخص کو پہچان لے تاکہ کوئی غیر آدمی ہماری بات نہ سن سکے۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ اب مجھے خطرہ ہوا کہ میرے برابر کا آدمی جب مجھ سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ تو میرا راز کھل جائے گا، انہوں نے بڑی ہوشیاری اور دلیری سے خود سبقت کر کے اپنے برابر والے آدمی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا تعجب ہے تم مجھے نہیں جانتے، میں فلاں ابن فلاں ہوں، وہ قبیلہ ہوازن کا آدمی تھا، اس طرح حذیفہ کو اللہ تعالیٰ نے گرفتاری سے بچالیا، ابوسفیان نے جب یہ اطمینان کر لیا کہ مجمع اپنا ہی ہے یہاں کوئی غیر نہیں تو اس نے پریشان حالات اور بنو قریظہ کی بد عہدی اور سامان جنگ ختم ہو جانے کے واقعات سنا کر کہا میری رائے یہ ہے کہ اب آپ سب واپس چلیں اور میں بھی واپس جا رہا ہوں، اسی وقت لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، اور سب واپس جانے لگے۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ جب میں واپس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے، جب آپ نے سلام پھیرا تو میں نے پورے واقعہ کی روداد سنائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خبر مسرت سے خوش ہو کر ہنسنے لگے حتیٰ کہ رات کی تاریکی میں آپ کے دندان مبارک چمکنے لگے، آپ نے میرے اوپر اپنی چادر کا ایک حصہ ڈال دیا، یہاں تک کہ میں سو گیا، جب صبح ہوئی تو آپ نے ہی مجھے یہ کہہ کر بیدار کیا کہ قُمْرِیا نو مان کھڑا ہوا ہے بہت سونے والے!

صحیح بخاری میں سلیمان بن صرد کی روایت ہے کہ احزاب کے واپس جانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلَا نَنْغَرُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا نَحْنُ نَسِيرُ إِلَيْهِمْ یعنی اب وہ ہم پر حملہ آور نہ ہوں گے بلکہ ہم ان پر حملہ کریں گے اور ہم ان کے ملک پر چڑھائی کریں گے۔ (مظہری)

أَشِحَّةٌ عَلَيْكُمْ (الآیۃ) یعنی تمہارے ساتھ خندق کھود کر تم سے تعاون کرنے میں یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں یا تمہارے ساتھ مل کر لڑنے میں بڑے بخیل ہیں۔

فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ (الآیۃ) یہ منافقین کی بزدلی اور پست ہمتی کی کیفیت کا بیان ہے، یعنی یہ لوگ اپنی شجاعت و مردانگی کے بارے میں ڈینگیں مارتے ہیں جو سراسر جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں (یا) مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اپنی زبان کی تیزی اور طراری سے لوگوں کو متاثر کر کے زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حضرت قتادہ

رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت یہ سب سے زیادہ بڑا حصہ لینے والے اور لڑائی کے وقت سب سے زیادہ بزدل اور ساتھیوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ جانے والے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ دل سے ایمان لائے ہی نہیں ہیں، منافقوں کے اعمال کو ضبط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ کافر اور مشرک ہی ہیں اور کافر و مشرک کے اعمال باطل ہیں، یہ مطلب نہیں کہ اولاً ان کے اعمال قابلِ اجر و ثواب تھے بعد میں ان کو ضبط کر دیا گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُحْبَط، اظہر کے معنی میں ہو یعنی ان کے اعمال کے بطلان کو ظاہر کر دیا۔

يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا (الآیۃ) یعنی ان منافقین کی بزدلی اور دون ہمتی اور خوف و دہشت کا یہ حال ہے کہ کافروں کے گروہ اگر چہ ناکام و نامراد واپس جا چکے ہیں لیکن یہ اب تک یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ابھی تک اپنے مورچوں اور خیموں میں موجود ہیں، اور بالفرض اگر کفار کی جماعت دوبارہ لڑائی کی نیت سے واپس آجائے تو منافقین کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ مدینہ کے اندر رہنے کے بجائے باہر صحراء میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوں اور وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں سے تمہاری بابت پوچھتے رہیں کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہلاک ہوئے یا نہیں؟ یا لشکر کفار ناکام رہا یا کامیاب؟

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۖ لِّمَنۢ أَقْتَدَا بِهٖ فِي الْقِتَالِ وَالْخَبَرِ ۚ وَمَا وَدَّ أَنۢ يُبَدِّلَ مِنۡ لَّكُمْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ يَخَافُ ۖ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَذَكَرَ اللَّهَ ۚ كَثِيرًا ۖ بِخِلَافِ مَنۢ لَّيْسَ كَذٰلِكَ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ مِنَ الْكُفَّارِ قَالُوا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۖ مِنَ الْإِثْلَاءِ ۖ وَالنَّضْرِ ۖ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ فِي الْوَعْدِ وَمَا زَادَهُمْ ذٰلِكَ إِلَّا إِيمَانًا تَصْدِيقًا ۖ بِوَعْدِ اللَّهِ ۖ وَتَسْلِيمًا ۖ لِأَمْرِهِ ۖ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ مِنَ الثَّبَاتِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۖ فَمِنْهُمْ مَّنۢ قَضَىٰ نَحْبَهُ ۖ مَاتَ أَوْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَمِنْهُمْ مَّنۢ يَنْتَظِرُ ۚ ذٰلِكَ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۖ فِي الْعَهْدِ وَبِهِمۢ بَخْلَافٌ حَالِ الْمُنَافِقِينَ ۖ لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّٰدِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ ۖ إِنۢ شَاءَ ۖ بَٰنِ يُمِيتُهُمْ عَلَىٰ نِفَاقِهِمْ ۖ أَوْ يُتَوَبَّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنۢ شَاءَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا ۖ لِّمَنۢ تَابَ رَحِيمًا ۖ بِهٖ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى الْأَحْزَابِ ۖ بَغِظِهِمْ لِمَا بَيَّنَّا لَآخِرًا ۖ مُّرَادِهِمۢ مِنَ الظَّفَرِ ۖ بِالْمُؤْمِنِينَ ۖ وَكَفَىٰ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۖ بِالرِّيحِ وَالْمَلَائِكَةِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا ۖ عَلَىٰ إِجَادِ مَا يُرِيدُهُ ۖ عَزِيزًا ۖ غَالِبًا عَلَىٰ أَمْرِهِ ۖ وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِّنۢ أَهْلِ الْكِتَابِ ۖ أَيْ قُرَيْظَةَ ۖ مِّنۢ صَيَاصِيهِمْ ۖ حُصُونَهُمْ جَمْعُ صَيْصِيَةٍ ۖ وَهُوَ مَا يُتَحَصَّنُ بِهٖ ۖ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ۖ الْخَوْفَ ۖ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ ۖ مِنْهُمْ وَبِمِ الْمُقَاتِلَةِ ۖ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۖ مِنْهُمْ أَيْ الذَّرَارَى ۖ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ ۖ وَدِيَارَهُمْ ۖ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّمۡ تَطَّوُّهَا ۖ بَعْدَ وَبِی خَيْرٌ أَخَذْتَ بَعْدَ قُرَيْظَةَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۖ

تَرْجُمہ: یقیناً تمہارے لئے (حیاتِ) رسول اللہ میں اقتداء کے لئے قتال میں اور قتال میں ثابت قدم رہنے میں عمدہ نمونہ موجود ہے اسوۃ کے ہمزہ پر کسرہ اور ضمہ کے ساتھ (یعنی) ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت سے ڈرتا ہے

اور اللہ کا بکثرت ذکر کرتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جو اس صفت پر نہیں ہے لَمَنْ، لَكُمْ سے بدل ہے اور ایمان والوں نے کفار کے لشکروں کو دیکھا تو بے ساختہ کہہ اٹھے یہی ہے وہ آزمائش اور نصرت کہ جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے کیا تھا، اللہ اور اس کا رسول وعدہ میں سچا ہے اور اس چیز نے اللہ کے وعدے کی تصدیق اور اس کے حکم کے امتثال میں اضافہ کر دیا ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے نبی کے ساتھ ثابت قدم رہنے کا جو عہد کیا تھا سچ کر دکھایا پھر بعض ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے انتقال کر گئے، یا اللہ کے راستہ میں شہید کر دیئے گئے اور ان میں سے بعض موقع کے منتظر ہیں، اور انہوں نے عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور ان کا حال منافقین کے حال کے برخلاف ہے (یہ واقعہ اس لئے ہوا) تاکہ اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کو ان کے سچ کا صلہ دے اور منافقین کو اگر چاہے سزا دے اس طریقہ پر کہ ان کو نفاق ہی پر موت دے، اور اگر چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں پر بڑا مہربان ہے، اور اللہ تعالیٰ نے کافروں یعنی احزاب کو فتنہ میں بھرا ہوا نامراد واپس لوٹا دیا یعنی وہ مومنین پر فتح کی مراد کو حاصل نہ کر سکے، اور اللہ تعالیٰ قتال میں مومنین کی طرف سے آندھی اور ملائکہ کے ذریعہ خود ہی کافی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اس کے موجود کرنے پر بڑی قوت والا ہے اور اپنے امر پر غالب ہے اور جن اہل کتاب یعنی بنی قریظہ نے ان کی مدد کی تھی ان کو بھی ان کے قلعوں سے نکال دیا صیاصی صَنِصِيَّةٌ کی جمع، اس عمارت کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ حفاظت کی جاتی ہے (قلعہ) اور ان کے قلوب میں رعب خوف بھر دیا ان میں سے ایک فریق کو تم قتل کر رہے تھے اور وہ مقاتلین (جنگباز) تھے، اور ان میں سے ایک فریق (یعنی) بچوں کو قید کر رہے تھے اور اس نے تم کو ان کی زمین کا اور ان کے گھربار کا اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور اس زمین کا بھی کہ جہاں ابھی تک تمہارے قدم نہیں پہنچے (وارث بنا دیا) اور وہ ارض خیبر ہے جو قریظہ کے بعد قبضہ میں لی گئی اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اُسُوَّةٌ نَمُوْنَةٌ عَمَلٍ، اسم بمعنی مصدر ہے اَلْاِئْتِسَاءُ اقتداء کرنا شارح رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے اقتداء کے اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ اُسُوَّةٌ اسم مصدر کے معنی میں ہے جیسے قَدْوَةٌ بمعنی اقتداء يقال اِتَّسَى فُلَانٌ بِفُلَانٍ اِی اقتدی بہ۔

قَوْلُهُ: فِی الْقِتَالِ وَالْثَبَاتِ یہ دونوں قیدیں اتفاقی ہیں اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کی زندگی بہتر نمونہ عمل ہے ہر حال میں خواہ حالت جنگ ہو یا حالت امن یا حالت قتال میں ثابت قدمی کا معاملہ ہو یا شجاعت یا مردی کا۔

قَوْلُهُ: فِی مَوَاطِنِہِ اِی مَوَاطِنِ قِتَالٍ کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے۔

وَحَصَّكَ بِالْهُدٰی فِی کُلِّ اَمْرٍ فَلَسْتَ تَشَاءُ اِلَّا مَا یَشَاءُ

قَوْلًا: بَدَلٌ مِنْ لَكُمْ لِمَنْ، لَكُمْ سے اعادہ جار کے ساتھ بدل البعض ہے۔

قَوْلًا: مَا وَعَدَنَا اللَّهُ اللہ کے وعدہ سے اللہ تعالیٰ کا قول اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ (الایہ) مراد ہے، اور قول رسول سے آپ ﷺ کا قول اَنَّ الْاَحْزَابَ سَائِرُونَ بَعْدَ تِسْعِ لَيَالٍ اوْ عَشْرٍ وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَشُدُّ الْأَمْرُ بِاجْمَاعِ الْأَحْزَابِ عَلَيْكُمْ وَالْعَاقِبَةُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ مراد ہے۔

قَوْلًا: صَدَقَ اللَّهُ اِی ظَهَرَ صِدْقُهُ

قَوْلًا: صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لائے ہیں۔

سُئِلَ: اوپر اللہ اور رسول کا ذکر صراحتہ ہو چکا ہے، لہذا یہاں ضمیر لانا یعنی صَدَقَا کہنا کافی تھا، اسم ظاہر لانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ۱ اللہ کے نام کی تکریم و تعظیم کے لئے اللہ کے نام کو مستقلاً ذکر کیا۔

جواب: ۲ یہ ہے کہ ضمیر لانے میں اللہ اور رسول کا نام ایک لفظ میں جمع ہو جاتا، اس لئے کہ دونوں کے لئے تشبیہ کا صیغہ صَدَقَا لایا جاتا جو موہم الی الشک ہے، نیز آپ ﷺ نے دونوں اسموں کو لفظ واحد میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے اور ایک خطیب کی جس نے مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشِدَ وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوَىٰ کہا تھا، مذمت فرماتے ہوئے فرمایا بئسَ خَطِيبُ الْقَوْمِ أَنْتَ قُلْ وَمَنْ يَعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

قَوْلًا: نَحْبَهُ، نَحْبُ نَذْر، منت، یہ موت سے کنایہ ہے، اس لئے کہ ہر جاندار کے لئے نذر کی طرح موت بھی لازم ہوتی ہے۔

قَوْلًا: صَنِيعُهُ مَا يُتَحَصَّنُ بِهِ یعنی جس کے ذریعہ حفاظت کی جائے خواہ قلعہ ہو یا اور کوئی شیء مثلاً سینک، مرغ کا خار، وغیرہ۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِیْحٌ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ سے وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوا هُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ تَكْ واقعہ احزاب کا تمہ ہے، ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان مومنین مخلصین اور منافقین پر عتاب فرمایا ہے جو غزوہ احزاب میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک نہیں ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے مسلمانو! اور منافقو! تم سب کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے پس تم جہاد میں اور صبر و ثبات میں اسی کی پیروی کرو، ہمارا یہ پیغمبر جہاد میں بھوکا رہا حتیٰ کہ اپنے پیٹ پر پتھر باندھے ان کا چہرہ انور زخمی ہو گیا، ان کے دندان مبارک شہید ہوئے اور خندق اپنے ہاتھوں سے کھودی اور تقریباً ایک ماہ دشمن کے سامنے سینہ سپر رہا، یہ آیت اگرچہ جنگ احزاب کے ضمن میں نازل ہوئی ہے، جس میں جنگ کے موقع پر بطور خاص رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھنے اور اس کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر یہ حکم عام ہے، یعنی آپ ﷺ کے تمام اقوال و افعال

میں مسلمانوں کے لئے آپ ﷺ کی اقتداء ضروری ہے، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرت سے، معیشت سے، سیاست سے زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کی ہدایات واجب الاتباع ہیں۔

لَمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسوۂ رسول کو وہی شخص اپنائے گا جو آخرت میں اللہ کی ملاقات پر یقین رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو، آج مسلمان بالعموم ان دونوں وصفوں سے محروم ہیں اس لئے اسوۂ رسول کی بھی ان کے دلوں میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔

منافقین نے تو دشمن کی کثرت تعداد اور حالات کی سنگینی کو دیکھ کر کہا تھا کہ اللہ اور رسول کے دعوے فریب تھے، ان کے برعکس اہل ایمان نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا ہے کہ ابتلاء و امتحان سے گزرنے کے بعد تمہیں فتح و نصرت سے ہمکنار کیا جائے گا وہ سچا ہے، مطلب یہ ہے کہ حالات کی شدت اور ہولناکی نے ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کیا، بلکہ ان کے ایمان میں جذبہ اطاعت و انقیاد اور تسلیم و رضا میں مزید اضافہ کر دیا، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ مختلف احوال کے اعتبار سے ایمان اور اس کی قوت میں کمی بیشی ہوتی ہے، جیسا کہ اہل سنت و الجماعت کا مسلک ہے۔

شان نزول:

مَنْ الْمُؤْمِنِينَ رَجَالٌ صَدَقُوا یہ آیت صحابہ کرام کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جن میں بعض وہ حضرات بھی شامل تھے کہ جو کسی وجہ سے غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے مگر انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر آئندہ کبھی آپ ﷺ کی معیت میں جہاد میں شریک ہونے کا موقع ملے گا تو ہم جہاد میں بھرپور حصہ لیں گے اور راہ خدا میں اپنی جان عزیز بھی قربان کر دیں گے جیسے نصر بن انس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وغیرہ، بالآخر لڑتے ہوئے جنگ احد میں شہید ہوئے، ان کے جسم پر تیر و تلوار وغیرہ کے اسی سے بھی زیادہ زخم تھے، ان کی شہادت کے بعد ان کی ہمشیرہ نے انہیں ان کی انگلی کے پوروں سے پہچانا (مسند احمد ج ۴، ص ۱۹۳) نَبَحْتُ کے معنی نذر، عہد، موت کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان صادقین میں سے کچھ نے اپنا عہد اور نذر پوری کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا۔

اور بعض وہ ہیں جو ابھی تک عروس شہادت سے ہمکنار نہیں ہوئے ہیں تاہم شہادت کے شوق میں شریک جہاد ہوتے ہیں، اور شہادت کی سعادت کے آرزو مند ہیں، انہوں نے اپنی نذر یا عہد میں تبدیلی نہیں کی۔

رَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا یعنی کفار کا لشکر ذلت و ناکامی سے بچ و تاب کھاتا ہوا اور غصہ سے دانت پیتا ہوا خائب و خاسر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا، نہ فتح نصیب ہوئی اور نہ مال ہاتھ لگا، البتہ عمرو بن عبدود جیسا نامور سوار جسے لوگ ہزار سواروں کے برابر سمجھتے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے مارا گیا، مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار درہم کے بدلے اس کی لاش ہمیں دیدی جائے، آپ نے فرمایا تم لیجاؤ، ہم مردوں کا ثمن نہیں کھاتے (فوائد عثمانی) غزوہ احزاب میں دو بدو مقابلہ کی نوبت نہیں آئی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر وہ اثر پیدا کیا کہ کفار

سراسیمہ اور مرعوب ہو کر بھاگ گئے، اس وقت آپ نے فرمایا اَلَا نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَا نَحْنُ نَسِيرُ إِلَيْهِمُ الْخ.

(حازن، جمل)

غزوہ بنی قریظہ:

وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوا هُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ غَزْوَهُ بَنُو قَرِیْظَ چونکہ غزوہ احزاب کا تتمہ بلکہ اسی کا ایک حصہ ہے اس لئے غزوہ احزاب کے بعد غزوہ بنی قریظہ کا ذکر فرمایا چونکہ ان دونوں غزوات میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق بہت سی ہدایات اور رسول اللہ ﷺ کے معجزات و بینات اور بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اس لئے ان دونوں غزوات کو تفصیل سے لکھا گیا ہے، اور خود قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ دو رکوع میں ذکر کیا گیا ہے۔

غزوہ بنی قریظہ ذیقعدہ ۵ھ یوم چہار شنبہ کو پیش آیا، رسول اللہ ﷺ غزوہ خندق سے صبح کی نماز کے بعد واپس ہوئے آپ ﷺ نے اور تمام مسلمانوں نے ہتھیار کھول دیئے، جب ظہر کا وقت قریب آیا تو جبریل امین ایک نجر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے۔

فَائِدَہ: ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جبریل امین موضع جنازہ (وہ جگہ جو آپ نے نماز جنازہ کے لئے مسجد سے علیحدہ بنوائی تھی) کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے، (طبقات ص ۵۳، ج ۲) معلوم ہوا کہ جنازہ کی نماز مسجد میں نہ پڑھنی چاہئے، ورنہ نماز جنازہ کے لئے مسجد سے علیحدہ جگہ بنانے کی کیا حاجت تھی؟

جبریل امین نے آپ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا، کیا آپ ﷺ نے ہتھیار اتار دیئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، جبریل علیہ السلام نے فرمایا فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں کھولے، اور نہ وہ ہنوز واپس ہوئے، اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنو قریظہ کی طرف جانے کا حکم فرمایا ہے، اور میں خود بھی بنی قریظہ کی طرف جا رہا ہوں ان کو جا کر متزلزل کرتا ہوں۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴، ص ۱۱۶)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور بنی قریظہ کے درمیان پہلے معاہدہ تھا جب قریش پورے جزیرۃ العرب کا متحدہ محاذ بنا کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تو بنو قریظہ آپ ﷺ سے معاہدہ توڑ کر قریش کے ساتھ مل گئے (اس کی کچھ تفصیل سابق میں گذر چکی ہے) جب احزاب کو اللہ تعالیٰ نے شکست دی تو بنی قریظہ قلعہ بند ہو گئے، حضرت جبریل فرشتوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ فوراً بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں، آپ نے فرمایا میرے اصحاب ابھی تھکے ہوئے ہیں، جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ اس کا خیال نہ کریں اور روانہ ہو جائیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص سوائے بنی قریظہ کے کہیں نماز عصر نہ پڑھے، راستہ میں جب نماز عصر کا وقت آیا تو اختلاف ہوا تو بعض حضرات نے کہا ہم تو بنی قریظہ پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھیں گے بعض نے کہا ہم نماز پڑھ لیتے ہیں، چنانچہ کچھ لوگوں نے راستہ ہی میں نماز عصر ادا کر لی، اور بعض حضرات نے بنی

قریظہ پہنچ کر عصر کی نماز قضاء کی، قضاء نماز پڑھنے والوں نے کہا چونکہ آپ ﷺ نے بنی قریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اس لئے ہم تو بنی قریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھیں گے، اور راستے میں نماز پڑھنے والوں نے یہ دلیل دی کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ مقصد نہ تھا کہ نماز قضاء کر دی جائے بلکہ مقصود تعجیل تھا، جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے کسی پر اظہار ناراضگی نہیں فرمایا (بخاری شریف) اس لئے کہ نیت ہر ایک کی خیر تھی۔

فَائِدَة: حافظ ابن قیم فرماتے ہیں جس نے حدیث کے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اس کو بھی اجر ملا اور جس نے اجتہاد و استنباط کیا اس کو بھی اجر ملا، لیکن جن لوگوں نے ظاہر الفاظ پر نظر کر کے بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر ادا نہ کی حتیٰ کہ وقت عصر نکل گیا تو ان لوگوں کو فقط ایک فضیلت حاصل ہوئی یعنی حکم نبوی کی تعمیل کا اجر ملا، اور جن لوگوں نے اجتہاد و استنباط سے کام لیا اور منشاء نبوی کو سمجھا ان لوگوں کو ہر اجر۔ (فتح الباری ملخصاً ص ۳۱۶، ج ۷)

بعد ازاں آپ ﷺ نے حضرت علی کو رایت اسلام دے کر روانہ فرمایا جب حضرت علی وہاں پہنچے تو یہود نے آنحضرت ﷺ کو کھلم کھلا گالیاں دیں، اس کے بعد آپ ﷺ روانہ ہوئے اور پہنچ کر بنی قریظہ کا محاصرہ کیا، پچیس روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا، اس اثناء میں ان کے سردار کعب بن اسد نے ان کو جمع کر کے یہ کہا کہ میں تین باتیں تم پر پیش کرتا ہوں ان میں سے جس ایک کو چاہو اختیار کر لو تا کہ تم کو اس مصیبت سے نجات ملے۔

اول یہ کہ ہم اس شخص (یعنی محمد ﷺ) پر ایمان لے آئیں اور اس کے تتبع اور پیرو بن جائیں۔

فَوَاللّٰهِ لَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ اَنَّهُ نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ وَاَنَّهُ الَّذِي تَجِدُوْنَهُ فِى كِتَابِكُمْ فَتَاْمِنُوْنَ عَلٰى دِمَائِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَاَبْنَاءِكُمْ وَنِسَاءِكُمْ۔

کیونکہ خدا کی قسم تم پر یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے، کہ وہ بلاشبہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور تحقیق یہ وہی نبی ہیں جن کو تم تو رات میں لکھا پاتے ہو اگر ایمان لے آؤ گے تو تمہاری جان اور مال اور عورتیں سب محفوظ ہو جائیں گی۔

بنی قریظہ نے کہا ہمیں یہ منظور نہیں، دوسری بات یہ کہ بچوں اور عورتوں کو قتل کر کے بے فکر ہو جاؤ اور شمشیر بکف ہو کر پوری ہمت اور پامردی کے ساتھ محمد (ﷺ) کا مقابلہ کرو اگر ناکام رہے تو عورتوں اور بچوں کا کوئی غم نہ ہوگا اور اگر کامیاب ہو گئے تو عورتیں بہت ہیں ان سے بچے بھی پیدا ہو جائیں گے، بنو قریظہ نے جواب دیا کہ بلاوجہ عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے زندگی کا کیا لطف ہے؟ کعب نے کہا اچھا اگر یہ منظور نہیں تو تیسری بات یہ ہے کہ آج ہفتہ کی شب ہے عجب نہیں کہ محمد اور ان کے ساتھی غافل اور بے خبر ہوں، اور ہماری طرف سے اس وجہ سے مطمئن ہوں کہ ہفتہ ہمارے نزدیک محترم ہے ہم اس دن میں حملہ نہیں کر سکتے، مسلمانوں کی اس غفلت اور بے خبری سے یہ فائدہ اٹھاؤ کہ اچانک ان پر شب خون مارو، بنو قریظہ نے کہا اے کعب تجھ کو معلوم ہے کہ ہمارے اسلاف اسی دن کی بے حرمتی کی وجہ سے بندر اور سور بنائے گئے، پھر تو ہم کو اسی کام کا حکم دیتا ہے، الغرض بنو قریظہ نے کعب کی ایک بات بھی نہ مانی، اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور آپ ان

کے بارے میں جو فیصلہ فرمائیں اس پر راضی ہو جائیں، قبیلہ اوس نے جن کا بنو قریظہ سے قدیم زمانہ میں معاہدہ رہا تھا آپ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کریں جو بنی نضیر کے ساتھ کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ میں ان کا معاملہ تمہارے ہی ایک سردار کے سپرد کر دوں یہ لوگ اس پر راضی ہو گئے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ تمہارے سردار سعد بن معاذ ہیں ان کا فیصلہ میں ان کے سپرد کرتا ہوں اس پر سب لوگ راضی ہو گئے۔

حضرت سعد بن معاذ چونکہ واقعہ خندق میں ایک تیر لگنے کی وجہ سے شدید زخمی ہو گئے تھے، آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کا خیمہ مسجد نبوی کے صحن میں لگوا دیا تھا تاکہ تیمارداری میں سہولت رہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بنو قریظہ کا فیصلہ حضرت سعد ہی پر چھوڑ دیا تھا، حضرت سعد نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں جو جنگ کرنے والے جوان ہیں وہ قتل کر دیئے جائیں اور عورتوں بچوں نیز بوڑھوں کے ساتھ جنگی قیدیوں کا معاملہ کیا جائے جو اسلام میں معروف ہے، چنانچہ یہی فیصلہ نافذ کر دیا گیا، اس فیصلے کے فوراً بعد ہی حضرت سعد کے زخم سے خون بہہ پڑا اسی میں ان کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں دعائیں قبول فرمائیں، ایک یہ کہ آئندہ قریش کا رسول اللہ ﷺ پر کوئی حملہ نہ ہوگا، دوسرے یہ کہ بنو قریظہ کو ان کی غداری کی سزا مل جائے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنِّ تَسْعُ وَطَلَبْنِ مِنْهُ مِنْ زِينَةِ الدُّنْيَا مَا لَيْسَ عِنْدَهُ إِنَّ كُنْتُمْ تُرْذِنُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ أَيْ مُتْعَةُ الطَّلَاقِ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ أَطْلُقْكِ مَنْ غَيْرِ ضَرَارٍ وَإِنْ كُنْتُمْ تُرْذِنُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ أَيْ الْجَنَّةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ بِإِزَادَةِ الْآخِرَةِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ أَيْ الْجَنَّةَ فَاخْتَرْنَ الْآخِرَةَ عَلَى الدُّنْيَا لِيَسَاءَ النَّبِيُّ مِنْ يَاتٍ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكُسْرِ بَا أَيْ بُيِّنَتْ أَوْ هِيَ بَيِّنَةٌ يُضَعَفُ وَفِي قِرَاءَةِ يُضَعَفُ بِالتَّشْدِيدِ وَفِي أُخْرَى تُضَعَفُ بِالنُّونِ مَعَهُ وَتُضَبُّ الْعَذَابُ لَهَا الْعَذَابُ ضَعْفَيْنِ ضَعْفَيْنِ عَذَابٍ غَيْرِ بَيْنِ أَيْ مِثْلِيهِ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ وَمَنْ يَقْنُتْ يَطِيعْ مِنْكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعَمَلْ صَالِحًا نُؤْتِيهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ أَيْ بِمِثْلِي ثَوَابٍ غَيْرِ بَيْنِ مِنْ نِسَاءٍ وَفِي قِرَاءَةِ بِالتَّحْتَانِيَّةِ فِي تَعَمَلْ وَنُؤْتِيهَا وَاعْتَدْنَا لَهُا رِزْقًا كَرِيمًا ۝ فِي الْجَنَّةِ زِيَادَةٌ لِيَسَاءَ النَّبِيُّ لَسْتُمْ كَأَحَدِ كَجَمَاعَةٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنْ اتَّقَيْتُنَّ اللَّهَ فَإِنَّ كُنَّ أَغْظَمَ فَلَا تُخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ لِلرِّجَالِ فَيُطْمَعُ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ بِفَاقٍ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ مِنْ غَيْرِ خُضُوعٍ وَقُرْنَ بِكُسْرِ الْقَافِ وَفَتْحِهَا فِي بَيِّنَاتٍ مِنْ الْقَرَارِ وَأَضْلُهُ إِقْرَرْنَ بِكُسْرِ الرَّاءِ وَفَتْحِهَا مَنْ قَرَرَتْ بِفَتْحِ الرَّاءِ وَكُسْرِ بَا نُقِلَتْ حَرْكَةُ الرَّاءِ إِلَى الْقَافِ وَحُذِفَتْ مَعَ بِمَوَ الْوَضَلِ وَلَا تَبْرَجْنَ بِتَرْكِ أَحَدَى الثَّانِيَيْنِ مِنْ أَضْلِهِ تَبْرُجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى أَيْ مَاقِبِلَ الْإِسْلَامِ مِنْ إِظْهَارِ النِّسَاءِ مَخَاسِنَهُنَّ لِلرِّجَالِ وَالْإِظْهَارُ بَعْدَ الْإِسْلَامِ مَذْكُورٌ فِي آيَةٍ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الْأَثِمَ يَا أَهْلَ الْبَيْتِ
ای نساء النبی ويطهرکم منه تطهیراً واذکرنا ما یتلی فی بیوتکم من آیت اللہ القرآن والحکمة
السنة إن الله کان لطیفاً بأولیائه خبیراً بجمیع خلقه۔

تذکرہ: اے نبی آپ اپنی ازواج سے کہہ دیجئے اگر تم دنیوی زندگی (کاعیش) اور اس کی زینت چاہتی ہو تو
آؤ میں تم کو کچھ یعنی طلاق دیدوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہو یعنی جنت کو تو یقین
جانو کہ تم میں نیک کام کرنے والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارادہ آخرت پر زبردست اجر یعنی جنت تیار کر رکھی ہے،
چنانچہ ان سب نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی، اے نبی کی بیویو! جو بھی تم میں سے کھلی ہوئی بیہودگی کا ارتکاب کرے گی
مُبَدِّلَةٌ میں ی کے فتح اور اس کے کسرہ کے ساتھ یعنی ظاہر کی ہوئی یا کھلی ہوئی تو اس کو دو ہر اعداب دیا جائے گا اور ایک
قراءت میں یُضَعَّفُ تشدید کے ساتھ ہے، اور ایک قراءت میں نون مع التشدید اور العذاب کے نصب کے ساتھ
(یعنی) غیر ازواج کے عذاب کا دو گنا، یعنی دو مثل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت آسان ہے اور تم میں سے جو کوئی
اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور عمل صالح کرے گی تو ہم اس کو دو ہر اجر دیں گے، یعنی دوسری
عورتوں کی بہ نسبت دو ہر اجر اور ایک قراءت میں نعمل اور نؤتھا میں یا تختانیہ کے ساتھ ہے، اور ہم نے اس کے
لئے جنت میں مزید برآں بہترین روزی تیار کر رکھی ہے، اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح (معمولی) نہیں ہو
اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو بلاشبہ تم بڑے درجوں والی ہو، تو مردوں سے گفتگو میں نرم لہجہ مت اختیار کرو، کہ جس کے
قلب میں مرض نفاق ہو وہ طمع کرنے لگے، اور تم نرمی اور نزاکت کے بغیر قاعدے کے مطابق کلام کرو اور تم اپنے
گھروں میں قرار سے رہو قِرْنَ میں کسرہ اور فتح دونوں کے ساتھ ہے، یہ قرار سے مشتق ہے، اس کی اصل اِفْرَزْنَ راء
کے فتح اور کسرہ کے ساتھ قَرَزَتْ فتح راء اور کسرہ راء سے مشتق ہے، راء کی حرکت قاف کی طرف منتقل ہو گئی اور مع
ہمزہ وصل کے حذف ہو گئی اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق تم اپنی زینت کا اظہار مت کرو، یعنی زمانہ ماقبل
اسلام میں عورتوں کے مردوں کے لئے اظہار محاسن کے مانند، اور زمانہ اسلام کے بعد کا اظہار، آیت وَلَا يُبْدِينَ
زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا میں مذکور ہے اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتی رہو اللہ اور اس کے رسول کی
اطاعت کرتی رہو اہل بیت یعنی نبی کی بیویو! اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے گناہ کی آلودگی دور کرے اور تم کو خوب
پاک صاف رکھے اور تم ان آیات قرآنی اور حکمت سنت کو یاد رکھو جن کا تمہارے گھروں میں تذکرہ رہتا ہے یقیناً اللہ
تعالیٰ اپنے اولیاء پر لطف کرنے والا اور اپنی تمام مخلوق سے باخبر ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ أَزْوَاجٌ نَبِيٌّ ﷺ اور دیگر مسلمان عورتوں کے اسلامی موقف کو بیان کرنے کے لئے یہ کلام مستأنف ہے۔

قَوْلًا: فَتَعَالَيْنِ تَمَّ آوِيہ تَعَالَى سے امر جمع مؤنث حاضر مبنی بر سکون ہے نون نسوة فاعل ہے، یہ کلمہ اپنے کثرت استعمال کی وجہ سے اَقْبَل (سنو) کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔

قَوْلًا: أُمْتَعُكُنَّ وَأُسْرُحُكُنَّ عام قراءت میں یہ دونوں صیغے جزم کے ساتھ ہیں، مجزوم ہونے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں، اول یہ کہ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہو اور کسبتن شرط ہو اور شرط اور جواب شرط کے درمیان جملہ معترضہ ہو، دوسری وجہ یہ ہے کہ فَتَعَالَيْنِ جواب شرط ہو اور أُمْتَعُكُنَّ جواب امر ہو۔

قَوْلًا: مِنْ كُنَّ مِنْ بَيَانِیہ ہے اس لئے کہ تمام ازواج محسنات ہیں، دوسری ترکیب اول سے بہتر ہے۔

(اعراب القرآن للدرویش)

قَوْلًا: إِنْ اتَّقَيْتُنَّ إِنْ حرف شرط اتَّقَيْتُنَّ شرط محلا مجزوم، جواب شرط محذوف جیسا کہ شارح رَحِمَهُمُ اللہ تَعَالَى نے فَإِنَّكُنَّ اعظم سے اشارہ کر دیا ہے اور بعض مفسرین نے فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کو جواب شرط قرار دیا ہے، اِیْ إِنْ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَكَلَّمْنَ كَلَامًا لَبِنًا خَاضِعًا مَعَ الرِّجَالِ كَكَلَامِ الْمَرْبِیَّاتِ۔

قَوْلًا: وَقَرْنَ فِی بُیُوتِكُنَّ (در فارسیہ) اِیْ آرام بگیرید در خانہائے خویش یعنی اپنے گھروں میں سکون سے رہو وَقَرْنَ میں واو عاطفہ ہے جمع مؤنث امر حاضر معروف یہ اصل میں قرار سے اِقْرَرْنَ تھا (سمع) یا اصل میں اِقْرَرْنَ تھا راء کے کسرہ اور فتح کے ساتھ قَرَرْتَ یا قَرَرْتَ سے راء کی حرکت کو نقل کر کے قاف کو دیدی اور راء مع ہمزہ حذف ہو گئی، (ضرب) تم ٹھہری رہو، بیضاوی اور زحشری نیز نیشاپوری نے لکھا ہے یہ قَارَ یَقَارُ بروزن خَافَ یَخَافُ سے ہے، یعنی تم جے رہو اور بعض حضرات نے واو کو اصل قرار دیکر وَقَرَّ یَقَرُّ سے مشتق قرار دیا ہے یعنی سکون اور قرار سے رہو۔ (لغات القرآن) تَبَرَّجْنَ اصل میں تَتَبَرَّجْنَ تھا، ناز و انداز سے چلنا اور اپنی زینت و محاسن کو اجنبیوں کے لئے ظاہر کرنا۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

ربط آیات:

سورۃ احزاب کے مقاصد میں سے اہم مقصد رسول اللہ ﷺ کی ایذا سے اور برائی چیز سے بچنے کی تاکید ہے جس سے آپ کو تکلیف پہنچے، نیز اس عورت میں آپ کی اطاعت اور رضا، جوئی کے موکد احکام ہیں، غزوۃ احزاب میں کفار

و منافقین کی طرف سے آپ کو ایذا میں پہنچیں۔

مذکورہ الصدر آیات میں خاص ازواج مطہرات کو تعلیم ہے کہ وہ خصوصاً اس کا اہتمام کریں کہ آپ ﷺ کو ان کے کسی قول و فعل سے ایذا نہ پہنچے اور یہ جہی ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت میں لگ جائیں اس سلسلہ کے چند احکام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب کر کے بتلائے گئے ہیں۔

شان نزول:

شروع آیات میں جوازِ زوجِ مطہرات کو طلاق لینے کا اختیار دینا مذکور ہے اس کے ایک یا چند واقعات ہیں جو ازواجِ مطہرات کی طرف سے پیش آئے، جو رسول اللہ ﷺ کی منشاء کے خلاف تھے جن میں بلا قصد و اختیار رسول اللہ کو تکلیف پہنچی، ان واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مفصل آیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ ازواجِ مطہرات نے جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ سے اس کا مطالبہ کیا کہ ان کا نان و نفقہ بڑھا دیا جائے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

فتوحات کے نتیجے میں جب مسلمانوں کی حالت پہلے سے کچھ بہتر ہو گئی تو انصار و مہاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر ازواجِ مطہرات نے بھی نان و نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کر دیا نبی کریم ﷺ چونکہ نہایت سادگی پسند تھے اس لئے ازواجِ مطہرات کے اس مطالبہ پر نہایت کبیدہ خاطر ہوئے اور یہی واقعہ تخییر طلاق کا سبب بنا جس کی وجہ سے آپ نے ازواجِ مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی جو ایک ماہ تک جاری رہی، اور آپ نے بالا خانہ پر تنہائی اختیار فرمائی، مدینہ میں غم کا ماحول چھا گیا، ہر شخص حیران تھا، لوگ آپ کے دولت کدہ کے دروازہ پر جمع تھے مگر کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں مل رہی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور اجازت طلب کی تو آپ کو اجازت مل گئی، آپ اندر تشریف لے گئے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور اجازت چاہی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اجازت مل گئی آپ بھی اندر تشریف لے گئے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ گم صم بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے اطراف آپ کی ازواج بیٹھی ہوئی ہیں، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا واللہ میں ایک ایسی بات کہوں گا کہ جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو ہنسی آجائے گی، چنانچہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر بنت خارجہ یعنی میری بیوی مجھ سے نفقہ طلب کرتی تو میں اس کی گردن دبا دیتا، یہ بات سن کر آپ ﷺ کو ہنسی آ گئی، آپ نے فرمایا یہ جو میرے پاس بیٹھی ہوئی ہیں مجھ سے نفقہ طلب کر رہی ہیں، چنانچہ حضرت ابوبکر اٹھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گردن دبا دی، اور حضرت عمر نے حضرت حفصہ کی گردن دبا دی اور دونوں نے یہ کہا کہ کیا تم آپ سے ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے؟ اس کے بعد آپ ایک ماہ تک ازواج سے الگ رہے اس کے بعد مذکورہ آیت نازل ہوئی، بعض روایات میں حضرت زینب کے گھر میں شہد پینے کے واقعہ کو تخییر طلاق کا سبب بتایا گیا ہے اگر یہ دونوں واقعے قریبی زمانہ میں پیش آئے ہوں تو یہ بھی بعید نہیں کہ دونوں ہی تخییر طلاق کا سبب ہوں،

لیکن آیت تخییر کے الفاظ سے زیادہ تائید اس کی ہوتی ہے کہ ازواج مطہرات کی طرف سے کوئی مالی مطالبہ اس کا سبب بنا ہے، اس لئے کہ اس آیت میں فرمایا ہے اِنْ كُنْتُمْ تُرِذْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَرِزْنَهَا بِالْآخِرِ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اِنْ كُنْتُمْ تُرِذْنَ الْآلَةَ (الآیۃ) نازل فرمائی، اس کے بعد آپ نے سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو یہ آیت سنا کر اختیار دیا، مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کے بعد کوئی قدم اٹھائیں، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے بارے میں مشورہ کروں؟ بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں اور یہی بات دیگر ازواج مطہرات نے بھی کہی، اور کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر دنیا کے عیش و آرام کو ترجیح نہیں دی (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ احزاب) اس وقت آپ ﷺ کے حوالہ عقد میں نو بیویاں تھیں۔ پانچ قریش میں سے تھیں، حضرت عائشہ، ام حبیبہ، حفصہ، سودہ، اور ام سلمہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ اور چار ان کے علاوہ تھیں یعنی حضرت صفیہ، میمونہ، زینب، اور جویریہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ۔

مَسْکِلٌ: اختیار طلاق کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ طلاق کا اختیار عورت کے سپرد کر دیا جائے اگر وہ چاہے تو خود اپنے نفس کو طلاق دیکر آزاد ہو جائے، دوسرے یہ کہ طلاق شوہر ہی کے ہاتھ میں رہے کہ اگر عورت چاہے تو وہ طلاق دیدے، آیت مذکورہ میں بعض حضرات نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے اور بعض نے دوسری کو، آیت کے الفاظ میں دونوں کا احتمال ہے، اور بعض حضرات نے نفس تخییر ہی کو طلاق قرار دیا ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب زوجین کی طبیعتوں میں مناسبت نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ بیوی کو اختیار دیدیا جائے، اگر رہنا چاہے تو رہے ورنہ معطل طلاق دیکر عزت کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔

یَا نِسَاءَ النَّبِیِّ مَنْ یَا تِ مَذْکُورٌ بِفَاحِشَةٍ مَّبِیِّنَةٍ قرآن مجید میں الْفَاحِشَةُ (معرف باللام) کو زنا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، لیکن فَاحِشَةُ (نکرہ) برائی کے لئے استعمال ہوا ہے، جیسے کہ یہاں ہے، یہاں اس کے معنی بد اخلاقی اور نامناسب طرز عمل کے ہیں، اس لئے کہ نبی ﷺ کے ساتھ بد اخلاقی اور نامناسب رویہ آپ کو ایذا پہنچاتا ہے، جس کا ارتکاب کفر ہے، اس کے علاوہ ازواج مطہرات خود بھی مقام بلند کی حامل تھیں اور بلند مرتبت لوگوں کی معمولی غلطیاں بھی بڑی سمجھی جاتی ہیں اس لئے ازواج مطہرات کو دو گنے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، اگلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح گناہ کا وبال دو گنا ہوگا، اسی طرح نیکوں کا اجر بھی دو گنا ہوگا۔

یَنْسِئَنَّ النَّبِیُّ لِسُنَّتِ کَاحِدٍ مِّنَ النِّسَاءِ یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کا سا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا جو شرف عطا فرمایا ہے اس کی وجہ سے تمہیں ایک امتیازی مقام حاصل ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی طرح تمہیں بھی امت کے لئے ایک نمونہ بننا ہے چنانچہ انہیں ان کے مقام اور مرتبہ سے آگاہ کر کے انہیں کچھ ہدایات دی جا رہی ہیں، مخاطب اگرچہ ازواج مطہرات ہیں لیکن انداز بیان سے صاف واضح ہے کہ مقصد پوری امت مسلمہ کی عورتیں ہیں، اس لئے یہ ہدایات تمام مسلمان عورتوں کے لئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورت کے وجود کے اندر مرد کے لئے جنسی کشش رکھی ہے (جس کی حفاظت کے لئے بھی خصوصی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ عورت مرد کے لئے فتنے کا باعث نہ ہو) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی آواز میں بھی فطری طور پر دلکشی، نرمی اور نزاکت و دیعت فرمائی ہے، جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے، لہذا اس آواز کے لئے بھی یہ ہدایت دی گئی کہ اجنبی مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصداً ایسا لب و لہجہ اختیار کرو کہ نرمی اور لطافت کی جگہ قدرے سختی اور روکھاپن ہوتا کہ کوئی بد باطن لہجے کی نرمی سے تمہاری طرف مائل نہ ہو اور اس کے دل میں کوئی برا خیال پیدا نہ ہو اور وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ روکھاپن، صرف لب و لہجہ کی حد تک ہی ہو، زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکالنا جو معروف قاعدے اور اخلاق کے منافی ہو، اس آیت سے اتنا تو ثابت ہوا کہ عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں مگر اس پر بھی احتیاطی پابندی یہاں بھی لگا دی گئی کہ اجنبی مرد سے نزاکت اور نرمی سے گفتگو کرنے کے بجائے قدرے روکھاپن اختیار کریں چنانچہ ام المؤمنین اس آیت کے نزول کے بعد غیر مرد سے کلام کرتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ لیتیں تاکہ آواز بدل جائے، آگے اِنْ اتَّقَيْتُنَّ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ ہدایت اور دیگر ہدایات جو آگے آرہی ہیں متقی عورتوں کے لئے ہیں کیونکہ انہیں میں یہ فکر ہوتی ہے کہ ان کی آخرت برباد نہ ہو جائے جن کے دل خوف الہی سے عاری ہیں انہیں ان ہدایات سے کیا سروکار؟ وہ کب ان ہدایات کی پرواہ کرتی ہیں؟

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ یعنی اپنے گھروں میں ٹک کر رہو، اور بغیر ضروری حاجت کے گھر سے باہر نہ نکلو، اس میں وضاحت کر دی گئی کہ عورت کا دائرہ عمل امور سیاست اور جہاں بانی نہیں، نیز معاشی جھیلے بھی ان کے دائرہ عمل سے خارج ہیں، بلکہ گھروں میں چہار دیواری کے اندر رہ کر امور خانہ داری انجام دینا عورتوں کا دائرہ عمل ہے۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى اس آیت میں گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلائے گئے ہیں کہ اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو بناؤ سنگھار کر کے یا ایسے انداز سے جس سے تمہارا بناؤ سنگھار ظاہر ہو، مت نکلو، جیسے بے پردہ ہو کر، جس سے تمہارا سر، چہرہ، بازو اور چھاتی وغیرہ لوگوں کو دعوتِ نظارہ دے، بلکہ بغیر خوشبو لگائے سادہ لباس میں ملبوس اور باپردہ باہر نکلو، تَبَرُّج بے پردگی اور زیب و زینت کے اظہار کو کہتے ہیں، قرآن نے واضح کر دیا کہ یہ تبرج جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور آئندہ بھی جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا یہ جاہلیت ہی ہوگی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نما، دل فریب رکھ لیا جائے۔

وَاقِمْنَ الصَّلَاةَ (الآیۃ) کچھلی ہدایات برائی سے اجتناب سے متعلق تھیں، یہ ہدایات نیکی اختیار کرنے سے متعلق ہیں۔

اہل بیت سے کون مراد ہیں؟

اہل بیت کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے، بعض مفسرین نے اہل بیت کا مصداق ازواجِ مطہرات کو قرار دیا ہے، جیسا کہ یہاں قرآن کریم کے سیاق و سباق سے واضح ہے، قرآن نے یہاں ازواجِ مطہرات ہی کو اہل بیت کہا ہے، قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے، مثلاً سورہ ہود آیت ۷۳ میں۔

اس لئے ازواج کا اہل بیت سے ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے، بعض حضرات بعض روایات کی رو سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مانتے ہیں اور ازواج مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں، جبکہ اول الذکر ان حضرات کو اہل بیت سے خارج سمجھتے ہیں، تاہم اعتدال کی راہ اور نقطہ متوسط یہ ہے کہ دونوں ہی اہل بیت میں شامل ہیں، ازواج مطہرات تو اس نص قرآنی کی وجہ سے اور داماد و اولاد ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بھی میرے اہل بیت سے ہیں، یا یہ دعاء ہے کہ یا اللہ ان کو بھی ازواج مطہرات کی طرح میرے اہل بیت میں شامل فرمادے، اس طرح تمام دلائل میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

وَإِذْ كُنَّا مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ لَعَنَ اللَّهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هُمْ يُرِيدُونَ ۚ وَكَانَ هَٰذَا مِنْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۚ

واذ کون ما یُتلی فی بیوتکن یعنی تمہارے گھروں میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس پر عمل کرو، یہاں حکمت سے مراد احادیث ہیں، بعض علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ قرآن کی تلاوت کی طرح، ثواب کی نیت سے حدیث کی بھی تلاوت کی جاسکتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِ الْمُطِيعَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ فِي الْإِيمَانِ وَالصَّبْرِ وَالصَّبْرَاتِ عَلَى الطَّاعَاتِ وَالْخُشَعِينَ الْمُتَوَاضِعِينَ وَالْخُشَعَاتِ الْمُتَوَاضِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَفِظَاتِ عَنِ الْحَرَامِ وَالذَّكِرِينَ اللَّهُ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً لِّمَعَاصِي ۖ وَأَجْرًا عَظِيمًا ۖ عَلَى الطَّاعَاتِ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ لَهُمُ الْخِيَرَةُ الْإِخْتِيَارُ مِنْ أَمْرِهِمْ خِلَافَ أَمْرِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ نَزَلَتْ فِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَحْشٍ وَأُخْتِهِ زَيْنَبَ خَطْبَاهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْهُ لَزِيدُ بْنُ حَارِثَةَ فَكَرِبَا ذَلِكَ حِينَ عَلِمَاهُ لَظْمَهُمَا قَبْلُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطْبَاهَا لِنَفْسِهِ ثُمَّ رَضِيَا لِلَايَةِ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ۖ بَيْنَا فَرَّوْجَهَا النَّبِيُّ لَزِيدٌ ثُمَّ وَقَعَ بَصَرُهُ عَلَيْهَا بَعْدَ حِينَ فَوَقَعَ فِي نَفْسِهِ حُبُّهَا وَفِي نَفْسِ زَيْدٍ كَرَاهَتُهَا ثُمَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ فِرَاقَهَا فَقَالَ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ كَمَا قَالَ تَعَالَىٰ وَإِذَا مَنُصُوبٌ بِأَذْكَرَ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ بِالْإِسْلَامِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ بِالْإِعْتِقَادِ وَبِزَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ كَانَ مِنْ سَنَى الْجَاهِلِيَّةِ اشْتَرَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الْبُعْثَةِ وَاعْتَقَهُ وَتَبَّاهُ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ فِي أَمْرِ طَلَاقِهَا وَتَخَفَىٰ فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ مُظْهِرُهُ مِنْ مَحَبَّتِهَا وَأَنْ لَوْ فَارَقَهَا زَيْدٌ تَزَوَّجْتُهَا وَتَخَشَى النَّاسُ أَنْ يَقُولُوا تَزَوَّجَ مُحَمَّدٌ زَوْجَةَ ابْنِهِ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ وَيُزَوِّجَكُمَا وَلَا عَلَيْكَ مِنْ قَوْلِ النَّاسِ ثُمَّ طَلَّقَهَا زَيْدٌ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا حَاجَةً زَوْجِنَا فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغَيْرِ
 إِذْنٍ وَأَشْبَعَ الْمُسْلِمِينَ خُبْرًا وَلَحْمًا لَكِنِّي لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا اقْتَضَا مِنْهُنَّ وَطَرًا
 وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَقْضِيَةً مَفْعُولًا مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ أَحَلَّ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ إِي كَسُنَّةِ اللَّهِ فَنُصِبَ
 بَنَزَعَ الْخَافِضُ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ إِنْ لَا حَرَجٌ عَلَيْهِمْ فِي ذَلِكَ تَوْسِيعَةً لَهُمْ فِي النِّكَاحِ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ
 فِعْلُهُ قَدَرًا مَقْدُورًا مَقْضِيًا لِلَّذِينَ نَعَتْ لِلَّذِينَ قَبْلَهُ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ فَلَا
 يَخْشَوْنَ مَقَالَةَ النَّاسِ فِيمَا أَحَلَّ اللَّهُ لَهُمْ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا حَافِظًا لِأَعْمَالِ خَلْقِهِ وَمُحَاسِبًا لَهُمْ مَا كَانَ
 مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ فَلَيْسَ أَبَا زَيْدٍ إِي وَالِدُهُ فَلَا يَحْرُمُ عَلَيْهِ التَّزْوُجُ بِزَوْجَتِهِ زَيْنَبَ وَلَكِنْ كَانَ
 رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ فَلَا يَكُونُ لَهُ ابْنٌ رَجُلٌ بَعْدَهُ يَكُونُ نَبِيًّا وَفِي قِرَاءَةِ بَفَتْحِ التَّاءِ كَالَةِ الْخْتَمِ إِي بِهِ
 خُتِمُوا وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا مِنْهُ بِأَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَإِذَا نَزَلَ السَّيِّدُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَحْكُمُ
 بِشَرِيعَتِهِ

۵
۶

ترجمہ:

یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور
 ایمان میں مخلص مرد اور مخلص عورتیں صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے
 والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور حرام
 سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں
 ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے معاصی سے مغفرت اور طاعت پر اجر عظیم تیار کر رکھا ہے، اور (دیکھو) کسی مومن مرد اور مومن
 عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کرنے کا کوئی اختیار باقی
 نہیں رہتا، یسکوئی میں ی اور ت دونوں ہیں یہ آیت عبد اللہ بن جحش اور ان کی ہمشیرہ زینب (بنت جحش) کے بارے میں نازل
 ہوئی ہے، آنحضرت ﷺ نے زینب کو زید بن حارثہ کے لئے نکاح کا پیغام دیا تھا، جب دونوں بھائی بہن کو اس کی (حقیقت
 حال) معلوم ہوئی تو پیغام کو ناپسند کیا اس لئے کہ ان دونوں نے اولاً یہ سمجھا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے خود اپنے لئے زینب کے
 نکاح کا پیغام دیا ہے، بعد ازاں آیت مذکورہ کے نازل ہونے کی وجہ سے یہ دونوں راضی ہو گئے (یاد رکھو) اللہ اور اس کے رسول کی
 جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا، چنانچہ انہوں نے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت زید سے کر دیا، پھر
 کچھ مدت کے بعد آپ کی نظر زینب پر پڑی، تو آپ کے دل میں زینب کی محبت جاگزیں ہو گئی اور زید کے دل میں زینب کی نفرت
 (پیدا ہو گئی) پھر زید نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا اپنی بیوی کو (نکاح
 میں) رہنے دے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اسلام کے ذریعہ انعام فرمایا

اور آزاد کر کے آپ نے بھی اس پر احسان فرمایا وہ زید بن حارثہ ہیں، یہ زمانہ جاہلیت کے قیدیوں میں سے تھے، جن کو رسول اللہ ﷺ نے بعثت سے پہلے خریدا تھا، اور آزاد کر کے متبنی بنالیا تھا، اپنی بیوی (نہیب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اس کی طلاق کے معاملہ میں خدا سے ڈر، اور آپ اپنے دل میں (وہ بات) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا، اور وہ نہیب کی محبت تھی اور یہ کہ اگر زید اس کو طلاق دیدیں تو میں اس سے نکاح کر لوں، اور آپ لوگوں کی اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ محمد نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا، اور ڈرنا تو آپ کے لئے ہر چیز میں خدا ہی سے سزاوار ہے، اور وہ آپ کا اس سے نکاح کرے گا، اور آپ کو لوگوں کی بات کا کچھ اندیشہ نہ کرنا چاہئے، بعد ازاں زید نے نہیب کو طلاق دیدی اور اس کی عدت بھی گزر گئی، اور اللہ نے فرمایا پس جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی اور ہم نے آپ کا اس سے نکاح کر دیا تو آپ نہیب کے پاس بلا اجازت تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو (ولیمہ) میں گوشت اور روٹی پیٹ بھر کر کھلائی تاکہ مومنین کے لئے ان متبناؤں سے نکاح کے بارے میں تنگی نہ ہو جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں اور اللہ کا امر فیصلہ کردہ حکم تو ہونے ہی والا تھا جو چیز اللہ نے نبی کے لئے فرض یعنی حلال کر دی اس (کے کرنے) میں نبی پر کوئی حرج نہیں انبیاء سابقین کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی طریقہ رکھا تھا یہ کہ ان کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے ان کے لئے نکاح میں سہولت پیدا کرنے کے لئے سُنَّة پر نزع خافض کی وجہ سے نصب دیا گیا ہے اللہ کا حکم یعنی اس کا فعل مقرر کیا ہوا ہوتا ہے الَّذِينَ سَابِقِ الَّذِينَ کی صفت ہے، یہ سب ایسے تھے کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ ان کاموں میں کہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حلال کر دیئے لوگوں کی باتوں (طعنوں) کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اعمال کی محافظت اور محاسبت کے اعتبار سے کافی ہے (لوگو) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لہذا زید کے باپ یعنی اس کے والد (بھی) نہیں اس لئے ان کے لئے زید کی بیوی نہیب سے نکاح حرام نہیں لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے سلسلے کے ختم کرنے والے ہیں لہذا آپ کا کوئی بیٹا بالغ مرد نہیں کہ آپ کے بعد نبی ہو اور ایک قراءت میں تا کے فتح کے ساتھ ہے یعنی بمعنی مہر، مطلب یہ کہ آپ ﷺ کے ذریعہ انبیاء کا سلسلہ سر بمہر کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ برشتی سے بخوبی واقف ہے اور ان ہی میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، اور جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نازل فرمائیں گے، تو آپ کی شریعت کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

يَقُولُ: الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَاعْطَفِ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ پر کیا گیا ہے حالانکہ شرعاً دونوں ایک ہی ہیں اور عطف کے لئے مغایرت ضروری ہے۔

جواب: مفہوم کے اعتبار سے دونوں مختلف ہیں، اس لئے کہ اسلام بما جاء به النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق

قلبی کے ساتھ شہادتین کے تلفظ کا نام ہے، اور ایمان اذعان قلبی کا نام ہے، نطق باللسان کی شرط کے ساتھ، اور عطف کے لئے ادنیٰ مغایرت کافی ہے۔

قَوْلًا: والحافظات کے مفعول ماقبل کی دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے والحافظات فروجهن۔

قَوْلًا: اِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ اللہ کا نام تعظیماً اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول کا فیصلہ اللہ ہی کا فیصلہ ہے اس لئے کہ رسول اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔

قَوْلًا: لِمُؤْمِنٍ، كَانَ کی خبر مقدم ہے اور وَلَا مُؤْمِنَةٍ اس پر معطوف ہے اِذَا ظَرْفِہ متضمن بمعنی شرط ہے، جواب شرط محذوف ہے جس پر نفی مقدم دلالت کر رہی ہے اِذَا ظَرْفِہ محضہ کے لئے بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں استنقار محذوف کا معمول ہوگا جس سے کان کی خبر متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی وَمَا كَانَ مُسْتَقَرًّا لِّلْمُؤْمِنِ وَلَا مُؤْمِنَةٍ وَقَدْ قَضَاءُ اللَّهِ كَوْنُ خَيْرٍ لَهُ فِي أَمْرِهِ۔ (جمل)

قَوْلًا: الْاِخْتِيَارُ، الْخَيْرَةُ کی تفسیر الاختیار سے کر کے اشارہ کر دیا کہ الْخَيْرَةُ مصدر غیر قیاسی ہے۔

قَوْلًا: خِلَافَ أَمْرِ اللَّهِ یہ الْخَيْرَةُ کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلًا: مِنْ أَمْرِهِمْ یہ الْخَيْرَةُ سے حال ہے۔

قَوْلًا: مِنْ مَحَبَّتِهَا یہ مَا أَبْدَاهُ کا بیان ہے۔

قَوْلًا: سُنَّةَ اللَّهِ مصدر ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے۔

قَوْلًا: قَدْرًا مَقْدُورًا، مَقْدُورًا، قَدْرًا کی تاکید ہے، جیسے ظِلًّا ظَلِيلًا وَلَيْلٌ أَلِيلٌ۔

قَوْلًا: وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ جمہور کی قراءت لَكِنْ تخفیف کے ساتھ ہے اور رَسُولٌ کا نصب کان محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

شان نزول:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔ (الآیہ)

حضرت ام سلمہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا اور دیگر بعض صحابیات نے کہا کہ کیا بات ہے کہ اللہ ہر جگہ مردوں ہی سے خطاب فرماتا ہے، عورتوں سے نہیں اس پر إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ (الآیہ) نازل ہوئی (مسند احمد ۶/۳۰۱، ترمذی شریف ۳۲۱۱) اس میں عورتوں کی دل داری کا اہتمام ہے ورنہ تمام احکام میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں، سوائے ان مخصوص احکام کے جو

صرف عورتوں کے لئے ہیں اس آیت اور دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت اور اطاعت الہی اور اخروی درجات و فضائل میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے، دونوں کے لئے یکساں طور پر میدان کھلا ہوا ہے، جنس کی بنیاد پر اس میں کمی بیشی نہیں کی جائے گی، علاوہ ازیں مسلمان اور مومن کا الگ الگ ذکر کرنے سے واضح ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے، ایمان کا درجہ اسلام سے بڑھ کر ہے جیسا کہ قرآن وحدیث کے دیگر دلائل بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

شان نزول:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ (الآیہ) یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے بارے میں نازل ہوئی تھی، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ اصلاً عرب تھے، لیکن غارت گروں نے انہیں بچپن میں زبردستی پکڑ کر بطور غلام بیچ دیا تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ ﷺ کے نکاح سے پہلے حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے حضرت خدیجہ کے لئے زید بن حارثہ کو خریدا تھا، اور آپ ﷺ سے نکاح کے بعد حضرت خدیجہ نے آپ کو بہہ کر دیا تھا، آپ ﷺ نے زید بن حارثہ پر یہ احسان کیا کہ ان کو آزاد کر دیا اور آزاد کرنے کے بعد ان کو یہ شرف بخشا کہ عرب کے عام رواج کے مطابق ان کو اپنا متبنی بنالیا اور ان کی پرورش و تربیت فرمائی، لوگ ان کو زید بن محمد کے نام سے پکارتے تھے، قرآن کریم نے اس کو جاہلیت کی رسم قرار دے کر ممانعت کر دی، اور حکم فرما دیا کہ اس کے اصل باپ کی طرف نسبت کر کے پکارا جائے، اُدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد صحابہ نے ان کو زید بن محمد کے بجائے زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا، زید بن حارثہ جب جوان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے نکاح کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا انتخاب فرما کر پیغام نکاح دیا، حضرت زید کے دامن پر چونکہ غلامی کا دھبہ لگا ہوا تھا اس لئے کہ آزاد کردہ غلام تھے، حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے اس رشتہ سے انکار کر دیا، کہ ہم باعتبار خاندان اور نسب کے ان سے افضل ہیں، اس واقعہ پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت کو جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے بھائی نے سنا تو نکاح پر راضی ہو گئے، چنانچہ نکاح کر دیا گیا، مہر رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے ادا کیا جو دس دینار سرخ (تقریباً چار تولہ سونا ہوتا ہے) اور ساٹھ درہم (جس کی تقریباً اٹھارہ تولہ چاندی ہوتی ہے) اور ایک بار برداری کا جانور اور مکمل ایک زنانہ جوڑا، اور پچاس مد آٹا (یعنی تقریباً پچیس سیر) اور دس مد (یعنی پانچ سیر) کھجور تھا۔ (ابن کثیر، معارف القرآن)

طلاق کی نوبت:

نکاح تو ہو گیا مگر چونکہ دونوں کے مزاج میں فرق تھا، بیوی کے مزاج میں خاندانی نسب و شرف رچا ہوا تھا، جبکہ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن پر غلامی کا داغ تھا، ان کی آپس میں ان بن رہتی تھی، جس کا تذکرہ حضرت زید بنی ﷺ سے بھی کرتے رہتے تھے، اور طلاق کا عندیہ بھی ظاہر کرتے رہتے تھے، آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ بتلا دیا گیا تھا کہ زید

رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ زَيْنَب رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کو طلاق دیدیں گے اس کے بعد زینب رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا آپ کے نکاح میں آئیں گی تاکہ جاہلیت کی اس رسم تنہیت پر ایک کاری ضرب لگا کر واضح کر دیا جائے کہ متنبی احکام شرعیہ میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں اور اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے، لیکن نبی ﷺ ان کو طلاق سے بعض مصالح کی وجہ سے روکتے اور نباہ کی تلقین فرماتے، حضرت زید پر اللہ کا یہ انعام تھا کہ انہیں قبول اسلام کی توفیق دی، اور نبی ﷺ کا احسان یہ تھا کہ آپ نے ان کی دینی تربیت فرمائی اور ان کو آزاد کر کے اپنا بیٹا قرار دیا، اور اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش سے نکاح کرادیا، دل میں چھپانے والی بات یہی تھی جو آپ کو حضرت زینب رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا سے نکاح کی بابت بذریعہ وحی بتائی گئی تھی، آپ اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے اپنی بہو سے نکاح کر لیا، حالانکہ جب اللہ کو آپ کے ذریعہ سے اس رسم جاہلیت کا خاتمہ کرانا تھا تو پھر لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی، آپ ﷺ کا یہ خوف اگرچہ فطری و طبعی تھا اس کے باوجود آپ ﷺ کو تنبیہ فرمائی گئی، ظاہر کرنے سے مراد یہ ہے کہ یہ نکاح ہو کر رہے گا جس سے یہ بات سب کے علم میں آجائے گی۔ آخر کار پیشین گوئی کے مطابق حضرت زید رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے طلاق دیدی اور عدت سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ کا نکاح حضرت زینب رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا سے معروف طریقہ کے برخلاف صرف اللہ کے حکم سے قرار پا گیا۔

لَسَكُنَّ لَا يَكُونَنَّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَاءِهِمْ يَهْمُ بِهِ هَؤُلَاءِ مِنْ نَبِيِّ ﷺ کے نکاح کی علت ہے کہ آئندہ کوئی مسلمان اس بارے میں تنگی محسوس نہ کرے اور حسب ضرورت اپنے متنبی کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیا جاسکے، اور چونکہ یہ پورا واقعہ اولاً حضرت زید رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کا نکاح اور پھر طلاق بعد ازاں آپ ﷺ کا حضرت زینب سے نکاح تقدیر خداوندی میں تھا، جو بہر صورت ہو کر رہنا تھا، آئندہ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، چونکہ یہ نکاح آپ کے لئے حلال تھا اس میں کوئی گناہ اور تنگی والی بات نہیں ہے، اور انبیاء سابقین بھی ایسے کاموں کے کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے جو اللہ کی طرف سے ان پر فرض قرار دیئے جاتے تھے چاہے قومی اور عوامی رسم و رواج کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ (لوگو) تمہارے مردوں میں سے محمد ﷺ کسی کے باپ نہیں، البتہ آپ اللہ کے رسول ہیں (جو امت کا روحانی باپ ہوتا ہے) اور تمام نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں، اور جب محمد ﷺ مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں تو زید بن حارثہ کے بھی باپ نہیں ہیں، جس پر آپ کو مورد طعن بنایا جاسکے کہ انہوں نے اپنی بہو سے نکاح کیوں کر لیا؟ بلکہ ایک زید رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ہی کیا وہ تو کسی بھی مرد کے باپ نہیں ہیں، کیونکہ زید تو حارثہ کے بیٹے تھے آپ ﷺ نے تو انہیں متنبی بنایا تھا، اور جاہلی دستور کے مطابق انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا، حقیقت وہ آپ ﷺ کے صلیبی بیٹے نہیں تھے، اسی لئے ادعوہم لا بانہم کے نزول کے بعد انہیں زید بن حارثہ ہی کہا جاتا تھا، علاوہ ازیں حضرت خدیجہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا سے آپ کے تین صاحبزادے قاسم، طاہر، طیب ہوئے اور ایک بچہ ابراہیم ماریہ قبطیہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کے بطن سے پیدا ہوا، لیکن یہ سب کے سب بچپن ہی میں فوت ہو گئے، ان میں سے کوئی بھی رجولیت کی عمر کو نہ پہنچا، بنا بریں آپ ﷺ کی صلیبی اولاد میں بھی کوئی مرد نہیں بنا کہ جس کے آپ باپ ہوں، خاتمہ مہر کو کہتے ہیں اور مہر آخری عمل ہی کو کہا جاتا ہے، یعنی آپ پر نبوت و رسالت کا خاتمہ

کر دیا گیا، آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ نبی نہیں کذاب و دجال ہوگا، احادیث میں اس مضمون کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور اس پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے اور قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، جو صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے تو وہ نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے، بلکہ نبی ﷺ کے امتی بن کر آئیں گے، اس لئے ان کا نزول عقیدہ ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۚ أَوَّلَ النَّهَارِ وَالْآخِرِ هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ اِي
يَرْحَمُكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ اِي يَسْتَغْفِرُونَ لَكُمْ لِيُخْرِجَكُمْ لِيُدْخِلَ اِيخْرَاجُهُ اِيكُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِي الْكُفْرِ اِلَى النُّوْرِ
اِي الْاِيْمَانِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۖ تَحِيَّتُهُمْ مِنْهُ تَعَالَى يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۚ بِلِسَانِ الْمَلَائِكَةِ ۖ وَاعِدَ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ۚ
بِهِ الْجَنَّةُ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا عَلَىٰ مَنْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ بِآيَاتِنَا وَمُبَشِّرًا مِّنْ صَدَقَتِكَ بِالْجَنَّةِ وَنَذِيرًا ۚ مُنذِرًا
مِّنْ كَذْبِكَ بِالنَّارِ وَدَاعِيًا اِلَى اللَّهِ اِلَى طَاعَتِهِ بِآذِنِهِ بِأَمْرِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۚ اِي مِثْلُهُ فِي الْاِبْتِدَاءِ بِهِ
وَبَشِيرَ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّهُمْ مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَثِيرًا ۚ بِهِ الْجَنَّةُ وَلَا تَطْعُ الْكُفْرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ فِيمَا يُخَالِفُ شَرِيعَتَكَ وَدَعِ
أَتْرَكَ أَذْنَهُمْ لَا تُجَازِبُهُمْ عَلَيْهِ اِلَى أَنْ تُؤْمَرَ فِيهِمْ بِأَمْرٍ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ كَافٍ بِكَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۚ مُفَوَّضًا
إِلَيْهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَفِي قِرَاءَةِ تَمَاسُوْهُنَّ اِي تُجَامِعُوهُنَّ
فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا لَتُخْصُوْنَهَا بِالْأَقْرَاءِ وَغَيْرِهَا فَمَتَّعُوهُنَّ أَعْطَوْهُنَّ مَا يَتَمَتَّعْنَ بِهِ اِي أَنْ لَمْ
يُسَمِّ لِهِنَّ أَصْدَقَةً وَلَا فَلَهُنَّ نِصْفُ الْمُسَمَّى فَقَطْ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَسَرَّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۚ
خَلُّوا سَبِيلَهُنَّ مِنْ غَيْرِ اضْرَارٍ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي أَتَيْتَ أَجُورَهُنَّ مِنْهُنَّ
وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ مِنَ الْكُفَّارِ بِالْإِسْلَامِ كَصَفِيَّةَ وَجُوَيْرِيَةَ وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ وَبَنَاتِ
خَالِكَ وَبَنَاتِ خَلَّتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ بِخِلَافِ مَنْ لَمْ يُهَاجِرْنَ وَأَمْرًا مُّؤْمِنَةً اِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ
إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا ۚ يَطْلُبُ نِكَاحَهَا بِغَيْرِ صَدَاقٍ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ النِّكَاحُ بِلَفْظِ الْهَبَةِ
مِنْ غَيْرِ صَدَاقٍ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ اِي الْمُؤْمِنِينَ فِي أَزْوَاجِهِمْ مِنَ الْأَحْكَامِ بِأَنَّهُ لَا يَزِيدُوا عَلَىٰ أَرْبَعِ
نِسْوَةٍ وَلَا يَتَزَوَّجُوا إِلَّا بِوَلِيِّ وَشُهُودٍ وَمَسْهَرٍ وَفِي مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ مِنَ الْإِمَاءِ بِشَرَاءٍ أَوْ غَيْرِهِ بِأَنَّهُ تَكُونُ
الْأَمَةُ بِمَنْ تَحِلُّ لِمَالِكِهَا كَالْكِتَابِيَّةِ بِخِلَافِ الْمَجُوسِيَّةِ وَالنَّصْرَانِيَّةِ وَأَنْ تَسْتَبْرَأَ قَبْلَ الْوَطْئِ لِكَيْلَا تُتَعَلَّقَ
بِمَا قَبْلَ ذَلِكَ يَكُونُ عَلَيْكَ حَرْجٌ ضَيِّقٌ فِي النِّكَاحِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا فِيمَا يَغْسِرُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ رَحِيمًا ۚ
بِالتَّوَسُّعَةِ فِي ذَلِكَ تُرْجَى بِالْهَمْزَةِ وَالْيَاءِ بَدَلُهُ تُؤَخَّرُ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ اِي أَزْوَاجَكَ عَنْ نَوَيْتِهَا وَتَوَوَّيْتُ تَضَمُّ
إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ فَتَاتِيهَا وَمَنْ ابْتَغَيْتَ طَلَبْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ مِنَ الْقِسْمَةِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ فِي طَلَبِهَا

وَضَمَّهَا إِلَيْكَ خَيْرَ فَنِي ذَلِكَ بَعْدَ أَنْ كَانَ الْقَسْمُ وَاجِبًا عَلَيْهِ ذَلِكَ التَّخْيِيرُ أَذْنَى اقْرَبُ إِلَى أَنْ تَقْرَأَ عَيْنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ مَا ذَكَرَ الْمُخَيَّرُ فِيهِ كَلَّهُنَّ تَاكِيدٌ لِلْفَاعِلِ فِي يَرْضَيْنَ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ مِنْ أَمْرِ النِّسَاءِ وَالْمَيْلِ إِلَى بَعْضِهِنَّ وَإِنَّمَا خَيْرُنَاكِ فِيهِنَّ تَيْسِيرًا عَلَيْكَ فِي كُلِّ مَا أَرَدْتَ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا بِخَلْقِهِ حَلِيمًا ۝ عَنْ عِقَابِهِمْ لَا يَحِلُّ بِالنِّسَاءِ لَكَ الْإِسَاءُ مِنْ بَعْدِ التَّسْعِ اللَّاتِي اخْتَرْنَاكَ وَلَا أَنْ تَبْدَلَ بِتَرْكِ إِحْدَى الثَّانِيَيْنِ فِي الْأَصْلِ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ بَانَ تَطْلُقُهُنَّ أَوْ بَعْضَهُنَّ وَتَنْكِحَ بَدَلَ مَنْ طَلَّقْتَ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِنَ الْإِسَاءِ فَتَحِلُّ لَكَ وَقَدْ مَلَكَتْ بَعْدَهُنَّ مَارِيَةَ الْقِبْطِيَّةَ وَوَلَدَتْ لَهُ إِبْرَاهِيمَ وَمَاتَ فِي حَيَاتِهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ۝ حَفِظْنَا.

۶۳۲

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کا ذکر خوب کثرت سے کیا کرو اور صبح و شام یعنی اول دن اور آخر دن میں (یعنی ہمیشہ) اس کی پاکی بیان کیا کرو وہ ایسا (رحیم) ہے کہ وہ تم پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی) تمہارے لئے دعاء رحمت کرتے ہیں، تاکہ تم کو ظلمت یعنی کفر سے نور یعنی ایمان کی طرف نکالے، یعنی اس خروج کو دوام بخشے، اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت مہربان ہے، جس دن وہ اللہ سے ملیں گے تو ان کے لئے تحفہ اللہ کی جانب سے فرشتوں کی زبانی سلام ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے اور وہ جنت ہے اور اے نبی یقیناً ہم ہی نے آپ کو مُرْسَلِ الْيَهُم (یعنی) امت پر گواہ بنا کر اور آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والے کو جنت کی خوشخبری دینے والا بنا کر اور آپ کی تکذیب کرنے والے کو جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اس کے حکم سے اللہ کی اطاعت کی جانب بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا یعنی چراغ کے مانند ہے، اس کے ذریعہ ہدایت حاصل کرنے میں اور آپ مومنین کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے اوپر اللہ کی جانب سے بہت بڑا فضل ہونے والا ہے اور وہ جنت ہے اور ان باتوں میں جو تیری شریعت کے خلاف ہوں، کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانئے اور ان کی طرف سے ایذا رسانی کو نظر انداز کیجئے، اور اس ایذا رسانی پر انتقام نہ لیجئے جب تک کہ ان سے انتقام لینے کا حکم نہ دیا جائے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے اس لئے کہ وہ آپ کے لئے کافی ہے اور اللہ کار سازی کے لئے کافی ہے یعنی (کاموں کو) اس کے سپرد کرنے کے اعتبار سے کافی ہے، اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر (حقیقۃً یا حکماً) ہمبستری سے پہلے ہی ان کو طلاق دیدو اور ایک قراءت میں تَمَاسُّوْهُنَّ ہے اور معنی تَجَامِعُوْهُنَّ کے ہیں تو (اس صورت) میں تمہارا ان پر کوئی حق عدت نہیں کہ جس کو تم حیض وغیرہ کے ذریعہ شمار کرنے لگو تو تم ان کو متعہ دیدو یعنی ان کو کچھ (مال) دیدو جس سے وہ فائدہ حاصل کریں، اور یہ اس صورت میں ہے کہ ان کا مہر متعین نہ ہوا ہو، ورنہ تو ان کے لئے نصف مہر کافی ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی یہی فرمایا ہے، اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے، اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو یعنی بغیر کوئی نقصان (تکلیف) پہنچائے ان کو خوبی کے ساتھ رخصت کر دو، اے نبی ہم نے آپ کے لئے یہ عورتیں جن کے آپ مہر ادا کر چکے ہیں

حلال کردی ہیں، اور وہ عورتیں بھی جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوادی ہیں یعنی کافروں میں سے قید کے ذریعہ جیسا کہ صفیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور جویریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کی خالائوں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو اور وہ مومن عورت بھی حلال ہے جس نے خود کو نبی کے (بغیر مہر) حوالہ کر دیا، بشرطیکہ نبی اس سے نکاح کرنا قبول فرمائے، یعنی (نبی) ان سے بلا مہر نکاح کرنا منظور کر لے یہ آپ کی خصوصیت ہے نہ کہ دوسرے مسلمانوں کے لئے یعنی بغیر مہر لفظ بہہ سے نکاح (آپ کی خصوصیت ہے) ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے ان پر یعنی مومنوں پر ان کی بیویوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں یہ کہ چار عورتوں سے زیادہ نکاح نہ کریں اور (وہ احکام بھی معلوم ہیں) جو ان کی باندیوں کے بارے میں ہم نے مقرر کئے ہیں، وہ باندیاں (خواہ) خرید کر ملکیت میں آئی ہوں یا کسی دوسرے طریقہ سے، باندی ایسی ہو کہ جو مالک کے لئے حلال ہو، جیسا کہ کتابیہ، بخلاف مجوسیہ اور بت پرست کے اور یہ کہ وطی سے قبل تنقیہ رحم کر لے تاکہ نکاح کے بارے میں آپ پر تنگی نہ ہو (لِکِنِّیْلَا) اس کا تعلق ماقبل یعنی اَنَا اَحْلَلْنَا لَكَ ہے، اور اللہ تعالیٰ اس (امر) میں جس سے بچنا دشوار ہو غفور ہے اور اس میں سہولت مہیا کر کے رحم کرنے والا ہے ان بیویوں میں سے جس کو آپ چاہیں اس کی باری سے الگ رکھیں، اور جس کو چاہیں ساتھ رکھیں یعنی اس کی باری اس کو دیدیں تَرْجِیْ ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بجائے ی کے ساتھ بمعنی تَوَخَّرُوْہُ اور جس کی باری آپ نے موقوف کر دی تھی پھر آپ اس کی باری شروع کرنا چاہیں تو اس کی باری شروع کرنے اور اپنے ساتھ لگانے میں آپ پر کوئی حرج نہیں ہے (اولاً) آپ پر باری مقرر کرنا واجب تھا، بعد میں آپ کو باری مقرر کرنے کے بارے میں اختیار دیدیا گیا اس تخیر میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں، اور وہ کبیدہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ مخیر فیہ میں سے ان کو دیدیں گے اس پر سب کی سب راضی رہیں گی کُلُّھُنَّ، یَرْضَیْنَ کے فاعل کی تاکید ہے، عورتوں کے معاملہ اور ان میں سے بعض کی جانب (زیادہ) رغبت کے بارے میں اللہ کو تمہارے دلوں کا حال معلوم ہے ہم نے آپ کی سہولت کے لئے بیویوں کے بارے میں آپ کی مطلوبہ میں اختیار دیدیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں بخوبی علم رکھتا ہے اور ان کو سزا دینے کے بارے میں حلیم ہے آپ کے لئے ان نو عورتوں کے علاوہ جنہوں نے آپ کو اختیار کر لیا آپ کے لئے حلال نہیں ہیں یَحِلُّ میں تا اور یاد دہانی ہے اور نہ آپ کے لئے یہ درست ہے کہ ان بیویوں کی جگہ دوسری کر لیں بایں طور کہ ان سب کو یا ان میں سے بعض کو طلاق دیدیں، اور مطلقہ کے بدلے میں دوسری کر لیں اگرچہ آپ کو ان (دوسریوں) کا حسن اچھا معلوم ہو، مگر وہ باندیاں جو آپ کی مملوکہ ہوں تو ان میں آپ کے لئے (تبدیلی) حلال ہے، چنانچہ آپ ﷺ بیویوں کے بعد ماریہ قبطیہ کے مالک ہوئے اور آپ کے ان سے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے، جن کا انتقال آپ کی حیات ہی میں ہو گیا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پورا نگہبان ہے۔

تحقیق و ترکیب تسبیح و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ جملہ مستانفہ ہے اور امر بالذکر و التبیح کی علت ہے یعنی جب ذکر و تسبیح کا حکم دیا گیا تو سوال پیدا ہوا کہ کیوں ذکر و تسبیح کی جائے؟ تو جواب دیا اس لئے کہ وہ تمہارے اوپر رحمت نازل کرتا ہے۔

قَوْلٌ: اِنِّیْ یَرْحَمُکُمْ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ صلوٰۃ کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوتی ہے تو نزول رحمت مراد ہوتی ہے۔

قَوْلٌ: مَلَا نِکْتَهُ اس کا عطف یُصَلِّی کی ضمیر مستتر پر ہے، مگر یہاں یہ اعتراض ہوگا کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کے لئے ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید ضروری ہوتی ہے جو یہاں موجود نہیں ہے۔

جَوَابٌ: یہ ہے کہ چونکہ عَلَیْکُمْ کا فاصل موجود ہے اس لئے ضمیر کے ذریعہ تاکید کی ضرورت نہیں، اور مَلَا نِکْتَهُ کے بعد یستغفرون کے اضافہ سے مقصد یہ بتانا ہے کہ صلوٰۃ کی نسبت جب ملائکہ کی طرف ہوتی ہے تو طلب استغفار مراد ہوتی ہے۔

قَوْلٌ: لِيُخْرِجَکُمْ کی تفسیر لِيُذِیْبَ سے کرنے کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے، سوال یہ ہے کہ اہل ایمان کا ظلمت کفر سے نکالنا نفس ایمان ہی سے ثابت ہے پھر دوبارہ نکالنے کا کیا مطلب ہے؟ یہ تو تحصیل حاصل ہے؟

جَوَابٌ: کا حاصل یہ ہے کہ اس تفسیر کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ خروج سے دوام و استقرار مراد ہے، اس لئے کہ جب خالق سے غفلت زیادہ ہو جاتی ہے تو ایمان سے خروج کا سبب بن جاتی ہے۔ (العیاذ باللہ)۔

سُؤَالٌ: الظُّلُمَاتِ کو جمع اور النُّور کو واحد لانے میں کیا مصلحت ہے؟

جَوَابٌ: کفر کی انواع چونکہ متعدد ہوتی ہیں جس کی وجہ سے اس کی ظلمات بھی متعدد ہوتی ہیں، اور ایمان چونکہ شئی واحد ہے اس میں تعدد نہیں ہے، جو لوگ تعدد کے قائل ہیں وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔ (صاوی)

قَوْلٌ: بِاِذْنِهِ کی تفسیر بِاَمْرِهِ سے کرنے کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: اِذْنٌ و اجازت تو اِنَّا اَرْسَلْنَاکَ شَهِیْدًا و مَبْشِرًا سے مستفاد ہے، پھر دوبارہ اجازت کی کیا ضرورت؟

جَوَابٌ: کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اِذْن سے امر (حکم) مراد ہے، اور اِذْن اور امر میں فرق ظاہر ہے۔

قَوْلٌ: دَعَا اِذَا هُمْ یہ اضافت مصدر الی الفاعل کے قبیل سے ہے، تقدیر عبارت یہ ہے دَعَا اِذِیْنْتَهُمْ اِیَّاکَ یعنی آپ ان کی

ایذا رسانی کو درگزر فرمائیں ان سے ان کی ایذا رسانی کا انتقام نہ لیں، یا پھر اضافت مصدر الی المفعول کے قبیل سے ہے اِنِّیْ اُتْرُکَ اِذِیْنْتَکَ لَہُمْ یعنی آپ ان کو اذیت پہنچانے کو ترک کیجئے، ان کو مزاد سینے میں عجلت نہ کیجئے تا آنکہ آپ کو اجازت نہ مل جائے، چنانچہ آیات قال کے ذریعہ اجازت مل گئی، اور غنود درگزر کا حکم منسوخ ہو گیا۔

قَوْلٌ: وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ کی مثال میں مفسر علام نے صفیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بنت حبیب بن اخطب

اور جویریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بنت الحارث الخزاعیہ کو پیش کیا ہے، اس کا مقتضی ہے کہ مَا مَلَکَتْ کا عطف اِتَتْ اُجُورَہُنَّ پر ہو مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس کا عطف اِزْوَاجَکَ پر ہو مگر اس صورت میں مَا مَلَکَتْ کی مثال میں

صَفِيَّة رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا اور جویریہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کو پیش کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ یہ مَآ مَلَكَت میں نہیں بلکہ ازواج مطہرات رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُم میں سے ہیں، صَفِيَّة اور جویریہ کے بجائے ماریہ قبطیہ اور ریحانہ کو پیش کرنا چاہئے چونکہ یہ دونوں آپ کی باندیوں میں سے ہیں۔

قَوْلٌ: مِمَّا آفَاءَ اللَّهِ عَلَيْكَ مِمَّا آفَاءَ اللَّهِ مَا مَلَكَت کَا بیان ہے مَا مَلَكَت قید احترازی نہیں ہے بلکہ تعلیلی ہے چونکہ آپ کی اکثر باندیاں مالِ ثیمت میں آپ کو حاصل ہوئی تھیں اس لئے مَا مَلَكَت کی قید لگائی ہے ورنہ تو خرید کردہ باندیوں کا بھی وہی حکم ہے جو بطور ثیمت حاصل ہونے والوں کا ہے (یعنی حلت)۔

قَوْلٌ: اِمْرَاةٌ مُؤْمِنَةٌ اس کا عطف بھی اَحْلَلْنَا لَكَ کے مفعول اَزْوَاجَكَ پر ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے مومن عورتیں حلال ہیں کافرہ نہیں۔

قَوْلٌ: اِنْ ارَادَ النَّبِيُّ ﷺ یہ وَهَبَتْ نَفْسَهَا کی شرط ہے، یعنی عورت کا محض اپنے نفس کو بہہ کر دینا نکاح کے تام ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ آپ کا قبول کرنا بھی شرط ہے۔

قَوْلٌ: خَالِصَةً لَّكَ خَالِصَةً کے منصوب ہونے کی تین وجوہ ہو سکتی ہیں ① وَهَبَتْ کے فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے اِی حال کو نہا خَالِصَةً لَّكَ دُونَ غَيْرِكَ ② اِمْرَاةٌ سے حال واقع ہونے کی وجہ سے، دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہوں گے ③ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، اِی هِبَةً خَالِصَةً لَّكَ دُونَ غَيْرِكَ۔

قَوْلٌ: لِكَيْلَا یہ اپنے ماقبل یعنی خَالِصَةً سے متعلق ہے۔

قَوْلٌ: تُرْجَى یہ ارجاء سے مضارع واحد مذکر حاضر ہے، تو ڈھیل دے، تو مؤخر کر۔

قَوْلٌ: تُزَوَّى اِنِوَاء سے واحد مذکر حاضر ہے، تو جگہ دے، تو ساتھ رکھ، تو ملا لے۔

قَوْلٌ: وَمَنْ ابْتَغَيْتَ مَنْ شرطیہ ہے ابْتَغَيْتَ کا مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، فلا جناح جواب شرط ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَنْ موصولہ ہو اور مبتداء ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہو اور لا جُنَاحَ عَلَیْكَ مبتداء کی خبر۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں پر جتنے بھی انعامات و احسانات فرمائے ہیں ان سب میں آپ ﷺ کی بعثت ایک احسانِ عظیم اور نعمت ہے بہا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، مذکورہ آیت میں ادائے شکر کے لئے کثرت سے ذکر کا حکم دیا گیا ہے، یوں تو خدا کی برطاعت و بندگی خدا کا شکر ہے خواہ مالی ہو یا بدنی مگر ان میں ذکر لسانی سب سے آسان اور سہل ہے، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے بندوں پر ذکر اللہ کے سوا کوئی فرض اور طاعت ایسی لازم نہیں کی کہ جس کی کوئی حد مقرر نہ ہو، ہر عبادت و بندگی زمان و مکان کی حدود میں محدود ہے، مگر ذکر اللہ ایسی عبادت ہے کہ اس کی کوئی حد اور تعداد متعین نہیں، اور نہ کسی خاص زمان و مکان کی پابند اور نہ

اس کے لئے کسی مخصوص ہیئت کی ضرورت اور نہ اس کے لئے طاہر اور باوضو ہونا شرط، اس کو ہر حال اور ہر وقت کر سکتے ہیں، اسی لئے ذکر اللہ بکثرت کرنے کا حکم ہے، سفر ہو یا حضر، تندرستی ہو یا بیماری، خشکی ہو یا تری، رات ہو یا دن ہر حال میں ذکر اللہ کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کے ترک میں انسان کا کوئی عذر مسموع نہیں، اور اس کے فضائل و برکات بھی بے شمار ہیں۔

اللہ کو بکثرت یاد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تم پر فرشتوں کے واسطے سے اپنی رحمت نازل فرماتا ہے، یہی رحمت و برکت تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہالت و ضلالت کی اندھیروں سے علم و عرفان کے اجالے میں لاتی ہے، ذاکرین کو یہ صلہ تو دنیا میں ملا، آخرت کا اعزاز و اکرام آئندہ آیت میں مذکور ہے، جنت میں مومنوں کو سب سے عظیم تحفہ خدا کا سلام ہوگا، اور فرشتے بھی سلام کرتے ہوئے ملاقات کریں گے، نیز جنتی آپس میں بھی ہدیہ سلام کا نذرانہ پیش کریں گے، اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے دن سے کونسا دن مراد ہے؟ امام راغب وغیرہ نے فرمایا اس سے قیامت کا دن مراد ہے، اور بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ جنت میں داخلہ کا وقت مراد ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے ملاقات کا دن موت کے دن کو قرار دیا ہے۔

مَسْئَلَتُہَا: اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا آپس میں تحیہ السلام علیکم ہونا چاہئے خواہ بڑے کی طرف سے چھوٹے کو ہو یا چھوٹے کی طرف سے بڑے کو، آج کل جو جدید فیشن آداب، تسلیمات، یا صباحاً بالخیر وغیرہ کا نکلا ہے یہ سراسر اسلامی تہذیب کے خلاف ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا (الآیہ) یہ آنحضرت ﷺ کی خاص صفات کمالیہ اور مناقب عالیہ کے بیان کی طرف عود ہے، اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی پانچ صفات کا ذکر فرمایا ہے، شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ، سراج منیر، شاہد سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ قیامت کے دن امت کے لئے شہادت دیں گے، جیسا کہ صحیح بخاری، نسائی، ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوسعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ایک طویل حدیث منقول ہے، جس کے بعض جملے یہ ہیں کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام پیش ہوں گے تو ان سے سوال کیا جائے گا، کیا آپ نے ہمارا پیغام اپنی امت کو پہنچا دیا تھا، وہ عرض کریں گے کہ میں نے پہنچا دیا تھا، پھر ان کی امت پیش ہوگی، وہ اس سے انکار کرے گی، اس وقت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ آپ جو پیغام حق پہنچانے کا دعویٰ کرتے ہیں اس پر آپ کا کوئی شاہد بھی ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت گواہ ہے، بعض روایات میں ہے کہ وہ گواہی میں امت محمدیہ ﷺ کو پیش کریں گے، امت محمدیہ ان کے حق میں گواہی دے گی، تو نوح علیہ السلام کی امت اس پر جرح کرے گی کہ یہ ہمارے معاملہ میں کیسے گواہی دے سکتے ہیں، یہ تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، اس جرح کا جواب امت محمدیہ ﷺ سے پوچھا جائیگا، امت محمدیہ جواب دے گی کہ بیشک ہم اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے، اور نہ اس موقع پر موجود تھے، مگر ہم نے اس کی خبر اپنے رسول ﷺ سے سنی تھی، جس پر ہمارا ایمان و اعتقاد ہے، اس وقت رسول اللہ ﷺ سے آپ کی امت کے اس قول کی تصدیق کے لئے شہادت طلب کی جائے گی، اس وقت آپ ﷺ اس کی توثیق و تصدیق فرمائیں گے کہ بیشک میں نے ان کو یہ اطلاع دی تھی۔

اور امت پر شاہد ہونے کا ایک مفہوم عام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ امت کے سب افراد کے اچھے برے

اعمال کی شہادت دیں گے، اور یہ شہادت اس بناء پر ہوگی کہ امت کے اعمال رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہر روز صبح و شام اور بعض روایات میں ہفتہ میں ایک بار پیش ہوتے ہیں، اور آپ امت کے ایک ایک فرد کو اس کے اعمال کے ذریعہ پہچانتے ہیں، اس لئے آپ امت کے شاہد بنائے جائیں گے۔ (رواہ ابن المبارک عن سعید بن مسیب، مظہری ملخصاً)

بعض لوگ شاہد کے معنی حاضر و ناظر کے کرتے ہیں جو قرآن کریم کی تحریف معنوی ہے اور ایسا عقیدہ نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔

جس طرح چراغ سے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں، اسی طرح آپ کے ذریعہ بھی کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوں گی، علاوہ ازیں اس چراغ سے کسب ضیاء کر کے جو شخص کمال و سعادت حاصل کرنا چاہے کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ چراغ قیامت تک روشن رہے گا، سابق میں فرمایا تھا کہ اللہ کی رحمت مومنین کو اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لاتی ہے، یہاں بتانا مقصود ہے کہ وہ اجالا اس روشن چراغ سے پھیلا ہے۔

بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ آپ کی صفت داعی الی اللہ تو ظاہر اور زبان کے اعتبار سے ہے، اور سراج منیر آپ کی صفت آپ کے قلب مبارک کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح سارا عالم آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح تمام مومنین کے قلوب آپ کے نور قلب سے منور ہوتے ہیں، اسی لئے صحابہ کرام جنہوں نے اس عالم میں آپ کی صحبت پائی، وہ پوری امت سے اعلیٰ اور افضل قرار پائے، چونکہ ان کے قلوب نے آپ ﷺ کے قلب مبارک سے بلا واسطہ فیض حاصل کیا، باقی امت کو یہ نور صحابہ کے واسطہ سے اور واسطہ در واسطہ سے پہنچا۔

سوال: کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول سراج منیر میں آپ ﷺ کو چراغ سے تشبیہ دی ہے نہ کہ سورج سے حالانکہ سورج روشنی میں اتم اور اکمل ہے؟

جواب: چراغ سے سورج ہی مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول جَعَلْنَا الشَّمْسَ سِرَاجًا.

سوال: چراغ میں یہ خوبی ہے کہ اس سے ہزار ہا چراغ روشن کئے جاسکتے ہیں، بخلاف سورج کے، اور آپ ﷺ کے نور سے ہدایت و ارشاد کے ذریعہ صحابہ نے کسب فیض کیا اور صحابہ کے واسطہ سے تابعین علی ہذا القیاس قیامت تک آپ ﷺ کا یہ فیضان ہدایت جاری رہے گا۔

وَلَا تُطْعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ بعض منافقین و شرکین آپ ﷺ کو مشرکین سے نرمی کا برتاؤ اور امتیازی سلوک کرنے کا مشورہ دیتے تھے کہ جب مکہ کے سردار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کریں تو آپ ان فقراء صحابہ کو اپنی مجلس سے اٹھا دیا کیجئے، یا کم از کم دونوں کی مجلسیں الگ کر دیجئے اس لئے کہ مکہ کے سردار ان فقراء کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے کیونکہ ان کے جسموں اور کپڑوں سے بدبو آتی ہے، جو ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے، مشرکین کی اسی بات کو رد کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ آپ ان کا مشورہ نہ مانئے، اور ان کے ساتھ مہذبیت اور نرمی سے کام نہ لیجئے اس لئے کہ اس میں مسلمانوں

کی دل شکنی ہوگی، اور آپ ان کی موافقت و مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اللہ پر بھروسہ کیجئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ (الآیة) سابقہ آیت میں آپ ﷺ کی چند صفات کمال اور مخصوص شان کا ذکر تھا، آئندہ بھی آپ ﷺ کی چند خصوصیات کا ذکر ہے جو نکاح و طلاق سے تعلق رکھتی ہیں، عام امت کی بہ نسبت آپ کو ان میں ایک امتیاز حاصل ہے، اس سے پہلے طلاق سے متعلق ایک عام حکم ذکر کیا گیا ہے، جو سب مسلمانوں کے لئے عام ہے۔

آیت مذکورہ میں اس کے متعلق تین احکام بیان کئے گئے ہیں:

پہلا حکم:

اگر کسی عورت سے نکاح کر لینے کے بعد خلوت صحیحہ سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آجائے تو مطلقہ پر کوئی عدت واجب نہیں، اگر چاہے تو فوراً ہی نکاح کر سکتی ہے، آیت میں ہاتھ لگانے سے صحبت حقیقی اور حکمی مراد ہے، اور صحبت حکمی سے خلوت صحیحہ اور صحبت حقیقی سے ہمبستری مراد ہے۔

دوسرا حکم:

یہ ہے کہ مطلقہ کو شرافت اور حسن خلق کے ساتھ حسب توفیق کچھ دیکر رخصت کر دینا ہر مطلقہ کے لئے مستحب و مسنون ہے، اور بعض صورتوں میں واجب ہے، نیز مومنات کی طرح کتابیات کا بھی یہی حکم ہے، آیت میں مومنات کی قید شرط کے طور پر نہیں ہے بلکہ ایک ترغیبی ہدایت ہے کہ مومن کے لئے اپنے نکاح کے لئے مسلمان عورت کا ہی انتخاب کرنا بہتر ہے، گو نکاح کتابیات سے بھی درست ہے، آیت قرآنی میں ”لفظ متاع“ اختیار کیا گیا ہے، یہ لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے ہر اس چیز کے لئے جس سے فائدہ اٹھایا جائے، اس میں عورت کے حقوق واجبہ مہر وغیرہ بھی شامل ہیں، اگر اب تک مہر نہ دیا ہو تو طلاق کے وقت خوش دلی سے ادا کر دے، اور غیر واجبہ حقوق مثلاً مطلقہ کو رخصت کرتے وقت کپڑوں کا ایک جوڑا حسبِ مشیت یا متوسط درجہ کا دینا مستحب ہے جو ہر مطلقہ کو دینا چاہئے، ”متعہ طلاق“ سے مراد وہ لباس ہے جو عورت گھر سے نکلتے وقت لازمی طور پر پہنتی ہے جس میں ایک بڑی چادر جو پورا جسم چھپالے شامل ہے۔

اسلام حقوق انسانیت اور حسن معاشرت کا پاسدار ہے:

دنیا میں حقوق کی ادائیگی عام طور پر صرف دوستوں عزیزوں اور زیادہ سے زیادہ عام لوگوں تک محدود رہتی ہے، حسن اخلاق، حسن معاشرت کا سارا زور صرف یہیں تک خرچ ہوتا ہے، اپنے دشمنوں کے حقوق پہچاننا اس کے لئے قوانین بنانا صرف شریعت اسلام ہی کا کام ہے، اس زمانہ میں اگرچہ حقوق انسانیت کی حفاظت کے لئے دنیا میں مستقل ادارے قائم

کئے گئے ہیں اور اس کے لئے کچھ ضابطے قاعدے بھی بنائے ہوئے ہیں، اس مقصد کے لئے اقوام عالم سے لاکھوں ڈالر کا سرمایہ بھی جمع کیا جاتا ہے، اول تو ان اداروں پر سیاسی مقاصد چھائے ہوئے ہیں، جو کچھ مصیبت زدگان کی امداد کی جاتی ہے وہ بھی بے غرض اور ہر جگہ نہیں بلکہ جہاں اپنے سیاسی مقاصد پورے ہوتے ہیں، اور بالفرض یہ ادارے بالکل صحیح طور پر بھی خدمت خلق انجام دیں تو ان کی امداد زیادہ سے زیادہ اس وقت پہنچ سکتی ہے جب کسی خطہ زمین میں کوئی عام حادثہ طوفان وبائی امراض وغیرہ کا پیش آجائے، افراد و آحاد کی تکلیف کی کس کو خبر ہوتی ہے؟ کون مدد کو پہنچ سکتا ہے؟ شریعت اسلام کی حکیمانہ تعلیم دیکھئے کہ طلاق کا معاملہ ظاہر ہے کہ باہمی مخالفت غصے اور ناراضگی سے پیدا ہوتا ہے، اور اس کا نتیجہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جو تعلق انتہائی یگانگت اور محبت و الفت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا وہ اب اس کی نفیض بن کر نفرت، دشمنی، انتقامی جذبات کا مجموعہ بن جاتا ہے، قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور اس قسم کی بہت سی آیات نے عین طلاق کے موقع پر جو مسلمانوں کو ہدایات دی ہیں ایسی ہیں کہ ان میں حسن خلق اور حسن معاشرت کا پورا امتحان ہوتا ہے، نفس کا تقاضہ ہوتا ہے کہ جس عورت نے ہمیں ستایا اذیت دی یہاں تک کہ قطع تعلق پر مجبور ہوئی اس کو خوب ذلیل کر کے نکالا جائے، اور جو انتقام اس سے لیا جاسکتا ہے لے لیا جائے۔

مگر قرآن کریم نے عام مطلقہ عورتوں کے لئے تو ایک بڑی پابندی عدت کی اور ایام عدت بھی شوہر کے مکان میں گزارنے کی لگادی، طلاق دینے والے پر فرض کر دیا کہ اس مدت کے اندر عورت کو اپنے گھر سے نہ نکالے اور عورت کو بھی پابند کر دیا کہ اس کے گھر سے نہ نکلے، دوسرے شوہر پر فرض کر دیا کہ مدت عدت کا نفقہ بدستور جاری رکھے، تیسرے شوہر کے لئے مستحب کر دیا کہ عدت پوری ہونے کے بعد بھی جب اس کو رخصت کرے تو ایک جوڑا لباس دیکر عزت کے ساتھ رخصت کرے۔

تیسرا حکم:

یہ دیا گیا کہ سَرَخُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلاً یعنی ان کو خوبی کے ساتھ رخصت کرو جس سے پابندی لگادی گئی کہ زبان سے بھی کوئی سخت بات نہ کہیں، طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار نہ کریں، مخالفت کے وقت حقوق کی رعایت وہی کر سکتا ہے جو اپنے نفس کے جذبات پر قابو رکھے اسلام کی تمام تعلیمات میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے۔

إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي أَتَيْتَ أُجُورَهُنَّ آیات مذکورہ میں نکاح و طلاق وغیرہ سے متعلق ان سات احکامات کا ذکر ہے، جو آپ ﷺ کے لئے مخصوص ہیں، اور یہ خصوصیت آپ کی ایک امتیازی شان اور خصوصی اعزاز کی علامت ہے، ان میں سے بعض احکام تو ایسے ہیں کہ ان کی خصوصیت تو آپ ﷺ کے ساتھ بالکل واضح ہے، اور بعض ایسے ہیں جو اگرچہ سب مسلمانوں کے لئے عام ہیں، مگر ان میں کچھ قیدیں، شرطیں رسول اللہ ﷺ کے لئے مخصوص ہیں ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

پہلا حکم:

إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ (الآیۃ) ہم نے موجودہ ازواج کو جن کا آپ مہر ادا کر چکے ہیں آپ کے لئے حلال کر دیا، یہ حکم بظاہر سب ہی مسلمانوں کے لئے عام ہے، مگر اس میں وجہ خصوصیت یہ ہے کہ نزول آیت کے وقت آپ کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں اور عام مسلمانوں کیلئے چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا حلال نہیں، یہ آپ کی خصوصیت تھی کہ چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنا آپ کے لئے حلال کر دیا گیا۔

الَّتِي اتَّيْتَ أَجُورَهُنَّ یہ قید احترازی نہیں ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کی زوجیت میں بعض ایسی عورتیں تھیں کہ آپ نے جن کا مہر ادا نہیں کیا تھا، اس قید کے ذریعہ ان عورتوں کو آپ پر حرام کر دیا گیا ہے بلکہ یہ قید تو بیان واقعہ کے لئے ہے یعنی حقیقت یہ تھی کہ آپ نے اپنی تمام ازواج کا مہر پہلے ہی ادا کر دیا تھا، حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ کا مہر ان کی آزادی کو قرار دیا تھا، ان کے علاوہ کا بصورت نقد سب کا مہر ادا کیا، صرف ام حبیبہ کا مہر نجاشی نے ادا کیا۔

دوسرا حکم:

وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ یعنی اللہ نے آپ کے لئے وہ باندیاں بھی حلال کر دیں جو اللہ نے آپ کو بطور فی عطا کی ہیں، افاء، فئی سے مشتق ہے، اس کے معنی لوٹنے کے ہیں اور اصطلاح میں اس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے بغیر جنگ کے یا بطور مصالحت کے حاصل ہو جائے اور کبھی مطلق مال غنیمت کو بھی لفظ فئی سے تعبیر کر دیتے ہیں، یہاں بھی فئی کی قید شرط کے طور پر نہیں کہ آپ کے لئے صرف وہ باندیاں حلال ہوں جو بطور فئی حاصل ہوتی ہوں، بلکہ خرید کر دو باندی بھی اس حکم میں شامل ہے، یہ قید غلشی اور اکثری ہے۔

مذکورہ حکم کی بظاہر آپ ﷺ سے کوئی خصوصیت معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ حکم کہ جو باندی جس کے حصہ میں آئے یا خرید کر ملکیت میں آئے مالک کے لئے حلال ہوتی ہے، یہ حکم ہر مسلمان کے لئے عام ہے پھر خصوصیت کے طور پر بیان کرنے کا کیا مقصد ہے؟ روح المعانی میں باندیوں کی حلت سے متعلق یہ خصوصیت بیان فرمائی ہے کہ جس طرح آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے کسی امتی کا نکاح حلال نہیں اسی طرح آپ کے بعد آپ کی کنیز بھی کسی کے لئے حلال نہیں، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان القرآن میں اور دو خصوصیتیں بیان فرمائی ہیں جو مذکورہ خصوصیات سے زیادہ واضح ہیں۔

اَوَّلُ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار خصوصی دیا گیا تھا کہ مال غنیمت کو تقسیم کرنے سے پہلے اگر آپ اس میں سے کسی چیز کو اپنے لئے انتخاب فرمائیں تو یہ آپ کی ملک خاص ہو جاتی تھی، اس خاص چیز کو اصطلاح میں صفی النبی کہا جاتا تھا، جیسا کہ غزوہ خیبر کی غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ کو اپنے لئے مخصوص فرمایا

تھا تو ملک یمین کے مسئلہ میں یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

دفعہ: خصوصیت یہ کہ دارالحرب سے کسی غیر مسلم کی طرف سے اگر کوئی بدیہ مسلمانوں کے امیر المومنین کے نام آئے تو ختم شرعی یہ ہے کہ اس کا مالک امیر المومنین نہیں ہوتا، بلکہ وہ بیت المال کی ملکیت ہوتا ہے، بخلاف نبی ﷺ کے کہ ایسا بدیہ آپ کے لئے خصوصیت سے حلال کر دیا گیا جیسا کہ ماریہ قبطیہ کا معاملہ ہے کہ مقوقس نے بطور بدیہ و تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کی تھی تو یہ آپ ہی کی ملکیت قرار پائیں۔ (واللہ اعلم)۔

(بیان القرآن بحوالہ معارف القرآن)

تیسرا حکم:

وَبَنَاتِ عَمِّكَ، وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ اس آیت میں عَمُّ اور خَال کو مفرد اور عمات و خالات کو جمع الایا گیا ہے، اس کی مفسرین حضرات نے بہت سی توجیہات کی ہیں، تفسیر روح المعانی میں ابو حیان کی اس توجیہ کو اختیار کیا گیا ہے کہ عرب کا محاورہ اسی طرح ہے کہ عَمُّ کی جمع استعمال نہیں کرتے، اور اشعار سے استشہاد پیش کیا ہے، علامہ شیخ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازی صاحب المختار الصحاح رحمہ اللہ تعالیٰ نے نمودج میں یہ توجیہ کی ہے کہ عَمُّ صَمُّ کے وزن پر مصدر ہے اور اسی طرح خَالُ بروزان فقال لہذا اس میں مفرد، تشبیہ، جمع سب برابر ہیں، بخلاف عَمَّة خَالَّة کے اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول خَتَمَ اللہُ عَلٰی قُلُوبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی أَبْصَارِهِمْ ہے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ جواب اللہ تعالیٰ کے قول اَوْ بُيُوتٍ اَعْمَسَكُمْ اَوْ بُيُوتٍ اَخْوَالِكُمْ سے منقوض ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ عَمُّ اور خَال حقیقت میں مصدر نہیں ہیں بلکہ مصدر کے وزن پر ہیں، لہذا یہاں مشابہ بالمصدر ہونے کا اعتبار کیا گیا اور وہاں ان کی حقیقت یعنی مصدر نہ ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے تاکہ ان کی دونوں جہتوں پر عمل ہو جائے بخلاف سَمْع کے چونکہ یہ حقیقتہً مصدر ہے لہذا قرآن کریم میں ہر جگہ مفرد ہی استعمال ہوا ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے چچا اور پھوپھی کی لڑکیاں اور ماموں، خالہ کی لڑکیاں حلال کر دی گئیں، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لڑکیوں سے نکاح کا حلال ہونا تو آپ کی خصوصیت نہیں ہے سب مسلمانوں کا یہی حکم ہے، لیکن اس میں یہ قید ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ہو، خواہ آپ کے ساتھ یا پہلے یا بعد میں، ہمسفر رہنا شرط نہیں ہے، لہذا اب یہ خصوصیت ہوگی کہ عام مسلمانوں کے لئے تو مذکورہ لڑکیوں سے نکاح حلال ہے خواہ ہجرت کی ہو یا نہ کی ہو، مگر آپ کے لئے انہیں لڑکیوں سے نکاح حلال تھا کہ جنہوں نے ہجرت کی ہو، جیسا کہ آپ کے چچا ابوطالب کی بیٹی ام ہانی رحمہا اللہ تعالیٰ غفانے فرمایا کہ مجھ سے آپ ﷺ کا نکاح اس لئے حلال نہیں تھا کہ میں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی، بلکہ میرا شمار طلقاء میں تھا، طلقاء ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کو فتح مکہ کے وقت رسول اللہ نے اَنْتُمْ الطَّلَاقُ کہہ کر آزاد کر دیا تھا نہ قتل کیا اور نہ غلام بنایا۔

(روح، حصص)

اور رسول اللہ ﷺ کے نکاح کے لئے مہاجر کی شرط صرف آپ کے والدین کے خاندان کی لڑکیوں کے لئے تھی عام

امت کی لڑکیوں میں ہجرت کی شرط نہ تھی، بلکہ ان کا صرف مسلمان ہونا کافی تھا۔

چوتھا حکم:

وَأَمْرًا مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ (الآیۃ) یعنی اگر کوئی مسلمان عورت اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کر دے یعنی بغیر مہر کے آپ سے نکاح کرنا چاہے اور آپ اس کو منظور فرمائیں تو آپ کے لئے بلا مہر بھی نکاح جائز ہے، اور یہ حکم آپ کے ساتھ خاص ہے دوسرے مومنوں کے لئے جائز نہیں ہے، اگر بلا ذکر مہر یا مہر کی نفی کے ساتھ نکاح ہو تو مہر مثل دینا لازم ہوگا، علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا یا نہیں، بعض نے کہا کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور بعض حضرات نے ایسا نکاح ثابت کیا ہے (روح المعانی) اس حکم کے ساتھ خَالِصَةً کا جو جملہ آیا ہے اس کو بعض حضرات نے صرف اسی حکم چہارم کے ساتھ لگایا ہے، اور زنجیری وغیرہ نے اس جملہ کو ان تمام احکام کے ساتھ لگایا ہے جو اوپر مذکور ہوئے ہیں۔

پانچواں حکم:

جو آیت مذکورہ میں مؤمنۃ کی قید سے مستفاد ہے، وہ یہ کہ اگرچہ عام مسلمانوں کے لئے یہود و نصاریٰ کی عورتوں یعنی کتابیات سے نکاح بھص قرآنی حلال ہے، مگر آپ ﷺ کے لئے عورت کا مومنہ ہونا شرط ہے کتابیہ سے آپ کا نکاح نہیں ہو سکتا تھا۔

مذکورہ پانچوں احکام کی خصوصیت نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد عام مسلمانوں کا حکم اجمالاً ذکر فرمایا قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ (الآیۃ) یعنی احکام مذکورہ آپ کے لئے مخصوص ہیں، باقی مسلمانوں کے نکاح کے لئے جو ہم نے فرض کیا ہے وہ ہم جانتے ہیں، مثلاً عام مسلمانوں کا نکاح بغیر مہر کے نہیں ہو سکتا، اور کتابیات سے ان کا نکاح ہو سکتا ہے، مذکورہ جملہ متعلق اور متعلق کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

چھٹا حکم:

تُرْجَى مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُؤْتَى إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ، تُرْجَى إِذْ جَاءَ سے مشتق ہے، اس کے معنی مؤخر کرنے کے ہیں اور تُؤْتَى اِسْوَاءُ سے مشتق ہے جس کے معنی قریب کرنے اور ملانے کے ہیں، اس میں آپ ﷺ کی ایک اور خصوصیت بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر کرنے کے بارے میں آپ کو اختیار دیدیا گیا تھا، آپ ﷺ جس کی باری چاہیں موقوف کر دیں یعنی اسے نکاح میں رکھتے ہوئے اس سے مباشرت نہ کریں اور جس سے چاہیں یہ تعلق قائم رکھیں، اسی طرح آپ کو یہ اجازت بھی دیدی کہ جن بیویوں کی باری آپ نے موقوف کر دی تھی اگر آپ چاہیں تو اس باری کو دوبارہ جاری کر سکتے ہیں، مگر آپ ﷺ نے اس رخصت سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا اور ہمیشہ برابری کا

التزام رکھا، صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کو اگر کسی بی بی کی باری میں ان کے یہاں جانے سے کوئی عذر ہوتا تو آپ ﷺ اس سے اجازت لے لیتے تھے۔

اور یہ حدیث بھی سب کتب حدیث میں معروف ہے کہ مرض وفات میں کہ جب آپ کے لئے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا تو آپ نے سب ازواج سے اجازت حاصل کر کے حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر میں بیماری کے ایام گزارنا اختیار فرمایا تھا۔

ذَلِكَ اِذْنِي اَنْ تَقْرَأَ اَعْيُنُهُنَّ اس کا تعلق بھی آپ کے اسی طرز عمل سے ہے کہ آپ پر تقسیم اگرچہ دوسروں کی طرح واجب نہیں تھی، اس کے باوجود آپ ﷺ نے تقسیم کو اختیار فرمایا تاکہ آپ ﷺ کی بیویوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور آپ کے اس حسن سلوک اور عدل و انصاف سے خوش ہو جائیں کہ آپ نے خصوصی اختیارات استعمال کرنے کے بجائے ان کی دُجوئی اور دلداری کا اہتمام فرمایا، بعض حضرات نے مذکورہ آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ سے تقسیم نوبت کی فرضیت کو ختم کر دینے اور آپ کو ہر طرح کا اختیار دیدینے کی علت اور حکمت کا بیان ہے کہ آپ کو عام اختیار دینے کی مصلحت یہ ہے کہ سب ازواج مطہرات کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور جتنا کچھ ان کو حصہ ملے اس پر راضی رہیں۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم تو بظاہر ازواج مطہرات کی مرضی اور منشاء کے خلاف بلکہ ان کے لئے رنج کا سبب ہو سکتا ہے، اس کو ازواج کی خوشی کا سبب کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل ناراضگی کا اصل سبب اپنا استحقاق ہوتا ہے، اور جب کسی پر استحقاق ہی نہ ہو تو رنج و غم کی کوئی بات ہی نہیں، بلکہ پھر جو کچھ بھی مہربانی کر دے وہ خوش ہی خوش ہے، یہاں بھی جب بتلا دیا گیا کہ آپ ﷺ پر برابری رکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ آپ مختار ہیں تو اب جس بیوی کا جتنا حصہ بھی آپ کی توجہ اور صحبت کا ملے وہ اس کو ایک احسان و تبرع سمجھ کر خوش ہوگی۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ (الآیۃ) آیات مذکورہ میں اوپر سے یہاں تک ان احکام کا ذکر چلا آتا ہے جو آپ ﷺ کے نکاح کے سلسلہ میں کسی نہ کسی قسم کی خصوصیت رکھتے ہیں، آئندہ بھی بعض ایسے ہی احکام کا ذکر آ رہا ہے، درمیان میں یہ آیت کہ ”اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کا حال جانتا ہے اور علیم و حلیم ہے“، بظاہر ماقبل اور مابعد سے کوئی ربط اور جوڑ نہیں رکھتا، روح المعانی میں ہے کہ احکام مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کے چار سے زائد ازواج کی اجازت اور بلا مہر کے نکاح کی اجازت سے کسی کے دل میں شیطانی وساوس پیدا ہو سکتے تھے، اس لئے درمیان میں اس آیت نے یہ ہدایت دیدی کہ مسلمان اپنے دلوں کی ایسے وساوس سے حفاظت کریں، اور اس بات پر ایمان پختہ رکھیں، کہ یہ سب خصوصیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، جو بہت سی مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہیں نفسانی خواہشات کی تکمیل کا یہاں گزر نہیں۔

آپ ﷺ کی زاہدانہ زندگی اور اس کے ساتھ تعدد ازواج:

اعداء اسلام نے ہمیشہ مسئلہ تعدد ازواج اور خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی کثرت ازواج کو اسلام کی مخالفت میں موضوع بحث بنایا ہے، لیکن اگر رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کو سامنے رکھا جائے تو کسی شیطان کو بھی شان رسالت کے خلاف وسوسہ

پیدا کرنے کی گنجائش نہیں رہتی، صحیح احادیث اور معتبر تاریخی روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے پہلا نکاح عنقوان شباب پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کیا جو بیوہ، سن رسیدہ، صاحب اولاد تھیں، اور آپ سے پہلے دو شوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں، اور پچاس سال کی عمر تک صرف اسی بیوہ اور سن رسیدہ بیوی کے ساتھ شباب کا پورا زمانہ گزارا یہ پچاس سالہ دور مکہ کے لوگوں کے سامنے گزرا، چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کے بعد شہر میں آپ کی مخالفت شروع ہوئی، اور مخالفین نے آپ کو ستانے اور عیب لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، شاعر کہا، کاہن کہا، مجنون کہا، مگر کبھی کسی دشمن کو بھی آپ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرنے کا موقع نہیں مل سکا جو تقویٰ و طہارت کو مشکوک کر سکے، پچاس سال عمر شریف گزرنے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا، یہ بھی بیوہ تھیں، ہجرت مدینہ اور عمر شریف چوں سال ہو جانے کے بعد ۲ھ میں حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی آنحضرت ﷺ کے گھر میں ہوئی، اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور کچھ دنوں کے بعد حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خزیمہ سے نکاح ہوا، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا چند ماہ بعد وفات پا گئیں، ۴ھ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو صاحب اولاد بیوہ تھیں آپ کے نکاح میں آئیں، ۵ھ میں زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت جحش سے بحکم خداوندی نکاح ہوا، جس کا ذکر سورہ احزاب کے شروع میں آچکا ہے، اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھاون سال تھی، آخری پانچ سال میں باقی ازواج مطہرات آپ کے حرم میں داخل ہوئیں۔

پیغمبر کی خانگی زندگی اور گھریلو معاملات سے متعلق احکام، دین کا ایک بہت بڑا حصہ ہوتے ہیں، ان نوازواج مطہرات سے جس قدر دین کی اشاعت ہوئی اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ صرف حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دو ہزار دوسو احادیث اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تین سو اڑسٹھ احادیث کی روایت معتبر کتب احادیث میں جمع ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو احکام و فتاویٰ لوگوں کو بتلائے ان کے متعلق حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے، کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے، دوسو سے زائد حضرات صحابہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شاگرد ہیں، جنہوں نے حدیث، فقہ و فتاویٰ ان سے سیکھے ہیں۔

ساتواں حکم:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ (الآیہ) یعنی اس کے بعد آپ کے لئے دوسری عورتوں سے نکاح حلال نہیں کہ موجودہ ازواج میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بدلیں، اس آیت میں لفظ مِنْ بَعْدُ کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ من بعد سے مراد یہ ہو کہ ان عورتوں کے بعد جو اس وقت آپ کے نکاح میں ہیں اور کسی سے آپ کا نکاح حلال نہیں، بعض صحابہ سے یہی تفسیر منقول ہے، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، آیت تخییر کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے دنیا کے اسباب عیش و راحت کے مقابلہ میں عُسرت کے ساتھ نبی ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا تھا اس کا صلہ اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ آپ

جنہیں کوان ازواج کے علاوہ (جن کی تعداد اس وقت نو تھی) دیگر عورتوں سے نکاح کرنے یا ان میں سے کسی کو طلاق دیکر اس کی جگہ کسی اور سے نکاح کرنے سے منع فرمادیا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ بعد میں آپ کو اختیار دیدیا گیا تھا، لیکن آپ نے کوئی نکاح نہیں کیا، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی روایت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عکرمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے ایک روایت میں لفظ من بعد کی یہ تفسیر نقل کرتے ہیں کہ من بعد الاصناف المذكورة یعنی شروع آیت میں آپ کے لئے عورتوں کی جتنی اقسام حلال کی گئی ہیں، اس کے بعد یعنی ان کے سوا کسی اور قسم کی عورت سے آپ کا نکاح حلال نہیں، مثلاً شروع آیت میں اپنے خاندان کی عورتوں میں سے صرف وہ عورتیں حلال کی گئیں جنہوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی، اسی طرح مومنہ کی قید لگا کر آپ کے لئے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح ناجائز قرار دیدیا گیا تو آیت میں من بعد کا مطلب یہ ہے کہ جتنی قسمیں آپ کے لئے حلال کر دی گئی ہیں صرف انہی سے آپ کا نکاح ہو سکتا ہے، اس تفسیر کے مطابق یہ سابقہ حکم ہی کی تاکید ہے کوئی نیا حکم نہیں، وَلَا اَنْ تَبْدُلَ بَیْنَ مَنْ اَزْوَاجَ آیت مذکورہ کی اگر دوسری تفسیر اختیار کی جائے تو اس بارے کا مطلب واضح ہے کہ اگرچہ آپ کا موجودہ ازواج کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح حلال ہے، مگر یہ جائز نہیں کہ ایک کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری کو بدلیں، اور اگر پہلی تفسیر مراد لیں تو معنی یہ ہوں گے کہ آئندہ نہ کسی عورت کا اضافہ کر سکتے ہیں اور نہ کسی کی تبدیلی کر سکتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو طلاق دیکر اس کی جگہ دوسری کر لیں۔ (واللہ اعلم)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ فِي الدُّخُولِ بِالْأَعْيَانِ إِلَى طَعَامٍ فَتَدْخُلُوا
غَيْرَ نَظِيرِينَ مُتَنَظِّرِينَ إِنَّهُ نَضْجُهُ مُضْرُأْنِي يَأْنِي وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا إِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا
تَمْكُوا مُتَنَاسِلِينَ لِحَدِيثٍ مَنْ بَغَضَكُمْ لِبَغْضِ الْكَافِرِ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِ مِنْكُمْ إِنْ
يُخْرِجَكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ إِنْ يُخْرِجَكُمْ إِي لَا يَشْرِكْ بَيْنَهُ وَفَرَى يَسْتَحْيِ بَيْنَهُ وَاحِدَةً وَإِذَا
سَأَلْتُمُوهُنَّ أَىْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ سِرًّا لَكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ مِنَ الْخَوَاطِرِ
الْمُرِيَّةِ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ يَسْتَحْيِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنْ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ
ذَنْبًا عَظِيمًا إِنْ تَبَدُّوا شَيْئًا أَوْ تَخَفُوهُ مِنْ نِكَاحِهِمْ بَعْدَهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ فَيُجَازِيكُمْ عَلَيْهِ
لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءَ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ إِي
الْمُؤْمِنَاتِ وَلَا مَمْلَكَتٍ أَيْمَانِهِنَّ مِنَ الْإِمَاءِ وَالْعَبِيدِ أَنْ يَرَوْهُنَّ وَيَكَلِّمُوهُنَّ مِنْ غَيْرِ حِجَابٍ وَاتَّقِينَ اللَّهَ
فِيمَا أَمَرْتُنَّ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ
مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ إِي قُولُوا أَللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى

مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَبِهِمُ الْكُفَّارُ يَصِفُونَ اللَّهُ بِمَا هُوَ مُنْزَرٌ عَنْهُ مِنَ الْوَلَدِ وَالشَّرِيكِ وَيَكْذِبُونَ رَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ أَبْعَدُ عَنْهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ﴿۵۷﴾ ذَا إِهْبَاتٍ وَهُوَ النَّارُ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا يُرْسِلُ إِلَيْهِمْ بَغِيرَ مَا عَمِلُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا تَحْمِلُونَهَا كَذِبًا وَاثْمًا مُبِينًا ﴿۵۸﴾ بَيْنًا.

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بلا بلائے) مت جایا کرو مگر یہ کہ تم کو کھانے کے لئے دعوت کے طور پر آنے کی اجازت دیدی جائے تو اس طرح داخل ہو سکتے ہو کہ کھانے کی تیاری کے منتظر نہ رہو، انی، انسی یانی کا مصدر ہے، لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو پھر جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور آپس میں باتوں میں دلچسپی لیکر بیٹھے نہ رہا کرو بلاشبہ اس بیٹھے رہنے سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تم کو چلے جانے کے لئے کہنے کے بارے میں تمہارا لحاظ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بیان حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا یعنی حق بیان کرنے کو ترک نہیں کرتا، اور ایک قراءت میں یَسْتَحِیٰ ایک یاء کے ساتھ بھی ہے، جب تم ان سے یعنی نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے باہر سے طلب کرو یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی مشتبہ خیالات سے پاکیزگی ہے اور تمہارے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ کسی طرح بھی اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ تمہارے لئے یہ حلال ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کبھی بھی آپ کی ازواج سے نکاح کرو بلاشبہ اللہ کے نزدیک یہ گناہ عظیم ہے خواہ کچھ ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو، آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج سے نکاح کے بارے میں، اللہ تعالیٰ ہر شئی سے بخوبی واقف ہے وہ اس پر تم کو ضرور بدلہ دے گا، اور ازواج مطہرات پر اپنے باپوں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھائیوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھتیجیوں کے بارے میں، اور نہ بھانجیوں کے اور نہ اپنی عورتوں یعنی مومنات کے بارے میں اور نہ اپنے مملوکوں کے بارے میں خواہ وہ باندی ہوں یا غلام کوئی حرج نہیں یہ کہ ان کو دیکھیں اور بغیر حجاب کے ان سے باتیں کریں، اور جس بات کا تم کو حکم دیا گیا ہے اس میں اللہ سے ڈرتی رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگراں ہے، اس سے کوئی شئی مخفی نہیں بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی محمد ﷺ پر رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو یعنی اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ کہا کرو بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، اور وہ کفار ہیں اللہ کے لئے ایسی صفات ثابت کرتے ہیں جن سے وہ پاک ہے یعنی اولاد سے اور شرک سے اور اس کے رسول کی تکذیب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے یعنی ان کو رحمت سے دور کر دیا ہے اور ان کے لئے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے، اور وہ آگ ہے، جو مومنین اور مومنات کو بلا وجہ تکلیف پہنچاتے ہیں یعنی ان کے بغیر کچھ کئے طعنہ زنی کرتے ہیں تو وہ بہتان یعنی جھوٹ اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب کے تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ یہ عمومِ احوال سے استثناء ہے ای لا تَدْخُلُوها فی حال من الاحوال الا حال کونکم ماذونا لکم۔

قَوْلًا: الی طعام کا تعلق، یُوْذَنْ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے یُوْذَنْ سے ہے، شارح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے بالدعاء کا اضافہ یہ بتانے کے لئے کیا ہے کہ یُوْذَنْ یُدْعَوْنَ کے معنی کو متضمن ہے ورنہ یُوْذَنْ کا صلہ الی نہیں آتا اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت ولیمۃ زینب بنت جحش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے بارے میں نازل ہوئی، واقعہ کی تفصیل تفسیر کے زیر عنوان ملاحظہ فرمائیں۔

قَوْلًا: اِنَاہُ۔ اُنّی یانی کا مصدر ہے بروزن رَمی یَرْمِی پکنا، تیار ہونا اُنّی بالفتح والکسر یہ اَنَا یانی (ض) کا مصدر ہے، معنی پکنے اور وقت آنے کے ہیں، اِنّی مصدر سماعی ہے مصدر قیاسی اُنّی ہے لیکن یہ سنا نہیں گیا۔

(اعراب القرآن، ندرویش)

قَوْلُهُ: فَاَنْتَشِرُوا اِذَا طَعِمْتُمْ كَاْجَوَابِ هِـ

قَوْلٌ: وَلَا مُسْتَانِسِينَ کا عطف غیر ناظرین پر ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ حال مقدر پر عطف ہے ای لا تَدْخُلُوها ہا جَمِینَ وَلَا مُسْتَانِسِينَ زنجیری نے کہا ہے کہ مستانسنین، ناظرین پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔

قَوْلًا: لَا يَسْتَحْيٰ كِي تَفْسِيْہ لَا يَتْرُكْ سے كِر كے اشارہ كِر ديا كہ يَسْتَحْيٰ مَعْنٰی لَا يَتْرُكْ ہے جو كہ لازم مَعْنٰی ہيں اس كے كہ حيا كِي نِسْبَت اللہ كِي طَرَف دَرَسْت نھيں ہے۔

قَوْلًا: ذَالِكُمْ أَظْهَرَ، ذَالِكُمْ کا مربع بغیر اجازت کے داخل نہ ہونا، اور باتوں میں دلچسپی لیکر حجم کرنے بیٹھ رہنا، اور پردے کے باہر سے سامان طلب کرنا ہے، یعنی مذکورہ باتیں تہمت اور شیطانی وساوس کے دفع کرنے کے لئے بہت مفید و مؤثر ہیں۔

قَوْلٌ: مَا كَانَ لَكُمْ اِي مَا صَحَّ لَكُمْ اَنْ تُوْذُوا، اَنْ تُوْذُوا كَانَ كَا اِسْمِ هِيَ اور لَكُمْ اس کی خبر اور وَاَنْ تَنْكِحُوْا کا عطف کان کے اسم پر ہے۔

قَوْلًا: اَنْ يَرَوْهُنَّ وَيُكَلِّمُوهُنَّ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ فی آبائِہنَّ ولا اَبْدائِہنَّ (الخ) حذف مضاف کے ساتھ ہیں، یعنی ان لوگوں کو دیکھنے اور ان سے کلام کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: وَاتَّقِينَ اللَّهَ اس کا عطف محذوف پر ہے اِی امثالُنْ مَا اُمِرْتُنْ بِهِ وَاتَّقِينَ اللَّهَ.

قَوْلٌ: صلوٰۃ اس کے متعدد معنی ہیں، رحمت، دعاء، تعظیم و ثنا، ان کو بیک وقت مراد لینا عموم مشترک کہلاتا ہے بعض حضرات کے یہاں یہ جائز نہیں ہے اس لئے یہ کہا جائے گا کہ لفظ صلوٰۃ کے اس جگہ ایک ہی معنی مراد ہیں یعنی آپ کی

تعظیم اور مدح و ثناء پھر جب یہ معنی اللہ کی طرف منسوب ہوں تو رحمت مراد ہوگی اور فرشتوں کی طرف منسوب ہوں تو دعاء و استغفار مراد ہوگی اور اگر عام مومنین کی طرف منسوب ہوں تو دعاء اور مدح و تعظیم کا مجموعہ مراد ہوگا، لفظ سلام مصدر ہے بمعنی سلامت جیسے ملام بمعنی ملامت مستعمل ہوتا ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ نقائص و عیوب اور آفات سے سلامتی آپ کے ساتھ رہے، عربی زبان کے قاعدے سے یہاں حرف علی کا موقع نہیں مگر چونکہ لفظ سلام ثناء کے معنی کو متضمن ہے اس لئے حرف علی کے ساتھ عَلَیْکَ یا عَلَیْکُمْ کہا جاتا ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

شان نزول:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ (الآية) اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ نبی ﷺ کی دعوت پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت جحش کے ولیمے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تشریف لائے جن میں سے بعض کھانے کے بعد بھی بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے جس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوئی، تاہم حیا و اخلاق کی وجہ سے آپ ﷺ نے انہیں جانے کے لئے نہیں فرمایا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح بخاری کی روایت میں واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چونکہ میں اس واقعہ کے وقت خود موجود تھا اس لئے آیت حجاب کی حقیقت سے میں زیادہ واقف ہوں، جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نکاح کے بعد حرم نبوی میں داخل ہوئیں تو آپ نے ولیمے کی دعوت کی، کھانے کے بعد کچھ لوگ وہیں جم کر باتیں کرنے لگے، ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے، اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اسی جگہ موجود تھیں جو حیاء کی وجہ سے دیوار کی طرف اپنا رخ پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں، یہ نزول حجاب سے پہلے کی بات ہے جبکہ زنانہ مکانوں میں مردوں کے داخل ہونے پر پابندی نہیں تھی بلکہ دعوت وغیرہ کا انتظام زاناخانہ میں ہی ہوتا تھا، ان لوگوں کے اس طرح دیر تک بیٹھنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی آپ ان لوگوں کو اٹھنے کا اشارہ دینے کے طور پر باہر نکلے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تک تشریف لے گئے یہ خیال کر کے کہ اب شاید لوگ چلے گئے ہوں گے واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ حضرات بیٹھے ہوئے ہیں آپ کو اس کا بہت احساس ہوا، تھوڑی دیر گھر میں قیام کرنے کے بعد پھر باہر تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو وہ حضرات بدستور ڈٹے ہوئے تھے، جب ان حضرات کو احساس ہوا تو اٹھ کر چلے گئے، اس واقعہ کے کچھ ہی دیر بعد مذکورہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے پڑھ کر سنائی، چنانچہ اس آیت میں دعوت کے آداب بتلائے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ اس وقت جاؤ جب کھانا تیار ہو چکا ہو، پہلے ہی جا کر دھرنا مار کر نہ بیٹھ جاؤ، دوسرے یہ کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چلے جایا کرو۔

آیت حجاب:

إِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا (الآية) حضرت انس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سے مروی ہے کہ آیت حجاب حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کی خواہش کے مطابق نازل ہوئی، ایک مرتبہ حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے آپ ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ آپ کے پاس اچھے برے ہر قسم کے آدمی آتے ہیں، کاش آپ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم فرمادیں تو کیا اچھا ہو، جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔

ذَالِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ یہ پردے کی حکمت اور علت ہے اس سے مرد اور عورت دونوں کے دل ریب و شک سے اور ایک دوسرے کے ساتھ فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُذَوُّوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا اور تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ آپ کے بعد کسی وقت بھی آپ کی بیویوں سے نکاح کرو (یا درکھو) اللہ کے نزدیک یہ بڑا (گناہ) ہے یہ حکم ان ازواج کے بارے میں ہے جو آپ کی وفات کے وقت آپ کے حوالہ عقد میں تھیں، البتہ وہ عورتیں جن کو آپ ﷺ نے ہمبستری کے بعد طلاق دیکر الگ کر دیا ہو، وہ اس کے عموم میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس میں دورائے ہیں بعض ان کو بھی شامل سمجھتے ہیں اور بعض نہیں، لیکن آپ کی کوئی ایسی بیوی تھی ہی نہیں، اس لئے یہ محض ایک فرضی شکل ہے، ایک تیسری قسم ان عورتوں کی ہے جن سے آپ ﷺ نے نکاح کیا ہو لیکن ہم بستری سے قبل ہی ان کو آپ نے طلاق دے دی ان سے دوسرے لوگوں کا نکاح درست ہونے میں کوئی نزاع معلوم نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا أَنْ تُنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا میں ظاہر اور ازواج کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مدخولہ سے بھی نکاح صحیح نہیں ہے جیسا کہ مستعیدہ (پناہ چاہنے والی بنت جون) اور وہ بیوی کہ آپ نے اس کے پہلو میں سفید داغ دیکھا تو ہم بستری سے قبل ہی فرمایا الْحَقِيقِي بِأَهْلِكَ امام الحرمین اور رافعی نے صغیر میں اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ حرمت صرف مدخول بہا کی ہے، اس لئے کہ روایت کیا گیا ہے کہ اشعث بن قیس کندی نے مستعیدہ (پناہ چاہنے والی بنت جون) سے حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کے زمانہ میں نکاح کیا تھا تو حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے ان کو رجم کرنے کا ارادہ کیا تو اشعث بن قیس نے بتایا کہ وہ آپ ﷺ کی مدخول بہا نہیں ہے، تو حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے بلا کسی تکیر کے رجم کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ (روح المعانی)

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ (الآية) جب عورتوں کیلئے پردے کا حکم نازل ہوا تو پھر گھر میں موجود اقارب یا ہر وقت آنے جانے والے رشتہ داروں کی بابت سوال ہوا کہ ان سے پردہ کیا جائے یا نہیں؟ چنانچہ اس آیت میں ان اقارب کا ذکر کر دیا گیا جن سے پردے کی ضرورت نہیں، اس کی تفصیل سورہ نور کی آیت ۳۱ میں گزر چکی ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

وَأَتَّقِينَ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا اس مقام پر عورتوں کو تقویٰ کا حکم دے کر واضح کر دیا کہ اگر تمہارے دلوں میں تقویٰ ہوگا تو پردے کا جو اصل مقصد قلب و نظر کی طہارت اور عصمت کی حفاظت ہے یقیناً وہ تم کو حاصل ہوگا، ورنہ حجاب کی ظاہری پابندیاں تمہیں گناہ میں ملوث ہونے سے نہیں بچا سکتیں۔

انسداد فواحش کا اسلامی نظام:

فواحش، بدکاری، زنا اور اس کے مقدمات دنیا کی ان مہلک برائیوں میں سے ہیں جن کے مہلک اثرات صرف اشخاص و افراد ہی کو نہیں بلکہ قبائل اور خاندانوں کو اور بعض اوقات بڑے بڑے ملکوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔

دنیا کے اس موجودہ دور میں مغربی اقوام نے اپنی مذہبی حدود اور قدیم قومی روایات سب کو توڑ کر زنا کو اپنی ذات میں کوئی جرم نہیں رکھا، اور تمدن و معاشرت کو ایسے سانچے میں ڈھال دیا ہے جن میں ہر قدم پر جنسی انار کی اور فواحش کو دعوت عام ہے، مگر ان کے ثمرات اور نتائج کو وہ بھی جرائم سے خارج نہ کر سکے، عصمت فروشی، زنا بالجبر، منظر عام پر فحش حرکات کو تعزیری جرم قرار دینا پڑا، جس کی مثال اس کے سوا کچھ نہیں کہ کوئی شخص آگ لگانے کے لئے سوختہ کا ذخیرہ جمع کرے، پھر اس پر تیل چھڑکے، پھر اس میں آگ لگا دے اور جب آگ کے شعلے بھڑکنے لگیں تو ان شعلوں پر پابندی اور روکنے کی کوشش کرے۔

اس کے برخلاف اسلام نے جن چیزوں کو جرم اور انسانیت کے لئے مضر سمجھ کر قابل سزا جرم قرار دیا ہے ان کے مقدمات اور مبادیات پر بھی پابندیاں عائد کی ہیں اور ان کو ممنوع قرار دیا ہے، مثلاً اصل مقصد زنا اور بدکاری سے بچانا تھا، تو زنا کی پیش بندی کے طور پر نظریں نیچی رکھنے کے قانون سے ابتداء کی، عورتوں اور مردوں کے بے محابا اختلاط کو روکا، اور عورتوں کو چہاردیواری میں رہنے کی تاکید کی، اور اگر ضرورت کے وقت نکلنا پڑے تو پردے اور حجاب کے ساتھ سڑک کے ایک کنارے چلنے کی ہدایت کی خوشبو لگا کر یا بجنے والا زیور پہن کر نکلنے کی ممانعت کر دی، اس کے باوجود اگر کوئی شخص ان تمام حدود و قیود اور پابندیوں کے حصار کو پھاند کر باہر نکل جائے تو اس پر ایسی عبرتناک اور عبرت آموز سزا جاری کی کہ ایک مرتبہ کسی بدکردار پر جاری کر دی جائے تو پوری قوم کو مکمل سبق مل جائے۔

اہل مغرب اور ان کے مقلدین نے اپنی فحاشی اور عیاشی کے جواز میں عورتوں کے پردے کو عورتوں کی صحت اور اقتصادی اور معاشی حیثیت سے معاشرہ کے لئے مضر ثابت کرنے اور بے پردہ رہنے کے فوائد پر بخشش اور سیمینار کئے ہیں، اس کا جواب بہت سے علماء عصر نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اس کے متعلق یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ فائدہ اور نفع سے تو کوئی جرم اور گناہ بھی خالی نہیں، چوری، ڈاکہ، دھوکہ، فریب ایک اعتبار سے بڑا نفع بخش کاروبار ہے، مگر جب اس کے ثمرات و نتائج میں پیدا ہونے والی مضرتیں سامنے آتی ہیں تو کوئی شخص ان کو نفع بخش کاروبار کہنے کی جرأت نہیں کرتا بے پردگی میں اگر کچھ معاشی فوائد ہوں بھی مگر جب پورے ملک اور قوم کو ہزاروں فتنہ و فساد میں مبتلا کر دے تو پھر اس کو نفع کہنا کسی دانشمند کا کام نہیں ہو سکتا۔

روس کے سابق صدر میخائیل گوربہ چوف اپنی کتاب پروسٹایٹیکا میں رقمطراز ہیں:

”ہماری مغربی سوسائٹی میں عورت کو باہر نکال دیا گیا، اور اس کو باہر نکالنے کے نتیجے میں بے شک ہم نے کچھ معاشی فوائد بھی حاصل کئے اور پیداوار میں کچھ اضافہ بھی ہوا، اس لئے کہ عورتیں بھی کام کر رہی ہیں، اور مرد بھی کام کر رہے ہیں، لیکن پیداوار میں اضافہ کے باوجود اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا نظام خانہ داری یعنی فیملی سسٹم تباہ ہو گیا اور فیملی سسٹم تباہ ہونے کے نتیجے میں ہمیں جو نقصان اٹھانا پڑا ہے، وہ نقصان ان فوائد کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے جو پیداوار کے اضافہ کے نتیجے میں ہمیں حاصل ہوا ہے، لہذا میں اپنے ملک میں پروسٹایٹیکا کے نام سے ایک تحریک شروع کر رہا ہوں، اس سے میرا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ عورت جو گھر سے باہر نکل چکی ہے اس کو گھر میں واپس کیسے لایا جائے، اور اس کے طریقے سوچے جائیں، ورنہ جس طرح ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہوا ہے اسی طرح ہماری قوم بھی تباہ ہو جائے گی۔ (ترمیم و اختصار کے ساتھ، اصلاحی خطبات، از مولانا تقی صاحب عثمانی)۔

انسداد جرائم کے لئے انسداد ذرائع کا زرین اصول:

سابقہ شریعتوں میں اسباب و ذرائع کو مطلقاً حرام نہیں قرار دیا گیا تھا جب تک کہ ان کے ذریعہ کوئی جرم واقع نہ ہو جائے، شریعت محمدیہ ﷺ چونکہ قیامت تک رہنے والی شریعت ہے اس لئے جرائم و معاصی کو حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کے اسباب و ذرائع کو بھی حرام قرار دیا گیا جو عادت غالبہ کے طور پر ان جرائم تک پہنچانے والے ہیں، مثلاً شراب نوشی کو حرام قرار دیا گیا تو شراب کے بنانے، بیچنے، خریدنے، اور کسی کو دینے اور اس کی تیاری میں کسی بھی قسم کی براہ راست مدد کو بھی حرام قرار دیا گیا، اسی طرح سود کو حرام قرار دینا تھا تو سود سے ملتے جلتے تمام معاملات کو بھی ناجائز قرار دیدیا گیا، شرک اور بت پرستی کو قرآن نے ظلم عظیم اور ناقابل معافی جرم قرار دیا، تو اس کے اسباب و ذرائع پر بھی سخت پابندی لگادی، آفتاب کے طلوع، غروب اور وسط میں ہونے کے اوقات میں چونکہ مشرکین آفتاب کی پرستش کرتے تھے، اگر ان اوقات میں نماز پڑھی جاتی تو آفتاب پرستوں کے ساتھ ایک طرح کی مشابہت ہو جاتی، پھر یہ مشابہت شرک میں مبتلا ہونے کا سبب بن سکتی تھی، اس لئے شریعت نے ان اوقات میں نماز اور سجدہ کو بھی حرام و ناجائز کر دیا، اسی طرح بتوں کے مجسمے اور تصویریں چونکہ بت پرستی کا قریبی ذریعہ تھیں اس لئے بت تراشی اور تصویر سازی کو حرام قرار دے دیا۔

تَنْبِيْهُم: شریعت اسلام نے جن کاموں کو گناہ کا سبب قریب درجہ اول قرار دے کر حرام کر دیا، اس کے حکم حرمت کے بعد وہ سب کے لئے مطلقاً حرام ہے خواہ ابتلاء گناہ کا سبب بنے یا نہ بنے، اب وہ خود ایک شرعی حکم ہے جس کی مخالفت حرام ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ (الآية) اس آیت میں نبی ﷺ کے اس مرتبہ اور منزلت کا بیان ہے جو ملاءِ اعلیٰ (آسمانوں) میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں آپ ﷺ کی ثناء و تعریف کرتا ہے، اور آپ پر رحمتیں بھیجتا ہے، اور فرشتے بھی آپ کی بلندی درجات کی دعاء کرتے ہیں، اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عالم سفلی (اہل زمین) کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجیں تاکہ آپ ﷺ کی تعریف میں علوی اور سفلی دونوں عالم متحد ہو جائیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں، ہم درود کس طرح پڑھیں؟ اس پر آپ نے وہ درود ابراہیمی بیان فرمایا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۃ احزاب)

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ اللَّهُ كَوَافِرٌ كَرِهَ اللَّهُ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ سَبِيلٌ يَخْرُجُونَ فِيهِمْ (الآية) اللہ کو ایذا پہنچانے پر کون قادر ہے؟ جیسے مشرکین، یہود اور نصاریٰ وغیرہ اللہ کے لئے اولاد ثابت کرتے ہیں، یا جس طرح حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے، زمانہ کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں اس کے رات اور دن کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۃ احزاب)

اللہ کے رسول کو ایذا پہنچانے کا مطلب آپ کی تکذیب کرنا اور آپ ﷺ کو شاعر، ساحر، مجنون وغیرہ کہنا ہے، اس کے علاوہ بعض احادیث میں صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو ایذا پہنچانا آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے اور ان کی تنقیص و اہانت کو بھی آپ ﷺ نے ایذا قرار دیا ہے، اور لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی ہے۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (الآية) یعنی ان کو بدنام کرنے کے لئے ان پر بہتان باندھنا ان کی تنقیص و توہین کرنا، جیسے روافض صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ پر سب و شتم کرتے ہیں اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کا ارتکاب انہوں نے نہیں کیا، امام ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں رافضی منکوس القلب ہیں، ممدوح اشخاص کی مذمت کرتے ہیں اور مذموم لوگوں کی مدح کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيقِهِنَّ جَمْعُ جِلْبَابٍ وَهِيَ الْمَلْحَفَةُ الَّتِي تَشْتَمِلُ بِهَا الْمَرْأَةُ أَيْ يُرَخِّينَ بَعْضُهَا عَلَى الْوُجُوهِ إِذَا خَرَجْنَ لِحَاجَتِهِنَّ إِلَّا عَيْنًا وَاحِدَةً ذَلِكَ أَدْنَى أَقْرَبُ إِلَى أَنْ يُعْرِفْنَ بِأَنَّهُنَّ حَرَائِرٌ فَلَا يُؤْذِينَ بِالتَّعَرُّضِ لَهُنَّ بِخِلَافِ الْإِمَاءِ فَلَا يُغَطِّينَ وَجُوهَهُنَّ وَكَانَ الْمُنافِقُونَ يَتَعَرَّضُونَ لَهُنَّ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا لِّمَا سَلَفَ مِنْهُنَّ مِنْ تَرْكِ السَّتْرِ رَحِيمًا ۝ بھن اذا سترھن لئن لام قسم لم ينته المنفقون عن نفاقهم والذين في قلوبهم مرض بالزنا والمرحفون في المدينة المؤمنين بقولهم قد اتاكم العدو وسراياكم قتلوا أو هزموا لنغربنكم بهم لنسلطنك عليهم ثم لا يحاورونك يساكنونك فيها الا قليلا ثم يخرجون ملعونين مبعدين عن الرحمة اينما ثقفوا وجدوا

أُخِذُوا وَقُتِلُوا تَقْتِيلًا ۝ اِی الْحُكْمُ فِیهِمْ بِذَا عَلٰی جِهَةِ الْأَمْرِ بِهِ سُنَّةَ اللَّهِ اِی سُنَّ اللَّهِ ذَلِكَ فِی
 الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ مِنَ الْأَمَمِ الْمَاضِيَةِ فِی مُنَافِقِيهِمُ الْمُرْجِفِينَ الْمُؤْمِنِينَ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝
 مِنْهُ يَسْأَلُكَ النَّاسُ اِی اَهْلُ مَكَّةَ عَنِ السَّاعَةِ مَتَى تَكُونُ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ يَعْطَمُكَ بِهَا
 اِی اَنْتَ لَا تَعْلَمُهَا لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ تُوجَدُ قَرِيبًا ۝ اِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرَانَ اَبْعَدَهُمْ وَاعْدَ لَهُمْ سَعِيرًا ۝ نَارًا شَدِيدَةً
 يَدْخُلُونَهَا خَلِدِينَ مُقَدَّرًا خُلُودُهُمْ فِيهَا اَبَدًا لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا يَحْفَظُهُمْ عَنْهَا وَلَا نَصِيرًا ۝ يَدْفَعُهَا عَنْهُمْ
 يَوْمَ تَقْلُبُ وُجُوهُهُمْ فِی النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنِي اَطَعْنَا اللَّهَ وَاطَعْنَا الرَّسُولَ ۝ وَقَالُوا اِی الْاِتِّبَاعُ مِنْهُمْ رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا
 سَادَتَنَا وَفِی قِرَاءَةِ سَادَاتِنَا جَمْعُ الْجَمْعِ وَكِبَرَانَا فَاضْلُونَا السَّبِيلًا ۝ طَرِيقُ الْهُدَى رَبَّنَا اِنَّهُمْ ضَعُفٌ مِنَ الْعَذَابِ
 اِی مِثْلِي عَذَابِنَا وَالْعَنَهُمُ عَذَابُهُمْ لَعْنَا كَثِيرًا ۝ عَذَابُهُ وَفِی قِرَاءَةِ بِالْمُؤَحَّدَةِ اِی عَظِيمًا.

ترجمہ:

اے نبی اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور (دیگر) مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ
 (سر سے) نیچے کر لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی چادریں (یعنی گھونگھٹ کر لیا کریں) جَلَابِیْب، جَلَابِیْب کی جمع ہے، مِذْحَفَةٌ
 اس چادر کو کہتے ہیں جس کو عورت اوڑھتی ہے، یعنی جب اپنی حاجت کے لئے نکلا کریں تو چادر کے کچھ حصے کو اپنے چہروں پر لٹکالیا
 کریں، سوائے ایک آنکھ کے، یہ اس طریقہ سے جلدی پہچان لی جایا کریں گی کہ یہ آزاد عورتیں ہیں، تو ان کو چھیڑ چھاڑ کر کے
 تکلیف نہ پہنچائی جائے گی، برخلاف باندیوں کے کہ وہ اپنے چہروں کو نہ ڈھانپیں اور منافقین، عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتے
 تھے، بے پردگی کے بارے میں ان سے جو کچھ اب تک (کو تا ہی) ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمانے والے ہیں جبکہ وہ
 ستر کو اختیار کر لیں، قسم ہے لئن میں لام قسمیہ ہے، اگر یہ منافقین اپنے نفاق سے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں زنا کا مرض ہے
 اور وہ لوگ جو مدینہ یعنی مومنین میں یہ کہہ کر افواہیں پھیلاتے ہیں کہ تم پر دشمن چڑھ آیا اور تمہارا لشکر قتل کر دیا گیا یا شکست کھا گیا،
 باز نہ آئے، تو ہم آپ کو ان پر ضرور مسلط کر دیں گے اس کے بعد وہ آپ کے پڑوس مدینہ میں سکونت اختیار نہ کر سکیں گے مگر
 بہت مختصر مدت پھر وہ نکال دیئے جائیں گے حال یہ ہے کہ وہ تیری طرف سے دھتکارے ہوئے ہوں گے، (یعنی) رحمت سے
 دور کئے ہوئے ہوں گے، جہاں کہیں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور مار دھاڑ کجائے گی یعنی یہ حکم ان کے بارے میں امر
 خداوندی کی رو سے ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں بھی جو سابق میں گزر چکے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے امم ماضیہ میں بھی مومنین
 میں افواہیں پھیلانے والے منافقوں کے لئے یہی طریقہ رکھا تھا، اور آپ اللہ کے دستور میں کسی قسم کی تبدیلی نہ پائیں گے لوگ
 یعنی اہل مکہ آپ سے قیامت کے بارے میں معلوم کرتے ہیں کہ کب آئے گی؟ تو آپ کہہ دیجئے کہ اس کا (صحیح) علم تو اللہ ہی
 کو ہے اور آپ کو کیا معلوم؟ یعنی آپ اس کے بارے میں نہیں جانتے، عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع ہو جائے بلاشبہ اللہ
 تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور کر رکھا ہے اور ان کے لئے شدید بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے جس میں وہ داخل ہوں گے

اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ان کے لئے خلود مقدر ہو چکا ہے نہ کوئی یار پائیں گے کہ ان کی آگ سے حفاظت کر سکے اور نہ مددگار کہ ان سے اس آگ کو دفع کر سکے جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے (تو حسرت سے) کہیں گے کاش ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے یا تنبیہ کے لئے ہے اور ان میں سے متبعین کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں کی اور ایک قراءت میں ساداتنا جمع کے ساتھ ہے اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی سوانہوں نے ہم کو راہ ہدایت سے ہٹا دیا اے ہمارے پروردگار ان کو دو ہر عذاب دے یعنی ہمارے عذاب کا دو گنا، اور ان پر تعداد میں کثرت سے لعنت فرما اور ایک قراءت میں بائے موحدہ کے ساتھ ہے یعنی (کبیرا ہے) بڑی لعنت۔

تحقیق و ترکیب تسمیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: يُذْنِبْنَ اِذْنَاءَ سے مضارع جمع مؤنث غائب، وہ نیچا کر لیا کریں، مادہ ذنوّ ہے يُذْنِبْنَ میں یہ بھی احتمال ہے کہ قول کا مقولہ ہو اور خبر بمعنی امر ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ جواب امر ہو، جیسا کہ قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ۔
قَوْلٌ: لَا يُؤْذِنْنَ اِذْنَاءَ سے مضارع جمع مؤنث غائب منفی مجہول، ان عورتوں کو ایذا نہ دی جائے۔
قَوْلٌ: الْمُرْجُفُونَ یہ اِرْجَافٌ سے اسم فاعل ہے رَجْفَةٌ سے مشتق ہے اس کے معنی حرکت دینے کے ہیں اخبار کا ذبہ اور افواہوں کو بھی رَجْفَةٌ کہنے لگے ہیں، اس لئے کہ افواہوں سے بھی افرا تفری اور ہیجان برپا ہو جاتا ہے۔
قَوْلٌ: مَلْعُونِينَ فعل مقدر کے فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اِی يُخْرِجُونَ مَلْعُونِينَ، شارح رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے يُخْرِجُونَ محذوف مان کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔
قَوْلٌ: وَمَا يُذَرِّكَ ما مبتداء اور يُذَرِّكَ جملہ ہو کر خبر، استفہام انکاری ہے، شارح نے انت لا تعلمها سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلٌ: يَوْمَ تُقَلَّبُ یہ يَقُولُونَ کا ظرف مقدم ہے خَالِدِينَ اور نَصِيرًا کا بھی ظرف ہو سکتا ہے۔ (جمل)
قَوْلٌ: يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَّا جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے جو کہ کلام سابق سے پیدا ہوتا ہے، سابق میں جب جہنمیوں کی حالت زار کا ذکر کیا گیا تو سوال پیدا ہوا کہ وہ کیا کریں گے؟ تو بتایا گیا مافات پر حسرت کے طور پر کہیں گے يَا لَيْتَنَّا اور وَجُوهُهُمْ کی ضمیر یا نفس وجوہ سے حال بھی ہو سکتا ہے۔

تفسیر و تشریح

اس آیت میں نبی ﷺ کی بیویوں بیٹیوں اور عام مومن عورتوں کو گھر سے باہر نکلتے وقت پردے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے واضح ہے کہ پردے کا حکم علماء کا ایجاد کردہ نہیں ہے، جیسا کہ آج کل کے بعض جدید تعلیم یافتہ، باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں، یا

اس کو قرار واقعی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے کہ جو قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے، اس سے اعراض، انکار، اور بپردگی پر اصرار کفر تک پہنچا سکتا ہے، نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ آپ ﷺ کی صرف ایک صاحبزادی نہیں تھی، جیسا کہ رافضیوں کا عقیدہ ہے بلکہ آپ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں جیسا کہ قرآنی نص سے واضح ہے اور یہ چار تھیں جیسا کہ تاریخ و سیر اور احادیث کی کتابوں سے ثابت ہے۔

سابقہ آیات میں مسلمانوں کو ان چیزوں پر تنبیہ کی گئی تھی جن سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت اور تکلیف پہنچی تھی، مگر کچھ مسلمان ناواقفیت یا بے توجہی کی وجہ سے بلا قصد ایذا میں مبتلا ہو جاتے تھے، مثلاً آپ کے گھر پر بغیر دعوت کے پہنچ جانا، یا دعوت کے وقت سے بہت پہلے آکر بیٹھ جانا، یا کھانے کے بعد آپ کے گھر میں باہمی گفتگو میں مشغول ہو کر دیر تک بیٹھے رہنا، جن پر آیت یٰٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ (الایۃ) نازل ہوئی، یہ ایذا اور تکلیف تو وہ تھی جو بلا قصد و ارادہ آپ کو پہنچ جاتی تھی، اس پر تو صرف تنبیہ کر دینا ہی کافی سمجھا گیا، مذکورۃ الصدر و آیتوں میں اس تکلیف و ایذا کا ذکر ہے جو منافقین اسلام اور منافقین کی طرف سے قصداً آپ کو پہنچائی جاتی تھی، اس بلا قصد و بلا ارادہ ایذا پر اللہ تعالیٰ نے لعنت اور عذاب شدید کی وعید سنائی ہے۔

اللہ کو ایذا پہنچانے سے مراد ایسے اعمال و اقوال کا ارتکاب ہے جو شرعاً ممنوع و حرام ہیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور بہ تاثیر و انفعال سے منزہ ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کو کوئی تکلیف پہنچا سکے، مگر ایسے افعال و اقوال کا ارتکاب کہ جن سے عاودہ ایذا ہوتی ہے، ان کو ایذا اللہ سے تعبیر کر دیا گیا ہے یا حوادث و مصائب کے وقت زمانہ کو برا کہنا کہ درحقیقت فاعل حقیقی تو حق تعالیٰ ہی ہیں، یہ لوگ تو زمانہ کو فاعل سمجھ کر گالیاں دیتے تھے مگر درحقیقت وہ فاعل حقیقی تک پہنچتی تھیں۔

اور دیگر بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ دراصل مقصد رسول اللہ ﷺ کی ایذا سے روکنا اور اس پر وعید کرنا ہے مگر آیت میں ایذا رسول کو ایذا حق کے عنوان سے تعبیر کر دیا گیا، کیونکہ آپ کو ایذا پہنچانا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو ایذا پہنچانا ہے، اور قرآن کے سیاق و سباق سے بھی اسی دوسرے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ پہلے بھی ایذا رسول کا بیان تھا اور آگے بھی اسی کا بیان آ رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ایذا کا اللہ تعالیٰ کے لئے ایذا ہونا حضرت عبدالرحمن بن مغفل مرثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ثابت ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوا هُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِي فَسِنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِإِبْغَضِي أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللَّهَ وَمَنْ آذَى اللَّهَ يُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَ.

(ترمذی شریف)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو ان کو میرے بعد اپنے اعتراضات و تنقیدات کا نشانہ نہ بناؤ کیونکہ ان سے جس نے محبت کی میری محبت کی وجہ سے کی، اور جس نے بغض رکھا

میرے بغض کی وجہ سے رکھا، اور جس نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اس سے گرفت کرے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایذا سے اللہ کو ایذا ہوتی ہے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں سے کسی کو ایذا پہنچانا یا ان کی شان میں گستاخی کرنا رسول اللہ ﷺ کی ایذا ہے۔

شان نزول:

اس آیت کے شان نزول کے متعلق متعدد روایات ہیں، بعض میں ہے کہ یہ آیت حضرت صدیقہ کو تہمت لگانے کے بارے میں نازل ہوئی، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفیہ سے آپ ﷺ کے نکاح کے وقت بعض منافقین نے طعن کیا تھا اس کے متعلق نازل ہوئی مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ہر ایسے معاملہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچے۔

مسئلہ: جو شخص رسول اللہ ﷺ کو کسی طرح کی ایذا پہنچائے، آپ کی ذات با صفات میں کوئی عیب نکالے خواہ صراحتاً ہو یا کنایہ وہ کافر ہو گیا، اور اس آیت کی رو سے اس پر لعنت دنیا میں بھی ہوگی اور آخرت میں بھی۔

(کذا قال القاضي ثناء الله في التفسير المظهری)

دوسری آیت میں عام مومنین کو ایذا پہنچانے کے حرام اور بہتان عظیم ہونے کو بیان کیا ہے جبکہ وہ اس کے شرعاً مستحق نہ ہوں، کسی مسلمان کو بغیر وجہ شرعی تکلیف پہنچانا حرام ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا مَعَ نَبِيِّكُمْ كَالَّذِينَ أَذَوْا مُوسَىٰ بِقَوْلِهِمْ مَثَلًا مَّا يَمْنَعُهُ أَنْ يُغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ أَدْرَ فَبَرَّاهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۖ بَانَ وَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَىٰ حَجَرٍ لِيُغْتَسِلَ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِهِ حَتَّىٰ وَقَفَ بَيْنَ مَلَأَ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَأَذْرَكَهُ مُوسَىٰ فَأَخَذَ ثَوْبَهُ وَاسْتَتَرَهُ فَرَأَوْهُ لَا أَذْرَهُ بِهِ وَهِيَ تَفْخُخُ فِي الْخُصْيَةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ۖ ذَاجَاهُ وَبِمَا أُوْذِيَ بِهِ نَبِيُّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَسَمَ قِسْمًا فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ قِسْمَةٌ مَّا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللَّهِ فَعَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذَلِكَ وَقَالَ يَرْحَمُ اللَّهُ مُوسَىٰ لَقَدْ أُوْذِيَ بِأَكْثَرِ مِنْ بَلَدًا فَصَبَرَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۖ صَوَابًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ۖ يَتَقَبَّلُهَا وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۖ نَالَ غَايَةَ مَقْصُودِ ۖ إِنَّا رَضْنَا الْإِيمَانَةَ الصَّلَوَاتِ وَغَيْرَهَا مِمَّا فِي فِعْلِهَا مِنَ الثَّوَابِ وَتَرْكِهَا مِنَ الْعِقَابِ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ ۖ بَانَ خَلَقَ فِيهَا فُتُومًا وَنُطْقًا فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ خِفْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ أَدَمُ بَعْدَ عَرْضِهَا عَلَيْهِ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا لِنَفْسِهِ ۖ بِمَا

حَمَلَهُ جَهْلًا ۖ بِهِ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْأَلَامَ مُتَعَلِّقَةً بَعَرَضْنَا الْمُتَرْتَبَ عَلَيْهِ حَمَلُ آدَمَ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ
وَالْمُشْرِكَاتِ الْمُضِيِّعِينَ الْأَمَانَةَ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الْمُؤَدِّينَ الْأَمَانَةَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
لِلْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۖ بِهِمْ

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے نبی کے ساتھ ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو مثلاً یہ کہہ کر ایذا دی کہ موسیٰ کو ہمارے ساتھ (برہنہ) غسل کرنے سے سوائے اس کے کچھ مانع نہیں کہ وہ عظیم الخصیتین ہے پس جو بات انہوں نے کہی تھی اللہ نے اس سے اُن کو بری فرمادیا، اس طریقہ سے کہ (ایک روز) غسل کے ارادہ سے (موسیٰ نے) اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے، تو پتھر ان کے کپڑے لیکر فرار ہو گیا، اور بنی اسرائیل کے سرداروں کے درمیان جا کر رکھا، تو موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو وہاں جا پکڑا اور اس سے اپنے کپڑے لئے چنانچہ ان لوگوں نے موسیٰ کو دیکھ لیا کہ ان کو عظیم الخصیتین ہونے کا مرض نہیں ہے اور اُذریۃ خصیتین میں ہوا بھر جانے کو کہتے ہیں اور موسیٰ اللہ کے نزدیک بڑے باعزت تھے یعنی صاحب مرتبہ تھے، اور ان باتوں میں سے جن کے ذریعہ ہمارے نبی ﷺ کو اذیت پہنچائی گئی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے (ایک مرتبہ مال غنیمت) کی تقسیم فرمائی تو ایک شخص نے کہا یہ ایسی تقسیم ہے کہ اس سے اللہ کی خوشنودی مقصد نہیں ہے، تو نبی ﷺ کو اس سے تکلیف پہنچی اور فرمایا اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے کہ اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچائے گئے پھر بھی صبر کیا، اس کو بخاری نے روایت کیا ہے اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی صحیح بات کہا کرو اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں) تمہارے اعمال کی اصلاح فرمائے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا، یعنی غایت مقصود کو حاصل کرے گا، ہم نے یہ امانت یعنی نماز وغیرہ کہ جس کے کرنے میں ثواب اور ترک میں عذاب ہے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی اس طریقہ پر کہ ہم نے اس میں سمجھ اور گویائی پیدا فرمائی تو انہوں نے اس کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور اس سے ڈر گئے اور انسان یعنی آدم نے اس امانت کو اس پر پیش کئے جانے کے بعد قبول کر لیا بلاشبہ انسان بار امانت کو اٹھانے کی وجہ سے اپنے اوپر بہت ظلم کرنے والا اور بار امانت اٹھانے کے انجام سے بے خبر ہے اور یہ (عرض امانت) اس لئے ہوا کہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو کہ امانت کو ضائع کرنے والے ہیں سزا دے لیں لَعَذَابُ اللَّهِ كَالَامِ عَرَضْنَا سے متعلق ہے، جس پر آدم علیہ السلام کا (بار امانت) اٹھانا مرتب ہے اور اللہ تعالیٰ (حق) امانت ادا کرنے والے مومن و مومنات کی توبہ قبول فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

تحقیق و ترکیب تسبیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: لَا أُذْرَةَ بِهِ. اُذْرَةَ ایک مرض ہے جس میں مادہ غلیظ یا ریح غلیظ خصیتین میں اتر آتا ہے جس کی وجہ سے خصیتین کا حجم بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے، ایسے شخص کو اُذْرُ کہتے ہیں، بروزن آدم۔

قَوْلًا: مِمَّا قَالُوا مَا مَصْدَرُ يَہِ اِگر ہے تو تقدیر عبارت ہوگی فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِنْ قَوْلِهِمْ اور اگر موصولہ ہو تو تقدیر عبارت ہوگی فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ اِیْ مِنَ الَّذِیْ قَالُوْا۔

قَوْلًا: بِہِ اِیْ بِالْثَوْبِ۔

قَوْلًا: مِمَّا اِسْ مِیْنِ مِیْنِ، مَعَ کے معنی میں ہے اِیْ مَعَ مَا فِیْ فِعْلِہَا۔

قَوْلًا: مِّنَ الثَّوَابِ یہِ مَا کا بیان ہے۔

قَوْلًا: اَبَیْنِ یہِ اِبَاءً مَّاضِیْ جَمْعِ مَوْنُثْ غَائِبِ کا صیغہ ہے۔

سُؤَال: اَبَیْنِ، یَحْمِلُنْ اور اُشْفَقْنَ یہِ تینوں جَمْعِ مَوْنُثْ کے صیغے ہیں اور ان کا مَرْجِعِ سَمَوَاتِ، اَرْضِ، اور جِبَالِ ہے ان میں سَمَوَاتِ اور اَرْضِ مَوْنُثْ ہیں اور جِبَالِ مذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے مَوْنُثْ کو غلبہ دیکر مَوْنُثْ کی ضمیریں لائی گئیں ہیں جبکہ غلبہ مذکر کو دیا جاتا ہے۔

جَوَاب: چونکہ سَمَوَاتِ اور جِبَالِ جَمْعِ تَکْسِیرِ غَیْرِ عَاقِلِ ہیں لہذا ان کے لئے مَوْنُثْ کی ضمیر لانا جائز ہے۔

قَوْلًا: وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اس کا معطوف علیہ محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ فَعَرَضْنَاہَا فَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ شارح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنے قول بَعْدَ عَرْضِہَا عَلَیْہِ سے اسی تقدیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلًا: ظَلُمَا لِنَفْسِہِ اِیْ اِتْعَابُہُ اِیَّہَا یعنی اپنے نفس کو مشقت میں ڈالنا، شارح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنے قول بِمَا حَمَلَتْہُ سے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ ظلم ممدوح ہے، اور جن حضرات نے اس کے بیان کرنے میں توقف کیا ہے وہ ظلم سے حقیقی ظلم سمجھے ہیں اور یہ حد شرع سے تجاوز ہے۔

قَوْلًا: بِہِ اِیْ بِعَاقِبَتِہِ (انجام)۔

قَوْلًا: لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِينَ لام عاقبت کا ہے اِیْ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ بَعْضَ اَفْرَادِ الدِّیْنِ لَمْ یُرَاعَوْہَا۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی اس آیت کی تفسیر حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہایت ہی باحیا اور شرمیلے تھے، چنانچہ انہوں نے کبھی اپنا جسم لوگوں کے سامنے نہ لگا نہیں کیا، بنی اسرائیل کہنے لگے شاید موسیٰ علیہ السلام کے جسم میں برص کے داغ یا کوئی آفت مثلاً نفخ الخسیتین کا مرض ہے جس کی وجہ سے ہر وقت لباس میں بدن کو ڈھکا چھپا رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کی اس طرح عیوب سے براءت کا اظہار فرمادیں، ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے خلوت میں غسل کرنے کے لئے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے جب غسل سے فارغ ہو کر اپنے کپڑے لینا چاہے تو یہ پتھر (بحکم خداوندی حرکت میں آ گیا) اور کپڑے لے کر بھاگنے لگا، موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا اٹھا کر پتھر کے پیچھے یہ کہتے

ہوئے دوڑے، ثوبی یا حجر ثوبی یا حجر مگر پتھر چلتا ہی رہا، یہاں تک کہ یہ پتھر ایسی جگہ جا کر ٹھہرا جہاں بنی اسرائیل کا ایک مجمع تھا، بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو سرتاپا ننگا دیکھا تو بہترین صحیح سالم بدن دیکھا کہیں کوئی نقص یا عیب نہیں تھا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے سب کے روبرو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان عیوب سے براءت ظاہر فرمادی، جن کا گمان بنی اسرائیل کرتے تھے، پتھر وہاں پہنچ کر ٹھہر گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے اٹھا کر پہن لئے، پھر موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو عصا سے مارنا شروع کیا، اس پتھر میں موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے کئی نشان پڑ گئے۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء، ملخصاً)

یہ واقعہ بیان فرما کر آپ نے فرمایا، قرآن کی اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جس ایذا کا ذکر ہے اس کی تفسیر اس قصہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، موسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ اذیت کے قصہ کے علاوہ اور بھی اذیت کے بعض قصے مذکور ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعظ و نصیحت سے تنگ آ کر ایک فاحشہ عورت کو کچھ رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ موسیٰ جب مجمع عام میں وعظ فرمائیں تو موسیٰ علیہ السلام پر اپنے ساتھ ملوث ہونے کا الزام لگا دے، تاکہ ان کی خوب رسوائی اور بدنامی ہو جائے اور آئندہ کبھی وعظ و نصیحت کی جرأت نہ کر سکیں، چنانچہ فاحشہ عورت نے منصوبے کے مطابق مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگا دیا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت تکلیف پہنچی، آیت میں یہی اذیت مراد ہے۔

ایک تیسری روایت میں اذیت سے وہ اذیت مراد ہے جو بنی اسرائیل نے یہ کہہ کر لگائی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیا، اس کی صورت یہ ہوئی، ایک روز حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام ایک پہاڑ پر تشریف لے گئے، وہاں بتقدیر الہی حضرت ہارون علیہ السلام کو موت آگئی، تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ پر یہ الزام لگا دیا کہ ہارون کو تم نے قتل کر دیا اس لئے کہ وہ ہم سے آپ سے زیادہ محبت کرنے والے اور مہربان تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بہت اذیت پہنچی۔ (روح المعانی ملخصاً)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہمارے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کو بنی اسرائیل کی طرح ایذا مت پہنچاؤ، اور آپ ﷺ کی بابت ایسی بات مت کرو جسے سن کر آپ قلق اور اضطراب محسوس کریں، جیسا کہ مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر ایک شخص نے کہا کہ اس میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیا گیا، جب آپ ﷺ تک یہ الفاظ پہنچے تو غضبناک ہوئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کا چہرہ نور سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو، انہیں اس سے کہیں زیادہ ایذا پہنچائی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا۔ (بخاری شریف کتاب الانبیاء)

سَدِيدٌ، تسدید السہم سے ماخوذ ہے یعنی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے تاکہ ٹھیک نشانہ پر لگے، اسی طرح تمہاری زبان سے نکلی ہوئی بات اور تمہارا کردار راستی پر مبنی ہو، حق و صداقت سے بال برابر انحراف نہ ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے اعمال کی اصلاح ہوگی اور مزید مرضیات کی توفیق سے نوازے جاؤ گے، اور اگر کچھ کمی کوتاہی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیں گے۔

جب اللہ تعالیٰ اہل طاعت کا اجر و ثواب اور اہل معصیت کا عذاب و عقاب بیان فرما چکے تو اب احکام شرعیہ اور ان کی معصوبت کا تذکرہ فرما رہے ہیں، امانت سے وہ احکام شرعیہ اور فرائض و واجبات مراد ہیں، جن کی ادائیگی پر ثواب اور ان سے اعراض و انکار پر عذاب ہوگا، جب یہ تکالیف شرعیہ آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئیں، تو وہ ان کے اٹھانے سے ڈر گئے لیکن انسان پر یہ چیزیں پیش کی گئیں تو اطاعت الہی (امانت) کے اجر و ثواب اور اس کی فضیلت کو دیکھ کر اس بارگراں کے اٹھانے پر آمادہ ہو گیا، احکام شرعیہ کو امانت سے تعبیر کر کے اشارہ کر دیا کہ ان کی ادائیگی انسانوں پر اسی طرح واجب ہے جس طرح امانت کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ آسمان و زمین، پہاڑ وغیرہ جو غیر ذی روح اور بظاہر بے علم و بے شعور ہیں ان کے سامنے پیش کرنے اور ان کے جواب دینے کی کیا صورت ہو سکتی ہے، بعض حضرات نے تو اس کو مجاز اور تمثیل قرار دیا ہے، جیسے قرآن کریم نے ایک موقع پر بطور تمثیل فرمایا لَوْ اَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ یعنی ہم اگر یہ قرآن پہاڑوں پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ بھی اس کے بوجھ سے جھک جاتا اور اللہ کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا، اس میں بطور فرض کے یہ مثال دی گئی ہے، یہ نہیں کہ حقیقت پہاڑ پر اتارا ہو، ان حضرات نے آیت اِنَّا عَرَضْنَا کو بھی اسی طرح تمثیل و مجاز قرار دیا۔

مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جس آیت سے تمثیل پر استدلال کیا گیا ہے وہاں تو قرآن کریم نے حرف لَوْ سے بیان کر کے اس کا قضیہ فرضیہ ہونا خود واضح کر دیا ہے، اور آیت اِنَّا عَرَضْنَا میں ایک واقعہ کا اثبات ہے، جس کو مجاز و تمثیل پر حمل کرنا بغیر کسی دلیل کے جائز نہیں، اور اگر دلیل میں یہ کہا جائے کہ یہ چیزیں بے حس اور بے شعور ہیں، ان سے سوال و جواب نہیں ہو سکتا تو یہ قرآن کی دوسری تصریحات سے مردود ہے، کیونکہ قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ یعنی کوئی شئی ایسی نہیں کہ جو خدا کی حمد و تسبیح نہ کرتی ہو، اس آیت سے ثابت ہوا کہ ادراک و شعور تمام مخلوقات میں ہے یہاں تک کہ جمادات میں بھی موجود ہے، اور اس ادراک و شعور کی وجہ سے ان کو مخاطب بھی بنایا جاسکتا ہے، اور وہ جواب بھی دے سکتے ہیں۔

عرض امانت اختیاری تھا جبری نہیں:

رہا یہ سوال کہ جب حق تعالیٰ نے آسمان و زمین وغیرہ پر اس امانت کو خود پیش فرمایا تو ان کو انکار کی مجال کیسے ہوئی؟
جواب: یہ ہے کہ عرض امانت کے بعد ان کو اختیار دیدیا گیا تھا کہ قبول کریں یا نہ کریں، ابن کثیر نے متعدد سندوں کے ساتھ عرض امانت کی یہ تفصیل نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول آسمان پر پھر زمین پر پھر پہاڑوں پر امانت کو اختیاری صورت میں پیش کیا کہ ہماری امانت (یعنی طاعت احکام) کا بوجھ اٹھا لو اس معاوضہ کے ساتھ جو اس کے لئے مقرر ہے، ہر ایک نے سوال کیا کہ معاوضہ کیا ہے؟ تو بتلایا گیا حق امانت (یعنی طاعت احکام) تم نے پوری طرح ادا کیا

تو تمہیں جزاء و ثواب اور اللہ کے نزدیک اعزاز خاص ملے گا، اور اگر تم نے تعمیل احکام نہ کی یا اس میں کوتاہی کی تو عذاب و سزا ملے گی، ان سب بڑے بڑے اجسام نے سن کر جواب دیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم اب بھی آپ کے تابع فرمان چل رہے ہیں، لیکن جب ہمیں اختیار دیدیا گیا تو ہم اس بار کو اٹھانے سے اپنے کو عاجز پاتے ہیں، ہم نہ ثواب چاہتے ہیں اور نہ عذاب کے متحمل ہیں۔

اور تفسیر قرطبی میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان و زمین وغیرہ پر عرض امانت اور ان کے جواب کے بعد حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے اپنی امانت آسمان اور زمین کے سامنے پیش کی تو وہ اس کا بار اٹھانے سے عاجز ہو گئے، تو کیا تم اس بار امانت کو مع اس چیز کے جو اس کے ساتھ ہے اٹھاؤ گے، آدم علیہ السلام نے عرض کیا، اے پروردگار وہ چیز جو اس کے ساتھ ہے کیا ہے؟ جواب ملا اگر حمل امانت میں پورے اترے (یعنی اطاعت مکمل کی) تو آپ کو جزا ملے گی جو اللہ کے قرب اور رضا اور جنت کی دائمی نعمتوں کی صورت میں ہوگی، اور اگر اس امانت کو ضائع کیا تو سزا ملے گی، آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا میں ترقی ہونے کی شوق میں اس کو اٹھالیا، یہاں تک کہ بار امانت اٹھانے پر اتنا وقت بھی نہ گذرا تھا، جتنا ظہر سے عصر تک ہوتا ہے کہ اس میں شیطان نے ان کو مشہور لغزش میں مبتلا کر دیا، اور جنت سے نکالے گئے۔

عرض امانت کا واقعہ کب پیش آیا؟

ظاہر یہ ہے کہ یہ عرض امانت کا واقعہ بیشاق ازل یعنی عہد الست سے پہلے کا ہے، کیونکہ عہد الست بریکم اسی بار امانت کی پہلی کڑی اور اپنے منصب کا حلف اٹھانے کے قائم مقام ہے۔

اِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ظلوم سے مراد اپنے نفس پر ظلم کرنے والا (یعنی خود کو مشقت میں ڈالنے والا) اور جہول سے مراد ہے انجام سے ناواقف اور بے خبر، اس جملہ سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مطلقاً انسان کی مذمت میں آیا ہے، کہ اس نادان نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ اتنا بڑا بار اٹھا لیا جو اس کی طاقت سے باہر تھا، مگر قرآنی تصریحات کے مطابق واقعہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہوں گے یا پوری نوع انسانی؟ ان میں آدم علیہ السلام تو نبی معصوم ہیں، انہوں نے جو بار اٹھایا تھا اس کا حق بھی یقینی طور پر ادا کر دیا، اسی کے نتیجے میں ان کو خلیفۃ اللہ بنا کر زمین پر بھیجا گیا، ان کو فرشتوں کا مسجود بنایا گیا، اور آخرت میں ان کا مقام فرشتوں سے بھی بلند و بالا، ارفع و اعلیٰ ہے۔ اور اگر نوع انسانی ہی مراد ہو تو اس پوری نوع میں لاکھوں تو انبیاء علیہم السلام ہیں اور کروڑوں وہ صالحین اور اولیاء اللہ ہیں جن پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں، جنہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اس امانت الہیہ کے اہل اور مستحق تھے، انہیں حق امانت کو ادا کرنے والوں کی بناء پر قرآن حکیم نے نوع انسانی کو اشرف المخلوقات ٹھہرایا وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ اس سے ثابت ہوا کہ نہ آدم علیہ السلام قابل مذمت ہیں نہ پوری نوع انسانی،

اسی لئے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ جملہ مذمت کے لئے نہیں بلکہ اکثر افراد نوع انسانی کے اعتبار سے بیان واقعہ کے طور پر ارشاد ہوا ہے، مطلب یہ ہے کہ نوع انسانی کی اکثریت ظلوم و جہول ثابت ہوئی جس نے اس امانت کا حق ادا نہ کیا، اور خسارہ میں پڑے چونکہ اکثریت کا یہ حال تھا اس لئے اس کو نوع انسانی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ (قرطبی)

خلاصہ یہ کہ آیت میں ظلوم و جہول خاص ان افراد انسانی کو کہا گیا ہے جو احکام شرعیہ کی اطاعت میں پورے نہ اترے، اور امانت کا حق ادا نہ کیا یعنی امت کے کفار و مشرکین و فاسق و منافقین، یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ابن جبیر وغیرہ سے منقول ہے۔ (قرطبی)

اور بعض حضرات نے کہا کہ ظلوم و جہول بھولے بھالے کے معنی میں بطور مجاہدہ خطاب کے ہے، کہ اس نے اللہ جل شانہ کی محبت اور اس کے مقام قرب کی جستجو میں انجام کو نہیں سوچا اس طرح یہ لفظ پوری نوع انسانی کے لئے بھی ہو سکتا ہے، تفسیر مظہری میں حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے صوفیاء کرام سے اسی طرح کا مضمون منقول ہے۔ (معارف)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ السَّبَأِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعٌ وَخَمْسُونَ آيَةً وَتُرْسِلُ الْوَحْيَ

سُورَةُ السَّبَأِ مَكِّيَّةٌ إِلَّا وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ، الْآيَةُ

وَهِيَ أَرْبَعٌ أَوْ خَمْسٌ وَخَمْسُونَ آيَةً.

سورہ سبا مکی ہے سوائے ویرے الذین اوتوا العلم، الایہ کے،

اور اس کی چون (۵۴) یا پچپن (۵۵) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدُ اللَّهِ تَعَالَى نَفْسُهُ بِذَلِكَ وَالْمُرَادُ بِهِ الشَّاءُ
بِمُضْمَرٍ مِنْ ثُبُوتِ الْحَمْدِ وَهُوَ الْوَصْفُ بِالْجَمِيلِ لِلَّهِ تَعَالَى الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْكَرًا
وَخَلْقًا وَعَبِيدًا وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ كَالدُّنْيَا بِحَمْدِهِ أَوْلِيَاؤُهُ إِذَا دَخَلُوا الْجَنَّةَ وَهُوَ الْحَكِيمُ فِي فِعْلِهِ الْخَيْرِ
بِخَلْقِهِ يَعْلَمُ مَا يَلْجُ يَدْخُلُ فِي الْأَرْضِ كَمَا فِي غَيْرِهِ وَمَا يُخْرِجُ مِنْهَا كُنُوتًا وَغَيْرِهِ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ
مِنْ رِزْقٍ وَغَيْرِهِ وَمَا يَنْجِي فِيهَا مِنْ عَمَلٍ وَغَيْرِهِ وَهُوَ الرَّحِيمُ بِأَوْلِيَائِهِ الْغَفُورُ لَهُمْ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا
تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ لَهُمْ بَلَى وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَكُمُ الْعِلْمُ الْغَيْبِ بِالْجَرِّ صِفَةً وَالرَّفْعَ خَبْرًا مُبْتَدَأً وَفِي قِرَاءَةِ غَلَامٍ
بِالْجَرِّ لَا يَعْزُبُ يَغِيبُ عَنْهُ مَثْقَالُ ذَرَّةٍ أَصْغَرُ نَمْلَةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ
وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ بَيْنَ بَوَائِجِ السُّوُحِ الْمُخْفُوفِ لِيَجْزِيَ فِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ حَسَنٌ فِي الْجَنَّةِ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي إِبْطَالِ آيَاتِنَا الْقُرْآنِ مُعْجِزِينَ وَفِي قِرَاءَةِ بُنَا
وَفِي مَا يَأْتِي مُعْجِزِينَ أَيْ مُقَدَّرِينَ عَجَزْنَا أَوْ مُسَابِقِينَ لَنَا فَيَفُوتُونَنَا لِيُظَنِّهِمْ أَنْ لَا نَبْعَثَ وَلَا عِقَابَ
أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِنْ رَجْزٍ سَنِي الْعَذَابِ الْيُمُّ مُؤْلِمٌ بِالْجَرِّ وَالرَّفْعِ صِفَةً لِيَرْجُزَ أَوْ عَذَابٌ وَيَرَى يَعْلَمُ
الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مُؤْمِنُوا أَنَّهُلِ الْكُتُبِ كَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ وَأَصْحَابِهِ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ أَيْ الْقُرْآنَ
هُوَ فَضْلُ الْحَقِّ وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ طَرِيقِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ أَيْ اللَّهِ ذِي الْعِزَّةِ الْمَحْمُودَةِ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

ای قَالَ بَعْضُهُمْ عَلَى جَهَةِ التَّعْجِبِ لِبَعْضٍ هَلْ نَدُّكُمْ عَلَى رَجُلٍ بِهِ مُحَمَّدٌ يُنَبِّئُكُمْ يُخْبِرُكُمْ أَنْكُمْ إِذَا مُرِّقْتُمْ قُطِعْتُمْ كُلُّ مُمَرِّقٍ بِمَعْنَى تَمْرِيقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ أَفَتَرَى بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ لِاسْتِفْهَامِ وَاسْتِغْنَى بِهَا عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فِي ذَلِكَ أَمْرٌ بِهِ جَنَّةٌ جُنُونَ تُخِيلُ بِهِ ذَلِكَ قَالَ تَعَالَى بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ الْمُشْتَمَلَةِ عَلَى الْبَعْثِ وَالْحِسَابِ فِي الْعَذَابِ فِيهَا وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۝ مِنَ الْحَقِّ فِي الدُّنْيَا أَفَلَمْ يَرَوْا يَنْظُرُوا إِلَى مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مَا فَوْقَهُمْ وَمَا تَحْتَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنْ نَشَاءُ نَخِيفُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطُ عَلَيْهِمْ كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ وَفِي قِرَاءَةٍ فِي الْأَفْعَالِ الثَّلَاثَةِ بِالْيَاءِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَمَرْئِي لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝ رَاجِعِ إِلَىٰ رَبِّهِ تَذَلُّ عَلَىٰ قُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَىٰ عَلَى الْبَعْثِ وَمَا يَشَاءُ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے (اس کلام) کے ذریعہ اپنی تعریف فرمائی ہے، اور مراد اس کلام سے، اس کلام کے مضمون کے ذریعہ، کہ وہ ثبوت حمد ہے تعریف کرنا ہے، اور حمد اللہ تعالیٰ کے لئے صفات کمالیہ کا بیان کرنا ہے، ملک کے اعتبار سے اور تخلیق کے اعتبار سے اور غلام ہونے کے اعتبار سے اور دنیا کے مانند آخرت میں بھی اسی کی حمد ہے، اس کے اولیاء جب جنت میں داخل ہوں گے تو اس کی حمد بیان کریں گے وہ اپنے فعل میں بڑی حکمتوں والا ہے اور اپنی مخلوق سے باخبر ہے اور وہ ہر اس شئی سے واقف ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے جیسا کہ پانی وغیرہ اور اس شئی سے (بھی) جو زمین سے نکلتی ہے مثلاً گھاس وغیرہ اور اس سے (بھی) جو آسمان سے نازل ہوتی ہے جیسا کہ رزق وغیرہ اور اس سے بھی جو آسمان کی طرف چڑھتی ہے (مثلاً) اعمال وغیرہ وہ اپنے اولیاء پر رحم کرنے والا ہے (اور) ان کو معاف کرنے والا ہے اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی آپ ان سے کہہ دیجئے قسم ہے میرے رب کی جو عالم الغیب ہے کہ وہ تم پر یقیناً آئے گی (عالم) کے جر کی صورت میں (رَبِّی) کی صفت ہے اور رفع کی صورت میں مبتداء کی خبر ہے اور ایک قراءت میں علام جر کے ساتھ ہے اس سے ایک ذرہ برابر کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، ذرہ، صغیر ترین چھوٹی کو کہتے ہیں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی چیز کھلی کتاب میں موجود ہے اور وہ لوح محفوظ ہے تاکہ روز قیامت وہ ایمان والوں کو اور نیکوکاروں کو اچھا صلہ عطا کرے، یہی لوگ ہیں جن کے لئے مغفرت اور جنت میں عزت کی روزی ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں قرآن کو باطل کر کے (رسول) کو نیچا دکھانے کی کوشش کی اور ایک قراءت میں یہاں اور بعد میں مُعَاجِزِینَ ہے یعنی ہم کو عاجز فرض کرتے ہوئے یا ہم کو مغلوب گمان کرتے ہوئے، کہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، ان کے یہ گمان کرنے کی وجہ سے کہ نہ بعث ہے اور نہ عقاب، ایسے لوگوں کے لئے بدترین عذاب ہے اَلْیَمِّ بِمَعْنَى مَوْلَمِ جر اور رفع کے ساتھ رجز کی یا عذاب کی

صفت ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے (یعنی) اہل کتاب میں سے (آپ ﷺ پر) ایمان لانے والے جیسا کہ عبد اللہ بن سلام اور ان کے اصحاب اس قرآن کو جو آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے (ہو) یٰرَبِّی کے دو مفعولوں کے درمیان فصل ہے اور وہ عزت والے مستحق ستائش خدا کے راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور یہ کافر کہتے ہیں یعنی آپس میں تعجب کے طور پر کہتے ہیں کیا ہم تم کو ایک ایسا شخص بتائیں؟ وہ محمد ہے جو تم کو اس بات کی خبر دیتا ہے کہ جب تم پوری طرح ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے (ممزق) بمعنی تمزیق ہے تب تم کو از سر نو پیدا کیا جائیگا نہ معلوم اس شخص نے اللہ پر بہتان لگایا ہے؟ (افتری) ہمزہ کے فتح کے ساتھ، استفہام کے لئے ہے اس ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل سے مستغنی ہو گیا یا اس کو جنون ہے؟ جس کی وجہ سے یہ ایسی خیالی باتیں کرتا ہے، اللہ نے فرمایا بلکہ (حقیقت یہ ہے) جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے جو کہ بعث و حساب پر مشتمل ہے وہ آخرت میں عذاب میں اور دنیا میں حق سے دوری کی گمراہی میں ہیں کیا یہ لوگ اپنے آگے پیچھے اپنے اوپر اور نیچے آسمان اور زمین کو نہیں دیکھتے؟ اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں (کسفا) میں سین کے سکون اور فتح کے ساتھ اور ایک قراءت میں تینوں افعال میں ی کے ساتھ ہے یقیناً اس نظر آنے والی چیز میں رجوع کرنے والے بندے کے لئے دلیل ہے یعنی اپنے رب کی جانب رجوع کرنے والے بندے کے لئے (ایسی) دلیل کہ جو اللہ تعالیٰ کے بعث اور ہر مشیت پر قادر ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

تَحْقِیْقُ تَرْکِیْبِ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: وَمَا يَغْرُجُ فِيهَا. يَغْرُجُ كاصْلِهِ الی آتا ہے نہ کہ فی مگر چونکہ يَغْرُجُ اسْتِقْرَار کے معنی کو متضمن ہے، اس لئے اس کا تعدیہ فی کے ذریعہ درست ہے۔

قَوْلًا: قُلْ لَّهُمْ بَلٰی، بَلٰی نفی کو رد کرنے اور منفی کو ثابت کرنے کے لئے آتا ہے، مشرکین نے کہا تھا لَا تَأْتِنَا السَّاعَةُ ان کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرمایا بَلٰی کیوں نہیں؟ ضرور آنے والی ہے ای لیس الامر الا اتیانها۔

قَوْلًا: وَرَبِّیْ لَتَأْتِیَنَّکُمْ میں واو قسمیہ جارہ ہے، یہ اثبات نفی کی تاکید کے لئے ہے لام جواب قسم کے لئے ہے، تَأْتِیَنَّکُمْ فعل مضارع مبنی برفتح بانون تاکید ثقیلہ ہے، یہ تیسری تاکید ہے، اور کُمْ مفعول بہ ہے۔

قَوْلًا: عَالِمِ الْغَيْبِ جر کی صورت میں رب کی صفت یا بدل ہے عَالِمٌ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی ہو سکتا ہے، ای هُوَ عَالِمِ الْغَيْبِ، عَالِمِ الْغَيْبِ مبتداء لَا يَغْرُبُ اس کی خبر يَغْرُبُ جمہور کی قراءت میں زاء کے ضمہ کے ساتھ ہے، اور کسائی کے نزدیک زاء کے کسرہ کے ساتھ ہے (ن، ض) عَزُوبًا مخفی ہونا، دور ہونا۔

قَوْلًا: لَا اَصْغُرُ مُبْتَدَا مِنْ ذٰلِكَ اس کی خبر، یہ جملہ لَا يَغْرُبُ کی تاکید کے لئے ہے۔

قَوْلًا: لِيَجْزِيَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا. لَتَأْتِیَنَّکُمْ کی علت ہے یعنی قیامت ضرور آئے گی تاکہ اللہ تم کو صلہ دے۔

قَوْلٌ: اُولَئِكَ مُبْتَدِئٌ لَّهُمْ خَيْرٌ مَّقْدَمٌ وَمَغْفِرَةٌ مُبْتَدِئٌ مُؤَخَّرٌ جَمْلَةٌ اسْمِيَّةٌ هُوَ كَرِ اُولَئِكَ مُبْتَدِئٌ كِ خَيْرٌ، اور رِزْقٌ كَرِيمٌ کا موصوف صفت سے مل کر مَغْفِرَةٌ پر عطف ہے۔

قَوْلٌ: وَالَّذِينَ سَعَوْا مُوَصِّلٌ صِلٌ سے مل کر مُبْتَدِئٌ اُولَئِكَ اور اس کا مابعد خبر دوسری ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وَالَّذِينَ سَعَوْا کا عطف ماقبل الَّذِينَ اٰمَنُوا پر ہوا ای وَیَجْزِی الَّذِیْنَ سَعَوْا اس صورت میں بعد والا اُولَئِكَ جملہ مستانفہ ہوگا، اور ماقبل والا اُولَئِكَ اور اس کا ماتحت معطوفین کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔

قَوْلٌ: فِیْمَا یَاتِیْ اِی فِی آخِرِ السُّورَةِ۔

قَوْلٌ: مُقَدِّرِیْنَ عِجْزَنَا اَوْ مُسَابِقِیْنَ لَنَا اس میں لف وشر مرتب ہے، مقدرین پہلی قراءت کی تشریح ہے اور مُسَابِقِیْنَ لَنَا دوسری قراءت کی تشریح ہے اور مُقَدِّرِیْنَ کا مطلب ہے مُعْتَقِدِیْنَ۔

قَوْلٌ: مُعَاجِزِیْنَ سے مراد مُسَابِقِیْنَ ہے مُسَابِقَةٌ پر معَاجِزَةٌ کا اطلاق اس لئے کر دیا ہے کہ مسابقت کرنے والے آپس میں ایک دوسرے کو عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر یہاں باب مفاعلہ اپنے معنی میں نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ کو عاجز کرنا متصور نہیں ہے، لہذا یہ عاجز کرنا ان کے اپنے گمان فاسد کے اعتبار سے ہے نہ کہ حقیقت میں۔

قَوْلٌ: وَیَرِی الَّذِیْنَ یہ یا تو یَجْزِی پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے مرفوع، یَرِی یَعْلَمَ کے معنی میں ہے اور الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یَرِی کا فاعل ہے اور الَّذِیْ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مَفْعُولِ اَوَّلِ ہے الحق مفعول ثانی اور هُوَ دو مفعولوں کے درمیان فصل ہے اور یَهْدِی کا عطف الحق پر ہے ای یُرْوَنَهُ حَقًّا وَهَادِیًّا۔

سُؤَالٌ: اس صورت میں فعل کا اسم پر عطف لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: فعل جب اسم کی تاویل میں ہو تو عطف درست ہوتا ہے یہاں یَهْدِی، هَادِیًّا کے معنی میں ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَیَرِی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَهَادِیًّا، یَرِی کا یَجْزِی پر عطف ہونے کی صورت میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یَرِی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد ان کے لئے دنیا میں علم ثابت کرنا ہے اور یَجْزِی پر عطف کا تقاضہ یہ ہے کہ علم آخرت میں ثابت ہو جو کہ مراد نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استیناف والی ترکیب صحیح ہے۔

قَوْلٌ: بِمَعْنٰی تَمْزِیْقِ اس سے اشارہ کر دیا کہ اسم فاعل مصدر کے معنی میں ہے۔

قَوْلٌ: فِی الْاَفْعَالِ الثَّلَاثِ بِالْیَاءِ اِی نَشَأُ، نَحْسِفُ، نُسْقِطُ۔

البلاغۃ

قَوْلٌ: الْحَمْدُ لِلّٰہِ جملہ سے تعبیر استمرار اور ثبوت کا فائدہ دیتا ہے الحمد لغۃ الوصف بالجميل

الاختیارى على قصد التعظیم والوصف لا ینکون الا باللسان فیکون موردہ خاصا، وهذا

الوصف يجوز ان يكون بإزاء نعمة وغيرها فيكون متعلقه عاماً، والشكر اللغوي على العكس لكونه فعلاً يُنبئ عن تعظيم المنعم من حيث أنه على الشكر فيكون مورده اللسان والجنان والاركان ومتعلقه النعمة الواصلة الى الشاكر فكل منهما اعم واخص من الآخر بوجه ففي الفضائل حمد فقط وفي افعال القلب والجوارح شكر فقط وفعل اللسان بازاء الانعام حمد وشكر.

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

ابن عباس اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ پوری سورہ سبائ کی ہے، اور ابن عطیہ نے کہا ہے ویری الذین اوتوا العلم کے علاوہ مکی ہے، اس سورت میں چون آیتیں ہیں، بعض حضرات نے پچپن کہا ہے مگر صاحب روح المعانی نے اس کو کاتب کا سہو قرار دیا ہے۔

الحمد لله الذي له ما في السموات وما في الارض (الآية) سب خوبیاں اور تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو اکیلا بلا شرکت غیرے تمام آسمانی اور زمینی چیزوں کا مالک و خالق ہے اور نہایت حکمت اور خبرداری سے ان کی تدبیر کرتا ہے، اسی کا ارادہ اور فیصلہ ان میں نافذ ہوتا ہے، انسان کو جو نعمت بھی ملتی ہے وہ اسی کی پیدا کردہ ہے، اور اسی کا احسان ہے، آخرت میں بھی صرف اسی کی تعریف ہوگی بلکہ دنیا میں تو بظاہر کسی اور کی تعریف بھی ہو جاتی ہے، اس لئے کہ مخلوق کا فعل خالق کے فعل کا پردہ اور انسانی کمال، خالق کے کمال حقیقی کا پرتو ہے، لیکن آخرت میں سب پردے اور وساٹھ اٹھ جائیں گے وہاں جو کچھ ہوگا سب دیکھیں گے کہ اسی کی طرف سے ہو رہا ہے اس لئے سورہ و حقیقۃً تنہا اسی محمود مطلق کی تعریف ہوگی، زمین و آسمان کی کوئی چھوٹی بڑی چیز اس کے علم سے خارج نہیں، جو چیزیں زمین کے اندر چلی جاتی ہیں مثلاً بارش، خزانہ، دھینہ، مردے نیز کیڑے مکوڑے اور نباتات کا بیج وغیرہ اور جو چیزیں اندر سے نکلتی ہیں مثلاً کھیتی سبزہ، معدنیات وغیرہ اور جو آسمان کی طرف سے اترتی ہیں مثلاً بارش، وحی، تقدیر، فرشتے وغیرہ ان سب جزئیات پر اللہ کا علم محیط ہے۔

قُلْ بَسْلَى وَرَبِّي (الآية) وہ معصوم و مقدس انسان جس کے صدق و امانت کا اقرار سب کو پہلے سے تھا اور اب براہین ساطعہ سے اس کی صداقت پوری طرح روشن ہو چکی ہے، تاکید کی قسم کھا کر خبر دیتا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی، جب زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں تو پھر تمہارے اجزائے منتشرہ کو جو مٹی سے مل گئے ہوں گے جمع کر کے دوبارہ تمہیں زندہ کرنا کیوں ناممکن ہوگا؟

لَيَجْزِي الَّذِينَ آمَنُوا یہ وقوع قیامت کی علت ہے یعنی قیامت اس لئے آئے گی اور تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ اس لئے زندہ فرمائے گا کہ وہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کا صلہ عطا فرمائے، کیونکہ صلہ ہی کے لئے اس نے یہ دن رکھا ہے، اگر یہ یوم جزاء نہ ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نیک و بد دونوں یکساں ہیں اور یہ بات عدل و انصاف کے قطعاً منافی ہے اور بندوں

بِالْخُصُوصِ نِيكُوں پر ظلم ہوگا، وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ۔

وَالَّذِينَ سَعَوْا (الآیہ) یعنی ہماری ان آیتوں کے بطلان اور تکذیب کی جوہم نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیوں کوشش کی اور ان کی یہ کوشش اس لئے تھی کہ وہ ہمیں عاجز کر کے ہماری گرفت سے بچ کر نکل جائیں گے، اس طرح وہ روز قیامت کی حاضری سے چھوٹ جائیں گے، ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے

وَيَرَى الَّذِينَ اتَّوَلَّوْا الْعِلْمَ يَهَا رُویت سے رویت قلبی مراد ہے اور اہل علم سے مراد صحابہ کرام یا مومنین اہل کتاب یا تمام مومنین ہیں یعنی اہل ایمان اس بات کو جانتے اور یقین رکھتے ہیں، اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اس راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس اللہ کا راستہ ہے جو کائنات میں سب پر غالب اور اپنی مخلوق میں محمود ہے اور وہ راستہ تو حید کا راستہ ہے جس کی طرف تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوموں کو دعوت دیتے رہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا (الآیہ) یہ منکرین قیامت کافروں کا قول نقل کیا گیا ہے، جو بطور تحقیر و استہزاء کے یوں کہا کرتے تھے، آؤ ہم تمہیں ایک ایسا عجیب شخص بتائیں جو یوں کہتا ہے کہ جب تم پوری طرح ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے اس کے بعد پھر تمہیں از سر نو پیدا کیا جائے گا اور تم کو سابقہ شکل و صورت میں تیار کر کے زندہ کر دیا جائے گا، ظاہر ہے کہ اس شخص سے مراد نبی کریم ﷺ ہی ہیں اس لئے کہ آپ ﷺ ہی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دیتے تھے اور لوگوں کو اس پر ایمان لانے کی تاکید فرماتے تھے، اور یہ سب لوگ آپ کو اچھی طرح جانتے بھی تھے بعرفونہ کما يعرفون ابناء ہم مگر تمسخر اور استہزاء کے طور پر ذکر کیا کہ گویا یہ آپ کے متعلق اور کچھ نہیں جانتے بجز اس کے کہ آپ قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کی خبر دیتے ہیں۔

اَفْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا یعنی دو باتوں میں سے ایک بات تو ضرور ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اور اللہ کی طرف سے وحی اور رسالت کا دعویٰ یہ اس کا اللہ پر افتراء ہے یا اس کا دماغ چل گیا ہے اور دیوانگی میں ایسی باتیں کر رہا ہے، جو نا معقول ہیں بل الذین لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بات اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ گمان کر رہے ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عقل و فہم اور ادراک حقائق سے یہی لوگ قاصر ہیں، جس کی وجہ سے یہ آخرت پر ایمان لانے کے بجائے اس کا انکار کر رہے ہیں، جس کا نتیجہ آخرت کا دائمی عذاب ہے، اور یہ آج ایسی گمراہی میں مبتلا ہیں جو حق سے غایت درجہ دور ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ کافروں اور منکرین بعثت کو زجر و تنبیخ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آخرت کا یہ انکار آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر نہ کرنے کا نتیجہ ہے، ورنہ جو آسمان جیسی بلند چیز جس کی بلندی اور وسعت ناقابل بیان ہے اور زمین جیسی چیز جس کا طول و عرض بھی ناقابل فہم ہے، پیدا کر سکتا ہے، اس کے لئے اپنی ہی پیدا کردہ چیزوں کا دوبارہ پیدا کرنا اور اسے دوبارہ اسی حالت پر لے آنا جس پر وہ پہلے تھی کیوں کر ناممکن ہے؟

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا نُبُوَّةً وَكُنَّا وَقُلْنَا لِحِبَالِ اَوْبَى رَجَعِي مَعَهُ بِالشَّيْبِ وَالطَّيْرِ بِالنَّصَبِ عَطْفًا عَلَى مَحَلِّ الْجِبَالِ اِى وَذَعُونَا لِلشَّيْبِ مَعَهُ وَالنَّالَةَ الْحَدِيدَةَ فَكَانَ فِي يَدِهِ كَالْعَجِينِ وَقُلْنَا اِنْ اَعْمَلْ

مِنْهُ سُبُغَاتُ دُرُوعًا كَوَاسِمٍ لَا يَجْرُبُهَا لَأْسُهَا عَلَى الْأَرْضِ وَقَدَّرَ فِي السَّرْدِ أَيْ بَسُجِ الدُّرُوعِ قِيلَ لَصَانِعِهَا سَرَّادًا أَيْ أَجْعَلُهُ بِحَيْثُ يَتَنَاسَبُ حَلَقُهُ وَأَعْمَلُوا أَيْ أَلْ دَاوُدَ مَعَهُ صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ فَأَجَازِيكُمْ بِهِ وَ سَخَّرْنَا لِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ بِتَقْدِيرِ تَسَخَّرَ غُدُوُّهَا سَيْرُهَا مِنْ الْغَدْوَةِ بِمَعْنَى الصَّبَاحِ إِلَى الزَّوَالِ شَهْرُورًا ۖ سَيْرُهَا مِنَ الزَّوَالِ إِلَى الْغُرُوبِ شَهْرٌ أَيْ مَسِيرَتُهُ وَأَسَلْنَا أَذْبَنًا لَهُ عَيْنَ الْقَطْرِ أَيْ السُّحَّاسَ فَأَخْرَجَتْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ بَلِيَالِيَهُنَّ كَجَرَى الْمَاءِ وَعَمِلُ النَّاسِ إِلَى الْيَوْمِ مِمَّا أُعْطِيَ سُلَيْمَانُ وَمِنْ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ بَاسِرِ رَبِّهِ وَمَنْ يَنْزِعْ يَغْدِلْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا لَهُ بِطَاعَتِهِ نَذِقُهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝ النَّارُ فِي الْآخِرَةِ وَقِيلَ فِي الدُّنْيَا بِأَنْ يُضْرِبَهُ مَلَكٌ بِسَوْطٍ مِنْهَا ضَرْبَةً تُحْرِقُهُ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبَ أَبْنِيَةِ مُرْتَفَعَةٍ يُضَعَّدُ إِلَيْهَا بَدْرَجٍ وَتَمَاتِيلَ جَمْعُ تِمَالٍ وَبِهِ كُلُّ شَيْءٍ مَثَلَتْهُ بِشَيْءٍ أَيْ صُورٍ مِنْ نُحَاسٍ وَزُجَاجٍ وَرُخَامٍ وَلَمْ تَكُنْ إِتْخَاذُ الصُّورِ حَرَامًا فِي شَرِيعَتِهِ وَجِفَانٍ جَمْعُ جَفَنَةٍ كَالْجَوَابِ جَمْعُ جَابِيَةٍ وَبِهِ حَوْضٌ كَبِيرٌ يَجْتَمِعُ عَلَى الْجَفَنَةِ أَلْفُ رَجُلٍ يَأْكُلُونَ مِنْهَا وَقُدُورٍ مَرَسِيَّتٌ ثَابِتَاتٌ لَهَا قَوَائِمٌ لَا تَتَحَرَّكُ عَنْ أَمَاكِينِهَا تَتَّخِذُ مِنَ الْجِبَالِ بِالْيَمَنِ يُضَعَّدُ إِلَيْهَا بِالسَّلَالِمِ وَقُلْنَا إِعْمَلُوا يَا آلَ دَاوُدَ بِطَاعَةِ اللَّهِ شُكْرًا لَهُ عَلَى مَا آتَاكُمْ وَقَلِيلٌ مِنَ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ ۝ الْعَامِلُ بِطَاعَتِي شُكْرًا لِنِعْمَتِي فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ عَلَى سُلَيْمَانَ الْمَوْتَ أَيْ مَاتَ وَمَكَثَ قَائِمًا عَلَى عَصَاهُ حَوْلًا مَيِّتًا وَالْجِنُّ تَعْمَلُ تِلْكَ الْأَعْمَالِ الشَّقَاةَ عَلَى عَادَتِهَا لَا تَشْعُرُ بِمَوْتِهِ حَتَّى أَكَلَتْ الْأَرْضُ عَصَاهُ فَخَرَّ مَيِّتًا مَا دَلَّاهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ مَضْدَرُ أَرْضَتِ الْخَشَبَةَ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ أَكَلَتْهَا الْأَرْضُ تَأْكُلُ مِنْسَاتَهُ بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهِ بِالْفِ عَصَاهُ لِأَنَّهُ يُنْسَأُ يُطْرَدُ وَيُزَجَّرُ بِهَا فَلَمَّا خَرَّ مَيِّتًا تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْكَشَفَ لَهُمْ أَنَّ مُخَفَّفَةٌ أَيْ أَنَّهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ وَمِنْهُ مَا غَابَ عَنْهُمْ مِنْ مَوْتِ سُلَيْمَانَ مَا لَيْسَ فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝ الْعَمَلُ الشَّقِيقُ لَهُمْ لِظَنِّهِمْ حَيَاتَهُ خِلَافَ ظَنِّهِمْ عِلْمَ الْغَيْبِ وَعِلْمَ كَوْنِهِ سَنَةً بِحِسَابِ مَا أَكَلَتْهُ الْأَرْضُ مِنَ الْعَصَا بَعْدَ مَوْتِهِ يَوْمًا وَلَيْلَةً مَثَلًا.

ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت عطاء کی یعنی نبوت اور کتاب، اور ہم نے کہا اے پہاڑ اور اے پرند تم داؤد کے ساتھ تسبیح دہراؤ، طیر منصوب ہے جبال کے محل پر عطف ہونے کی وجہ سے، اور ہم نے ان کو داؤد کے ساتھ تسبیح پڑھنے کا حکم دیا، اور ہم نے ان کے لئے لوہا نرم کر دیا چنانچہ (حضرت) داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا گوندھے ہوئے آٹے کے مانند ہو گیا اور ہم نے حکم دیا کہ لوہے کی لمبی (مکمل) زرہ بناؤ کہ ان کو پہننے والا زمین میں گھسیٹے اور بنانے میں یکسانیت کا خیال رکھو زرہ ساز کو 'سر اذ' کہتے ہیں یعنی ایسی زرہ بناؤ کہ اس کے حلقے مساوی ہوں، اے آل داؤد تم داؤد کی معیت میں نیک کام کیا کرو میں تم سب کے اعمال کو دیکھتا ہوں لہذا میں تم کو اس کا صلہ دوں گا اور ہم نے ہوا

کو سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا اور ایک قراءت میں ریحِ رفع کے ساتھ ہے تُسَخَّرُ کی تقدیر کے ساتھ کہ اس کا صبح سے زوال تک کا سفر ایک ماہ کی مسافت تھی غَدُوُ الغدَاۃ سے ماخوذ ہے، بمعنی صبح اور (اسی طرح) اس کا شام (یعنی) زوال سے غروب تک کا سفر ایک ماہ کی مسافت تھی اور ہم نے سلیمان کے لئے تانبے کا چشمہ پگھلا کر جاری کر دیا چنانچہ تین رات دن تک پانی کے مانند جاری رکھا، حضرت سلیمان کو جو (بطور معجزہ) عطا کیا گیا تھا آج تک لوگ اس کو استعمال کر رہے ہیں، جناتوں میں سے کچھ ایسے تھے کہ جو حکم خداوندی سے (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے ماتحت ہو کر کام کرتے تھے اور جو ان میں سے (سلیمان) کی اطاعت کے ہمارے حکم سے سرتابی کرے گا ہم اس کو آخرت میں آگ کا عذاب چکھائیں گے، اور کہا گیا ہے کہ دنیا ہی میں (چکھائیں گے) بایں طور کہ فرشتہ اس کو آگ کے کوڑے سے ایک مار مارے گا کہ وہ آگ اس کو جلادے گی سلیمان جو چاہتے تھے (جنات) ان کے لئے وہ بنا دیتے تھے مثلاً محاریب یعنی بڑی بڑی اونچی عمارتیں کہ جن پر سیڑھیوں کے ذریعہ چڑھا جائے اور مجسمے، تماثیل، تمثال کی جمع ہے، تمثال ہر اس شئی کو کہتے ہیں جس کو تو کسی کے مثل بنائے یعنی تانبے کی یا سیسہ کی یا سنگ مرمر کی صورتیں بناتے تھے اور صورتوں کا بنانا ان کی شریعت میں حرام نہیں تھا اور حوض جیسی لگن (بناتے تھے) جَفَانُ جَفَنۃٌ کی جمع ہے (بمعنی لگن، بڑے پیالے) اور جَوَابُ جَابِیۃٌ کی جمع ہے، بڑے حوض کو کہتے ہیں، جَفَنۃٌ سے بیک وقت ایک ہزار آدمی کھا سکتے ہیں اور ایک جگہ جمی رہنے والی دیکیں (بناتے تھے) جن کے پائے ہوتے تھے جو اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی تھیں، یہ یمن میں پہاڑوں سے بنائی جاتی تھیں، کہ جن پر سیڑھیوں کے ذریعہ چڑھا جاتا تھا، ہم نے کہا اے آل داؤد اللہ کی اطاعت میں جو کچھ اس نے تم کو دیا ہے اس کے شکریہ میں (نیک) عمل کرو میرے بندوں میں شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں، یعنی میری نعمت کا عملی طور پر شکر کرنے والے (کم ہوتے ہیں) پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم بھیج دیا یعنی انتقال ہو گیا اور اپنے عصا کے سہارے ایک سال تک بحالت مردہ کھڑے رہے اور جنات اپنی عادت کے مطابق اعمالِ شاقہ میں لگے رہے (ان کو) (حضرت) سلیمان علیہ السلام کی موت کا احساس تک نہ ہوا، یہاں تک کہ جب دیمک نے ان کا عصا کھا لیا تو مردہ ہونے کی وجہ سے گر پڑے، تو ان کی موت کی خبر کسی نے ان کو نہ دی سوائے دیمک کے اَلْاَرْضُ، اَرْضَتِ الْخَشَبۃُ سے مصدر مجہول ہے (یعنی) اس کو دیمک نے کھا لیا جو ان کے عصا کو کھا رہی تھی مِنْسَاۃٌ ہمزہ کے ساتھ ہے، اور بغیر ہمزہ الف کے ساتھ بھی ہے (مِنْسَاۃ) ای عَصَاۃ اس لئے کہ اس سے دور کیا جاتا ہے، دفع کیا جاتا ہے اور دھمکایا جاتا ہے چنانچہ جب سلیمان علیہ السلام مردہ ہو کر گر پڑے تب کہیں جنات کو ان کی (موت) کا علم ہوا اگر جنات غیب داں ہوتے تو اس ذلت کی مشقت میں مبتلا نہ رہتے اور ان کے دعوائے علم غیب کی نفی اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت مخفی رہی یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کو زندہ سمجھ کر اپنے دعوائے غیب کے باوجود مشقت کے کام میں نہ لگے رہتے، اور عمل شاق کی ایک سال کی مدت کا علم عصا کی اس مقدار کے حساب سے ہوا جس مقدار کو دیمک نے سلیمان کی موت کے بعد مثلاً ایک رات دن میں کھایا تھا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: اَوْبَىٰ یہ تاویب سے امر کا واحد مؤنث حاضر ہے بمعنی تَرْجِعُ بار بار دہرانا، تکرار کرنا، اَوْبَىٰ اصل میں اَوْبَيْنَ تھا امر کی وجہ سے نون حذف ہو گیا وَلَقَدْ اَتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا واو استینافیہ ہے اور لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے، تقدیر یہ ہے وعزتنا و جلالنا لقد اتینا منّا، مِنَّا، اَتَيْنَا سے متعلق ہے یا محذوف سے متعلق ہو کر حال ہے تقدیر عبارت ہے کائنًا مِنَّا فَضْلًا، کائنًا مِنَّا اصل میں فَضْلًا کی صفت ہے مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہو گیا فَضْلًا مفعول ثانی ہے اور داؤد مفعول اول ہے۔

قَوْلٌ: وَقُلْنَا يَا جِبَالُ، قُلْنَا فعل محذوف کا مقولہ ہے اور اس کا عطف اَتَيْنَا پر ہے وَالطَّيْرُ کا عطف محل جبال پر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس لئے کہ منادی مفرد محل منصوب ہوتا ہے یا مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے وَالطَّيْرُ لفظ جبال پر عطف کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔

قَوْلٌ: دُرُوءًا، دُرُوءًا مقدر مان کر شارح نے اشارہ کر دیا کہ سَابِغَاتٍ صفت ہے اور دُرُوءًا اس کا موصوف محذوف ہے۔

قَوْلٌ: سَرَّادٌ زرہ کو کہتے ہیں سَرَّادٌ زرہ ساز کو کہتے ہیں۔

قَوْلٌ: لِسُلَيْمَانَ مفسر علام نے سَخَّرْنَا محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ جار مجرور کا متعلق سَخَّرْنَا ہے اور ریح مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور رفع کی صورت میں ریح مبتداء مؤخر حذف مضاف کے ساتھ اور لِسُلَيْمَانَ خبر مقدم، تقدیر عبارت یہ ہے وَتَسَخَّرَ الرِّيحُ كَائِنُ لِسُلَيْمَانَ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا۔

قَوْلٌ: وَمِنَ الْجِنَّ مَن يَعْمَلُ، مِنَ الْجِنَّ فعل مقدر کے متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَسَخَّرْنَا لَهُ مِنَ الْجِنَّ اور مَن يَعْمَلُ فعل مقدر کا مفعول بہ ہوگا، اور یہ بھی جائز ہے کہ مِنَ الْجِنَّ خبر مقدم ہو اور مَن يَعْمَلُ مبتداء مؤخر۔

قَوْلٌ: قُدُورٍ قُدْرٌ کی جمع ہے بمعنی ہانڈی راسیات ای ثابتات۔

قَوْلٌ: اَعْمَلُوا جملہ متانفہ ہے اَلْ دَاوُدَ منادی ہے حرف ندا محذوف ہے اور شُكْرًا مفعول بہ ہے۔

قَوْلٌ: قَلِيلٌ خبر مقدم ہے اور مِنَ عِبَادِي اس کی صفت ہے اور الشُّكُورُ مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلٌ: الْاَرْضُ دِيمِك، کر مک، چوب خور، (جمع) اَرْضٌ۔

قَوْلٌ: مِّنْ سَاعَةٍ بَرُوزٍ مِّفْعَلَةٌ ایک قراءت میں الف کے ساتھ ہے، عصا، دفع کرنے کا آلہ۔

قَوْلٌ: دَابَّةُ الْاَرْضِ دیمک۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

وَلَقَدْ آتَيْنَا مِدَّا فَضْلًا فضل کے معنی زیادتی کے ہیں مگر یہاں داؤد علیہ السلام کی امتیازی خصوصیات مراد ہیں یعنی نبوت کے ساتھ بادشاہت اور کئی امتیازی خوبیوں سے نوازا، ان امتیازی خصوصیات میں سے حسن صوت کی نعمت تھی کہ جب آپ ذکر الہی یا زبور کی تلاوت کرتے تھے تو پتھر کے ٹھوس پہاڑ بھی تسبیح خوانی میں مصروف ہو جاتے فضاء میں اڑتے پرندے ٹھہر جاتے اور زمزمہ خواں ہو جاتے، والطیر کا عطف یا جبال کے محل پر ہے، اس لئے کہ یا جبال محلاً منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے سَادَيْنَا الْجِبَالَ وَالطَّيْرَ پہاڑ یہ تسبیح جو داؤد علیہ السلام کے ساتھ کرتے تھے اس عام تسبیح کے علاوہ ہے جس میں کل مخلوقات شریک ہیں اور جو ہر وقت اور ہر زمانہ میں جاری ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ یہاں جس تسبیح کا ذکر ہے وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے حُزْءِ کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے یہ ظاہر ہے کہ اس تسبیح کو عام لوگ بھی سنتے سمجھتے ہوں گے، ورنہ پھر معجزہ ہی نہ ہوگا۔

وَالَّذِي لَهُ الْحَدِيدُ (الآیۃ) یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا دوسرا معجزہ ہے، حسن بصری، ققادہ اور اعمش رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ لوہے کو ان کے لئے موم کی طرح نرم کر دیا تھا، جس کی وجہ سے نہ گرم کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اور نہ ہتھوڑے سے کوٹنے کی، ایک دوسری آیت میں یہ بھی مذکور ہے وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ یعنی ہم نے ان کو زرہ سازی کی صنعت سکھائی، اور اس آیت میں بھی آگے قَدِّرْ فِی السَّرْدِ آیا ہے، یہ بھی اس صنعت سکھانے کی تکمیل ہے لفظ قَدِّرْ تقدیر سے مشتق ہے جس کے معنی ایک اندازے سے بنانے کے ہیں اور سَرْدِ کے معنی بننے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ زرہ بنانے میں یکسانیت ملحوظ رہے حلقے چھوٹے بڑے نہ ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ مصنوع میں باطنی خوبی کے ساتھ ظاہری خوبی بھی مطلوب ہے قَدِّرْ فِی السَّرْدِ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ (ابن کثیر)

بعض حضرات نے قَدِّرْ فِی السَّرْدِ سے یہ مراد لیا ہے کہ اس صنعت کے لئے وقت کی ایک مقدار معین کر لینا چاہئے تاکہ تمام اوقات اس میں صرف نہ ہو جائیں، ایسا نہ ہو کہ عبادت اور امور سلطنت کی انجام دہی میں اس کی وجہ سے خلل پڑے۔

صنعت و حرفت کی فضیلت:

مذکورہ آیت سے ثابت ہوا کہ اشیاء ضروریہ کی ایجاد و صنعت ایسی اہم چیز ہے کہ حق تعالیٰ نے خود اس کی تعلیم کا اہتمام فرمایا، اور عظیم الشان پیغمبروں کو سکھلایا، حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھائی اور حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کی صنعت سکھائی گئی، اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی مختلف صنعتیں سکھانا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

صنعت کار کو حقیر سمجھنا گناہ ہے:

عرب میں مختلف آدمی مختلف صنعتیں اختیار کرتے تھے کسی صنعت کو حقیر نہیں سمجھا جاتا تھا، اور نہ پیشوں کی بنیاد پر کوئی برادری بنتی تھی، پیشے کے بنیاد پر کسی کو حقیر سمجھنا اور برادری بنانا یہ ہندوستان میں ہندوؤں کی پیداوار ہے، ہندوؤں کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے مسلمانوں میں بھی یہ اثرات قائم ہو گئے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی سکھانے کی حکمت:

تفسیر ابن کثیر میں امام حدیث حافظ ابن عساکر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی خلافت و سلطنت کے زمانہ میں بھیس بدل کر بازار وغیرہ میں جاتے اور رعایا کے حالات معلوم کرتے اور پوچھتے کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ چونکہ داؤد علیہ السلام کی سلطنت میں عدل و انصاف عام تھا سب لوگ خوشحال تھے ہر انسان عیش و آرام کے ساتھ زندگی گزارتا تھا، اس لئے جس سے سوال کرتے وہ داؤد علیہ السلام کی تعریف کرتا۔

حق تعالیٰ نے ان کی تعلیم کے لئے ایک فرشتے کو بشکل انسانی بھیج دیا جب داؤد علیہ السلام کی اس سے ملاقات ہوئی تو عادت کے مطابق اس سے بھی وہی سوال کیا، فرشتے نے جواب دیا، داؤد بہت اچھا آدمی ہے اپنے نفس کے لئے بھی اور رعیت کے لئے بھی، مگر اس میں ایک کمی ہے اگر وہ نہ ہوتی تو وہ بالکل کامل تھا، داؤد علیہ السلام نے پوچھا وہ کیا کمی ہے؟ فرشتے نے کہا وہ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا نفقہ مسلمانوں کے بیت المال سے لیتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں التجاء کی کہ مجھے کوئی ایسا کام سکھا دیں کہ جو میں اپنے ہاتھ کی مزدوری سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا گذارا کر سکوں اور مسلمانوں کی خدمت اور سلطنت کا کام بلا معاوضہ کروں، حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا، اور ان کو زرہ سازی کی صنعت سکھا دی اور پیغمبرانہ یہ اعزاز دیا کہ لوہے کو ان کے لئے نرم کر دیا۔

مسئلہ: خلیفہ وقت یا سلطان جو اپنا پورا وقت امور سلطنت کی انجام دہی میں صرف کرتا ہے شرعاً اس کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا متوسط نفقہ بیت المال سے لے لے، لیکن اگر کوئی دوسری صورت گزارے کی ہو سکے تو وہ زیادہ بہتر ہے۔

جو علماء کرام تعلیم و تبلیغ کی خدمت مفت انجام دیتے ہوں، اور قاضی و مفتی جو لوگوں کے کام میں اپنا وقت صرف کرتے ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے۔

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ حضرت داؤد علیہ السلام کے خصوصی فضائل کے ذکر کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے خصوصی فضائل کا ذکر فرمایا، اور فرمایا کہ جس طرح داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا اسی طرح حضرت سلیمان

ﷺ کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا، حضرت سلیمان علیہ السلام مع اپنے اعیان سلطنت اور لشکر تخت پر بیٹھ جاتے اور جدھر آپ کا حکم ہوتا ہوا میں اسے اتنی رفتار سے لے جاتیں کہ ایک ماہ کی مسافت صبح سے دوپہر تک طے ہو جاتی اور پھر اسی طرح دوپہر سے شام تک ایک ماہ کی مسافت طے ہو جاتی، اس طرح ایک دن میں دو ماہ کی مسافت طے ہو جاتی، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تسخیر ہوا کا معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے اس عمل کے صلہ میں عطا ہوا تھا کہ ایک روز وہ اپنے گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول تھے، اس میں ایسی مشغولیت ہوئی کہ عصر کی نماز قضاء ہو گئی چونکہ گھوڑے اس غفلت کا سبب ہوئے تھے، اس سبب غفلت کو ختم کرنے کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کو ذبح کر دیا (کیونکہ سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گھوڑوں کی قربانی جائز تھی) اور یہ گھوڑے خود سلیمان علیہ السلام کی ملک تھے، اس لئے بیت المال کے نقصان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم کر دیا تھا، تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنات کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ جنات غیب کی باتیں جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے ذریعہ سے اس عقیدے کے فساد کو دوا صیح فرما دیا۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ بِالْأَصْفَادِ وَعَدِمِهِ قَبِيلَةٌ سُمِّيَتْ بِاسْمِ جَدِّ لَهُمْ مِنَ الْعَرَبِ فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ دَالَّةٌ عَلَى قُدْرَةِ اللَّهِ جَنَّاتٍ بِدَلٍّ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ عَنْ يَمِينٍ وَادِيْنِهِمْ وَشِمَالِهِ وَقِيلَ لَهُمْ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ عَلَىٰ مَا رَزَقَكُمْ مِنَ الْبَنَةِ فِي أَرْضِ سَبَإٍ بَلَدٌ طَيِّبٌ لَيْسَ بِهَا سَبَاخٌ وَلَا بَعُوضَةٌ وَلَا دُبابَةٌ وَلَا بُرْعُوثٌ وَلَا عَقْرَبٌ وَلَا حَيَّةٌ وَيَمْرُ الْغَرِيبُ بِهَا وَفِي ثِيَابِهِ قُمَّلٌ فَيَمُوتُ لَطِيبٌ بِهَوَائِهَا وَ اللَّهُ رَبُّ عَفْوَراً فَأَعْرَضُوا عَنْ شُكْرِهِ وَكَفَرُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ جَمْعُ عَرِمَةٍ وَهُوَ مَا يُمَسِّكُ الْمَاءَ مِنْ بَنَاءٍ وَغَيْرِهِ إِلَى وَقْتِ حَاجَتِهِ أَيْ سَيْلٌ وَادِيْنِهِمُ الْمَمْسُوكُ بِمَا ذَكَرَ فَاعْرَقَ جَنَّتِيْهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتِيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِيْ تَشْنِيَةٍ ذَوَاتِ مُفْرَدٍ عَلَى الْأَصْلِ أَكْلُ خَطِّ مُرَبَّشٍ بِإِضَافَةٍ أَكْلٌ بِمَعْنَى مَا كُؤِلَ وَتَرَكَهَا وَيُعْطَفُ عَلَيْهِ وَأَثْلٌ وَشَيْءٌ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ۚ ذَٰلِكَ التَّبْدِيلُ جَزَاءُ لَهُمْ بِمَا كَفَرُوا بِكُفْرِهِمْ وَهَلْ نُجِزِي الْكَافِرِينَ ۚ بِالْيَاءِ وَالنُّونِ مَعَ كَسْرِ الزَّايِ وَنُصْبِ الْكَفُورِ أَيْ مَا يُنَاقِشُ الْأَبُو وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ تَيْنَ سَبَا وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا بِالسَّامِ وَالشَّجَرِ وَبِى الْقُرَى الشَّامِ الَّتِي يَسِيرُونَ إِلَيْهَا لِلتَّجَارَةِ قُرَى ظَاهِرَةٌ مُّتَوَاصِلَةٌ مِنَ الْيَمَنِ إِلَى الشَّامِ وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ بِحَيْثُ يَقْبَلُونَ فِي وَاحِدَةٍ وَيَبْتَئُونَ فِي أُخْرَى إِلَى انْتِهَاءِ سَفَرِهِمْ وَلَا يَحْتَاجُونَ فِيهِ إِلَى حَمْلِ زَادٍ وَمَاءٍ وَقُلْنَا سِيرُوا فِيهَا لِيَالِي وَآيَاتٍ آمِنِينَ ۚ لَا تَخَافُونَ فِي لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ وَفِي قِرَاءَةٍ بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا إِلَى الشَّامِ اجْعَلْهَا مَفَاوِزَ لِّيَتَطَاوَلُوا عَلَى الْفُقَرَاءِ بِرُكُوبِ الرُّوَا حِلٍ وَحَمْلِ الزَّادِ وَالْمَاءِ

فَبَطَرُوا النِّعْمَةَ وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ بِالْكَفْرِ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ لِمَنْ بَعْدَهُمْ فِي ذَلِكَ وَمَزَقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ فَرَقْنَاهُمْ بِالْبِلَادِ كُلِّ التَّفْرِيقِ إِنَّ فِي ذَلِكَ الْمَذْكُورِ لَآيَاتٍ عِبْرًا لِّكُلِّ صَبَّارٍ عَنِ الْمَعَاصِي شُكُورٍ ۝ عَلَى النِّعْمِ وَلَقَدْ صَدَّقَ بِالْتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ عَلَيْهِمْ أَيُّ الْكُفَّارِ مِنْهُمْ سَبَّابِلَيْسُ ظَنَّهُ أَنْهُمْ بِإِغْوَائِهِ يَتَّبِعُونَهُ فَاتَّبَعُوهُ فَصَدَّقَ بِالْتَّخْفِيفِ فِي ظَنِّهِ أَوْ صَدَّقَ بِالتَّشْدِيدِ ظَنَّهُ أَيُّ وَجَدَهُ صَادِقًا إِلَّا بِمَعْنَى لَكِنْ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ لَيْسَ بَيَانُ أَيُّ بَنِي الْمُؤْمِنِينَ لَمْ يَتَّبِعُوهُ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطَانٍ تَسْلِيطٍ مِنَّا إِلَّا لِنَعْلَمَ عِلْمَ ظُهُورٍ مِّنْ يُّؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ فَنُجَازِي كُلًّا مِنْهُمَا وَرَبُّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيفٌ ۝ رَقِيبٌ

ترجمہ: قوم سبا کے لئے (سبا) منصرف اور غیر منصرف (دونوں ہیں) سبا ایک قبیلہ کا نام ہے ان کے عربی جد اعلیٰ کے نام پر رکھا گیا ہے یمن میں ان کی بستیوں میں خدا کی قدرت کی نشانی تھی ان کے دائیں بائیں دورویہ باغ تھے یعنی ان کی وادی کے دائیں بائیں جانب جنتان، آیہ سے بدل ہے، ان سے کہا گیا اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور ملک سبا میں تم کو دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرو یہ عمدہ شہر ہے یعنی اس میں نہ زمین شور ہے اور نہ چھہرنہ مکھی، اور نہ پسوا اور نہ بچھوا اور نہ سانپ اور (اگر) اس شہر سے ایسا مسافر گذرتا کہ اس کے کپڑوں میں جو کمیں ہوتیں تو وہ اس شہر کی پاکیزہ ہوا کی وجہ سے مرجاتیں اور بخشے والا رب ہے لیکن انہوں نے اس کے شکر سے اعراض اور ناشکری کی تو ہم نے ان پر بند کا پانی بھیج دیا عِرمِ عِرمۃ کی جمع ہے عِرمۃ اس عمارت وغیرہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ پانی کا وقتِ ضرورت کے لئے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے، یعنی ان کی وادی کا روکا ہوا پانی ان پر چھوڑ دیا، چنانچہ اس پانی نے ان کے دورویہ باغوں کو اور ان کے اموال کو غرق کر دیا اور ہم نے ان کے دورویہ باغوں کے عوض ایسے دو باغ دیئے جن کے پھل بدمزہ کڑے کیلے تھے ذواتِ ذوات مفرد کا تشبیہ ہے اصل سے اُکُل کی اضافت کے ساتھ، (اکل) بمعنی ماکول ہے، اور بغیر اضافت کے اور اُکُل پر اثل کا عطف ہے اور بکثرت جھاؤ کے درخت اور کچھ جنگلی بیریاں ہم نے ان کو یہ سزا ان کی ناشکری یعنی ان کے کفر کی وجہ سے دی اور ہم ایسی سزا ناشکروں ہی کو دیا کرتے ہیں (یُجَازِی) میں یا اور نون دونوں ہیں اور زاء کے کسرہ اور کُفُور کے نصب کے ساتھ، یعنی کافر ہی کا مناقشہ (سختی کے ساتھ محاسبہ) کیا جاتا ہے اور ہم نے ان کے یعنی ملک سبا کے درمیان حال یہ کہ وہ بھی یمن میں رہتے تھے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے پانی اور درختوں کے ذریعہ برکت دی ہے اور وہ ملک شام کی بستیاں ہیں جن کی طرف وہ تجارت کے لئے جایا کرتے تھے بہت سی بستیاں آباد کر رکھی تھیں جو یمن سے شام تک قریب قریب (فاصلہ) پر تھیں اور ہم نے ان بستیوں کے درمیان سفر کی ایک خاص مسافت رکھی تھی اس طریقہ پر کہ وہ ایک بستی میں قیلولہ کرتے اور دوسری میں رات گزارتے تھے، ان کے سفر کے پورا ہونے تک یہی صورت رہتی تھی، اور سفر میں زاد راہ اور پانی ساتھ اٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی اور ہم نے کہا بستیوں میں راتوں اور دنوں کو امن و امان کے ساتھ سفر کرو چنانچہ ان کو نہ رات کو خوف تھا اور نہ دن کو مگر انہوں نے کہا اے

ہمارے پروردگار ملک شام تک ہمارے سفروں کے درمیان دوری کر دے اور ایک قراءت میں بساعد ہے یعنی ان بستیوں کو چیل میدان کر دے تاکہ وہ فقراء کے مقابلہ میں سوار یوں پر سوار ہو کر اور زاد راہ اور پانی ہمراہ رکھنے کے ذریعہ فخر کریں چنانچہ وہ نعمت خداوندی پر اترانے لگے اور کفر کے ذریعہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا چنانچہ ہم نے ان کو بعد والوں کے لئے ظلم کے سبب سے افسانہ بنا دیا اور ہم نے ان کو پوری طرح تتر بتر (منتشر) کر دیا، یعنی ہم نے ان کو مختلف شہروں میں پوری طرح منتشر کر دیا، بے شک اس مذکورہ قصے میں معصیت سے ہر باز رہنے والے کے لئے اور نعمتوں پر ہر شکر کرنے والے کے لئے عبرتیں ہیں اور واقعی ان لوگوں یعنی کفار کے بارے میں اور ان میں اہل سبا بھی ہیں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پایا کہ وہ اس کے بہکانے سے اس کی اتباع کرنے لگے صدق میں تخفیف اور تشدید دونوں ہیں کہ یہ لوگ اس کے تابع ہو گئے صدق تخفیف کے ساتھ اس کا گمان سچ نکلا، اور صدق تشدید کے ساتھ اس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا سوائے مومنین کی جماعت کے الا بمعنی لکن ہے اور مومنین فریقاً کا بیان ہے یعنی وہ فریق جس نے (شیطان) کی اتباع نہیں کی وہ مومنین ہیں شیطان کا ان پر کوئی قابو نہ تھا بلکہ ہماری طرف سے ان پر مسلط کرنا صرف اس لئے ہوا کہ ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان لائے ان لوگوں سے ممتاز کر دیں جو آخرت کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں تو ان (دونوں) میں سے ہم ہر ایک کو بدلہ دیں گے اور آپ کا رب ہر شئی پر نگہبان ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: اُكْلٌ پھل خَمَطٌ پیلو کا پھل، ہر کھٹی یا کڑوی چیز۔

قَوْلًا: بَشَعٌ بد مزہ اور کڑوا سیلا۔

قَوْلًا: اَثَلٌ جھاؤ کا درخت (جمع) اَثَلَاتٌ، اَثَالٌ، اُثُولٌ۔

قَوْلًا: ذَوَاتِی تشنیہ ذوات مفرد علی الاصل ذوات ذو کا مؤنث ہے یہ اصل میں ذُوِيَّةٌ تھا اس میں علامت تانیث ہے، یاء متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف ہو گئی ذوات ہو گیا، بعدہ واؤ کو تخفیفاً حذف کر دیا، ذات ہو گیا، اب واحد مؤنث کی دو شکلیں ہو گئیں ایک حذف واؤ سے پہلے کی، وہ ذوات، اور دوسری حذف واؤ کے بعد کی اور وہ ذات مفسر علام نے جو یہ کہا ہے کہ ذَوَاتِی اصل سے ذوات کا تشنیہ ہے اس کا مطلب ہے کہ حذف واؤ سے پہلے کی حالت کا تشنیہ ہے اگر حذف واؤ کے بعد کی حالت کا تشنیہ ہوتا تو ذَاتِی ہوتا۔

قَوْلًا: بَشَعٌ بروزن کشف بد مزہ، سیلا، اُكْلٌ خَمَطٌ اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے، اور ترک اضافت کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے ای اُكْلٌ خَمَطٌ اس صورت میں اُكْلٌ موصوف اور خَمَطٌ صفت ہوگی۔

قَوْلًا: يُعْطَفُ علیہ ای علی اُكْلٌ اُكْلٌ کے قاف پر جزم اور ضمہ دونوں قراءت سببہ ہیں۔

قَوْلًا: ذَلِكْ جَزَيْنَهُمْ ذَلِكْ، جَزَيْنَا کا مفعول ثانی ہے جو کہ مقدم ہے اول مفعول هُمْ ہے اِی جَزَيْنَهُمْ ذَلِكْ التبدیل۔

قَوْلًا: بِكُفْرِهِمْ اِی بِسَبَبِ كُفْرِهِمْ۔

قَوْلًا: وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ يَهْ عَظْفَ قِصَّةٍ عَلَى الْقِصَّةِ کے قبیل سے ہے یعنی اول اعطاء جثین کا ذکر کیا گیا اور پھر تبدل مذکور کا ذکر کیا گیا۔

قَوْلًا: سِيرُوا فِيهَا اِی فِی هَذِهِ الْمَسَافَةِ یہ امر بمعنی خبر ہے یعنی وہ امن کے ساتھ سفر کرتے تھے لِبَالِي اور اَيَّامًا حال ہیں۔

قَوْلًا: اِلَّا بِمَعْنَى لَكِنْ اس میں اشارہ ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ مومنین کفار کی جنس سے نہیں ہیں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

لَقَدْ كَانَ لِسَبَأٍ ابْنِ كَثِيرٍ نے فرمایا کہ سبا یمن کے بادشاہوں اور اس ملک کے باشندوں کا لقب ہے، تابعہ جو اس ملک کے پیشوا اور مقتداء تھے، وہ بھی اسی قوم سبا سے تعلق رکھتے تھے، اور ملکہ بلقیس بھی جس کا واقعہ سورہ نمل میں گذر چکا ہے اسی قوم سے تعلق رکھتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اپنے رزق کے دروازے کھول دیئے تھے، ہر سو خوشحالی کا دور دورہ تھا، عیش و آرام کے تمام اسباب مہیا تھے، انبیاء کے ذریعہ ان کو اللہ کی توحید اور نعمتوں کی شکر گزاری کا حکم دیا گیا تھا، ایک مدت تک یہ لوگ اسی حال پر قائم رہے، پھر ان میں عیش و عشرت میں انہماک اور خدا سے غفلت بلکہ انکار تک نوبت پہنچ گئی، تو ان کی تنبیہ کے لئے تیرہ انبیاء بھیجے، جنہوں نے ان کی فہمائش اور راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کی مگر یہ لوگ اپنی غفلت اور بیہوشی سے باز نہ آئے، تو ان پر ایک سیلاب کا عذاب بھیجا گیا، جس سے ان کے شہر اور باغات تمام ویران اور برباد ہو گئے۔ (ابن کثیر)

سِلِّ عَرِمِ اور سد مارب:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سِلِّ الْعَرِمِ۔ عَرِم کے لغت میں کئی معنی ہیں، مگر ان میں سیاق قرآن کے مناسب وہ معنی ہیں جو قاموس، صحاح، جوہری وغیرہ کتب لغت میں ہیں، کہ عَرِم کے معنی سد ”بند“ کے ہیں، جو آج کل کی اصطلاح میں ڈیم کے نام سے معروف ہے، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے بھی عَرِم کے معنی سد بیان فرمائے ہیں۔ (فرطبی)

بند اور سِلِّ عَرِمِ کا واقعہ:

ابن کثیر کے بیان کے مطابق واقعہ یہ ہے کہ ملک یمن کے دار السلطنت صنعاء سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک شہر مارب تھا، جس میں قوم سبا آباد تھی، یہ شہر دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں آباد تھا، اس ملک کے بادشاہوں نے مذکورہ دونوں پہاڑوں

کے درمیان ایک بند (ڈیم) نہایت ہی مستحکم تعمیر کیا تھا، اس ڈیم نے پہاڑوں کے درمیان سے آنے والے پانی کو روک کر پانی کا ایک عظیم الشان ذخیرہ بنا دیا تھا، اس ڈیم سے ضرورت کے مطابق پانی نکالنے کے لئے اوپر نیچے تین دروازے رکھے تھے، بند کے نیچے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کیا گیا تھا جس میں پانی کے بارہ راستے بنا کر نہریں شہر کے مختلف اطراف میں پہنچائی گئی تھیں، شہر کے دائیں بائیں جو دو پہاڑ تھے ان کے کناروں پر دو روہ باغات لگائے گئے تھے، جن میں نہریں جاری تھیں، یہ باغات اگرچہ تعداد میں بہت تھے، مگر قرآن کریم نے جتنا یعنی دو باغوں سے تعبیر کیا ہے، ایک رخ کے تمام باغوں کو اتصال کی وجہ سے ایک باغ اور دوسرے رخ کے تمام باغوں کو دوسرا باغ قرار دیا ہے۔

ان باغوں میں ہر قسم کے پھل بکثرت ہوتے تھے اگر کوئی شخص خالی ٹوکرا سر پر رکھ کر باغ میں چلتا تو ٹپکنے والے پھلوں سے ٹوکری بھر جاتی تھی، انبیاء کے ذریعہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ تم اللہ کے عطا کردہ اس رزق وسیع کو استعمال کرو اور اس کی نعمتوں کی شکر گزاری کرتے رہو، نیز اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو بلدہ طیبہ بنایا تھا اس کی آب و ہوا نہایت پاکیزہ اور معتدل تھی، حشرات الارض، مکھی، مچھر، سانپ، بچھو وغیرہ کا نام و نشان تک نہیں تھا، بلکہ باہر سے آنے والے مسافروں کے کپڑوں میں اگر جوئیں ہوتیں تو وہ بھی ہوا کی پاکیزگی اور لطافت کی وجہ سے مرجاتیں رُبُّ غفور کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر اتفاقی طور پر شکر گزاری میں غفلت کی وجہ سے کمی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔

فاعرضوا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سِيلَ الْعَرَمِ یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی وسیع نعمتوں اور انبیاء علیہم السلام کی تنبیہات کے باوجود جب قوم سبا کے لوگوں نے اللہ کے احکام سے سرکشی اور روگردانی کی تو ہم نے ان پر سیل عرم چھوڑ دیا، اس کا واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہب بن منہ، قتادہ، ضحاک وغیرہ ائمہ تفسیر نے یہ بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو سزا دینے کا ارادہ فرمایا تو اس پانی کے عظیم الشان بند پر اندھے چوہے مسلط کر دیئے جنہوں نے اس کی بنیاد کو کھوکھلا اور کمزور کر دیا، جب بارش اور سیلاب کا وقت آیا تو پانی کے دباؤ سے بند ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے پورا شہر تباہ و برباد ہو گیا، اور پھل دار درختوں کی جگہ ایسے خود رو جھاڑ جھنکاراگ آئے کہ اول تو ان میں پھل لگتا ہی نہیں تھا اور اگر کسی میں لگتا بھی تو نہایت کڑوا کسلا اور بد مزہ جنہیں کوئی کھا ہی نہ سکتا، البتہ کچھ بیری کے درخت تھے جن میں بھی کانٹے زیادہ اور بیر کم تھے۔

وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ، کُفُورٌ مبالغہ کا صیغہ ہے، بہت کفر کرنے والا، آیت کے معنی یہ ہوئے کہ ہم بہت کفر کرنے والے کے سوا کسی کو سزا نہیں دیتے، یہ معنی بظاہر ان تمام قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان گناہگاروں کو جہنم کی سزا ان کے عمل کے مطابق دی جائے گی اگرچہ سزا بھگتنے کے بعد وہ ایمان کی وجہ سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے، اس اشکال کے جواب میں بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں مطلق عذاب مراد نہیں ہے، بلکہ ایسا عذاب عام مراد ہے جیسا کہ قوم سبا پر بھیجا گیا تھا یہ کافروں کے ساتھ مخصوص ہے، مسلمان گناہگاروں پر ایسا عذاب نہیں آتا۔ (روح)

روح المعانی میں بحوالہ کشف اس آیت کے مفہوم کی یہ توجیہ کی ہے کہ کلام اپنی حقیقت پر ہے کہ سزا بطور سزا تو صرف کافروں کو دیجاتی ہے، اور مومن گنہگاروں کو جو آگ وغیرہ کی تکلیف دی جاتی ہے وہ محض صورت سزا کی ہوتی ہے ورنہ درحقیقت اس کو گناہوں سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے کہ سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپانے سے اس کا میل کچیل صاف کرنا مقصود ہوتا ہے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمُ الْبَيْنَ الْقُرَى (الآیۃ) برکت والی بستیوں سے مراد ملک شام کی بستیاں ہیں اور ظاہرۃً سے مراد لب سڑک ہے یعنی ہم نے ملک سبا (یمن) اور شام کے درمیان لب سڑک بستیاں آباد کی ہوئی تھیں، بعض نے ظاہرۃً سے متواصلۃً (مسل) مراد لیا ہے جیسا کہ علامہ محلی نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں، مفسرین نے ان بستیوں کی تعداد چار ہزار سات سو بتلائی ہے، یہ اہل یمن کی شاہ راہ تھی جو ہمیشہ آباد رہتی تھی، جس کی وجہ سے زاد راہ ساتھ لیجانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، دوسرے ویرانے کی وجہ سے جو لوٹ مار کا اندیشہ ہوتا ہے وہ نہیں تھا، آرام و راحت اور دوران سفر قیام کی سہولتیں بھی باسانی مہیا تھیں، صبح کو روانہ ہو کر دوپہر کو ایک بستی میں قیلولہ کرتے اور شام تک دوسری بستی میں پہنچ جاتے جہاں رات کو قیام کرتے۔

فَقَالُوا رَبَّنَا بَعْدَ بَيْنِ أَسْفَارِنَا یعنی جس طرح لوگ سفر کی صعوبتوں اور خطرات نیز مشقتوں کا تذکرہ کرتے ہیں، رے سفر کی مسافت بھی اسی طرح دور دور کر دے، مسلسل آبادیوں کے بجائے درمیان میں سنان و ویران جنگلات اور صحراؤں سے ہمیں گزرنا پڑے، گرمیوں میں دھوپ کی شدت اور سردیوں میں سختی ہوائیں ہمیں پریشان کریں اور راستہ میں بھوک و پیاس اور موسم کی سختیوں سے بچنے کے لئے ہمیں زاد راہ کا بھی انتظام کرنا پڑے، ان کی یہ دعا اسی طرح ہے جیسے بنی اسرائیل نے من و سلوکی اور دیگر سہولتوں سے اکتا کر دالوں اور سبزیوں وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا، یا پھر زبان حال سے ان کی یہ دعاء تھی۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح ناپید اور برباد کر دیا کہ ان کی ہلاکت و بربادی کا قصہ زبان زد خلافت ہو گیا، اور مجلسوں اور محفلوں کا موضوع گفتگو بن گیا، اور ان کو اس طرح منتشر کر دیا کہ مختلف ملکوں اور مقام میں جا کر آباد ہو گئے، غسان شام میں اور اوس و خزرج یثرب (مدینہ) میں اور خزاعہ تہامہ میں اور ازد عمان میں جا بسے۔

قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِكُفَّارِ نَكَّةٍ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ اِيْ زَعَمْتُمْوَسِمْ اِلٰهَةً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِيْ غَيْرِهِ لِيَنْفَعُوْكُمْ بِزَعْمِكُمْ
 قَالَ تَعَالٰی فِیْہِم لَا یَمْلِکُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنْ خَیْرٍ اَوْ شَرٍّ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَہُمْ فِیْہِمَا مِنْ شَرِّ
 شَرِّکَ وَمَا لَہُ تَعَالٰی مِنْہُمْ مِنَ الْاِلٰہِۃِ مِّنْ ظٰہِرٍ ۝۱۱ مُعِیْنٍ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَہُ تَعَالٰی رَدُّ الْقَوْلِ لَہِمْ اِنْ
 اِلٰہَتُہُمْ تَشْفَعُ عِنْدَہُ اِلَّا لِمَنْ اٰذَنَ بِفَتْحِ السَّمٰوٰتِ وَضَمِّہَا لَہُ فِیْہَا حَتّٰی اِذَا فُزِعَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ
 وَلِلْمَفْعُولِ عَنْ قُلُوْبِہُمْ کُشِفَ عَنْہَا الْفَرْعُ بِالْاِذْنِ فِیْہَا قَالُوْا قَالَ بَعْضُہُمْ لِبَعْضٍ اِسْتِیْشَارًا مَاذَا
 قَالَ رَبُّکُمْ فِیْہَا قَالُوْا الْقَوْلُ الْحَقُّ اِیْ قَدْ اٰذَنَ فِیْہَا وَہُوَ الْعَلِیُّ فَوْقَ خَلْقِہِ بِالْقَهْرِ الْکَبِیْرِ ۝۱۲ الْعَظِیْمِ

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَوتِ الْمَطَرِ وَالْأَرْضِ النَّبَاتِ قُلْ اللَّهُ ان لم يَقُولُوهُ لَا جَوَابَ غَيْرُهُ وَإِنَّا أَوَّلِيَاكُمْ أَى أَحَدِ الْفَرِيقَيْنِ لَعَلَى هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ^(۱۴) بَيِّنْ فِي الْإِبْهَامِ تَلَطَّفْ بِهِمْ دَاعِ إِلَى الْإِيمَانِ إِذَا وَقَفُوا لَهُ قُلْ لَا تَسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا أَوْ نَبَا وَلَا نَسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ^(۱۵) لَأَنَّا بَرِئُونَ مِنْكُمْ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَفْتَحُ يَحْكُمُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ فَيُدْخِلُ الْمُحِقِّينَ الْجَنَّةَ وَالْمُضِلِّينَ النَّارَ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْحَاكِمُ الْعَلِيمُ^(۱۶) بِمَا يَحْكُمُ بِهِ قُلْ أَرُونِي الَّذِينَ الْحَقَّتْ بِهِ شُرَكَاءُ فِي الْعِبَادَةِ كَلَّا رَدَّعْ لَهُمْ عَنْ إِغْتِقَادِ شَرِيكَ لَهُ بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْغَالِبُ عَلَى أَمْرِهِ الْحَكِيمُ^(۱۷) فِي تَذْيِيرِهِ لِيُخْلِقَهُ فَلَا يَكُونُ لَهُ شَرِيكَ فِي مُلْكِهِ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً حَالٍ مِنَ النَّاسِ قُلْ لِمَ لَا يُهْتَمُّ بِهِ لِلنَّاسِ بَشِيرًا مَبَشِيرًا لِلْمُؤْمِنِينَ بِالْجَنَّةِ وَنَذِيرًا مُنْذِرًا لِلْكَافِرِينَ بِالْعَذَابِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ أَى كُفَّارَ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُونَ^(۱۸) ذَلِكَ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ بِالْعَذَابِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ^(۱۹) فِيهِ قُلْ لَكُمْ مِيعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ^(۲۰) عَلَيْهِ وَبِوَيْتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: اے محمد! کفار مکہ سے کہہ دیجئے کہ جن چیزوں کے بارے میں تمہیں خدا کے سوا (خدائی) کا گمان ہے یعنی جن کو تم اللہ کے علاوہ معبود سمجھتے ہو ان کو پکارو تا کہ وہ تمہارے گمان کے مطابق تم کو نفع پہنچائیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا وہ ذرہ برابر خیر و شر کا اختیار نہیں رکھتے، نہ آسمان میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں (کے پیدا کرنے) میں شرکت ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کا ان معبودوں میں سے کوئی مددگار ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کی سفارش کام نہیں آتی یہ ان کے اس قول کو رد کرنے کے لئے فرمایا کہ ان کے معبود اس کے سامنے سفارش کریں گے بجز ان کے کہ جن کے لئے اجازت ہو جائے ہمزہ کے فتح اور اس کے ضمہ کے ساتھ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے، معروف اور مجہول کے صیغہ کے ساتھ، یعنی جب اجازت دیکر ان کے دلوں کا خوف دور کر دیا جائے گا تو آپس میں طلب بشارت کے طور پر پوچھیں گے کہ تمہارے پروردگار نے شفاعت کے بارے میں کیا فرمایا؟ جواب دیں گے حق بات فرمائی یعنی شفاعت کی اجازت دیدی وہ عالی شان یعنی اپنی مخلوق پر قہر کے ذریعہ غالب ہے سب سے بڑا ہے آپ پوچھئے کہ تم کو آسمان سے پانی برسا کر اور زمین سے نباتات اگا کر روزی کون پہنچاتا ہے؟ اگر وہ جواب نہ دیں تو آپ (خود ہی) جواب دیجئے کہ اللہ تعالیٰ (روزی دیتا ہے) (اس لئے کہ) اس کے علاوہ کوئی جواب ہی نہیں ہے (سنو) ہم یا تم یعنی دونوں فریقوں میں سے ایک یا تو یقیناً ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں ہے مبہم رکھنے میں ان کے ساتھ نرمی ہے جو ایمان کی طرف داعی ہے، جبکہ ان کو ایمان کی توفیق دیجائے آپ کہہ دیجئے ہمارے کئے ہوئے گناہوں کی بابت تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا اس لئے کہ ہم تم سے بری ہیں، آپ ان کو بتا دیجئے کہ ہم سب کو ہمارا رب قیامت کے دن جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان برحق فیصلے کرے گا کہ حق پرستوں کو جنت میں اور باطل پرستوں کو جہنم میں داخل کرے گا وہ بڑا فیصلے کرنے والا ہے اور جو فیصلہ کرتا ہے اس کو بخوبی جاننے والا

ہے (آپ) کہہ دیجئے کہ اچھا مجھے بھی تو انہیں دکھاؤ بتاؤ جنہیں تم اللہ کا عبادت میں شریک ٹھہرا کر اس کے ساتھ ملا رہے ہو ایسا برّز نہیں، یہ کفار کو اس کے ساتھ اعتقاد شریک پر تو بخ ہے بلکہ وہی ہے اللہ اپنے امر پر غالب اور اپنی مخلوق کی تدبیر میں حکمت والا لہذا اس ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا ہم نے آپ کو تمام لوگوں کو یعنی مومنین کو جنت کی خوشخبری سنانے والا اور کافروں کو عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے کافّہ، للنّاس سے حال ہے اس کے اہتمام کے پیش نظر مقدم کر دیا گیا ہے مگر اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اس کا علم نہیں رکھتے اور پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ عذاب کب ہے؟ اگر تم اس (وعدے) میں سچے ہو تو (بتا دو) آپ جواب دیجئے کہ تمہارے واسطے وعدہ کا دن معین ہے اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو اور وہی قیامت کا دن ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ اى زَعَمْتُمْوْهُمْ اِلَٰهَةً اس عبارت کے اضافہ سے شارح کا مقصد یہ بتانا ہے کہ زَعَمْتُمْ کے دونوں مفعول موصول باصلہ کے طویل ہو جانے کی وجہ سے محذوف ہیں اول مفعول کو حذف کر دیا اور دوسرے مفعول یعنی اِلَٰهَةً کو صفت یعنی مِنْ دُونِ اللَّهِ کے قائم مقام ہو جانے کی وجہ سے حذف کر دیا مفعول اول هُمْ اور مفعول ثانی اِلَٰهَةً ہے۔

قَوْلًا: لِيَنْفَعُوْكُمْ اَدْعُوا کے متعلق ہے اى اَدْعُوا لِيَكْشِفُوْا عَنْكُمْ الضَّرَّ۔

قَوْلًا: وَمَا لَهُمْ فِيْهَا مِنْ شَرْكَ مَا نَافِیْہ لَہُمْ خبر مقدم ہے مِنْ زائد ہے شَرْكَ مبتداء مؤخر لفظاً مجرور اور محلاً مرفوع ہے۔
قَوْلًا: فَرِجَ بَنِیْ لِمَفْعُول یعنی ان کے دل کا خوف دور کر دیا گیا، تضعیف سلب کے لئے ہے کہا جاتا ہے قَرَضْتُ الْبَعِیْرَ اى اَزَلْتُ قَرَادَہ میں نے اونٹ کی چھڑی دور کر دی۔

قَوْلًا: مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ فِيْهَا اى فی الشَّفَاعَةِ۔

قَوْلًا: الْقَوْلُ الْحَقُّ اس میں اشارہ اس بات کی جانب ہے کہ الْحَقُّ مصدر محذوف کی صفت ہے۔

قَوْلًا: قُلِ اللّٰهُ مُبْتَدِءٌ یَّرْزُقُنَا اس کی خبر محذوف۔

قَوْلًا: اَرُونِیْ۔ اَعْلِمُوْنِیْ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رویت سے مراد رویت قلبیہ ہے اور متعدی بدو مفعول ہے جب اس کے شروع میں ہمزہ لایا گیا تو متعدی بہ سہ مفعول ہو گیا اول مفعول اَرُونِیْ میں ی ہے ثانی اسم موصول اور ثالث شُرکاء صلہ کی ضمیر عائد محذوف ہے اى اَلْحَقُّتُمْوْهُمْ۔

قَوْلًا: کَافَّةً اى جَمِیْعًا اَرْسَلْنٰکَ کے کاف سے حال ہے اى اَرْسَلْنٰکَ جَامِعًا لِلنَّاسِ فِی الْاِنْذَارِ وَالْاِبْلَٰغِ ؕ مَبَٰغِدَہ کے لئے جیسا کہ علامۃ میں ؕ مَبَٰغِدَہ کے لئے ہے اور کَافَّةً لِلنَّاسِ سے حال مقدم ہو سکتا ہے اى لِلنَّاسِ

کافۃً یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو کہ حال کی جار مجرور پر تقدیم کو جائز سمجھتے ہیں، نیز مصدر محذوف کی صفت بھی ہو سکتی ہے ای اِرْسَالَةً کَافَّةً لِلنَّاسِ۔

قَوْلُنَا: بَشِيرًا وَنَذِيرًا یہ دونوں اِرْسَالَتُكَ کے کاف سے حال ہیں۔

قَوْلُنَا: قُلْ لَكُمْ مِيعَادٌ يَوْمٌ میں لَكُمْ خبر مقدم ہے اور مِيعَادُ يَوْمٌ مبتدا مؤخر۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

قُلْ اَدْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ (الایۃ) اس آیت میں نبی ﷺ کو حکم ہے اور کفار سے یا تو کفار قریش مراد ہیں یا مطلقاً کفار مراد ہیں، دلالت سیاق کی وجہ سے زَعَمْتُمْ کے دونوں مفعول محذوف ہیں، روز قیامت کسی کی سفارش کسی کے لئے کام نہیں آئے گی، الا یہ کہ سفارش کی اجازت مل جائے، اجازت کا مطلب یہ ہے کہ سفارش کا استحقاق اجازت پر موقوف ہوگا یعنی انبیاء اور ملائکہ و صلحاء اسی وقت سفارش کی ہمت کریں گے جب ان کو بارگاہ ایزدی سے اجازت مل جائے گی، اسی طرح سفارش کی اجازت بھی ان لوگوں کے حق میں ہوگی جن کے لئے اجازت ہوگی اور یہ اجازت مومن گنہگاروں کے لئے ہوگی، کافروں مشرکوں اور اللہ کے باغیوں کے لئے نہیں، قرآن کریم نے ان دونوں کی دوسری جگہ وضاحت فرمادی ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ، وَلَا یَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنْ ارْتَضٰی۔

آیات مذکورہ میں حکم ربانی نزول کے وقت فرشتوں کا مدہوش ہو جانا پھر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنا پوچھ کر کرنے کا ذکر ہے، اس کا بیان صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں اس طرح آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم نافذ فرماتے ہیں تو سب فرشتے خشوع و خضوع سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں، اور مدہوش جیسے ہو جاتے ہیں، جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ اور ہیبت و جلال کا اثر دور ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ دوسرے فرشتے کہتے ہیں کہ فلاں حکم حق فرمایا ہے۔

(الحديث)

بحث و مناظرہ میں مخاطب کی نفسیات کی رعایت اور اشتعال انگیزی سے پرہیز:

وَ اِنَّا اَوْ اَيَّاكُمْ لَعَلٰی هٰذِیْ اَوْ فِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ یہ کفار و مشرکین سے خطاب ہے، دلائل واضح، براہین قاطعہ سے اللہ تعالیٰ کا خالق و مالک اور قادر مطلق ہونا واضح کر دیا گیا، بتوں اور غیر اللہ کی بے بسی اور کمزوری کا مشاہدہ کر دیا گیا، ان سب باتوں کے بعد موقع اس کا تھا کہ مشرکین کو خطاب کر کے کہا جاتا کہ تم جاہل اور گمراہ ہو، خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں اور شیاطین کی پرستش کرتے ہو، مگر قرآن حکیم نے اس جگہ حکیمانہ عنوان اختیار کیا جو دعوت و تبلیغ اور مخالفین اسلام اور اہل باطل سے بحث و مناظرہ کرنے والوں کے لئے ایک اہم ہدایت نامہ ہے کہ اس آیت میں ان کو کافر اور گمراہ کہنے کے بجائے عنوان یہ رکھا کہ ان دلائل واضح کی روشنی میں یہ تو کوئی سمجھ دار آدمی نہیں کہہ سکتا کہ تو حید و شرک دونوں باتیں حق ہیں اور اہل توحید اور مشرک دونوں حق پر

ہیں۔ بلکہ یقینی بات ہے کہ ان دونوں میں سے ایک فریق حق پر اور دوسرا گمراہی پر ہے، اب تم خود سوچ لو اور فیصلہ کر لو کہ ہم حق پر ہیں یا تم، مخاطب کافر اور گمراہ کہنے سے اشتعال میں آجاتا، اس لئے اس سے احتراز کیا گیا ہے اور ایسا مشتقانہ انداز اختیار کیا گیا کہ سنگدل مخاطب بھی غور کرنے پر مجبور ہو جائے۔
(قرطبی و بیان القرآن بحوالہ معارف)

کَافَّةً لِلنَّاسِ عربی محاورہ میں کافۃ کا لفظ عموم و شمول کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس سے کوئی مستثنی نہ ہو، اصل عبارت کا ترتیبی تقاضہ یہ تھا کہ للناس کافۃ کہا جاتا، کیونکہ للناس، کافۃ سے حال ہے، مگر عموم بعثت کے اہتمام کو بیان کرنے کے لئے لفظ کافۃ مقدم کر دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ پہلے جتنے بھی انبیاء شریف لائے ان کی رسالت و نبوت کسی خاص قوم یا خاص خطہ کے لئے تھی، یہ آپ ﷺ کی خصوصیت اور فضیلت کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت تمام دنیا کے لئے عام ہے خواہ جن ہوں یا انس اور قیامت تک کے لئے ہے، آپ کی نبوت کا تا قیامت باقی رہنا اس کا متقاضی ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہوں۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں کہ جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی ①، ایک مہینہ کی مسافت پر دشمن کے دل میں میری دھاک بٹھانے سے میری مدد فرمائی گئی ہے ② تمام روئے زمین میرے لئے مسجد اور طہور کر دی گئی ہے، جہاں نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لے مسجد میں جانا ضروری نہیں ہے (اور اگر پانی نہ ملے تو تیمم کر لے) ③ مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں تھا ④ مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے ⑤ پہلے نبی صرف اپنی قوم کے لئے بھیجا جاتا تھا مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔
(صحیح بخاری کتاب التیمم، صحیح مسلم کتاب المساجد)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن ابْنِ مَكَّةَ لَن نُّؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ اى تَقْدِمُهُ كَالْتُورَةِ وَالْانْجِيلِ
الَّذَيْنِ عَلَى الْبَعْثِ لِانْكَارِهِمْ لَهْ قَالَ تَعَالَى فِيهِمْ وَلَوْ تَرَى اِيَّا نَحْمَدُ اِذَا الظَّالِمُونَ الْكَافِرُونَ
مَوْفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلَى بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعُّوْهُمُ الْاَتْبَاعُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا الرَّؤْسَاءُ لَوْلَا اَنْتُمْ
صَدَدْتُمْوْنَا عَنِ الْاِيْمَانِ لَكِنَّا مُؤْمِنِينَ ۝ بِالنَّبِيِّ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتَضَعُّوْهُمُ اَنْتُمْ صَدَدْتُمْ عَنْ الْهُدٰى بَعْدَ
اِذْ جَاءَكُمْ لَا بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ۝ فِى اَنْفُسِكُمْ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضَعُّوْهُمُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُاٰئِلٌ وَالتَّهَارِ اِى
مَكْرٍ فِيْهِمَا مِنْكُمْ بَلَا اِذَا تَأْمُرُوْنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهُ اَنْدَادًا ۝ شُرَكَآءُ وَاَسْرَوْا اِى الْفَرِيقَيْنِ التَّدَامَةُ عَلَى
ذٰلِكَ الْاِيْمَانِ لَمَّا رَاَوْا الْعَذَابَ اِى اخْفَا بِاَكْثَرِ غِن رَفِيقِهِ مَخَافَةَ التَّغْيِيْرِ وَجَعَلْنَا الْاَعْمٰلَ فِىْ اَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوْا
فِى النَّارِ هَلْ مَّا يُجْزَوْنَ اِلَّا جَزَاۗءُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فِى الدُّنْيَا وَمَا اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالُ مُتْرَفُوْهَا ۝ رُؤْسَاءُ
بِالْمُسْعِمُوْنَ اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهِ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۝ مِّنْ اَمْنٍ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ لِمَنْ يَشَاءُ اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهُ لِمَنْ يَشَاءُ اِمْتِحَانًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ اِي كُفَّارٌ مِّنْكَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ذٰلِكَ

ترجمہ: اور مکہ کے کافر کہتے ہیں کہ ہم ہرگز اس قرآن کو نہ مانیں گے اور نہ ان کتابوں کو جو اس سے پہلے کی ہیں جیسا کہ تورات اور انجیل جو مرنے کے بعد زندہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں، ان کے بعث بعد الموت کا منکر ہونے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا اور اے محمد اگر آپ ان ظالموں کافروں کو اس وقت دیکھیں جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے (آپس میں) ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے کمزور درجہ کے لوگ یعنی متبعین بڑے لوگوں سے یعنی سرداروں سے کہیں گے اگر تم ہم کو ایمان سے روکنے والے نہ ہوتے تو ہم نبی کو ماننے والے ہوتے یہ بڑے لوگ کمزوروں کو جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس ہدایت آجانے کے بعد ہم نے تم کو اس سے روکا تھا؟ نہیں بلکہ تم خود ہی قصور وار تھے (اس کے جواب میں) کمزور لوگ متکبروں سے کہیں گے، بلکہ ہمارے ساتھ تمہاری رات و دن کی تدبیروں نے روکا تھا جب تم کہتے تھے کہ اللہ کے ساتھ کفر کرو اور اس کا شریک ٹھہراؤ اور دونوں فریق جب عذاب کو دیکھیں گے تو ترک ایمان پر ندامت کو چھپائیں گے یعنی ہر فریق اپنے مخالف سے شرم دلانے کے خوف سے ندامت کو چھپائے گا اور جہنم میں ہم کافروں کے گلے میں طوق ڈال دیں گے ان کو صرف دنیا میں ان کے کئے ہوئے کرتوتوں کا بدلہ دیا جائے گا اور ہم نے تو جس بستی میں جو بھی آگاہ کرنے والا (رسول) بھیجا وہاں کے خوشحال لوگوں یعنی خوشحال سرداروں نے یہی کہا کہ جو چیز دے کر تم کو بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں، اور کہا ہم مال و اولاد میں ایمان والوں سے بڑھے ہوئے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم کو عذاب دیا جائے، آپ کہہ دیجئے میرا رب جس کی چاہے بطور آزمائش روزی کشادہ کر دیتا ہے اور امتحان جس کی چاہے روزی تنگ کر دیتا ہے، لیکن اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اس بات کو نہیں جانتے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَلَوْ تَرَى، لو کا جواب اور تری کا مفعول محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَلَوْ تَرَى حَالِ الظَّالِمِينَ وَقَدْ وَقَفِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَرَأَيْتَ أَمْرًا فَظِيحًا حَالِ مَفْعُولِ ہے اور لَرَأَيْتَ الخ جواب لو ہے۔

قَوْلُهُ: اِذَا الظَّالِمُونَ تَرَوْا كَاطْرَفِ ہے۔

قَوْلُهُ: يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ يَهِ مَوْقُوفُونَ کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُهُ: يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضعَفُوا، يَرْجِعُ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُهُ: لَوْ لَا مَبْتَدَأُ ہے، اس کی خبر محذوف ہے، شارح نے اپنے قول صَدَدْتُمُونَا سے خبر محذوف کی طرف اشارہ

کر دیا، اور لُکْنَا مُؤْمِنِیْنَ، لَوْلَا کا جواب ہے۔

قَوْلًا: اَنْحَنُ صَدَدْنَا کَم کے بعد شارح نے لَا مَقْدَرِ مَا نِ کَر اِثَارَہ کر دیا کہ اَنْحَنُ میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے۔

قَوْلًا: بَلْ مَكْرُ اللَّیْلِ، مَكْرُ فعل محذوف کا فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے بَلْ صَدَدْنَا مَكْرُ کُمْ بِنَا فِی اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ، مَكْرُ کُمْ میں کُمْ مضاف الیہ کو حذف کر دیا اور اتساغا ظرف کو مضاف الیہ کے قائم مقام کر دیا۔

قَوْلًا: اِذْ تَامُرُوْنَا یَہ مَكْرُ کا ظرف ہے اِی مَكْرُ کُمْ وَفَتْ اَمْرُ کُمْ لَنَا۔

قَوْلًا: اَسْرُوا جملہ حالیہ یا مستانفہ ہے۔

قَوْلًا: اَلَا قَالْ مُتَرَفُّوْہَا یہ قریۃ سے حال ہے قریۃ اَلْہرچہ نکرہ ہے مگر چونکہ سیاق نفی میں واقع ہے جس کی وجہ سے ذوالحال بننے کی گنجائش ہوگئی۔

قَوْلًا: مُتَرَفُّوْہَا اصل میں مُتَرَفُّوْنَ بَہَا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا یہ اِنْتَرَا فْ مفعول جمع مذکر ہے آسودہ، اور خوشحال لوگ۔

قَوْلًا: بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِہ، کَافِرُوْنَ سے متعلق ہے اہتمام اور رعایت فواصل کی وجہ سے مقدم کر دیا، تقدیر عبارت یہ ہے اِی کَافِرُوْنَ بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِہ۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا مشرکین مکہ نے یہود سے آپ ﷺ کی نبوت کی علامات معلوم کیں، یہود نے جو علامات بتائیں تو وہ آپ ﷺ پر پوری طرح صادق آئیں، تو اس وقت مشرکین نے کہا کہ ہم نہ قرآن کو مانیں گے اور نہ اگلی کتابوں انجیل، تورات، زبور وغیرہ کو اس لئے کہ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چنے بنے ہیں جہاں دیکھو وہی حساب و کتاب اور قیامت کا مضمون، سو ہم ان چیزوں کو ہرگز تسلیم کرنے والے نہیں ہیں۔

وَلَوْ تَرَى میں خطاب آپ ﷺ کو بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ ملامہ محلی نے اختیار کیا ہے اور ہر اس شخص کو بھی ہو سکتا ہے جس میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہو، مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب اگر تو ان مشرکین و کافرین کی اس حالت کو دیکھے کہ جب یہ لوگ اپنے رب کے روبرو سراقندہ و شرمندہ کھڑے ہوں گے، اور ناکامی کا الزام ایک دوسرے پر ڈال رہے ہوں گے جیسا کہ دنیا میں بھی عام عادت یہی ہے، تو اے مخاطب تو ان کی عجیب حالت زار دیکھے گا، آگے اللہ تعالیٰ وَیَقُولُ الَّذِیْنَ اَسْتَضَعِفُوا سے مشرکین کے آپس میں ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرانے کو بیان فرما رہے ہیں، فرماتے ہیں دنیا میں جو لوگ نچلے طبقہ میں اور کمزور شمار ہوتے تھے اور دوسروں کے پیچھے چلتے تھے وہ اپنے سرداروں کو الزام دیں گے، کہ تم نے ہمیں اس مصیبت میں پھنسوا یا، تمہاری طرف سے رکاوٹ نہ ہوتی تو ہم ضرور پیغمبروں کی بات مان لیتے اور یہ دن دیکھنا نہ پڑتا، قوم کے اونچے طبقہ کے لوگ کمزور

طبقہ کے لوگوں کو جواب دیں گے، کہ ہمارے پاس کوئی طاقت تھی کہ ہم تم کو ہدایت کے راستہ سے روکتے، حقیقت یہ ہے کہ جب تمہارے پاس حق بات پہنچ گئی تھی اور سمجھ میں آگئی تھی تو کیوں قبول نہ کی؟ اور کیوں تم نے اس میں غور و فکر نہ کیا؟ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ تم اپنی خواہشات کی وجہ سے اسے قبول کرنے سے گریزاں رہے، اور آج اپنا جرم ہمارے سر ڈال کر ہمیں مجرم بنا رہے ہو، اس کے جواب میں کمزور طبقہ کے لوگ کہیں گے، بے شک تم نے زبردستی مجبور تو نہ کیا تھا، مگر رات دن مکر و فریب اور مغویانہ تدبیر سے ہم کو بہکاتے پھسلاتے رہے تھے، جب ملے یہی تلقین کی کہ پیغمبروں کے حکم و ارشاد کے مطابق خدا کو ایک نہ مانیں بلکہ بعض مخلوقات کو بھی اس کا مماثل اور برابر کا شریک سمجھیں، آخر تمہاری شب و روز کی ترغیب و ترہیب کا کہاں تک اثر نہ ہوتا؟ وَأَسْرُوا السُّدَامَةَ یعنی دونوں فریق ایک دوسرے پر الزام تراشی تو کریں گے، لیکن دل میں دونوں ہی فریق اپنے اپنے کفر پر شرمندہ ہوں گے، مگر شتمت اعداء کی وجہ سے ظاہر کرنے سے گریز کریں گے، گردنوں میں طوق اور ہاتھ پیروں میں زنجیریں پڑی ہوں گی، یعنی دنیا میں جیسا کچھ کیا ہوگا آج وہ سزا کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہوگا، سچ ہے جیسا کرنا ویسا بھرنا وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ يٰۤاٰپ ۭ يٰۤاٰپ کو تسلی دی جا رہی ہے، کہ آپ مکہ کے رؤساء اور چودھریوں کے انحراف اور سرکشی سے مغموم نہ ہوں ہر زمانہ میں پیغمبروں کا مقابلہ ایسے ہی بد بخت رئیسوں اور شریروں نے کیا ہے، آپ کے ساتھ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، دولت و ثروت کا نشہ اور اقتدار طلبی کا جذبہ آدمی کو اندھا کر دیتا ہے، وہ کسی کے سامنے گردن جھکانے اور چھوٹے آدمیوں کے برابر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا، اسی لئے انبیاء کے پیروکار عموماً ضعیف و مسکین لوگ ہوتے ہیں، حضرت نوح عَلَيْهِ السَّلَام کی قوم نے کہا تھا اُنُومِنْ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَزْدَلُونَ (الشعراء) وَقَالُوا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَاَوْلَادًا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے ہمیں دنیا میں مال و اولاد کی کثرت سے نوازا ہے، تو اگر بقول شما قیامت برپا ہوئی بھی تو ہم وہاں بھی تم سے بہتر رہیں گے، اس لئے کہ ہم یہاں مال و اولاد میں تم سے بہتر ہیں اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا ہم سے راضی اور خوش ہے اس لئے کہ کوئی بھی اپنے دشمن کو مال و دولت سے نہیں نوازا کرتا، جب خدا ہم سے خوش ہے تو ہمیں کسی عذاب کا بھی اندیشہ نہیں، تم فضول ہم کو عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ اس آیت میں کفار کے مذکورہ مغالطہ اور شبہ کا ازالہ کیا ہے کہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کی رضا یا عدم رضا کی مظہر نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق اللہ کی حکمت و مشیت سے ہے، اس لئے کہ وہ مال اس کو بھی دیتا ہے جس کو پسند کرتا ہے اور اس کو بھی جس کو نا پسند کرتا ہے، مال و اولاد کی فراوانی اور تنگی اس کی رضا و عدم رضا کا معیار نہیں ہے۔

وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰی قُرْبٰی اِلَّا لِمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا قَوْلَ لَكَ
لَهُمْ جَزَاءُ الصَّعَفِ بِمَا عَمِلُوْا اِی جَزَاءُ الْعَمَلِ الْحَسَنَةِ مَثَلًا بِعَشْرِ فَاكْثَرٍ وَهُمْ فِي الْغُرَفِ مِنَ الْجَنَّةِ
اٰمِنُوْنَ ۱۰ مِنَ الْمَوْتِ وَغِيْرِهِ وَفِي قِرَاءَةِ الْغُرْفَةِ وَبِیْ بِمَعْنٰی الْجَمْعِ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْ اٰیٰتِنَا الْقُرْاٰنَ بِالْاِبْطَالِ
مُعْجِزِيْنَ لَنَا مُقَدِّرِيْنَ عَجَزْنَا وَاَنْتُمْ يَفُوْتُوْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۱۱ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوْسِعُهُ

لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ امْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُ لَهُٗ بَعْدَ الْبَسْطِ اَوْ لِمَنْ يَشَاءُ اِتِّلَاءً وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فِي الْخَيْرِ فَهُوَ يَخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝۳۱ يُقَالُ كُلُّ اِنْسَانٍ يَرْزُقُ عَائِلَتَهُ اِى مِنْ رَزَقِ اللّٰهِ وَ اَذْكُرْ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ اِهْوَاۤءِ اَيَّاكُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الْاَوَّلَى يَاءً وَاِسْقَاطِهَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝۳۲ قَالُوا سُبْحٰنَكَ تَنْزِيهَا لَكَ عَنِ الشَّرِيكِ اَنْتَ وَلِيِّنَا مَنْ دُونِهِمْ اِى لَا مَوَالَاةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ بَلْ لِّاِلْتِقَالِ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ الشَّيَاطِينَ اِى يُطِيعُوْنَهُمْ فِي عِبَادَتِهِمْ اَيَّانَا اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُونَ ۝۳۳ مُصَدِّقُونَ فِيمَا يَقُولُونَ لَهُمْ قَالَ تَعَالٰى فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ اِى بَعْضُ الْمَعْبُودِينَ لِبَعْضِ الْعَابِدِينَ نَفْعًا شِفَاعَةً وَلَا ضَرًّا تَعْذِيبًا وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا كَفَرُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝۳۴ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا مِنَ الْقُرْاٰنِ بَيِّنٰتٍ وَّاضِحٰتٍ بِلِسَانٍ نَّبِيٍّ مُّحَمَّدٍ قَالُوْا مَا هٰذَا اِلَّا اَرَجُلٌ يَّرِيْدُ اَنْ يُصَدِّكُمْ عَمَّا كَانُ يَعْبُدُ اٰبَاؤَكُمْ مِنَ الْاَصْنَامِ وَقَالُوْا مَا هٰذَا اِى الْقُرْاٰنُ اِلَّا اِفْكٌ كَذَبٌ مُّفْتَرًى عَلَى اللّٰهِ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ الْقُرْاٰنُ لَمَّا جَاءَهُمْ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۳۵ بَيِّن قَالَ تَعَالٰى وَمَا اَتَيْنَهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَا اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ۝۳۶ فَمِنْ اَيْنَ كَذَّبُوْكَ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَّغُوْا اِى هٰؤُلَاءِ مَعَشَارًا اَتَيْنَهُمْ مِنَ الْقُوَّةِ وَطُوْلِ الْعُمْرِ وَكَثْرَةِ الْمَالِ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْۙ اِلَيْهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرٌ ۝۳۷ اِنْكَارِى عَلَيْهِم بِالْعُقُوْبَةِ وَالْاِبْهَالِكِ اِى هُوَ وَاَقَعَ مَوْقِعُهُ.

۵

ترجمہ: اور تمہارے مال و اولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنادیں، ہاں! جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کے لئے ان کے اعمال کا دوہرا اجر ہے مثلاً نیک اعمال کی جزاء دس گنا یا اس سے بھی زیادہ اور وہ جنت کے بالا خانوں میں موت وغیرہ سے بے خوف ہوں گے اور ایک قراءت میں الغفرۃ ہے اور یہ معنی میں جمع کے ہے، اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں قرآن کے باطل کرنے کی تگ و دو میں ہم کو عاجز سمجھ کر لگے رہتے ہیں، یہ سمجھ کر کہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، یہی ہیں وہ جو عذاب میں پکڑ کر حاضر کئے جائیں گے، آپ کہہ دیجئے میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کی چاہے روزی امتحاناً کشادہ کر دیتا ہے اور اسی کی یا جس کی چاہے کشادگی کے بعد ابتلاء روزی تنگ کر دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی کار خیر میں خرچ کرو گے اللہ اس کا بدلہ دے گا اور وہ بہترین روزی رساں ہے، کہا جاتا ہے کہ ہر انسان اپنے اہل و عیال کو روزی دیتا ہے یعنی اللہ کے رزق سے اور وہ دن قابل ذکر ہے جس دن اللہ تعالیٰ ان سب مشرکوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور پہلے ہمزہ کو یاء سے بدل کر اور اس کو ساقط کر کے وہ عرض کریں گے تو شرک سے پاک ہے ہمارا ولی تو تو ہے نہ کہ وہ یعنی ہمارے اور ان کے درمیان ہماری طرف سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ لوگ تو شیاطین کو پوجتے تھے یعنی ہماری بندگی کرنے میں ان کی اطاعت کرتے تھے ان میں سے اکثر کا انہی پر ایمان تھا یعنی وہ جو کچھ ان سے کہتے

تھے اسی کی تصدیق کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کوئی کسی کو یعنی کوئی معبود کسی عابد کو نہ شفاعت کا نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ عذاب دینے کا، اور ہم ظالموں کافروں سے کہہ دیں گے کہ اس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے ہو تھے اور جب ان لوگوں کے سامنے قرآن کی آیتیں جو صاف صاف ہیں ہمارے نبی محمد ﷺ کی زبانی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایسا شخص ہے جو تم کو تمہارے باپ دادوں کے معبودوں سے یعنی بتوں سے روک دینا چاہتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ قرآن محض اللہ پر لگایا ہوا بہتان ہے، اور کافر اس حق یعنی قرآن کی نسبت جبکہ وہ ان کے پاس آپکا کہتے ہیں کہ یہ محض ایک صریح جادو ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ تو ہم نے ان کو کتابیں دے رکھی ہیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں اور نہ ہم نے ان کے پاس آپ سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا بھیجا پھر یہ آپ کو کس طرح جھٹلاتے ہیں، اور ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی اور انہیں جو کچھ ہم نے دے رکھا تھا یہ تو اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے یعنی قوت اور درازی عمر اور کثرت مال میں بس ان لوگوں نے ان کی طرف بھیجے ہوئے میرے رسولوں کو جھٹلایا (پھر دیکھ) ان پر سزا اور ہلاکت کے اعتبار سے میرا عذاب کیسا رہا؟ یعنی وہ برموقع واقع ہوا۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْبِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِيْ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرَّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَى، وَمَا أَمْوَالُكُمْ جملہ متانفہ ہے، ماضی کی تحقیق و تقریر کے لئے لایا گیا ہے، ما مشابہ بلیس ہے، اموالکم اپنے معطوف کے ساتھ اس کا اسم ہے، بالتی موصول صلہ سے مل کر اموال و اولاد کی صفت ہے اگرچہ موصوف صفت میں بظاہر مطابقت نہیں ہے مگر چونکہ جمع تکسیر خواہ ذوی العقول کی ہو یا غیر ذوی العقول کی واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے، اس اعتبار سے موصوف و صفت میں مطابقت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بالتی موصوف محذوف کی صفت ہو، تقدیر عبارت یہ ہو بالاحوال الَّتِي تُقَرَّبُكُمْ مفسر علام نے زُلْفَى کی تفسیر قُرْبَى سے کر کے اشارہ کر دیا کہ زُلْفَى، تُقَرَّبُكُمْ کا مفعول مطلق بغیر لفظ ہے ای تُقَرَّبُكُمْ تَقَرَّبًا۔

قَوْلُهُ: أُولَئِكَ اِسْمُ اِشَارَةٍ مُّبْتَدَاً ہے اور اُولَئِكَ جمع مَنْ کے معنی کے اعتبار سے ہے، دونوں فعلوں کو مَنْ کے لفظ کی رعایت سے مفرد لائے ہیں۔

قَوْلُهُ: لَهُمْ خَبْرٌ مُّقَدَّمٌ اور جزاء الضعف مبتداء مؤخر، جملہ اسمیہ ہو کر اُولَئِكَ مبتداء کی خبر ہے اور جزاء الضعف اضافت الموصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے ای لهم الجزاء المضاعف ایک قراءت میں الْغُرْفَةُ ہے الف لام جنس کا ہونے کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے۔

قَوْلُهُ: مُقَدِّرِينَ عِزَّنَا اِیْ مُعْتَقِدِينَ اِنَّا عَاجِزُونَ فَلَا نَقْدِرُ عَلَيْهِمْ۔
قَوْلُهُ: قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ الْخ اس آیت کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آیت مکرر ہے اور ماقبل کی تاکید کے لئے ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آیت اول کی غیر ہے، اول اشخاص متعدده کے لئے ہے یعنی کسی

کی روزی کشادہ اور کسی کی تنگ کرتا ہے اور یہ آیت شخص واحد کے لئے ہے یعنی ایک ہی شخص کی روزی ایک وقت میں کشادہ کرتا ہے اور اسی شخص کی دوسرے وقت میں تنگ کر دیتا ہے۔

قَوْلًا: فَهُوَ يُخْلِفُهُ یعنی اللہ تعالیٰ راہ خدا میں خرچ کئے ہوئے کا بدل اور عوض عطا فرما دیتا ہے۔

قَوْلًا: يَقَالُ كُلُّ إِنْسَانٍ يَرْزُقُ عَائِلَتَهُ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: سوال یہ ہے کہ رازقین کو جمع لایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے رازق کثیر ہیں حالانکہ رازق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

جَوَاب: حقیقی رازق تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں چونکہ بندہ بظاہر خدا کے عطا کردہ رزق میں سے اپنے اہل و عیال، نوکر چاکروں کو رزق دیتا ہے اس لئے مجازاً بندہ کو بھی رازق کہہ دیا جاتا ہے، اسی وجہ سے بندہ کو رازق کہہ سکتے ہیں مگر رزاق نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ یہ اسماء حسنیٰ مختصہ میں سے ہے۔

قَوْلًا: أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ، اکثر ہم مبتداء مؤمنون اس کی خبر بہم، مؤمنون سے متعلق ہے اور اکثر سے مراد کل ہیں۔

قَوْلًا: نَقُولُ كَاعْطِفْ لَا يَمْلِكُ پر ہے۔

قَوْلًا: وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا یہاں ضمیر لانا بھی کافی ہو سکتا تھا، اس لئے کہ کفار و مشرکین کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے، یعنی **قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا** کے بجائے **وَقَالُوا** کہتے مگر چونکہ اس میں ان کی صفت کفر کو ظاہر کرنے کی وجہ سے قباحت و شاعت زیادہ ہے، اس لئے اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر استعمال کیا ہے۔

قَوْلًا: الْمِعْشَارِ دسواں حصہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ دسویں کا دسواں یعنی سواں حصہ، مقصد تحدید نہیں ہے بلکہ بیان قلت ہے اگر فکذبوا رُسُلِي كَاعْطِفْ كَذَبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ پر ہو تو **مَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ** معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

دنیا کی دولت و عزت کو مقبولیت عند اللہ کی دلیل سمجھنا قدیم شیطانی فریب ہے:

ابتداء دنیا سے دنیا کی دولت اور عیش و عشرت کے نشہ میں مخمور رہنے والوں نے ہمیشہ حق کی آواز کی مخالفت اور انبیاء و صلحاء سے عداوت کا طریقہ اختیار کیا ہے، الا ماشاء اللہ اور اس پر طرہ یہ کہ وہ اہل حق کے مقابلہ میں اپنی موجودہ حالت پر خوش اور مطمئن ہونے کی یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اگر ہمارے اعمال و عادات اللہ کو پسند نہ ہوتے تو ہمیں دنیا کی دولت، عزت، حکومت کیوں دیتے، قرآن کریم نے اس کا جواب متعدد آیات میں متعدد عنوانات سے دیا ہے، آیات مذکورہ کا نزول بھی اسی طرح کے ایک واقعہ سے متعلق ہے اور اس لغو دلیل کا جواب ہے۔

شان نزول:

حدیث میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دو شخص ایک کاروبار میں شریک تھے، ان میں سے ایک دوسری جگہ کسی ساحلی علاقہ میں چلا گیا، جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے، آپ کی نبوت و رسالت کا چرچا ہوا تو ساحلی ساتھی نے مکی ساتھی کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ ان کے دعوائے نبوت کا تم لوگوں نے کیا اثر لیا، اس پر مکی ساتھی نے جواب لکھا کہ قریش میں سے تو کوئی بھی ان کا تابع نہیں ہوا، صرف غریب مسکین بے حیثیت لوگ ان کے پیچھے لگے ہیں، ساحلی ساتھی وہاں کی اپنی تجارت چھوڑ کر مکہ آیا، اور اپنے ساتھی سے کہا مجھے اس کا پتہ بتادو، یہ ساحلی ساتھی کتب قدیمہ توریت انجیل وغیرہ کا مطالعہ کیا کرتا تھا، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں، آپ نے دعوت اسلام کے اہم اجزاء کا ذکر فرمایا، اس شخص نے آپ کی زبان مبارک سے دعوت کے اجزاء سنتے ہی کہا اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اس نے عرض کیا آپ کی دعوت کا حق ہونا عقل سے سمجھا، اور اس کی علامت یہ دیکھی کہ جتنے انبیاء ﷺ پہلے آئے ہیں سب کے ماننے والے ابتداء میں قوم کے غریب و فقیر اور دنیا کے اعتبار سے کم حیثیت ہوئے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی مَا اَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ (الآیۃ)

خلاصہ یہ کہ یہ مال و دولت اس کی دلیل نہیں ہے کہ ہمیں تم سے محبت ہے اور ہماری بارگاہ میں تمہیں خاص مقام حاصل ہے، ہماری محبت اور قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تو صرف ایمان و عمل صالح ہے، جس طرح حدیث میں فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری شکلیں اور مال نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب البر)

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ مال کی کثرت اور فراوانی مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں تو اللہ تعالیٰ کبھی کافر کو بھی خوب مال دیتا ہے، لیکن یہ استدراج (ڈھیل) کے طور پر ہوتا ہے، اور کبھی مومن کو تنگ دست رکھتا ہے، مگر اس کے اجر و ثواب میں اضافہ کرنے کے لئے، اس لئے محض مال کی فراوانی اس کی رضا اور خوشنودی کی اور مال کی کمی تنگی کی دلیل نہیں ہے۔

”اخلاف“ کے معنی ہیں عوض اور بدلہ دینا، یہ بدلہ دنیا میں بھی ممکن ہے اور آخرت میں تو یقینی ہے، حدیث قدسی میں ہے اَنْفِقْ اَنْفِقْ عَلَيْكَ (صحیح بخاری سورہ ہود) تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا، یعنی بدلہ دوں گا، دو فرشتے ہر روز اعلان کرتے ہیں، ایک کہتا ہے اللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلْفًا یا اللہ بخیل کے مال کو ضائع کر دے، دوسرا کہتا ہے اللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلْفًا اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا کر۔ (بخاری، کتاب الزکوٰۃ)

جو خرچ شریعت کے مطابق نہ ہو اس کے بدل کا وعدہ نہیں:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نیک کام صدقہ ہے اور کوئی آدمی جو اپنے نفس پر یا اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ کے حکم میں ہے، اور جو شخص کچھ خرچ کر کے اپنی آبرو بچائے وہ بھی صدقہ ہے، اور جو شخص

اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ذمہ لے لیا ہے کہ اس کا بدل اس کو دے گا، مگر وہ خرچ جو فضول (ضرورت سے زائد) ہو یا کسی گناہ کے کام میں ہو اس کے بدل کا وعدہ نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ابن المنکدر نے یہ حدیث سن کر ان سے پوچھا کہ آپ رو بچانے کے لئے خرچ کا کیا مطالب ہے؟ جواب دیا کہ جس شخص کے بارے میں یہ خیال ہو کہ اگر نہیں دیں گے تو عیب جوئی کرے گا برا کہتا پھرے گا یا بد گوئی کرے گا۔ (دارقطنی، قرطبی بحوالہ معارف)

وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ يَكْفَرُونَ تَنْبِيْهِ كِي جَارِي هِيَ كِه تَم لِي اَنكَار وَتَكْذِيب كَا جَوْرَا سْتِ اَخْتِيَار كِيَا هِي وَه نِهَايْت خَطَر نَاك هِي تَم سِي كِي كِي اَمْتِي سِي هِي اَس رَا سْتِ پَر چَل كَر تَبَا وِ بَر بَاد وَ بَو چَلِي تِي سِي، حَالَا نَا كِه يِه اَمْتِي سِي مَال وَ دَوْلَت، قُوْت وَ طَا قَت اَو ر عَم ر كِي لِحَا ظ سِي تَم سِي بَر ه كَر تِهِي سِي، تَم تَوَا ن كِي دَسُو ي حَصَّ كُو بَهِي نِهِي سِي پَنجِي، لِي كِن اَس كِي بَا وِ جُو د وَ ه اللّٰه كِي عَذَاب سِي نِهِي سِي بَج سِي كِي سِي، اَسِي مُضْمُون كُو سُوْرَة اَحْقَاف كِي آيْت ۲۶ مِي سِي بِيَا ن فر مَا يِه۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۖ هِيَ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ ائِثْمًا مِثْلِي ۖ ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۖ وَفَرَادَى ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۖ وَفَرَادَى ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۖ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا ۚ فَتَعْلَمُوا مَا بِصَاحِبِكُمْ ۚ مُحَمَّدٌ مِّنْ جِبْرِائِلَ ۚ إِنَّ مَا هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيَّ ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ فِي الْآخِرَةِ ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ قُلْ لِّسْمِي مَآ سَأَلْتُكُمْ عَلَى الْإِنذَارِ وَالتَّيْلِي ۚ مِّنْ أَجْرِ فَهُوَ لَكُمْ ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِي ۖ مَا تَوَاصَى ۖ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۚ مُطْلَعٌ يَعْلَمُ مَسْأَلِي ۚ قُلْ إِنْ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ يُلْقِيهِ ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ عَلَامُ الْغُيُوبِ ۚ مَا غَابَ عَنْ خَلْقِهِ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ ۚ الْإِسْلَامُ ۚ وَمَا يُبْدِي الْبَاطِلُ الْكُفْرَ ۚ وَمَا يُعِيدُ ۚ ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ لَمْ يَبْقَ لَهُ أَثَرٌ ۚ قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ عَنْ الْحَقِّ ۚ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَى نَفْسِي ۚ ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ وَإِنْ اهْتَدَيْتُ فِيمَا يُؤْتِي إِلَى رَبِّي ۚ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّهُ سَمِيعٌ ۚ بَصِيرٌ ۚ قَرِيبٌ ۚ وَلَوْ تَرَى ۚ يَا مُحَمَّدُ ۚ إِذْ قَرَعُوا عِنْدَ النَّبْعِ لَرَأَيْتَ أَمْرًا عَظِيمًا ۚ فَلَا قُوَّةَ لَهُمْ مِنَّا ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ يَفُوتُونَنَا ۚ وَأُخِذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۚ ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ قَالُوا أَمَّا بَعْضُ ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ وَآلِي لَهُمُ التَّنَافُسُ ۚ بِالنَّوَا ۚ وَبِالْمَمَرِ ۚ بَدَلَهَا ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ تَسْأَلُ الْإِيمَانَ ۚ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۚ عَنْ مَّخْبَأِهِمْ فِي الْآخِرَةِ وَمَخْلُةِ الدُّنْيَا ۚ وَقَدْ كَفَرُوا بِهِمْ مِنْ قَبْلُ ۚ فِي الدُّنْيَا وَيَقْذِفُونَ ۚ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۚ ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ بِمَا غَابَ عَنْهُمْ غَيْبٌ ۚ بَعِيدٌ ۚ حَيْثُ قَالُوا فِي النَّبِيِّ سَاحِرٌ شَاعِرٌ كَاذِبٌ ۚ وَفِي الْقُرْآنِ سِحْرٌ مُّغَرٌّ كَهَانَةٌ ۚ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ ۚ مِنَ الْإِيمَانِ ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ كَمَا فَعَلَ بِأَشْيَاعِهِمْ أَشْبَاهَهُمْ فِي الْكُفْرِ ۚ مِنْ قَبْلُ ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ۚ نُوْقِعُ الْرَيْبَ بِهِمْ لِيَمَّا ائِثْمِي ائِثْمِي ائِثْمِي ۚ لَمْ نَعْلَمْ وَابْدَلْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۚ

ترجمہ: آپ کہتے ہیں کہ میں تمہیں صرف ایک (مختصری) بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم خدا کے واسطے (ضد چھوڑ کر) دو دو یا تنہا تنہا کھڑے (مستعد) ہو جاؤ، پھر سوچو تو تم سمجھ جاؤ گے کہ تمہارے ساتھی محمد کو کوئی جنون نہیں وہ تو تم کو آخرت کے ایک سخت عذاب سے اس کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے اگر تم اس کی بات نہ مانو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم کو آگاہ کرنے اور تبلیغ پر تم سے جو معاوضہ طلب کروں وہ تم ہی کو مبارک ہو یعنی میں اس انذار و تبلیغ پر تم سے کوئی صلہ طلب نہیں کرتا، میرا صلہ تو اللہ ہی کے ذمہ ہے وہ ہر چیز سے باخبر ہے میری صداقت سے واقف ہے آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب حق بات اپنے نبیوں پر نازل کرتا ہے آسمانوں اور زمینوں میں جو شئی اس کی مخلوق میں سے مخفی ہے اس مخفی شئی کو جاننے والا ہے، آپ کہہ دیجئے حق اسلام آگیا اور باطل کفر نہ تو پہلے کچھ (اثر) کر سکا اور نہ بعد میں اس کا کچھ اثر رہے گا، آپ کہہ دیجئے اگر میں (خدا نخواستہ) حق سے بہک جاؤں تو میرے بہکنے کا وبال میرے ہی اوپر ہوگا اور اگر میں ہدایت پر رہوں تو یہ اس قرآن و حکمت کی وجہ سے ہے جو میرا رب میرے پاس بذریعہ وحی بھیج رہا ہے، وہ دعاء کو سننے والا اور (مجھ سے) قریب ہے اے محمد آپ وہ وقت ملاحظہ کریں جبکہ بعثت کے وقت وہ (کافر) گھبرائے پھریں گے تو آپ ایک بڑا ہولناک منظر دیکھیں گے، تو پھر ان کے لئے چھٹکارا نہیں یعنی ہماری گرفت سے بھاگ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی یعنی قبروں ہی سے گرفتار کر لئے جائیں گے (اس وقت) کہیں گے ہم اس پر یعنی محمد یا قرآن پر ایمان لائے اتنی دور سے ان کے لئے (ایمان) ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے؟ التَّنَاوُشُ واؤ کے ساتھ اور واؤ کے عوض ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی ایمان حاصل ہونا (کہاں ممکن ہے؟) اس لئے کہ وہ (اب) عالم آخرت میں ہیں، اور ایمان کا محل دنیا ہے، حالانکہ اس سے پہلے دنیا میں اس کا انکار کر چکے ہیں اور دور ہی دور سے بے تحقیق (اندازے اور اٹکل سے) باتیں ہانکتے رہے یعنی ایسی باتیں کرتے رہے کہ جن کے علم سے وہ کوسوں دور تھے، اس طریقہ پر کہ انہوں نے نبی ﷺ کے بارے میں (کبھی) ساحر کہا (کبھی) شاعر کہا، اور (کبھی) کاہن کہا، اور قرآن کے بارے میں (کبھی) سحر کہا (کبھی) شعر کہا (اور کبھی) کہانت کہا، ان کے اور ان کی ایمان کی آرزوں کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا یعنی قبولیت ایمان کے درمیان جیسا کہ اس سے پہلے بھی کفر میں ان کے ہم مشربوں کے ساتھ کیا گیا وہ بھی ان ہی کی طرح تردد میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے تھے جس بات پر اب ایمان لائے ہیں، اس کے بارے میں شک میں ڈالنے والے تردد میں پڑے رہے، حالانکہ دنیا میں اس ایمان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

تحقیق و ترمیم تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: بِوَاحِدَةٍ يَه موصوف محذوف کی صفت ہے اِی بِخَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ اور حذف پر قرینہ اَنْ تَقُومُوا لِلّٰہِ ہے اَنْ تَقُومُوا بتاویل مصدر ہو کر ہی مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ شارح نے ہی محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے اور اَنْ تَقُومُوا

بتاویل مصدر ہو کر بواجِدۃ کا عطف بیان یا بدل ہے ان دونوں صورتوں میں اَنْ تَقُوْمُوْا محلاً مجرور ہوگا۔

قَوْلًا: ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا۔ ثمر حرف عطف برائے تاخیر و ترتیب ہے اور تَتَفَكَّرُوْا کا عطف اَنْ تَقُوْمُوْا پر ہے اور مشنی وفرادی حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں، بِصَاحِبِکُمْ خبر مقدم مِنْ جَنَّةٍ مبتداء مؤخر محلاً مرفوع اور لفظاً مجرور ہے مِنْ زائد ہے۔

قَوْلًا: مَا سَأَلْتُکُمْ مِنْ اَجْرِ فَهُوَ لَکُمْ مَاشَرِطِہ سَأَلْتُکُمْ کا مفعول ثانی مقدم ہے اور مِنْ اَجْرِ، ما کا بیان ہے اور فَهُوَ لَکُمْ جواب شرط ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ما موصول مبتداء ہو اور فَهُوَ لَکُمْ اس کی خبر ہو اور موصول چونکہ متضمن بمعنی شرط ہے اس لئے فَهُوَ پر فارابطہ کے لئے ہے، اِنْ اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی اللّٰهِ اس بات پر دال ہے کہ آپ نے انذار و تبلیغ کے عوض کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا۔

قَوْلًا: یَقْذِفُ بِالْحَقِّ۔ یَقْذِفُ کا مفعول محذوف ہے اِی یَقْذِفُ الْبَاطِلَ بِالْحَقِّ، دوسری ترکیب، جس کی طرف شارح رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے اشارہ کیا ہے یہ ہو سکتی ہے کہ با ملا بست کے لئے ہو اور مفعول محذوف ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی یَقْذِفُ الْوَحٰی اِلٰی اَنْبِیَآئِہٖ مُتَلَبَّسًا بِالْحَقِّ۔

قَوْلًا: عَلَامُ الْغُیُوبِ۔ اِنَّ کی خبر ثانی ہے یا هُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور یَقْذِفُ کی ضمیر سے بدل بھی ہو سکتا ہے۔
قَوْلًا: مَا غَابَ عَنْ خَلْقِہ اللہ تعالیٰ مغیبات کا بخوبی جاننے والا ہے، مَا غَابَ پر مغیبات کا اطلاق مخلوق کے اعتبار سے ہے اور اس کے نزدیک ماضی حال سب مشاہد ہے، اسی سوال مقدر کے جواب کے لئے شارح رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے مَا غَابَ عَنْ خَلْقِہ کا اضافہ کیا ہے۔

قَوْلًا: فَبِمَا یُوحٰی اِلٰی رَبِّیْ مَا مَصْدَرِیہ بھی ہو سکتا ہے اور بِاَسْمِیہ ہے اِی بِسَبَبِ اِنْحِصَارِ رَبِّیْ اِلٰی اور موصولہ بھی ہو سکتا ہے اِی بِسَبَبِ الَّذِیْ یُوحٰیہ اِلٰی۔

قَوْلًا: وَلَوْ تَرٰی اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ تَرٰی کا مفعول محذوف ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی، لَوْ تَرٰی حَالَهُمْ وَفَتَفَرَّعَهُمْ۔

قَوْلًا: لَرَأٰیْتَ اَمْرًا عَظِیْمًا مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ لَوْ کا جواب شرط محذوف ہے۔
قَوْلًا: تَنَآوَشُ اس میں دو قراءتیں ہیں واو پر ضمہ کے ساتھ اور واؤ کو ہمزہ سے بدل کر تنآوش بروزن تفاعل ناش ینوش (ن) نوشا لینا، پکڑنا۔

قَوْلًا: وَقَدْ کَفَرُوْا یہ جملہ حالیہ ہے حال یہ ہے کہ وہ دنیا میں کفر کر چکے ہیں۔
قَوْلًا: وَیَقْذِفُوْنَ بِالْغِیْبِ اس کا عطف حکایت حال ماضیہ کے طور پر قد کَفَرُوْا پر ہے۔
قَوْلًا: بِاَشْبَاعِہُمْ اِی اَشْبَآہِہُمْ فِی الْکُفْرِ۔ اَشْبَاعٌ شِیْعٌ کی اور شِیْعٌ شِیْعَةٌ کی جمع ہے اس طرح اَشْبَاعٌ شِیْعَةٌ کی جمع الجمع ہے۔

قَوْلًا: وَحِيلَ فعل ماضی مجہول، استقبال کے معنی میں ہے ماضی سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے استقبال بھی حاصل کے معنی میں ہے، ظرف نائب فاعل ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ نائب فاعل وہ ضمیر ہے جو فعل سے مفہوم مصدر کی طرف راجع ہے، گائے قیل وحیل ہو، ای الحول اور ظرف حیل کے متعلق ہے۔

قَوْلًا: وَمِنْ قَبْلُ یہ اشیاء کی صفت ہے۔

قَوْلًا: وَلَمْ يَعْتَدُوا. آمَنُوا کی ضمیر سے حال ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

کفار مکہ کو دعوت:

اس میں اہل مکہ پر حجت تمام کرنے کے لئے تحقیق حق کا مختصر راستہ بتلایا گیا ہے، کہ صرف ایک کام کر لو کہ ضد اور عناد چھوڑ کر خالی الذہن ہو کر اخلاص کے ساتھ دودو یا ایک ایک کھڑے ہو جاؤ یعنی پورے اہتمام کے ساتھ مستعد اور تیار ہو جاؤ، اور دودو اور ایک ایک سے مقصد متحد نہ ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی چیز میں غور و فکر کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک تو خلوت و تنہائی میں خود غور کرنا دوسرے اپنے احباب و اکابر سے مشورہ اور باہم بحث و تمحیص کے بعد کسی نتیجے پر پہنچنا، ان دونوں طریقوں کو یا ان میں سے جو پسند ہو اسے اختیار کرو ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا اس کا عطف اَنْ تَقْوُمُوا پر ہے جس میں قیام کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے، یعنی علائق و موانع کو ترک کر کے خالی الذہن ہو کر اللہ کے لئے اس کام کے لئے تیار ہو جاؤ اور غور کرو اور میری بابت سوچو کہ میری زندگی تمہارے اندر گزری ہے کیا اس میں کوئی اخلاقی، معاشرتی، یا معاملاتی کسی قسم کی کمزوری ہے اور اب بھی جو دعوت میں تمہیں دے رہا ہوں، کیا اس میں کوئی ایسی بات ہے کہ جس سے اس بات کی نشاندہی ہو کہ میرے اندر دیوانگی ہے؟ تم اگر عصبیت اور خواہش نفس سے بالا ہو کر سوچو گے تو یقیناً تم سمجھ جاؤ گے کہ تمہارے رفیق کے اندر کوئی دیوانگی نہیں ہے قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ یعنی میں تم سے اپنی محنت کا کچھ صلہ نہیں چاہتا، اگر تمہارے خیال میں کچھ معاوضہ طلب کیا ہو وہ سب تم اپنے پاس رکھو، مجھے ضرورت نہیں میرا صلہ تو خدا کے یہاں ہے، تم سے جو چیز طلب کرتا ہوں یعنی ایمان و اسلام وہ صرف تمہارے نفع کے لئے ہے اس سے زائد میری کوئی غرض نہیں، اس میں اپنے فائدہ کے لئے کسی بھی چیز کی طلب کی نفی ہے بلکہ مقصود تمہارا ہی دنیوی و اخروی فائدہ ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی مشفق باپ اپنے بیٹوں کو جمع کر کے کہے کہ دیکھو میرے بیٹو مجھے تم سے کچھ نہیں چاہئے، سوائے اس کے کہ تم متحد و متفق ہو کر رہو، خوب بھلو پھلو، اب ظاہر ہے کہ اس اتحاد و اتفاق میں بیٹوں ہی کا فائدہ ہے۔

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ (الآیۃ) حق سے مراد قرآن اور باطل سے مراد کفر و شرک ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ کا دین اور اس کا قرآن آگیا جس سے باطل مضحل اور ختم ہو گیا، اب وہ سراٹھانے کے قابل نہیں رہا، سورۃ انبیاء میں فرمایا بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ حدیث میں آتا ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل

ہوئے، چاروں طرف بت نصب تھے، آپ ﷺ کمان کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ پڑھتے جاتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد)

قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ (الآیۃ) یعنی سب بھلائی اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو وحی اور حق مبین نازل فرمایا ہے اس میں رشد و ہدایت ہے، پس جو گمراہ ہوتا ہے تو اس میں انسان کی خود اپنی ہی کوتاہی اور ہوائے نفس کا دخل ہوتا ہے، اس لئے اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی سائل کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ بیان فرماتے تو ساتھ کہتے أَقُولُ فِيهَا بَرَأَنِي فَإِنْ يَكُنْ صَوَابًا فَمِنْ اللَّهِ وَإِنْ يَكُنْ خَطَأً فَمِنْنِي وَمِنْ الشَّيْطَانِ وَاللَّهِ وَرَسُولُهُ بریدان منہ (ابن کثیر) یعنی اگر میں نے یہ ڈھونگ خود کھڑا کیا ہے تو کتنے دن چلے گا، اس میں آخر میرا ہی نقصان ہے، دنیا کی عداوت مول لینا، ذلت اٹھانا، اور آخرت کی رسوائی قبول کرنا (العیاذ باللہ) لیکن اگر میں سیدھے راستہ پر ہوں جیسا کہ واقعی ہوں تو سمجھ لو کہ یہ سب اللہ کی تائید و امداد اور وحی الہی کی برکت و ہدایت سے ہے جو کسی وقت میرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی، میرا خدا سب کچھ سنتا ہے اور بالکل نزدیک ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَرَغُوا یعنی یہ کفار یہاں ڈٹ گئے مارتے ہیں مگر وہ وقت عجیب قابل دید ہوگا جب یہ لوگ محشر کا ہولناک منظر دیکھ کر گھبرائیں گے، اور کہیں بھاگ نہ سکیں گے، اس وقت گرفتاری کے لئے کہیں دور سے ان کو تلاش کرنا نہیں پڑے گا، بلکہ نہایت آسانی سے فوراً جہاں کے تہاں گرفتار کر لئے جائیں گے۔

جب محشر میں گرفتار کر لئے جائیں گے، تو کہیں گے ہمیں پیغمبر کی باتوں پر یقین آ گیا، اب ہم ایمان لاتے ہیں حالانکہ اب ایمان کیسا؟ وہ موقع دور گیا جب ایمان لا کر خود کو بچا سکتے تھے، اب ان کا ہاتھ اتنی دور کہاں پہنچ سکتا ہے کہ جو دنیا سے ایمان اٹھا لائیں، مطلب یہ ہے کہ یہ اب دنیا سے بہت دور جا چکے ہیں، ایمان تو وہی معتبر ہے جو دنیا میں غائبانہ حاصل ہو، آخرت میں تو آنکھوں سے دیکھ کر بڑے سے بڑے کافر کو بھی یقین آ جائے گا اس میں کیا کمال ہے۔

یعنی دنیا میں جب ایمان لانے کا وقت تھا انکار پر تلے رہے، اور یوں ہی انکل کے تیر چلاتے رہے دنیا میں رہ کر ہمیشہ بے تحقیق باتیں کیں، سچی اور تحقیقی باتوں سے انکار کرتے رہے:

اب پچھتائے کیا ہوتا ہے، جب چڑیاں چک گئیں کھیت وَحَبْلَ بَيْنَهُمْ (الآیۃ) یعنی آخرت میں ان کی چاہتوں اور ان کے درمیان پردہ (آڑ) حائل کر دی جائے گی مثلاً آخرت میں وہ چاہیں گے کہ ان کا ایمان قبول کر لیا جائے یا عذاب سے ان کو نجات حاصل ہو جائے ان کی کوئی خواہش پوری نہیں کی جائے گی، اور اس قماش کے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، جیسا معاملہ ان کے ساتھ کیا گیا تھا، ان سے بھی ہوا کیونکہ وہ لوگ بھی ایسے ہی مہمل شبہات اور بیجا شک و تردید میں گھرے ہوئے تھے، جو کسی طرح ان کو چین نہیں لینے دیتا تھا۔ (فوائد عثمانی)

سُورَةُ الْفَاطِرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ اَرْبَعُونَ آيَةً وَخَمْسُ اَلْفِ كَوْنًا

سُورَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ اَوْ سِتُّ وَاَرْبَعُونَ آيَةً.

سورہ فاطر کی ہے، اور وہ پینتالیس (۲۵) یا چھیالیس (۲۶) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدُ تَعَالَى نَفْسُهُ بِذَلِكَ كَمَا بُيِّنَ فِي أَوَّلِ سَبَإٍ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خَالِقُهُمَا عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ جَاعِلِ الْمَلَكَةِ رُسُلًا إِلَى الْأَنْبِيَاءِ أُولَى أَجْنَعَةٍ مَشْنَى وَتِلْكَ أَوَّلُ مَا يُزِيدُ فِي الْخَلْقِ فِي الْمَلَكَةِ وَغَيْرِهَا مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ كَرِزِقٍ وَمَطَرٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ مِنْ ذَلِكَ فَلَا مُمْسِكَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَيْ بَعْدَ اسْتِصَاكِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَالِبُ عَلَى أَمْرِهِ الْحَكِيمُ ۝ فِي فِعْلِهِ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَيْ أَهْلَ مَكَّةَ أَذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ بِإِسْكَانِكُمْ الْحَرَمَ وَمَنْعِ الْغَارَاتِ عَنْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ مِنْ زَائِدَةٍ وَخَالِقٍ مُبْتَدَأٍ غَيْرَ اللَّهِ بِالرَّفْعِ وَالْجَرِّ نَعْتَ لِخَالِقٍ لَفْظًا وَمَخْلًا وَخَيْرُ الْمُبْتَدَأِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ الْمَطَرَ وَمِنَ الْأَرْضِ النَّبَاتَ وَالْإِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ أَيْ لَا خَالِقَ رَازِقَ غَيْرُهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَإِنِّي تُؤَفِّكُونَ ۝ مِنْ أَيْنَ تُصْرَفُونَ عَنْ تَوْحِيدِهِ مَعَ إِقْرَارِكُمْ بِأَنَّهُ الْخَالِقُ الرَّازِقُ وَإِنِّي يُكَذِّبُوكَ يَا مُحَمَّدُ فِي مَجِيئِكَ بِالتَّوْحِيدِ وَالتَّبَعِ وَالْحِسَابِ وَالْعِقَابِ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ فِي ذَلِكَ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوا وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ فِي الْآخِرَةِ فَيُجَازِي الْمُكَذِّبِينَ وَيَنْصُرُ الْمُرْسَلِينَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ بِالْبَعْثِ وَغَيْرِهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا عَنِ الْإِيمَانِ بِذَلِكَ وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ بِاللَّهِ فِي حِلْمِهِ وَإِسْمَالِهِ الْغُرُورُ ۝ الشَّيْطَانُ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوا عَدُوًّا بَطَاعَةَ اللَّهِ وَلَا تُطِيعُوهُ إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ اتَّبَاعَهُ فِي الْكُفْرِ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ النَّارِ الشَّدِيدَةِ الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ فَهَذَا بَيَانُ مَا لِمُؤَافِقِي الشَّيْطَانِ وَمَا لِمُخَالَفِيهِ.

تَرْجُمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے، تمام تعریفوں کا سزاوار وہ اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا کسی سابقہ نمونہ کے بغیر پیدا کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مضمون سے اپنی حمد بیان فرمائی ہے،

جیسا کہ سورہ سبا کے شروع میں بیان کیا گیا تھا اور جو فرشتوں کو انبیاء کی جانب پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دودو تین تین چار چار پر ہیں اور وہ ملائکہ کی تخلیق میں جو چاہے اضافہ کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ یقیناً ہر شئی پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے جو رحمت مثلاً رزق اور بارش کھول دے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور ان میں سے جس کو بند کر دے اس کے بند کرنے کے بعد اس کا کوئی کھولنے والا نہیں وہ اپنے حکم پر غالب اور اپنے فعل میں حکمت والا ہے اے لوگو! یعنی مکہ والو! تم اپنے اوپر اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو جو تم کو حرم میں سکونت دیکر اور تم کو غارت گری سے محفوظ رکھ کر تمہارے اوپر کی ہیں کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے؟ یہ من زائدہ ہے، اور خالق مبتداء اور غیر اللہ رفع و جر کے ساتھ، خالق کی لفظاً اور محلاً صفت ہے اور مبتداء کی خبر یَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ ہے، جو تم کو آسمان یعنی بارش کے ذریعہ اور زمین یعنی نباتات کے ذریعہ روزی پہنچائے؟ استفہام تقریری ہے یعنی اس کے سوا کوئی خالق و رازق نہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم کہاں لے جا رہے ہو؟ یعنی اس کی توحید کو چھوڑ کر، تمہارے اس اقرار کے باوجود کہ وہی خالق و رازق ہے (شرک کر کے) کہاں لے چلے جا رہے ہو اور اے محمد اگر یہ لوگ آپ کو توحید اور بعث اور حساب اور عقاب کے بارے میں جھٹلا رہے ہیں تو اسی معاملہ میں آپ سے پہلے رسولوں کی تکذیب کی جا چکی ہے، لہذا آپ صبر کریں جیسا کہ انہوں نے صبر کیا اور آخرت میں تمام امور اللہ ہی کے روبرو پیش کئے جائیں گے، چنانچہ تکذیب کرنے والوں کو سزا دے گا اور رسولوں کی مدد کرے گا، اے لوگو! اللہ کا بعث وغیرہ کا وعدہ سچا ہے سو ایسا نہ ہو کہ اس وعدہ پر ایمان لانے سے دنیوی زندگی تم کو دھوکے میں ڈالے رکھے اور ایسا نہ ہو کہ دھوکے باز (شیطان) تم کو اللہ تعالیٰ کے حلم اور مہلت دینے کے بارے میں دھوکے میں ڈالے رکھے، (یاد رکھو) شیطان تمہارا دشمن ہے، لہذا اللہ کی اطاعت کر کے اس کو اپنا دشمن سمجھو اور اس کی اطاعت نہ کرو، وہ تو اپنی جماعت کو (یعنی) کفر میں اس کی اتباع کرنے والی جماعت کو اسی لئے بلاتا ہے کہ وہ دوزخیوں میں سے ہو جائیں جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے سخت سزا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے، اور یہ اس (سزا و جزاء) کا بیان ہے جو شیطان کے موافقین و مخالفین کے لئے ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

سورہ فاطر کا دوسرا نام سورہ ملائکہ بھی ہے:

قَوْلًا: فاطر السموات ای خالقها علی غیر مثال، فطر کے اصلی معنی مطلقاً شق کے ہیں (ن) وعن مجاهد عن ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا مَا كُنْتُ اَدْرِى مَا فَاطَرُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ حَتَّى اخْتَصَمْتُ اِلَى اَعْرَابِیَانِ فِی بَدْرٍ فَقَالَ احَدُهُمَا، اَنَا فَطَرْتُهَا اِیْ اِبْتَدَأْتُهَا وَاِبْتَدَعْتُهَا.

سوال: فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ میں اضافت لفظی ہے، لہذا یہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، حالانکہ یہ جملہ، لفظ اللہ کی صفت واقع ہو رہا ہے، جو کہ معروف ہے۔

جواب: چونکہ فاطر فعل ماضی کے معنی میں ہے جس کی وجہ سے یہ اضافت معنوی ہے لہذا اللہ کی صفت واقع ہونا درست ہے۔
قَوْلُ: جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ یہ لفظ اللہ کی دوسری صفت ہے۔

قَوْلُهُ: جَاعِلُ الْمَلَائِكَةِ يَه لَفْظُ اللَّهِ كِي دُوسَرِي صَفْت هِي۔

سُئَالٌ: جاعِلُ ماضی کے معنی میں ہے یا حال و استقبال کے؟ اگر ماضی کے معنی میں ہے تو اس کا عامل ہونا درست نہیں حالانکہ یہ رُسُلًا میں عامل ہے اور اگر حال یا استقبال کے معنی میں ہے تو یہ اضافت لفظیہ ہے جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، اس صورت میں لفظ اللہ کی صفت بنانا درست نہیں ہے۔

جواب: یہاں جماعاً استمرار کے معنی میں ہے لہذا ماضی کے معنی میں ہونے کی وجہ سے اضافت معنوی ہوگی اور تعریف کا فائدہ دے گی، جس کی وجہ سے لفظ اللہ کی صفت بننا درست ہوگا، اور چونکہ حال اور استقبال کے معنی میں بھی ہے، لہذا اس کا عامل ہونا بھی درست ہوگا، اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا۔

قَوْلٌ: اُولٰٓئِیْہِیَ یہ حالت نصی اور جری میں ہے حالت رفعی میں اُولُو استعمال ہوتا ہے بمعنی والے یہ جمع ہی کے معنی میں مستعمل ہے اس کا واحد نہیں آتا اور بعض حضرات نے اس کا واحد ذُو بیان کیا ہے۔

قَوْلًا: اُولٰٓئِیْ اَجْنَحَہٗ یہ جناح کی جمع ہے اس کے معنی پردار بازو، یہ رُسُلًا کی صفت ہے دونوں چونکہ لفظ کے اعتبار سے نکرہ ہیں اس لئے مطابقت بھی موجود ہے، مگر اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بازوؤں کا ہونا ان فرشتوں کے لئے خاص ہے جو انبیاء و رسل کے پاس بھیجے جاتے ہیں حالانکہ ہر فرشتہ کے بازو ہوتے ہیں، لہذا اس کو ملائکہ کی صفت یا حال قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔

قَوْلًا: مَثْنَى وَثُلَّةٌ وَرُبَاعٌ، اِجْدِ حِجَّةً سے بدل ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہیں، ان کا فتح کسرہ کی نیابت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ یہ تینوں کلمے وصفیت اور عدل ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہیں، یہ کلمے تکرار سے عدول کر کے آئے ہیں مثلاً مثنیٰ اثنین اثنین سے معدول ہے، اسی طرح باقی بھی۔

قَوْلُهُ: يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ يَهْ كَلَامِ مُسْتَانَفِ هِي جَوَكِه مَاقَبْلِ كِي تَاكِيدِ كِي لِي هِي۔

قَوْلِهِ : فَلَا مُمْسِكَ لَهَا فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ فِيهَا أَوْ فَلَا مُرْسِلَ لَهَا فِي دُونِهَا مَا هِيَ، لَهَا
معنی کی رعایت کے اعتبار سے اور لَهَا لفظ کی رعایت کے اعتبار سے۔

قَوْلًا: هَلْ مِنْ خَالِقٍ. ہل استفہام انکاری کے لئے ہے اور تو بیخ کے لئے بھی ہو سکتا ہے، اور مِنْ زائدہ ہے اور خالق مبتداء لفظاً مجرور محلاً مرفوع ہے اور غیر اللہ رفع کے ساتھ خالق کی صفت ہے محل کے اعتبار سے اور غیر اللہ صفت ہے لفظ کے اعتبار سے خالق مبتداء کی خبر، یَوْزُقُکُمْ ہے، بعض نے کہا ہے کہ لکم اس کی خبر محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: تَوْفُكُونَ يَهْ أَفْكُ بِالْفَتْحِ سَهْ مَا خُوذْ هَ اسْ كَهْ مَعْنَى بَهْكَنْهُ اور پھرنے كے ہيں اور اِفْكُ بِالْكَسْرِ اس كے مَعْنَى ہيں كَذِبٌ وافتراء تَوْفُكُونَ مضارع مبنى للمجهول ہے وَاَوْنَا بْ فاعل ہے تم کہاں پلٹائے جارہے ہو۔

قَوْلِهِ: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوا فِي حَقِيقَتِ اِنْ يَكْذِبُوا كِيْ جَزَاءِ هِيَ، اور فاجزائے یہ مگر جزاء کے سبب کو جو کہ فَقَدْ كُذِّبَتْ ہے جزاء کے قائم مقام کر دیا ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

الحمد لله فاطر السموات والارض (الآية) فاطر کے معنی ہیں، مُخْتَرِع، ابتداءً ایجاد کرنے والا، دراصل لفظ فاطر سے قدرت خداوندی کی طرف اشارہ ہے کہ جس خدا نے آسمان وزمین بغیر نمونے کے بنائے تو اس کے لئے دوبارہ انسان کو پیدا کرنا کون سا مشکل کام ہے؟ الحمد لله فاطر السموات والارض کے معنی ہیں (الحمد لله) مبدع (السموات والارض) وَمُخْتَرِعُهُمَا جمہور نے فاطر کو اسم فاعل کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے، اور زہری اور ضحاک نے (فَطَرَ) ماضی کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

جاء على الملائكة میں ملائکہ سے مخصوص فرشتے مراد ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ مختلف مہمات کے لئے قاصد بنا کر بھیجتا ہے، ان میں مشہور چار فرشتے تو شامل ہیں ہی ان کے علاوہ بھی مراد ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پر دار باز و عطا فرمائے ہیں، جن کے ذریعہ سرعت کے ساتھ ان کی آمد و رفت ہوتی ہے، لفظ مثنیٰ وثلث ورباع، ظاہر یہ ہے کہ اَجْنَحَةُ کی صفت ہے کہ فرشتوں کے پر مختلف تعداد میں ہیں کسی کے دو کسی کے تین تین، کسی کے چار چار، اور مذکورہ عدد میں بھی تحدید نہیں ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو پر ہونا ثابت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مثنیٰ وثلث ورباع، رُسُلًا کی صفت ہو یعنی جو فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغامات دنیا میں پہنچاتے ہیں، وہ کبھی دو دو، کبھی تین تین، اور کبھی چار چار آتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ حصر اس میں بھی مقصود نہیں ہے، اور زیادتی فی الخلق سے ہر قسم کی زیادتی مراد ہے خواہ اس کا تعلق ظاہر سے ہو جیسا کہ پر وغیرہ میں زیادتی، یا باطنی زیادتی ہو جیسے حسن سیرت، حسن صورت، کمال عقل وغیرہ۔

مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ (الآية) ان نعمتوں میں سے ارسال رسل اور انزال کتب بھی ہے یعنی ہر چیز کا دینے والا بھی وہی ہے اور واپس لینے والا بھی اس کے سوانہ کوئی معطی ہے اور نہ منعم اور نہ مانع اور قابض جس طرح رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ.

فَأَنِّي تُوفِّكُونِ اس بیان ووضاحت کے بعد اور تمہارے اس اقرار کے بعد کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو پیدا کیا ہے اور وہی تم کو روزی دیتا ہے تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو؟ تو تم کہاں پلٹے جا رہے ہو؟

وَإِنْ يَكْذِبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ اس میں نبی ﷺ کو تسلی ہے کہ اے محمد یہ لوگ آپ کو جھٹلا کر کہاں جائیں گے؟ بالآخر تمام معاملات کا فیصلہ تو ہمیں ہی کرنا ہے، جس طرح پہلی امتوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تو انہیں سوائے بربادی کے کیا ملا؟ اس لئے اگر یہ بھی باز نہ آئے تو ان کو بھی ہلاک کرنا ہمارے لئے مشکل نہیں، اور دنیا کی زیب و زینت اور عیش و عشرت میں پڑ کر آخرت کی ان نعمتوں سے غافل نہ ہو، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں اور رسولوں کے پیروکاروں کے لئے

تیار کر رکھی ہیں، مطلب یہ کہ اس دنیا کی عارضی لذتوں میں پڑ کر آخرت کی دائمی راحتوں کو نہ کھو بیٹھو، اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ شیطان تمہارا اصل دشمن ہے اس کے داؤ پیچ اور دجل و فریب سے بچ کر رہو اس لئے کہ وہ بہت دھوکے باز ہے، اس کا مقصد ہی تمہیں دھوکے میں مبتلا کر کے آخرت کی تمام نعمتوں اور راحتوں سے محروم کرنا ہے، اس سے سخت عداوت رکھو، اس کے مکر و فریب اور ہتھکنڈوں سے بچو، شیطان کی حکمت عملی یہ ہے کہ وہ برے کاموں کو اچھا ثابت کر کے تمہیں اس میں مبتلا کر دے جس کی وجہ سے تمہارا حال یہ ہو جائے کہ گناہ کرتے رہو اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھتے رہو کہ نیک کام کر رہے ہیں اور اللہ کے نزدیک مقبول بندے ہیں، ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے دیگر مقامات کی طرح ایمان کے ساتھ عمل صالح کو بیان کر کے ان کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے، تاکہ اہل ایمان عمل صالح سے کسی وقت بھی غفلت نہ برتیں، کہ مغفرت اور اجر کبیر کا وعدہ اس ایمان پر ہی ہے جس کے ساتھ عمل صالح ہو۔

وَنَزَلَ فِي أَبِي جَهْلٍ وَغَيْرِهِ أَقْمَنَ زَيْنَ لَهُ سَوْءَ عَمَلِهِ بِالتَّمْوِينِ قَرَأَ حَسَنًا مَنْ مُبْتَدَأَ خَيْرُهُ كَمَنْ هَدَاهُ اللَّهُ لَا، دَلَّ عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ عَلَى الْمُزَيْنِ لَهُمْ حَسْرَتٌ بِإِغْتِمَائِكَ أَنْ لَا يُؤْمِنُوا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ^۸ فَيُجَازِيهِمْ عَلَيْهِ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ وَفِي قِرَاءَةِ الرِّيحِ فَتُشِيرُ سَحَابًا الْمُضَارِعُ لِحِكَايَةِ الْحَالِ الْمَاضِيَةِ أَيْ تُزَعِّجُهُ فَسُقْنَهُ فِيهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ إِلَى بَلَدٍ مَيِّتٍ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ لَا نَبَاتَ بِهَا فَأَحْيَيْنَاهُ الْأَرْضَ مِنَ الْبَلَدِ بَعْدَ مَوْتِهَا يُبْسِمُهَا أَيْ أَنْبَتْنَاهُ بِالزَّرْعِ وَالْكَلَاءِ كَذَلِكَ النَّشُورُ^۹ أَيْ الْبَعْثُ وَالْإِحْيَاءُ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا أَيْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلَا تُنَالُ مِنْهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ فَلْيُطِيعُوا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ يَعْلَمُهُ وَهُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَنَحُوبًا وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ يَقْبَلُهُ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ الْمَكْرَاتِ السَّيِّئَاتِ بِالنَّبِيِّ فِي دَارِ النَّدْوَةِ مِنْ تَقْيِيدِهِ أَوْ قَتْلِهِ أَوْ إِخْرَاجِهِ كَمَا ذُكِرَ فِي الْأَنْفَالِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَكْرُ أُولَئِكَ هُوَ يُوَبَّرُ^{۱۰} يَهْلِكُ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ بِخَلْقِ أَبِيكُمْ آدَمَ مِنْهُ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ أَيْ مِنْ بَيْ بَخْلَقَ ذُرِّيَّتَهُ مِنْهَا ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا ذُكُورًا وَأُنثَى وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أَنْثَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا يَعْلَمُهُ حَالُ أَيْ مَعْلُومَةٌ لَهُ وَمَا يَعْمَرُ مِنْ مُعَمَّرٍ أَيْ مَا يُزَادُ فِي عُمرٍ طَوِيلٍ الْعُمْرِ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ عُمرِهِ أَيْ مِنْ ذَلِكَ الْمُعَمَّرِ أَوْ مُعَمَّرٍ آخَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوظُ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ^{۱۱} بَيِّنٌ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذَبٌ فَرَأَتْ شَدِيدُ الْعَذَابِ سَائِغُ شَرَابُهُ شُرْبُهُ وَهَذَا مِلْحٌ أَجَاجٌ شَدِيدُ الْمَلُوحَةِ وَمِنْ كُلِّ مِنْهُمَا تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا هُوَ السَّمَكُ وَتَسْتَخْرِجُونَ مِنَ الْمِلْحِ وَقِيلَ مِنْهُمَا حَلِيَّةٌ تَلْبَسُونَهَا هِيَ اللُّلُؤُ وَالْمَرْجَانُ وَتَرَى تَبْصُرُ الْفُلْكَ السُّفْنَ فِيهِ فِي كُلِّ مِنْهُمَا مَوَآخِرَ تَمْخَرُ الْمَاءِ أَيْ تَشَقُّ بِجَرِيهَا فِيهِ مُقْبَلَةٌ وَمُذْبِرَةٌ بِرِيحٍ وَاحِدَةٍ لِتَبْتَغُوا تَطْلُبُوا

مِنْ فَضْلِهِ تَعَالَى بِالتَّجَارَةِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ اللَّهُ عَلَى ذَلِكَ يُؤَلِّجُ يَدْخُلُ اللَّهُ الْيَلَّ فِي النَّهَارِ فَيَزِيدُ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ يَدْخُلُهُ فِي الْيَلِّ فَيَزِيدُ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ مِنْهُمَا يَجْرِي فِي فَلَكِهِ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ أَيْ غَيْرِهِ بِهِمُ الْأَصْنَامُ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۝ لِفَافَةِ النَّوَاةِ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا فَرَضًا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ مَا أَجَابُوكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۝ بَإِشْرَاقِكُمْ إِيَّاهُمْ مَعَ اللَّهِ أَيْ يَتَبَرَّوْنَ مِنْكُمْ مِنْ عِبَادَتِكُمْ إِيَّاهُمْ وَلَا يَنْبِيئُكَ بِأَحْوَالِ الدَّارِينَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۝ عَالِمٍ وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَى.

عَنْ

ترجمہ: (آئندہ) آیت ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیا وہ شخص کہ جس کے سامنے اس کے برے عمل کو تلپیس کے ذریعہ مزین کر کے پیش کیا گیا پھر وہ اس کو نیک عمل سمجھنے لگا (اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جس کو اللہ نے ہدایت دی ہو؟ نہیں ہو سکتا) مَنْ مُبْتَدَأُ ہے اور اس کی خبر کَمَنْ هَذَا ہے (اس حذف خبر پر) فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ (الآیۃ) دال ہے، یقین مانو اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو آپ ان پر یعنی ان لوگوں پر کہ جن کے (اعمال بد) ان کے لئے مزین کر دیئے گئے ہیں، اتنا غم نہ کیجئے، کہ ان کی اس بات پر غم کی وجہ سے کہ یہ ایمان نہیں لاتے اپنی جان ہی دیدیں جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ کو سب معلوم ہے سو وہ ان کے اعمال کی سزا دے گا اور اللہ وہی ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے اور ایک قراءت میں السَّيْحَ ہے جو ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں مضارع کا استعمال حالت ماضی کی حکایت کرنے کے لئے لایا گیا ہے یعنی ہوائیں بادلوں کو حرکت دیتی ہیں پھر ہم ان بادلوں کو خشک زمین کی طرف ہانک کر لیجاتے ہیں سُقْنَا میں غیبت سے تکلم کی جانب التفات ہے مَيِّت تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے پھر ہم اس بستی کی زمین کو اس کے مردہ یعنی خشک ہونے کے بعد زندہ کر دیتے ہیں یعنی اس میں کھیتی اور گھاس اگا دیتے ہیں اسی طرح دوبارہ زندہ ہونا بھی ہے یعنی جی اٹھنا اور زندہ ہونا جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو تمام تر عزت اللہ کے لئے ہے یعنی دنیا اور آخرت میں، لہذا عزت اسی کی اطاعت سے حاصل ہو سکتی ہے اس کو چاہئے کہ اسی کی اطاعت کرے اچھا کلام اس تک پہنچتا ہے، یعنی وہ اس سے باخبر ہے اور وہ (اچھا کلام) لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور اس کے مثل ہے اور عمل صالح کو وہ بلند کرتا ہے یعنی قبول کرتا ہے اور جو لوگ نبی کے بارے میں دارالندوہ میں بری سازشیں کر رہے ہیں مثلاً آپ کو قید کرنے یا قتل کرنے یا (وطن سے) نکالنے کی، جیسا کہ سورۃ انفال میں ذکر کیا گیا، ایسے لوگوں کے لئے سخت ترین عذاب ہے اور ان کا یہ مکر پادر ہوا، یعنی برباد ہو جائے گا (لوگو) اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا تمہارے دادا آدم کو مٹی سے پیدا کر کے، پھر نطفہ منی سے (پیدا کیا) آدم ﷺ کی ذریت کو نطفہ سے پیدا کر کے پھر تمہارے نرو مادہ کے جوڑے بنائے کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وہ جنتی ہے مگر یہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے یہ جملہ حالیہ ہے یعنی (اللہ تعالیٰ کے) علم میں ہوتا ہے اور جس معمر شخص کی عمر دراز کی جاتی ہے یعنی طویل العمر

شخص کی عمر میں اضافہ نہیں کیا جاتا اور نہ اسی معمر شخص کی عمر سے یا دوسرے معمر شخص کی عمر سے کم کیا جاتا ہے مگر یہ کہ وہ کتاب میں موجود ہوتا ہے اور وہ لوح محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بات بالکل آسان ہے، اور برابر نہیں دو دریا (بلکہ) ایک نہایت شیریں تسکین بخش اور پینے میں خوش گوار ہے اور دوسرا نہایت شور اور تلخ اور تم ان دونوں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ مچھلی ہے اور دریا شور سے، اور کہا گیا ہے دونوں سے، زیورات نکالتے ہو جنہیں تم پہنتے ہو وہ موتی اور مونگے ہیں اور اے مخاطب تو کشتیوں کو اس میں یعنی شور و شیریں دریا میں دیکھتا ہے کہ پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، یعنی پانی میں چلنے کی وجہ سے اس کو ایک ہی ہوا کے ذریعے آتے جاتے چیرتی ہیں تاکہ تم تجارت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا فضل (روزی) طلب کرو تاکہ تم اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے تو دن بڑھ جاتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے تو رات بڑھ جاتی ہے اور آفتاب و ماہتاب کو اسی نے کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک اپنے محور پر مدت دراز قیامت تک چلتا رہے گا یہی ہے اللہ تمہارا رب اسی کی سلطنت ہے اور جنہیں تم اس کے سوا پکارتے ہو بندگی کرتے ہو اور وہ بت ہیں وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں، اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں ہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریادری نہیں کر سکتے، یعنی تمہاری پکار کا جواب نہ دیں بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک سے صاف انکار کر جائیں گے، یعنی تمہارے ان کو خدا کا شریک ٹھہرانے کا یعنی تم سے تمہاری ان کی بندگی کرنے سے اظہار براءت کر دیں گے آپ کو کوئی حق تعالیٰ جیسا خبردار دارین کے احوال کی خبر نہ دے گا اور وہ اللہ ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْحٍ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلُهُ: اَفَمَنْ زُيِّنَ یہ جملہ متانفہ ہے ماسبق میں جو دو فریقوں کے انجام کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے، اس کی تائید ہے مَنْ مبتداء ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اس کی خبر محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوْءُ عَمَلِهِ كَمَنْ لَمْ يُزَيِّنْ لَهُ، کسائی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے کہا ہے کہ ذَهَبَتْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ خبر ہے جو محذوف ہے، اور اللہ تعالیٰ کا قول فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ اس پر دال ہے، اور زجاج نے كَمَنْ هَدَاهُ اللّٰهُ خبر محذوف مانی ہے اول صورت لفظ ومعنی میں مطابقت کی وجہ سے افضل ہے۔

قَوْلُهُ: سُوْءُ عَمَلِهِ اِی عَمَلُهُ السَّیِّئُ یہ اضافت صفت الی الموصوف کے قبیل سے ہے۔

قَوْلُهُ: لَا، لَا کا اضافہ استفہام انکاری کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔

قَوْلُهُ: حَسْرَاتٍ. فَلَا تَذْهَبْ کا مفعول لہ ہے، اور جمع کا استعمال کثرت غم پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔

قَوْلُهُ: عَلَيْهِمْ. تَذْهَبْ کا صلہ ہے، جیسا کہ بولا جاتا ہے مَاتَ عَلَيْهِ حُزْنًا. عَلَيْهِم کا تعلق حَسْرَات سے درست نہیں ہے، اس لئے کہ مصدر کا معمول مصدر پر مقدم نہیں ہوتا۔

قَوْلًا: اَنْ لَا يُؤْمِنُوا اِي عَلٰی اَنْ لَا يُؤْمِنُوا.

قَوْلًا: لِحِكَايَةِ الْحَالِ الْمَاضِيَةِ يِهْ دِرَاصِلِ اِيكِ سَوَالِ مَقْدَرِ كَا جَوَابِ هِے۔

سِوَال: سَوَالِ يِهْ هِے كِهْ اِسْ سَے پِهْلَے اَرْسَلْ مَاضِي كَا صِيغَهْ اِسْتِعْمَالِ فَرَمَا يَا اَوْر اِسِي مَضْمُونِ مِیں فَوْرًا بَعْدِ فَتْنِيسْرِ مَضَارِعِ كَا صِيغَهْ اِسْتِعْمَالِ فَرَمَا يَا، اِس مِیں كِيَا مَصْلَحَتِ هِے؟

جَوَاب: خَلَاصَهْ يِهْ هِے كِهْ مَضَارِعِ كَا صِيغَهْ جُو كِهْ حَالِ پَر بَهِي دِلَالَتِ كَر تَا هِے اَللّٰهُ تَعَالٰی اِس سَے اِس صَوْرَتِ عَجِيْبَهْ وَغَرِ يِهْ كَا اِسْتَحْضَارِ كَر اِنَا چَا تَهْتِ هِيں جُو اِس كِي كَمَالِ قَدْرَتِ وَحَكْمَتِ پَر دِلَالَتِ كَر تِي هِے اَوْر كِسِي صَوْرَتِ حَالِ يَا وَاقِعَهْ كِي اِيْسِي مَنْظَرِ كَشِي كِهْ جِس سَے گُذْشَتَهْ كَا وَاقِعَهْ نَظَرُوں كَے سَا مَنَے اِس طَرَحِ وَاضَحِ هُو كَر آجَاے گُو يَا كِهْ يِهْ وَاقِعَهْ اِسي وَقْتِ نَظَرُوں كَے سَا مَنَے هُو رِ هَا هِے اِسي كُو حَكَايَتِ حَالِ مَاضِيَهْ كَهْتِے هِيں۔

قَوْلًا: تَشِيرُ. اِثَارَةُ سَے مَضَارِعِ وَاحِدِ مَوْثِ غَايِبِ هِے، وَهْ اُبْهَار تِي هِے، وَهْ اُٹْهَاتِي هِے، حَرَكَتِ دِي تِي هِے، التَّفَاتِ عَنِ الْغَيْبَةِ اِلَى التَّكْلَمِ كَا مَطْلَبِ يِهْ هِے كِهْ اَللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی نَے اَرْسَلْ غَايِبِ كَا صِيغَهْ اِسْتِعْمَالِ فَرَمَا يَا اَوْر سُقْنَا مِیں مُتَكَلِّمِ كَا صِيغَهْ اِسْتِعْمَالِ فَرَمَا يَا اَوْر جَمْعِ كَا اِسْتِعْمَالِ عَظَمَتِ كَے طَوْرِ پَر كِيَا هِے۔

قَوْلًا: بَلَدٌ. بَلَدٌ كَا اِطْلَاقِ مَذْكُورِ مَوْثِ دُونُوں پَر هُو تَا هِے، اَوْر بَلَدٌ اَوْر بَلَدَةٌ كَا اِطْلَاقِ اَبَادِ اَوْر غَيْرِ اَبَادِ دُونُوں قِسْمِ كِي زَمِيْنِ پَر بَهِي هُو تَا هِے، يِهَاں بَلَدٌ مَيِّتٌ سَے وَهْ زَمِيْنِ مَرَادِ هِے جِس مِیں گَھَا سَے چَارَا كُچْھ نَهْ هُو، مَرْدَهْ زَمِيْنِ سَے خَشَكِ بَے آبِ وَگِيَا هْ زَمِيْنِ مَرَادِ هِے، اَوْر زَمِيْنِ كُو زَنْدَهْ كَرْنِے سَے مَرَادِ اِس كُو سَرِ بَزْوَ شَادَابِ كَر تَا هِے۔

قَوْلًا: مَنْ الْبَلَدِ مِیں مَنِ بَيَانِيَهْ هِے كَذَلِكَ النُّشُورِ اِس مِیں مَرْدُوں كُو خَشَكِ زَمِيْنِ سَے تَشْبِيْهَ دِي هِے اَوْر مَرْدُوں كُو زَنْدَهْ كَرْنِے كُو زَمِيْنِ كُو سَرِ بَزْوَ كَرْنِے سَے تَشْبِيْهَ دِي هِے۔

قَوْلًا: فَلْيُطْعَمْهُ سَے شَارِحِ نَے اِثَارَهْ كَر دِيَا كِهْ مَنْ كَانْ مِیں مَنِ شَرْطِيَهْ هِے اَوْر فَلْيُطْعَمْهُ اِس كَا جَوَابِ مَقْدَرِ هِے، اَوْر اَللّٰهُ تَعَالٰی كَا قَوْلِ فَلْيَلِهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا جَوَابِ شَرْطِ كِي عِلْتِ هِے۔

قَوْلًا: يَعْلَمُهُ اِس مِیں اِس بَاتِ كِي طَرَفِ اِثَارَهْ هِے كِهْ كَلَامِ مِیں مَجَازِ هِے اَوْر صَعُودِ بِمَعْنَى عِلْمِ هِے اَوْر عِلْمِ كُو صَعُودِ سَے تَعْبِيرِ كَرْنِے كَا مَقْصِدِ قَبُولِيَتِ كِي طَرَفِ اِثَارَهْ كَر تَا هِے، اِس لَئے كِهْ مَوْضِعِ ثَوَابِ اُو پَر هِے اَوْر مَوْضِعِ عَذَابِ نِچَے هِے۔

قَوْلًا: الَّذِينَ يَمْكُرُونَ كَلِمَاتِ طَيْبَهْ كَے بَيَانِ كَرْنِے كَے بَعْدِ يِهْ كَلِمَاتِ خَبِيْثَهْ كَا بَيَانِ هِے۔

قَوْلًا: وَالسَّيِّئَاتِ يِهْ مَفْعُولِ مَطْلُوقِ مَحْذُوفِ كِي صِفَتِ هِے تَقْدِيرِ عِبَارَتِ جِيْسَا كِهْ شَارِحِ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نَے الْمَكْرَاتِ مَحْذُوفِ مَانِ كَر اِثَارَهْ كَر دِيَا هِے اِي يَمْكُرُونَ الْمَكْرَاتِ السَّيِّئَاتِ، السَّيِّئَاتِ كَا مَفْعُولِ بَے هُونِے كِي وَجَهْ سَے مَنْصُوبِ هُونَا دَرِستِ نَهِيں هِے اِس لَئے كِهْ يَمْكُرُونَ فِعْلِ لَازِمِ هِے جُو كِهْ مَفْعُولِ بَے كُو نَصْبِ نَهِيں دَے سَكْتَا، بَعْضِ حَضْرَاتِ نَے كِهَا هِے كِهْ يَمْكُرُونَ يَكْسِبُونَ كَے مَعْنِي كُو مُتَضَمِّنِ هُونِے كِي وَجَهْ سَے مُتَعَدِي هِے لَهْذَا اِس كَا السَّيِّئَاتِ كُو مَفْعُولِ بَے هُونِے كَے اَعْتِبَارِ سَے نَصْبِ دِيَا دَرِستِ هِے۔

قَوْلًا: وَمَكَرُ أَوْلَئِكَ تَرْكِبُ اضْطِافِي مُبْتَدَأٍ أَوْ يُبْدَرُ اس کی خبر ہے، اور هُوَ ضَمِيرُ فَعْلٍ ہے خبر سے پہلے ضمیر فصل کے وقوع کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے راجح وقوع ہے (اعراب القرآن) يُبْدَرُ مضارع واحد مذکر غائب (ن) بَوْرًا بَوَارًا ہلاک ہونا۔

قَوْلًا: فَرَأَتْ شَدِيدَ الْعَذُوبَةِ نَهَايَتِ شَرِّسِ پانی۔

قَوْلًا: أَجَاجٌ شَدِيدُ الْمَلُوحَةِ شَدِيدُ نَمَكِينَ۔

قَوْلًا: وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ مَآفِيہ ہے يُعَمَّرُ فَعْلٌ مضارع مجہول مِنْ زائدہ اور مُعَمَّرٌ نَائِبُ فَاعِلٍ قَطْمِيرِ اس باریک جھلی کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی پر لپٹی ہوئی ہوتی ہے، اور بعض حضرات نے اس ریشہ کو کہا ہے جو گٹھلی کی دراز میں ہوتا ہے اور بعض نے اس ریشہ کو کہا ہے جو اس سوراخ میں ہوتا ہے جو گٹھلی کی پشت میں ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو اور جن سے امداد کی توقع رکھتے ہو یہ تو ایک حقیر اور معمولی چیز کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

شان نزول:

امام بغوی نے حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی کہ ”اے اللہ تو اسلام کو قوت عطا فرما، عمر بن الخطاب کے ذریعہ یا عمرو بن ہشام (ابو جہل) کے ذریعہ“ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے عمر بن الخطاب کو ہدایت دیکر اسلام کی قوت اور عزت کا سبب بنادیا۔ (معارف، روح المعانی)

وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ یعنی جس طرح بادلوں سے بارش برسا کر خشک (مردہ) زمین کو ہم شاداب (زندہ) کر دیتے ہیں، اسی طریقہ سے قیامت کے دن تمام مردوں کو بھی ہم زندہ کریں گے، حدیث میں آتا ہے کہ انسان کا پورا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے، صرف ریڑھ کی ہڈی کا چھوٹا سا حصہ محفوظ رہتا ہے، اسی سے اس کی دوبارہ تخلیق و ترکیب ہوگی کُلُّ جَسَدٍ ابْنِ آدَمَ يَبْلَى إِلَّا عَجَبُ الذَّنْبِ مِنْهُ خُلِقَ وَمِنْهُ يُرْكَبُ۔ (بخاری سورہ عم، مسلم کتاب النفس مابین النفعین)

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ (الآیہ) یعنی جو چاہے کہ اسے دنیا و آخرت میں عزت ملے تو وہ اللہ کی اطاعت کرے، اس سے اس کا یہ مقصد حاصل ہو جائے گا، اس لئے کہ دنیا و آخرت کا مالک وہی ہے اور تمام عزتیں اسی کے پاس ہیں، جس کو وہ عزت دے وہی عزیز ہوگا، اور جس کو وہ ذلیل کرے کوئی طاقت اس کو عزت نہیں دے سکتی۔

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ، الْكَلِمُ، کَلِمَةُ کی جمع ہے پاکیزہ اور ستھرے کلمات سے مراد اللہ کی تسبیح و تحمید، تلاوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے اور چڑھنے کا مطلب قبول کرنا ہے، یا فرشتوں کا ان کو لیکر آسمانوں پر چڑھنا ہے تاکہ اللہ ان کی جزاء

دے، يَرْفَعُهُ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے، بعض کہتے ہیں الکلم الطیب ہے یعنی عمل صالح کلمات طیبات کو اللہ کی طرف بلند کرتا ہے، یعنی محض زبان سے اللہ کا ذکر (تسبیح و تحمید) کچھ نہیں، جب تک اس کے ساتھ عمل صالح یعنی احکام و فرائض کی ادائیگی نہ ہو، بعض کہتے ہیں کہ يَرْفَعُهُ میں فاعل کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل صالح کو کلمات طیبات پر بلند کرتا ہے، اس لئے کہ عمل صالح سے ہی اس بات کا تحقق ہوتا ہے کہ اس کا مرتکب فی الواقع اللہ کی تسبیح و تحمید میں مخلص ہے۔

(فتح القدیر)

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی قول کو بغیر عمل کے اور کسی قول و عمل کو بغیر نیت کے اور کسی قول، عمل اور نیت کو بغیر مطابقت سنت کے قبول نہیں کرتا (قرطبی) اس سے معلوم ہوا کہ مکمل قبولیت کی شرط سنت کے مطابق ہونا ہے، اگر قول، عمل، نیت سب درست بھی ہوں گے مگر طریقہ عمل سنت کے مطابق نہ ہو تو قبولیت تامہ حاصل نہیں ہوگی۔

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقِصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ اس آیت کا مفہوم جمہور مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو عمر طویل عطا فرماتے ہیں وہ پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے، اسی طرح جس کی عمر کم رکھی جاتی ہے وہ بھی لوح محفوظ میں پہلے ہی سے درج ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں عمر کا طول و قصر فرد واحد کے متعلق مراد نہیں ہے، بلکہ کلام نوع انسانی کے متعلق ہے کہ اس کے کس فرد کو عمر طویل دی جاتی ہے اور کس کو اس سے کم، یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ابن کثیر نے نقل کی ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر عمر کی کمی زیادتی کو ایک ہی شخص سے متعلق کہا جائے تو عمر میں کمی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی عمر جو اللہ نے لکھ دی ہے وہ یقینی ہے، اور جو دن گذرتا ہے اس مقررہ مدت میں ایک دن کی کمی کر دیتا ہے اسی طرح جتنے دن بلکہ سانس گذرتے رہتے ہیں اس کی عمر کو گھٹاتے رہتے ہیں، یہ تفسیر شععی، ابن جبیر، ابومالک، ابن عطیہ وغیرہ سے منقول ہے (روح) اس مضمون کو اس شعر میں ادا کیا گیا ہے:

حَيَاتِكَ انْفَاسٌ تُعَدُّ فِكْلَمًا مضى نفسٌ منها نقصت به جزء

”تیری زندگی چند گنے ہوئے سانسوں کا نام ہے، تو جب بھی ایک سانس گذرتا ہے تیری عمر کا ایک جز کم ہو جاتا ہے“

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس (مضمون) کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا، تو آپ نے فرمایا کہ عمر تو اللہ کے یہاں ایک ہی مقرر ہے، جب مقررہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو کسی شخص کو ذرا بھی مہلت نہیں دی جاتی، بلکہ زیادت عمر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اولاد صالح عطا فرمادیتا ہے وہ اس کے لئے دعا کرتی رہتی ہے، یہ شخص دنیا میں موجود نہیں ہوتا مگر اس کی اولاد صالح کی دعائیں اس شخص کو اس کی قبر میں ملتی رہتی ہیں یعنی اس کو قبر میں فائدہ پہنچتا رہتا ہے اس طرح گویا کہ اس کی عمر بڑھ گئی، خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں عمر بڑھنے کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد عمر کی برکت کا بڑھ جانا ہے۔

وَمِنْ كُلِّ تَاكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا (الآیۃ) یعنی دریائے شور و شیریں دونوں سے تمہیں تازہ گوشت کھانے کو ملتا ہے مراد اس

سے مچھلی ہے، اس آیت میں مچھلی کو گوشت سے تعبیر کیا ہے، اس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ مچھلی بغیر ذبح کئے ہوئے حلال گوشت ہے اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں بخلاف دیگر بری جانوروں کے، اور حلیۃ کے معنی زیور کے ہیں، مراد اس سے موتی ہیں، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ موتی جس طرح دریائے شور میں ہوتا ہے دریائے شیریں میں بھی ہوتا ہے، یہ جو مشہور ہے کہ موتی دریائے شیریں میں نہیں ہوتا یہ درست نہیں ہے البتہ شیریں دریا میں بہت کم ہوتا ہے۔

تَلْبَسُوْنَهَا میں مذکر کا صیغہ استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ موتیوں کا استعمال مردوں کے لئے بھی جائز ہے بخلاف سونے اور چاندی کے، ان کا بطور زیور استعمال کرنا مردوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ بِكُلِّ حَالٍ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ عَنْ خَلْقِهِ الْحَمِيدُ ۝ الْمَحْمُودُ فِي صَنْعِهِ بِهِمْ إِنْ يَشَاءُ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ بِذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَعِزُّ ۝ شَدِيدٌ وَلَا تَزِرُ نَفْسٌ وِازِرَةً اِثْمَةً اِى لَا تَحْمِلُ وِزْرَ نَفْسٍ أُخْرَى وَإِنْ تَدْعُ نَفْسٌ مَثْقَلَةً بِالْوِزْرِ إِلَى حِمْلِهَا مِنْهُ أَخْذًا لِيَحْمِلَ بَعْضُهُ لَا يَحْمِلُ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ الْمَدْعُو ذَا قُرْبَىٰ قَرَابَةِ كَالْأَبِ وَالْإِبْنِ وَعَدَمُ الْحَمْلِ فِي الشَّقِيْنِ حُكْمٌ مِنَ اللَّهِ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ اِى يَخَافُوْنَهُ وَمَا رَأَوْهُ لِأَنَّهُمُ الْمُنتَفِعُونَ بِالْإِنْذَارِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ أَدَانُوبًا وَمَنْ تَزَكَّىٰ تَطَهَّرَ مِنَ الشِّرْكِ وَغَيْرِهِ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ فَصَلَاةُ مُخْتَصِّ بِهِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝ الْمَرْجِعُ فَيُجْزَىٰ بِالْعَمَلِ فِي الْآخِرَةِ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۝ الْكَافِرُ وَالْمُؤْمِنُ وَلَا الظُّلُمَاتُ الْكُفْرُ وَلَا النُّورُ ۝ الْإِيمَانُ وَلَا الظُّلُ وَلَا الْحُرُورُ ۝ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ الْمُؤْمِنُونَ وَالْكَافَرُ وَزِيَادَةُ لَا، فِي الثَّلَاثَةِ تَاكِيدٌ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ بِهَدَايَتِهِ فَيُجِيبُهُ بِالْإِيمَانِ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝ اِى الْكَافَرُ شَبَّهَهُمْ بِالْمَوْتِ فَلَا يُجِيبُونَ إِنَّ مَا أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ۝ مُنْذِرٌ لَهُمْ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَالِغًا إِلَىٰ مَنْ أُجَابَ إِلَيْهِ وَنَذِيرًا مَنْ لَمْ يُجِبْ إِلَيْهِ وَإِنْ مَا مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا سَبْلُ فِيهَا نَذِيرٌ ۝ نَبِيٌّ يُنْذِرُهَا وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ اِى أَهْلُ مَكَّةَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ الْمُعْجَزَاتِ وَبِالزُّبُرِ كَصُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝ هُوَ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِتَكْذِيبِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝ انْكَارِى عَلَيْهِم بِالْعُقُوبَةِ وَالْإِبْلَاكِ اِى هُوَ وَقَعَ مَوْقَعُهُ.

ترجمہ: اے لوگو! تم ہر حال میں اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے اور وہ اپنی مخلوق پر احسان کرنے سے سزاوارحمد ہے اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور تمہاری جگہ ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ کے لئے کچھ مشکل

نہیں، کوئی بھی گنہگار شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور اگر کوئی گناہوں سے گراں بار شخص دوسرے کو اپنا کچھ بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا تو اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھائے گا، گو جس شخص کو بلایا گیا ہے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ باپ اور بیٹا اور دونوں صورتوں میں عدم حمل اللہ کا حکم ہے، آپ تو صرف ان ہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے رب سے غائبانہ ڈرتے ہوں یعنی اس سے ڈرتے ہوں حالانکہ اس کو دیکھا نہیں ہے، اس لئے کہ یہی لوگ تنبیہ سے فائدہ اٹھانے والے ہیں، اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو شخص شرک وغیرہ سے پاک ہوتا ہے وہ اپنے لئے پاک ہوتا ہے لہذا اس کا فائدہ اسی کے ساتھ مخصوص رہے گا اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور آخرت میں عمل کا بدلہ دیا جائے گا اور بینا اور نابینا یعنی مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے اور نہ تاریکی یعنی کفر اور روشنی یعنی ایمان اور نہ چھاؤں اور دھوپ یعنی جنت اور دوزخ اور نہ زندے اور مردے یعنی مومن و کافر برابر ہو سکتے تینوں جگہوں میں لا کی زیادتی تاکید کے لئے ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی ہدایت سنا دیتا ہے تو وہ ایمان پر لبیک کہہ دیتا ہے، اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں یعنی کافروں کو، کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی ہے، اس لئے کہ وہ جواب نہیں دیتے (ہدایت قبول نہیں کرتے) اور آپ تو صرف ان کے لئے ڈرانے والے ہیں ہم نے ہی آپ کو حق دیکر خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی ڈرانے والا یعنی نبی نہ گذرا ہو اور اگر اہل مکہ آپ کی تکذیب کریں تو ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی ہے اور ان کے پاس بھی ان کے رسول معجزے اور صحیفے جیسا کہ صحیفہ ابراہیم اور روشن کتابیں وہ تورات اور انجیل ہیں، لیکر آئے تھے سو آپ بھی ان کی طرح صبر کیجئے پھر میں نے ان کافروں کو ان کی تکذیب کی وجہ سے پکڑ لیا (سودیکھو) میرا ان کو عذاب دینا، سزا اور ہلاک کرنے کے ذریعہ کیسا رہا (یعنی) وہ بر محل اور بر موقع واقع ہوا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ آیت میں خطاب لوگوں کو ہے حالانکہ ہر شی خدا کی محتاج ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے علاوہ دیگر کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو غنا اور استغناء کا دعویٰ کرتی ہو اسی لئے خاص طور پر آیت میں انسان کو مخاطب بنایا گیا ہے، آیت کے معنی یہ ہیں يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمْ أَشَدُّ افْتِقَارًا وَاحْتِيَاجًا إِلَى اللَّهِ فِي أَنْفُسِكُمْ وَعِيَالِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَفِيمَا يَعْزُضُ لَكُمْ مِنْ سَائِرِ الْأُمُورِ فَلَا غِنَى لَكُمْ عَنْهُ طَرَفَةً عَيْنٍ وَلَا أَقْلٌ مِنْ ذَلِكَ.

انسان اپنی ذات میں اور صفات میں اپنے عیال میں اور اموال میں غرضیکہ اپنے تمام امور میں ہر آن و ہر لمحہ محتاج ہے، جس کی جتنی زیادہ ضرورتیں ہوتی ہیں وہ اتنا ہی زیادہ محتاج ہوتا ہے، انسان کی چونکہ ضرورتیں تمام مخلوقات سے زیادہ ہیں اس لئے اس کی احتیاج بھی سب سے زیادہ ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کے لئے فرمایا ہے خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا اور یہیں سے ابو بکر صدیق رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کا قول مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ یعنی جس نے اپنے فقر و حاجت اور ذل و عجز کو پہچانا اس

نے خدا کے عز و غنا اور قدر و کمال کو پہچانا۔

قَوْلًا: اَلِی اللّٰہِ یہ فقراء کے متعلق ہے، فقراء فقیر کی جمع ہے، فقیر صیغہ صفت ہے، لہذا اس سے متعلق ہونا درست ہے۔

سُؤَال: فقیر کے مقابل غنی لانے کے بعد، الحمید، کا اضافہ کس مقصد سے کیا گیا ہے؟

جَوَاب: بندوں کا فقیر ہونا اور اللہ کا غنی ہونا تو ثابت ہو گیا، مگر غنی نافع نہیں ہوتا جب تک کہ وہ سخی اور جواد نہ ہو، اور جب غنی، سخی اور جواد ہوتا ہے تو منعم علیہم اس کی حمد و ثناء کرتے ہیں اور منعم و محسن، منعم علیہم کی حمد و ثناء کا مستحق ہوتا ہے، لہذا اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ غنی نافع ہے، الحمید کا اضافہ فرمایا۔ (جمل)

قَوْلًا: اِنْ یَّشَآ یُذْهِبْکُمْ وِیَاتِ بَخْلِقِ جَدِیدِ یہ اللہ تعالیٰ کے غناء مطلق کا بیان ہے یعنی تمہاری فناء اس کی مشیت پر اور بقاء اس کے فضل پر موقوف ہے، اس میں کسی کا دخل نہیں ہے، اور اپنے قول و یاتِ بخلقِ جدید سے زیادتی استغناء کا بیان ہے یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کو فنا کر دے گا تو اس کے کمال ملک میں نقصان ہوگا اس لئے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ جدید مخلوق پیدا کر دے جو اس سے بھی احسن و اجمل ہو وَمَا ذَٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیزٍ یعنی اذہاب و اتیان اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

قَوْلًا: وَاِزْدَادٌ یہ تَزِدُّ کا فاعل ہے اس کا موصوف محذوف ہے مفسر علام نے اپنے قول نفس سے محذوف کی طرف اشارہ کر دیا ہے، یعنی کوئی گناہگار شخص کسی گناہگار شخص کا (قیامت کے دن) بوجھ نہ اٹھائے گا۔

سُؤَال: اس آیت یعنی لَا تَزِدُّ وَاِزْدَادٌ وِزْرَ اُخْرٰی اور دوسری آیت وَلَیْسَ حَمِلُنَّ اَثْقَالَہُمْ میں تعارض معلوم ہوتا ہے، تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

جَوَاب: یہ آیت ضالین اور مضلین کے بارے میں ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ضلال و اضلال یعنی گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کا بوجھ اٹھائیں گے، اس طریقہ پر یہ خود اپنے ہی گناہوں کا بوجھ اٹھانے والے ہوں گے۔

قَوْلًا: وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِہَا. مُثْقَلَةٌ اِیْ نَفْسٌ مُثْقَلَةٌ بِالذَّنُوْبِ.

قَوْلًا: حِمْلٌ موصوف ہے۔

قَوْلًا: مِنْہُ حِمْلٌ ہ یہ حِمْلٌ بمعنی محمول کی صفت ہے اور ضمیر وِزْرٌ کی طرف راجع ہے اِیْ اِلٰی مَحْمُولِہَا الْکَاثِنِ مِنَ الْوِزْرِ، حِمْلٌ بالکسر اس وزن کو کہتے ہیں جو سر یا پشت پر اٹھایا ہو، جمع اَحْمَالٌ وَحُمُولٌ آتی ہے اور حِمْلٌ بالفتح پھلوں کو کہتے ہیں، جب تک کہ وہ درختوں پر ہوں اور بچہ کو کہتے ہیں جب کہ وہ رحم مادر میں ہو، ازہری نے کہا ہے کہ یہی صواب ہے اور یہی اصمعی کا قول ہے۔ (جمل)

قَوْلًا: عَدَمُ الْحِمْلِ فِی الشَّقِیْنِ شَقِیْنِ سے حمل اجباری جو کہ لَا تَزِدُّ وَاِزْدَادٌ وِزْرَ اُخْرٰی میں مذکور ہے اور حمل اختیاری ہو کہ وَاِنْ تَدْعُ. ذَا قُرْبٰنِی میں مذکور ہے، مراد ہیں یعنی حمل اجباری اور حمل اختیاری کی اجازت کا نہ ہونا، یہ اللہ ہی کے حکم سے ہوگا۔

قَوْلًا: یَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ، بِالْغَيْبِ، یَخْشَوْنَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے، ای یَخْشَوْنَہُ حال کو انہم غائبین عنہ غائبین یہ بندوں کی صفت ہے نہ کہ رب کی، اس لئے کہ رب کی صفت قرب ہے نہ کہ غیبت، کما قال اللہ تعالیٰ وَنَحْنُ اقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ اور یہ بھی درست ہے کہ یَخْشَوْنَ کے مفعول سے حال ہو، ای یَخْشَوْنَہُ والحوال اَنَّهُ غَائِبٌ عَنْهُمْ ای مُحْتَجِبٌ بِجَلَالِهِ فَلَا يَرَوْنَهُ مفسر علام نے اپنے قول وَمَا رَأَوْهُ سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی عدم رویت اس کے صفت جلال میں محجوب ہونے کی وجہ سے ہے اور جب جنت میں صفت جمال میں جلوہ گر ہوں گے تو جنتیوں کو خدا کا دیدار حاصل ہوگا، مگر دنیا میں ان آنکھوں سے خدا کا دیدار ممکن نہیں ہے۔

قَوْلًا: لِأَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُونَ بِالْإِنذَارِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ إِنَّمَا کلمہ حصر کے ذریعہ انذار کو اہل خشیت کے ساتھ خاص کرنے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ ہر مکلف کے لئے انذار ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ نصیحت و انذار سے اہل خشیت ہی متفع ہوتے ہیں، اس لئے اہل خشیت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، گویا کہ یہ کہا گیا ہے إِنَّمَا يَنْفَعُ إِنْذَارُكَ أَهْلَ الْخَشْيَةِ۔

قَوْلًا: وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ یہ مومن اور کافر کی مثال ہے، اولاً ما يستوى الاعمى والبصير سے مومن و کافر کی ذات میں فرق بیان کیا ہے، ثانیاً یعنی وَلَا الظلمات وَلَا النور سے دونوں کی صفات میں فرق بیان کیا اور ثالثاً یعنی وَلَا الظل وَلَا الحرور سے آخرت میں دونوں کے ٹھکانوں کے درمیان فرق کو بیان فرمایا، تینوں جملوں میں لَا کی زیادتی تاکید نفی کے لئے ہے، اس لئے کہ نفس نفی تو مانافیہ سے مفہوم ہے۔

قَوْلًا: إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ سَمْعًا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرًا یہ آپ ﷺ کو تسلی ہے۔

قَوْلًا: وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ میں کفار کو اثر قبول نہ کرنے میں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

قَوْلًا: فَلَا يَجِيبُونَ کی ضمیر جمع معنی کے اعتبار سے مَنْ کی طرف لوٹ رہی ہے، اس لئے کہ مفسر علام نے مَنْ کی تفسیر کفار سے کی ہے، بعض نسخوں میں فَيُجِيبُونَ ہے۔

قَوْلًا: إِنَّ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ مطلب یہ ہے کہ آپ کا فریضہ صرف تبلیغ ہے، ہدایت، اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔

قَوْلًا: بِالْحَقِّ يَهْدِيهِ إِلَى رَحْمَتِهِ رَبِّكَ إِنَّكَ كَرِيمٌ عَلِيمٌ اس میں ہدایت کے کاف سے حال ہے، اور حق بمعنی ہدایت ہے اور ہدایت ہادیہ کے معنی میں ہے ای اَرْسَلْنَاكَ حَالًا كَرِيمًا هَادِيًا۔

قَوْلًا: أَجَابَ إِلَيْهِ، إِلَيْهِ کی ضمیر ہدایت کی طرف راجع ہے اور أَجَابَ إِلَيْهِ کے معنی جواب دینا، قبول کرنا، أَجَابَ إِلَيْهِ ای قَبْلَهُ لَمْ يُجِبْ إِلَيْهِ ای لَمْ يَقْبَلْهُ۔

قَوْلًا: هُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَهُ اس میں اشارہ ہے کہ کيف كان نکیری میں استفہام تقریری ہے۔ (حاشیہ الجلالین)

قَوْلًا: وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَالْأَمْوَاتُ یہ کافروں کی دوسری تشبیہ ہے جو کہ پہلی سے ابلغ ہے پہلی تشبیہ کافروں کو عدم

نفع میں اندھوں کے ساتھ دی گئی ہے اور اس میں مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے، اندھوں میں کچھ نہ کچھ نفع ہوتا ہے بخلاف مردوں کے کہ ان میں کوئی نفع نہیں ہوتا۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيح

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ (الآية) ناس کا لفظ عام ہے جس میں عوام و خواص حتیٰ کہ اولیاء و صلحاء و انبیاء بھی داخل ہیں، اللہ کے در کے سب محتاج ہیں، لیکن اللہ کسی کا محتاج نہیں، وہ اتنا بے نیاز ہے کہ اگر سب لوگ اس کے نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں کوئی کمی اور اگر سب لوگ اس کے اطاعت گزار بن جائیں تو اس سے اس کی قوت اور حاکمیت میں کوئی زیادتی نہیں ہوگی، بلکہ نافرمانی سے خود انسانوں ہی کا نقصان اور طاعت و عبادت سے انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے۔

اور وہ اپنی نعمتوں کی وجہ سے محمود ہے یعنی اس نے جو نعمتیں اپنے بندوں پر کی ہیں ان پر وہ بندوں کے حمد و شکر کا مستحق ہے، اور اس کی شان بے نیازی کا یہ حال ہے کہ وہ چاہے تو تمہیں فنا کے گھاٹ اتار کر تمہاری جگہ ایک نئی مخلوق پیدا کر دے، جو اس کی اطاعت گزار ہو، اور یہ بات اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ یعنی قیامت کے روز کوئی شخص دوسرے شخص کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھائے گا، نہ اختیاری طور پر اور نہ اجباری طور پر، ہر شخص کو خود ہی اپنا بوجھ اٹھانا ہوگا، اور سورہ عنکبوت میں جو آیا ہے کہ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ یعنی گمراہ کرنے والے اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ساتھ اتنا ہی ان دوسروں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہوگا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ جن کو گمراہ کیا تھا ان کا بوجھ یہ لوگ کچھ ہلکا کر دیں گے، بلکہ ان کا بوجھ اپنی جگہ باقی رہے گا، اور گمراہ کرنے والوں کا جرم دہرا ہونے کی وجہ سے ان کا بوجھ بھی دہرا ہو جائے گا ایک گمراہ ہونے کا اور دوسرا گمراہ کرنے کا، حدیث شریف میں وارد ہوا ہے مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقة) درحقیقت یہ دوسروں کا بوجھ بھی ان کا اپنا ہی بوجھ ہے کہ ان ہی نے دوسروں کو گمراہ کیا تھا، جس طرح کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر کے ایک رسم بد ایجاد کی، اب آئندہ جتنے بھی قتل ہوں گے قاتل کے اعمال نامہ میں لکھے جانے کے علاوہ قاتل اول قابیل کے نامہ عمل میں بھی لکھے جائیں گے، یہی صورت کار خیر کے بارے میں بھی ہوگی۔

حضرت عکرمہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس روز ایک باپ اپنے بیٹے سے کہے گا کہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارا کیسا مشفق اور مہربان باپ تھا، وہ اقرار کرے گا اور کہے گا بے شک آپ کے احسانات بے شمار ہیں، آپ نے میرے لئے دنیا میں بہت تکلیفیں برداشت کی تھیں، اس کے بعد باپ کہے گا بیٹا آج میں تمہارا محتاج ہوں، اپنی نیکیوں میں سے تھوڑی مجھے دیدو، کہ میری نجات ہو جائے، بیٹا کہے گا ابا جان آپ نے بہت تھوڑی چیز طلب کی، مگر میں کیا کروں اگر میں وہ آپ کو دیدوں تو میرا بھی یہی حال ہو جائے گا، اس لئے میں مجبور ہوں، پھر وہ اپنی بیوی سے اسی طرح کہے گا، مگر بیوی بھی وہی جواب دے گی جو بیٹے نے دیا، اسی مضمون کو ایک دوسری آیت میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے، يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ

وَابْنِهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (سورہ عبس)

وَلَوْ كُنَّا ذَا قُرْبَىٰ لَعَنِىْ جَبَّ اَهْلِ قُرَابَتِ جَنِّ سَے بُرے وقت میں تعاون و ہمدردی کی توقع ہوتی ہے جب وہ ہی رخ پھیر کر دو ٹوک جواب دیدیں گے تو غیر اقارب کی مدد و تعاون کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ یہ جملہ مستانفہ ہے، ان لوگوں کا حال بیان کرنے کے لئے لایا گیا جو آپ کی انذار و تبلیغ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، حالانکہ وہ اس کے عذاب سے غائب ہیں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، حال یہ ہے کہ وہ عذاب ان سے غائب ہے، تیسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ لوگوں کی نظروں سے غائب خلوت اور تنہائیوں میں ڈرتے ہیں۔ (فتح القدیر)

نکتہ: وَلَا الظُّلُمْتُ وَلَا النُّورُ ظلمات سے مراد باطل اور نور سے مراد حق ہے ظلمات جمع اور نور کو واحد لانے میں یہ نکتہ ہے کہ حق ایک ہی ہوتا ہے اور باطل کثیر اور متعدد ہوتا ہے، اَحْيَاء سے مراد مومن اور اموات سے مراد کافر ہیں، عالم اور جاہل نیز دانشمند اور غیر دانشمند بھی مراد ہو سکتے ہیں، مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح مردوں کو قبروں میں کوئی بات نہیں سنائی جاسکتی، اسی طرح جن لوگوں کے قلوب کو کفر نے موت سے ہمکنار کر دیا ہے یعنی ان کی بد اعمالیوں نے ان کے اندر سے قبولیت حق کی صلاحیت ہی ختم کر دی ہے تو آپ ایسے لوگوں کو پیغام حق کہ ان کیلئے مفید اور نافع ہو، نہیں سناسکتے، ورنہ تو کہیں کفار مکہ بہرے نہیں تھے وہ آپ ﷺ کی باتیں خوب سنتے تھے مگر قبولیت کے ارادہ سے نہیں سنتے تھے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے ہدایت اور ضلالت یہ اللہ کے اختیار میں ہے، اس مسئلہ کا تعلق سماع موتی سے نہیں ہے، وہ الگ مستقل مسئلہ ہے، مطلب یہ ہے کہ مردے کی روح سنی ہے، قبر میں پڑا ہوا دھڑ نہیں سنتا۔ (فوائد عثمانی)

الْمَرْتَرُ تَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا فِيهِ الثِّقَاتِ عَنِ الْغَيْبَةِ بِهٖ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا كَاخْضَرُ وَأَحْمَرُ وَأَصْفَرُ وَغَيْرِهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ جَمْعُ جُدَّةٍ طَرِيقٌ فِي الْجَبَلِ وَغَيْرِهِ بَيْضٌ وَحُمْرٌ وَصَفَرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا بِالشِّدَّةِ وَالضَّعْفِ وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝ عَطَفٌ عَلَى جُدِّ اِی ضُحُوْرٌ شَدِيْدَةُ السَّوَادِ يُقَالُ كَثِيْرًا اَسْوَدُ غَرِيْبٌ وَقَلِيْلًا غَرِيْبٌ اَسْوَدُ وَمِنَ النَّاسِ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهُ كَذٰلِكَ كَاخْتِلَافِ الثِّمَارِ وَالْجِبَالِ اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ بِخِلَافِ الْجُهَالِ كَكُفَّارِ مَكَّةَ اِنَّ اللَّهَ عَزِيْزٌ فِيْ مُلْكِهٖ عَفُوْرٌ ۝ لِذُنُوْبِ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ يَقْرُوْنَ كَتَبَ اللّٰهُ وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ اَدَامُوْهَا وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً زَكٰوَةً وَغَيْرِهَا يَرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝ تَهْلِكُ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ ثَوَابَ اَعْمَالِهِمْ الْمَذْكُوْرَةَ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهُ غَفُوْرٌ لِّذُنُوْبِهِمْ شَكُوْرٌ ۝ لِّطَاعَتِهِمْ وَالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ الْقُرْاٰنِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۝ تَقَدَّمَ مِنَ الْكِتَابِ اِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيْرٌ بَصِيْرٌ ۝ عَالِمٌ بِالْبَوَاطِنِ وَالظُّوَابِرِ

ثُمَّ أَوْرَثْنَا أَعْيُنَنَا الْكِتَابَ الْقُرْآنَ الَّذِينَ أَصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا وَبِهِمْ أَمْنٌ فَفِيهِمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ بِالتَّقْصِيرِ فِي الْعَمَلِ بِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ يَعْمَلُ بِهِ فِي أَغْلَبِ الْأَوْقَاتِ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ يُضْمُّ إِلَى الْعَمَلِ بِهِ التَّعْلِيمَ وَالْإِشَادَةَ إِلَى الْعَمَلِ بِإِذْنِ اللَّهِ بِإِرَادَتِهِ ذَلِكَ أَيْ إِيْرَائِهِمُ الْكِتَابَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ جَنَّتُ عَدْنٍ إِقَامَةٌ تَدْخُلُونَهَا أَيْ الثَّلَاثَةُ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُولِ خَيْرُ جَنَّاتِ الْمُبْتَدَأِ يُحَلُّونَ خَيْرٌ ثَانٍ فِيهَا مِنْ بَعْضِ أَسَاوِرٍ مِنْ ذَهَبٍ وَلَوْلُؤًا مُرْصَعٍ بِالذَّهَبِ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ جَمِيعَهُ إِنَّ رَبَّنَا الْغَفُورُ لِلذُّنُوبِ شُكْرٌ ۝ لِطَاعَاتٍ ۝ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ أَيْ الْإِقَامَةَ مِنْ فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ نَعَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا الْغُوبُ ۝ إَغْيَاءٌ مِنَ التَّعَبِ لِعَدَمِ التَّكْلِيفِ فِيهَا وَذِكْرُ الثَّانِي التَّابِعُ لِلْأَوَّلِ لِلتَّضَرُّعِ بِنَفْسِهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَى عَلَيْهِمْ بِالْمَوْتِ فَيَمُوتُوا يَسْتَرِيحُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا طَرْفَةٌ عَيْنٍ كَذَلِكَ كَمَا جَزَيْنَاهُمْ نَجْزِي كُلِّ كُفُومٍ ۝ كَافِرٍ بِالْيَأِ وَالنُّونِ الْمَفْتُوحَةِ مَعَ كَسْرِ الزَّايِ وَنَصْبِ كُلِّ وَهُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا يَسْتَغِيثُونَ بِشِدَّةٍ وَعَوِيلٍ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ فَيَقَالُ لَهُمْ أَوَلَمْ نَعْمَرْكُمْ مَّا وَقْتًا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمْ النَّذِيرُ الرُّسُولُ فَمَا أَحْبَبْتُمْ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ الْكَافِرِينَ ۝ مِنْ تَصِيرٍ ۝ يَدْفَعُ الْعَذَابَ عَنْهُمْ.

ترجمہ: اے مخاطب! کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ مختلف رنگوں کے پھل پیدا کئے اس میں غیبت سے تکلم کی جانب التفات ہے جیسا کہ سبز اور سرخ اور زرد وغیرہ اور پہاڑوں میں بھی مختلف رنگوں کی دھاریاں ہیں جُددُ جُدَّة کی جمع ہے، پہاڑی راستے وغیرہ کو کہتے ہیں، (مثلاً) سفید و سرخ اور زرد اور وہ رنگ تیز اور ہلکا ہونے کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ بھی اس کا عطف جُددُ پر ہے یعنی نہایت تیز رنگ کی چٹانیں ہیں، کثیر الاستعمال اَسْوَدُ غَرِيبٌ اَسْوَدُ ہے اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں پھلوں اور پہاڑوں کے رنگوں کے اختلاف کے مانند کہ ان کی رنگتیں بھی مختلف ہیں، اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت) کا علم رکھتے ہیں بخلاف جاہلوں کے جیسا کہ مکہ کے کافر واقعی اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں زبردست اور اپنے مومن بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے بلاشبہ جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ زکوٰۃ وغیرہ کے طور پر خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں کہ جو کبھی خسارے میں نہ ہوگی تاکہ ان کو ان کا بھرپور صلہ دے یعنی ان کے اعمال مذکورہ کا ثواب اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے بے شک وہ گنہ گاروں کا بڑا بخشش والا اور ان کی طاعت کا قدر دان ہے اور یہ کتاب قرآن جو ہم نے آپ کو وحی کے ذریعہ بھیجی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے جو اپنے سے سابقہ کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے بیشک اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں کی (حالت کی) پوری خبر رکھنے والا اور خوب دیکھنے والا ہے یعنی ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے پھر ہم نے اس کتاب قرآن کا ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں پسند کیا اور وہ آپ کی امت ہے سوان میں سے بعض تو اپنے اوپر اس کتاب پر عمل کرنے میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ ان میں سے درمیانہ درجے کے ہیں کہ اکثر اوقات اس پر عمل کرتے ہیں اور بعض ان میں سے ایسے ہیں جو اللہ کی مشیت (و توفیق) سے نیکیوں میں ترقی کئے جاتے ہیں یعنی قرآن پر عمل کے ساتھ تعلیم اور عمل کی طرف رہنمائی کو بھی ملا لیتے ہیں یہ یعنی ان کو کتاب کا وارث بنانا خدا کا بڑا فضل ہے، وہ ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن میں یہ تینوں (فریق) داخل ہوں گے (یُذْخِلُون) معروف اور مجہول دونوں ہیں یَدْخُلُونَهَا، جنات مبتدا کی خبر ہے، جنت میں ان کو سونے کے کنگن اور سونے سے جڑے ہوئے موتی پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس جنت میں ریشم کا ہوگا اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے کہ اس نے ہمارے تمام غم دور کر دیئے بے شک ہمارا پروردگار گناہوں کا بڑا بخشنے والا ہے اور طاعات کا قدر دان ہے جس نے ہم کو اپنے فضل سے دائمی قیام گاہ میں داخل کیا جہاں ہم کو نہ کوئی مشقت پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی تکان لاحق ہوگی، (یعنی) تعب کی وجہ سے خستگی، جنت میں تکلیف نہ ہونے کی وجہ سے، اور ثانی یعنی (لغوب) کا ذکر جو کہ اول (یعنی نصب) کے تابع ہے صراحۃً تکان کی نفی کے لئے ہے اور کافروں کے لئے جہنم کی آگ ہے نہ ان کو موت ہی آئے گی کہ مر کر ہی راحت پا جائیں اور نہ ان سے لمحہ بھر کے لئے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، جس طرح ان کو ہم نے سزا دی، ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیں گے ی اور نون مفتوحہ اور ز کے کسرہ اور کُحْل کے نصب کے ساتھ اور وہ لوگ جہنم میں فریاد کریں گے (یعنی) شدت سے ہائے پکار کرتے ہوئے کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم کو تو اس سے نکال دے ہم ان کاموں کے برخلاف کریں گے جن کو کیا کرتے تھے نیک کام کریں گے تو ان کو جواب دیا جائے گا کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا تھا اور تمہارے پاس ڈرانے والا رسول بھی پہنچا تھا، تو تم نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو مزا چکھو، ایسے ظالموں کا (کافروں) کا کوئی مددگار نہیں کہ ان سے عذاب کو دفع کرے۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ لِتَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: اَلَمْ تَرَ یَہ کلام متانف ہے، یہ غالب قدرت اور کمال حکمت اور عجیب صنعت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، اور رویت سے مراد رویت قلبی ہے جیسا کہ مفسر علام نے تریٰ کی تفسیر تَعْلَم سے کر کے اشارہ کر دیا ہے اَنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر تریٰ بمعنی تَعْلَم کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے، اور مخاطب آپ ﷺ ہیں اور ہر وہ شخص بھی مخاطب ہو سکتا ہے جس میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہو۔

قَوْلُهُ: فَاخْرَجْنَا بِہ اِی بِالْمَاءِ فَاخْرَجْنَا اس میں غیبت سے تکلم کی طرف التفات ہے، اور نکتہ اس التفات میں صنعت بدیع کی طرف عنایت کا اظہار ہے اس لئے کہ انزال کے مقابلہ میں اخراج میں زیادہ احسان اور صنعت بدیع ہے۔

قَوْلٌ: مختلفاً ألوانها كَانَصْب ثمرات کی صفت ہونے کی وجہ سے ہے، اور ألوان سے مراد مختلف ألوان و اقسام ہیں ای بعضها ابيض وبعضها احمر وبعضها اصفر، وبعضها اخضر وبعضها اسود۔

قَوْلٌ: جُدَّدُ جمع جُدَّةٌ بمعنی راستہ، اور بعض حضرات نے کہا ہے جُدَّةٌ بمعنی قِطْعَةٌ ہے، يقال جَدَدْتُ الشَّيْءَ اِی قَطَعْتُهُ اور جوہری نے کہا ہے جُدَّةٌ ان دھاریوں کو کہتے ہیں جو ہمارو حشی (زیرا) کی پشت پر ہوتی ہیں۔

قَوْلٌ: مختلف ألوانها، ألوانها، مختلف کا فاعل ہے پھر جملہ ہو کر جُدَّدُ کی صفت ہے، اور غرابیب کا عطف جُدَّدُ پر ہے اور سوڈ غرابیب سے بدل ہے یعنی نہایت سیاہ چٹانیں، غریبٌ اسود کی تاکید یا صفت ہے، جیسا کہ الاحمر القانی میں قانی احمر کی صفت ہے یا تاکید ہے، مبالغہ کیلئے صفت کو یعنی تاکید کو مقدم کر دیا ہے، ورنہ عام طور پر صفت موصوف سے اور تاکید مؤکد سے مؤخر ہوا کرتی ہے، اور یہ اصل کے مطابق ہے، اسی لئے اسود غریبٌ کثیر الاستعمال ہے اور غریبٌ اسود خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے قلیل الاستعمال ہے۔

قَوْلٌ: وَمِنَ النَّاسِ خَبْرٌ مُّقَدَّمٌ ہے مُّخْتَلَفٌ ألوانه موصوف محذوف کی صفت ہے اِی صِنْفٌ مُّخْتَلَفٌ ألوانه مِنَ النَّاسِ۔

قَوْلٌ: كَذَلِكَ مصدر محذوف کی صفت ہے اِی اِخْتِلَافًا كَذَلِكَ۔

قَوْلٌ: اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ چونکہ خشیت کا تعلق شئی کی معرفت پر موقوف ہوتا ہے جس کو جس قدر زیادہ معرفت حاصل ہوگی وہ اسی قدر زیادہ ڈرنے والا ہوگا، چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے اَنَا اخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَاتَّقَاكُمْ لَهُ اور شاذ قراءت میں اللہ کے رفع اور علماء کے نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، مگر اس صورت میں يَخْشَى بمعنی يُعْظَمُ ہوگا، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے سے ڈرنے والوں کی قدر کرتا ہے۔

قَوْلٌ: اِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ یہ وجوب خشیت کی علت ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کو اس سے اس لئے ڈرنا چاہئے کہ وہ ہر شئی پر غالب و قاہر ہے اور گنہگاروں کو معاف کرنے والا ہے۔

قَوْلٌ: يَرْجُونَ تِجَارَةً اِنَّ كِیْ خَبْرٌ ہے۔

قَوْلٌ: سِرًّا وَعَلَانِيَةً نَزَعُ خَافِضٌ کی وجہ سے منصوب ہے اِی فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ اور حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے اِی مَسْرِينِ وَمُعْلِنِينَ، لَنْ تَبُورَ فعل مضارع منصوب بلن ہے اور جملہ ہو کر تِجَارَةً کی صفت ہے، اور مضاف محذوف ہے اِی يَرْجُونَ ثَوَابَ تِجَارَةٍ لَنْ تَبُورَ، تَبُورُ (ن) سے بَوَارٌ، ہلاک ہونا، ثَنَا تَبُورٌ واحد مؤنث حاضر، وہ ہلاک ہوگئی، وہ خراب ہوگئی۔

قَوْلٌ: لِيُوقِيَهُمْ اَجُورَهُمْ میں لام عاقبہ ہے۔

قَوْلٌ: وَالَّذِي الَّذِي موصول، اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ جملہ ہو کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مبتداء، مِنَ الْكِتَابِ میں مِن بَيَانِيَةِ ہے هُوَ مبتداء الحق خبر، مبتداء با خبر جملہ ہو کر الَّذِي مبتداء کی خبر، اور بعض حضرات نے هُوَ کو ضمیر فصل کہا ہے اور الحق کو

الذی مبتدا کی خبر کہا ہے۔ (جمل)

قَوْلٌ: مُصَدِّقًا، الْكِتَابِ سے حال ہے۔

قَوْلٌ: ثُمَّ أَوْرَثْنَا أَعْطَيْنَا، ثُمَّ بَعْدِ رَتْبِ کُوبِیَانِ کرنے کے لئے ہے اور أَوْرَثْنَا کی تفسیر أَعْطَيْنَا سے کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح میراث بغیر تعب و مشقت کے حاصل ہوتی ہے اسی طرح کتاب (القرآن) بھی امت کو بغیر تعب و مشقت کے حاصل ہوئی ہے۔

قَوْلٌ: مِنْ عِبَادِنَا میں مِنْ بیانیہ اور تبعیضیہ دونوں ہو سکتے ہیں۔

قَوْلٌ: أَوْرَثْنَا فعل بافاعل ہے الْكِتَابِ مفعول بہ ثانی مقدم ہے، اور الذین مفعول اول مؤخر ہے اور اصْطَفَيْنَا جملہ ہو کر الذین کا صلہ ہے اور مِنْ عِبَادِنَا حال ہے۔

قَوْلٌ: مُقْتَصِدٌ، اِقْتِصَادٌ سے اسم فاعل واحد مذکر سیدھے راستہ پر قائم، میانہ رو۔

قَوْلٌ: مُرْصِعٌ بِالذَّهَبِ یہ تفسیر لَوْلُو جَر کے ساتھ قراءت کی صورت میں ہے اور اگر لَوْلُو انصب کی قراءت ہو تو مِنْ اَسَاوِرَ کے محل پر عطف ہوگا یَدْخُلُونَ اور یُحْلُونَ یہ تعلیل ہیں ورنہ تو یہی حکم عورتوں کا بھی ہے۔

قَوْلٌ: الْحَزَنُ یہ باب سمع کا مصدر ہے، بمعنی غم اور غمگین ہونا، شارح علام نے جمیعہ کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ہر قسم کے غم کا ازالہ مراد ہے، خواہ غم معاش ہو یا غم معاد، غرضیکہ جنت میں کسی قسم کا غم نہ ہوگا۔

قَوْلٌ: قَالُوا ماضی کا صیغہ وقوع یقینی کی وجہ سے لایا گیا ہے۔

قَوْلٌ: اَحَلَّنَا یہ حَلَّ یَحُلُّ حَلُولًا سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں داخل ہونا۔

قَوْلٌ: الْمُقَامَةُ یہ باب (افعال) سے مصدر مسمی ہے، بمعنی دائمی اقامت۔

قَوْلٌ: نَصَبٌ تکان، مشقت۔

قَوْلٌ: لُغُوبٌ، لُغُوبٌ مصدر اور اسم مصدر ہے خستگی، در ماندگی، سستی۔ (لغات القرآن)

قَوْلٌ: وَذِكْرُ الثَّانِي التَّابِعِ لِلْأَوَّلِ مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے ایک شبہ کا جواب دینا ہے۔

شبہ: یہ ہے نَصَبٌ تکان سبب اور لُغُوبٌ (سستی) مسبب ہے اور انتفاء سبب انتفاء مسبب کو مستلزم ہے اور لَا یَمَسُّنَا

فِیْهَا نَصَبٌ میں سبب کی نفی ہے لہذا لغوب کی بھی نفی ہوگئی، دوبارہ لغوب کی نفی کی کیا ضرورت؟

جواب: کا ما حاصل یہ ہے کہ اگرچہ سبب کی نفی مسبب کی نفی کو مستلزم ہوتی ہے مگر یہ نفی ضمناً اور تبعاً ہوتی ہے، لغوب کی نفی کر کے مستقلاً نفی کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلٌ: یَضْطَرُّ حَوْثٌ، اِضْطِرَّاحٌ سے جمع مذکر غائب وہ چنچیں گے، اِضْطِرَّاحٌ (افتعال) تا کو ط سے بدل دیا گیا ہے۔

قَوْلٌ: الْعَوِیْلُ، رَفَعَ الصَّوْتَ بِالْبُكَاءِ زور زور سے رونا۔

قَوْلٌ: أَوَلَمْ نَعْمَرْكُمْ، ما یہ جملہ قول محذوف کا مقولہ ہے ای فیقال لکم ہمزہ استفہام انکاری تو بخ کیلئے ہے، واو

عاطفہ کے ذریعہ محذوف پر عطف ہے ای الْمَنْمُهِلُكُمْ وَنُؤَخِرْكُمْ عَمْرًا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ، مانکرہ موصوفہ بمعنی وقت ہے، اور يَتَذَكَّرُ جملہ ہو کر صفت ہے۔

قَوْلُهُ: مَا أَجَبْتُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِذَا قَسَبَ عَذَابِ کا ترتب محبت رسول پر مرتب ہے، حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اِذَا قَسَبَ عَذَابِ محذوف پر مرتب ہے نہ کہ محبت رسول پر اور وہ محذوف فما أَجَبْتُمْ ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

رَبط آیات:

سابقہ آیات میں لوگوں کے احوال کا مختلف ہونا اور اس کی تمثیلات بیان فرمائی ہیں مثلاً وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ان آیات میں اسی کی مزید توضیح ہے کہ مخلوقات میں باہمی تفاوت ایک خلقی امر ہے اور یہ تفاوت نباتات و جمادات تک میں موجود ہے، اور یہ اختلاف صرف شکل و صورت یا رنگ و بو ہی تک محدود نہیں بلکہ طبیعت اور خاصیت میں بھی پایا جاتا ہے۔

الْمَرْتَرَانُ اللَّهُ (الآیۃ) یعنی جس طرح مومن و کافر، صالح اور فاسق دونوں قسم کے لوگ ہیں اسی طرح دیگر مخلوقات میں بھی تفاوت و اختلاف ہے، مثلاً پھلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں اور ذائقے اور بو بھی، حتیٰ کہ ایک ہی پھل کی نہ صرف یہ کہ شکل و صورت مختلف ہوتی ہے بلکہ رنگ و ذائقہ بھی مختلف ہوتا ہے، بلکہ خدا کی قدرت دیکھئے کہ ایک ہی پھل کے مختلف اجزاء کا رنگ و بو اور مزہ ایک دوسرے سے بہت مختلف بلکہ ضد ہوتا ہے اگر مغز شیریں ہے تو بیج نہایت تلخ ہے اور بیج شیریں ہے تو چھلکا نہایت بدمزہ ہے جبکہ سب کو خوراک ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی و ہوا ایک ہی سورج کی گرمی اور چاند کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے اور خوراک سب کو ایک ہی تنے اور شاخوں کے ذریعہ پہنچتی ہے اس کے باوجود اس قدر فرق!! ایک ہی قادر مطلق کی قدرت نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح پہاڑ اور اس کے حصے یا راستے اور خطوط مختلف رنگوں کے ہیں، سفید، سرخ اور بہت گہرے سیاہ جُذْدُ جُذْدَةٍ کی جمع ہے راستہ یا لکیر کو کہتے ہیں، غَرَابِيبُ غَرَابِيبُ کی جمع ہے اور سَوْدٌ، اسْوَدُ کی جمع ہے، سیاہ کو کہتے ہیں جب گہرے سیاہ پن کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے تو اسود کے ساتھ غَرَابِيبُ کا لفظ استعمال کرتے ہیں اسْوَدُ غَرَابِيبُ بولتے ہیں بہت زیادہ سیاہ، جیسا کہ الاحمر القانی نہایت سرخ، پتھر کی چٹانیں بھی مختلف رنگ کی ہوتی ہیں بلکہ ایک ہی چٹان میں مختلف رنگوں کی لکیریں ہوتی ہیں جو آپس میں نہایت ممتاز و مختلف ہوتی ہیں، اسی طرح انسان اور جانور بھی سفید سیاہ سرخ اور زرد رنگ کے ہوتے ہیں، یہ سب قدرت خداوندی کی نشانیاں ہیں، اور خدا کی ان قدرتوں اور اس کی کمال صنعت کو وہی لوگ جان اور سمجھ سکتے ہیں جو کتاب و سنت اور اسرار الہیہ کا علم رکھتے ہیں، اور جتنی جس کو خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اسی قدر خدا سے ڈرتے ہیں گویا جن کو

خشیت حاصل نہیں سمجھ لو کہ وہ علم صحیح سے محروم ہیں، اور قرآنی اصطلاح میں عالم اسی کو کہا جاتا ہے جس کے اندر خشیت الہی موجود ہو، کذلک پر جمہور کے نزدیک وقف ہے یعنی اس کا تعلق ماقبل کے مضمون سے ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کذلک کا تعلق مابعد کے ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح ثمرات، پہاڑ، حیوانات اور اشیاء ان مختلف رنگوں پر منقسم ہیں، اسی طرح خشیت الہی میں بھی لوگوں کے درجات مختلف ہیں، کسی کو خشیت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے اور کسی کو ادنیٰ اور کسی کو متوسط اور مدار اس کا علم پر ہے، جس درجہ کا علم ہوگا اسی درجہ کی خشیت ہوگی۔ (روح)

سفیان ثوری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں، علماء کی تین قسمیں ہیں: ① ایک عارف باللہ و عالم بامر اللہ، یہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو اور اس کے حدود و فرائض کو جانتا ہو، ② دوسرا صرف عارف باللہ، جو اللہ سے تو ڈرتا ہے لیکن اس کے حدود و فرائض سے بے خبر ہے، ③ تیسرا وہ جو صرف عالم بامر اللہ ہو جو حدود و فرائض سے باخبر ہے لیکن خشیت الہی سے عاری ہے۔ (ابن کثیر)

سابق آیات میں ارشاد فرمایا تھا اِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ اس میں آپ ﷺ کی تسلی اور دلداری کے لئے فرمایا کہ آپ کے انداز و تبلیغ کا فائدہ صرف وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو غائبانہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اس کی مناسبت سے اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی خشیت حاصل ہے، لفظ اِنَّمَا عربی زبان میں حصر کے لئے آتا ہے، اس لئے اس جملہ کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں، مگر ابن عطیہ وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ کلمہ اِنَّمَا جس طرح حصر کے لئے آتا ہے، اسی طرح کسی کی خصوصیت بیان کرنے کے لئے بھی آتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہیں کہ خشیت الہی علماء کا وصف خاص ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر عالم میں خشیت نہ ہو۔ (بحر محیط، ابو حیان)

اور آیت میں علماء سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا کما حقہ علم رکھتے ہیں، صرف عربی زبان یا اس کے صرف ونحو اور معانی و بلاغت یا محض الفاظ قرآنی کے معانی کے جاننے والوں کو قرآن کی اصطلاح میں عالم نہیں کہا جاتا، حسن بصری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ عالم وہ شخص ہے کہ جو خلوت و جلوت میں اللہ سے ڈرے اور جن چیزوں کی اللہ نے ترغیب دی ہے وہ مرغوب ہوں اور جو چیزیں اللہ کے نزدیک مبغوض ہیں اس کو ان سے نفرت ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

ليس العلم بكثرة الحديث ولكن العلم عن كثرة الخشية.

یعنی بہت سی احادیث یاد کر لینا کوئی علم نہیں بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو۔

قال مجاہد رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی، اِنَّمَا الْعَالِمُ مَنْ خَشِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَالِمٌ كَبُلَانِے کا مستحق وہی ہے جس میں خشیت الہی غالب ہو، اور مسروق رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے کہا کفی بخشية الله علماً و كفى بالاغترار جهلاً.

اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ میں مفعول کو مقدم کرنے کی وجہ سے فاعلیت میں حصر ہے، مفعول کو مؤخر کرنے کی صورت میں حصر میں قلب ہو جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ غَفُوْرٌ یہ وجوب خشیت کی علت ہے، یعنی اس سے کیوں ڈرنا چاہئے؟ اس لئے کہ وہ معصیت پر سزا دینے والا ہے اور توبہ کرنے والوں کو معاف کرنے والا ہے۔

يَرْجُوْنَ تَجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ، اِنَّ کی خبر ہونے کی وجہ سے جملہ ہو کر محلاً مرفوع ہے یعنی جو لوگ قرآن کریم کی پابندی سے تلاوت کرتے ہیں اور نمازوں کو ان کے اوقات پر اس کے آداب کی رعایت کے ساتھ پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے موقع کے لحاظ سے پوشیدہ اور ظاہر طریقہ سے خرچ کرتے ہیں بعض کے نزدیک ”سر“ سے مراد نفلی صدقہ ہے، اور ”علانیہ“ سے واجب اور فرض صدقہ ہے، تو ایسے لوگ آخرت میں ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں خسارہ کا امکان نہیں ہے، اعمال صالحہ کے ثواب کی امید کی خبر دینا حصول مرجو کے وعدہ کے قائم مقام ہے، لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُوْرَهُمْ کلام لَّنْ تَبُوْرَ سے متعلق ہے، مطلب یہ ہے کہ صالحین کا خسران و نقصان اس لئے نہیں ہوگا کہ ان کے اعمال صالحہ کا صلہ پورا پورا عطا کیا جائے گا، اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے گا۔

اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ یہ توفیۃ اور زیادۃ کی علت ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کے گناہ معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ اخلاص سے توبہ کریں ان کے جذبہ اطاعت اور عمل صالح کا قدردان ہے، اسی لئے وہ صرف اجر ہی نہیں دے گا بلکہ اپنے فضل و کرم سے مزید بھی دے گا۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ، ثُمَّ حرف عطف ہے، اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ثُمَّ سے پہلے اور بعد کی دونوں چیزیں اصل وصف میں مشترک ہونے کے باوجود تقدم و تاخر رکھتی ہیں، پہلی چیز مقدم اور بعد کی چیز مؤخر ہوتی ہے، اور یہ تقدم و تاخر کبھی زمانہ کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی رتبہ اور درجہ کے اعتبار سے، یہاں ثُمَّ حرف عطف ہے، اور معطوف علیہ پہلی آیت کا لفظ اَوْحَيْنَا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے یہ کتاب یعنی قرآن جو خالص حق ہی حق ہے اور تمام پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، پہلے بطور وحی آپ کے پاس بھیجا، اس کے بعد ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب اور پسند کر لیا ہے، یہ تقدم و تاخر رتبہ اور درجہ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے ہی کہ قرآن کا بذریعہ وحی آپ کے پاس آنا رتبہ اور درجہ میں مقدم ہے اور امت کو عطا فرمانا اس سے مؤخر ہے، اور اگر امت کو وارث قرآن بنانے کا یہ مطلب لیا جائے کہ آپ نے اپنے بعد امت کے لئے زرو زمین کی وراثت چھوڑنے کے بجائے اللہ کی کتاب بطور وراثت چھوڑی، جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی شہادت موجود ہے، آپ نے فرمایا انبیاء درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑا کرتے، وہ وراثت میں علم چھوڑا کرتے ہیں، اور ایک دوسری حدیث میں العلماء و رثۃ الانبیاء فرمایا، اس لحاظ سے تقدیم و تاخیر زمانی بھی ہو سکتی ہے، کہ ہم نے یہ کتاب آپ کو عطا فرمائی اور آپ نے اس کو امت کے لئے بطور وراثت چھوڑا، وارث بنانے سے مراد عطا کرنا ہے، اور عطا کو میراث سے تعبیر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وراثت بغیر محنت و مشقت حاصل

ہو جاتی ہے یہ کتاب بھی امت کو بغیر محنت و مشقت کے حاصل ہوئی ہے، کتاب سے مراد قرآن اور منتخب بندوں سے علماء مراد ہیں جن کے واسطے سے پوری امت محمدیہ ﷺ کو قرآن پہنچا ہے۔

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ (الآیۃ) مفسرین کے نزدیک وہ منتخب بندے جن کو کتاب اللہ (قرآن) کا وارث بنایا ہے، جمہور کے نزدیک امت محمدیہ ہے، علماء بلا واسطہ اور دوسرے لوگ بالواسطہ، اللہ تبارک و تعالیٰ نے امت محمدیہ کو تمام سابقہ کتابوں کا وارث بنایا، اس لئے کہ قرآن جو امت محمدیہ ﷺ کے لئے نازل کیا گیا ہے وہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مذکورہ آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ اِصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا سَبَقًا لِّمَنْ يَسْبِقُهَا وَمِنْهُمْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بَغَيْرِ حِسَابٍ یعنی اس امت کا ظالم بخشا جائے گا، اور میانہ رو سے آسان حساب لیا جائے گا، اور سابق بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا۔ (ابن کثیر)

اس آیت میں امت محمدیہ ﷺ کے تین طبقے بتائے گئے ہیں، ظالم، مقتصد، سابق، ان تینوں قسموں کی تفسیر امام ابن کثیر نے اس طرح بیان فرمائی ہے، ظالم سے مراد وہ آدمی ہے جو بعض واجبات میں کوتاہی کرتا ہے، اور بعض محرمات کا ارتکاب بھی کر لیتا ہے، اور مقتصد یعنی میانہ رو وہ شخص ہے جو تمام واجبات شریعت کو ادا کرتا ہے اور تمام محرمات سے اجتناب کرتا ہے مگر بعض اوقات مستحبات کو چھوڑ دیتا ہے اور بعض مکروہات میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور سابق بالخیرات وہ شخص ہے جو تمام واجبات و مستحبات کو ادا کرتا ہے اور تمام محرمات و مکروہات سے اجتناب کرتا ہے اور بعض مباحات کو عبادت میں مشغول ہونے یا شبہ حرمت کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے۔ (یہ ابن کثیر کا بیان ہے) دیگر مفسرین نے ان تینوں قسموں کی تفسیر میں اور بہت سے اقوال نقل کئے ہیں جن کی تعداد پینتالیس تک پہنچ جاتی ہے، مگر ان کا حاصل وہی ہے جس کو ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

مذکورہ تفسیر سے معلوم ہوا کہ اَلَّذِينَ اصْطَفَيْنَا سے امت محمدیہ مراد ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم یعنی ظالم بھی اَلَّذِينَ اصْطَفَيْنَا یعنی اللہ کے منتخب بندوں میں شامل ہے، اس کو بظاہر مستبعد سمجھ کر بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ظالم، امت محمدیہ اور منتخب بندوں سے خارج ہے، مگر بہت سی احادیث صحیحہ معتبرہ سے ثابت ہے کہ مذکورہ تینوں قسمیں امت محمدیہ ﷺ کی ہیں، اور یہ امت محمدیہ ﷺ کے مومن بندوں کی انتہائی خصوصیت اور فضیلت ہے کہ ان میں جو عملی طور پر ناقص بھی ہے وہ بھی اس شرف میں داخل ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت مذکورہ اَلَّذِينَ اصْطَفَيْنَا کی تینوں قسموں کے متعلق فرمایا کہ یہ سب ایک ہی مرتبہ میں ہیں، اور سب جنتی ہیں (رواہ احمد، ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ درجات کے تفاوت

کے ساتھ سب جنتی ہیں، ابوداؤد طیالسی نے عقبہ ابن صہبان بنانی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی تو انہوں نے فرمایا بیٹا یہ تینوں قسمیں جنتی ہیں، ان میں سے سابق بالخیرات تو وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں گزر گئے جن کے جنتی ہونے کی شہادت خود رسول اللہ ﷺ نے دیدی، اور مقتصد وہ لوگ ہیں جو ان کے نشان قدم پر چلے اور سابقین کی اقتداء پر قائم رہے یہاں تک کہ ان کے ساتھ مل گئے باقی رہے ظالم لنفسہ تو وہ ہم تم جیسے لوگ ہیں یہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی کسر نفسی تھی کہ خود کو تیسرے درجہ میں شمار کیا حالانکہ احادیث صحیحہ کی تصریحات کے مطابق وہ سابقین اولین میں سے ہیں۔

علماء امت محمدیہ کی عظیم الشان فضیلت:

جیسا کہ سابق میں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو کتاب اللہ کا وارث بنایا وہ اس کے منتخب بندے ہیں، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کے وارث بلا واسطہ حضرات علماء ہیں، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے العلماء ورثة الانبیاء حضرت ثعلبہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز علماء امت سے خطاب فرمائیں گے کہ میں نے تمہارے سینوں میں اپنا علم و حکمت صرف اسی لئے رکھا تھا کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ تمہاری مغفرت کر دوں عمل تمہارے کیسے بھی ہوں، اور یہ بات اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ جس شخص میں خشیت اور خوف خدا نہیں، وہ علماء کی فہرست ہی سے خارج ہے اس لئے یہ خطاب ان لوگوں کو ہوگا جو خشیت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں۔ (ابن کثیر)

اَوَلَمْ نَعْمَرْكُمْ یعنی جب جہنمی جہنم میں فریاد کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار آپ ہمیں اس عذاب سے نکال دیجئے، اب ہم آئندہ نیک عمل کریں گے، یعنی غیروں کے بجائے تیری عبادت اور معصیت کے بجائے اطاعت کریں گے، تو اس وقت جواب دیا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر کی مہلت نہیں دی تھی جس میں غور کرنے والا غور کر کے صحیح راستہ پر آجائے، حضرت علی بن حسین، زین العابدین نے فرمایا کہ اس سے مراد سترہ سال کی عمر ہے اور حضرت قتادہ نے اٹھارہ سال کی عمر بتلائی ہے، اور مراد اس سے عمر بلوغ ہے۔

فَاُولَٰئِكَ: اس آیت میں سب سے پہلے ”ظالم“ کو پھر ”مقتصد“ کو آخر میں ”سابق بالخیرات“ کو ذکر فرمایا ہے حالانکہ ترتیب اگر اس کے برعکس ہوتی تو بہتر ہوتا، اس ترتیب کا سبب شاید یہ ہو کہ تعداد کے اعتبار سے ظالم لنفسہ سب سے زیادہ ہیں ان سے کم مقتصد اور ان سے کم سابق بالخیرات ہیں جن کی تعداد زیادہ تھی ان کو مقدم کیا گیا، ظالم کی تقدیم سے یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ تقدیم افضل و اشرف ہونے کا تقاضہ کرتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے قول لَا يَسْتَوِي اصْحَابُ النَّارِ وَاصْحَابُ الْجَنَّةِ میں اہل نار کو مقدم بیان کیا ہے حالانکہ ان کے لئے کوئی فضیلت نہیں ہے۔

النَّاسَ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلْقًا فِي الْأَرْضِ جَمْعُ خَلِيفَةٍ اِی یَخْلُقُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَمَنْ كَفَرَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ
ای وہی کُفْرہ وَلَا یَزِیدُ الْکَافِرِیْنَ کُفْرَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا غَضَبًا وَلَا یَزِیدُ الْکَافِرِیْنَ کُفْرَهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝ بلا خیرۃ
قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَکَّاءَ کُمْ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اِی غَیْرِهِ وَبِهِمُ الْاَصْنَامُ الَّذِیْنَ رَعَمْتُمْ اَنْتُمْ شُرَکَّاءُ
اللّٰهِ تَعَالٰی اُرْوِیْ اَخْبِرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْکٌ شَرِکٌ مَعَ اللّٰهِ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
اَمْ اَتٰیْنَاهُمْ کِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَیِّنٰتٍ حُجَّةٍ مِّنْهُ ۚ بَانَ لَهُمْ مَعٰی شِرْکُهُ لَا شَیْءَ مِنْ ذٰلِكَ بَلْ اِنْ مَّا یَعْدُوْنَ الظَّالِمُوْنَ
الْکَافِرُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُورًا ۝ باطلاً بِقَوْلِهِمْ الْاَصْنَامُ تَشْفَعُ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ یُمِیْسُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ
تَزُولَا ۚ اِی یَمْنَعُهُمَا مِنَ الزَّوَالِ وَلَیْنِ لَّام قَسَمٍ مِّنَ التَّائٰنِ مَا اَمْسَکَهُمَا یُمْسِکُهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ اِی
سِوَاہِ اِنَّہٗ كَانَ حَلِیْمًا عَفُوًّا ۝ فِی تَاخِیْرِ عِقَابِ الْکُفَّارِ وَاَقْسَمُوا اِی کُفَّارَ مَکَّةَ بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ اِی
غَایَةِ اِجْتِهَادِهِمْ فِیْہَا لَیْنٌ جَاءَ هُمْ نَذِیْرٌ رَّسُوْلٌ لِّیَکُوْنُنَّ اَهْدٰی مِنْ اِحْدٰی الْاُمَمِ الْیَہُودِ وَالنَّصَارٰی
وْغَیْرِہِمَا اِی اٰی وَاحِدَةً مِّنْہُمَا لَمَّا رَاوْا مِنْ تَکْذِیْبِ بَعْضِہَا بَعْضًا اِذْ قَالَتِ الْیَہُودُ لَیْسَتْ
النَّصَارٰی عَلٰی شَیْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارٰی لَیْسَتْ الْیَہُودُ عَلٰی شَیْءٍ فَلَمَّا جَاءَ هُمْ نَذِیْرٌ مِّنْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمْ مَّا زَادَهُمْ مَّجِیئُہٗ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ تَبَاعْذًا عَنِ الْہِدٰی اِسْتِکْبَارًا فِی الْاَرْضِ عَنِ الْاِیْمَانِ مَفْعُوْلٌ لَّہٗ
وَمَكْرَ الْعَمَلِ السَّیِّئِ ۚ مِنَ الشِّرْکِ وَغَیْرِہٗ وَلَا یَحِیْقُ یُحِیْطُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَہْلِہٖ وَبِوَلَدِہٖ وَوَصَفَتْ
السَّکْرَ بِالسَّیِّئِ اَصْلٌ وَاِضَافَتُہٗ اِلَیْہِ قَبْلُ اِسْتِغْمَالُ الْخَرْقِ دَرِیْہِ مُضَافٌ اِلَیْہِ خَذَرًا مِنْ الْاِضَافَةِ اِلَی
الصِّفَةِ فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ ۚ سُنَّةَ اللّٰهِ فِیْہُمْ مِنْ تَعْذِیْبِہُمْ بِتَکْذِیْبِہُمْ رَّسُلَہُمْ
فَلَنْ یَّجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا وَلَنْ یَّجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا ۝ اِی لَا یُبَدَّلُ بِالْعَذَابِ غَیْرُہٗ وَلَا یُحَوَّلُ اِلٰی غَیْرِہٖ
مُسْتَحَقِّہٖ اَوْ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فِیَنْظُرُوْا کَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہُمْ وَكَانُوْا اَشَدَّ مِنْہُمْ قُوَّةً ۚ فَانْبَلٰکَہُمْ
اللّٰهُ بِتَکْذِیْبِہُمْ رَّسُلَہُمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لَیُعْجِزَہٗ مِنْ شَیْءٍ یَنْسِیْقُہٗ وَیَفُوْتُہٗ فِی السَّمٰوٰتِ وَلا فِی الْاَرْضِ اِنَّہٗ كَانَ
عَلِیْمًا بِالْاَشْیَاءِ کُتِبَہَا قَدِیْرًا ۝ عَلَیْہَا وَلَوْ یُوَاحِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مِنَ الْمَعَاصِیِ مَا تَرَکَ عَلٰی ظَہْرِہَا
اِی الْاَرْضَ مِنْ دَاۤئِبَةٍ نَّسَمَةٍ تَدْبُ عَلَیْہَا وَلَکِنْ یُّؤَخِّرُہُمْ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّیٍّ اِی یَوْمَ الْقِیَمَةِ فَاِذَا جَاءَ
اَجَلُہُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِہِ بَصِیْرًا ۝ فِیْجَازِیْہُمْ عَلٰی اَعْمَالِہُمْ بِاَثَابَةِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَعِقَابِ الْکَافِرِیْنَ ۝

ترجمہ: بلاشبہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے بے شک وہی دل کے رازوں سے واقف ہے لہذا دل کے رازوں کے علاوہ کا بطریق اولیٰ جاننے والا ہے، اور اولویت لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے وہی ذات ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا خلافت، خلیفہ کی جمع ہے یعنی بعض بعض کے جانشین ہوتے ہیں پس جس نے تم

میں سے کفر کیا اسی پر اس کا کفر ہے یعنی کفر کا وبال اور کافروں کے لئے ان کا کفر ان کے پروردگار کے نزدیک ناراضی کا باعث ہوتا ہے، اور کافروں کا کفر آخرت میں ان کے لئے خسارہ میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے آپ کہتے کیا تم نے اپنے فرض کردہ شریکوں کا حال دیکھا؟ جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہو یعنی غیر اللہ کی، اور وہ بت ہیں جن کے بارے میں تم یقین رکھتے ہو کہ وہ اللہ کے شریک ہیں مجھے بتاؤ انہوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا؟ یا ان کی اللہ کے ساتھ آسمانوں کے پیدا کرنے میں شرکت ہے؟ یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے؟ کہ وہ اس کی وجہ سے دلیل پر قائم ہیں، ان میں سے کوئی بات بھی نہیں بلکہ یہ ظالم کافر ایک دوسرے سے یہ کہہ کر کہ یہ بت ان کی سفارش کریں گے خالص دھوکے کا وعدہ کرتے آئے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو گرنے سے تھامے ہوئے ہے (واللہ) اگر وہ گرنے لگیں تو اس کے سوا ان کو تھامنے والا کوئی نہیں، بلاشبہ وہ کافروں کے عذاب میں تاخیر کرنے میں غفور و رحیم ہے اور مکہ کے کافروں نے اللہ کی بڑی زور دار قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس رسول آئے تو وہ ہر امت سے یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک سے (یہ اس وقت کی بات ہے) کہ جب انہوں نے دیکھا کہ (یہود و نصاریٰ نے) ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہوئے کہا کہ نصاریٰ حق پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا یہود حق پر نہیں، جب ان کے پاس نذیر یعنی محمد ﷺ آیا تو اس کی آمد نے نفرت یعنی ہدایت سے دوری ہی میں اضافہ کیا، دنیا میں ایمان سے تکبر کرنے کی وجہ سے، اور ان کی شرک وغیرہ کی بری تدبیروں میں اضافہ ہوا استکباراً (نفوراً) کا مفعول لہ ہے، اور بری تدبیروں کا وبال خود تدبیروں پر پڑتا ہے اور وہ بری تدبیر کرنے والا ہے، اور مَکْر کی صفت سیسی اصل (استعمال) ہے، سابق میں مکر کی اضافت سیسی کی جانب دوسرا استعمال ہے، اس (دوسرے استعمال) میں اضافت موصوف الی الصفت سے بچنے کے لئے مضاف محذوف مانا گیا ہے (معلوم ہوتا ہے) کہ یہ لوگ صرف خدائی اسی دستور کے منتظر ہیں جو پہلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے اور وہ (دستور) ان کو اپنے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے مبتلاء عذاب کرنا ہے، تو آپ کبھی خدائی دستور میں تبدیلی نہیں پائیں گے، اور خدائی دستور میں تحویل بھی نہ پائیں گے۔ یعنی عذاب کو غیر عذاب سے نہیں بدلا جائے گا، اور (اسی طرح) مستحق سے غیر مستحق کی طرف منتقل نہیں کیا جائے گا، سو کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ دیکھیں کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیا ہوا؟ حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے سو اللہ نے ان کو ان کے رسول کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر دیا، اور اللہ ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں اس کو کوئی ہراسکے کہ اس سے سبقت کر جائے، اور اس سے بچ کر نکل جائے، اور وہ تمام اشیاء کا جاننے والا ہے اور ان پر قادر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا ان کی معاصی کی وجہ سے مواخذہ کرنے لگے تو روئے زمین پر کسی شخص کو نہ چھوڑے کہ وہ زمین پر چلے پھرے، (یعنی زندہ رہے) لیکن اللہ تعالیٰ اس کو ایک وقت مقرر یعنی قیامت کے دن تک مہلت دے رہا ہے سو جب ان کا وہ وقت آجائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا تو وہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا، مومنین کو ثواب عطا کر کے، اور کافروں کو سزا دیکر۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ یہ عالم غیب السموات والارض کی علت ہے یعنی جو ذات سینوں کے رازوں سے واقف ہے وہ اس کے علاوہ سے بطریق اولیٰ واقف ہوگی اِنَّ اللّٰهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ دعویٰ ہے اور اِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ دعوے کی دلیل ہے اور فَعِلْمُهُ بِغَيْرِهِ اُولٰٓئِیٰ یہ نتیجہ ہے۔

قَوْلُهُ: بِالنَّظَرِ اِلٰی حَالِ النَّاسِ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اُولَوِّیَّتْ وَاُولَیَّتْ کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں ہوتا بلکہ اس کے سامنے تمام چیزیں مساوی طور پر منکشف ہیں خدا کے علم حضوری میں اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ بعض چیزیں انسانوں کے لئے مخفی ہوں اور بعض ظاہر۔

جَوَابُ: خدا کی جانب اُولَوِّیَّتْ کی نسبت انسانوں کی عادت کے اعتبار سے ہے کہ انسان جب مخفی چیز سے واقف ہوتا ہے تو ظاہر سے بطریق اولیٰ واقف ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَا یَزِیْدُ الْكَافِرِیْنَ الْخ یہ وبال کفر اور اس کے انجام کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ: قُلْ اَرَاٰیْتُمْ (الایۃ) اس میں اعراب کے اعتبار سے دو صورتیں ہیں ① ہمزہ استفہامیہ ہے اور۔ اَرُوْنِیْ امر تعجیز کے لئے جملہ معترضہ ہے، اس صورت میں یہ باب تنازع فعلان سے نہ ہوگا، اور اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ یہ اَرَاٰیْتُمْ سے بدل الاشتمال ہے، ای اخبرونی عن شُرْكَائِكُمْ وَاَرُوْنِیْ اِیَّ شَیْءٍ خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ حَتّٰی یَسْتَحِقُّوا الْاِلَٰهَیَّةَ وَالشَّرْكَۃَ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اَرُوْنِیْ، اَرَاٰیْتُمْ سے بدل الکل ہے، مگر ابو حیان نے بدل کو ناجائز کہا ہے، ان کا کہنا ہے کہ جب مبدل منہ پر ہمزہ استفہام داخل ہو تو ضروری ہے کہ بدل پر بھی داخل ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے نیز ابدال جملہ عن الجملہ ان کی زبان میں معبود نہیں ہے، نیز بدل تکرار عامل کی نیت سے ہوتا ہے، اور یہاں مبدل منہ یعنی اَرَاٰیْتُمْ میں کوئی عامل ہی نہیں ہے (روح المعانی) ② دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ جملہ باب تنازع فعلان سے ہو، اس صورت میں اَرَاٰیْتُمْ باب افعال سے ہوگا اور اخبرونی کے معنی میں ہو کر متعدی بدو مفعول ہوگا، مفعول اول نِیْ ہے دوسرے مفعول کی اس کو ضرورت ہے، دوسرا فعل اَرُوْنِیْ ہے یہ بھی متعدی بدو مفعول ہے ایک مفعول اس سے متصل نِیْ ہے، دوسرے کی ضرورت ہے اور دوسرا مفعول جس میں تنازع ہے وہ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ ہے جس میں اَرَاٰیْتُمْ اور اَرُوْنِیْ تنازع کر رہے ہیں، بصریین کے مختار مذہب کے مطابق دوسرے فعل اَرُوْنِیْ کو عمل دیا۔

قَوْلُهُ: شُرْكَائِهِمْ یہ اضافت ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ مشرکین نے ان کو خدا کا شریک قرار دیا تھا، یا اضافت اس وجہ سے ہے کہ مشرکوں نے بتوں کو حقیقت میں اپنے اموال میں شریک کر لیا تھا، اور باقاعدہ اپنے اموال میں بتوں کا حصہ رکھتے تھے ان کے نام کی قربانی کرتے تھے۔

قَوْلُهُ: اَمْ اَتَّيْنَاهُمْ، هُمْ سے مراد مشرکین ہیں، بعض نے کہا ہے کہ شرکاء مراد ہیں، یعنی کیا ہم نے مشرکین کو یا شرکاء کو کوئی

ایسی کتاب دی ہے کہ جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ میری قدرت میں میرے ساتھ کوئی شریک ہے؟ لَا شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ سے اشارہ کر دیا کہ یہ استفہام انکاری ہے، اور یہ جملہ مذکورہ تینوں استفہاموں کا جواب بھی ہے۔

قَوْلٌ: شِرْكَةٌ. شِرْكٌ کی تفسیر شِرْكَةٌ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ شِرْكٌ مصدر بمعنی شِرْكَةٌ اسم ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلٌ: بَعْضُهُمْ ظَالِمُونَ سے بدل ہے۔

قَوْلٌ: يَمْنَعُ مِنَ الزَّوَالِ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اِنْ تَزُولَا، حرف جر مِنْ کے اسقاط کے ساتھ بتاویل مصدر ہو کر يُمْنِسُكَ کا مفعول ثانی ہے اور يُمْنِسُكَ يَمْنَعُ کے معنی میں ہے اور ز جاج نے کہا ہے کہ مفعول لہ ہے اِی مَخَافَةً اِنْ تَزُولَا۔

قَوْلٌ: وَلَیْنِ زَالَتَا اس میں قسم اور شرط دونوں جمع ہیں اِنْ اَمْسَكَهُمَا جواب قسم ہے اور قاعدہ معروفہ کی رو سے جواب شرط محذوف ہے جس پر جواب قسم دلالت کر رہا ہے۔

واحدٌ لَدَى اجتماعِ شرط و قسم جواب مَا اَخَّرَتْ فَهُوَ مُلْتَزِمٌ

قَوْلٌ: مِنْ اَحَدٍ مَنْ فاعِل پر زائدہ ہے، احد لفظاً مجرور اور محلاً مرفوع ہے۔

قَوْلٌ: سِوَاهُ یَہ مِنْ بَعْدِهِ کی تفسیر ہے یعنی بَعْدُ بمعنی غِیْرَ ہے، اور مِنْ بَعْدِهِ میں مِنْ ابتداء یہ ہے۔

قَوْلٌ: اِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا یَہ يُمْسِكُهُمَا السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ کی علت ہے یعنی غفور و رحیم ہونے کی وجہ سے زمین و آسمان کو گرنے سے روکے ہوئے ہے یعنی کفر و شرک درحقیقت ایسے جرم ہیں کہ ان کی سزا تو فوری مل جانی چاہئے مگر وہ اپنی صفت رحمت و مغفرت کی وجہ سے عذاب میں تاخیر کر رہا ہے۔

قَوْلٌ: جَهْدَ اَیْمَنِہُمْ مفسر علام نے جَهْدَ کی تفسیر غَايَةَ اَیْمَانِہُمْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ جَهْدَ مصدریہ کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ بھی درست ہے کہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، اِی اَقْسَمُوا بِاللّٰہِ جَاهِدِیْنِ، جَهْدُ فتح جیم کے ساتھ، پوری کوشش اور طاقت صرف کرنا جُهْدٌ بالضم بمعنی طاقت، مشرکین مکہ کی یہ عادت تھی کہ عام طور پر اپنے آباء یا اصنام کی قسم کھایا کرتے تھے، مگر جب ان کو کسی بات کو باور کرانا اور یقین دلانا مقصود ہوتا تو قسم کو مضبوط اور مؤکد کرنے کے لئے اللہ کی قسم کھایا کرتے تھے۔

قَوْلٌ: لَیْکُونَنَّ یَہ بِالْمَعْنٰی حکایت حال ہے ورنہ تو مقام کا مقتضی یہ تھا کہ لَنَکُونَنَّ ہو۔

قَوْلٌ: فَلَمَّا جَاءَ هُمْ نَذِيرٌ، لَمَّا حرف شرط ہے اور مَا زَادَهُمُ اِلَّا نُفُورًا جواب شرط ہے، یہاں لَمَّا کو ظرفیہ ماننا درست نہیں ہے، اس لئے کہ مَا نافیہ کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا، اور زیادتی نفرت کی اسناد نذیر کی جانب یا محبت کی جانب اسناد مجازی ہے، اس لئے کہ نذیر سبب نفرت ہے ورنہ تو نذیر کا کام نفرت پیدا کرنا یا نفرت میں اضافہ کرنا نہیں ہوتا۔

قَوْلٌ: اِسْتِکْبَارًا یَہ نفوراً کا مفعول لہ ہے یعنی مشرکین کے ایمان کے مقابلہ میں تکبر و تعلیٰ کرنے کی وجہ سے ان کی نفرت میں اضافہ ہوا، نیز نفوراً سے بدل واقع ہونا بھی صحیح ہے، اور زَادَهُمُ کی ضمیر سے حال بھی ہو سکتا ہے، اِی مَا زَادَهُمُ اِلَّا نُفُورًا

حال کو انہم مُستکبرین۔

قَوْلًا: وَمَكْرَ الْعَمَلِ السَّيِّئِ اس کا عطف اِسْتِكْبَارًا یا نُفُورًا پر ہے، یعنی مشرکین کی نفرت میں اضافہ کی وجہ ایمان سے اعراض اور برے عمل کی تدبیریں ہیں یا نفرت میں اضافہ تکبر اور تدبیر بد کی وجہ سے ہے مکر السَّيِّئِ میں اصل استعمال المکر السَّيِّئِ بترکیب توصیفی ہے، اور ما قبل کے جملہ میں بترکیب اضافی جو استعمال ہوا ہے وہ خلاف اصل ہے اس لئے کہ اس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو رہی ہے جو کہ اضافت الشیء الی نفسہ کے قبیل سے ہے جو ممنوع ہے، اس سے بچنے کے لئے مفسر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے العمل مضاف الیہ محذوف مانا جو کہ السَّيِّئِ کا موصوف ہے، اس طریقہ سے اضافت الموصوف الی الصفت کا اعتراض ختم ہو گیا، اس لئے کہ اس صورت میں مکر کی اضافت العمل کی طرف ہے نہ السَّيِّئِ کی طرف (جمل) اور بعض کے نزدیک مکر السَّيِّئِ کی اصل اَنْ مَكْرُوْا الْمَكْرَ السَّيِّئِ ہے موصوف یعنی المکر کو صفت یعنی السَّيِّئِ کی وجہ سے مستغنی ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا پھر فعل کو مع اَنْ مصدر یہ کے یعنی مکر سے بدل دیا بعد ازاں اتساعاً مصدر کی اضافت صفت یعنی السَّيِّئِ کی جانب کر دی گئی، مکر السَّيِّئِ ہو گیا۔ (روح البیان)

قَوْلًا: وَصَفُ الْمَكْرِ بِالسَّيِّئِ اصل وَاِضَافَتُهُ اِلَيْهِ قَبْلُ، اِسْتِعْمَالُ آخِرُ قَدَرٍ فِیْهِ مضافٌ اِلَيْهِ حَذْرًا مِنَ الْاِضَافَةِ اِلَى الصَّفَةِ شارح کی اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مکر السَّيِّئِ کا اصل اور قاعدہ کے مطابق استعمال تو بترکیب توصیفی ہے جیسا کہ وَلَا یَجْنِیْ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهِ میں ہے اور اضافت کے ساتھ استعمال خلاف اصل ہے جیسا کہ مکر السَّيِّئِ میں ہے اس لئے کہ اس صورت میں اضافت الشیء الی نفسہ کی قباحت لازم آتی ہے چونکہ شیء اور وصف شئی ایک ہی ہوتی ہے، اس لئے مفسر علام نے العمل مضاف الیہ محذوف مانا ہے تاکہ اضافت موصوف الی الصفت کا اعتراض ختم ہو جائے، العمل محذوف ماننے کے بعد مکر کی اضافت صفت یعنی السَّيِّئِ کی طرف نہیں بلکہ السَّيِّئِ کے موصوف یعنی العمل کی طرف ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

قَوْلًا: اِلَّا سُنَّتِ الْاَوَّلَیْنَ کی تفسیر سُنَّةَ اللّٰهِ فِیْهِمْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے۔

قَوْلًا: اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ میں واو عاطفہ ہے اور ہمزہ محذوف پر داخل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَتَرَکُوْا السَّفَرَ وَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ یہ جملہ اس بات پر استشہاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دستور میں تبدیلی نہیں ہے، جو معاملہ منکرین و مشرکین سابقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا وہی ان کے ساتھ بھی ہوگا، ہمزہ استفہام انکاری ہے جس کی وجہ سے نفی النفی نے اثبات کا فائدہ دیا، مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سفر کرتے ہیں اور قوم صالح اور قوم لوط اور قوم شعیب وغیرہ کے دیار کے خرابات و نشانات کو دیکھتے ہیں مگر اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

قَوْلًا: بِمَا کَسَبُوْا میں باء سببیہ ہے اور ما مصدریہ یا موصولہ ہے ای بسبب کسبہم اور بِسَبَبِ الَّذِی کَسَبُوْهُ۔

قَوْلًا: نَسَمَةُ ذی روح تنفس کو کہتے ہیں (ج) نَسَمٌ۔

قَوْلًا: فَيُجَازِيهِمْ مفسر رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اس عبارت سے اشارہ کر دیا ہے کہ اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ شرط ہے اور اس کی جزاء محذوف ہے اور وہ فَيُجَازِيهِمْ ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

اِنَّ اللّٰهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جمہور نے عالم الغیبِ اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اور جناب بن عییش نے عالم کو تنوین اور غیب کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سرّ اور علانیہ سب کا جاننے والا ہے، اور ان ہی مخفی اور پوشیدہ باتوں میں سے تمہارا یہ قول بھی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو دنیا میں دوبارہ لوٹا دے تو ہم نیک اعمال کریں گے اور شرک و کفر کو ترک کر کے توحید و اطاعت اختیار کریں گے، مگر اللہ کے علم میں یہ بات ہے کہ اگر تم کو دنیا میں لوٹا دیا جائے تو تم پھر وہی شرک و کفر اختیار کرو گے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ اور یہ بات اس کو اس لئے معلوم ہے کہ وہ علیم بذات الصدور ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْاَرْضِ، خلائف خلیفہ کی جمع ہے جس کے معنی نائب اور قائم مقام کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسانوں کو یکے بعد دیگرے زمین و مکان وغیرہ کا خلیفہ بنایا ہے کہ ایک جاتا ہے تو دوسرا آتا ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خطاب امت محمدیہ ﷺ کو ہو کہ پچھلی امتوں کے بعد ہم نے تم کو ان کے خلیفہ کی حیثیت سے مالک و متصرف بنایا ہے لہذا تمہارا فرض ہے کہ سابقہ امتوں کے حالات سے عبرت حاصل کرو، عمر کے قیمتی لمحات کو غفلت میں نہ گزارو۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمَسِّكُ السَّمٰوٰتِ آسمانوں کو روکنے اور تھامنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی حرکت موقوف کر دی ہے حرکت کو موقوف کرنے یا نہ کرنے کا اس آیت میں کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنی قدرت سے ان کو گرنے سے روک رکھا ہے، جیسا کہ اُن تَزُولَا سے اسی مطلب کی طرف اشارہ مفہوم ہوتا ہے۔

وَاَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْْمَانِهِمْ بَعَثَ مُحَمَّدٌ ﷺ سے قبل مشرکین مکہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اہل کتاب اپنے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّهَمُوا الرُّسُلَ فَكَذَّبُوهُمْ (اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی)، اور اللہ کی موعودہ کو تم کھا کر کھا، لَئِنْ جَاءَ هُمْ نَذِيرٌ یعنی واللہ اگر قریش میں کوئی نبی آیا تو ہم سابقہ امتوں سے کہیں زیادہ فرمانبردار اور اطاعت گزار ہوں گے اور عرب تمنا اور دعاء کیا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کے مانند ہمارے اندر بھی کوئی رسول آئے فَلَمَّا جَاءَ هُمْ چنانچہ جس کی وہ تمنا کیا کرتے تھے وہ آگیا اور وہ رسول محمد ﷺ ہیں جو کہ ان ہی میں سے ایک فرد ہیں، مگر آپ ﷺ کی محبت نے ان کی نفرت میں اضافہ

ہی کیا اور یہ سب کچھ ایمان کے مقابلہ میں سرکشی اور بری تدبیروں کی وجہ سے ہوا، لوگ مکر و حیلہ کرتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ بری تدبیر کا انجام برا ہی ہوتا ہے، اور اس کا وبال بالآخر مکر و حیلہ کرنے والے ہی پر پڑتا ہے۔

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ یعنی یہ مشرکین اپنے شرک و کفر اور رسول کی مخالفت اور اہل ایمان کو ایذا کی پہنچانے پر مصر رہ کر اس بات کے منتظر ہیں کہ انہیں بھی اسی طرح ہلاک کر دیا جائے جس طرح پچھلی قومیں ہلاک کر دی گئیں، حقیقت یہ ہے کہ ہلاکت ہر مذبذب کا مقدر بن چکی ہے اس کو نہ کوئی بدل سکتا ہے اور نہ کوئی ٹال سکتا ہے، مشرکین عرب کو چاہئے کہ کفر و شرک کو چھوڑ کر اب بھی ایمان لے آئیں ورنہ وہ اس سنت الہی سے بچ نہیں سکتے، دیر سویر اس کی زد میں آکر رہیں گے کوئی بھی اس قانون قدرت کو بدلنے پر قادر نہیں اور نہ عذاب الہی کو پھیرنے پر، انسانوں کو تو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا جائے گا اور جانوروں کو انسانی معصیت کی نحوست کی وجہ سے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ يَس مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ وَثَمَانُونَ آيَةً وَخَمْسُ كُوَعًا

سُورَةُ يَس مَكِّيَّةٌ إِلَّا قَوْلُهُ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ انْفِقُوا الْآيَةُ،

أَوْ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ وَثَمَانُونَ آيَةً.

سورہ یس مکی ہے سوائے وہاں کہ جب کہا جائے کہ انفقو،

اور اس میں تراسی (۸۳) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ يَس ۝ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ ۝ وَالْقُرْآنُ الْحَكِيمُ ۝ الْمُحْكَمُ
بِعَجِيبِ النِّظْمِ وَبَدِيعِ الْمَعَانِي ۝ إِنَّكَ يَا مُحَمَّدُ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ عَلَى مُتَعَلِّقٍ بِمَا قَبْلَهُ ۝ صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ أَيْ
طَرِيقُ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلَكَ التَّوْحِيدُ وَالْهُدَى ۝ وَالتَّائِيدُ بِالْقَسَمِ ۝ وَغَيْرُهُ رَدُّ لِقَوْلِ الْكُفَّارِ لَهُ لَسْتُ مُرْسَلًا
تَنْزِيلُ الْعَزِيزِ فِي مُلْكِهِ الرَّحِيمِ ۝ بِخَلْقِهِ خَيْرُ مُبْتَدَأٍ مُقَدَّرَ أَيْ الْقُرْآنُ لَتُنْذِرَ قَوْمًا مُتَعَلِّقٌ بِتَنْزِيلِ
مَا أُنْذِرَ آبَاؤَهُمْ أَيْ لَمْ يُنْذِرُوا فِي زَمَنِ الْفِتْرِ ۝ فَهُمْ أَيْ الْقَوْمُ غَفْلُونَ ۝ عَنِ الْإِيمَانِ وَالرُّشْدِ ۝ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ
وَجَبَ عَلَى أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ أَيْ الْأَكْثَرُ ۝ إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَنْعَاقِهِمْ أَغْلَالًا ۝ بَانَ تَضَمُّنُ إِلَيْهَا الْأَيْدِي ۝ لِأَنَّ الْغُلَّ
يُجْمَعُ الْيَدُ إِلَى الْعُنُقِ ۝ فَهِيَ أَيْ الْأَيْدِي مَجْمُوعَةٌ إِلَى الْأَذْقَانِ ۝ جَمْعُ ذَقْنٍ وَهُوَ مُجْتَمَعُ اللَّحْيَيْنِ
فَهُمْ مُقْمَحُونَ ۝ ۸ ۝ رَافِعُونَ رُؤُسَهُمْ لَا يَسْتَطِيعُونَ خَفْضَهَا ۝ وَبِهَذَا تَمْثِيلٌ ۝ وَالْمُرَادُ أَنَّهُمْ لَا يَدْعُونَ لِلْإِيمَانِ
وَلَا يَخْفَضُونَ رُؤُسَهُمْ لَهُ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا ۝ أَوْ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا ۝ بِفَتْحِ السَّيْنِ وَضَمِّهَا فِي
الْمَوْضِعَيْنِ ۝ فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝ ۹ ۝ تَمْثِيلٌ ۝ أَيْضًا لِسَدِّ طُرُقِ الْإِيمَانِ عَلَيْهِمْ ۝ وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنْذِرْتَهُمْ
بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَتَيْنِ ۝ وَابْدَالِ الثَّانِيَةِ الْفَا وَتَسْهِيلِهَا ۝ وَإِذْ خَالَ الْفَاءُ بَيْنَ الْمُسْهَلَةِ وَالْأُخْرَى ۝ وَتَرْكِهِ
أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ ۱۰ ۝ إِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ الْقُرْآنَ ۝ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ ۝ خَافَهُ
وَلَمْ يَرَهُ ۝ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ۝ ۱۱ ۝ هُوَ الْجَنَّةُ ۝ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَى ۝ لِلْبَعْثِ ۝ وَنَكْتُبُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ

مَا قَدَّمُوا فِيْ خِيَوَتِهِمْ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ لِّيُجَازُوا عَلَيْهِ وَآثَارَهُمْ مَا اسْتَنْتَ بِهِ بَعْدَهُمْ وَكُلُّ شَيْءٍ نَّضْبُهُ بِفِعْلِ يُفَسِّرُهُ أَحْصِيْنُهُ ضَبْطُنَاهُ فِيْ إِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿۱۷﴾ كِتَابٌ بَيْنَ يَدَيْهِ الْوَحْ الْمَحْفُوظُ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے یس اس سے اللہ کی کیا مراد ہے وہی بہتر جانتا ہے قسم ہے محکم قرآن کی جو عجیب نظم اور انوکھے معانی سے محکم ہے بلاشبہ اے محمد آپ مرسلین میں سے ہیں (اور) سیدھے راستہ پر ہیں علیٰ اپنے ماقبل (مرسلین) سے متعلق ہے (اور طریق مستقیم سے مراد) انبیاء سابقین کا طریقہ ہے، جو کہ توحید اور ہدایت کا راستہ ہے، اور قسم وغیرہ کے ذریعہ تاکید کافروں کے قول لَسْتُ مُرْسَلًا کو رد کرنے کے لئے ہے یہ قرآن اس (خدا) کا نازل کردہ ہے جو اپنے ملک میں غالب اور اپنی مخلوق پر مہربان ہے (تنزیل العزیز) مبتداء محذوف یعنی القرآن کی خبر ہے تاکہ آپ ایسی قوم کو آگاہ کریں کہ جس کے آباء (واجداد) کو آگاہ نہیں کیا گیا یعنی جن کو (فترت) یعنی وقفہ کے زمانہ میں آگاہ نہیں کیا گیا، لَتُنْذِرَ، تنزیل کے متعلق ہے، اسی وجہ سے یہ قوم ایمان و ہدایت سے بے خبر ہے ان میں سے اکثر لوگوں پر (تقدیری طور پر) بات ثابت ہو چکی ہے تو یہ اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں اس طریقہ سے کہ طوق نے ہاتھوں کو گردن کے ساتھ جکڑ دیا ہے چنانچہ وہ بندھے ہوئے ہاتھ ٹھوڑی تک پھنسے ہوئے ہیں اَذْقَانِ ذَقْنُ کی جمع ہے اور ذَقْنِ دونوں جبرؤں کے ملنے کی جگہ ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے ہیں ان کو جھکا نہیں سکتے اور یہ ایک تمثیل ہے، اور مراد یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان کا اقرار نہیں کرتے اور نہ اپنے سروں کو ایمان کے لئے جھکاتے ہیں اور ہم نے ایک آڑان کے سامنے اور ایک آڑان کے پیچھے کردی، دونوں جگہ سین کے فتح اور ضمہ کے ساتھ ہے جس کی وجہ سے ہم نے ان کے اوپر پردہ ڈال دیا تو وہ دیکھ نہیں سکتے یہ بھی ایک تمثیل ہے ان پر ایمان کے راستوں کو مسدود کرنے کے لئے اور ان کو آپ کا ڈرانا اور نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کو الف سے بدل کر، اور ثانی کی تسہیل (نری) کے ساتھ، اور مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کر کے، اور ترک ادخال کر کے وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں آپ تو صرف اس شخص کو نصیحت کر سکتے ہیں جو نصیحت یعنی قرآن کی پیروی کرے اور غائبانہ طور پر یعنی رحمٰن کو بغیر دیکھے رحمٰن سے ڈرے یعنی آپ کا ڈرانا اس کو فائدہ دے سکتا ہے سو آپ اس کو مغفرت کی اور عمدہ عوض کی کہ وہ جنت ہے خوشخبری سنا دیجئے، اور بے شک ہم مردوں کو اٹھانے کے لئے زندہ کریں گے اور انہوں نے اپنی زندگی میں جو اچھے برے اعمال کر کے آگے بھیجے ہیں اور جو اعمال پیچھے چھوڑے ہیں جن کے نقش قدم پر بعد میں چلا گیا ہم ان کو زندہ کریں گے ہم ان کو لوح محفوظ میں قلمبند کر لیتے ہیں تاکہ ان کو ان اعمال کی جزاء دی جائے اور ہم نے ہر چیز کو روشن کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے، روشن کتاب لوح محفوظ ہے کُلُّ شَيْءٍ اس فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی بعد والا فعل (أَحْصَيْنَاهُ) تفسیر کر رہا ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: یَس قراء سبعہ نے نون کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، اس کے علاوہ نون کا ضمہ، فتح، کسرہ تین قراءتیں اور بھی ہیں مگر شاذ ہیں۔

قَوْلًا: اللہ اعلم بمرادہ حروف مقطعات کے بارے میں یہ قول سب سے اسلم اور احوط ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یَس لغت بنی طے میں ”یا انسان“ کے معنی میں ہے، اور ابن الحنفیہ سے مروی ہے یَس ”یا محمد“ کے معنی میں ہے۔

قَوْلًا: والقرآن الحکیم واوقسمیہ ہے اور القرآن مقسم بہ ہے اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ جواب قسم ہے۔
قَوْلًا: مُقَمَّحُونَ یہ اقماح سے مُقَمَّح اسم مفعول کی جمع مذکر ہے قَمَح مادہ ہے گردن پھنسنے کی وجہ سے سراو پر کواٹھے ہوئے، بَعِثَرُ قَامِح وہ اونٹ جو پانی پینے کے بعد آنکھیں بند کر کے سراٹھا کر کھڑا ہو، چونکہ دوزخیوں کی گردنوں میں طوق پھنسے ہوئے ہوں گے جس کی وجہ سے ٹھوڑیاں اوپر کواٹھ جائیں گی، جس کی وجہ سے لامحالہ سر بھی اوپر کواٹھ جائیں گے۔ (لغات القرآن)
قَوْلًا: تنزیل العزیز یہ ہذا مبتداء محذوف کی خبر ہے یا اَمْدَح فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے ای اَمْدَحُ تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ یا نَزَّلَ محذوف کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای نَزَّلَ تَنْزِيلًا۔

قَوْلًا: فِی لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ یہ نکتب کا ظرف ہے، بہتر ہوتا کہ مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فِی لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ کے بجائے فِی صَاحِفِ الْمَلَائِكَةِ کہتے اس لئے کہ دنیا میں اعمال کی کتابت صحف ملائکہ میں ہوتی ہے نہ کہ لوح محفوظ میں۔
قَوْلًا: کُلِّ شَیْءٍ اپنے مابعد فعل کی وجہ سے منصوب ہے، اور یہ باب اشتغال سے ہے ای اَحْصَيْنَا کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَيْنَاهُ
قَوْلًا: اَثَرٍ، اَثَرٌ کی جمع ہے نشان کو کہتے ہیں، یہاں عملی نمونے مراد ہیں خواہ اچھے ہوں یا برے۔

تَفْسِیْرٌ وَتَشْرِیْحٌ

سورہ یس کے فضائل:

احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ نے معقل بن یسار سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یَس قلب القرآن لا یقرؤہا عبدٌ یرید اللہ والدار الآخرة الا غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر فاقراءوها علی موتاکم معقل بن یسار نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یسین قرآن کا دل ہے، جو بندہ اس کو خالص لوجہ اللہ اور طلب آخرت کے لئے پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف فرمادیں گے، لہذا تم اس کو اپنے مردوں کے پاس پڑھا کرو۔ (فتح القدیر اختصاراً)

امام غزالی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا سورہ یسین کو قلب قرآن فرمانے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس سورت میں قیامت اور حشر و نشر کے مضامین خاص تفصیل اور بلاغت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، اور اصول ایمان میں سے عقیدہ آخرت وہ چیز ہے جس پر انسان کے اعمال کی صحت موقوف ہے، خوف آخرت ہی انسان کو عمل آخرت پر آمادہ اور مستعد کر سکتا ہے اور وہی اس کو ناجائز خواہشات اور حرام سے روکتا ہے، تو جس طرح بدن کی صحت قلب کی صحت پر موقوف ہے اسی طرح ایمان کی صحت فکر آخرت پر موقوف ہے۔ (روح)

سورہ یسین کے دوسرے نام:

سورہ یسین کو حدیث شریف میں عظیمہ بھی کہا گیا ہے، اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ تورات میں اس سورت کا نام مُعِمَّہ آیا ہے، یعنی اپنے پڑھنے والے کے لئے دنیا و آخرت میں خیرات و برکات کو عام کرنے والی، اور بعض روایات میں اس کا نام مدافعہ بھی آیا ہے، یعنی اپنے پڑھنے والوں سے بلاؤں کو دفع کرنے والی، اسی طرح بعض روایات میں اس کا نام قاضیہ آیا ہے یعنی حاجات کو پورا کرنے والی۔ (روح المعانی)

یٰس یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور جمہور مفسرین کا مشہور قول تو وہی ہے کہ اس کی صحیح اور حقیقی مراد تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، احکام القرآن میں امام مالک رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا ہے کہ یسین اللہ کے اسماء میں سے ایک ہے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ جہشی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ”اے انسان“ اور انسان سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔

کسی کا یسین نام رکھنا کیسا ہے؟

امام مالک رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے اس کو اس لئے پسند نہیں فرمایا کہ ان کے نزدیک یہ اسماء الہیہ میں سے ہے اور اس کے صحیح معنی معلوم نہیں اس لئے ممکن ہے کہ اس کے کوئی ایسے معنی ہوں کہ اللہ کے ساتھ مخصوص ہوں البتہ اگر اس لفظ کو یسین، یاسین کے رسم الخط سے لکھا جائے تو یہ کسی انسان کا نام رکھنا جائز ہے، کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے سَلَامٌ عَلٰی آلِ یٰسِیْنَ یٰ اَبَیْسِیْنَ۔

(ابن عربی، معارف)

یٰس وَالْقُرْآنُ الْحَکِیْمُ یعنی قسم ہے حکمتوں سے پُر قرآن کی، قرآن کریم اپنی اعجازی شان اور پُر حکمت تعلیمات اور پختہ مضامین کے لحاظ سے اس بات کا بڑا زبردست شاہد ہے کہ جو نبی امی اس کو لے کر آیا ہے یقیناً وہ اللہ کا بھیجا ہوا اور بلا شک و شبہ راہ مستقیم پر ہے، اس کی پیروی کرنے والوں کو کوئی اندیشہ منزل مقصود سے بھٹکنے کا نہیں۔

تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ یعنی یہ قرآن حکیم اس خدا کا نازل کیا ہوا ہے جو زبردست بھی ہے کہ منکرین کو سزا دیے بغیر نہ چھوڑے، اور رحم کرنے والا بھی ہے کہ ماننے والوں کو نوازشوں اور بخششوں سے مالا مال کر دے اسی لئے آیات قرآنیہ میں بعض آیات شان لطف و مہر کا اور بعض شان غضب و قہر کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔

لَتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاءَهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ یعنی بہت ہی مشکل اور کٹھن کام آپ کے سپرد ہوا ہے کہ قوم (عرب) کو اس قرآن کے ذریعہ ہوشیار اور بیدار کریں جس کے پاس صدیوں سے کوئی بیدار کرنے والا نہیں آیا، وہ جاہل اور غافل قوم جسے نہ خدا کی خبر اور نہ آخرت کی، نہ ماضی سے عبرت نہ مستقبل کی فکر، نہ مبداء پر نظر اور نہ ملتہا پر، نہ نیک و بد کی تمیز اور نہ بھلے برے کا شعور، اس کو اتنی ممتد جہالت و غفلت کی تاریکیوں سے نکال کر رشد و ہدایت کی صاف شاہ راہ پر کھڑا کرنا کوئی معمولی اور آسان کام نہیں ہے، بلاشبہ آپ پوری قوت و تہمت ہی کے ساتھ ان کو اس غفلت و جہالت کے خوفناک نتائج اور بھیاں تک و ہولناک مستقبل سے ڈرا کر فلاح و بہبود کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کی کوشش کریں گے، لیکن آپ کو بہت سے ایسے افراد بھی ملیں گے جو کسی قسم کی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں، شیطان ان پر پوری طرح مسلط ہو چکا ہے کہ ان کی حماقتوں اور شرارتوں کو ان کی نظر میں خوشنما اور آراستہ کر کے دکھلا رہا ہے، اس وقت ایک طرف شیطان کی بات لَا غَوَيْنَهُمْ اَجْمَعِينَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ (مخلصین کے سوا میں سب کو بہکا کر رہوں گا) سچی ثابت ہوتی ہے اور دوسری طرف حق تعالیٰ کا قول لَا مَلَكَنَ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِينَ (تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے دوزخ کو بھردوں گا) ثابت اور چسپاں ہو جاتا ہے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰی اَكْثَرِهِمْ (الآیہ) حق تعالیٰ نے کفر و ایمان اور دوزخ و جنت کے دونوں راستے انسان کے سامنے کر دیئے ہیں، اور ایمان کی دعوت کے لئے انبیاء اور کتابیں بھی بھیج دیں، انسان کو اتنا اختیار بھی دیدیا کہ وہ بھلے برے میں تمیز کر سکے، جو بد نصیب نہ غور و فکر سے کام لے اور نہ دلائل قدرت میں غور کرے نہ انبیاء کی دعوت پر کان دھرے اور نہ واقعات و حادثات کو دیکھ کر چشم عبرت وا کرے، تو اس نے اپنے اختیار سے جو راہ اختیار کر لی تو حق تعالیٰ نے اس کے لئے اسی کے اسباب جمع فرمادیئے ہیں، اسی کو اس طرح تعبیر کیا ہے لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰی اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ یعنی ان میں سے بیشتر لوگوں پر تو ان کے سوء اختیار کی بناء پر یہ قول حق جاری ہو چکا ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ (الآیہ) اس آیت میں مذکورہ لوگوں کے حال کی ایک تمثیل بیان فرمائی ہے کہ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس کے گردن میں ایسے طوق ڈال دیئے گئے ہوں کہ ان کا چہرہ اور آنکھیں اوپر اٹھ جائیں، جو نہ اپنے وجود کو دیکھ سکے اور نہ اس کو راستہ ہی نظر آئے، تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص خود کو کسی کھڈ میں گرنے سے نہیں بچا سکتا۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا (الآیہ) مذکورہ لوگوں کی یہ دوسری تمثیل ہے، ان لوگوں کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ اس کے چاروں طرف دیوار کھڑی کر دی گئی ہو، اور وہ اس چہار دیواری میں محصور ہو کر رہ گیا ہو جس کی وجہ سے وہ باہر کی چیزوں سے بالکل بے خبر ہے، ان کافروں کے گرد بھی ان کی جہالت اور مزید برآں عناد و ہٹ دھرمی نے محاصرہ کر لیا ہے، کہ باہر کی حق باتیں ان تک پہنچتی ہی نہیں۔

امام رازی نے فرمایا کہ نظر سے مانع دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک مانع تو ایسا ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے خود اپنے وجود کو بھی نہ دیکھ سکے، دوسرا وہ کہ اپنے گرد و پیش کو نہ دیکھ سکے، ان کفار کے لئے حق بنی سے دونوں قسم کے مانع موجود تھے، اس

لئے پہلی تمثیل پہلے مانع کی ہے کہ جس کی گردن نیچے کو جھک نہ سکے، وہ اپنے وجود کو بھی نہیں دیکھ سکتا، اور دوسری تمثیل دوسرے مانع کی ہے کہ گرد و پیش کو نہیں دیکھ سکتا۔ (روح، معارف)

جمہور مفسرین نے مذکورہ تمثیل کو ان کے کفر و عناد کی تمثیل ہی قرار دیا ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے بعض روایات کی بناء پر ایک واقعہ کا بیان قرار دیا ہے، کہ ابو جہل اور بعض دوسرے لوگ آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے یا ایذا پہنچانے کا پختہ عزم کر کے آپ کی طرف بڑھے، مگر اللہ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، جس کی وجہ سے آپ ان کو نظر نہ آئے عاجز ہو کر نامراد واپس آ گئے، اسی قسم کے متعدد واقعات تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، قرطبی وغیرہ میں منقول ہیں، مگر ان میں بیشتر روایات ضعیف ہیں جس کی وجہ سے ان پر آیت کی تفسیر کا مدار نہیں رکھا جاسکتا۔

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ، مَا قَدَّمُوا سے وہ آثار مراد ہیں جو انسان خود اپنی زندگی میں کرتا ہے اور آثار ہم سے وہ اعمال مراد ہیں جس کے عملی نمونے (اچھے یا برے) وہ دنیا میں چھوڑ جاتا ہے، اور اس کے مرنے کے بعد اس کی اقتداء میں لوگ وہ اعمال اختیار کرتے ہیں، جس طرح حدیث میں ہے، جس نے اسلام میں کوئی نیا طریقہ جاری کیا اس کے لئے اس کا اجر بھی ہے اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے اجر میں کمی ہو، اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا تو اس پر اس کے اپنے گناہوں کا بھی بوجھ ہوگا اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے بوجھ میں کمی ہو۔ (صحیح بخاری، مسلم، کتاب الزکوٰۃ) اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے ① ایک علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں ② دوسرے نیک اولاد جو مرنے والے کے لئے دعائے خیر کرے ③ تیسرے صدقہ جاریہ جس سے لوگ اس کے مرنے کے بعد بھی فیضیاب ہوں۔ (صحیح مسلم کتاب الوصیۃ)

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ کار خیر میں اگر کوئی آدمی چلت پھرت اور کوشش کرتا ہے تو اس کے بر قدم یعنی اس کی کوشش اور سعی کا اجر اس کو دیا جاتا ہے، عہد نبوی میں مسجد نبوی کے قریب کچھ جگہ خالی پڑی تھیں، بنی سلمہ کے مکانات مسجد نبوی سے ذرا فاصلہ پر تھے، بنو سلمہ نے مسجد نبوی کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا، جب نبی کریم ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد کے قریب منتقل ہونے سے روک دیا، اور فرمایا دِيَارُكُمْ تَكْتُبُ آثَارَكُمْ (اور یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ فرمایا) یعنی تمہارے گھر اگر چہ (مسجد نبوی سے) دور ہیں، لیکن وہیں رہو جتنے قدم تم چل کر آتے ہو وہ لکھے جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد)

وَاضْرِبْ أَجْعَلْ لَهُمْ مَثَلًا مَفْعُولٌ أَوَّلُ أَصْحَابِ مَفْعُولٍ ثَانِ الْقَرْيَةِ انْطَاكِيَّةَ إِذْ جَاءَهَا إِلَى آخِرِهِ بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِنْ أَصْحَابِ الْقَرْيَةِ الْمُرْسَلُونَ ۝ اِي رُسُلُ عَيْنَسِي إِذَا رُسُلُنَا إِلَيْهِمْ أَتَيْنَ فَكَذَّبُوهُمْ إِلَى آخِرِهِ بَدَلُ بِنِ إِذَا أَوَّلَى الْخِ فَعَزَّزْنَا بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ قَوَيْنَا الْإِنْسَانَ بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ ۝

قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ﴿۱۵﴾ قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ جَارِ
مَجْرَى الْقَسَمِ وَزَيْدُ التَّائِيدِ بِهِ وَبِالْإِلَامِ عَلَى مَا قَبْلَهُ لِيَزِيدَ الْإِنْكَارَ فِي إِنْتَابِ الْيَكْمُ لِمُرْسَلُونَ ﴿۱۶﴾
وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۱۷﴾ التَّبْلِيغُ الْبَيِّنُ الظَّاهِرُ بِالْأَدِلَّةِ الْوَاضِحَةِ وَبِهِ إِبْرَاءُ الْاَكْمَةِ وَالْإِبْرَصِ
وَالْمَرِيضِ وَآخِيَاءُ الْمَيِّتِ قَالُوا إِنَّا تَطِيرُنَا مَنَايَاكُمْ لَا نَقْطَعُ الْمَطَرِ عَنْكُمْ بِسَبَبِكُمْ لَيْنٌ لَمْ قَسَمِ
لَمْ تَنْتَهُوا لِنَرْجُمَنَّكُمْ بِالْحِجَارَةِ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸﴾ مَوْلَاهُمْ قَالُوا أَظْهَرُكُمْ شَوْكُكُمْ مَعَكُمْ أَيْنَ
بَهْمَزَةُ اسْتِفْهَامٍ دُخِلَتْ عَلَى إِنْ الشَّرْطِيَّةِ وَفِي بَهْمَزَتِهَا التَّحْقِيقُ وَالتَّسْهِيلُ وَإِذْ خَالَ أَلِفٌ بَيْنَهَا بِوَجْهِهَا
وَبَيْنَ الْآخَرِ ذِكْرُكُمْ وَعِظُكُمْ وَخَوْفُكُمْ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوفٌ أَيْ تَطِيرُكُمْ وَكَفَرْتُمْ وَهُوَ مَحَلُّ
الِاسْتِفْهَامِ وَالْمُرَادُ بِهِ التَّوْبِيخُ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُونَ ﴿۱۹﴾ مُتَجَاوِزُونَ الْحَدَّ بِشُرْكَكُمْ
وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَكُونُ النَّجَارُ كَانَ قَدْ آمَنَ بِالرُّسُلِ وَمَنْزِلُهُ بِأَقْصَى الْبَلَدِ يَسْعَى يَشْتَدُّ
عَذْوًا لِمَا سَمِعَ بِتَكْذِيبِ الْقَوْمِ الرُّسُلَ قَالَ يَقُومُوا اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوا تَأْكِيدٌ لِلأَوَّلِ
مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا عَلَى رِسَالَتِهِ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۲۱﴾ فَقِيلَ لَهُ أَنْتَ عَلَى دِينِهِمْ فَقَالَ
وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي خَلَقَنِي أَيْ لَا مَانِعَ لِي مِنْ عِبَادَتِهِ الْمَوْجُودِ مُقْتَضِيهَا وَأَنْتُمْ كَذَلِكَ
وَالِيهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۲﴾ بَعْدَ الْمَوْتِ فَيُجَازِيكُمْ كَغَيْرِكُمْ ءَأَتَّخِذُ فِي السَّمَوَاتِ مِنْهُ مَا تَقْدُمُ فِي الْأَنْذَرْتَهُمْ وَهُوَ
اسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ مِنْ دُونِهِ أَيْ غَيْرِهِ إِلَهَةٌ أَضْمًا إِنْ يُرْذَنَ الرَّحْمَنُ بِضَرٍّ لَا تُغْنِي عَنْهُمْ شَفَاعَتُهُمْ الَّتِي
زَعَمْتُمْ بِهَا شَيْئًا وَلَا يَقْدِرُونَ ﴿۲۳﴾ صِفَةُ إِلَهَةٍ إِنْ إِذَا إِنْ عَبَدْتُ غَيْرَ اللَّهِ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۲۴﴾ بَيِّنٌ إِلَى أَمْنٍ
بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونَ ﴿۲۵﴾ أَيْ اسْمَعُوا قَوْلِي فَزَجَمُوهُ فَمَاتَ قِيلَ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ ادْخُلِ الْجَنَّةَ وَقِيلَ دَخَلَهَا حَيًّا قَالَ يَا
حَرْفُ تَنْبِيهِ لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرْتُ لِي رَبِّي بِغُفْرَانِهِ وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿۲۷﴾ وَمَا نَافِيَةٌ أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ أَيْ
حَبِيبٍ مِنْ بَعْدِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ أَيْ مَلَائِكَةٍ لَا يَهْلَا كِهِمْ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿۲۸﴾ مَلَائِكَةٍ لَا يَهْلَاكِ أَحَدٌ
إِنْ مَا كَانَتْ عُقُوبَتُهُمْ الْأَصِيحَّةُ وَاجِدَةٌ صَاحَ بِهِمْ جِبْرِئِيلُ فَإِذَا هُمْ خُمِدُونَ ﴿۲۹﴾ سَاكِتُونَ مَيِّتُونَ
يَحْشَرُونَ عَلَى الْعِبَادِ هَوْلًا وَنَحْوَهُمْ مِمَّنْ كَذَبُوا الرُّسُلَ فَأُهْلِكُوا وَبِهِ شِدَّةُ التَّأْلُمِ وَنِدَاؤُهَا مَجَازٌ أَيْ هَذَا
أَوَانِكَ فَاحْضَرِي مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۳۰﴾ مَسْئُوقٌ لِبَيَانِ سَبَبِهَا لِاسْتِمَالِهِ عَلَى اسْتِهْزَائِهِمْ
الْمُؤَدَى إِلَى إِهْلَاكِهِمُ الْمُسَبَّبِ عَنْهُ الْحَشَرَةُ الْمَيِّتُونَ أَيْ أَهْلُ مَكَّةَ الْقَائِلُونَ لِلنَّبِيِّ لَسْتُ مُرْسَلًا
وَالِاسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ أَيْ عَلِمُوا كَمْ خَبَرِيَّةٌ بِمَعْنَى كَثِيرٌ مَعْمُولَةٌ لِمَا بَعْدَهَا مُعْلَقَةٌ لِمَا قَبْلَهَا عَنِ الْعَمَلِ
وَالْمَعْنَى إِنَّا كَمَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ كَثِيرًا مِنَ الْقُرُونِ الْأَمِّ أَنَّهُمْ أَيْ الْمُهْلِكِينَ إِلَيْهِمْ أَيْ الْمَكِينِينَ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾
أَفَلَا يَغْتَبِرُونَ بِهِمْ وَأَنْتُمْ إِلَى آخِرِهِ بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهُ بِرِعَايَةِ الْمَعْنَى الْمَذْكُورِ وَإِنْ نَافِيَةٌ أَوْ مُخَفِّفَةٌ كُلُّ أَيْ كُلُّ

الْخَلَائِقِ مُبْتَدَأٌ لَّمَّا بِالتَّشْدِيدِ بِمَعْنَى إِلَّا وَبِالتَّخْفِيفِ فَالْإِلَامُ فَارِقَةٌ وَمَا مَزِيدَةٌ جَمِيعٌ خَبَرُ الْمُبْتَدَأِ أَيْ
مَجْمُوعُونَ لَدَيْنَا عِنْدَنَا فِي الْمَوْقِفِ بَعْدَ بَعْثِهِمْ مُحْضَرُونَ ﴿۳۷﴾ لِلْحِسَابِ خَبَرٌ ثَانٍ .

ترجمہ: آپ ان سے ایک مثال (یعنی) ایک بستی انطاکیہ والوں کی مثال اس وقت کی بیان کیجئے جب اس بستی میں

کئی رسول آئے مثلاً مفعول اول ہے اور اصحاب القرية مفعول ثانی ہے، جب وہ ان کے پاس اذ جاءها النخ اصحاب

القرية سے بدل الاشتمال ہے، اور مرسلون سے عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد مراد ہیں یعنی جب ہم نے ان کے پاس (اول) دو

کو بھیجا تو ان لوگوں نے دونوں کی تکذیب کی اِذْ اَرْسَلْنَا اَوَّلَ اِذْ سے بدل ہے، پھر ہم نے تیسرے سے تقویت دی فَعَزَّزْنَا

میں تخفیف اور تشدید دونوں قراءتیں ہیں یعنی دو کی تیسرے کے ذریعہ تائید کی، سو ان تینوں نے کہا ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں

تو ان لوگوں نے جواب دیا تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو اور خدا نے کوئی چیز نازل نہیں کی، تم محض جھوٹ بولتے ہو، فرستادوں

نے کہا ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، رَبَّنَا قائم مقام قسم ہے اور اس قسم کے ذریعہ اور لام کے

ذریعہ ماقبل کی بہ نسبت زیادتی انکار کی وجہ سے اِنَّا اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ میں تاکید زیادہ لائی گئی ہے اور ہمارے ذمہ تو واضح طور پر

(پیغام) پہنچا دینا ہے اور بس جو معجزات واضحہ سے مؤید ہے، اور وہ (معجزہ) اندھوں کو بینا کرنا اور کوڑھی و مریض کو تندرست کرنا

اور مردوں کو زندہ کرنا ہے وہ کہنے لگے تمہاری وجہ سے بارش موقوف ہونے کے سبب سے ہم کو نحوست لاحق ہوگئی اگر تم باز نہ آؤ گے

تو ہم تم کو سنگسار کر دیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی، ان فرستادوں نے کہا تمہاری نحوست تو تمہارے کفر کی

وجہ سے تمہارے ساتھ ہے، کیا تم اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی گئی بلکہ (خود) تم ایسے لوگ ہو کہ اپنے شرک کی وجہ سے

حد سے تجاوز کر گئے ہو، ہمزہ استفہام ان شرطیہ پر داخل ہے اور اس کے ہمزہ میں تحقیق و تسہیل، اور دونوں صورتوں میں اس کے

اور دوسرے یعنی (ہمزہ استفہام) کے درمیان الف داخل کرنا ہے (اور ترک کرنا ہے) اور ذُكِرْتُمْ بمعنی وُعِظْتُمْ اور خُوفْتُمْ

ہے اور جواب شرط محذوف ہے یعنی تَطَيَّرْتُمْ وَكَفَرْتُمْ اور یہی محل استفہام ہے اور مراد اس سے توبیخ ہے اور شہر کے پرلے

کنارے سے ایک شخص کہ جس کا نام حبیب نجار تھا اور وہ رسولوں پر ایمان لا چکا تھا، اور اس کا مکان شہر کے پرلے کنارے پر تھا،

جب اس نے قوم کا رسولوں کو جھٹلانا سنا تو دوڑتا ہوا آیا اس نے کہا اے میری قوم ایسے رسولوں کی اتباع کرو ثانی اِتَّبِعُوا اَوَّلَ

اِتَّبِعُوا کی تاکید (لفظی) ہے، جو تم سے تبلیغ رسالت پر کوئی صلہ نہیں چاہتے اور وہ سیدھے راستہ پر ہیں، تو اس سے کہا گیا کہ کیا

تو (بھی) ان کے دین پر ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے کیا (عذر) ہے کہ میں اس کی بندگی نہ کروں کہ جس نے مجھے پیدا کیا؟ یعنی

اس کی بندگی کرنے سے مجھے کوئی مانع نہیں ہے اور اس کی عبادت کا مقتضی (باعث) موجود ہے، اور تمہارا حال بھی ایسا ہی ہے

(جیسا میرا ہے) اور مرنے کے بعد تم کو اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے، اَنْتُمْ خُذُوا کے دونوں ہمزوں میں وہی قراءتیں ہیں جو

اَنْذَرْتَهُمْ میں گذر چکی ہیں، اور یہ استفہام بمعنی نفی ہے کیا میں اس کو چھوڑ کر اس کے غیر کو یعنی بتوں کو معبود بناؤں؟ اگر

خدا میرے حق میں نقصان کا ارادہ کرے تو ان کی شفاعت مجھے کوئی فائدہ نہ دے جس کی تم (ان سے) توقع رکھتے ہو، اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں (لَا يَنْقُذُونَ) الٰہۃ کی صفت ہے، اگر میں ایسا کروں یعنی اگر میں غیر اللہ کی بندگی کروں تو بلاشبہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا، میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا سو میری طرف دھیان دو یعنی میری بات سنو، تو ان لوگوں نے اس کو سنگسار کر دیا تو وہ مر گیا، بوقت انتقال اس کو حکم دیا گیا جنت میں داخل ہو جا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ جیتے جی جنت میں داخل ہو گیا کاش میری قوم کو میرے پروردگار کی طرف سے میری مغفرت کا اور مجھے معزز لوگوں میں داخل کرنے کا علم ہو جاتا اور ہم نے اس (حبیب) کی قوم پر آسمان سے اس کے مرنے کے بعد ان کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کا لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہم کو کسی کے ہلاک کرنے کے لئے ملائکہ کو اتارنے کی ضرورت تھی مانا فیہ ہے ان کی سزا تو صرف ایک چیخ تھی جو ان پر جبرئیل علیہ السلام نے ماری، سو وہ اچانک بجھ کر رہ گئے یعنی خاموش مردہ ہو کر رہ گئے ان (کافر) بندوں پر اور ان جیسے ان لوگوں پر جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی افسوس کہ وہ ہلاک کر دیئے گئے اور یہ حسرت کو نہ اشدت الم کی وجہ سے ہے اور اس کو نہ ا مجازاً ہے یعنی اے حسرت یہ تیری حاضری کا وقت ہے لہذا تو حاضر ہو جا، ان کے پاس کبھی کوئی رسول نہیں آیا کہ اس کا مذاق نہ اڑایا ہو کلام حسرت کے سبب کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے اس کلام کے استہزاء پر دلالت کرنے کی وجہ سے جو مفہمی ہے ان کی ہلاکت تک جو حسرت کا مسبب عنہ (یعنی سبب) ہے۔

فَائِدَہ: حسرت کا سبب ہلاکت اور ہلاکت کا سبب استہزاء گویا کہ استہزاء بواسطہ ہلاکت حسرت کا سبب ہوا۔

کیا ان اہل مکہ کو جو نبی کے بارے میں لَسْتُ مُرْسَلًا کہتے ہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں اور وہ ہلاک شدگان ان کے یعنی اہل مکہ کے پاس (دنیا میں) لوٹ کر آنے والے نہیں اور استفہام تقریری ہے یعنی غور کیا کتم خبر یہ ہے، اور کثیراً کے معنی میں ہے، اور اپنے مابعد کا معمول ہے اور اپنے ماقبل کو اس میں عمل سے روکنے والا ہے، کیا یہ لوگ ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور اَنَّهُمُ الْخِ معنی مذکور کی رعایت کے ساتھ ماقبل سے بدل ہے اور معنی میں اِنَّا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ کَثِیْرًا کے ہے، اور سب کے سب محشر میں زندہ کرنے کے بعد ہمارے روبرو حساب کے لئے حاضر کئے جائیں گے ان نافیہ ہے یا مخففہ ہے کُلُّ یعنی تمام مخلوق، کُلُّ مبتداء ہے، لَمَّا تشدید کے ساتھ اِلَّا کے معنی میں ہے یا تخفیف کے ساتھ ہے، اور لام فارقہ ہے اور ما زائدہ ہے، جمیع مبتداء کی خبر (اول) ہے، اور معنی میں مَجْمُوعُوْنَ کے ہے، محضرون للحساب خبر ثانی ہے۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْمِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلُ: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا یہ کلام متانف ہے، اور مخاطب آپ ﷺ ہیں، مفسر علام نے مثلاً کو اضْرِبْ بمعنی اَجْعَلْ کا مفعول اول اور اصحاب القریۃ کو مفعول ثانی قرار دیا ہے، مگر واضح اور احسن یہ ہے کہ اصحاب القریۃ

مفعول اول اور مثلاً مفعول ثانی ہو، بعد میں چونکہ اصحاب القرية کی تشریح آرہی ہے، اس لئے مفعول اول کو مقدم کر دیا تاکہ اجمال و تفصیل متصل ہو جائیں۔

قَوْلًا: واضرب لهم السخ اس کا عطف ماقبل پر بھی ہو سکتا ہے مگر یہ عطف قصہ علی القصہ کے طور پر ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مقدر پر عطف ہو ای فانذرهم واضرب لهم اور ”ضرب مثل“ بعض اوقات ایک عجیب قصہ کی دوسرے عجیب قصہ کے ساتھ مطابقت و مماثلت بیان کرنے کے لئے بولا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ضرب الله مثلاً للذین کفروا امرأت نوح اور بعض اوقات تطبیق و مماثلت کے قصد کے بغیر حالت غریبہ کو بیان کرنے کے لئے بھی اضرب مثلاً، بولا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول و ضربنا لکم الامثال پہلی صورت میں آیت کے معنی ہوں گے اجعل اصحاب القرية مثلاً لهؤلاء فی الغلو فی الکفر والاصرار فی التکذیب ای طبق حالهم بحالهم، اصحاب القرية سے پہلے مثل مضاف محذوف ہے، اضرب لهم مثلاً مثل اصحاب القرية اور یہ مضاف مثلاً سے بدل الكل عن الكل ہے، اور بعض حضرات نے عطف بیان بھی مانا ہے، مگر یہ ان کے نزدیک ہے جو تعریف و تنکیر کے اختلاف کے باوجود بدل صحیح مانتے ہیں۔

قَوْلًا: القرية قاف کے فتح اور کسرہ کے ساتھ الضیعة والمصر الجامع، بستی، آبادی، جمع قری و قری (اعراب القرآن) یہاں قریہ سے روم کا مشہور شہر انطاکیہ مراد ہے۔

قَوْلًا: المرسلون حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اہل انطاکیہ کے پاس اولاً اپنے حواریوں میں سے دو قاصد جن کا نام یحییٰ اور بولس تھا بھیجے تھے، اور وہب نے کہا ہے کہ ان کا نام یوحنا اور بولس تھا، اور صادق، مصدوق بھی کہا گیا ہے، اس کے بعد تیسرا قاصد بھیجا، اس کا نام شمعون تھا۔ (اعراب القرآن)

قَوْلًا: الی آخرہ ای آخر القصہ۔

قَوْلًا: اذ ارسلنا، اذ جاءها المرسلون سے بدل المفصل من المجمل ہے۔

قَوْلًا: المرسلون تیسرے قاصد کے اعتبار سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

قَوْلًا: رسل عیسیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد، مشہور یہی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ بلا واسطہ اللہ کے رسول تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کے رسولوں کو بھی اللہ کے رسول کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ان کو بھیجا تھا۔

قَوْلًا: نَطِيرْنَا کے اصل معنی پرندوں سے نیک یا بد فال لینا، یہاں مطلقاً بد فال لینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، عرب کی عادت تھی کہ وہ پرندوں سے فال (شگون) لیا کرتے تھے، اگر بائیں جانب سے دائیں جانب کو پرندہ اڑ کر سامنے سے گزر جاتا تو عرب اس کو نیک فال مانتے تھے اور اس کو الطائر الساج کہتے تھے، اور اس کی ضد یعنی دائیں جانب سے بائیں جانب کو اڑ کر جانے والے پرندے سے بد فالی لیتے تھے اور اس کو الطائر البارح کہتے تھے، اس کے بعد

ہر بد فال کے لئے استعمال ہونے لگا۔ (مصباح)

قَوْلٌ: رَبُّنَا يَعْلَمُ اَنَا اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ، اِنَّا اِلَيْكُمْ مَّرْسَلُوْنَ میں دو تاکیدوں کا استعمال ہوا ہے ایک جملہ اسمیہ اور دوسرے اِنَّ اس لئے کہ وہاں تکذیب اور نفی میں بھی زیادہ تاکید نہیں تھی، یہاں چونکہ کئی تاکیدوں کے ساتھ انکار و تکذیب مؤکد ہے، اس لئے اثبات میں بھی کئی تاکیدات لائی گئی ہیں، اول قسم جو کہ قائم مقام تاکید کے ہے دوم اِنَّ تیسرے جملہ اسمیہ چونکہ لام تاکید۔

قَوْلٌ: بِكُفْرِكُمْ بِاسْمِيْهِ ہے ای بسبب کفر کم۔

قَوْلٌ: اِنَّ ذِكْرْتُمْ ہمزہ استفہام انکاری تو بخئی ان شرطیہ پر داخل ہے، دونوں کو جواب کی ضرورت ہے اگر ہمزہ استفہام اور شرط جمع ہو جائیں تو سیبویہ ہمزہ استفہام کا جواب قرار دیتے ہیں اور جواب شرط محذوف مانتے ہیں، اور یونس شرط کا جواب مانتے ہیں اور جواب استفہام محذوف مانتے ہیں، مفسر علام محلی نے جواب الشرط محذوف کہہ کر اشارہ کر دیا کہ ان کے نزدیک سیبویہ کا مذہب رائج ہے، سیبویہ کے نزدیک تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنَّ ذِكْرْتُمْ تَتَطَيَّرُوْنَ اور یونس کے نزدیک اِنَّ ذِكْرْتُمْ تَطَيَّرُوْا جزم کے ساتھ، مفسر علام نے بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ کی تفسیر بغفرانہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ما مصدریہ ہے اور یہ بھی درست ہے کہ ما موصولہ ہو اس صورت میں عائد محذوف ہوگا، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی بِالَّذِيْ غَفَرَهُ لِيْ رَبِّيْ من الذنوب اور استفہامیہ بھی صحیح ہے ای بای شیئی غفر لی ای بامر عظیم و هو تو حیدی و صدقی بالحق (صاوی) حسرت کو ندادینا مجازاً ہے اس لئے کہ حسرت میں منادی بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

قَوْلٌ: يٰ اَحْسِرْ عَلٰى الْعِبَادِ اس میں تین احتمال ہیں ① یہ اللہ کا کلام ہو ② ملائکہ کا کلام ہو ③ مومنین کا کلام ہو اور العباد سے مراد تمام کفار ہوں، اس صورت میں الف لام جنس کا ہوگا، اور کہا گیا ہے کہ العباد سے مراد رُسُل ہوں اور علیٰ بمعنی من ہو اور قائل کفار ہوں، تقدیر عبارت یہ ہوگی يٰ اَحْسِرْ عَلَيْنَا من مخالفة العباد مگر پہلی صورت اولیٰ ہے جو مفسر علام نے بیان کی ہے۔

قَوْلٌ: اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ یہ جملہ یاتینہم کے مفعول سے حال ہے۔

قَوْلٌ: مَسُوْقٌ لِّبَيَانِ سَبَبِهَا یہ جملہ متانفہ ہے اور سبب حسرت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، گویا کہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال کیا گیا، مَا وَجَّهَ التَّحَسُّرَ عَلَيْهِمْ؟ جواب دیا گیا مَا يَاتِيْهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ یعنی یہ جملہ بالواسطہ سبب حسرت کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ استہزاء سبب ہلاکت ہے اور ہلاکت سبب حسرت ہے تو گویا استہزاء سبب حسرت ہے۔

قَوْلٌ: لَا شَيْءَ اِلَّا لِدَّلَالَةِ هٰذَا الْكَلَامِ عَلٰى الْاِسْتِهْزَاءِ۔

قَوْلٌ: الْمَيِّرُوْنَ الخ یہاں رویہ سے رویت علمیہ مراد ہے یعنی کیا اہل مکہ کو علم نہیں کَمَّ خبر یہ ہے اور اَهْلَكُنَا کا مفعول مقدم ہے اور قَبْلَهُمْ اَهْلَكُنَا کا ظرف ہے اور مِنَ الْقُرُوْنِ کَمَّ کا بیان ہے الْمَيِّرُوْنَ میں استفہام تقریر یعنی

مابعد نفی کا اقرار کرانے کے لئے ہے یعنی علم ہے کَمَّ خبر یہ مابعد یعنی اَهْلَكْنَا کا معمول ہے ماقبل یعنی لَمَّیْرُوا کا معمول نہیں ہے اس لئے کہ کَمَّ خبر یہ صدارت کلام کو چاہتا ہے لہذا اس کا ماقبل اس میں عامل نہیں ہو سکتا ورنہ تو اس کی صدارت باطل ہو جائے گی۔ (صاوی)

قَوْلِهِ: مُعَلِّقَةٌ مَا قَبْلَهَا عَنِ الْعَمَلِ یعنی کم خبر یہ نے اپنے ماقبل یعنی لَمَّیْرُوا کو لفظاً عمل سے روک دیا ہے اگرچہ معنی میں عمل جاری ہے۔

سُئِلَ: عمل سے مانع کمر استفہامیہ ہوتا ہے نہ کہ خبریہ، اور یہ کمر خبریہ ہے؟
جواب: چونکہ کمر میں استفہامیہ ہونا اصل ہے، لہذا تعلیق (مانع) ہونے میں کمر خبریہ کو کمر استفہامیہ کے قائم مقام کر دیا ہے۔ (حمل)

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ ضَرْبُ مَثَلٍ استعمال دو طریقوں پر ہوتا ہے ① کسی عجیب و غریب معاملہ کو ثابت کرنے کے لئے اسی جیسے عجیب و غریب معاملہ کی مثال بیان کرنے کو کہتے ہیں ② مطلقاً کسی عجیب و غریب معاملہ کو بغیر کسی واقعہ کی تطبیق و مماثلت کے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔

اوپر جن منکرین نبوت و رسالت کفار کا ذکر سابقہ آیات میں آیا ہے ان کو متنبہ کرنے کے لئے قرآن کریم نے بطور مثال پہلے زمانہ کا ایک قصہ بیان کیا ہے جو ایک بستی میں پیش آیا تھا۔

یہ بستی کونسی تھی اور وہ قصہ کیا تھا؟

قرآن کریم نے اس بستی کا نام نہیں بتایا، تاریخی روایات میں محمد بن اسحق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور کعب احبار، اور وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ یہ بستی انطاکیہ تھی، جمہور مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے، معجم البلدان کی تصریح کے مطابق انطاکیہ ملک شام کا مشہور اور عظیم الشان شہر ہے جو اپنی شادابی اور استحکام میں معروف ہے، اس شہر میں نصاریٰ کے عبادت خانے بکثرت تھے، زمانہ اسلام میں اس کو فاتح شام امین الامۃ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح کیا تھا، روح البیان میں سہیلی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شہر انطاکیہ کو آباد کرنے والا ایک شخص تھا جس کا نام انطیس تھا، اسی شخص کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس شہر کا نام انطاکیہ ہو گیا، بائبل کتاب اعمال کے آٹھویں اور گیارہویں باب میں ایک قصہ اسی قصہ کے مشابہ قدرے تفاوت کے ساتھ شہر انطاکیہ کا بیان ہوا ہے۔ (فوائد عثمانی ملخصاً)

اس قصہ کا ذکر مومنین کے لئے بشارت اور مکذبین کے لئے عبرت ہے، معجم البلدان میں یا قوت حموی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حبیب نجار (جس کا واقعہ اس آیت میں آگے آرہا ہے) اس کی قبر بھی انطاکیہ میں معروف ہے، دور دور سے لوگ اس کی

زیارت کے لئے آتے ہیں، اس تصریح سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جس قریہ کا ذکر ہے وہ یہی انطاکیہ ہے، لیکن ابن کثیر نے تاریخی حیثیت سے اور قرآن کے سیاق کے لحاظ سے اس پر کچھ اعتراضات کئے ہیں اور وہ اگر صحیح ہیں تو کوئی اور بستی ماننی پڑے گی، صاحب فتح المنان نے ابن کثیر کے اشکالات کے جوابات بھی دیئے ہیں، مگر سہل اور بے غبار بات وہی ہے جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے بیان القرآن میں اختیار فرمائی ہے، کہ آیات قرآنی کا مضمون سمجھنے کے لئے اس قریہ کی تعیین ضروری نہیں ہے، اور قرآن کریم نے بھی اس کو مبہم رکھا ہے تو اس کی تعیین کے لئے اتنا زور صرف کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ سلف صالحین کا یہ ارشاد کہ اَبْهَمُوا مَا اَبْهَمَهُ اللّٰهُ لَعَنَ اللّٰهُ نے جس چیز کو مبہم رکھا ہے تم بھی اس کو مبہم رکھو، اس کا مقتضی بھی یہی ہے۔

اِذْ جَاءَ هَا الْمُرْسَلُونَ یہ فرستادے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے حواریں میں سے تھے، آیا ان کو حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اہل انطاکیہ کی جانب تعلیم و تبلیغ کی غرض سے بحکم خداوندی بھیجا تھا، یا حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے رفع الی السماء کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو تبلیغ دین کے لئے اہل انطاکیہ کی جانب بھیجا تھا دونوں احتمال ہیں (فتح القدیر) اہل انطاکیہ نے ان کی تکذیب کی، کہا گیا ہے کہ ان میں سے دو کے نام یوحنا اور شمعون تھے، اور بعض نے سمعان، ویحییٰ و بولس کہا ہے، انکے ناموں کی کسی صحیح روایت سے تصدیق نہیں ہو سکتی، اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بلا واسطہ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے یا حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے بھیجے ہوئے قاصد، اگر یہ حضرات بلا واسطہ پیغمبر تھے تو ان کی بعثت حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے پہلے ہوئی تھی۔ (فوائد عثمانی ملخصاً)

اولاً دور رسول بھیجے گئے تھے جب بستی والوں نے ان کی تکذیب کی تو اللہ نے ان کی تائید و تقویت کے لئے ایک تیسرا رسول بھیج دیا، پھر ان تینوں رسولوں نے بستی والوں کو خطاب کر کے کہا اِنَّا اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُونَ۔
قَالُوا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا بستی والوں نے کہا تم میں کونسا سرخاب کا پر ہے جو اللہ نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے، تم ہم سے کس بات میں بڑھ کر تھے جس کی وجہ سے اللہ نے تم کو نبوت و رسالت کے لئے منتخب فرمایا تم خواہ مخواہ اللہ کا نام لیتے ہو، معلوم ہوتا ہے تم تینوں نے سازش کر کے ایک بات گھڑ لی ہے۔

قَالُوا اِنَّا نَطْهَرُ نَابِکُمْ تطہیر کے معنی بدفالی کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس بستی والوں نے ان قاصدوں کی بات نہ مانی، بلکہ کہنے لگے کہ تم لوگ منحوس ہو، بعض روایات میں ہے کہ ان کی نافرمانی اور فرستادوں کی بات نہ ماننے کی وجہ سے اس بستی میں قحط پڑ گیا تھا، اس لئے بستی والوں نے ان کو منحوس کہا، تو ان حضرات نے کہا۔

طَائِرُکُمْ مَعَكُمْ یعنی تمہاری نحوست تمہارے ہی ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ خشک سالی وغیرہ سب تمہارے اعمال کا نتیجہ ہیں، و جاء من اقصی المدينۃ رجلٌ یسعی پہلی آیت میں اس بستی کو قریہ سے تعبیر کیا ہے اور اس آیت میں مدینہ سے، قریہ عربی زبان میں مطلقاً بستی کو کہتے ہیں خواہ بڑی ہو یا چھوٹی اور مدینہ بڑے شہر کو کہتے ہیں، یعنی شہر کے دور و دراز علاقہ سے یہ شخص تیزی کے ساتھ دوڑ کر یا اہتمام کے ساتھ آیا۔ دوڑ کر آنے والا شخص کون تھا؟ یہ کیا کام کرتا تھا، قرآن اس بارے میں خاموش ہے

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا نام حبیب تھا، اور مشہور یہ ہے کہ یہ نجار تھا، لکڑی کا کام کرتا تھا۔ (ابن کثیر) تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بھی شروع میں بت پرست تھا۔

واقعہ کی تفصیل:

مذکورہ قصہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں میں سے دو کو اہل انطاکیہ کی دعوت و تبلیغ کے لئے بھیجا، ایک کا نام صادق اور دوسرے کا نام مصدوق تھا، (ناموں میں اختلاف ہے) جب یہ دونوں حضرات شہر انطاکیہ کے قریب پہنچے تو ان کی ملاقات حبیب نامی ایک بوڑھے سے ہو گئی، جو جنگل میں بکریاں چرا رہا تھا، دعا سلام کے بعد شیخ نے ان سے پوچھا تم کون لوگ ہو اور کہاں سے آرہے ہو، تو ان دونوں حضرات نے جواب دیا ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد ہیں، ہم تم کو بتوں کی عبادت سے رحمن کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں، شیخ نے معلوم کیا کیا تمہارے پاس نشانی ہے، کہا ہاں! ہم مریضوں کو اچھا کر دیتے ہیں، اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اللہ کے حکم سے صحت مند کر دیتے ہیں، اور یہ ان حضرات کی کرامت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا، شیخ نے کہا میرا ایک لڑکا ہے جو سا لہا سال سے بیمار ہے، چنانچہ یہ دونوں حضرات شیخ کے ہمراہ اس کے لڑکے کو دیکھنے کے لئے اس کے گھر چلے گئے، ان دونوں حضرات نے مریض پر ہاتھ پھیر دیا، لڑکا بحکم خداوندی اسی وقت تندرست ہو گیا، چنانچہ یہ خبر آنا فانا پورے شہر میں پھیل گئی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر سینکڑوں لوگوں کو شفاء عطا فرمائی، ان کا ایک بت پرست بادشاہ تھا جس کا نام انطینا تھا، روح البیان میں اس بادشاہ کا نام یحنا طیس رومی اور انطینس لکھا ہے، شدہ شدہ ان حضرات کی خبر بادشاہ کو بھی پہنچ گئی، بادشاہ نے ان کو اپنے دربار میں بلایا اور معلوم کیا تم کون ہو؟ جواب دیا ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد ہیں، بادشاہ نے معلوم کیا تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے؟ ان حضرات نے جواب دیا ہم اس بات کی دعوت دینے آئے ہیں، کہ ان بہرے گوئے بتوں کی بندگی ترک کر کے قادر مطلق، دانا و بینا ایک خدا کی بندگی کرو، بادشاہ نے کہا کیا ہمارے معبودوں کے علاوہ بھی کوئی معبود ہے؟ ان دونوں حضرات نے جواب دیا، ہاں! جس نے تجھ کو اور تیرے معبودوں کو پیدا کیا، بادشاہ نے کہا اس وقت یہاں سے چلے جاؤ، ہم تمہارے معاملہ میں غور کر لیں، ان دونوں حضرات کے دربار سے نکلنے کے بعد لوگوں نے ان کا پیچھا کیا اور پکڑ لیا، ہر ایک کو سوسو کوڑے مارے اور جیل میں بند کر دیا، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین میں سے سب سے بڑے حواری شمعون کو ان کی تائید و حمایت کے لئے بھیجا، شمعون ہیئت اور لباس بدل کر اس قریہ میں داخل ہوا، اور بادشاہ کے مصاحبین میں شامل ہو گیا، لوگ اس سے مانوس ہو گئے حتیٰ کہ بادشاہ بھی اس سے مانوس ہو گیا، شمعون عبادت میں بظاہر بادشاہ کے طور طریقے اختیار کرتا رہا ایک روز موقع پا کر شمعون نے بادشاہ سے کہا سنا ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کو اس بناء پر قید میں ڈال رکھا ہے کہ وہ تیرے معبودوں کے علاوہ کسی دوسرے معبود کا عقیدہ رکھتے ہیں، کیا آپ نے ان سے گفتگو کی ہے اور ان کی پوری بات سنی ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا میں غصہ کی وجہ سے نہ ان کی پوری بات سن سکا اور نہ ان کی تحقیق حال ہی کر سکا، شمعون نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کو بلائیں اور ان کی پوری بات سنیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کہتے ہیں،

چنانچہ بادشاہ نے ان دونوں کو بلایا، جب دونوں دربار میں حاضر ہو گئے تو شمعون نے سوال کیا تم کو یہاں کس نے بھیجا ہے؟ جواب دیا کہ اس اللہ نے جس نے ہرشی کو پیدا کیا اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، شمعون نے کہا اختصار کے ساتھ کچھ اور تفصیل بیان کرو، انہوں نے کہا اِنَّهُ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ وَیَسْخَرُکُمْ مَا یُرِیدُ پھر شمعون نے کہا تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ ان حضرات نے کہا جو آپ چاہیں، چنانچہ بادشاہ کے حکم سے ایک ایسا لڑکا لایا گیا جو نابینا تھا، حتیٰ کہ اس کی آنکھوں کے نشانات بھی نہیں تھے۔ یہ حضرات اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں کے نشانات ظاہر فرما دیئے، ان حضرات نے مٹی کی دو گولیاں لیکر آنکھوں کے نشانات میں رکھ دیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ آنکھ کی پتلیاں بن گئیں، اور ان سے نظر آنے لگا، بادشاہ کو نہایت تعجب ہوا، شمعون نے بادشاہ سے کہا اگر آپ اپنے معبودوں سے دعا کرتے تو کیا یہ ممکن تھا؟ بادشاہ نے شمعون سے کہا تجھ سے کوئی راز پوشیدہ نہیں، ہمارے معبود جن کی ہم بندگی کرتے ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ وہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں، اور نہ نقصان، بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصدوں سے کہا اگر تمہارا معبود مردے کو زندہ کر دے تو میں اس پر ایمان لے آؤں گا، ان حضرات نے جواب دیا ہمارا معبود ہرشی پر قادر ہے، بادشاہ نے کہا، یہاں ایک میت ہے جس کا ایک ہفتہ قبل انتقال ہوا ہے اور وہ ایک دیہاتی کا لڑکا ہے اس کا باپ سفر میں ہے، میں نے اس کے والد کے آنے تک میت کو دفن کرنے سے منع کر دیا ہے، حتیٰ کہ اب اس میں تعفن بھی ہو گیا ہے، ان دونوں حضرات نے علانیہ اور شمعون نے خفیہ دعاء کرنی شروع کی، چنانچہ وہ لڑکا بحکم خداوندی اٹھ کھڑا ہوا، اور کہنے لگا میرا انتقال ایک ہفتہ پہلے ہوا تھا، اور میں مشرک تھا، چنانچہ مجھ کو جہنم کی سات وادیوں میں داخل کر دیا گیا، میں تم کو اس دین و مذہب کے بارے میں خدا سے ڈراتا ہوں جس پر تم ہو، چنانچہ یہ لوگ اللہ پر ایمان لے آئے، زندہ ہونے والے لڑکے نے کہا میرے سامنے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور مجھے ایک حسین و جمیل نوجوان نظر آ رہا ہے جو ان تینوں یعنی شمعون اور اس کے دونوں ساتھیوں کی سفارش کر رہا ہے، اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور عیسیٰ اس کی روح اور اس کے کلمہ ہیں، ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ دیکھ کر بادشاہ اور اس کی قوم کے کچھ افراد ایمان لے آئے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ بادشاہ نے دعوت حق قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے قتل کے درپے ہو گیا، جب حبیب نجار کو یہ صورت حال معلوم ہوئی تو وہ شہر کے دور دراز کنارے سے دوڑتا ہوا آیا، اور ان کو سمجھانے کی کوشش کی اور پھر اپنے مومن ہونے کا اعلان ان کلمات سے کر دیا اِنِّیْ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْا یہ خطاب رسولوں کو تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پوری قوم کو خطاب ہو اور اللہ کو ان کا رب کہنا اظہار حقیقت کے طور پر تھا، اگرچہ وہ اس کو تسلیم نہ کرتے تھے (واقعہ کی تفصیل روح البیان اور صاوی سے ماخوذ ہے)۔

قِیْلَ اَدْخُلِ الْجَنَّةَ (الآیۃ) قرآن کے اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیب نجار کو شہید کر دیا گیا اس لئے کہ دخول جنت یا آثار جنت کا مشاہدہ بعد از مرگ ہی ہو سکتا ہے، تاریخی روایات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مقاتل، مجاہد، ائمہ تفسیر سے منقول ہے کہ اس شخص کا نام حبیب بن اسماعیل نجار تھا، اور یہ ان خوش نصیب لوگوں میں ہے جو ہمارے رسول محمد ﷺ پر آپ کی بعثت سے چھ سو سال پہلے ایمان لایا، جیسا کہ تبّع اکبر کے متعلق منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بشارت کتب سابقہ میں

پڑھ کر آپ پر ایمان لایا تھا، تیسرے بزرگ جو آپ پر آپ کی بعثت و دعوت سے پہلے ایمان لائے ورقہ بن نوفل ہیں، جن کا ذکر بخاری شریف میں ابتداء وحی کے واقعات میں ہے، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ کی بعثت بلکہ ولادت سے بھی پہلے آپ پر بعض حضرات ایمان لائے، ایسا معاملہ کسی اور رسول کے ساتھ نہیں ہوا۔

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاءِ (الآیۃ) یہ اس قوم پر آسمانی عذاب کا ذکر ہے جس نے رسولوں کی تکذیب کی، اور حبیب نجار کو مار مار کر شہید کر دیا تھا، اور عذاب کی تمہید کے طور پر فرمایا کہ اس قوم کو عذاب میں پکڑنے کے لئے ہمیں آسمان سے کوئی لشکر بھیجنا نہیں پڑا، اور نہ ایسا لشکر بھیجنا ہمارا دستور ہے، کیونکہ اللہ کا ایک ہی فرشتہ بڑی بڑی بہادر قوموں کو تباہ کر دینے کے لئے کافی ہے، اس کو فرشتوں کا لشکر بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس تمہید کے بعد ان پر آنے والے عذاب کو بیان فرمایا کہ بس اتنا ہوا کہ حضرت جبریل امین نے شہر پناہ کے دروازے کی چوکھٹ کے دونوں بازو پکڑ کر ایک ایسی زوردار چیخ ماری کہ سب کے پتے پھٹ گئے اور روح پر واز کر گئی اور بجھ کر ٹھنڈے ہو کر رہ گئے۔ (معارف ملخصاً)

وَاٰیَةُ لَهُمْ عَلَى الْبَعْثِ خَبْرٌ مُّقَدَّمُ الْاَرْضِ الْمَيِّتَةِ ۖ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ اَحْيَيْنَهَا بِالْمَاءِ مُبْتَدَاً وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا كَالْجُنْطَةِ ۚ فَمِنْهُ يَأْكُلُوْنَ ۝۳۰ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنَّاتٍۭ بِّنَايْنٍ ۚ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيْهَا مِّنَ الْعُيُوْنِ ۝۳۱ اِیْ بَعْثْنَهَا لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۙ بِفَتْحَتَيْنِ وَبِضَمَّتَيْنِ اِیْ ثَمَرِ الْمَذْكُوْرِ مِنَ النَّخِيْلِ وَغِيْرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْْدِيْهِمْ اِیْ لَمْ تَعْمَلِ الشَّمْرُ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝۳۲ اَنْعُمَهُ تَعَالٰی عَلِيْهِمْ ۚ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ الْاَصْنَافَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنَ الْخُبُوْبِ وَغَيْرِهَا وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ مِنَ الذَّكَوْرِ وَالْاُنَاثِ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳ مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ الْغَرِیْبَةِ وَالْعَجِیْبَةِ وَاٰیَةُ لَهُمْ عَلَى الْقُدْرَةِ الْعَظِیْمَةِ الْاِلَّۤهَ تَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارُ فَاِذَا هُمْ مُظْلِمُوْنَ ۝۳۴ ذَاخِلُوْنَ فِی الظَّلَامِ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ اِلَیْهِ مِنْ جُفَاۤءٍ ۚ اِلَیْهِ اُخْرٰی وَالْقَمَرُ ۚ كَذٰلِكَ لِمُسْتَقَرَّ لَهَا اِیْ اِلَیْهِ لَا یَتَجَاوَزُهٗ ذٰلِكَ حَزْبُهَا تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ فِیْ مَلِكِهِ الْعَلِیْمِ ۝۳۵ بِخَلْقِهِ وَالْقَمَرُ بِالرَّفْعِ وَالنَّصَبِ وَهُوَ مَنْصُوْبٌ بِفَعْلِ یُفَسِّرُهُ مَا بَعْدَهُ قَدْرُهُ مِنْ حَيْثُ سَیَرُهُ مَنَازِلَ ثَمَانِیَّةٍ وَعِشْرَیْنَ مَنَزَلًا فِی ثَمَانٍ وَعِشْرَیْنَ لَیْلَةً مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَیَسْتَبْرِیْ لَیْلَتَيْنِ اِنْ كَانَ الشَّهْرُ ثَلَاثِیْنَ یَوْمًا وَلَیْلَةً اِنْ كَانَ تِسْعَةً وَعِشْرَیْنَ یَوْمًا حَتّٰی عَادَ فِی اٰخِرِ مَنَازِلِهِ فِی رَاۤیِ الْعَیْنِ ۝۳۶ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝۳۷ اِیْ كَعُودِ الشَّمَارِیْخِ اِذَا عَتَقَ فَاَنَّهُ یَدُوْۤى وَیَتَقَوَّسُ وَیَضْفَرُ لَا الشَّمْسُ یَبْغِیْ یَسْهَلُ وَیَصْحُ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ فَتَجْتَمِعُ مَعَهُ فِی اللَّیْلِ وَلَا اِلَّیْ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ فَلَا یَاۤتِیْ قَبْلَ اِنْقِضَائِهِ وَكُلُّ تَنْوِیْنُهُ عَوْضٌ غَنِ الْمُضَافِ اِلَیْهِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنَّجُوْمِ فِیْ فَلَکٍ مُّسْتَدِیْرٍ یَّسْجُوْنَ ۝۳۸ یَسْیَرُوْنَ نَزْلُوْا مِنْزِلَةَ الْعُقُلَاءِ وَاٰیَةُ لَهُمْ عَلَى قُدْرَتِنَا اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ وَفِیْ قِرَآءَةِ ذُرِّیَّاتِهِمْ اِیْ اَبَائِهِمُ الْاُصُوْلُ فِی الْفَلَکِ اِیْ سَفِیْنَةُ نُوحٍ الْمَشْحُوْنِ ۝۳۹ الْمَمْلُوْۤءِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِّثْلِهِ اِیْ مِثْلُ فَلَکِ نُوحٍ وَبِهِمَا عَمِلُوْهُ عَلٰی شَکْلِهِ مِنَ السُّفُنِ الصَّغَارِ وَالْکِبَارِ

يَتَّعِلِمُ اللّٰهُ تَعَالٰی مَا يَرْكَبُونَ^(۴۱) فِيْهِ وَاَنْ نَّشَأُ نَغْرِقَهُمْ مَّعَ اِيْجَادِ السُّفُنِ فَلَا صَرِيْخَ مُغِيْثٍ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَنْقُذُوْنَ^(۴۲)
يُنَجُّوْنَ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلَىٰ حِيْنٍ^(۴۳) اِی لَا يُنَجِّیْهِمْ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا لَهُمْ وَتَمْتِیْعُنَا اِیَّاهُمْ بِلَذَاتِهِمْ اِلَىٰ اِنْقِضَاءِ
اَجَالِهِمْ وَاِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ مِنْ عَذَابِ الدُّنْيَا كَغَيْرِكُمْ وَما خَلَقَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ^(۴۴)
اَعْرَضُوا وَمَا تَنْتَهِیْهِمْ مِنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیَاتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ^(۴۵) وَاِذَا قِيلَ اِی قَالَ فُقَرَاءُ الصَّحَابَةِ لَهُمْ اَنْفِقُوا عَلَيْنَا
مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ مِنْ الْاَمْوَالِ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَسْتِهْزِءُ بِهِمَّ اَنْطَعُمْ مِنْ لَّوْشَاءِ اللّٰهِ اطْعَمَهُ^(۴۶) فِی مُعْتَقَدِكُمْ
بِهَذَا اِنْ مَا اَنْتُمْ فِی قَوْلِكُمْ لَنَا ذَلِكَ مَعَ مُعْتَقَدِكُمْ بِهَذَا^(۴۷) اَلَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ^(۴۸) بَيِّنَ وَالتَّصْرِیْحُ بِكُفْرِهِمْ مَّوْقِعٌ
عَظِيْمٌ وَيَقُولُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ بِالْبَغْتِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ^(۴۹) فِيْهِ قَالَ تَعَالٰی مَا يَنْظُرُوْنَ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا صٰیْحَةً وَّاحِدَةً
وَهِيَ نَفْثَةُ اسْرَافِيْلَ الْاُولٰی تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ^(۵۰) بِالتَّشْدِيْدِ اَصْلُهُ يَخْتَصِمُوْنَ نَقَلَتْ حَرَكَةُ التَّاءِ اِلَى
الْحَاءِ وَاُذْغِمَتْ فِی الصَّادِ اِی وَهَمَّ فِی غَفْلَةٍ عَنْهَا بِتَخَاصُمٍ وَتَبَايُعٍ وَاَكْلٍ وَشُرْبٍ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَفِی قِرَاءَةِ
يَخِصِّمُوْنَ كَيَضْرِبُوْنَ اِی يَخِصِّمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَا يَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِيَةً اِی بَانَ يُوصُوا وَلَا اِلٰی اٰهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ^(۵۱)
مِنْ اَسْوَاقِهِمْ وَاَشْغَالِهِمْ بَلْ يَمُوْتُوْنَ فِيْهَا.

ترجمہ: اور ایک نشانی ان کے لئے مرنے کے بعد زندہ ہونے پر مردہ زمین ہے اِیَّہُ لَہُمْ خبر مقدم ہے المیتۃ
تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے کہ ہم نے اس کو پانی کے ذریعہ زندہ کیا والارض الخ مبتداء مؤخر ہے، اور ہم نے اس زمین
سے غلہ مثلاً گندم پیدا کیا سو اس میں سے یہ لوگ کھاتے ہیں اور (نیز) ہم نے زمین میں کھجوروں اور اناروں کے باغات پیدا
کئے اور اس میں کچھ چشمے جاری کئے تاکہ لوگ اس کے پھل کھائیں، ثمرہ میں یعنی (ث، م) دونوں میں فتح اور ضمہ ہے، یعنی
تاکہ مذکورہ کھجور وغیرہ کے پھلوں میں سے کھائیں اور ان پھلوں کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا تو پھر یہ لوگ اپنے اوپر خدا تعالیٰ
کے انعامات کا شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟ وہ پاک ذات ہے جس نے تمام زمینی نباتات (مثلاً) غلہ وغیرہ کے اور خود ان کے اندر
نروادہ کے جوڑے اور ان عجیب و غریب مخلوقات کے جن کو وہ جانتے بھی نہیں جوڑے پیدا کئے اور خدا تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر
ایک نشانی رات ہے کہ جس کے اوپر سے ہم دن کو اتار لیتے ہیں تو وہ یکا یک اندھیرے میں داخل ہو جاتے ہیں اور منجملہ قدرت
کی نشانیوں میں سے یا دوسری نشانی سورج ہے جو اپنے مستقر میں رواں دواں ہے کہ اس سے (سر مو) تجاوز نہیں کرتا اور سورج
کی یہ گردش اس کے ملک میں غالب باخبر خدا کی مقرر کردہ ہے اور چاند کی بھی اس کی رفتار کے اعتبار سے ہم نے ہر ماہ میں
اٹھائیس منزلیں اٹھائیس راتوں میں مقرر کر دیں، اگر مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے تو چاند (آخری) دور اتوں میں پوشیدہ رہتا ہے، اور
اگر مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے تو چاند ایک رات پوشیدہ رہتا ہے حتیٰ کہ چاند اپنی آخری منزل میں دیکھنے والے کو کھجور کی پرانی شاخ
کے مانند نظر آتا ہے اور قمر پر نصب اور رفع دونوں جائز ہیں، یہ فعل (محذوف) کی وجہ سے منصوب ہے، جس کی بعد والا فعل

(قَدَرْنَا) تفسیر کر رہا ہے، یعنی چاند (آخری راتوں میں) کھجور کی شاخ کے مانند ہو جاتا ہے جب کہ وہ پرانی ہو کر پتلی اور ٹیڑھی اور زرد ہو جائے اور نہ آفتاب کی مجال کہ چاند کو جا پکڑے چنانچہ رات، دن ختم ہونے سے پہلے نہیں آتی اور ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں گردش کر رہا ہے، کُلُّ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے جو کہ وہ سورج چاند اور تارے ہیں، شمس و قمر وغیرہ کو ذوی العقول وغیرہ کے درجہ میں اتار لیا گیا ہے، اور ان کے لئے ہماری قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی ذریت یعنی ان کے آباء و اجداد کو بھری ہوئی کشتی یعنی نوح کی کشتی میں سوار کیا اور ایک قراءت میں ذَرِیَّة کے بجائے ذَرِیَّات ہے اور ہم نے ان کے لئے اس جیسی یعنی نوح کی کشتی جیسی چیزیں پیدا کیں، اور وہ چھوٹی بڑی کشتیاں ہیں، جس کو لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے نوح ﷺ کی کشتی جیسا بنا لیا جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں، اور اگر ہم چاہیں تو ان کو کشتیوں کی ایجاد کے باوجود غرق کر دیں پھر نہ تو ان کا کوئی فریاد رس ہو اور نہ ان کو خلاصی دی جائے مگر یہ ہماری مہربانی ہے اور ان کو ایک وقت تک فائدہ دینا منظور ہے یعنی ان پر ہماری مہربانی اور ان کی موت تک ہمارا ان کو لذت اندوزی کا موقع دینا ہی خلاصی (نجات) دے سکتا ہے اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم اس عذاب سے ڈرو جو دوسروں کے مانند، دنیا کا عذاب تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے یعنی آخرت کا عذاب تا کہ تم پر رحم کیا جائے تو انہوں نے اعراض کیا اور ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر یہ کہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرو یعنی فقراء صحابہ نے ان سے کہا تھا کہ خدا کے عطا کردہ اموال میں سے ہمارے اوپر خرچ کرو تو ان کافروں نے مومنوں سے بطور استہزاء کہا کیا ہم ایسے لوگوں کو کھانا کھلائیں اگر اللہ چاہتا تو خود ان کو کھلاتا جیسا کہ اے مومنو! تمہارا اعتقاد ہے (اے مومنو!) اس (اعتقاد) کے باوجود تمہارا ہم سے کھانا طلب کرنا صریح غلطی ہے اور ان (کافروں) کے کفر کی صراحت کا یہ عظیم موقع ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم وعدہ بعثت میں سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ بعثت کب پورا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ تو ایک چیخ کے منتظر ہیں اور وہ اسرافیل کا نغمہ اولیٰ ہے اور وہ ان کو اس حالت میں آ پکڑے گی کہ وہ باہم لڑ جھگڑ رہے ہوں گے یَخْصِمُونَ تشدید کے ساتھ، اس کی اصل یَخْتَصِمُونَ ہے تا کی حرکت خا کی طرف منتقل کر دی گئی اور ت کو صاد میں مدغم کر دیا گیا، اور وہ اس چیخ سے غافل ہوں گے باہم جھگڑے کی وجہ سے اور خرید و فروخت اور کھانے پینے وغیرہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے، اور ایک قراءت میں یَخْصِمُونَ بروزن یَضْرِبُونَ ہے سوان کو نہ تو وصیت کرنے کا موقع ملے گا اور نہ وہ اپنے اہل کی جانب اپنے بازاروں اور مشغلوں سے لوٹ سکیں گے بلکہ بازاروں اور مشغلوں ہی میں مرجائیں گے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِبِ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيِّتَةُ أَحْيَيْنَاهَا، آيَةٌ خبر مقدم ہے اور یہ تقدیم اہتمام کے لئے ہے، تنوین تعظیم کے لئے ہے ای علامۃ عظیمۃ ودلالۃ واضحۃ علی احیاء بعد الموت.

قَوْلًا : لَهْمَا اهل مكة . لهما اية کے متعلق بھی ہو سکتا ہے، اس لئے کہ آیت بمعنی علامۃ ہے یا کائنۃ کے متعلق ہو کر اید کی صفت ہے الارض المیتة ترکیب توصیفی مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلًا : اَحْيَيْنَاهَا بعض حضرات نے کہا ہے کہ اَحْيَيْنَاهَا علامت قدرت کی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے جملہ مستانفہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَحْيَيْنَا جملہ ہو کر الارض المیتة کی صفت ہو، مفسر علام کی عبارت سے اسی کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ مبتداء کو اَحْيَيْنَاهَا کے بعد ذکر کیا ہے، اگر مفسر علام کے نزدیک اَحْيَيْنَاهَا جملہ مستانفہ ہوتا تو مبتداء کو اَحْيَيْنَاهَا سے مقدم ذکر کرتے۔

قَوْلًا : وَجَعَلْنَا اس کا عطف اَحْيَيْنَاهَا پر ہے۔

قَوْلًا : مِنْ نخيل ، نخل اور نخيل دونوں کے ایک ہی معنی ہیں لیکن النخل اسم جمع ہے اس کا واحد نخلة ہے لفظ نخلة اہل حجاز کے نزدیک مؤنث ہے اور تمیم و نجد کے نزدیک مذکر ہے اور نخيل بالاتفاق مؤنث ہے (صاوی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسر رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کا بعد میں آنے والا قول مِنْ النخيل وغیرہ مناسب نہیں ہے، بلکہ بہتر و غیر ہا ہے اس لئے کہ ہ ضمیر کا مرجع ماسبق میں مذکور نخيل ہے جو کہ بالاتفاق مؤنث ہے۔

قَوْلًا : ثمر المذکور مِنْ النخيل وغیرہ مفسر رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے ایک اعتراض کا دفعیہ ہے، اعتراض یہ ہے کہ ثمرہ کی ضمیر نخيل اور اعناب کی طرف راجع ہے اول تو اعناب اور نخيل جمع ہیں جو کہ واحد مؤنث کے حکم میں ہیں، اس لحاظ سے من ثمرها ہونا چاہئے اور اگر اعناب اور نخيل کو دونوع تسلیم کر لیا جائے تو پھر (ہما) ضمیر تشنیہ کی ہونی چاہئے، حالانکہ مفسر علام نہ تو واحد مؤنث کی ضمیر لائے اور نہ تشنیہ کی، بلکہ واحد مذکر کی ضمیر لائے ہیں، جو بظاہر درست نہیں معلوم ہوتی، مذکورہ عبارت سے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نخيل و اعناب کو مذکور کے معنی میں لیکر واحد مذکر کی ضمیر لانا درست ہے، یا ثمرہ کی ضمیر ماء کی طرف راجع ہے جو کہ مِنْ الْعُيُون سے مفہوم ہے، اس لئے کہ ثمر کا وجود پانی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

سُؤَالٌ : الارض المیتة دونوں معرف باللام ہونے کی وجہ سے معرفہ ہیں، اور اَحْيَيْنَاهَا جملہ ہونے کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہے، اس صورت میں اگر اَحْيَيْنَاهَا کو الارض المیتة کی صفت قرار دیا جائے تو معرفہ کی صفت کا نکرہ ہونا لازم آتا ہے، جو قاعدۃ مطابقت کے منافی ہے۔

جَوَابٌ : الارض المیتة پر الف لام جنس کے لئے ہے، اس لئے کہ کوئی معین ارض مراد نہیں ہے، لہذا مذکورہ الف لام معرفہ کا فائدہ نہیں دے گا، جس کی وجہ سے نکرہ کا صفت بننا درست ہے، اس کی نظیر شاعر کا یہ قول ہے۔

وَلَقَدْ أَمَرْتُ عَلَى اللَّيْمِ يَسُبُّنِي فَمَضَيْتُ ثَمَةً فَلْتُ لَا يَعْنِينِي

(روح المعانی)

قَوْلًا : اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فممنہ یا کلون، حَبٌّ، حَبَّةٌ کی جمع ہے اس غلہ کو کہتے ہیں جس کو پیسا جائے جیسے گندم جو وغیرہ

اور بذرا اس غلہ کو کہتے ہیں جس سے تیل نکالا جائے، جیسے رائی، سرسوں وغیرہ۔

قَوْلُهُ: فَمِنْهُ اَي مِنَ الْحَبِّ.

سَيِّئًا: تقدیم صلہ سے حصر سمجھ میں آتا ہے، اصل میں اٰخَرُ جَنَّا حَبًّا یا کُلُوْنَ مِنْهُ ہے، منہ کی تقدیم سے حصر مستفاد ہو رہا ہے کہ اکل مذکورہ دونوں قسم کے غلوں میں منحصر ہے، حالانکہ یہ بدیہی البطلان ہے، اس لئے کہ مذکورہ دونوں قسم کے غلوں کے علاوہ بھی بہت سے غلے کھائے جاتے ہیں۔

جَوَابُ: تقدیم صلہ جنس ماکول کو جوب میں منحصر کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اکثر ماکول کو جوب میں حصر کرنے کے لئے ہے، اس لئے کہ جوب ہی اکثریت سے کھائی جانے والی غذا ہے۔

قَوْلُهُ: مِنَ الْعَيُونِ کی تفسیر بعضہا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مِنْ تَبْعِيضِیہ ہے، بیانیہ بھی قرار دینا صحیح ہے۔

قَوْلُهُ: وَمَا عَمِلْتُمْ اَيْدِيْهِمْ اس کا عطف مِنْ ثَمَرِہ پر ہے اَي لِيَاكُلُوْا مِنْ ثَمَرِہ وَاَيَّاكُلُوْا مِمَّا عَمِلْتُمْ اَيْدِيْهِمْ كَالْعَصِيْرِ وَالْدَّبْسِ وَنَحْوَهُمَا یعنی کھجور اور انگور کے پھل کھائیں اور وہ چیزیں کھائیں جو ان سے بناتے ہیں مثلاً عرق (جوس) شیرہ وغیرہ یہ ترجمہ اس صورت میں ہو گا جب کہ مَا سے مَا موصولہ مراد ہو، اور بعض حضرات نے مَا کو نافیہ کہا ہے، یعنی تاکہ تم مذکورہ چیزوں کو کھاؤ جن کو تم نے پیدا نہیں کیا ہے، بلکہ اس کا پیدا کرنے والا خدا ہے، یعنی مذکورہ اشیاء کے پیدا کرنے میں تمہارے ہنر یا حکمت کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ تم تو اپنے پاس موجود کو بھی مٹی میں ملا کر بظاہر ضائع کر دیتے ہو، یہ محض خدا کا فضل و کرم اور اس کی صنعت و قدرت ہی ہے کہ جس دانہ کو تم نے گلنے سڑنے کے لئے مٹی میں دفن کر دیا خدا نے اپنی قدرت و رحمت سے اس کی نہ صرف حفاظت فرمائی بلکہ اس کو اضعافاً مضاعفہ و گنا چو گنا کر کے تمہارے حوالہ کر دیا مَا مصدر یہ بھی ہو سکتا ہے، اَي لِيَاكُلُوْا مِنْ عَمَلِ اَيْدِيْهِمْ.

قَوْلُهُ: اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ہمزہ محذوف پر داخل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَيَنْتَفِعُوْنَ بِهٰذِهِ النِّعَمِ فَلَا يَشْكُرُوْنَهَا۔
قَوْلُهُ: سُبْحَانَ الَّذِي، سبحان مصدر بمعنی تسبیح ہے اس پر نصب نیز مفرد کی جانب اضافت لازم ہے مفرد خواہ اسم ظاہر ہو جیسے سُبْحَانَ اللّٰہ اور سُبْحَانَ الَّذِي یا اسم ضمیر ہو جیسے سُبْحَانَهُ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُ وَلَدٌ، سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا جملہ مستانفہ ہے ترک شکر پر تنزیہ کو بیان کرنے کیلئے لایا گیا ہے (روح المعانی) بعض حضرات نے کہا ہے کہ دونوں آیتیں یعنی اَيَّةُ لَهُمُ الْاَرْضِ الْمِيْتَةُ الْاَيَّةُ اور اَيَّةُ لَهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُهُ: اَيَّةُ لَهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ، اَيَّةُ خبر مقدم ہے، اور اللَّيْلُ مبتداء مؤخر ہے، کما سَبَقَ اور نَسْلَخُ، لیل کے آیات قدرت میں سے ہونے کی کیفیت کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ: نَسْلَخُ مَضَارِعَ جَمْعِ مُتَكَلِّمٍ (ن، ف) سَلَخًا کھال اتارنا، مطلقاً کسی چیز کو اتارنا، زائل کرنا، یعنی ہم دن کو رات کے اوپر سے اتار لیتے ہیں، فَاِذَا هُمْ مُظْلِمُوْنَ تو وہ تاریکی میں رہ جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ کائنات میں ظلمت اصل ہے اور نہار (روشنی) طاری ہے، جس طرح جانور کے اوپر کھال اتارنے کے بعد گوشت ظاہر ہو جاتا ہے، اسی طرح دن کو رات کے

اوپر سے اتارنے کے بعد رات باقی رہ جاتی ہے، مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نَسْلَخُ کی تفسیر نَفْصِلُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ نَسْلَخُ نَكْشِفُ کے معنی میں نہیں ہے ورنہ تو فَإِذَا هُمْ مَظْلُومُونَ کے بجائے فَإِذَا هُمْ مَبْصُرُونَ ہونا چاہئے، اس لئے کہ آیۃ کے معنی یہ ہوں گے و آیتہ اللیلُ نكشِفُ ونظہرُ منه النہارُ نَفْصِلُ (منہ) میں من بمعنی عن ہے، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ لیل، نہار سے مقدم ہے، اس لئے کہ مسلوخ منہ مسلوخ سے مقدم ہوا کرتا ہے۔ (جمل)

قَوْلًا: مُظْلِمُونَ. أَظْلَمَ الْقَوْمُ سے ماخوذ ہے اِی دَخَلُوا فِي الظلام.

قَوْلًا: من جملۃ الآیۃ اس کا عطف الارضُ مبتداء پر ہے یعنی عطف مفرد علی المفرد ہے۔

قَوْلًا: اَوْ آیۃُ أُخْرٰی یہ دوسری ترکیب کی طرف اشارہ ہے یعنی الشمس مبتداء ہے اور تجری اس کی خبر ہے، اس صورت میں عطف جملہ علی الجملہ ہوگا۔

قَوْلًا: وَالْقَمَرُ كَذٰلِكَ یعنی قمر من جملۃ آیات کے ایک آیۃ ہے یا دوسری مستقل آیۃ ہے، یہ ترکیب صرف اس صورت میں ہوگی جب کہ القمر مرفوع پڑھا جائے، اور اگر القمر کو منصوب پڑھیں تو فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہوگا اور اس صورت میں ما اضممر عاملہ کے قبیل سے ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی قَدَرْنَا الْقَمَرَ قَدَرْنَاہُ اور اگر مرفوع پڑھیں تو سابق مبتداء یعنی الارض المیتۃ یا اللیل پر عطف ہوگا اور تقدیر عبارت اِیۃُ لَهُمُ الْقَمَرُ ہوگی، یا القمرُ خود مبتداء ہو اور خبر قَدَرْنَاہُ ہو۔

قَوْلًا: الْمَنَازِلُ اس میں تین ترکیبیں ہو سکتی ہیں ① قَدَرْنَا کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہو سکتا ہے، اس صورت میں قَدَرْنَا بمعنی صَيَّرْنَا ہوگا ② قَدَرْنَاہُ کی ضمیر سے حال ہو، اس صورت میں منازل کے پہلے مضاف محذوف ماننا لازم ہوگا، اس لئے کہ خود قمر منازل نہیں ہے بلکہ ذو منازل ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی قَدَرْنَاہُ ذُو مَنَازِلُ ③ یہ کہ مَنَازِلُ ظرف ہو، اِی قَدَرْنَا سَيَرُہُ فِی مَنَازِلَ علامہ جلال الدین محلی نے اپنے قول مِنْ حِیْثُ سِیَرُہُ سے اسی ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (جمل)

قَوْلًا: الْعُرْجُونَ رُوزَن فُعْلُوْنَ شاخ خرما، جو خرما کا ٹٹنے کے بعد کھجور پر خشک ہو کر زرد، پتلی اور مثل ہلال میڑھی ہو جاتی ہے۔

قَوْلًا: شَمَارِیْخُ یہ شَمْرُوْخ کی جمع ہے، یہ عُوجُونَ ہی کی تشریح ہے اس میں تشبیہ مرکب ہے، اس لئے کہ ہلال کو عرجون کے ساتھ تین اوصاف میں تشبیہ دی گئی ہے دَقِیْتُ، تَقَوُّسٌ اور اصفرار۔

قَوْلًا: نَزَلُوا مَنَزِلَۃَ الْعُقَلَاءِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: کُلُّ یا عموم پر دلالت کرنے کی وجہ سے یا تنوین کے مضاف الیہ کے عوض میں ہونے کی وجہ سے مبتداء ہے اِی کُلُّ اَحَدٍ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنَّجْمِ فِی فَلْکِ یَسْبَحُونَ، یَسْبَحُونَ مبتداء کی خبر ہے، مبتداء غیر ذوی العقول ہے اور اس کی خبر یَسْبَحُونَ وَاَوْنُونَ کے ساتھ لائی گئی ہے، جو کہ ذوی العقول کے ساتھ خاص ہے، لہذا یَسْبَحُونَ وَاَوْنُونَ کے ساتھ درست معلوم نہیں ہوتا۔

جَوَابُ: یَسْبَحُونَ سَبَّحَ سے مشتق ہے جس کے معنی تیرنے کے ہیں اور یہ ذوی العقول کی صفت ہے، چونکہ غیر ذوی العقول کی طرف ذوی العقول کے فعل کی نسبت کی گئی ہے، اس لئے غیر ذوی العقول کو ذوی العقول کے درجہ میں اتار لیا گیا جس کی وجہ سے یَسْبَحُونَ کو خبر لانا درست ہو گیا۔

قَوْلُ: اَیَّةَ لَهُمْ اَنَا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ، اَیَّةَ لَهُمْ خبر مقدم ہے اور اَنَا حَمَلْنَا مصدر کی تاویل میں ہو کر مبتداء مؤخر ہے، اِنی حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِی الْفُلِّ اَیَّةَ دَالَّةً عَلٰی بَآهِرِ قُدْرَتِنَا۔

قَوْلُ: اِی اِبْنَاهُمْ الْاَصُولِ اس عبارت سے اشارہ کر دیا کہ ذُرِّيَّةٌ کا اطلاق جس طرح فروع پر ہوتا ہے اصول پر بھی ہوتا ہے اس لئے کہ یہ ذُرَّةٌ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی خلق کے ہیں اور فروع اصول سے مخلوق ہیں لہذا اب وہ اعتراض ختم ہو گیا کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہونے والے اصول اہل مکہ تھے نہ کہ فروع، اور بعض حضرات نے مذکورہ اعتراض کا یہ جواب بھی دیا ہے، کہ فِی الْفُلِّ میں الف لام جنس کا ہے جس سے جنس کشتی مراد ہے نہ کہ خاص کشتی نوح، اس لئے کہ اس آیت کا مقصد اہل مکہ پر احسان جتانا ہے اور ظاہر ہے مطلق کشتی مراد لینے میں امتنان بالواسطہ اور بلا واسطہ دونوں شامل ہیں۔

(لغات القرآن للدریش)

قَوْلُ: کَفِیْرٌ کَمَ اِی کَالْمُؤْمِنِیْنَ۔

قَوْلُ: اَعْرَضُوا اس اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ کا جواب شرط اَعْرَضُوا محذوف ہے۔

قَوْلُ: وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهٖ یہ دوسرا امتنان ہے جو پہلے امتنان پر مرتب ہے، اِیَّةَ کے معنی یہ ہیں جَعَلْنَا سَفِیْنَةً نُّوحٍ اَیَّةَ عَظِیْمَةً عَلٰی قُدْرَتِنَا وَنِعْمَةً لِلْخَلْقِ وَعَلَّمْنَاهُمْ صَنْعَةَ السَّفِیْنَةِ فَعَمِلُوا سُفُنًا کِبَارًا وَصَغَارًا لِّیَنْتَفِعُوا بِهَا۔

قَوْلُ: وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهٖ مَا یَرْکَبُوْنَ۔ مِثْلِهٖ ما مفعول مؤخر سے حال ہے اور مِثْلِهٖ کی ضمیر فُلُّکَ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُ: فِی مَعْتَقِدِکُمْ هٰذَا اے مومنو تمہارے اس اعتقاد کے باوجود کہ اللہ ہی رازق ہے وہی سب کو کھلاتا پلاتا ہے تو پھر ہم سے کیوں کھانا وغیرہ طلب کرتے ہو؟ اس صورت میں الذین کفروا میں کافر سے مراد خدا کے وجود کا منکر (دہریہ) ہوگا اور اگر مطلب یہ ہو کہ جس کی روزی خدا نے بند کر دی ہو اور خدا ہی ان کو کھانا نہ چاہتا ہو تو ہم اس کی مرضی اور مشیت کے خلاف کھانا کھلانے والے کون ہوتے ہیں؟ اس صورت میں الذین کفروا میں کافر سے مراد مشرک ہے جو کہ خدا کے وجود کا قائل ہے مگر اس کے ساتھ شریک کرتا ہے، اس دوسرے مطلب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلم مساکین کو بکثرت کھانا کھلایا کرتے تھے، ایک روز ابو جہل کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہو گئی، تو کہنے لگا اے ابو بکر کیا تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کھلانے پر قادر ہے؟ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں! تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ان کو نہیں کھلاتا؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

جواب دیا، اللہ تعالیٰ بعض کو فقر کے ذریعہ اور بعض کو غنا کے ذریعہ آزماتا ہے، اور فقراء کو روزہ کا اور اغنیاء کو سخاوت کا حکم دیا ہے، تو ابو جہل کہنے لگا (واللہ یا ابا بکر ان انت الا فی ضلال) اے ابو بکر تم تو غلط فہمی کا شکار ہو، کیا تم یہ سمجھتے ہو وہ ان کو کھلانے پر قادر ہونے کے باوجود نہیں کھلانا چاہتا مگر تم کھلانا چاہتے ہو!! (صاوی)

قَوْلٌ: موقع عظیم قائلین کے کفر کی صراحت کرنے میں کفار کی تکلیف و تنبیہ کے علاوہ اہم بات یہ ہے کہ کفار کی دو قسموں کی طرف اشارہ ہو گیا ایک وہ جو سرے سے خدا کے وجود ہی کا منکر ہو یہاں کافر سے یہی قسم مراد ہے اور دوسرے وہ جو خدا کے وجود کا تو منکر نہ ہو مگر اس کا شریک ٹھہراتا ہو، ماسبق میں اللہ تعالیٰ کے قول الْمَرِیْرُوْا کَمَا اَهْلَکْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ (الآیہ) میں دوسری قسم کے کفار مراد ہیں۔ (صاوی و جمل)

قَوْلٌ: وَيَقُولُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدِ یہ قول کفار کی قسم ثانی یعنی مشرکین کی طرف راجع ہے۔

قَوْلٌ: وَاَدْغَمْتُ فِی الصَّادِ یعنی تا کو صاد سے بدلنے کے بعد صاد میں ادغام کر دیا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

سورہ یسین میں زیادہ تر مضامین آیات قدرت اور اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات بیان کر کے آخرت پر استدلال اور حشر و نشر کے عقیدے کو پختہ کرنے سے متعلق ہیں، مذکورۃ الصدر آیات میں قدرت الہیہ کی ایسی ہی نشانیاں بیان فرمائی ہیں جو ایک طرف اس کی قدرت کاملہ کے دلائل واضح ہیں، تو دوسری طرف انسانوں اور عام مخلوقات پر حق تعالیٰ کے خاص انعامات و احسانات اور ان میں عجیب و غریب حکمتوں کا اثبات ہے۔

مشرکین اور بعث بعد الموت کا عقیدہ:

بعث بعد الموت کا عقیدہ نہ صرف یہ کہ ان کے مشاہدے اور تجربے کے منافی تھا، بلکہ وہ اس عقیدے کو عقل کے بھی خلاف سمجھتے تھے، یہ بات کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، ان کا کہنا تھا کہ انسان کے مرنے اور جسم کے گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد عقل اس کو باور نہیں کرتی کہ ان ذرات کو دوبارہ جمع کر کے ایک مکمل انسان بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا، اور بظاہر ان کا مشاہدہ بھی اس بات کی تائید کرتا تھا اس لئے کہ ہزار ہا سال گزرنے کے بعد بھی مردوں میں سے کوئی شخص زندہ ہو کر دنیا میں نہیں آیا تھا۔ مذکورۃ الصدر آیات میں عقلی دلائل اور مشاہداتی مثالوں سے نہ صرف یہ کہ ان کے شک و تردد کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بلکہ یہ ثابت کیا گیا کہ بعث بعد الموت نہ صرف یہ کہ عقلی طور پر ممکن بلکہ کائناتی مثالوں سے ثابت اور واقع ہوتی ہے، ان ہی مشاہداتی مثالوں میں سے ایک مثال مردہ زمین کو زندہ کرنا ہے، جس کو وَاٰیۃ لِّہُمْ اَلْاَرْضُ السَّمِیۡتَةُ (الآیہ) سے بیان فرمایا ہے، بعث بعد الموت کے اثبات کے لئے یہ ایسی واضح اور کھلی ہوئی دلیل ہے کہ ہر انسان ہر وقت اپنی نظروں سے دیکھتا ہے، اس مثال کو سمجھنے کے لئے نہ بہت زیادہ علم و دانش کی ضرورت اور نہ عقل و فلسفہ کی، ایک معمولی سمجھ رکھنے والا شخص بھی معمولی

توجہ سے سمجھ سکتا ہے، موسم گرما میں خشک زمین پر جبکہ چار سو خاک اڑتی نظر آتی ہے کہیں بریالی کا نام و نشان نہیں ہوتا ہے، آسمان سے بارش برتی ہے تو مردہ زمین میں ایک قسم کی زندگی پیدا ہو جاتی ہے، جس کے آثار اس میں پیدا ہونے والی نباتات اور اشجار اور ان کے ثمرات سے ظاہر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مردہ زمین کو زندہ کر کے ہم اس سے ان کی بقائے حیات کے لئے صرف غلہ ہی نہیں اگاتے، بلکہ ان کے کام و دہن کی لذت کے لئے انواع و اقسام کے پھل بھی کثرت سے پیدا کرتے ہیں، یہاں صرف دو پھلوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ کثیر المنافع ہونے کے ساتھ ساتھ عربوں کے لئے مرغوب تھے، نیز ان کی پیداوار بھی عرب میں زیادہ ہوتی ہے۔

وَمَا عَمِلْتُمْ اَيَّدِيْهِمْ جمہور مفسرین نے اس آیت میں ماکوفی کے لئے قرار دے کر یہ ترجمہ کیا ہے، کہ ان پھلوں کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، اس جملہ کا مقصد غافل انسان کو اس پر متنبہ کرنا ہے کہ ذرا تو اپنے کام اور محنت میں غور کر، تیرا کام اس باغ و بہار میں اس کے سوا کیا ہے؟ کہ تو نے زمین کو نرم کر کے بیج کو اس میں ڈال دیا، مگر اس بیج سے درخت اگانا، اور درخت پر برگ و بار لانا، ان سب کاموں میں تیرا کیا دخل ہے؟ یہ تو خالص قادر مطلق حکیم و دانا ہی کا فعل ہے، اس لئے تیرا فرض ہے کہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے وقت اس کے خالق و مالک کو فراموش نہ کرے، اسی مذکورہ صورت حال کی سورہ واقعہ کی آیت اَفَرَأَيْتُمْ مَّا تَخْرُثُوْنَ ؕ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَہٗ اَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَ یعنی دیکھو تو جو چیز تم بوتے ہو اس کو نشوونما دیکر تم نے بنایا ہے یا ہم نے؟ مطلب یہ ہے کہ ان غلوں اور پھلوں کی پیداوار میں بندوں کی سعی و محنت، کدو کاوش اور تصرف کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ پیداوار محض اللہ کا فضل و کرم ہے پھر انسان ان نعمتوں پر اس کا شکر کیوں ادا نہیں کرتے؟ ابن جریر وغیرہ بعض مفسرین نے وَمَا عَمِلْتُمْ میں لفظ ما کو اسم موصول الذی کے معنی میں قرار دیکر یہ ترجمہ کیا ہے کہ سب چیزیں اس لئے پیدا کی گئی ہیں کہ لوگ ان کے پھل کھائیں اور ان چیزوں کو بھی کھائیں جن کو انسان ان نباتات اور پھلوں سے خود اپنے ہاتھوں کے کسب و عمل سے تیار کرتا ہے، مثلاً پھلوں سے مختلف حلوے، اچار چٹنی تیار کرتا ہے اور بعض پھلوں اور دانوں سے تیل نکالتا ہے جو انسان کے کسب و عمل کا نتیجہ ہے بغیر انسانی عمل و دخل کے خدا کا اپنی قدرت سے پھلوں کو پیدا کرنا، اور انسان کو اس بات کا سلیقہ سکھانا کہ ایک پھل کو دوسری چیزوں سے مرکب کر کے طرح طرح کی خوش ذائقہ اشیاء خوردنی تیار کرے، یہ دوسری نعمت ہے، اس تفسیر کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی قراءت سے بھی ہوتی ہے، کیونکہ ان کی قراءت میں لفظ ما کے بجائے مِمَّا آیا ہے، یعنی مِمَّا عَمِلْتُمْ اَيَّدِيْهِمْ۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ دنیا کے تمام حیوانات نباتات اور پھل کھاتے ہیں اور بعض حیوانات گوشت بھی کھاتے ہیں، کچھ مٹی کھاتے ہیں، لیکن ان سب جانوروں کی خوراک مفردات ہی سے ہے، گھاس کھانے والا گھاس، گوشت کھانے والا گوشت کھاتا ہے، ان چیزوں کو دیگر اشیاء کے ساتھ مرکب کر کے قسم قسم کے کھانے تیار نہیں کرتا، یہ سلیقہ اور طریقہ صرف انسان ہی کو آتا ہے، آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا، کہ کسی حیوان نے پھلوں کو نچوڑ کر رس نکالا ہو یا مختلف پھل فروٹوں کو ملا کر چاٹ بنائی ہو، یہ سمجھ اور عقل اللہ تعالیٰ نے صرف انسان ہی کو عطا فرمائی ہے، پھر نہ معلوم انسان اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیوں نہیں کرتا؟

سُبْحَنَ الَّذِي خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا (الآیۃ) یعنی انسانوں اور حیوانوں کی طرح ہم نے ہر مخلوق میں جوڑے یعنی نر و مادہ کا نظام رکھا ہے، علاوہ ازیں زمین کی گہرائیوں میں بھی جو چیزیں تمہاری نظروں سے غائب ہیں، جن کا علم تم نہیں رکھتے، ان میں بھی زوجیت (نر و مادہ) کا یہ نظام ہم نے رکھا ہے، غرضیکہ ہم نے ہر چیز کو جوڑے سے پیدا کیا ہے، حتیٰ کہ دنیا و آخرت بھی زوج ہے، اور یہ حیات آخرت کی عقلی دلیل بھی ہے، صرف ایک اللہ کی ذات ہے جو مخلوق کی اس صفت زوجیت سے اور دیگر تمام نقائص سے پاک ہے وہ وتر (فرد) ہے، زوج نہیں ہے اس لئے کہ وہ مخلوق نہیں ہے۔

وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ (الآیۃ) زمینی مخلوقات میں قدرت خداوندی کی نشانیاں بیان کرنے کے بعد آسمانی اور آفاقی مخلوقات میں قدرت خداوندی کا بیان ہے، سلخ کے لفظی معنی کھال اتارنے کے ہیں، کسی چیز کے چھلکے اتارنے کو بھی مجازاً سلخ کہہ سکتے ہیں جب جانور کی کھال اتار دی جاتی ہے تو اندر کا گوشت نظر آنے لگتا ہے، اسی طرح غلاف اور چھلکا اتار دیا جائے تو اندر کی چیز ظاہر ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مثال سے اشارہ دیدیا کہ اس جہان میں اصل ظلمت ہے اور روشنی عارضی اور طاری ہے جو تاروں اور سیاروں کے ذریعہ زمین تک پہنچتی ہے، اگر روشنی کو ظلمت کے اوپر سے اتار لیا جائے تو اصل یعنی ظلمت باقی رہ جاتی ہے، اسی کو عرف میں رات کہتے ہیں۔ (معارف)

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آفتاب اپنے مستقر کی طرف چلتا رہتا ہے، مستقر یہ ظرف کا صیغہ ہے، جائے قرار کو بھی کہتے ہیں، اور وقت قرار کو بھی، اور لفظ مستقر منتہائے سیر و سفر کے معنی میں بھی آتا ہے، بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ مستقر سے مستقر زمانی مراد لیا ہے، یعنی وہ وقت جب کہ آفتاب اپنی حرکت مقررہ پوری کر کے ختم کر دے گا، اور وہ وقت قیامت کا دن ہے، اس تفسیر کے مطابق آیت کے معنی یہ ہیں کہ آفتاب اپنے مدار پر ایسے محکم اور مضبوط نظام کے ساتھ حرکت کر رہا ہے جس میں کبھی ایک سکنڈ کا فرق نہیں آتا، ہزار ہا سال اس روش پر گزر چکے ہیں، مگر یہ حرکت دائمی نہیں، اس کا ایک خاص مستقر ہے جہاں پہنچ کر نظام شمسی کی یہ حرکت ختم ہو جائے گی، اور وہ قیامت کا دن ہے، یہ تفسیر حضرت قتادہ سے منقول ہے۔ (ابن کثیر، معارف)

سورہ زمر کی ایک آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مستقر سے مراد مستقر زمانی یعنی قیامت کا دن ہے، آیت یہ ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اس آیت میں بھی تقریباً وہی بیان ہے جو سورہ یٰسین کی مذکورہ آیت میں ہے، اس آیت میں فرمایا کہ شمس و قمر دونوں اللہ کے حکم کے مسخر اور تابع ہیں، ان میں سے ہر ایک، ایک خاص میعاد تک کے لئے چل رہا ہے، یہاں اَجَلٌ مُّسَمًّى کے الفاظ ہیں، جس کے معنی میعاد معین کے ہیں، اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ شمس و قمر دونوں کی حرکت دائمی نہیں، ایک میعاد معین یعنی روز قیامت پر پہنچ کر ختم اور منقطع ہو جائے گی، سورہ یٰسین کی آیت مذکورہ میں بھی ظاہر یہی ہے کہ لفظ مستقر سے یہی میعاد معین یعنی مستقر زمانی مراد ہے، اس تفسیر کی رو سے نہ آیت کے مفہوم و مراد میں کوئی اشکال ہے، نہ قواعد ہیئت و ریاضی کا اس پر کوئی اعتراض۔ (معارف)

اور بعض حضرات مفسرین نے اس سے مراد مستقر مکانی لیا ہے، جس کی بناء ایک حدیث صحیح ہے، حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا، جانتے ہو سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا سورج جا کر عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے، اس کے بعد دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے جب اجازت مل جاتی ہے تو طلوع ہوتا ہے، ایک وقت آئے گا کہ اس سے کہا جائے گا، واپس لوٹ جا، یعنی جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جا۔

(صحيح بخارى، بدأ الخلق، باب صفت الشمس والقمر بحسبان، مسلم كتاب الايمان باب بيان الزمر الذي لا يقبل فيه الايمان)

آفتاب کے زیر عرش سجدہ کرنے کی تحقیق:

مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقر سے مراد، مکانی مستقر ہے یعنی وہ جگہ کہ جہاں آفتاب کی حرکت کا ایک دور پورا ہو جائے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ جگہ عرش کے نیچے ہے، اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آفتاب ہر روز ایک مستقر مکانی کی جانب چلتا ہے، پھر وہاں اللہ کے سامنے سجدہ کر کے اگلے دورے کی اجازت طلب کرتا ہے، اجازت ملنے پر دوسرا دورہ شروع کرتا ہے۔

لیکن واقعات و مشاہدات اور ہیئت و فلکیات کے بیان کردہ اصولوں کے بناء پر اس میں متعدد قوی اشکالات ہیں۔

پہلا اشکال:

یہ کہ عرشِ رحمن کی جو کیفیت قرآن و سنت سے سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ تمام زمینوں کے اوپر محیط ہے، زمین اور آسمان مع سیارات و نجوم سب کے سب عرش کے نیچے محصور ہیں، اور عرشِ رحمن ان تمام کائنات سماویہ و ارضیہ کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اس لحاظ سے آفتاب تو ہمیشہ اور ہر حال میں زیر عرش رہتا ہی ہے، پھر غروب کے بعد زیر عرش جانے کا کیا مطلب ہوگا؟

دوسرا اشکال:

یہ عام مشاہدہ ہے کہ آفتاب جب کسی جگہ غروب ہوتا ہے تو اسی آن دوسری جگہ طلوع ہوتا ہے اس، طرح کہ آفتاب کا طلوع و غروب ہمہ وقت ہوتا رہتا ہے، اس لحاظ سے تو ہر وقت آفتاب سجدہ ریز رہتا ہے، پھر غروب کے بعد زیر عرش سجدہ ریز ہونے کا کیا مطلب؟

تیسرا اشکال:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب اپنے مستقر پر پہنچ کر وقفہ کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کر کے اگلے دورے کی اجازت لیتا ہے، حالانکہ آفتاب کی حرکت میں کسی وقت بھی انقطاع نہ ہونا کھلا ہوا مشاہدہ ہے، اور پھر چونکہ طلوع وغروب مختلف مقامات کے اعتبار سے ہر وقت ہی ہوتا رہتا ہے، تو یہ وقفہ اور سکون بھی ہر وقت ہونا چاہئے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ آفتاب کسی وقت بھی حرکت میں نہ ہو، نیز اگر حالت وقفہ میں بھی حرکت میں ہو تو یہ اجتماع ضدین ہے اس لئے کہ سکون اور حرکت آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اجتماع ضدین محال ہے۔

یہ اشکالات صرف فنون ریاضی اور فلکیات ہی کے نہیں ہیں، بلکہ مشاہداتی اور واقعاتی بھی ہیں، جن سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

طلوع وغروب سے متعلق فیثا غورثی نظریہ:

حالیہ خلائی سفر اور چاند تک انسان کی رسائی کے واقعات نے اتنی بات تو یقینی کر دی ہے کہ تمام سیارات آسمان سے نیچے کی فضا میں ہیں، آسمان کے اندر مرکوز نہیں ہیں، قرآن کریم کی آیت کُلُّ فِیْ فَلَکِ یَسْبِغُوْنَ سے بھی اسی نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے، اس نظریہ فیثا غورثی میں یہ بھی ہے کہ روزانہ کا طلوع وغروب آفتاب کی گردش سے نہیں بلکہ زمین کی گردش سے ہے، اس نظریہ کے اعتبار سے حدیث مذکور پر ایک اعتراض کا اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس کا جواب سمجھنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جہاں تک مذکورہ آیت پر اشکالات کا سوال ہے تو اس پر مذکورہ اشکالات میں سے کوئی بھی اشکال نہیں ہوتا، آیت کا مفہوم تو صرف اتنا ہے کہ آفتاب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی منظم اور مستحکم حرکت کا پابند بنا دیا ہے کہ وہ اپنے مستقر کی طرف برابر ایک حالت پر چلتا رہتا ہے، اگر اس مستقر سے تفسیر قتادہ کے مطابق مستقر زمانی لیا جائے یعنی روز قیامت تو معنی اسکے یہ ہیں کہ آفتاب کی یہ گردش دائمی ہے اور ایک ہی حالت پر ہوتی رہے گی، آخر کار قیامت کے دن ختم ہو جائیگی، اور اگر مستقر سے مستقر مکانی لیا جائے تو بھی اس کا مستقر مدار شمسی کے اس نقطہ کو کہا جاسکتا ہے جہاں سے اول تخلیق کے وقت آفتاب نے گردش شروع کی اسی نقطہ پر پہنچ کر اسکا شبانہ روز کا ایک دورہ مکمل ہوتا ہے، کیونکہ یہی نقطہ اس کا منتهائے سفر ہے اس پر پہنچ کر نئے دورے کی ابتداء ہوتی ہے۔

ما قبل میں جتنے اشکالات ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے آیت مذکور کے بیان پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا البتہ حدیث مذکور پر جس میں یہ آیا ہے کہ آفتاب غروب کے وقت زیر عرش پہنچ کر سجدہ کرتا ہے اور اگلے دورے کی اجازت طلب کرتا ہے، یہ اشکالات وارد ہوتے ہیں اور اس آیت کے ذیل میں یہ بحث اسی لئے چھڑی کہ حدیث کے بعض الفاظ میں اس آیت کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، ان اشکالات کے جوابات محدثین و مفسرین نے مختلف دیئے ہیں، مگر ان سب میں سب سے

زیادہ صاف اور بے غبار بات وہ ہے جو علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنے مقالے ”سجود الشمس“ میں اختیار فرمائی ہے، اور متعدد دائمہ تفسیر کے کلام سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اصل بات:

اصل بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے چند مظاہر ذکر کر کے انسان کو توحید اور اپنی قدرت کاملہ پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، اس میں سب سے پہلے زمین کا ذکر کیا جو ہر وقت ہمارے سامنے ہے وَآیۃ لَّہُمْ الْاَرْضُ الْمَیۡتَةُ پھر اس پر پانی برسا کر درخت اور نباتات اگانے کا ذکر ہے، جس کو ہر انسان دیکھتا اور جانتا ہے اَحِیۡنَاہَا (الآیۃ) اس کے بعد آسمان اور فضا کے آسمانی سے متعلق چیزوں کا ذکر شروع کر کے پہلے لیل و نہار کے روزانہ انقلاب کا ذکر فرمایا وَآیۃ لَّہُمُ اللَّیۡلُ (الآیۃ) اس کے بعد شمس و قمر جو سیارات اور نجوم میں سب سے بڑے ہیں، ان کا ذکر فرمایا، ان میں پہلے آفتاب کے متعلق فرمایا وَالشَّمْسُ تَجْرٰی لِمُسْتَقَرٍّ لَّہَا ذٰلِكَ تَقْدِیۡرُ الْعَزِیۡزِ الْعَلِیۡمِ اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصد یہ بتلانا ہے کہ آفتاب اپنے ارادے اور اپنی قدرت سے گردش نہیں کر رہا، بلکہ یہ ایک عزیز و علیم کے مقرر کردہ نظم کے تابع گردش کر رہا ہے، آنحضرت ﷺ نے غروب آفتاب کے قریب حضرت ابوذر غفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ایک سوال و جواب کے ذریعہ اسی حقیقت پر متنبہ ہونے کی ہدایت فرمائی جس میں بتلایا کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے اللہ کو سجدہ کرتا ہے، اور پھر اگلا دورہ شروع کرنے کی اجازت طلب کرتا ہے، جب اجازت مل جاتی ہے تو حسب دستور آگے چلتا ہے اور صبح کے وقت مشرق کی جانب سے طلوع ہوتا ہے، اس کا حاصل اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت عالم دنیا میں ایک نیا انقلاب آتا ہے، جس کا مدار آفتاب پر ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس انقلابی وقت کو انسانی تنبیہ کے لئے موزوں سمجھ کر یہ تنبیہ فرمائی کہ آفتاب کو خود مختار، اپنی قدرت سے حرکت و گردش کرنے والا نہ سمجھو، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت کے تابع چل رہا ہے، اس کا ہر طلوع و غروب اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتا ہے یہ اس کی اجازت کا تابع ہے اس کی اجازت اور تابع فرمان حرکت کرنے ہی کو اس کا سجدہ قرار دیا گیا، کیونکہ ہر چیز کا سجدہ اس کے مناسب حال ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن نے خود تصریح فرمائی ہے کُلُّۢمَّا قَدْ عَلِمَ صَلَوٰتُہٗ وَتَسْبِیۡحُہٗ یعنی ساری مخلوق اللہ کی تسبیح اور عبادت میں مشغول ہے، مگر ہر ایک کی عبادت اور تسبیح کا طریقہ الگ الگ ہے، اور ہر مخلوق کو اس کی عبادت اور تسبیح کا طریقہ سکھلا دیا جاتا ہے، مثلاً انسان کو اس کی تسبیح کا طریقہ سکھلا دیا گیا ہے، اس لئے آفتاب کے سجدے کے یہ معنی سمجھنا کہ انسان کے سجدہ کی طرح زمین پر ماتھا ٹیکنے ہی سے ہو گا صحیح نہیں۔

قرآن و سنت کی تصریحات کے مطابق عرش خداوندی تمام آسمانوں، سیاروں، زمینوں پر محیط ہے، تو یہ بات ظاہر ہے کہ آفتاب ہر وقت اور ہر جگہ زیر عرش ہی ہے اور جبکہ تجربہ شاہد ہے کہ آفتاب جس وقت ایک جگہ غروب ہو رہا ہوتا ہے، اسی وقت دوسری جگہ طلوع ہو رہا ہوتا ہے، اس لئے اس کا کوئی لمحہ طلوع و غروب سے خالی نہیں، تو آفتاب کا زیر عرش رہنا بھی دائمی اور ہر حال میں ہے اور غروب و طلوع ہونا بھی ہر حال میں ہے، اسی دائمی زیر عرش اور تابع فرمان ہونے کو سجدہ کرنے سے تعبیر کر دیا گیا ہے،

گویا کہ ایک معنوی مفہوم کو محسوس مثال کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے، اور یہ سلسلہ روز قیامت تک چلتا رہے گا، جب قیامت قریب آئے گی تو علامات قرب قیامت کے طور پر آفتاب کو واپس لوٹا دیا جائے گا، جس کی وجہ سے آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع ہوگا، اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، اس کے بعد کسی کا ایمان اور توبہ قبول نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ ایمان بالغیب نہیں رہا آفتاب کے روزانہ زیر عرش جا کر سجدہ کرنے اور آئندہ طلوع ہونے کی اجازت طلب کرنے کا حدیث میں جو ذکر ہے یہ حکم خداوندی کے انقیاد و امتثال کی ایک تمثیل ہے جس کو مجازاً سجدے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ، عرجون کھجور کی خشک شاخ کو کہا جاتا ہے، جو مڑ کر کمان جیسی ہو جاتی ہے، قَدَّرَ تقدیر سے بنا ہے، تقدیر کے معنی کسی چیز کو زمان یا مکان یا صفات کے اعتبار سے ایک مخصوص مقدار اور پیمانہ پر رکھنے کے ہیں، لفظ مَنَازِلَ منزل کی جمع ہے جس کے معنی جائے نزول کے ہیں اللہ تعالیٰ نے شمس و قمر دونوں کی رفتار کے لئے خاص حدود مقرر فرمائی ہیں، جن میں سے ہر ایک کو منزل کہا جاتا ہے چاند چونکہ اپنا دورہ ہر مہینہ میں پورا کر لیتا ہے اس لئے اس کی منزلیں تیس ہوتی ہیں، مگر چونکہ چاند ہر مہینہ میں کم از کم ایک رات اور زیادہ سے زیادہ دورا تیں غائب رہتا ہے، اس لئے عموماً چاند کی منزلیں اٹھائیس کہی جاتی ہیں، اس غیبوت کے زمانہ کو محاق کہتے ہیں، جس ماہ منزلیں ۲۹ ہوں گی تو محاق ایک رات ہوگا اور جس ماہ منزلیں ۲۸ ہوتی ہیں تو محاق کی مدت دو رات ہوتی ہے، اور آفتاب کا دورہ سال بھر میں پورا ہوتا ہے، اس کی منزلیں تین سو ساٹھ یا پینسٹھ ہوتی ہیں، مذکورہ مقدار تخمینی ہے۔

قمری ماہ کی تحقیقی مدت:

چاند کے مدار کا طول و مسافت تقریباً ۱۳ لاکھ ۷۴ میل ہے، یہ تین سو ساٹھ درجوں پر منقسم ہے اس لئے کہ ہر گول چیز میں ۳۶۰ درجہ فرض کر لئے گئے ہیں، چاند اس مسافت کو $27\frac{1}{4}$ دنوں میں طے کرتا ہے یعنی چاند زمین کے گرد اپنی گردش $27\frac{1}{4}$ دنوں میں پوری کرتا ہے۔

اگر زمین گردش نہ کرتی تو ایک نئے چاند سے دوسرے نئے چاند تک کی مدت یہی ہوتی، لیکن زمین مع چاند کے سورج کے گرد گردش کرتی ہے، اس لئے ایک نئے چاند سے لے کر دوسرے نئے چاند کی نمود تک تقریباً $29\frac{1}{2}$ دن لگتے ہیں، اگر بالکل ٹھیک ٹھیک حساب کریں تو یہ مدت ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۱۴ منٹ اور ۲،۸ سیکنڈ ہے، اس مدت کو ایک قمری مہینہ کہتے ہیں۔

حرکت قمری مقدار:

چاند اپنے مدار کے ۳۶۰ درجوں میں سے فی یوم ۱۳ درجے ۱۰ دقیقہ ۳۵ ثانیہ، ۲ ثالثہ طے کرتا ہے۔

فائدہ: ہر دائرہ میں ۳۶۰ درجے اور ایک درجہ میں ۶۰ دقیقہ اور ہر دقیقہ میں ۶۰ ثانیہ اور ہر ثانیہ میں ۶۰ ثالثہ ہوتے ہیں۔

جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ (الآیة) قَدَرَهُ مَنَازِلَ بضمیر مفرد استعمال کیا ہے، حالانکہ منزلیں شمس و قمر دونوں کی ہیں، بعض مفسرین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگرچہ ضمیر مفرد ہے مگر مراد کُلُّ واحد ہے، جس کے نظائر عربی زبان اور خود قرآن میں بھی بکثرت موجود ہیں، بعض مفسرین حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ منزلیں اگرچہ شمس و قمر دونوں کے لئے ہیں مگر اس جگہ بیان صرف چاند کی منزل کا مقصود ہے، اس لئے قَدَرَهُ کی ضمیر قمر کی طرف راجع ہے، وجہ تخصیص کی یہ ہے کہ آفتاب کی منزلیں تو آلات رصد یہ اور ریاضی کے حساب کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں، اس کا طلوع و غروب سال کے تمام ایام میں ایک ہی بیت سے ہوتا رہتا ہے، مشاہدہ سے کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا، کہ آج آفتاب کونسی منزل میں ہے بخلاف چاند کے کہ اس کے حالات ہر روز مختلف ہوتے ہیں، چاند کے تغیرات کے مشاہدہ سے بے علم لوگ بھی تاریخوں کا پتہ چلا سکتے ہیں، مثلاً چاند کو دیکھ کر یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آج قمری کونسی تاریخ ہے؟ مگر سورج کو دیکھ کر یہ اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ آج شمسی تاریخ کونسی ہے؟

آیت مذکورہ میں چونکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان عظیم الشان نشانیوں سے انسان کا یہ فائدہ بھی وابستہ ہے کہ ان کے ذریعہ وہ سال و ماہ کا حساب کرتا ہے یہ حساب اگرچہ شمس و قمر دونوں سے معلوم ہو سکتا ہے اور دنیا میں دونوں ہی قسم کی تاریخیں قدیم زمانہ سے رائج ہیں، لیکن قمر کے ذریعہ ماہ و سال کا حساب مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے، بخلاف شمس کے کہ اس کے حسابات سوائے ریاضی دانوں کے کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا، اس لئے اس آیت میں شمس و قمر کا ذکر کرنے کے بعد جب ان کی منازل مقرر کرنے کا ذکر فرمایا تو بضمیر مفرد قَدَرَهُ فرمایا۔

احکام اسلام کا مدار قمری تاریخوں پر ہے:

شریعت میں احکام کا مدار قمری تاریخوں پر اس لئے رکھا گیا ہے کہ قمری تاریخ معلوم کرنا ہر شخص کے لئے آسان ہے، خواہ وہ لکھا پڑھا آدمی ہو یا آن پڑھ، شہری ہو یا دیہاتی، دین اسلام چونکہ دین یُسْر، سہولتوں کا دین ہے اسی مصلحت کے پیش نظر اکثر شرعی احکام کا دار و مدار قمری تاریخوں پر رکھا ہے، ایک ایسے شخص کے لئے کہ جو آبادی سے دور کہیں ریگستان یا پہاڑوں میں رہتا ہے نہ تو وہ پڑھا لکھا ہے اور نہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز کہ جس سے وہ شمسی تاریخ معلوم کر سکے تو آپ ذرا غور فرمائیں کہ کیا وہ شخص سورج کو دیکھ کر تاریخ معلوم کر سکتا ہے؟ بخلاف قمری تاریخ کے کہ وہ قمر کو دیکھ کر تاریخ کی تعیین کر سکتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ شمسی تاریخوں کے ذریعہ حساب رکھنا یا استعمال کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس کو اختیار ہے کہ اپنے روزمرہ کے حساب میں خواہ شمسی تاریخوں کا استعمال کرے یا قمری کا یعنی ان شرعی احکاموں کے علاوہ کہ جن کا مدار شریعت نے قمری تاریخوں پر رکھا ہے مثلاً روزہ، حج، عدت، اپنے روزمرہ کے حسابات شمسی تاریخوں سے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ مجموعی طور پر مسلمانوں میں قمری حساب جاری رہے تاکہ رمضان حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہو سکیں، فقہاء رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی نے قمری حساب باقی رکھنے کو مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ (معارف)

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ سورج کے لئے یہ ممکن نہیں کہ چاند کو رفتار میں پکڑ لے یعنی سورج کی سلطنت دن میں ہوتی ہے اور چاند کی رات میں، یہ نہیں ہو سکتا کہ چاند کی ضو افشانی کے وقت سورج چاند کو آدباے، یعنی دن آگے بڑھ کر رات کا کچھ حصہ اڑالے، یا رات آگے بڑھ کر دن ختم ہونے سے پہلے آجائے، جس زمانہ اور جس وقت جس خطہ میں جو اندازہ رات دن کا قادر مطلق نے رکھ دیا ہے شمس و قمر یا لیل و نہار یا کسی بھی کرہ کی یہ مجال نہیں کہ ایک لمحہ بھی آگے یا پیچھے ہو سکیں، کیا یہ اس بات کا واضح نشان نہیں کہ یہ سب عظیم الشان کرات ایک زبردست دانا ہستی کے قبضہ اقتدار میں ہیں، سب اپنا اپنا کارمفوضہ انجام دے رہے ہیں، کسی کی مجال نہیں کہ سر مو جی مدبر کون و مکان کے حکم سے انحراف کر سکے، پھر جو ہستی رات دن اور چاند سورج کو اول بدل کرتی ہے وہ تمہارے فنا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز کیوں ہوگی؟

نکتہ: لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ کی تعبیر اختیار فرمائی، لَا الْقَمَرُ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يُدْرِكَ الشَّمْسَ فرمایا، اس لئے کہ چاند سورج کو پکڑ لیتا ہے سورج چاند کو نہیں پکڑ سکتا، اس لئے کہ چاند کی رفتار سورج کی رفتار سے بہت زیادہ تیز ہے سورج جس مسافت کو ایک سال میں طے کرتا ہے چاند اس کو ایک ماہ میں طے کر لیتا ہے، البتہ بعض اوقات چاند سورج کو پکڑ سکتا ہے اس لئے کہ چاند اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے بعض اوقات آفتاب کے پاس سے گزرے تو کہا جاسکتا ہے کہ چاند نے سورج کو پکڑ لیا۔

وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ اور رات دن پر سابق نہیں ہو سکتی اس کا آسان اور سیدھا ایک مطلب تو یہ ہے کہ رات دن ختم ہونے سے پہلے نہیں آسکتی، ایک مطلب اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رات درمیان میں دن کو چھوڑ کر سبقت نہیں کر سکتی، بایں طور کہ دورا تیں بغیر درمیان میں دن کے آئے ہوئے ایک ساتھ جمع ہو جائیں، اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ دن تخلیق میں رات پر سابق ہے، قال فی الروح وَاسْتَدَلَّ بِالْآيَةِ أَنَّ النَّهَارَ سَابِقُ عَلَى اللَّيْلِ فِي الْخَلْقِ حالانکہ مخلوقات میں اصل ظلمت ہے، نور طاری ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لیل تخلیق میں نہار پر سابق ہے، مذکورہ دونوں باتوں میں تعارض ہے، نیز اگر اللہ تعالیٰ کے قول وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ سے نہار کا سابق ہونا معلوم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قول يُغْشِي اللَّيْلُ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا (سورہ اعراف) سے رات کا سابق ہونا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ ان دونوں باتوں میں تضاد ہے، مذکورہ تضاد کا بعض مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ لیل سے مراد آیت لیل یعنی قمر ہے، اور نہار سے مراد آیت نہار یعنی شمس ہے اور قمر، شمس کو حرکت یومیہ میں نہیں پکڑ سکتا، اور وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ میں لیل سے مراد نفس لیل ہے، اور چونکہ لیل و نہار ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں اس وجہ سے ہر ایک دوسرے کا طالب بھی ہے۔ (روح المعانی ملخصاً)

وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ یعنی آفتاب و ماہتاب دونوں اپنے اپنے مدار میں تیرتے رہتے ہیں، فلک کے معنی اس دائرہ کے ہیں جس میں کوئی سیارہ گردش کرتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند آسمان میں مرکوز نہیں جیسا کہ بطلیموسی نظریہ میں ہے، جس کو فیثا غورث اور جدید سائنس نیز انسان کے چاند پر پہنچنے، نے غلط ثابت کر دیا ہے، بلکہ آسمان کے نیچے ایک خاص مدار میں

گردش کرتا ہے، چاند کے علاوہ تمام سیارے زیر آسمان فضا ہی میں گردش کناں ہیں، لہذا اس سے معجزہ معراج پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ معراج آسمانوں سے بھی اوپر تک رسائی کا نام ہے۔

شان نزول:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ يَأْتِ مَكَّةَ كَبَعْضِ جَبَارِينَ مِثْلًا عَاصِ بْنِ وَائِلٍ سَهْمِيٍّ وَغَيْرِهِ كَبَارِئِ فِي نَازِلٍ هُوَ، نِيزَ اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح مشرکین مکہ نے حقوق اللہ کو ترک کیا تھا حقوق العباد کے ترک کے بھی مرتکب ہوئے تھے، اگر کوئی حاجت مند مسکین ان سے کچھ طلب کرتا تو کہہ دیتے کہ جب اللہ ہی نے تم کو محروم کر دیا تو میں تم کو دینے والا کون ہوتا ہوں؟ اور میری کیا مجال کہ میں خدا کی مشیت میں دخل دوں، اگر اس کو کھلانا ہوتا تو وہ خود ہی تم کو کھلا دیتا، معلوم ہوا تم کو اس کے کھلانے کا ارادہ ہی نہیں ہے، إِذَا قِيلَ لَهُمْ شَرُّهُ، اس کا جواب محذوف ہے اور وہ اعرضوا ہے، اس کے محذوف ہونے پر آئندہ آیت کے الفاظ دال ہیں، یعنی ان کے پاس ان کے رب کی جو بھی آیت آتی ہے وہ اس سے اعراض ہی کرتے ہیں۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ بِوَقَرْنِ النَّفْخَةِ الثَّانِيَةِ لِلْبُعْثِ وَبَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ سَنَةً فَإِذَا هُمُ الْمَقْبُورُونَ مِّنَ الْأَجْدَاثِ الْقُبُورِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ^{۵۱} يَخْرُجُونَ بِسُرْعَةٍ قَالُوا أَيُّ الْكُفَّارِ مِنْهُمْ يَا لِلتَّنْبِيهِ وَيَلَنَّا بِلَا كُنَّا وَبِهِ مُضْذَرٌّ لَا فَعَلَ لَهُ مِنْ لَفْظِهِ مَنْ بَعَثْنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا^{۵۲} لَأَنَّهُمْ كَانُوا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ نَائِمِينَ لَمْ يُعَذِّبُوا هَذَا أَيُّ الْبُعْثِ مَا أَى الَّذِي وَعَدَ بِهِ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ فِيهِ الْمُرْسَلُونَ^{۵۳} أَفَرَأَوْا حِينَ لَا يَنْفَعُهُمُ الْإِقْرَارُ وَقِيلَ يُقَالُ لَهُمْ ذَلِكَ إِنْ مَا كَانَتْ إِلَّا صِخْرَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ^{۵۴} فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا يُجْزَوْنَ إِلَّا جِزَاءَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ^{۵۵} إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ بَسُكُونَ الْغَيْنِ وَضَمَمَهَا عَمَّا فِيهِ أَبْلُ النَّارِ مِمَّا يَلْتَذُّونَ بِهِ كَافِتِضًا ضِائِلَ الْبُكَارِ لَا شُغْلَ يَتَعَبُونَ فِيهِ لَأَنَّ الْجَنَّةَ لَا نُصَبَ فِيهَا فَكُهُونَ^{۵۶} نَاعِمُونَ خَيْرٌ ثَانٍ لِأَنَّ وَالْأَوَّلَ فِي شُغْلٍ هُمْ مُبْتَدَأٌ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلٍّ جَمْعُ ظِلَّةٍ أَوْ ظِلٍّ خَيْرٌ أَى لَا تُصِيبُهُمُ الشَّمْسُ عَلَى الْأَرَائِكِ جَمْعُ أَرِيكَةٍ وَهِيَ السَّرِيرُ فِي الْحِجْلَةِ أَوْ الْفَرْشِ فِيهَا مُتَّكُونَ^{۵۷} خَيْرٌ ثَانٍ مُتَعَلِّقٌ عَلَى لَهْمٍ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ فِيهَا مَا يَدْعُونَ^{۵۸} يَتَمَنَّوْنَ سَلَامًا مُبْتَدَأٌ قَوْلًا أَى بِالْقَوْلِ خَيْرٌ مِّنْ رَبِّ رَجِيمٍ^{۵۹} بِهِمْ أَى يَقُولُ لَهُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَ يَقُولُ امْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ^{۶۰} أَى أَنْفَرِدُوا عَنِ الْمُؤْمِنِينَ عِنْدَ اخْتِلَاطِهِمْ بِهِمْ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ أَنِّي أَمْرُكُمْ يَبْنَى أَدَمَ عَلَى لِسَانِ رُسُلِي أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ^{۶۱} بَيْنَ الْعَدَاوَةِ وَأَنَّ أَعْبُدُونِي وَحَدُونِي وَأَطِيعُونِي هَذَا صِرَاطٌ طَرِيقٌ مُسْتَقِيمٌ^{۶۲} وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا خَلَقًا جَمْعُ جَبَلٍ كَقَدِيمٍ وَفِي قِرَاءَةِ بَضْمِ الْبَاءِ كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ^{۶۳}

عَدَاوَتُهُ وَاَضَلَالَهُ اَوْ مَاحِلَ بِهِمْ مِنَ الْعَذَابِ فَتَوَسُّنُونَ وَيُقَالُ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۳۰﴾
 بِهَا اَصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۱﴾ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ اَفْوَاهِهِمْ اَيَ الْكُفَّارِ لِقَوْلِهِمْ وَاللّٰهُ رَبُّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ
 وَنُكَلِّمُنَا اَيْدِيَهُمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ وَغَيْرُهَا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۳۲﴾ فَكُلُّ غُضُوْبٍ يَنْطِقُ بِمَا صَدَرَ مِنْهُ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ
 اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا وَابْتَذَرُوا الصِّرَاطَ الطَّرِيقَ ذٰلِكَ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۳۳﴾ فَكَيْفَ يُبْصِرُونَ ﴿۳۴﴾ حَيْثُ اَيَ لَا يُبْصِرُونَ وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ قَرْدَةً وَخَنَازِيرًا وَحِجَارَةً عَلٰی مَكَانَتِهِمْ وَفِي قِرَاءَةِ مَكَانَاتِهِمْ جَمْعُ مَكَانَةٍ بِمَعْنَى
 مَكَانٍ اَيَ فِي مَنَازِلِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿۳۵﴾ اَيَ لَمْ يَقْدِرُوا عَلٰی ذٰلِكَ وَلَا مَجِيءُ

ترجمہ: اور صور پھونکا جائے گا وہ (ایک) سینگ ہے، اور دوسرا صور زندہ کرنے کے لئے ہوگا اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا پھر جب وہ یعنی مردے قبروں سے نکل کر تیزی سے اپنے پروردگار کی طرف چلنے لگیں گے ان میں سے کافر کہیں گے، ہائے ہماری کبختی یا تنبیہ کے لئے ہے ہائے ہماری ہلاکت، وَاٰیٰلِیٰہِمْ سَآءٌ اَیسا مصدر ہے کہ اس کا لفظی فعل نہیں آتا، کس نے ہم کو ہماری قبروں سے اٹھایا؟ اس لئے کہ وہ دونوں نفخوں کے درمیان سوئے ہوئے ہوں گے، ان کو عذاب نہ دیا جا رہا ہوگا، یہ وہی (بعث) ہے جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا، اور رسول نے اس کے بارے میں سچ کہا تھا ایسے وقت اقرار کریں گے کہ ان کا اقرار کچھ فائدہ نہ دے گا، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ بات کافروں سے کہی جائے گی بس وہ ایک زوردار آواز ہوگی جس سے یکا یک سب جمع کر کے ہمارے پاس حاضر کر دیئے جائیں گے، پھر اس دن کسی شخص پر ذرا (بھی) ظلم نہ ہوگا اور تم کو بس ان ہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے، جنتی اس دن دوزخیوں کے عذاب سے بے خبر عیش و نشاط کے مشغلوں میں ہوں گے، ان چیزوں کی وجہ سے جن سے وہ لذت اندوز ہو رہے ہوں گے، جیسا کہ دوشیزاؤں سے صحبت، نہ کہ ایسا کوئی کام کہ جس میں تعب و مشقت ہو، اس لئے کہ جنت تعب و مشقت کی جگہ نہیں ہے، شُغْل غین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ ہے، فَاصْبِرْ صَبْرًا مَعْمُوْنًا بمعنی خوش و خرم، یہ ان کی دوسری خبر ہے اور پہلی خبر شُغْل ہے، وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے ہُمْ مبتداء ہے ظلال ظِلّہ کی جمع ہے (فی ظلال) اول خبر ہے یعنی ان پر دھوپ نہیں آئے گی اَرٰیْکَ اَرٰیْکَ کی جمع ہے، اس مسہری کو کہتے ہیں جو خیمے میں ہوتی ہے یا اس فرش کو کہتے ہیں جو خیمے میں ہوتا ہے مُتَّكِنُوْنَ دوسری خبر ہے اور (متکئون) علی کا متعلق ہے، وہاں ان کے لئے میوے اور جو وہ فرمائش کریں گے موجود ہوگا، ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا، سلام مبتداء ہے، اور قولا خبر ہے، یعنی ان کو سلام علیکم فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کے اختلاط کے وقت فرمائے گا اے مجرمو آج (مومنوں) سے الگ ہو جاؤ اور اے اولاد آدم کیا میں نے تم کو رسولوں کی زبانی تاکید حکم نہیں دیا تھا یہ کہ شیطان کی بندگی یعنی اس کی اطاعت نہ کرنا وہ تمہارا صریح دشمن ہے، یعنی اس کی عداوت کھلی ہوئی ہے اور صرف میری بندگی کرنا یعنی میری توحید کا اقرار کرنا اور میری اطاعت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے وہ

(شیطان) تم میں سے ایک کثیر مخلوق کو گمراہ کر چکا ہے جبلاً جَبِلُّ کی جمع ہے جیسے قدمًا قدیم کی جمع ہے، اور ایک قراءت میں ب کے ضمہ کے ساتھ ہے جُبَلًا سو کیا تم اس کی عداوت یا اس کے گمراہ کرنے کو یا اس عذاب کو جو ان پر نازل ہوا، نہیں سمجھتے تھے کہ ایمان لے آتے اور ان سے آخرت میں کہا جائے گا یہی ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا آج اس میں اپنے کفر کی وجہ سے داخل ہو جاؤ آج ہم ان کافروں کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ اے ہمارے پروردگار ہم مشرکین میں سے نہیں تھے، جو کچھ یہ (دنیا میں) کر رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کریں گے اور ان کے پیرو غیرہ گواہی دیں گے، اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو ملیا میٹ کر دیں یعنی مٹا کر اندھا کر دیں، پھر یہ راستہ کی طرف اپنی عادت کے مطابق دوڑیں تو اس وقت کیسے دیکھ سکیں گے؟ یعنی نہیں دیکھ سکیں گے اور اگر ہم چاہیں تو ان کو جہاں ہیں وہیں بندروں خزیروں یا پتھروں میں تبدیل کر دیں اور ایک قراءت میں مَکَانَاتِہُمْ ہے جو کہ مَکَانۃ کی جمع ہے معنی میں مکان کے، یعنی ان کے گھروں میں پھر یہ لوگ نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے لوٹ سکتے یعنی یہ لوگ نہ جانے پر قادر ہوتے اور نہ آنے پر۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: الصَّوْرُ اِی الْقُرْنِ جِس کو آج کل بوق (بگل) کہا جاتا ہے، (ج) اَبْوَاقٌ وَبِیْقَانٌ وَبِیْقَاتٌ۔

قَوْلُهُ: اَلَا جَدَاتٌ جَمْعُ جَذَتْ بِمَعْنَى قَبْرِ۔

قَوْلُهُ: یَنْسِلُوْنَ (ن، ض) نَسْلًا دَوْرًا، مَجْبُورًا تِزْ چلنا۔

قَوْلُهُ: یَا لِلتَّنْبِیْہِ لَفْظُ تَنْبِیْہِ کے اضافہ سے اس سوال کا جواب ہے کہ نداء عقلاء کے ساتھ مختص ہے اور وِیْلٌ ذُوی الْعُقُولِ میں سے نہیں ہے، لہذا اس کو نداءِ ینادرست نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یَا نداء کے لئے نہیں ہے، بلکہ تنبیہ کے لئے ہے لہذا کوئی اعتراض نہیں ہے یا مجازاً وِیْل، کو نداء ہے اِی یَا وَیْلُنَا احْضَرْ فَهَذَا اَوَانٌ حَضُورِکَ جَمْہُورِکَ کے نزدیک یَا وَیْلُنَا ہے، اور ابن ابی لیلیٰ نے یَا وَیْلُنَا پڑھا ہے۔

قَوْلُهُ: مَنْ بَعَثْنَا جَمْہُورِکَ کے نزدیک مَنْ اسْتَفْہَامِیۃ مبتداء ہے اور بَعَثْنَا اس کی خبر ہے اور مَنْ کَسْرۃ میم کے ساتھ بطور شاذ پڑھا گیا ہے، اس صورت میں جار مجرور سے مل کر وَیْلُنَا سے متعلق ہوگا، اور بَعَثٌ مصدر ہوگا۔

قَوْلُهُ: وَیْلُنَا وِیْلٌ اِیسا مصدر ہے کہ اس کا لفظاً فعل مستعمل نہیں ہے، البتہ معنایاً اس کا فعل هَلَّكَ استعمال ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: مِنْ مَرَقَدِنَا یہ بَعَثْنَا سے متعلق ہے مَرَقَدِنَا مصدرِ میمی ہے، نیند، سونا، اور اسم مکان بھی ہو سکتا ہے، یعنی خوابگاہ (قبر) مفرد کو مصدر ہونے کی وجہ سے جمع کے قائم مقام کر دیا ہے۔

قَوْلُهُ: هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمَرْسَلُوْنَ، وَعَدَ اور صَدَقَ کا مفعول محذوف ہے اِی وَعَدْنَا بِہِ وَصَدَقْنَا فِیہ مفسر علام نے اَقْرَؤْا حِیْنَ لَا یَنْفَعُهُمُ الْاِقْرَارُ کے اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ النِّخْ کفار کا قول

ہے ہذا مبتداء ہے اور مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ جملہ ہو کر خبر۔

قَوْلٌ: وَمَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ، قَالُوا مَحْذُوفٌ كَمَا مَقُولُهُ هُوَ فِي وَجْهِ سَلَمٍ فِي نَصْبِ كَيْ هُوَ۔

قَوْلٌ: قِيلَ يُقَالُ لَهُمْ ذَلِكَ مُفسر علام نے اس عبارت سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض حضرات نے مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ کو اللہ، یا مومنین یا ملائکہ کا قول قرار دیا ہے۔

قَوْلٌ: فَاصْبِرْ أَيُّ النَّاصِرِينَ اسم فاعل جمع مذکر (س) فُكَاهَةٌ آرام پانا، مزے اڑانا، استہزاء کرنے والے، صاحب معجم القرآن نے لکھا ہے فَكِهَيْنَ اور فَاصْبِرِينَ کے معنی ہیں مسلمانوں کا مذاق بنا کر مزے لینے والے۔ (لغات القرآن)

قَوْلٌ: عَلَى الْأَرَائِكِ يَهْمُ مَتَكُونٌ كَمَا مَتَكُونٌ فِي مَتَكُونٍ سَلَمٍ كَرِهْمُ مَبْتَدَأٌ كِي خَبَرٌ ثَانِي هُوَ۔

قَوْلٌ: مَا يَدْعُونَ، يَدْعُونَ أَصْلٌ فِي يَدْعِيُونَ تَهَا، بَرُوزَن يَفْتَعِلُونَ يَاءٌ بِرُضْمَةٍ دُشْوَارِ سَبْجِہ کر ما قبل یعنی ع کو دیدیا، التقاء ساکنین کی وجہ سے کی گر گئی، پھرت کو دال سے بدل دیا اور دال کو دال میں ادغام کر دیا۔

قَوْلٌ: سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ اس جملہ کی ترکیب میں مختلف اقوال ہیں، جمہور نے سَلَامٌ رَفْعِ کے ساتھ پڑھا ہے، اور اُبَسَىٰ وَاٰبَنُ مَسْعُودٍ عِيسَىٰ نے سَلَامًا نَصْبِ کے ساتھ پڑھا ہے، نَصْبِ یا تو مصدریت کی وجہ سے ہے یا حال ہونے کی وجہ سے ہے اِی خَالِصًا، علامہ محلی نے منصوب بنزع الخافض قرار دیا ہے اور اِی بِالْقَوْلِ کہہ کر اس کی طرف اشارہ کر دیا، اور رَفْعِ کی چند وجوہ ہیں ① مَا يَدْعُونَ کی خبر ہے ② مَا سے بدل ہے یہ زَمْخَرِي کا قول ہے، شیخ نے کہا ہے اگر سَلَامٌ بدل ہو تو مَا يَدْعُونَ سے مخصوص تمنا مراد ہوگی، تاکہ بدل واقع ہونا صحیح ہو جائے، اور ظاہر یہ ہے کہ مَا يَدْعُونَ، كُلُّ مَا يَتَمَنَّاہُ کو عام ہے، اس صورت میں بدل واقع ہونا صحیح نہیں ہے ③ مَا کی صفت ہے مگر یہ اس صورت میں صحیح ہوگا کہ جب مَا کو نکرہ موصوفہ مانا جائے، اور اگر الَّذِي کے معنی میں لیا جائے یا مصدر یہ لیا جائے تو صفت واقع ہونا دشوار ہوگا، نکرہ و معرفہ میں مخالفت ہونے کی وجہ سے ④ مَبْتَدَأٌ مَحْذُوفِ کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو، اِی هُوَ سَلَامٌ ⑤ سَلَامٌ مَبْتَدَأٌ اور اس کی خبر قَوْلًا کا ناصب اِی سَلَامٌ يُقَالُ لَهُمْ قَوْلًا بعض حضرات نے سَلَامٌ عَلَیْكُمْ تقدیر مانی ہے ⑥ سَلَامٌ مَبْتَدَأٌ اور مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ اس کی خبر، اور قَوْلًا مضمون جملہ کی تاکید کے لئے ہے، اور مع اپنے عامل کے مبتداء خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ (لغات القرآن للدرویش)

قَوْلٌ: اَلْمَرَّعَةُ إِلَيْكُمْ يَهْمُ اسْتِفْہَامٌ تَوْنِي هُوَ۔

قَوْلٌ: لَا تُطِيعُوهُ يَهْمُ اَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ کی تفسیر ہے، مقصد اس شبہ کا ازالہ ہے کہ شیطان کی بندگی تو کوئی بھی نہیں کرتا، پھر شیطان کی بندگی سے منع کرنے کے کیا معنی؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ عبادت بمعنی اطاعت ہے یعنی شیطان کی اطاعت ہی کی وجہ سے لوگ غیر اللہ کی بندگی کرنے لگے، شیطان کے کہنے سے بندگی کرنا گویا کہ شیطان کی بندگی کرنا ہے، اَنْ لَا تَعْبُدُوا میں اَنْ تفسیر یہ ہے، اس لئے کہ ما قبل میں لفظ اَمْرُكُمْ جو کہ بمعنی قول ہے موجود ہے لہذا اَنْ کا تفسیر یہ ہونا صحیح ہے۔

قَوْلًا: إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ یہ وجوب ممانعت کی علت ہے۔

قَوْلًا: وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ يَه تَعْلِيل کی تاکید ہے۔

قَوْلًا: جَبَلًا با اور جیم کے کسرہ اور لام کی تخفیف کے ساتھ، اس کے علاوہ دو قراءتیں اور ہیں ① جیم اور بادونوں کے ضمہ ② جیم کے ضمہ مع با کے سکون اور لام کی تخفیف کے ساتھ، مذکورہ تینوں قراءتیں سببیہ ہیں۔

قَوْلًا: تُوْعِدُونَ بِهَا، بَہَا کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا تُوْعِدُونَ جملہ ہو کر صلہ ہے اور اس کا عائد بَہَا محذوف ہے۔

قَوْلًا: بِمَا كُنْتُمْ اٰی سَبَبٍ مَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ، بِمَا میں ما مصدر یہ ہے اٰی سَبَبٍ کفر کُفْر۔

قَوْلًا: وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلٰی اَعْيُنِهِمْ، لَوْ شرطیہ ہے نَشَاءُ فعل با فاعل ہے، نَشَاءُ کا مفعول بہ محذوف ہے، اٰی لَوْ نَشَاءُ طَمَسَهَا لَطَمَسْنَاهَا، لَطَمَسْنَا جواب شرط ہے۔

قَوْلًا: فَاَنّٰی يُبْصِرُونَ استفہام انکاری ہے یعنی نہیں دیکھ سکیں گے۔

قَوْلًا: وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ اٰی لَوْ نَشَاءُ مَسَخْنَاهُمْ لَمَسَخْنَاهُمْ۔

قَوْلًا: عَلٰی مَكَانَتِهِمْ عَلٰی بِمَعْنٰی فِی ہے، جیسا کہ شارح رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فِی مَنَازِلِهِمْ کہہ کر اشارہ کر دیا ہے۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِیْحٌ

وَلَنَفِخَ فِي الصُّورِ لوگ بازاروں میں خرید و فروخت میں اور دیگر کاموں میں حسب عادت بحث و تکرار میں مشغول ہوں گے، کہ اچانک صور پھونک دیا جائے گا، اور قیامت برپا ہو جائے گی، یہ نَفْخَ اولی ہوگا، جسے نَفْخَ فزع بھی کہتے ہیں، اس کے بعد دوسرا نَفْخَ ہوگا اس کو نَفْخَ الصَّعَق کہتے ہیں، جس سے اللہ کی ذات کے سوا ہر شئی پر موت طاری ہو جائے گی، یہ نَفْخَ ثالث ہے، جس کو نَفْخَ البعث والنشور کہتے ہیں، اس نَفْخَ کے بعد لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے، اور فرشتے ان کو بجلت سختی کے ساتھ دھکیل کر میدان حشر میں لیجائیں گے، قبروں سے نکلنے کے وقت کافر کہیں گے، ہائے ہماری کب سختی ہماری خوابگا ہوں سے ہم کو کس نے اٹھا دیا، مرقّد خوابگاہ کو کہتے ہیں، اور مطلقاً خواب کو بھی کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ کافروں اور مشرکوں کو قبر میں خواب کہاں نصیب ہوگی؟ وہ تو عذاب قبر میں مبتلا رہیں گے، تو پھر کافروں کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ ہم کو کس نے خواب سے بیدار کر دیا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے، شاید نَفْخَ اولی اور نَفْخَ ثانیہ کے درمیان ان پر نیند کی حالت طاری کر دی جائے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے ہولناک منظر کو دیکھ کر عذاب قبر ہی کو غنیمت سمجھیں گے، اور نیند سے تشبیہ دیں گے، یا پھر مرقّد بمعنی مضجع ہو اور نیند کے معنی سے تجرید کر لی جائے۔ (فوائد عثمانی)

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ (الآیۃ) مشرکوں اور کافروں کو یہ جواب اللہ کی طرف سے اس وقت ملے گا، یا مستقبل کو حاضر قرار دیکر اب جواب دے رہے ہیں، یعنی کیا پوچھتے ہو کس نے اٹھایا؟ ذرا آنکھیں کھولو یہ وہی بعث بعد الموت ہے جس کا وعدہ خدائے

رحمن کی طرف سے کیا گیا تھا، اور پیغمبر جس کی خبر برابر دیتے رہے تھے۔

جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُخَضَّرُونَ یعنی نخچہ: بعث کے بعد نہ کوئی بھاگ سکے گا اور نہ روپوش ہو سکے گا، ماقبل کی آیت میں جہنمیوں کی پریشانیوں کا ذکر تھا، قرآن اپنے اسلوب اور عادت کے مطابق اہل جنت کا حال بیان کر رہا ہے، کہ اہل جنت اپنی تفریحات میں مشغول ہوں گے، یہ بھی ممکن ہے کہ اس جگہ یہ لفظ ”فَسِ شُغْلٍ“ اس خیال کے دفع کرنے کے لئے بڑھایا ہو، کہ جنت میں جب نہ کوئی عبادت ہوگی اور نہ فرض و واجب اور نہ کسب معاش کا کوئی کام تو کیا اس بیکاری میں آدمی کا جی نہ گھبرائے گا، اس کے جواب میں فرمایا کہ ان کو اپنی تفریحات ہی کا بڑا شغل ہوگا، جی گھبرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بہشت میں ہر قسم کے عیش و نشاط کا سامان ہوگا، دنیا کی مکروہات سے آزاد ہو کر آج سیر و تفریح اور عیش و عشرت ہی ان کا مشغلہ ہوگا، اہل جنت اپنی بیویوں اور حور و غلمان کے ہمراہ تفریحی مشغلوں میں مست و مگن ہوں گے، اور اعلیٰ درجہ کے خوشگوار سایوں میں مسہریوں پر آرام کر رہے ہوں گے، ہر قسم کے میوے اور پھل ان کے لئے حاضر ہوں گے، خلاصہ یہ کہ جس چیز کی جنتیوں کے دل میں تمنا اور آرزو ہوگی وہ فوری طور پر حاضر کی جائے گی، یہ تو جسمانی لذتوں اور راحتوں کا حال تھا آگے روحانی لذتوں کا ذکر ہے، جن کی طرف سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ سے اشارہ کر دیا، یعنی اس مہربان پروردگار کی طرف سے جنتیوں کو ہدیہ سلام پیش کیا جائے گا، خواہ فرشتوں کے ذریعہ یا بلا واسطہ رب العالمین جنتیوں کو سلام ارشاد فرمائیں گے جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں مذکور ہے، اس وقت کی عزت و عظمت، لذت و فرحت کا کیا کہنا (اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا هَذِهِ النِّعْمَةَ الْعَظْمَى بِحَرَمَةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)۔

وَأَمَّا زُورُ الْيَوْمِ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ میدان حشر میں جب مردے اپنی اپنی قبروں سے نکلیں گے تو نیک و بد کا فرد مومن سب مخلوط ہوں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا کَانَتْهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ یعنی وہ منتشر ہونے کی طرح ہوں گے، بعد میں گروہوں کی شکل میں سب کو الگ الگ کر دیا جائے گا، اور مجرموں سے کہا جائے گا، وَاَمَّا زُورُ الْيَوْمِ أَيُّهَا الْمَجْرِمُونَ کہ جنتیوں کے عیش و آرام میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ (الآیۃ) یعنی تمام بنی آدم بلکہ جنات کو بھی مخاطب کر کے قیامت میں کہا جائے گا کہ کیا میں نے دنیا میں تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، یہاں سوال ہوتا ہے کہ کوئی بھی شیطان کی عبادت نہیں کرتا اور نہ کفار کرتے تھے، بتوں یا دیگر چیزوں کو پوجتے تھے، اس لئے ان پر شیطان کی عبادت کا الزام کیسے عائد ہوا؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ کسی کی اطاعت مطلقہ کرنا کہ ہر کام میں ہر حال میں بے چوں و چرا اس کا کہنا مانے، اسی کا نام عبادت ہے، اسی معنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد آزر سے کہا تھا يٰ اَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ۔ (سورہ مریم)

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ محشر میں حساب کتاب کے لئے پیشی میں اول تو ہر شخص کو آزادی ہوگی جو چاہے عذر پیش کرے مگر مشرکین وہاں قسمیں کھا کر اپنے شرک و کفر سے مکر جائیں گے، کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ (سورہ انعام) اور بعض یہ بھی کہیں گے کہ فرشتوں نے جو کچھ ہمارے اعمال ناموں میں لکھ دیا ہے ہم اس سے بری ہیں،

اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، تاکہ بول نہ سکیں، البتہ اللہ تعالیٰ اعضائے انسانی کو قوت گویائی عطا فرمائے گا، ہاتھ کہیں گے کہ ہم نے فلاں فلاں کام کئے تھے، اور پیر اس پر گواہی دیں گے اس طریقہ سے اقرار اور شہادت کے ذریعہ جرم ثابت ہو جائے گا، اس آیت میں انسان کے ہاتھوں اور پیروں کا بولنا ذکر کیا گیا ہے، دوسری آیت میں انسان کے کان، آنکھ اور کھال کا بولنا مذکور ہے شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَابْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ اور ایک جگہ فرمایا گیا وَتَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ یعنی خود ان کی زبانیں گواہی دیں گی۔

سُئِلَ: زبانوں کا گواہی دینا، مونہوں پر مہر لگانے کے منافی ہے۔

جَوَابُ: منہ پر مہر لگانے اور زبانوں کے گواہی دینے میں کوئی تنافی و تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ منہ پر مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اختیار سے کچھ نہ بول سکیں گے بلکہ ان کی زبان ان کی مرضی کے خلاف شہادت دے گی۔

حکمت: تُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ اس آیت میں ہاتھوں کی طرف تکلم کی اور پیروں کی طرف شہادت کی نسبت کی گئی ہے اس میں کیا حکمت؟

جَوَابُ: کسب اعمال میں اگرچہ تمام اعضاء کا دخل ہوتا ہے، مگر ہاتھوں کا دخل زیادہ ہوتا ہے، اس وجہ سے ہاتھ گویا کہ فاعل مباشر ہوتے ہیں، اسی لئے قرآن کریم میں بہت سی جگہ فعل و کسب کی نسبت ہاتھوں کی طرف کی گئی ہے مثلاً يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ، وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ، بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ، فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ بخلاف پیروں کے کہ ان کی طرف فعل کی نسبت نہیں کی گئی، تو گویا کہ پیر، ہاتھوں کے اعتبار سے اکتساب اعمال میں اجنبی ہیں، ہاتھوں کا تکلم بمنزلہ اقرار کے ہے، اور اقرار فاعل کا معتبر ہوتا ہے، اور پیر بمنزلہ اجنبی کے ہیں اور شاہد کے لئے اجنبی ہونا مناسب ہے، اس لئے ہاتھوں کی طرف تکلم کی اور پیروں کی طرف شہادت کی نسبت مناسب ہے، گویا کہ ہاتھ مباشر ہیں، اور پیر حاضر، اقرار مباشر سے ہوتا ہے اور شہادت حاضر سے۔

حکمت: روز محشر ہاتھوں کا تکلم بمنزلہ دعوے کے ہے اور ہاتھ بمنزلہ مدعی اور نفس بمنزلہ مدعا علیہ ہے اس لئے کہ حقیقی فاعل نفس ہی ہے، اور مدعی خود گواہ نہیں بن سکتا، گواہ مدعی کے علاوہ ہوتا ہے اور وہ پیر ہیں، اس وجہ سے تکلم کی نسبت ہاتھوں کی طرف اور شہادت کی نسبت پیروں کی طرف کی ہے۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَى أَعْيُنِهِمْ (الآیۃ) یعنی بینائی سے محرومی کے بعد انہیں راستہ کس طرح دکھائی دیتا؟ لیکن یہ تو ہمارا حلم و کرم ہے کہ ایسا نہیں کیا، مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہماری آیتوں سے جس طرح دل کی آنکھیں بند کر لی ہیں، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم ان کی ظاہری آنکھوں کو بند کر کے دنیا میں اندھا کر دیں کہ ان کو راستہ ہی نہ سوجھے مگر ہم نے اپنی رحمت اور حلم و کرم کی وجہ سے ایسا نہیں کیا، اور جس طرح یہ لوگ شیطانی راستوں سے ہٹ کر رحمانی راستوں پر چلنا نہیں چاہتے، ہم کو قدرت ہے کہ ان کی صورتیں مسخ کر دیں یا اپا ج کر دیں، کہ ایک جگہ پتھر کے مانند پڑے رہیں، ہل بھی نہ سکیں۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ لَا طَالَ أَجَلُهُ نُنَكِّسْهُ وَفِي قِرَاءَةِ بِالتَّشْدِيدِ مِنَ التَّنْكِيسِ فِي الْخَلْقِ اِیْ خَلْقِهِ فَيَكُونُ بَعْدَ قُوَّتِهِ

وَسَبَابِهِ ضَعِيفًا وَبَرًّا أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۵۶﴾ أَنَّ الْقَادِرَ عَلَى ذَلِكَ الْمَعْلُومِ عِنْدَهُمْ قَادِرٌ عَلَى الْبَعْثِ فَيُؤْمِنُونَ وَفِي قِرَاءَةِ بِالتَّاءِ وَمَا عَلَّمْنَاهُ أَيُّ النَّبِيِّ الشَّعْرَ رَدُّ لِقَوْلِهِمْ إِنْ مَا أَتَى بِهِ مِنَ الْقُرْآنِ شِعْرٌ وَمَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُنَّ لَهُ الشَّعْرُ إِنْ هُوَ لَيْسَ الَّذِي أَتَى بِهِ إِلَّا ذِكْرٌ عِظَةٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ﴿۵۷﴾ مُظْهِرٌ لِلْأَحْكَامِ وَغَيْرِهَا لِيُنْذِرَ بِالْبَاءِ وَالتَّاءِ بِهِ مَنْ كَانَ حَيًّا يَعْقِلُ مَا يُخَاطَبُ بِهِ وَبِهِ الْمُؤْمِنُونَ وَيَحِقُّ الْقَوْلُ بِالْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۵۸﴾ وَبِهِ كَالْمَيِّتِينَ لَا يَعْقِلُونَ مَا يُخَاطَبُونَ بِهِ أَوْ لَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوا وَالْإِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ وَالْوَاوُ الدَّخْلُ عَلَيْهَا لِلْعَطْفِ أَنَا خَلَقْنَا لَهُمْ فِي جُمْلَةِ النَّاسِ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِيْنَا أَيُّ عَمَلْنَاهُ بِلَا شَرِيكَ وَلَا مُعِينٍ أَنْعَمًا بِهِيَ الْإِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ فَهُمْ لَهَا مَلِكُونَ ﴿۵۹﴾ ضَابِطُونَ وَذَلِكَ لِنُحَايَا لِمَنْ سَخَّرْنَا بِهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ مَرْكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿۶۰﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَأَصْوَابِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا وَمَشَارِبُ مِنْ لَبَنٍ جَمْعُ مَشْرَبٍ بِمَعْنَى شَرِبَ أَوْ مَوْضِعُهُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۶۱﴾ الْمُنْعَمَ عَلَيْهِمْ بِهَا فَيُؤْمِنُونَ أَيُّ مَا فَعَلُوا ذَلِكَ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَيُّ غَيْرِهِ إِلَهًا أَصْنَامًا يَعْبُدُونَهَا لَعَلَّهُمْ يَنْصَرُونَ ﴿۶۲﴾ يُنْصَرُونَ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ بِشَفَاعَةِ الْهَيْتِهِمْ بِزَعْمِهِمْ لَا يَسْتَطِيعُونَ أَيُّ إِلَهَتِهِمْ نَزَلُوا مِنْزِلَةَ الْعُقَلَاءِ نَصَرَهُمْ وَهُمْ أَيُّ إِلَهَتِهِمْ مِنَ الْأَصْنَامِ لَهُمْ جُذُؤٌ بِزَعْمِهِمْ نَصَرَهُمْ مُخْضَرُونَ ﴿۶۳﴾ فِي النَّارِ مَعَهُمْ فَلَا يُخْرَجُونَ قَوْلُهُمْ لَكَ لَسْتُ مُرْسَلًا وَغَيْرَ ذَلِكَ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۶۴﴾ مِنْ ذَلِكَ وَغَيْرِهِ فَتُجَازِيهِمْ عَلَيْهِ أَوْ لَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ يَعْلَمُ وَهُوَ الْعَاصُ بْنُ وَائِلٍ أَنَا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ مَنِىِّ إِلَى أَنْ صَيَّرْنَاهُ شَدِيدًا قَوِيًّا فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ شَدِيدُ الْخُصُومَةِ لَنَا مُبِينٌ ﴿۶۵﴾ بَيْنُهَا فِي نَفْسِ الْبَعْثِ وَضَرْبَ لَنَا مَثَلًا فِي ذَلِكَ وَنَسِيَ خَلْقَهُ مِنَ الْمَنِىِّ وَهُوَ أَغْرَبُ مِنْ مِثْلِهِ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿۶۶﴾ أَيُّ بِالْيَاءِ وَلَمْ يَقُلْ بِالتَّاءِ لِأَنَّهُ اسْمٌ لَا صِفَةٌ رَوَى أَنَّهُ أَخَذَ عِظًا رَمِيمًا فَفَتَّتَهُ وَقَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَرَى يُحْيِي اللَّهُ هَذَا بَعْدَ مَا بَلَى وَرَمَّ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَيُدْخِلُكَ النَّارَ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۶۷﴾ مُجْمَلًا وَمُفَصَّلًا قَبْلَ خَلْقِهِ وَبَعْدَ خَلْقِهِ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ فِي جُمْلَةِ النَّاسِ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ الْمَرْخِ وَالْعَفَارِ أَوْ كُلِّ شَجَرٍ إِلَّا الْعُنَابَ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقَدُونَ ﴿۶۸﴾ تَقْدَحُونَ وَهَذَا دَالٌّ عَلَى الْقُدْرَةِ عَلَى الْبَعْثِ فَإِنَّهُ جَمَعَ فِيهِ بَيْنَ الْمَاءِ وَالنَّارِ وَالْخَشَبِ فَلَا الْمَاءُ يُطْفِئُ النَّارَ وَلَا النَّارُ يُحْرِقُ الْخَشَبَ أَوْلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مَعَ عَظَمَتِهِمَا بِقُدْرَةٍ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ أَيُّ الْإِنْسَانِي فِي الصَّعْرِ بَلَى أَيُّ هُوَ قَادِرٌ عَلَى ذَلِكَ أَجَابَ نَفْسَهُ وَهُوَ الْخَلْقُ الْكَثِيرُ الْخَلْقِ الْعَلِيمُ ﴿۶۹﴾ بِكُلِّ شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُ شَأْنُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَيُّ خَلَقَ شَيْءٌ أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۷۰﴾ أَيُّ فَهُوَ يَكُونُ وَفِي قِرَاءَةِ بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلَى يَقُولِ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ مَلِكٍ زِيدَتِ الْوَاوُ وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ أَيُّ الْقُدْرَةِ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۷۱﴾ تُرْجَعُونَ فِي الْآخِرَةِ.

ترجمہ: اور جس کی ہم عمر دراز کر کے معمر (سن رسیدہ) کر دیتے ہیں تو اس کی تخلیق کو پلٹ دیتے ہیں اور ایک قراءت میں تکلیس سے تشدید کے ساتھ ہے، تو وہ اپنی قوت و شباب کے بعد کمزور اور بوڑھا ہو جاتا ہے، تو کیا یہ سمجھتے نہیں کہ جو ذات اس بات پر کہ جو ان کو معلوم ہے قادر ہے، وہ بعث بعد الموت پر بھی قادر ہے کہ وہ ایمان لے آئیں، اور ایک قراءت میں تاء کے ساتھ ہے، اور ہم نے اس نبی کو شعر گوئی نہیں سکھائی، یہ کافروں کی اس بات کا جواب ہے کہ محمد ﷺ جو کچھ قرآن کے نام سے پیش کرتے ہیں، وہ شعر ہے اور نہ شعر گوئی آپ کی شایان شان ہے جس کو وہ پیش کرتے ہیں وہ تو محض نصیحت ہے، اور احکام وغیرہ کو ظاہر کرنے والا قرآن ہے، تاکہ اس شخص کو قرآن کے ذریعہ جو زندہ ہو متنبہ کرے یعنی جو اس سے کہا جائے اسے سمجھتا ہو اور وہ اہل ایمان ہیں، اور کافروں پر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے، اور کافر مردوں کے مانند ہیں (اس لئے کہ) جو بات ان سے کہی جاتی ہے اس کو نہیں سمجھتے کیا یہ لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے بلا شریک و معین کے پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے منجملہ دیگر لوگوں کے ان کے لئے جانور وہ اونٹ گائے اور بکریاں ہیں پیدا کئے جن کے وہ مالک بنے ہوئے ہیں قابو میں کئے ہوئے ہیں (أَوَلَمْ يَرَوْا) میں استفہام تقریری ہے، اور جو وہ اس پر داخل ہے عاطفہ ہے اور ہم نے ان جانوروں کو ان کے قابو میں کر دیا ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو ان میں سے کھاتے ہیں اور ان کے لئے ان میں اور منافع بھی ہیں، جیسا کہ ان کی صوف، رواں اور ان کے بال اور پینے کی چیزیں ہیں، (مثلاً) ان کا دودھ یا دودھ کا محل (تھن) مشارب مشرب کی جمع ہے بمعنی شرب کیا لوگ اپنے اوپر جانوروں کے ذریعہ احسان کرنے والے کا شکر ادا نہیں کرتے کہ ایمان لے آئیں، یعنی انہوں نے ایسا نہیں کیا اور انہوں نے غیر اللہ (یعنی) بتوں کو معبود بنالیا ہے کہ ان کی بندگی کرتے ہیں کہ شاید ان کی طرف سے ان کو مدد پہنچے، کہ اللہ کے عذاب سے ان کے اعتقاد کے مطابق ان (بتوں) کی سفارش سے (عذاب سے) محفوظ رہ سکیں (مگر) ان کے معبود ان کی ہرگز مدد نہیں کر سکتے ان معبودوں کو ذوی العقول کے درجہ میں اتار لیا گیا ہے وہ یعنی ان کے صنمی معبود جن سے مدد کی توقع رکھنے کی وجہ سے ان کے لشکر میں ان (عابدین) کے ساتھ جہنم میں حاضر کئے جائیں گے، تو آپ کے بارے میں ان کا قول لَسْتُ مُرْسَلًا وغیرہ آپ کو رنجیدہ نہ کرے بے شک ہم اس بات کو اور اس کے علاوہ کو خوب جانتے ہیں جن باتوں کو یہ چھپاتے ہیں اور جن کو ظاہر کرتے ہیں، ہم ان کو اس کا بدلہ دیں گے کیا انسان کو یہ معلوم نہیں اور وہ عاص بن وائل ہے کہ ہم نے اس کو نطفہ منی سے پیدا کیا حتیٰ کہ ہم نے اس کو قوی اور مضبوط کر دیا پھر اس نے بعث کا انکار کر کے خصومت کو ظاہر کر دیا اعلانیہ اعتراض کرنے لگا یعنی ہم سے سخت مخالفت کرنے لگا، اور اس نے اس بارے میں ہماری شان میں ایک عجیب بات کہی اور اپنی اصل (حقیقت) کو بھول گیا کہ وہ نطفہ منی سے پیدا شدہ ہے اور وہ اس کی بیان کردہ عجیب بات سے زیادہ عجیب ہے کہتا ہے ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں کون زندہ کر سکتا ہے؟ رَمِيمَ بمعنی بالیة (بوسیدہ) رَمِيمَةٌ کے ساتھ نہیں کہا (جیسا کہ قیاس کا تقاضا تھا) اس لئے کہ رمیم اسم ہے نہ کہ صفت، روایت کیا گیا کہ عاص بن وائل نے

ایک بوسیدہ ہڈی لی، اور اس کو ریزہ ریزہ کر دیا، اور آپ ﷺ سے کہا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ہڈی کو بعد اس کے کہ وہ کہنہ اور بوسیدہ ہو گئی زندہ کر سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا: ہاں کیوں نہیں، اور تجھ کو دوزخ میں داخل کرے گا آپ جواب دیجئے کہ ان کو وہ ذات زندہ کرے گی جس نے ان کو اول بار پیدا کیا اور وہ اپنی تمام مخلوق کے بارے میں پیدا کرنے سے پہلے اور پیدا کرنے کے بعد مجملًا و مفصلًا جانتا ہے، اور وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے تمہارے لئے منجملہ دیگر لوگوں کے مرخ اور عفار یا ہر سبز درخت سے سوائے عناب کے آگ پیدا کی پھر تم اس سے آگ سلگا لیتے ہو، اور یہ بعث (بعد الموت) پر قادر ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ اس نے اس میں پانی اور آگ اور لکڑی (متضاد چیزیں) جمع کر دیں، پانی آگ کو نہیں بجھاتا اور نہ آگ لکڑی کو جلاتی ہے، جس نے آسمان اور زمین جیسی چیزیں پیدا فرمائیں کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان جیسے صغیر انسانوں کو پیدا کر سکے؟ ضرور پیدا کر سکتا ہے یعنی وہ اس بات پر قادر ہے خود ہی جواب دید یا وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے اور ہر شئی کا جاننے والا ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے اور ایک قراءت یٰ کون نصب کے ساتھ ہے، یقول پر عطف کی وجہ سے وہ پاک ذات ہے اس کے دست قدرت میں ہر چیز کا اختیار ہے (ملکوت) میں واؤ اور تا زیادہ کئے گئے ہیں اور تم سب کو آخرت میں اسی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: نَعْمَرُهُ اِی نُطِیْلُ اَجَلَهُ ہم اس کی عمر دراز کر دیتے ہیں۔ جمع متکلم مضارع مجزوم۔
 قَوْلٌ: نُنْکِسُهُ اِی نُقَلِّبُهُ اِی نَجْعَلُهُ عَلٰی عَکْسٍ مَا خَلَقْنَاهُ ہم اس کی تخلیق پلٹ دیتے ہیں (اعراب القرآن) یعنی ہم بتدریج اس کی حالت کو بدل دیتے ہیں حتیٰ کہ ضعف میں اس کی بچوں جیسی حالت ہو جاتی ہے۔
 قَوْلٌ: وَمَنْ نُّعْمِرُهُ (الآیہ) یہ جملہ متانفہ ہے، قوت سے ضعف کی طرف انسان کی حالت کے بدلنے کی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے مَنْ اسم شرط اور نَعْمِرُ فعل شرط ہے نُنْکِسُهُ جواب شرط ہے۔
 قَوْلٌ: اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ فَا عاطفہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَتَرَکُوْا التَّفْکُرَ فَلَا یَعْقِلُوْنَ۔
 قَوْلٌ: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ یہ آپ ﷺ پر کفار کی جانب سے شاعر ہونے کے الزام کا جواب ہے، اس کا عطف سورت کی ابتداء میں اِنَّکَ لَمِنْ الْمُرْسَلِیْنَ جملہ قسمیہ پر ہے۔

قَوْلٌ: الشِّعْرُ معروف ہے (ج) اشعار، شعر لغت میں علم دقیق اور احساس لطیف کو اور موزون و مقفی کلام کو کہتے ہیں، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ شعر یا تو منطقی ہوتا ہے اور یا وہ جو مقدمات کا ذبہ پر مشتمل ہو، اسی لئے ان ادلہ کو جو مقدمات کا ذبہ سے مرتب ہوں، ادلہ شعر یہ کہتے ہیں، اور اصطلاح میں کلام مقفی و موزون علی القصد کو کہتے ہیں، آخری قید سے وہ شعر خارج ہے جو کہ بلا قصد اتفاقی طور پر جاری ہو گیا ہو، جیسا کہ آیات شریفہ اور بعض کلمات نبویہ اس لئے کہ ان میں بلا قصد اتفاقی

طور پر علم عروض کے مطابق وزن ہو گیا ہے۔ (حاشیہ جلالین ملخصاً)

قَوْلًا: اَوَلَمْ يَسِرَ الْاِنْسَانُ (الآیة) ہمزہ استفہام انکاری تہجی ہے، محذوف پر داخل ہے، واو عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے الْمَرِيتَفَكَّرُوا رویت سے مراد رویت علمیہ ہے انا خلقناہ من نطفۃ قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

قَوْلًا: خَصِيْمٌ، الْمُخَاصِمُ الْمُجَادِلُ۔

قَوْلًا: خَلَقْنَا لَهُمْ لَامِ حَكْمَتٍ کے لئے ہے، ای حِکْمۃ خَلَقْنَا ذَلِکَ اِنْتِفَاعُهُمْ۔

قَوْلًا: فِی جَمَلۃِ النَّاسِ اس سے اشارہ کر دیا کہ یہ نعمتیں ان ہی کے لئے مخصوص نہیں ہیں بلکہ سب کے لئے ہیں۔

قَوْلًا: مَا فَعَلُوا ذَلِکَ اس سے اشارہ کر دیا کہ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔

قَوْلًا: نُزِّلُوا مَنَزِلَۃَ الْعُقُلَآءِ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سے مشرکین کے صنمی معبود مراد ہیں جو کہ غیر ذوی العقول ہیں اس کی جمع واو، نون کے ساتھ لانا درست نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عابدین اور معبودین میں مشاکلت کے طور پر ذوی العقول کے درجہ میں اتار کر واو، نون کے ساتھ جمع لائی گئی ہے۔

قَوْلًا: وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحَضَّرُونَ، ہم، مبتداء جند خبر اول، مُحَضَّرُونَ خبر ثانی اور لَهُمْ جند کے متعلق ہے، مُحَضَّرُونَ جند کی صفت بھی ہو سکتی ہے۔

قَوْلًا: اِنِّیْ اِلَہُتُّهُمْ مِنَ الْاَضْمَامِ اس عبارت کے اضافہ سے شارح کا مقصد ہُمْ ضمیر کا مرجع متعین کرنا ہے، یعنی وہ بت ان کے لئے لشکر کے مانند ہیں مُحَضَّرُونَ ای مُعَدُّونَ لِحِفْظِهِمْ یعنی اپنی حفاظت کے لئے تیار کر دہ لشکر ہے جو دنیا میں (ان کے خیال میں) ان کی حفاظت کرے گا (روح المعانی) دوسرا قول یہ بھی ہے کہ ہُمْ کا مرجع کفار ہیں یعنی کفار عابدین ان کے لئے حاضر باش لشکر کے مانند ہیں کہ ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ (جمل)

قَوْلًا: مِنْ ذَلِکَ اِیْ قَوْلُهُمْ لَنْتَ مُرْسَلًا۔

قَوْلًا: اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ یَہِ الدِّیْ اَنشَاہَا سے بدل ہے۔

قَوْلًا: اِلَّا الْعُنَابُ عناب کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کے رگڑنے سے آگ نہیں نکلتی، اور یہی وجہ ہے کہ قصاریں (دھوبی) عناب کی لکڑی کا مطارق (موسلہ) بناتے ہیں تاکہ رگڑ سے کپڑے میں آگ نہ لگ جائے۔ (صاوی)

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

وَمَنْ نُعَمِّرْہُ (الآیة) نُعَمِّرْ تعمیر سے بتدریج عمر دراز کرنا، اور نُنْکِحْہُ تَنْکِیْسُ سے پلٹنا، اوندھا کرنا، بتدریج سابقہ حالت کی طرف لوٹانا، سفیان سے منقول ہے کہ تنکیس اسی سال کی عمر میں ہوتی ہے، وَالْحَقُّ اَنَّ زَمَانُ اِبْتِدَاءِ الضَّعْفِ وَالْاِنْتِقَاصِ مُخْتَلَفٌ لَاخْتِلَافِ الْأَمْزَجَةِ وَالْعَوَارِضِ (روح المعانی) یعنی تحقیقی بات یہ ہے کہ تنکیس کی کوئی مدت متعین

نہیں ہے یہ امر جبہ اور عوارض کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کی تکذیب کے لئے مختلف قسم کی باتیں کہتے رہتے تھے، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ شاعر ہیں، اور یہ قرآن آپ کی شاعرانہ تک بندی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی ہے، یعنی نہ آپ شاعر ہیں اور نہ قرآن شعری کلام کا مجموعہ ہے بلکہ یہ تو صرف نصیحت و موعظت ہے، شاعری میں بالعموم مبالغہ، افراط و تفریط اور محض تخیلات کی ندرت کاری ہوتی ہے، یوں گویا کہ اس کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے، کہا گیا ہے اَعْذِبُهُ اَكْذِبُهُ یعنی شعر میں جتنا زیادہ مبالغہ اور جھوٹ ہوگا اتنا ہی وہ مزیدار ہوگا، علاوہ ازیں شاعر محض گفتار کے غازی ہوتے ہیں کردار کے نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نہ صرف یہ کہ اپنے پیغمبر کو شعر نہیں سکھلائے، بلکہ اس کے مزاج و طبیعت کو ایسا بنایا کہ شعر سے اس کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی کسی کا شعر پڑھتے تو اکثر صحیح نہ پڑھ پاتے، اور اس کا وزن ٹوٹ جاتا جس کی مثالیں احادیث میں موجود ہیں، یہ احتیاط اس لئے کی گئی کہ منکرین پر اتمام حجت اور ان کے شبہات کا خاتمہ کر دیا جائے اور یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ قرآن اس کی شاعرانہ تک بندی کا نتیجہ ہے، جس طرح آپ کی امیت بھی قطع شبہات کے لئے تھی، تاکہ لوگ قرآن کی بابت یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ تو فلاں سے سیکھ کر یا کتب سابقہ کا مطالعہ کر کے مرتب کر لیا ہے، البتہ بعض مواقع پر آپ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ کا نکل جانا جو دو مصرعوں کی طرح ہوتے اور شعری اوزان و بحر کے بھی مطابق ہوتے، آپ کے شاعر ہونے کی دلیل نہیں بن سکتے، کیونکہ ایسا آپ کے قصد و ارادہ کے بغیر ہوا، اور ان کا شعری قالب میں ڈھل جانا ایک اتفاق تھا، جس طرح غزوہ حنین کے موقع پر آپ سفید خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن الحارث لگام پکڑے ہوئے تھے، اس موقع پر چند افراد کے علاوہ کوئی آپ کے ساتھ نہیں رہا تھا تو آپ کی زبان پر بے اختیار یہ رجز جاری ہو گیا:۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

اسی طرح ایک موقع پر آپ کی انگشت مبارک پتھر سے زخمی ہو گئی تو آپ نے فرمایا:۔

هَلْ أَنْتِ إِلَّا أَصْبَعُ دَمِيَّتٍ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَالِقِيَّتٍ

(صحیح بخاری، مسلم کتاب الجہاد، روح المعانی)

اس کے علاوہ ایک دو شعر کہنے یا پڑھنے سے شاعر نہیں ہو جاتا اور نہ اس کو شاعر کہا جاتا ہے، عرف میں شاعر اسی کو کہا جاتا ہے جو شعر گوئی پر قدرت اور مشغلہ رکھتا ہو، جس طرح کبھی کبھار کپڑا سینے والا خیاط نہیں کہا جاتا بلکہ درزی وہی ہوتا ہے جو خیاطی کا پیشہ کرتا ہو ورنہ تو ہر شخص خیاط کہلائے گا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یہ شعر پڑھا:۔

سَتَبْدِي لَكَ الْيَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلًا وَيَأْتِيكَ مَنْ لَمْ تَزُودْ بِالْأَخْبَارِ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، لیس هكذا يا رسول الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اني والله ما انا بشاعر ولا ينبغي لي.

اَوْ لَمَّيْرُوْا اِنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ (الآية) اس آیت میں چوپایوں، جانوروں کی تخلیق میں انسانی منافع اور ان میں قدرت کی عجیب و غریب صنعتکاری کا ذکر فرمانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ایک اور احسان عظیم کو بتلایا گیا ہے، یہ چوپائے کہ جن کی تخلیق میں کسی انسان وغیرہ کا کوئی دخل نہیں ہے، خالص دست قدرت کے بنائے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے صرف یہی نہیں کیا کہ ان سے انسانوں کو نفع اٹھانے کا موقع دیا بلکہ ان کا ان کو مالک بھی بنادیا، کہ وہ ان میں جس طرح چاہیں مالکانہ تصرف کر سکتے ہیں، اگر ہم ان میں وحشی پن رکھ دیتے (جیسا کہ بعض جانوروں میں ہے) تو یہ چوپائے ان سے دور بھاگتے اور وہ ان کی ملکیت اور قبضے ہی میں نہ آسکتے، یہ خدا کے کرم و احسان ہی کا نتیجہ ہے کہ ان جانوروں سے جس طرح کا بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ انکار نہیں کرتے ہیں، مثلاً ان کی اون اور بالوں سے مختلف قسم کی عمدہ اور آرام دہ چیزیں بنتی ہیں، اور بار برداری اور کھیتی باڑی کے بھی کام آتے ہیں، حتیٰ کہ بوقت ضرورت ان کو ذبح کر کے کھاتے بھی ہیں۔

ملکیت کے بارے میں سرمایہ داری اور اشتراکیت کا نظریہ:

گذشتہ صدی کے اوائل سے معاشی نظریات میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ تخلیق اشیاء اور ان کی ملکیت میں سرمایہ اور دولت اصل ہے یا محنت، سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے قائل دولت اور سرمایہ کو اصل قرار دیتے ہیں، اور سوشلزم اور کمیونزم (اشتراکیت) والے محنت کو اصل علت تخلیق و ملکیت قرار دیتے ہیں۔

قرآن کریم کا نظریہ معیشت:

قرآن کریم کی مذکورہ صراحت نے بتلادیا ہے کہ تخلیق اشیاء اور ان کی ملکیت میں دونوں (یعنی سرمایہ اور محنت) کا کوئی دخل نہیں، کسی چیز کی تخلیق انسان کے قبضے میں نہیں، تخلیق براہ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، اور عقل کا تقاضہ ہے کہ جو جس کو پیدا کرے وہی اس کا مالک ہو، اس سے ثابت ہوا کہ اشیاء عالم میں حقیقی ملکیت حق تعالیٰ کی ہے، انسان کی ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے ہو سکتی ہے۔ (معارف)

وَ اتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهَةً (الآية) یہ ان کے کفران نعمت کا اظہار ہے کہ مذکورہ نعمتیں جن سے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں، سب اللہ کی پیدا کردہ اور عطا کردہ ہیں، لیکن یہ بجائے اس کے کہ اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں یعنی اس کی عبادت و اطاعت کریں، غیروں سے امید وابستہ کرتے ہیں اور انہیں معبود بناتے ہیں۔

لَا يَسْتَظِيلُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ (الآية) جند سے مراد بتوں کے حمایتی اور ان کی طرف سے مدافعت کرنے والے اور مُحَضَّرُونَ سے مراد حاضر باش دنیا میں ان کے پاس رہنے والے ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ جن بتوں کو معبود سمجھتے

ہیں، وہ ان کی مدد کیا کریں گے؟ یہ مشرکین خود اپنے معبودوں کی مدد اور حفاظت کرتے ہیں، ان کے معبودوں کو اگر کوئی برا کہے، ان کی مذمت کرے، تو خود یہی لوگ ان کی حمایت و مدافعت میں سرگرم ہو جاتے ہیں، نہ کہ وہ معبود۔

بعض حضرات نے جُنْدُ سے مراد فریق مخالف لیا ہے، آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جن چیزوں کو انہوں نے دنیا میں معبود بنا رکھا ہے یہی قیامت کے روز ان کے مخالف ہو کر ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

اور حضرت حسن و قتادہ سے اس کی یہ تفسیر منقول ہے کہ ان لوگوں نے بتوں کو معبود تو اس لئے بنایا تھا کہ یہ ان کی مدد کریں گے، اور ہو یہ رہا ہے کہ وہ تو ان کی مدد کرنے کے قابل نہیں خود یہی لوگ جو ان کی عبادت کرتے ہیں ان کے خدام اور سپاہی بنے ہوئے ہیں۔

أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ (الآیۃ) کیا یہ انسان اتنا نہیں سمجھتا کہ جس اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک حقیر نطفہ سے پیدا کیا ہو وہ دوبارہ اس کو زندہ کرنے پر کیوں قادر نہیں؟ اس کی قدرت احیاء موتے کا ایک واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے جلا کر اس کی آدھی راکھ سمندر میں اور آدھی راکھ تیز ہوا میں اڑادی جائے، چنانچہ اس کے ورثاء نے اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی تمام راکھ جمع کر کے اسے زندہ فرمایا اور اس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا تیرے خوف سے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔ (صحیح بخاری، الانبیاء)

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا (الآیۃ) کہتے ہیں کہ عرب میں دو درخت ہیں مَرْخ اور عَفَار، اگر ان کی دو لکڑیاں آپس میں رگڑی جائیں تو آگ پیدا ہوتی ہے، سبز درخت سے آگ پیدا کرنے سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ اس کے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں ہے وہ ہر شئی پر قادر ہے، مردوں کو زندہ کرنا اس کے لئے اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ ابتداء پیدا کرنا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الصَّافَّاتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَاثْنَتَانِ وَثَمَانُونَ آيَةً

سُورَةُ وَالصَّافَّاتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَاثْنَتَانِ وَثَمَانُونَ آيَةً.

سورة وَالصَّافَّاتِ مکی ہے، اس میں ۱۸۲ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَالصَّفَّاتِ صَفًّا ۝ الملائكة تصف نفوسها في العبادۃ أو
أجنتها في الهواء تنتظر ما تؤمر به فالزجرات زجراً ۝ الملائكة تزجر السحاب أي تسوقه فالتلبيت جماعة قراء
القرآن تتلوه ۝ ذكرراً ۝ مصدر من معنى التاليات ۝ إِنَّ إِلَهُكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝
أي والمغارب للشمس لها كل يوم مشرق ومغرب ۝ إِنَّا زَيْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ ۝ أي بضوئها أو
بها والاضافة للبيان كقراءة تنوين زينة المبينة بالكواكب ۝ وَحِفْظًا ۝ منصوب بفعل مقدر أي حفظنا
بالشهب ۝ مَنْ كُلِّ متعلق بالمقدر شيطان مارد ۝ عات خارج عن الطاعة ۝ لَا يَسْمَعُونَ ۝ أي الشياطين مستأنف
وسماعهم هو في المعنى المحفوظ عنه ۝ إِلَى الْمَلَائِكَةِ ۝ الملائكة في السماء وعدى السماع بالي لتضمنه
معنى الإضغاء وفي قراءة بتشديد الميم والسين أصله يَسْمَعُونَ أَدْعَمَتِ التاء في السين ۝ وَيَقْدِرُونَ ۝ أي
الشياطين بالشهب ۝ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ من أفاق السماء ۝ دُحُورًا ۝ مصدر دحره أي طرده وأبعده وهو مفعول له
وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝ دائم ۝ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ ۝ مصدر أي المرة والاستثناء من ضمير يَسْمَعُونَ
أي لا يسمع إلا الشيطان الذي سمع الكلمة من الملائكة فأخذها بسرعة ۝ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ ۝ كوكب مضي
ثاقب ۝ يثبته أو يحرقه أو يخبله ۝ فَاسْتَقْبَهُمُ اسْتَحْبِرٌ ۝ كفار مكّة تقريراً أو توبيخاً ۝ أَهْمُ أَشَدُّ خَلْقًا ۝ مَنْ خَلَقْنَا مِنْ
الملائكة والسموات والأرضين وما فيهما وفي الآتيان بمن تغليب العقلاء ۝ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ ۝ أي أصلهم آدم
مِنْ طِينٍ ۝ لَازِبٍ ۝ لازم يلصق باليد المعنى ۝ أَنْ خَلَقْنَاهُمْ ۝ ضعيف فلا يتكبروا بإنكار النبي ۝ وَالْقُرْآنَ الْمُوَدَّى ۝ إلى
بلا كهم اليسير ۝ بَلْ لَلانْتِقَالِ ۝ من غرض إلى آخر وهو الإخبار بحالهم وحالهم ۝ نَحْبَتَ ۝ بفتح التاء خطاباً
للنبي ۝ أي من تكذيبهم إياك ۝ وَهُمْ يَسْتَحْزِنُونَ ۝ من تعجبك ۝ وَإِذَا ذُكِّرُوا ۝ وَعِظُوا ۝ بِالْقُرْآنِ ۝ لَا يَذْكُرُونَ ۝ لَا يَتَعِظُونَ

وَإِذَا رَأَوْا آيَةَ كَانْشِقَاقِ الْقَمَرِ ^{۱۵} يَسْتَسْخِرُونَ ^{۱۶} يَسْتَهْزِئُونَ بِهَا وَقَالُوا فِيهَا إِنَّ مَا هَذَا إِلَّا سَحَابٌ مُمِيزٌ ^{۱۷} بَيْنَ وَقَالُوا مُنْكَرِينَ لِّلْبَعْثِ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَا الْمُبْعُوثُونَ ^{۱۸} فِي الِهْمَزَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيقُ وَتَسْهِيلُ الثَّانِيَةِ وَإِذْخَالُ الْفَاءِ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهِينِ ^{۱۹} أَوَابًا وَنَا الْأَوَّلُونَ ^{۲۰} بِسُكُونِ الْوَاوِ عَطْفًا بِأَوِ وَبَفَتْحِهَا وَالِهْمَزَةُ لِّلِاسْتِفْهَامِ وَالْعَطْفُ بِالْوَاوِ وَالْمَعْطُوفُ عَلَيْهِ مَحَلٌّ أَنْ وَاسْمُهَا أَوْ الضَّمِيرُ فِي لَمْبَعُوثُونَ وَالْفَاصلُ بِهِمْزَةُ الْاسْتِفْهَامِ قُلْ نَعَمْ تَبْعُوثُونَ ^{۲۱} وَأَنْتُمْ ذُرِّيُّونَ ^{۲۲} صَاغِرُونَ ^{۲۳} فَإِنَّمَا هِيَ ضَمِيرٌ مُبْتَهَمٌ يُفْسِرُهُ مَا بَعْدَهُ زَجْرَةٌ أَيْ صَيْحَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ أَيْ الْخَلَائِقُ أَحْيَاءُ ^{۲۴} يَنْظُرُونَ ^{۲۵} مَا يَفْعَلُ بِهِمْ وَقَالُوا أَيْ الْكُفَّارُ يَا لَلْتَنِيبِهِ وَلَيْلَانَا بَلَا كُنَّا وَهِيَ مَصْدَرٌ لَا فِعْلَ لَهُ مِنْ لَفْظِهِ وَتَقُولُ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُ الدِّينِ ^{۲۶} أَيْ الْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ بَيْنَ الْخَلَائِقِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَكْذِبُونَ ^{۲۷}

تَرْجُمَہ: شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، قسم ہے صف بستہ ہو کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی جو خود کو عبادت میں صف بستہ کرتے ہیں پھر (قسم) ان فرشتوں کی جو بادلوں کو ڈانٹتے ہیں یعنی ان کو ہانکتے ہیں، پھر ان فرشتوں کی اس جماعت کی جو قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے ہیں اور ذکرِ ا معنی کے اعتبار سے تالیفات کا مصدر ہے، (اے اہل مکہ) بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہی ہے، جو آسمانوں اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے (سب کا) رب ہے اور مشارق کا رب ہے یعنی (مشارق) و مغارب کا رب ہے، سورج کے لئے روزانہ (دنیا میں) مقام طلوع و غروب ہوتا ہے، بے شک ہم ہی نے سماء دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا ہے یعنی ان کی روشنی سے یا خود ستاروں سے (اور بـ زینۃ ن الکواکب میں) اضافت بیانیہ ہے، جیسا کہ (زینۃ) کی تنوین کی قراءت کی صورت میں الکواکب، زینۃ کا بیان ہوگا اور ہم نے (آسمان) کی ہر سرکش شیطان سے حفاظت کی ہے، حفظاً فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اِی حَفِظْنَاہَا حِفْظًا بِالشُّهْبِ، مَنْ کَلَّ مَحْذُوفُ کَے متعلق ہے مَارِدٌ بِمعنی عاتِ ہے، حد طاعت سے خروج کرنے والا، وہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے یعنی آسمان میں (فرشتوں) کی مجلسِ اعلیٰ کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے (وَسَمَاعُهُمْ هُوَ فِی الْمَعْنَى الْمَحْفُوظُ عَنْهُ) یعنی آسمانوں کو ان کے کان لگانے سے محفوظ کر دیا گیا ہے (مطلب یہ ہے کہ آسمان محفوظ ہیں اور سماع محفوظ عنہ نہ کہ برعکس) لَا يَسْمَعُونَ جملہ متانفہ ہے، اور سماع کے، اصغاء کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے الٰہی کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے اور ایک قراءت میں س اور م کی تشدید کے ساتھ ہے يَسْمَعُونَ اصل میں يَتَسَمَّعُونَ تھا، ت کو س میں ادغام کر دیا گیا، اور ان شیاطین کو آسمان سے نکال دینے کے لئے ہر جانب سے انگارے مارے جاتے ہیں دُحُورًا دَحْرَةً کا مصدر ہے، دَحْرَةً طَرْدَهُ کے معنی میں ہے اور ان کو آخرت میں دائمی عذاب ہوگا مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگے تو ایک دہکتا ہوا انگارہ اس کا تعاقب کرتا ہے جو اس کو چھید دیتا ہے، یا جلادیتا ہے یا مخبوط الحواس (باؤلا) کر دیتا ہے تو آپ ان

یعنی کفار مکہ سے اقرار کرانے یا بطور توبیخ کے دریافت فرمائیں آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا ہماری پیدا کی ہوئی یہ چیزیں (یعنی) فرشتے اور آسمان اور زمین اور وہ چیزیں جو ان کے درمیان میں ہیں، اور مَنْ کا استعمال ذوی العقول کو غلبہ دینے کی وجہ سے ہے ہم نے ان کو یعنی ان کی اصل آدم ﷺ کو چپکتی (چکنی) مٹی سے پیدا کیا جو ہاتھ سے چپک جائے (آیت) کے معنی یہ ہیں ان کی تخلیق ضعیف (مادہ) سے ہے، لہذا ان کو نبی اور قرآن کا انکار کر کے تکبر نہیں کرنا چاہئے، جو کہ باسانی ان کی ہلاکت کی طرف مفضی ہے بلکہ آپ تو (ان کی نا سمجھی) پر تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ آپ کے تعجب کرنے کا مذاق اڑاتے ہیں، بَلْ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لئے ہے اور وہ (غرض) آپ کی حالت اور ان کی حالت کی خبر دینا ہے (عَجَبْتَ) کی ت کے فتح کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے یعنی ان کے آپ کو جھٹلانے پر آپ تعجب کرتے ہیں اور جب ان کو قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کرتے اور جب شق قمر کے مانند کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس معجزہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے بھلا (یہ کیسے ہو سکتا ہے) کہ جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم (دوبارہ) زندہ کئے جائیں؟ دونوں جگہوں میں ہمزہ (اول) محقق اور ثانی کی تسہیل (نری) ہے اور دونوں کے درمیان الف داخل کرنا ہے دونوں صورتوں میں اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (اَوْ) واؤ کے سکون کے ساتھ، اَوْ کے ذریعہ عطف ہے اور (اَوْ) واؤ کے فتح کے ساتھ (اور) ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور عطف واؤ کے ذریعہ ہے، اور معطوف علیہ اِنَّ اور اس کے اسم کا محل ہے یا لَمَبْعُوْثُوْنَ میں ضمیر ہے اور فاصل ہمزہ استفہام ہے آپ کہہ دیجئے کہ تم ضرور زندہ کئے جاؤ گے، اور تم ذلیل بھی ہوؤ گے پس وہ (قیامت) تو ایک للکار ہوگی ہسی ضمیر مبہم ہے، مابعد اس کی تفسیر کر رہا ہے، تو اچانک وہ یعنی مخلوق زندہ ہو کر دیکھنے لگے گی، کہ ان کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے؟ اور کفار کہیں گے ہائے ہماری کبختی یا تنبیہ کے لئے ہے وَیَلَدْنَا بِمَعْنٰی هَلَاکُنَا ہے وَیَلْ ایسا مصدر ہے کہ اس کا لفظی فعل نہیں ہے اور فرشتے ان سے کہیں گے یہ جزاء کا دن ہے یعنی حساب اور جزاء کا یہ مخلوق کے درمیان فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: وَالصَّافَّاتِ صَفًّا واؤ، حرف قسم اور جر ہے، اور وَالصَّافَّاتِ مجرور مقسم بہ اور مابعد کا معطوف علیہ ہے۔
قَوْلٌ: اِنَّ الْهَکْمُ جواب قسم ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَحَقِّ الصَّافَّاتِ وَحَقِّ الزَّاجِرَاتِ وَحَقِّ الدَّالِّیَاتِ جار مجرور اقسام فعل محذوف کے متعلق ہے۔

سُؤَالٌ: مذکورہ تینوں صفات میں جو کہ ملائکہ کی ہیں تاء تانیث ہے جو ملائکہ کی انوثت پر دلالت کرتی ہے حالانکہ ملائکہ صفت ذکورت و انوثت سے پاک ہیں۔

جَوَابٌ: ملائکہ چونکہ لفظ کے اعتبار سے مؤنث ہے لہذا اسی اعتبار سے ان کی مذکورہ تینوں صفات کو تانیث کے ساتھ لایا گیا ہے،

جہاں تک انوثت سے ملائکہ کی تزییہ کا سوال ہے تو وہ تانیث معنوی ہے نہ کہ لفظی۔ (صاوی)

قَوْلًا: تَصَفُّ نَفُوسَهَا اس میں اشارہ ہے کہ صافات کا مفعول بہ محذوف ہے اور وہ نفوسہا ہے یا اجنحتہا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ صافات صافۃ کی جمع ہے، معنی میں طائفۃ یا جماعۃ کے ہے۔ (روح المعانی)

قَوْلًا: مَصْدَرٌ مِّنْ مَّعْنَى التَّالِيَاتِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذکراً تالیات کا مفعول مطلق بغیر لفظ ہے اس لئے کہ ذکر تالوۃ کے معنی میں ہے، اسی تالیات تلاوۃ اور بعض حضرات نے ذکر کو قرآن کے معنی میں لیا اس صورت میں ذکر، التالیات کا مفعول ہوگا۔

قَوْلًا: رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ یہ لواحید سے بدل ہے یا اِن کی خبر ثانی ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے، اسی ہُو رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ۔

قَوْلًا: وَرَبُّ الْمَشَارِقِ

سُئِلَ: یہاں تنہا مشارق پر اکتفاء کیوں کیا ہے؟ یعنی رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ نہیں کہا۔

جَوَابُ: یہ سراہیل تَفِيكُمُ الْحَرَّ کے قبیل سے ہے یعنی جس طرح یہاں صرف حَرٌّ پر اکتفاء کیا ہے حالانکہ سراہیل حر اور برد دونوں سے حفاظت کرتا ہے، اب رہا یہ سوال کہ مشارق پر اکتفاء کیا، مغارب پر کیوں نہیں کیا؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابُ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مشارق، مغارب کی بہ نسبت کثیر النفع ہے اس لئے مشارق پر اکتفاء کیا ہے۔

سُئِلَ: یہاں مشارق کو بصیغہ جمع لائے ہیں، اور اس کا مقابل (یعنی مغارب) حذف کر دیا ہے اور سورۃ سأل میں دونوں کو بصیغہ جمع لائے ہیں، اور سورۃ رحمن میں دونوں کو بصیغہ تثنیہ لائے ہیں، اور سورۃ مزمل میں دونوں کو بصیغہ مفرد لائے ہیں، ان تمام مقامات میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

جَوَابُ: دونوں کو جمع لانے کی یہ وجہ ہے کہ روزانہ نیا مشرق اور نیا مغرب ہوتا ہے، لہذا سال میں ۳۶۵ مشرق اور ۳۶۵ مغرب ہوتے ہیں، مفسر علام نے لہا کل یوم مشرق و مغرب سے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، اب رہا سورۃ رحمن میں تثنیہ لانا تو یہ مشرق شتائی اور صیفی (گرمی، سردی) کے اعتبار سے ہے، موسم شتا اور موسم صیف کے اعتبار سے پورے سال میں دو ہی مشرق و مغرب ہوتے ہیں، اور مفرد لانے کی وجہ یہ ہے کہ پورے سال کا ایک مشرق اور ایک مغرب ہوتا ہے۔ (صاوی)

قَوْلًا: بِضَوْنِهَا اس میں مضاف محذوف کی طرف اشارہ ہے، مطلب یہ ہے کہ سماء دنیا کی زینت یا تو کواکب کی روشنی کی وجہ سے ہے یا خود کواکب کی وجہ سے ہے اور اضافت بیانیہ ہے جیسا کہ بلا اضافت یعنی زینۃ کی تئوین کی صورت میں بھی زینۃ مُبَيَّن اور الکواکب اس کا بیان ہے۔

قَوْلًا: مِنْ كُلِّ حِفْظًا مقدر کے متعلق ہے۔

قَوْلًا: لَا يَسْمَعُونَ اصل میں لَا يَتَسَمَّعُونَ تھا، ت، کو سین میں مدغم کر دیا گیا اور سین کو مشدود کر دیا گیا، یعنی وہ کان نہیں لگاتے بالفارسیہ (گوشہ اندازند) ایک قراءت میں لَا يَسْمَعُونَ بھی ہے یعنی وہ نہیں سنتے، وبالفارسیہ (نشنوند)

یَسْمَعُونَ چونکہ اصغاء کے معنی کو شامل ہے اس لئے اس کا صلہ الی لا نا درست ہے۔

قَوْلًا: ہو فی المعنی المحفوظ عنہ یعنی آسمان محفوظ اور سماع محفوظ عنہ ہے نہ کہ برعکس یہ جملہ مستانفہ ہے کیفیت حفظ کو بیان کرنے کے لئے نمونے کے طور پر لایا گیا ہے۔

قَوْلًا: بالشُّہب جمع شہاب کی جیسا کہ کُتِبَ جمع ہے کتاب کی آگ کا شعلہ۔

قَوْلًا: مَارِدٍ جمع مَرَدَّةٌ سرکش جو ہر خیر سے خالی ہو غَضَنُ اَمْرُدٌ وہ شاخ جو برگ و بار سے خالی ہوں رجل اَمْرُدٌ وہ شخص جس کے ڈاڑھی مونچھ کچھ نہ ہو (ن، ک) مُرَدًّا، مَرَادَةٌ سرکش ہونا۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: دُحُورًا مصدر دُحُورًا کے بعد مصدر کے لفظ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ دُحُورًا یُقَذَّفُونَ کا مفعول مطلق بغیر لفظ ہے، اس لئے کہ قَذَفَ بمعنی دَحَرُ ہے ای دَحَرَهُ دَحْرًا اور مفسر علام نے اپنے قول ہو مفعول لہ سے اشارہ کر دیا کہ دُحُورًا یُقَذَّفُونَ کا مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے یعنی دُحُورًا قَذَفَ کی علت ہے، یعنی شہاب سے مارنے کی علت ان کو دفع کرنا ہے، اور دُحُورًا، یُقَذَّفُونَ کی ضمیر سے حال بھی ہو سکتا ہے، ای یُقَذَّفُونَ مَذْحُورِیْنَ، دُحُورًا چونکہ مصدر ہے اس لئے واحد جمع سب پر اطلاق درست ہے۔

قَوْلًا: اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ، الْخَطْفَةُ یہ مفعول مَرَّةً کے لئے ہے جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبَةً میں ہے میں نے اس کو مارا ایک بار یعنی ایک بار اچک لینا، وبالفارسیہ مگر باید یک ربودن والخطف، الاختلاسُ بسرعة (اچک لینا، جھپٹ لینا)۔

قَوْلًا: وَالْاِسْتِثْنَاءُ مِنْ ضَمِيرٍ یَسْمَعُونَ یعنی مَنْ اِسْتِثْنَاءُ کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے اور بدل ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَنْ شرطیہ ہو اور اس کا جواب فَاتَّبَعَهُ ہو، یا مَنْ موصولہ مبتداء ہو اور اس کی خبر فَاتَّبَعَهُ ہو اس صورت میں مستثنیٰ منقطع ہوگا کقولہ تعالیٰ لَنْتَ عَلَیْهِمْ مُصِیْطِرٌ اِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ۔ (جمل)

قَوْلًا: ثاقِب (ن) ثَقْبًا سوراخ کرنا، چھید کرنا۔

قَوْلًا: اَوْ یُخْرِقُهُ اَوْ یُخْبِلُهُ، اَوْ تنويع کے لئے ہے نہ کہ تردید کے لئے خَبِلٌ (ن) خبلاً عقل کو تباہ کرنا، خراب کرنا۔

قَوْلًا: هُوَ الْاِخْبَارُ بِحَالِهِ اَوْ حَالِهِمْ یہ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کی وضاحت ہے، مطلب یہ ہے کہ سابقہ آیت میں مشرکین کی حالت کا بیان تھا، اور بَلْ عَجِبْتَ سے آپ ﷺ کی حالت کا بیان ہے۔

قَوْلًا: اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا (الآیة) ہمزہ استفہام انکاری ہے جو فعل محذوف پر داخل ہے، ای اُنْبَعَثْ اِذَا مِتْنَا، اِذَا ظرفیہ کا عامل محذوف ہے، یعنی نبعث جس پر لَمْ يَبْعُوْهُنَّ دلالت کر رہا ہے، خود لَمْ يَبْعُوْهُنَّ اِذَا میں عامل نہیں ہے اس لئے کہ عامل و معمول کے درمیان ہمزہ استفہام جو کہ صدارت کو چاہتا ہے مانع موجود ہے۔

قَوْلًا: اَوْ اَبَاؤُنَا الْاَوَّلُونَ اَوْ میں دو قراءتیں ہیں، جمہور کے نزدیک وَاَوَّلُ کے فتح کے ساتھ ہے یعنی اَوْ اور ابن عامر اور

قالون نے سکون واؤ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اَوْ اس صورت میں اَوْ حرف عطف ہوگا اس پر ہمزہ استفہام کا نہیں ہوگا اَوْ اَبَاؤَنَا الْاَوَّلُونَ میں ایک ترکیب یہ ہے کہ اَوْ اَبَاءُ نَا الْاَوَّلُونَ مبتداء ہو، مَبْعُوْثُوْنَ اس کی خبر محذوف اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اسمِ اِنّ کے محل پر عطف ہے، اور بعض نے کہا ہے لمبوعوثون کی ضمیر مستتر پر عطف ہے مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ ضمیر مرفوع پر جب عطف ہوتا ہے تو اس کی تاکید ضمیر منفصل سے لانی ضروری ہوتی ہے، وہ یہاں نہیں ہے۔

جواب: فصل بھی قائم مقام ضمیر کے ہوتا ہے اور یہاں ہمزہ استفہام کا فصل موجود ہے، مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ ہمزہ استفہام کی صدارت باطل ہو جائے گی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرا ہمزہ پہلے ہمزہ ہی کی تاکید ہے تو گویا کہ دوسرا ہمزہ بعینہ پہلا ہمزہ ہے، لہذا دوسرا ہمزہ منوی طور پر مقدم ہوگا جس کی وجہ سے اس کی صدارت باطل نہ ہوگی۔

(اعراب القرآن وفتح القدیر شوکانی)

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِیْحِ

یہ سورت مکی ہے، دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت کے مرکزی مضامین بھی عقائد و ایمانیات ہیں، ان میں توحید، رسالت اور آخرت سرفہرست ہیں، مذکورہ مضامین کو مختلف طریقوں سے مدلل کیا گیا ہے، اس کے بعد مشرکین کے شبہات و اعتراضات کو دفع کرنے کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ ماضی میں جن لوگوں نے ان عقائد کو تسلیم کیا، اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ کیا معاملہ رہا؟ اور جنہوں نے کفر و سرکشی اختیار کی ان کا کیا انجام ہوا؟ اسی مضمون کے ضمن میں حضرت نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادگان حضرت موسیٰ و ہارون، حضرت الیاس، حضرت لوط اور حضرت یونس علیہم السلام کے واقعات اجمال و تفصیل کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، مشرکین مکہ کا ایک خاص قسم کا شرک یہ تھا کہ وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے، آخر میں اس عقیدے کی تفصیل کے ساتھ تردید کی گئی ہے، سورت کے مجموعی مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت میں شرک کے اس خاص قسم کی تردید بطور خاص پیش نظر ہے۔

پہلا مضمون توحید:

سورت کو عقیدہ توحید کے بیان سے شروع کیا گیا ہے، پہلی چار آیتوں کا اصل مقصد یہ بیان کرنا ہے اِنَّ الْهٰكُمَ لَوَاحِدٌ (بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہی ہے) اس بات کو مؤکد کرنے کے لئے تین قسمیں کھائی گئی ہیں، اور قسموں میں صفات کا ذکر کیا گیا ہے مگر موصوف محذوف ہے، قسموں کا ترجمہ یہ ہے ”قسم ہے صف بستہ کھڑے ہونے والوں کی، قسم ہے ڈانٹ ڈپٹ کرنے والوں کی، قسم ہے ذکر کی تلاوت کرنے والوں کی“، یہ صف بستہ کھڑے ہونے والے، ڈانٹ ڈپٹ کرنے والے، ذکر کی تلاوت کرنے والے کون ہیں؟ قرآن کریم کے الفاظ میں اس کی صراحت نہیں ہے، اس لئے ان کی تفسیروں میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان سے مراد اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین ہیں، جو میدان میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے

ہیں، اور دشمن کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں، اور صف آراء ہوتے وقت ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان سے مراد وہ نمازی ہیں جو کہ مسجد میں صف بستہ ہو کر شیطانی افکار و اعمال پر بندش عائد کرتے ہیں اور اپنا پورا دھیان ذکر و تلاوت پر مرکوز کرتے ہیں (تفسیر کبیر، معارف) مذکورہ صفات کے موصوف کے بارے میں رائج قول یہ ہے کہ وہ فرشتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فرشتوں کی قسم کھانے کی کیا وجہ ہے؟

اس سورت میں خاص طور سے فرشتوں کی قسم کھانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سورت کا مرکزی مضمون شرک کی اس خاص قسم کی تردید ہے جس کے تحت مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے، چنانچہ سورت کے شروع میں فرشتوں کے وہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں جن سے ان کی مکمل بندگی کا اظہار ہوتا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کے ان اوصاف بندگی پر غور کرو گے تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رشتہ باپ بیٹی کا نہیں بلکہ بندہ اور آقا کا ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کا حکم:

قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے ایمان و عقائد کے بہت سے اصولی مسائل کی تاکید کے لئے مختلف طرح کی قسم کھائی ہے، کبھی اپنی ذات کی، کبھی اپنی مخلوقات میں سے خاص خاص اشیاء کی، اللہ تعالیٰ کے قسم کھانے میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ غنی الاغنیاء ہیں اس کو کیا ضرورت کہ کسی کو یقین دلانے کے لئے قسم کھائیں، دوسری بات یہ کہ جو مومن ہیں ان کو یقین دلانے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت ہی نہیں، اس لئے وہ تو بغیر قسم ہی یقین کرتے ہیں، اور جو کافر ہیں وہ قسم سے بھی یقین نہیں کرتے تو پھر قسم کھانے سے کیا فائدہ؟

اتقان میں ابوالقاسم قشیری سے اس سوال کا جواب یہ مذکور ہے کہ حق تعالیٰ کو قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مگر اس کو جو شفقت و رحمت اپنی مخلوق پر ہے وہ اس کی داعی ہوئی کہ کسی طرح یہ لوگ حق کو قبول کر لیں اور عذاب سے بچ جائیں، علاوہ ازیں عرف میں قسم کا مقصد تاکید اور شک دور کرنا ہوتا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں قسم اس شک کو دور کرنے کے لئے کھائی ہے جو مشرکین اس کی وحدانیت والوہیت کے بارے میں پھیلاتے تھے، اس کے علاوہ ہر چیز اللہ کی مخلوق و مملوک ہے اس لئے وہ جس چیز کو بھی گواہ بنا کر اس کی قسم کھائے اس کے لئے جائز ہے لیکن انسان کے لئے غیر اللہ کی قسم کھانا بالکل جائز نہیں ہے، حضرت حسن بصری فرماتے ہیں، اِنَّ اللّٰهَ يَقْسِمُ بِمَا شَاءَ مِنْ خَلْقِهِ لَيْسَ لِحَدِّ اَنْ يَقْسِمَ اِلَّا بِاللّٰهِ رواہ ابن ابی حاتم (مظہری) اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھائے مگر کسی دوسرے کے لئے اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں۔

مخلوقات میں جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، کہیں تو اس چیز کی عظمت و فضیلت کا بیان مقصود ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن

کریم میں آپ ﷺ کی عمر کی قسم کھائی گئی ہے، لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق اور کوئی چیز دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے زیادہ معزز و مکرم نہیں پیدا کی، یہی وجہ ہے کہ پورے قرآن میں سوائے آپ ﷺ کے کسی نبی اور رسول کی ذات کی قسم نہیں کھائی گئی۔

فاسْتَفْتِهِمْ اس استفہام کا مقصد تو بیخ و تقریر ہے، اور بعث بعد الموت کے منکرین پر رد کرنا ہے اس لئے کہ وہ بعث بعد الموت کو محال سمجھتے تھے، حاصل رد یہ ہے کہ اگر استحالہ اس وجہ سے ہے کہ انسان کے مرنے گلنے اور سڑنے کے بعد مادہ معدوم ہو جاتا ہے تو یہ مردود اور غیر مسلم ہے اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انسانی اجزاء مٹی ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ان اجزاء پر اپنی قدرت سے بارش برسا کر مٹی طین ہو جائے اور آدم علیہ السلام کو طین سے پیدا کیا تھا اِنَّا خَلَقْنَا هُمْ (ای اصلہم) من طینٍ لَّازِبٍ یا استحالہ کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ حق تعالیٰ کو اس پر قدرت حاصل نہ ہو یہ بھی مردود اور غیر مسلم ہے، اس لئے کہ جو ذات آسمان و زمین، شمس و قمر جیسی عظیم مخلوق کے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ انسان جیسی صغیر و حقیر چیز کے پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں ہے؟

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ (الآیۃ) یعنی آپ کو تو منکرین آخرت کے انکار پر تعجب ہو رہا ہے کہ اس کے امکان بلکہ وجوب کے اتنے سارے واضح عقلی دلائل کے باوجود وہ اسے مان کر نہیں دے رہے ہیں، اور مزید براں آپ کے دعوائے قیامت کا مذاق اڑا رہے ہیں، کہ یہ کیونکر ممکن ہے؟ رہے نقلی دلائل تو ان کے بارے میں ان کا شیوہ یہ ہے وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ یعنی جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جو آپ کی نبوت اور عقیدہ آخرت پر دلالت کرتا ہے تو یہ اسے بھی تمسخر میں اڑا کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے، اور اس استہزاء اور تمسخر کی ان کے پاس ایک ہی دلیل ہے اور وہ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا (الآیۃ) ہے یعنی یہ بات ہمارے تصور میں نہیں آتی کہ ہم یا ہمارے آباء و اجداد خاک ہو جانے اور ہڈیاں رہ جانے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ کر دیئے جائیں گے؟ اس لئے ہم نہ کوئی عقلی دلیل مانتے ہیں اور نہ کسی معجزے وغیرہ کو تسلیم کرتے ہیں، حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں آخر میں صرف ایک جملہ فرمایا قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ ہاں تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور ذلیل و خوار ہو کر زندہ ہوؤ گے۔

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ اس سے نکتہ ثانیہ مراد ہے، جس کے پھونکنے کے بعد تمام مخلوق زندہ ہو جائے گی (قرطبی) اگرچہ باری تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ صور پھونکنے بغیر ہی مردوں کو زندہ کر دے، لیکن یہ صور حشر و نشر کے منظر کو پر ہیبت بنانے کے لئے پھونکا جائے گا۔ (تفسیر کبیر، معارف)

وَيَقَالُ الْمَلَائِكَةُ أَلْحَسُّوا الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُم بِالْشِّرْكِ وَأَزْوَاجَهُمْ قُرْنَاءَ بِمِثْلِ مَا ظَلَمُوا وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۖ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ اٰی غَیْرِہِ مِنَ الْاَوْثَانِ فَاهْدُوهُمْ دَلُّوْهُمْ وَسَوْفَ یُؤْتِیْہِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّجِیْمٍ ۝ طَرِیْق

النَّارِ وَقَفُّهُمْ أَحْبَسُوهُمْ عِنْدَ الصَّرَاطِ ۝^{۱۲} إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ۝^{۱۳} عَنْ جَمِيعِ أَقْوَالِهِمْ وَأَفْعَالِهِمْ وَيُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيخًا
 مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ۝^{۱۴} لَا يَنْصُرُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا كَحَالِكُمْ فِي الدُّنْيَا وَيُقَالُ لَهُمْ بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ۝^{۱۵} مُنْقَادُونَ
 أَذِلَّةٌ ۝^{۱۶} وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝^{۱۷} يَتَلَاوَمُونَ وَيَتَخَصَّمُونَ ۝^{۱۸} قَالُوا أَيِ الْاِتِّبَاعِ مِنْهُمْ لِمَتَّبِعِينَ
 إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۝^{۱۹} عَنِ الْجَهَةِ الَّتِي كُنَّا نَأْمَنُكُمْ مِنْهَا بِحَلْفِكُمْ أَنْكُمْ عَلَى الْحَقِّ فَصَدَّقْنَاكُمْ
 وَاتَّبَعْنَاكُمْ ۝^{۲۰} الْمَعْنَى أَنْكُمْ أَضَلَلْتُمُونَا قَالُوا أَيِ الْمَتَّبِعُونَ لَهُمْ بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝^{۲۱} وَإِنَّمَا يَصْدُقُ الْإِضْلَالُ
 بِمَا أَنْ لَوْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَرَجَعْتُمْ عَنِ الْإِيمَانِ إِلَيْنَا وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ قُوَّةٍ وَقُدْرَةٍ تَقْهَرُكُمْ عَلَى
 مُتَابَعَتِنَا بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَغَيْنَ ۝^{۲۲} ضَالِّينَ مِثْلَنَا فَحَقَّ وَجِبَ عَلَيْنَا جَمِيعًا قَوْلُ رَبِّنَا ۝^{۲۳} بِالْعَذَابِ أَيِ قَوْلِهِ لَا مَلَأَنَّ جَهَنَّمَ
 مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝^{۲۴} إِنَّا جَمِيعًا لَذَائِقُونَ ۝^{۲۵} الْعَذَابِ بِذَلِكَ الْقَوْلِ وَنَشَأَعنه قَوْلُهُمْ فَأَعْوَيْنَكُمْ الْمَعْلُلُ
 بِقَوْلِهِمْ إِنَّا كُنَّا غَوِينَ ۝^{۲۶} قَالَ تَعَالَى ۝^{۲۷} فَإِنَّهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝^{۲۸} لَا شِرْكَاءَ لَهُمْ فِي الْغَوَايَةِ
 إِنَّا كَذَلِكَ كَمَا نَفْعَلُ بِهَؤُلَاءِ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝^{۲۹} غَيْرِ هَؤُلَاءِ أَيِ التَّابِعِ مِنْهُمْ وَالْمَتَّبِعِ ۝^{۳۰} إِنَّهُمْ أَيِ هَؤُلَاءِ بِقَرِينَةٍ
 مَابَعْدَهُ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝^{۳۱} وَيَقُولُونَ إِنَّا فِيْ بَسْمَرَتِيْهِ مَا تَقَدَّمَ لَتَرْكُوا إِلَهَنَا الشَّاعِرِ مَجْنُونٍ ۝^{۳۲}
 أَيِ لِأَجْلِ قَوْلِ مُحَمَّدٍ قَالَ تَعَالَى بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ۝^{۳۳} الْجَائِينَ بِهِ وَهُوَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِنَّكُمْ فِيهِ
 الْتِفَاتٌ لَذَائِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمَ ۝^{۳۴} وَمَا تُحْزَنُونَ إِلَّا جَزَاءَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝^{۳۵} الْإِعْبَادِ لِلَّهِ الْمُخْلِصِينَ ۝^{۳۶} أَيِ الْمُؤْمِنِينَ
 اسْتِثْنَاءً مُنْقَطِعٍ أَيِ ذِكْرِ جَزَائِهِمْ فِي قَوْلِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ فِي الْجَنَّةِ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ۝^{۳۷} بُكْرَةً وَعَشِيًّا فَوَاكِهِ بَدَلٌ أَوْ بَيَانٌ
 لِلرِّزْقِ وَبِهِ مَا يُؤْكَلُ تَلَذُّذًا لَا لِحِفْظِ صِحَّةٍ لِأَنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ مُسْتَعْنُونَ عَنْ حِفْظِهَا بِخَلْقِ أَجْسَادِهِمْ لِلْأَبَدِ
 وَهُمْ مُكْرَمُونَ ۝^{۳۸} بِثَوَابِ اللَّهِ ۝^{۳۹} فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ۝^{۴۰} عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ۝^{۴۱} لَا يَرَى بَعْضُهُمْ قَفَا بَعْضٍ يُطَافُ عَلَيْهِمْ عَلَى
 كُلِّ مِنْهُمْ بِكَأْسٍ هُوَ الْإِنَاءُ بِشَرَابِهِ ۝^{۴۲} مِنْ مَّعِينٍ ۝^{۴۳} مَنْ خَمْرٍ يَجْرِي عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ كَأَنَّهُارِ الْمَاءِ بَيَضَاءً
 أَشَدَّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ لَذَّةٌ لَذِيذَةٌ لِلشَّارِبِينَ ۝^{۴۴} بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا فَانْهَاجَتْ كَرِيمَةً عِنْدَ الشُّرْبِ لَا فِيهَا عَوْلٌ مَا
 يَغْتَالُ عَقُولَهُمْ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ۝^{۴۵} بِفَتْحِ الزَّايِ وَكَسْرِهَا مِنْ نَزَفَ الشَّارِبُ وَأَنْزَفَ أَيِ يَسْكُرُونَ
 بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا وَعِنْدَهُمْ قَصْرُ الطَّرْفِ حَابِسَاتُ الْأَعْيُنِ عَلَى أَزْوَاجِهِنَّ لَا يَنْظُرْنَ إِلَى غَيْرِهِمْ
 لِخُسْنِهِمْ عِنْدَ بَيْنِ عَيْنٍ ۝^{۴۶} ضَخَامُ الْأَعْيُنِ حَسَانُهَا كَأَنَّهُنَّ فِي اللَّوْنِ بَيَاضٌ لِلنَّعَامِ مَكْنُونٌ ۝^{۴۷} مُسْتَوْرٍ بِرَيْشِهِ لَا
 يَصِلُ إِلَيْهِ غُبَارٌ وَلَوْنُهُ وَهُوَ الْبَيَاضُ فِي صَفَرَةٍ أَحْسَنُ أَلْوَانِ النِّسَاءِ ۝^{۴۸} فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا أَهْلَ الْجَنَّةِ
 عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝^{۴۹} عَمَّا مَرَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا.

تَرْجُمَةُ: اور فرشتوں سے کہا جائے گا ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اور ان کے شیطانی رفیقوں

کو اور ان کے معبودوں کو جن کی وہ خدا کے علاوہ بندگی کیا کرتے تھے کہ وہ بت ہیں جمع کر لو اور ان کو جہنم کا راستہ دکھلا دو اور گھسیٹ کر لے جاؤ اور ان کو صراط کے پاس ٹھہراؤ ان سے ان کے تمام اقوال و افعال کے بارے میں سوال کرنا ہے اور ان سے توبیخاً کہا جائے گا تم کو کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ جیسا کہ دنیا میں تمہارا طریقہ تھا، اور ان (کی حالت کے بارے میں) کہا جائے گا بلکہ وہ آج سرنگوں ذلیل ہوں گے اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے کو ملامت اور الزام تراشی کریں گے ان میں سے تابعین متبوعین سے کہیں گے تم ہمارے پاس حلفیہ طریقہ سے آتے تھے ہم تمہاری اس قسم کی وجہ سے کہ تم حق پر ہو تمہارا یقین کر لیتے تھے، اور تمہاری اتباع کر لیتے تھے، مطلب یہ ہے کہ تم ہی نے ہم کو گمراہ کیا تھا، متبوعین ان سے کہیں گے نہیں بلکہ (حقیقت) یہ ہے کہ تم خود ہی مومن نہیں تھے، ہماری طرف سے گمراہ کرنا اس وقت صادق آتا کہ تم مومن ہوتے پھر ایمان سے پھر جاتے اور ہمارا تم پر کوئی زور اور قدرت تو تھی نہیں کہ ہم تم کو اپنی اتباع پر مجبور کرتے بلکہ تم خود ہی ہمارے مانند گمراہ لوگ تھے، تو ہم سب پر ہمارے رب کے عذاب کی وعید (یعنی) لَا مُلَآئَ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِينَ ثابت ہو گئی، (اب) ہم سب کو اس وعید کے مطابق عذاب کا مزا چکھنا ہے اور قول رب (یعنی وعید مذکور) سے ان کا قول فَأَغْوَيْنَاكُمْ ثابت ہو گیا، یعنی ہمارا تم کو (قضاء و قدر) کی وجہ سے گمراہ کرنا ثابت ہو گیا (لہذا ہمارے تم کو گمراہ کرنے کی وجہ سے ہم پر تم کو غصہ نہ ہونا چاہئے) فَأَغْوَيْنَاكُمْ یہ معلول ہے ان کے قول اِنَّا كُنَّا غَاوِينَ کا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ وہ سب تابعین اور متبوعین قیامت کے دن عذاب میں شریک ہوں گے، ان کے گمراہی میں مشترک ہونے کی وجہ سے ہم جیسا کہ ان کے ساتھ کر رہے ہیں ان کے علاوہ ہر مجرم کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں، یعنی تابع اور متبوع کو عذاب دیتے ہیں وہ یعنی مابعد کے قرینہ سے یہی لوگ (مراد ہیں) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰہُ کہو تو یہ لوگ تکبر کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک شاعر مجنون کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ یعنی محمد ﷺ کے کہنے سے، بات ایسی نہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ حق لے کر آیا ہے اور حق لانے والا رسولوں کی تصدیق کرتا ہے اور حق لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰہُ ہے یقیناً تم دردناک عذاب کا مزا چکھنے والے ہو، اس میں (غیبت سے خطاب کی طرف) التفات ہے تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے، مگر اللہ کے مخلص بندے یعنی مومنین یہ مستثنیٰ منقطع ہے، ان کی جزاء اللہ تعالیٰ کے قول اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ (الآیہ) میں ذکر کی گئی ہے یہی ہیں وہ لوگ جن کا رزق جو کہ میوے ہیں جنت میں وقت مقررہ پر (پابندی سے) صبح و شام ملے گا فَوَاكِهُ، رِزْقٌ سے بدل ہے، یا عطف بیان ہے فَوَاكِهُ ان پھلوں اور میووں کو کہا جاتا ہے جو تلذذ کے طور پر کھائے جاتے ہیں نہ کہ بقاء صحت کے لئے، اس لئے کہ جنتی بقاء صحت سے مستغنی ہوں گے، اس لئے کہ ان کے اجسام کی تخلیق ابد الابد کے لئے ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے نعمتوں والی جنت میں ان کا اکرام کیا جائے گا حال یہ ہے کہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے کوئی کسی کی گدّی (پشت) کو نہ دیکھے گا اور ان میں سے ہر ایک پر بہتی ہوئی صاف شراب کے جام کا دور چلایا جائے گا، کاس اس جام کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو (ورنہ تو قدح کہلاتا ہے) مَعِينِ وہ شراب جو سطح زمین پر پانی کے مانند جاری ہو وہ دودھ سے بھی زیادہ سفید ہوگی پینے

والوں کے لئے نہایت لذیذ ہوگی بخلاف دنیا کی شراب کے کہ وہ پینے میں بدمزہ ہوتی ہے نہ اس میں درد سر ہوگا کہ ان کے عقلوں میں فتور ڈال دے اور نہ اس کی وجہ سے بدحواس ہوں گے (يَسْزِفُونَ) میں ز کے فتح اور کسرہ کے ساتھ یہ نَزَفَ الشارب انزف سے ماخوذ ہے، یعنی بدمست نہ ہوں گے بخلاف دنیوی شراب کے کہ (اس سے بدمستی ہوتی ہے) اور ار کے پاس نیچی نگاہوں والی (شریعی) یعنی وہ اپنی نظروں کو اپنے شوہروں تک محدود رکھنے والی ہوں گی، دوسروں کی طرف نظر نہ اٹھائیں گی اس لئے کہ ان کے شوہران کی نظر میں (سب سے زیادہ) حسین ہوں گے، بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی ہوں گی گویا کہ وہ رنگ میں شتر مرغ کے انڈے ہیں، جو اس کے پروں میں مستور ہیں، ان تک غبار کی رسائی نہیں ہوئی اور ان کا رنگ سفید زردی آمیز ہوگا، جو کہ عورتوں کا حسین ترین رنگ سمجھا جاتا ہے جنتی ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر دنیا کی سرگذشت کے بارے میں باتیں کریں گے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اُخْشِرُوا تم جمع کرو حشر سے جمع مذکر حاضر ہے (ن، ض)۔
قَوْلُهُ: اَنْفُسُهُمْ بِالْشِّرْكِ، اَنْفُسُهُمْ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ ظَلَمُوا کا مفعول محذوف ہے اور بِالْشِّرْكِ میں باسیہ ہے یعنی انہوں نے شرک کے سبب سے اپنے اوپر ظلم کیا۔
قَوْلُهُ: قَفَّوْهُمْ امر جمع مذکر حاضر معروف (ن، ض) وَقَفًّا وَقُفًّا لازم و متعدی دونوں طرح مستعمل ہے کھڑا کرنا، کھڑا ہونا یہاں متعدی ہے ان کو روکو۔

قَوْلُهُ: تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ، عَنِ الْيَمِينِ تَأْتُونَنَا کی ضمیر سے حال ہے اِی تَأْتُونَنَا اقویاء یمین کے ایک معنی ہیں دایاں ہاتھ، مقصد اظہار قوت ہے، اس لئے کہ دائیں ہاتھ میں قوت زیادہ ہوتی ہے، دوسرے معنی ہیں قسم چونکہ متعاقبین بیع کو تمام اور پختہ کرنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے تھے، جس طرح قسم سے بات پختہ ہو جاتی ہے، اسی طرح عرب کے عرف میں ہاتھ پر ہاتھ مارنے سے بیع تام اور پختہ ہو جاتی تھی، فقہی اصطلاح میں اس کو ”صفقہ“ کہتے ہیں، اس کے معنی تالی بجانا اس معنی کے اعتبار سے تقدیر عبارت یہ ہوگی تَأْتُونَنَا حَالِفِينَ۔

قَوْلُهُ: يَتَسَاءَلُونَ کی تفسیر يَتَسَاءَلُونَ وَيَتَخَصَّمُونَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں تساؤل سے مراد، خیر خیریت معلوم کرنا نہیں ہے بلکہ لعنت ملامت اور الزام تراشی مراد ہے مشرکین کے بارے میں دوسری جگہ کہا گیا ہے كَلَّمَا دَخَلْتَ اُمَّةً لَعَنْتَ اُخْتَهَا بخلاف جنت میں مومنین کے تساؤل کے کہ وہ شکر اور تحدیثِ نعمت کے طور پر ہوگا۔

قَوْلُهُ: قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ الْآیۃ رؤساء مشرکین نے کمزور طبقہ کے مشرکین کے الزاموں کے پانچ جواب دیے ہیں، ان میں سے یہ پہلا ہے اور آخری فَأَعْوَيْنَاكُمْ اِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ہے، مطلب یہ ہے کہ تم کبھی بھی مومن نہیں تھے، لہذا

رے گمراہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہم پر گمراہ کرنے کا الزام تو اس وقت صادق آسکتا تھا کہ پہلے تم ایمان لائے ہوتے۔ ہمارے گمراہ کرنے کی وجہ سے ایمان ترک کر کے کفر کو اختیار کیا ہوتا۔

قُلْ لَّیْسَ بِیْهِ اِنْکُمْ، فِیْهِ التَّفَاتُ یعنی غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے، کانوا اِذَا قِیلَ لَهُمْ فِیْ غَائِبٍ کَاصِغَةٍ اسْتِعْمَالِ ہے، اور زیادتی تَفْجِیحِ کے لئے غیبت سے خطاب کی جانب التفات کیا ہے۔

قُلْ لَّیْسَ بِیْهِ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ وَاَوْعَاطِفٌ ہے، مانا فیه ہے تُجْزَوْنَ مَنِیْ لِلْمَفْعُولِ ہے، اس کے اندر ضمیر نائب مل ہے اِلَّا حرف استثناء ہے اور ما مفعول بہ ثانی ہے اور اس سے پہلے مضاف محذوف ہے، اِیْ مَا تُجْزَوْنَ اِلَّا جَزَاءُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

قُلْ لَّیْسَ بِیْهِ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلِصِیْنَ اِلَّا حرف استثناء بمعنی لکن ہے اس لئے کہ یہ استثناء منقطع ہے، عِبَادَ اللّٰهِ تُجْزَوْنَ ضمیر سے مشتق ہے۔

قُلْ لَّیْسَ بِیْهِ اَوْلَیْکَ لَہُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ کلام متانف ہے۔

قُلْ لَّیْسَ بِیْهِ بِکَاسٍ، کَاسٌ پِیَالہ جبکہ اس میں شراب ہو اور خالی ہو تو اس کو قَدْحُ کہتے ہیں، اس کی جمع اکوَّاسٌ و کُوَّوْسٌ آتی ہے۔

قُلْ لَّیْسَ بِیْهِ بَیْضَاءُ یہ کَاسٌ کی صفت بھی ہو سکتی ہے اور خمر کی بھی اس لئے کہ یہ دونوں ہی مَوْنُثِ سَمَاعِی ہیں۔

قُلْ لَّیْسَ بِیْهِ لَذَّةٌ یا تو صفت مشبہ کا صیغہ ہے جیسا کہ صَعْبٌ سَهْلٌ تو اس صورت میں مشتق ہوگا اور اس کا صفت بنانا ظاہر ہے اور مصدر ہے تو صفت مبالغۃ ہوگی، یا پھر مضاف محذوف ہوگا، اِنِّیْ ذَاتَ لَذَّةٍ۔

قُلْ لَّیْسَ بِیْهِ غَوْلٌ اسم فعل ہے اور مصدر بھی مستعمل ہے، نشہ، درد سر، مستی، بگاڑ، فساد، اچانک ہلاک کر دینا (ن) یعنی جنت کی اب میں نہ بد مستی ہوگی اور نہ فساد عقل، اور نہ درد سر بخلاف دنیا کی شراب کے۔

قُلْ لَّیْسَ بِیْهِ یُنْزَفُونَ نَزْفٌ سے مضارع مجہول جمع مذکر غائب (ض) ان کی عقل میں فتور نہ آئے گا۔

قُلْ لَّیْسَ بِیْهِ عَیْنٌ یہ عَیْنَاءُ کی جمع ہے، بڑی آنکھوں والیاں۔

قُلْ لَّیْسَ بِیْهِ بَیْضٌ مَّکْنُونٌ، بَیْضٌ بَیْضَةٌ کی جمع ہے لہذا جمع کے اعتبار سے مَکْنُونَةٌ ہونا چاہئے۔

قُلْ لَّیْسَ بِیْهِ: جس جمع کے واحد اور جمع میں ”ة“ سے فرق ہوتا ہے اس میں تذکیر و تانیث مساوی ہوتی ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحُ

اُحْشَرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوا اَنْفُسَهُمْ یہ اللہ تعالیٰ کا ملائکہ کو خطاب ہے، یا بعض ملائکہ کا بعض کو خطاب ہے ابن ابی حاتم، ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کیا ہے تَقُولُ الْمَلَائِکَةُ لِلزَّبَانِیَّةِ اُحْشَرُوا الخ یعنی ان ظالموں کو اور ان ہم مشربوں کو جنہوں نے شرک کے ظلم عظیم کا ارتکاب کیا ہے جمع کرلو، یہاں ہم مشربوں کے لئے اَزْوَاجِ کالِفظ استعمال

ہوا ہے، اس کے لفظی معنی جوڑے کے ہیں، اور یہ لفظ بیوی اور شوہر کے معنی میں بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے، اس لئے مفسرین نے اس کے معنی مشرکہ بیوی کے کئے ہیں، لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں ازواج سے شرک و کفر اور تکذیب رسل میں ہم خیال وہم مشرب لوگ مراد ہیں، اس کی تائید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے، اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہاں ازواج سے ان کے جیسے (ہم خیال) لوگ مراد ہیں، اَخْرَجَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَغَيْرُهُمَا مِنْ طَرِيقِ نَعْمَانَ بْنِ بَشِيرٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ اِنَّهُ قَالَ اَزْوَاجُهُمْ اَمْثَالُهُمُ الَّذِيْنَ هُمْ مِثْلُهُمْ چنانچہ سودخور سودخوروں کے ساتھ اور زانی زانیوں کے ساتھ اور شرابی شرابیوں کے ساتھ جمع کئے جائیں گے۔ (روح المعانی)

وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ یعنی مشرکوں کے ساتھ ان صنمی معبودوں کو بھی جمع کیا جائے گا، تاکہ ان کو حسرت اور شرمندگی زیادہ ہو، اور مشرکوں کو اپنے معبودوں کی بے بسی کا اچھی طرح نظارہ کرایا جائے، کہا گیا ہے کہ ”ما“ چونکہ عام ہے ہر معبود کو شامل ہے حتیٰ کہ ملائکہ مسیح و عزیر علیہ السلام کو بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو اپنے قول اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی کے ذریعہ خاص کر لیا ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ”ما“ سے اصنام و اوثان کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ لفظ ما غیر ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور یہاں سلسلہ کلام بھی ان مشرکین کے بارے میں ہے جو بت پرستی کرتے تھے۔ (روح المعانی) اس کے بعد فرشتوں کو حکم ہوگا کہ فَاهْذُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِيْمِ یعنی ان کو جہنم کی راہ دکھاؤ۔ یہ حکم یا تو اماکن مختلفہ سے میدان حشر میں جمع کرنے کے لئے ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ یہ حکم میدان حشر سے جہنم کی طرف لیجانے کے لئے ہوگا۔ (روح المعانی) جب فرشتے ان کو لے چلیں گے اور پل صراط کے قریب پہنچیں گے تو حکم ہوگا وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ان کو روکو ان سے سوال ہوگا، چنانچہ اس مقام پر ان کے عقائد و اعمال کے بارے میں سوالات کئے جائیں گے جن کا ذکر قرآن و حدیث میں بہت سے مقامات پر آیا ہے۔ (معارف)

وَاقْبَلْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ يَّتَسَاءَلُوْنَ میدان حشر میں جمع ہونے کے بعد جب کافروں کے بڑے بڑے سردار جنہوں نے چھوٹے لوگوں کو دنیا میں بہکایا تھا ملاقات کریں گے تو آپس میں ایک دوسرے پر لعنت ملامت اور الزام تراشی کریں گے آئندہ آیتوں میں ان کے آپسی بحث و تکرار کا کچھ نقشہ کھینچ کر فریقین کا انجام بد بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنََنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ”یمین“ کے متعدد معانی آتے ہیں ایک معنی قوت و طاقت کے بھی ہیں اس معنی کے اعتبار سے تفسیر یہ ہوگی کہ ہم پر تمہاری آمد بڑے زور کی ہوا کرتی تھی، یعنی تم ہم پر خوب دباؤ ڈال کر ہمیں گمراہ کیا کرتے تھے، اس کے علاوہ یَمِيْنُ کے ایک معنی قسم کے بھی ہیں، اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلایا کرتے تھے، اور یہ باور کرانے کی کوشش کیا کرتے تھے کہ ہم حق پر ہیں، ہمیں تمہاری قسموں کی وجہ سے تمہاری باتوں پر یقین آجایا کرتا تھا جس کی وجہ سے ہم گمراہ ہو گئے، آج جس کی سزا بھگت رہے ہیں، الفاظ قرآنی کے اعتبار سے یہ دونوں ہی تفسیریں بے تکلف ہیں، ان دونوں میں بھی پہلی بے غبار اور صاف ہے۔ (روح المعانی) علامہ محلی نے دوسری تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

قَالُوا ای المتبوعون لَهُمْ یہ کلام مستأنف ہے، گویا کہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب قوم کے کمزور اور کم حیثیت طبقہ کے لوگوں نے رؤساء قوم کو مورد الزام اور قصور وار ٹھہرایا تو رؤساء قوم نے اس کا کیا جواب دیا؟ مذکورہ کلام سے رؤساء و سرداروں کا جواب نقل فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمہارا ہم کو قصور وار ٹھہرانا غلط ہے، اس لئے کہ ہمارا تم پر کوئی زور نہیں تھا، ہماری کیا مجال تھی کہ ہم تم کو کفر و شرک پر مجبور کرتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم خود گمراہ اور سرکش تھے، قرآن کریم نے ضعفاء اور رؤساء کی بحث و تکرار اور اس کے نمونے مختلف مقامات پر ذکر فرمائے ہیں، ان کی ایک دوسرے پر الزام تراشی اور لعنت ملامت میدان حشر میں بھی ہوگی، اور جہنم میں داخل ہونے کے بعد بھی، ملاحظہ ہو سورۃ المؤمن ۴۷، ۴۸، سورۃ سبا ۳۱، ۳۲، سورۃ احزاب ۶۷، ۶۸، سورۃ اعراف ۳۸، ۳۹۔

فَحَقُّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا اب تو ہم (سب) پر ہمارے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہم (عذاب) کا مزا چکھنے والے ہیں فَاعْوِزْنَا كَمَا عَاوِزَ یعنی رؤساء قوم نے پہلے جس بات کا انکار کیا تھا بلکہ ضعفاء کے الزام کو رد کرتے ہوئے خود ان کو ہی مورد الزام قرار دیا تھا، اب اسی بات کا اعتراف و اقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں، واقعی ہم ہی نے تم کو گمراہ کیا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ہم خود بھی گمراہ تھے ہم نے چاہا کہ تم بھی ہم جیسے ہو جاؤ، اور تم نے باسانی ہماری راہ اپنالی، روز محشر شیطان بھی یہی کہے گا وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُمُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ۔ (ابراہیم)

فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ قیامت کے روز یہ دونوں فریق عذاب میں شریک ہوں گے، اس لئے کہ ان کا جرم بھی مشترک ہے شرک، معصیت، اور شر و فساد ان کا و طیرہ تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ناجائز کام کی دعوت دے اور گناہ پر آمادہ کرنے کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے تو اسے دعوت گناہ کا عذاب تو بے شک ہوگا لیکن جس شخص نے اس دعوت کو اپنے اختیار سے قبول کر لیا، وہ بھی اپنے عمل کے گناہ سے بری نہیں ہو سکتا، اور آخرت میں یہ کہہ کر چھٹکارا نہیں پاسکتا کہ مجھے تو فلاں شخص نے گمراہ کیا تھا، ہاں اگر اس نے گناہ کا ارتکاب اپنے اختیار سے نہ کیا ہو بلکہ جبر و اکراہ کی حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے کر لیا ہو تو انشاء اللہ اس کی معافی کی امید ہے۔ (معارف)

إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ یعنی دنیا میں جب ان سے کہا جاتا تھا کہ جس طرح مسلمانوں نے یہ کلمہ پڑھ کر شرک و معصیت سے توبہ کر لی ہے تم بھی یہ کلمہ پڑھ لو تا کہ دنیا میں بھی مسلمانوں کے قہر و غضب سے محفوظ رہو اور آخرت میں عذاب الہی سے تمہیں دو چار نہ ہونا پڑے، تو وہ تکبر و انکار کرتے ہوئے کہتے اِنَّا لَتَارْكُوا الْهَيْتَنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ کیا ہم ایک دیوانے اور شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں، حالانکہ آپ دیوانے نہیں فرزانے تھے، اور قرآن کوئی شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے، اور اس دعوت کو اپنانے میں ہلاکت نہیں نجات اور ہمیشہ ہمیش کی کامیابی ہے۔

أُولَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَعْلُومٌ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے، ”انہی لوگوں کے لئے ایسا رزق ہے جس کا حال معلوم ہے“ مفسرین نے اس کے مختلف مطلب بیان کئے ہیں، بعض حضرات نے فرمایا کہ رزق معلوم سے اس کے متعین اوقات مراد

ہیں یعنی وہ صبح و شام پابندی کے ساتھ عطا کئے جائیں گے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ رزق معلوم سے مراد یقینی اور دائمی ہے یعنی وہ رزق دنیا کی طرح نہ ہوگا کہ کوئی شخص یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ کل مجھے کتنا اور کیا رزق ملے گا، بخلاف جنت کے رزق کے کہ وہ یقینی بھی ہوگا اور دائمی بھی (قرطبی، معارف) قنادہ نے کہا ہے کہ وہ رزق جنت ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ رزق معلوم وہ ہے جو بعد میں مذکور ہے یعنی فَوَاكِهَ وَهَمُّ مَكْرُمُونَ میں فَوَاكِهَ رزق سے بدل یا عطف بیان ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے اِنِّیْ هُوَ فَوَاكِهَ، وَهَمُّ مَكْرُمُونَ حال کی وجہ سے کل میں نصب کے ہے فِیْ جَنَّاتٍ نَّعِیْمٍ، مَكْرُمُونَ کے متعلق ہے یا هَمُّ مَبْتَدَاء کی خبر ثانی ہے، عَلٰی سُرُرٍ خَرِثَالَتْ بھی ہو سکتی ہے اور حال کا بھی احتمال ہے متقابلین مَكْرُمُونَ کی ضمیر سے حال ہے یعنی جنتیوں کو ہر قسم کے میوے عزت و اکرام کے ساتھ ملیں گے، كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ جنتی حوروں کا رنگ شتر مرغ کے انڈوں کے مانند ہوگا جن کو شتر مرغ اپنے پروں میں چھپائے ہوئے ہو، جس کی وجہ سے گرد و غبار سے محفوظ ہوں گے جنتی جنت میں بیٹھے ہوئے آپس میں ذکر و تذکرے کے طور پر دنیا کے واقعات اور اپنی اپنی سرگذشت یاد کریں گے اور ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ۖ صَاحِبٌ يُنْكِرُ الْبَعْثَ يَقُولُ لِي تَبْكِيْنَا أَوَ تَكُنَّ مِنَ الْمُصْذِقِينَ ۖ بِالْبَعْثِ إِذَا امْتَنَّا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِنَّا فِي السَّمِزَتَيْنِ فِي ثَلَاثَةِ مَوَاضِعَ مَا تَقْدِمُ لَمَدِيْنُونَ ۖ مَجْزِيُونَ وَمُحَاسِبُونَ أَنْكَرَ ذَلِكَ أَيْضًا قَالَ ذَلِكَ الْقَائِلُ لِأَخَوَانِهِ هَلْ أَنْتُمْ مُطْلِعُونَ ۖ سَعَى إِلَى النَّارِ لِنَنْظُرَ حَالَهُ فَيَقُولُونَ لَا قَاطِلَ لَكَ ذَلِكَ الْقَائِلُ مِنْ بَعْضِ كُوفَى الْجَنَّةِ قَرَأَهُ أَيْ رَأَى قَرِينَهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۖ أَيْ وَسَطِ النَّارِ قَالَ لَهُ تَسْمِيْنَا تَاللَّهِ إِنِّي مَخْفَفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ كَذَّبَتْ قَارِبَتْ لَتُرْدِينَ ۖ لَتَهْلِكُنِي بِأَغْوَاثِكَ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ أَيْ أَنْعَامُهُ عَلَيَّ بِالْإِيمَانِ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ۖ سَعَى فِي النَّارِ وَيَقُولُ أَهْلُ الْجَنَّةِ أَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِينَ ۖ إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَى أَيْ الَّتِي فِي الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ۖ بِوَأَسْتَفْهَامٍ تَلَذُّذٍ وَتَحَدُّثٍ بِنِعْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى مِنْ تَأْيِيدِ الْحَيَاةِ وَعَدَمِ التَّعْذِيبِ إِنَّ هَذَا الَّذِي ذَكَرَ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۖ لِمِثْلِ هَذَا أَفَلَعَمَلُ الْعَمَلُونَ قِيلَ يُقَالُ لَهُمْ ذَلِكَ وَقِيلَ بِهِمْ يَقُولُونَهُ أَلَا إِنَّكَ الْمَذْكُورُ لَهُمْ خَيْرٌ نَزْلًا وَبِوَسَائِعِدُ لِلنَّازِلِ مِنْ ضَيْفٍ وَغَيْرِهِ أَمَّ شَجَرَةُ الرَّقُومِ ۖ الْمَعْدَةُ لِأَهْلِ النَّارِ وَبِهَا مِنْ أَخْبَثِ الشَّجَرِ الْمُرِيَّتْهَا مَ يُنْبِتُهَا اللَّهُ فِي الْجَحِيمِ كَمَا سَيَأْتِي إِنَّا جَعَلْنَاهَا بِذَلِكَ فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ۖ أَيْ الْكَافِرِينَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ إِذْ قَالُوا النَّارُ تُخْرِقُ الشَّجَرَ فَكَيْفَ تُنْبِتُهُ إِنَّا شَجَرَةً تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ۖ فَعَرِجَتِهَا وَأَغْصَانُهَا تَرْفَعُ إِلَى دَرَكَاتِهَا طَلْعُهَا الْمَشْبَةُ بِطَلْعِ النَّخْلِ كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيْطَانِ ۖ أَيْ الْحَيَاتِ الْقَبِيحَةِ الْمَنْظَرِ فَإِنَّهُمْ أَيْ الْكَفَّارُ لَا أَكُلُونَ مِنْهَا مَعَ قُبْحِهَا لِشِدَّةِ جُوعِهِمْ فَمَا لَوْ مِنْهَا الْبُطُونُ ۖ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا شَوْبًا مِنْ حَمِيمٍ ۖ أَيْ مَاءٍ حَارٍّ يَشْرَبُونَهُ فَيَخْتَلِطُ بِالْمَاكُولِ

منہا فیصیر شوبًا لہ ۴۸ ثُمَّ اِنْ مَرَجَعَهُمْ لَا اِلٰی الْجَحِیْمِ ۴۹ یُفِید اَنَّهُمْ یُخْرَجُوْنَ مِنْهَا لِشُرْبِ الْحَمِیْمِ وَاِنَّهٗ لَخَارِجُہَا اِنَّہُمْ اَلْفَوْا وَجَدُوْا اٰبَاءَہُمْ ضَالِّیْنَ ۵۰ فَہُمْ عَلٰی اٰثَرِہُمْ یُہْرَعُوْنَ ۵۱ یُزْعَجُوْنَ اِلٰی اَتْبَاعِہُمْ فِیْسْرِعُوْنَ اِلَیْہِ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَہُمْ اَکْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ ۵۲ مِنْ الْاُمَمِ الْمَاضِیَةِ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْہُمْ مُّنْذِرِیْنَ ۵۳ مِنْ الرُّسُلِ مُخَوِّفِیْنَ ۵۴ فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذِرِیْنَ ۵۵ الْکَافِرِیْنَ اِی عَاقِبَتُہُمْ الْعَذَابُ ۵۶ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلِصِیْنَ ۵۷ اِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاِنَّہُمْ نَجَوْا مِنَ الْعَذَابِ لِاِخْلَاصِہُمْ فِی الْعِبَادَةِ اَوْ لِاَنَّ اللّٰهَ اَخْلَصَہُمْ لَهَا عَلٰی قِرَاءَةِ فَتْحِ اللّٰمِ .

ترجمہ: ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا میرا ایک رفیق تھا جو بعثت بعد الموت کا منکر تھا، وہ مجھ سے مجھے لا جواب کرنے کے لئے کہتا تھا کہ کیا تم بھی بعثت بعد الموت کا اعتقاد رکھنے والوں میں سے ہو؟ بھلا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم کو جزاء دی جائے گی، اور ہمارا حساب کیا جائیگا، اور وہ اس (جزاء و سزا) کا بھی منکر تھا یہ قائل اپنے بھائیوں (احباب) سے کہے گا کیا تم اس کو میرے ہمراہ دوزخ میں جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو!! تاکہ ہم اس کی حالت دیکھیں، تو وہ جواب دیں گے کہ نہیں، تو یہ قائل جنت کے بعض روشندانوں سے جھانک کر دیکھے گا تو اپنے رفیق کو دوزخ کے بیچوں بیچ (پڑا ہوا) دیکھے گا (یہ مومن) اپنے ملاقاتی سے اظہار مسرت کے طور پر کہے گا خدا کی قسم تو تو مجھے تباہ کرنے کو تھا کہ تو مجھے اپنے گمراہ کرنے کے ذریعہ ہلاک کر دے ان مشددہ سے مخففہ ہے، اگر مجھ پر میرے رب کا فضل نہ ہوتا یعنی مجھ پر ایمان کے ذریعہ اس کا فضل نہ ہوتا تو میں تیرے ساتھ آگ میں ماخوذین میں سے ہوتا جنتی (آپس میں) کہیں گے کیا اب ہم پہلی یعنی دنیوی موت کے علاوہ مرنے والے نہیں ہیں؟ اور نہ ہم کو عذاب ہوگا یہ استفہام تلذذ کے لئے ہے دائمی حیات اور عذاب نہ دیئے جانے پر، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکریہ کے طور پر، بلاشبہ اہل جنت کے لئے جو (انعامات) ذکر کئے گئے ہیں یہی بڑی کامیابی ہے، ایسی ہی (کامیابی) کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے کہا گیا ہے کہ یہ بات جنتیوں سے کہی جائے گی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنتی آپس میں یہ بات کہیں گے بھلا یہ نعمتیں جو مذکور ہوئیں، جنتیوں کے لئے مہمانی کے اعتبار سے بہتر ہیں؟ نُزُلِ اس چیز کو کہتے ہیں جو آنے والے مہمان وغیرہ کے لئے تیار کی جائے یا تھوہڑ کا درخت؟ جو جہنمیوں کے لئے تیار کیا گیا ہے وہ خبیث ترین تلخ درخت ہے جس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں پیدا فرمائیں گے، جیسا کہ عنقریب آئے گا ہم نے اس درخت کو اہل مکہ میں سے کافروں کے لئے (موجب) آزمائش بنادیا جبکہ (کافروں) نے کہا آگ تو درختوں کو جلا دیتی ہے، تو پھر وہ اس (درخت) کو کیسے اگائے گی، وہ ایک درخت ہے جو قدر دوزخ میں سے نکلتا ہے اور اس کی شاخیں دوزخ کے (ہر) طبقہ میں پہنچی ہوئی ہوں گی، اس کے خوشے جو کہ کھجور کے خوشے کے مشابہ ہوں گے، گویا کہ وہ شیطین یعنی قبیح المنظر سانپوں کے سر ہیں، سو وہ یعنی کافر اس کی قباحت کے باوجود شدت بھوک کی وجہ سے اسی میں سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ

بھریں گے پھر ان کو اس کے کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا یعنی گرم پانی جس کو وہ پییں گے، تو اس پانی کا کھائے ہوئے شجر زقوم کے ساتھ مخلوط (آمیزہ) بن جائے گا پھر ان کا اخیر ٹھکانہ یقیناً جہنم ہوگا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو گرم پانی پینے کے لئے (وسط) جہنم سے نکالا جائے گا، اور وہ گرم پانی جہنم سے باہر ہوگا انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہی میں پایا تھا پھر یہ بھی ان کے نقش قدم پر تیزی سے چلتے تھے ان کی اتباع کے لئے سبقت کرتے تھے اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں یعنی امتوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں، اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے رسول بھیجے تھے سو دیکھ لیجئے ان لوگوں کا جن کو ذرا یا گیا تھا کیسا (برا) انجام ہوا، یعنی ان کا انجام عذاب ہی ہے، مگر وہ جو اللہ کے مخلص (برگزیدہ) ہوئے یعنی مومنین سو وہ عبادت میں اپنے اخلاص کی وجہ سے یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عبادت کے لئے منتخب کر لیا تھا، عذاب سے نجات پا گئے (یہ ترجمہ) لام کے فتح والی قراءت کی صورت میں ہوگا۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْهِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلًا: قَالَ قَائِلٌ یہ کہنے والا کوئی جنتی ہوگا، جنتی جہاں دیگر بہت سی باتیں کریں گے نجلہ ایک شخص اپنے ایک مشربعت دوست کی سرگذشت سنائے گا، اس گفتگو کو قرآن کریم نے قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ اِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ سے پیش گوئی کے طور پر بیان کیا ہے، اور تبکیت کے معنی ہیں عار دلانا، ڈانٹنا، مصباح میں ہے، بکت زید عمراً، زید نے عمر کو عار دلائی۔

قَوْلًا: كَوَى جَمْعُ كَوٍ، كَوٍ كَفٍ کے ضمہ اور فتح کے ساتھ، دیوار کا سوراخ، روشن دان، جمع میں بھی کاف کا ضمہ و فتح دونوں درست ہیں، البتہ فتح کی صورت میں مد و قنصر، دونوں درست ہیں، اور ضمہ کی صورت میں قصر متعین ہے۔ (حمل)

قَوْلًا: تَاللَّهِ، ت قسمیہ جارہ ہے، اُقِسِمُ فَعْلٌ محذوف کے متعلق ہے، اِنْ خَفَفَ عَنِ الْمَشْدَدِ ہے، اگر اس کو عامل قرار دیا جائے تو اس کا اسم محذوف ہوگا، اور جملہ كَذَتْ اس کی خبر، تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنَّكَ كَذَتْ اور اگر غیر عامل قرار دیا جائے تو جملہ كَذَتْ لَتُرْدِيْنِ جواب قسم ہوگا، اِنْ خَفَفَ عام طور پر كَاذٍ یا كَاَنْ پر داخل ہوتا ہے، لَتُرْدِيْنِ میں لام فارقہ ہوگا، مخففہ اور نافیہ کے درمیان۔

قَوْلًا: لَتُرْدِيْنِ لام فارقہ ہے، تُرْدِيْنِ اِرْدَاءٌ سے مضارع واحد مذکر حاضر نون وقایہ کی مفعول بہ ضمیر واحد متکلم محذوف، تو مجھے ہلاک کرے گا، یا، کو سنت مصحف کی اتباع میں حذف کر دیا گیا۔ (اعراب القرآن للبروش)

قَوْلًا: اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ہمزہ استفہامیہ محذوف پر داخل ہے، اور فاعل عطفہ ہے، عطف محذوف پر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَنَحْنُ مُخَلَّدُوْنَ مِنْعَمُوْنَ فَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ۔

قَوْلًا: اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا (الآیہ) یہ جملہ قول محذوف کا مقولہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے قُلْ لَّهُمْ يَسَا مُحَمَّدٌ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ، اَذٰلِكَ کا مشاڑ الیہ سابق میں مذکورہ رزق معلوم ہے نَزْلٌ دونوں کے ضمہ کے ساتھ اور نون

کے ضمہ اور ز کے سکون کے ساتھ، وہ شی جو مہمان کے لئے تیار کجائے، جمع آنزَال، نُزُلًا، خیر سے تمیز واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلًا: تَهَامَةٌ عرب کا وہ حصہ جس میں مکہ مکرمہ واقع ہے۔

قَوْلًا: اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ، اَمْ حرف عطف ہے، اور شَجَرَةُ الزَّقُّومِ کا عطف ذلک اسم اشارہ پر ہے، اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ مبتداء ہے اس کی خبر ماقبل کی دلالت کی وجہ سے محذوف ہے تقدیر عبارت ہے اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ خَيْرٌ نُزُلًا۔

قَوْلًا: لَشَوْبًا شَیْنِ کے فتنہ کے ساتھ جمہور کی قراءت ہے اور ضمہ کے ساتھ شاذ ہے، یہ (ن) سے شَوْبًا مصدر ہے، ملانا، آمیزہ کرنا لَشَوْبًا، اِنَّ کا اسم مؤخر ہے اور لَھُمْ خبر مقدم ہے عَلَیْہَا محذوف سے متعلق ہو کر حال ہے۔

قَوْلًا: لَا اِلٰی الْجَحِیْمِ لام تاکید کے لئے ہے مگر مصحف امام کے رسم الخط کی اتباع میں لا لکھنا ضروری ہے مگر یہ الف پڑھا نہیں جاتا۔

قَوْلًا: اِنَّھُمْ اَلْفَوْا اَبَآءَھُمْ ضَالِّیْنَ یہ جملہ ماسبق میں مذکور انواع و اقسام کے عذابوں میں مبتلا ہونے کی علت ہے یعنی بت پرستی کے حق اور توحید کے ناحق ہونے کی دلیل ان کے پاس بغیر سوچے سمجھے تقلید آباء کے علاوہ کوئی نہیں اور یہی ان کی گمراہی کا باعث ہوئی جس کی وجہ سے ماسبق میں مذکور انواع و اقسام کے عذاب میں ماخوذ ہوں گے۔

قَوْلًا: یُھَرَّغُوْنَ اھراع سے مضارع جمع مذکر غائب مجہول تیز دوڑتے ہوئے۔

تَفْسِیْرٌ وَتَشْرِیْحٌ

قَالَ قَائِلٌ مِنْھُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِی جَنَّتِیْ وَبَاہِیْ لَکُنْتُ لَکَ اَیْکَ نَمُوْنَهٗ پُشِیْا ہِے۔

ایک جنتی اور اس کا کافر ملاقاتی:

ابتدائی دس آیتوں میں اہل جنت کے عمومی حالات بیان فرمانے کے بعد ایک جنتی کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ جنت میں پہنچنے کے بعد اپنے ایک کافر دوست کو یاد کرے گا، جو دنیا میں آخرت کا منکر تھا، قرآن کریم میں اس شخص کا نام و پتہ تو نہیں بتایا گیا اس لئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کون ہوگا؟ تاہم مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس مومن شخص کا نام ”یہودا“ اور کافر ملاقاتی کا نام ”مطروس“ ہے، اور یہ وہی دو ساتھی ہیں جن کا ذکر سورہ کہف کی آیت واضربْ لَھُمْ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ الْاٰیۃ میں گذر چکا ہے۔ (مظہری)

عبدالرزاق اور ابن منذر نے عطاء خراسانی سے نقل کیا ہے کہ دو آدمی کسی کاروبار میں شریک تھے، ان کے پاس آٹھ ہزار دینار تھے، دونوں نے تقسیم کر لئے، ہر ایک کے حصہ میں چار چار ہزار دینار آئے، ایک شریک نے ایک ہزار دینار کی زمین

خریدی، جب دوسرے شریک کو اس کا علم ہوا تو اس نے کہا، یا اللہ فلاں نے ایک ہزار دینار صرف کر کے زمین خریدی ہے، میں بھی ایک ہزار دینار کے بدلے آپ سے جنت میں زمین خریدتا ہوں، اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں خرچ کر دیئے، پھر اس کے شریک نے ایک ہزار دینار صرف کر کے ایک مکان بنایا، جب اس کو معلوم ہوا تو اس نے کہا اے میرے اللہ فلاں نے ایک ہزار دینار صرف کر کے مکان بنایا ہے، میں آپ سے ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں ایک مکان خریدتا ہوں اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں صدقہ کر دیئے، پھر اس کے ساتھی نے ایک ہزار دینار صرف کر کے ایک عورت سے شادی کی، جب اس شریک کو اس کا علم ہوا تو اس نے کہا اے بارالہ میرے شریک نے ایک ہزار دینار صرف کر کے شادی رچائی ہے، میں بھی ایک ہزار دینار کے عوض جنت کے حوروں سے شادی کرتا ہوں اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں صرف کر دیئے، پھر اس کے شریک نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے خدام اور گھر کا سامان خریدا، جب اس کو معلوم ہوا تو اس نے کہا یا اللہ العالمین فلاں نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے خدام اور گھر کا ساز و سامان خریدا ہے، اے اللہ میں بھی ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں خدام اور سامان خریدتا ہوں، اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں خرچ کر دیئے۔

اس کے بعد اتفاق سے اس مومن بندے کو کوئی شدید ضرورت پیش آگئی، اس نے سوچا کہ اگر میں اپنے شریک کے پاس جاؤں شاید وہ میری مدد کرے، چنانچہ یہ مومن ساتھی کافر ساتھی کی رہ گزر پر جا کر بیٹھ گیا، جب کافر ساتھی بڑے حشم و خدام کے ساتھ وہاں سے گذرا تو یہ مومن ساتھی اپنے کافر ساتھی کے پاس گیا اور اپنی ضرورت اور حاجت کا اظہار کیا، تو اس نے کہا وہ چار ہزار دینار کیا ہوئے جو تیرے حصے میں آئے تھے، اس نے اپنی پوری سرگذشت سنائی، کافر ساتھی نے اس کی سرگذشت سن کر کہا، کیا تم واقعی اس بات کو سچ سمجھتے ہو کہ ہم جب مر کر خاک ہو جائیں گے تو ہمیں دوسری زندگی ملے گی، اور وہاں ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا؟ جاؤ میں تجھ کو کچھ نہیں دوں گا، اس کے بعد دونوں کا انتقال ہو گیا، مذکورہ آیت میں جنتی سے مراد وہ بندہ ہے جس نے آخرت کی خاطر اپنا سارا مال صدقہ کر دیا تھا، اور اس کا جہنمی ساتھی وہی شریک کا روبار ہے، جس نے آخرت کی تصدیق کرنے پر اس کا مذاق اڑایا تھا۔ (روح المعانی ملخصاً)

أَذْلِكَ خَيْرٌ نَزْلًا أَمْ شَجَرَةُ الزُّقُومِ زقوم نام کا ایک درخت جزیرۃ العرب کے تہامہ علاقہ میں پیدا ہوتا ہے، یہ درخت دیگر علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے، بنجر زمین اور صحراؤں میں زیادہ ہوتا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ وہی درخت ہے جسے اردو میں تھوہڑ کہتے ہیں، بعض حضرات نے زقوم کا مصداق ناگ پھن کو قرار دیا ہے، جو تھوہڑ کے قریب قریب ہوتا ہے اور اس کا سرا سانپ کے پھن کے مشابہ ہوتا ہے اور اس پر باریک اور لمبے خار بھی ہوتے ہیں، یہ رائے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، دوزخ کے زقوم اور دنیا کے زقوم میں کوئی نسبت نہیں دونوں کے درمیان کیفیت میں بون بعید ہے، صرف شرکت اسمی کی وجہ سے زقوم کہہ دیا گیا ہے جس طرح دوزخ کے سانپ بچھوؤں کو بھی شرکت اسمی کی وجہ سے سانپ بچھو کہہ دیا گیا ہے ورنہ ظاہر ہے دونوں میں صوری شرکت کے علاوہ کوئی مناسبت نہیں ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ یہاں فتنہ سے بعض مفسرین کے نزدیک عذاب مراد ہے یعنی اس درخت کو عذاب کا ذریعہ

بنادیا، لیکن اکثر مفسرین ”فتنہ“ کا ترجمہ آزمائش سے کرتے ہیں، یہ زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس درخت کا تذکرہ کر کے ہم یہ امتحان لینا چاہتے ہیں کہ کون اس پر ایمان لاتا ہے؟ اور کون اس کا مذاق اڑاتا ہے؟ چنانچہ کفار عرب اس امتحان میں ناکام رہے، انہوں نے بجائے اس کے کہ اس عذاب سے ڈر کر ایمان لاتے، تمسخر اور استہزاء کا طریقہ اختیار کیا، روایات میں ہے کہ جب قرآن کی مذکورہ آیت نازل ہوئی تو ابو جہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا تمہارا دوست (محمد ﷺ) کہتا ہے کہ آگ میں ایک درخت ہے حالانکہ آگ تو درخت کو کھا جاتی ہے اور خدا کی قسم ہم تو یہ جانتے ہیں کہ زقوم کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں تو آؤ اور یہ کھجور اور مکھن کھاؤ (روح المعانی، درمنثور) بربری زبان میں زقوم کھجور اور مکھن کو کہتے تھے، اس لئے ابو جہل نے استہزاء کا یہ طریقہ اختیار کیا، باری تعالیٰ نے ایک ہی جملہ میں اس کی دونوں باتوں کا جواب دی دیا۔

إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ یعنی زقوم تو جہنم کی تہہ میں اگنے والا ایک درخت ہے، درخت کا آگ میں نہ جلنا یہ خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے، اور اس کی مثالیں بھی موجود ہیں، اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے جانور پیدا فرمائے ہیں کہ وہ آگ میں زندہ رہ سکتے ہیں، اسی قسم کا ایک جانور ”سمندر“ ہے، اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ آگ میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں رہتا ہے آگ سے نکلنے پر مر جاتا ہے، اور بعض جانوروں کی اللہ تعالیٰ نے آگ غذا بنائی ہے۔

طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ اس آیت میں زقوم کو شیاطین کے سروں سے تشبیہ دی ہے، بعض مفسرین نے تو یہاں شیاطین کا ترجمہ سانپوں سے کیا ہے، یعنی زقوم کا درخت سانپ کے پھن کے مشابہ ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس درخت کو ”ناگ پھن“ کہتے ہیں، شیطان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ انتہاء درجہ کا بد صورت ہے، زقوم کی بد صورتی کو بیان کرنے کے لئے زقوم کو شیطان کے سر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (روح المعانی، معارف)

وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ بِقَوْلِهِ رَبِّ انِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ﴿۳۵﴾ لَهُ نَحْنُ اَي دَعَانَا عَلٰی قَوْمِهِ فَاٰهَلَكْنَاهُمْ بِالْعَرَقِ وَنَجَّيْنَاهُ وَاَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿۳۶﴾ اَي الْعَرَقِ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴿۳۷﴾ فَالِنَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْ نَسْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَكَانَ لَهُ ثَلَاثَةُ اَوْلَادٍ سَامٌ وَهُوَ اَبُو الْعَرَبِ وَفَارَسٌ وَالرُّومُ وَحَامٌ وَهُوَ اَبُو السُّودَانِ وَيَافِثُ اَبُو التُّرْكِ وَالْخَزَرِ وَيَا جُوجَ وَمَا هُنَالِكَ وَتَرَكْنَا اَبْقَيْنَا عَلَيْهِ ثَنَاءً حَسَنًا ﴿۳۸﴾ فِي الْاٰخِرِينَ ﴿۳۹﴾ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاُمَمِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَمَةِ سَلَّمَ مِنَّا عَلٰی نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ﴿۴۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۴۱﴾ اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۲﴾

تَمَّ اَعْرَقْنَا الْاٰخِرِينَ ﴿۴۳﴾ كُفَّارَ قَوْمِهِ ﴿۴۴﴾ وَاِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ اَي مِمَّنْ تَابَعَهُ فِي اَصْلِ الدِّينِ لِاِبْرَاهِيمَ ﴿۴۵﴾ وَاِنْ طَالَ الزَّمَانُ بَيْنَهُمَا وَهُوَ الْفَانُ وَسِتْمِائَةٌ وَاَرْبَعُونَ سَنَةً وَكَانَ بَيْنَهُمَا يَهُودٌ وَصَالِحٌ اِذْ جَاءَ اَي تَابَعَهُ وَقَتَ مَجِيئِهِ رَبُّهُ بِقَلْبِ سَلِيمٍ ﴿۴۶﴾ مِنَ الشُّكِّ وَغَيْرِهِ اِذْ قَالَ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ الْمُسْتَمِرَّةِ لَهُ لِاَبِيهِ وَقَوْمِهِ مُؤَبَّخًا مَاذَا مَا الَّذِي تَعْبُدُونَ ﴿۴۷﴾ اَفَهَا فِي بَهْمَزَتِيهِ مَا تَقَدَّمَ اِلَهَةً دُونَ اللّٰهِ تُرِيدُونَ ﴿۴۸﴾ وَاَفَكَا مَفْعُولٌ لَهُ وَالِلهُ مَفْعُولٌ بِهِ لِتُرِيدُونَ وَالْاِفْكَ

أَسْوَءُ الْكَذِبِ أَيْ اتَّعْبُدُونَ غَيْرَ اللَّهِ **فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ** ۴۸ اذْ غَبَذْتُمْ غَيْرَهُ إِنَّهُ يَتْرَكُكُمْ بِلَا عِقَابٍ، وَكَانُوا نَجَابِينَ فَخَرَجُوا إِلَى عَيْدِهِمْ وَتَرَكَوا طَعَامَهُمْ عِنْدَ أَصْنَانِهِمْ زَعَمُوا التَّبَرُّكَ عَلَيْهِ فَإِذَا رَجَعُوا أَكَلُوهُ وَقَالُوا لِلَّهِ سَيِّدٌ إِبْرَاهِيمَ أَخْرَجَ مُعْنَا **فَنَظَرْنَا فِي النُّجُومِ** ۴۹ أَيُّهَا السَّالِمُ إِنَّهُ يَغْتَمِذُ عَلَيْهَا لِيَتَّبِعُوهُ **فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ** ۵۰ غَلِيلٌ أَيْ سَاسِقٌ **فَتَوَلَّوْا عَنْهُ** إِلَى عَيْدِهِمْ **مُذِيرِينَ** ۵۱ **فَرَاغَ** مَالٍ فِي خُفْيَةٍ إِلَى إِلَهِهِمْ وَبِى الْأَصْنَامِ وَعِنْدَهَا الطَّعَامُ **فَقَالَ** اسْتَهْزَأَ **أَلَا تَأْكُلُونَ** ۵۲ فَلَمْ يَنْطِقُوا فَقَالَ **مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ** ۵۳ فَلَمْ يَجِبْ **فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ** ۵۴ بِالْقُوَّةِ فَكَتَسَرُّبًا فَبَلَغَ قُوَّتَهُ مِنْ رَأْدٍ **فَاقْبَلُوا إِلَيْهِ يَرْفُونَ** ۵۵ أَيْ يُسْرِعُونَ الْمَشْيَ فَقَالُوا نَحْنُ نَعْبُدُهَا وَأَنْتَ تُكْتَسَرُّبًا قَالَ لَهُمْ مُؤَبِّحًا **أَتَعْبُدُونَ مَا تَحْتُمُونَ** ۵۶ مِنَ الْحِجَارَةِ وَغَيْرِهَا أَصْنَانًا **وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ** ۵۷ مِنْ نَحْتِكُمْ وَمِنْ نُحُوتِكُمْ فَاعْبُدُوهُ وَحْدَهُ وَمَا مَصْدَرِيهِ وَقِيلَ مَوْصُولَةٌ وَقِيلَ مَوْصُوفَةٌ قَالُوا بَيْنَهُمْ **ابْنُ آلِهِ بَنِيَانًا** فَاسْلُوهُ حَطْبًا وَاضْرُوهُ بِالنَّارِ فَإِذَا التَّهَبَ **فَالْقُوَّةُ فِي الْحَجِيمِ** ۵۸ النَّارِ الشَّدِيدَةِ **فَارَادُوا بِهِ كَيْدًا** بِالْقَنَائِهِ فِي النَّارِ لَتَهْلِكَ **فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ** ۵۹ الْمُقْتَسِرِينَ فَخَرَجَ مِنَ النَّارِ سَالِمًا **وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سُهَاجِرٌ إِلَيْهِ مِنْ دَارِ الْكُفْرِ سَيِّهْدِينَ** ۶۰ إِلَى حَيْثُ أَمَرَنِي بِالْمَصِيرِ إِلَيْهِ وَهُوَ الشَّامُ فَلَمَّا وَضِلَ إِلَى الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ قَالَ **رَبِّ هَبْ لِي وَلَدًا** مِنَ الصَّالِحِينَ ۶۱ **فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ** ۶۲ أَيْ ذِي حِلْمٍ كَثِيرٍ **فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ** أَيْ أَنْ يَسْعَى مَعَهُ وَيُعِينَهُ قِيلَ بَلَغَ سَبْعَ سِنِينَ وَقِيلَ ثَلَاثَةَ عَشَرَ سَنَةً **قَالَ يَبْنِي إِنِّي أَرَى** أَيْ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ **إِنِّي أَدْبَحُكَ** وَرُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ حَقٌّ وَافِعَالُهُمْ بِأَمْرِ اللَّهِ تَعَالَى **فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى** مِنَ الرَّأْيِ شَاوَرَهُ لِيَأْنَسَ بِالذَّبْحِ وَيَتَقَادَ لِأَمْرِهِ **قَالَ يَأْتِيكَ التَّاءُ عَوْضٌ عَنْ يَأٍ الْإِضَافَةِ أَفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ بِهِ سَجْدَتِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّبْرِ** ۶۳ عَلَى ذَلِكَ فَلَمَّا أَسْلَمَا خَضَعَا وَاتَّقَادَا لِأَمْرِ اللَّهِ **وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ** ۶۴ ضَرَعَهُ عَلَيْهِ وَلِكُلِّ إِنْسَانٍ جَبِينَانِ بَيْنَهُمَا الْجَبِيهَةُ وَكَانَ ذَلِكَ بِمَنْى وَأَمَرَ السَّكَّانَ عَلَى خَلْقِهِ فَلَمْ تَعْمَلْ شَيْئًا بِمَانِعٍ مِنَ الْقُدْرَةِ الْإِلَهِيَّةِ **وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ۶۵ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا** بِمَا أَتَيْتَ بِهِ بِمَا أَمَكَنَّكَ مِنْ أَمْرِ الذَّبْحِ أَيْ يَكْفِيكَ ذَلِكَ فَجَمَلَةٌ نَادَيْنَاهُ، جَوَابٌ لِمَا بَزِيَادَةِ الْوَاوِ **إِنَّا كَذَلِكَ كَمَا جَزَيْنَاكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ** ۶۶ لِأَنْفُسِهِمْ بِإِمْتِثَالِ الْأَمْرِ بِإِفْرَاجِ الشَّدَةِ عَنْهُمْ **إِنَّ هَذَا الذَّبْحَ الْمَمُورُ بِهِ لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ** ۶۷ أَيْ الْإِخْتِيَارُ الظَّاهِرُ وَقَدَيْنَاهُ أَيْ السَّمَاوَرُ بِذَبْحِهِ وَهُوَ اسْمَاعِيلُ أَوْ إِسْحَاقُ قَوْلَانِ **يَذْبَحُ بِكَبْشٍ عَظِيمٍ** ۶۸ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ الَّذِي قَرَّبَهُ بِابِيلَ جَاءَ بِهِ جِبْرَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَذَبَحَهُ السَّيِّدُ إِبْرَاهِيمُ مُكَبِّرًا **وَتَرَكْنَا أَتَقِينَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ** ۶۹ ثَنَاءً حَسَنًا سَلَّمَ بِنَا عَلَى إِبْرَاهِيمَ ۷۰ كَذَلِكَ كَمَا جَزَيْنَاهُ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۷۱ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۷۲ **وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ** اسْتَدْبَلَ بِذَلِكَ عَلَى أَنْ الذَّبْحَ غَيْرُهُ نَبِيًّا حَالٌ مَقْدَرَةٌ أَيْ يُوجَدُ مَقْدَرًا نَبَوْتُهُ **مِّنَ الصَّالِحِينَ** ۷۳ **وَبَرَكْنَا عَلَيْهِ**

بِتَكْثِيرِ ذُرِّيَّتِهِ وَعَلَىٰ اسْحَقَ وَلَدِهِ بِجَعَلِنَا أَكْثَرَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَسْلِهِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ مُؤْمِنٌ وَظَالِمٌ لِنَفْسِهِ
کافر مُبِينٌ ﴿۱۷﴾ بَيِّنُ الْكُفْرِ.

ترجمہ: اور ہمیں نوح (علیہ السلام) نے رَبِّ اِنِّی مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ کہہ کر پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے

فریادری کرنے والے ہیں، یعنی اس نے ہم سے اپنی قوم کے لئے بددعاء کی چنانچہ ہم نے ان کو غرق کر کے ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کو اور ان کے اہل کو بڑے بھاری غم یعنی غرق سے نجات دی اور ہم نے باقی انہی کی اولاد کو رکھا، تو تمام لوگ نوح (علیہ السلام) ہی کی نسل سے ہیں، آپ کے تین لڑکے تھے، سَام یہ عرب اور فارس اور روم کے جد اعلیٰ ہیں، اور حَام یہ سوڈان کے جد اعلیٰ ہیں، اور یافث ترک اور خزر ج اور یاجوج و ماجوج اور جو ان کے پاس ہیں، ان کے جد اعلیٰ ہیں، اور ہم نے بعد والوں میں یعنی انبیاء اور قیامت تک آنے والے لوگوں میں ان کا ذکر جمیل باقی رکھا، اور ہماری طرف سے نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو جس طرح ہم نے ان کو صلہ دیا ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو یعنی اس کی قوم کے کافروں کو غرق کر دیا، اور بلاشبہ انہی کی جماعت سے یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے ان کے اصول دین کی اتباع کی ابراہیم بھی تھے، اگرچہ ان دونوں کے درمیان طویل زمانہ تھا، اور وہ دو ہزار چھ سو چالیس سال کا زمانہ تھا، اور ان دونوں کے درمیان ہود اور صالح (علیہ السلام) بھی ہوئے، جب وہ اپنے رب کی طرف شک و غیرہ (کے عیب) سے خالی دل کے ساتھ متوجہ ہوئے یعنی توجہ (کے وقت) حضرت نوح (علیہ السلام) کی اتباع کی، جب (ابراہیم (علیہ السلام) نے) اپنی اس دائمی حالت میں اپنے والد اور اپنی قوم سے توبیخ کے طور پر کہا یہ کیا (واہیات چیز) ہے جس کی تم بندگی کرتے ہو کیا تم خدا کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے (فرضی) معبود کو (حقیقی معبود) بنانا چاہتے ہو دونوں ہمزوں میں وہی قراءتیں ہیں جو سابق میں گذر چکی ہیں، اِفْکًا مفعول لہ ہے، اور اِلٰهَةً لِّتَسْرِبُوْنَ کا مفعول بہ ہے اور "افک" بدترین کذب کو کہتے ہیں یعنی کیا تم غیر اللہ کی بندگی کرتے ہو جب تم غیر اللہ کی بندگی کرتے ہو تو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ تم کو بغیر عذاب کے چھوڑ دے گا؟ ہرگز نہیں، اور یہ لوگ نجومی تھے، چنانچہ یہ لوگ اپنی عید (گاہ) کی طرف نکلے، اور وہ اپنے کھانے، اپنے بتوں کے پاس اس عقیدے سے رکھ گئے کہ یہ متبرک ہو جائیں گے، چنانچہ جب واپس آتے تو اس کو (تبرک سمجھ کر) کھاتے، اور ان کی قوم کے لوگوں نے سید ابراہیم (علیہ السلام) سے کہا کہ ہمارے ساتھ تم بھی چلو (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) نے ستاروں کی طرف (ایک نظر) دیکھا ان کو اس وہم میں ڈالنے کے لئے کہ وہ بھی ان ستاروں پر اعتماد کرتے ہیں، تاکہ وہ ان کی بات مان لیں، پھر آپ نے فرمایا میں بیمار ہوں، یعنی مستقبل قریب میں بیمار ہوں گا، غرض یہ کہ وہ لوگ ان کو چھوڑ کر اپنی (عید گاہ) یعنی میلے کے مقام پر چلے گئے، تو یہ خفیہ طور پر ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور وہ بت ہیں، اور ان کے پاس کھانا (رکھا ہوا) تھا، (حضرت ابراہیم

عَلَيْهِ السَّلَام نے) تمسخر کے طور پر (بتوں) سے کہا، تم کھاتے کیوں نہیں؟ جب بتوں نے کوئی جواب نہ دیا، تو پھر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم کو کیا ہو گیا کہ تم بولتے نہیں ہو؟ پھر بھی ان میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا پھر تو ان پر (پوری قوت کے ساتھ) مارنے کے لئے پل پڑے، اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، اس کے بعد کسی دیکھنے والے نے ان کی قوم کو اس کی اطلاع کر دی، پھر تو ان لوگوں نے بڑی سرعت سے ان کا رخ کیا، اور کہنے لگے ہم تو ان کی بندگی کرتے ہیں، اور تم ان کو توڑتے ہو تو ابراہیم علیہ السلام نے ان سے تو بیخفا فرمایا کیا تم ان بتوں کی بندگی کرتے ہو جن کو تم خود ہی پتھر وغیرہ سے تراشتے ہو، حالانکہ تم کو اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو یعنی تمہارے تراشنے کو اور تمہاری تراشیدہ چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے، لہذا اسی کی بندگی کرو، اور اس کی توحید کا اعتقاد رکھو، اور مہم مصدر یہ ہے، اور کہا گیا ہے کہ موصولہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ موصوفہ ہے، ان لوگوں نے آپس میں (مشورہ) کر کے کہا اس کے لئے ایک آتشکدہ تعمیر کرو اور اس کو لکڑیوں سے پر کر دو، اور اس میں آگ دہکا دو، جب آگ شعلہ زن ہو جائے تو اس کو اس شدید آگ میں ڈال دو، غرض یہ کہ ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی تدبیر کرنی چاہی تاکہ آگ اس کو ہلاک کر دے مگر ہم نے ان کو زیر (یعنی) مغلوب کر دیا، چنانچہ (ابراہیم علیہ السلام) آگ سے صحیح سلامت نکل آئے، اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں تو دارالکفر سے ہجرت کر کے اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، وہ میری اس مقام کی طرف ضرور ہی رہنمائی کرے گا، جہاں جانے کا مجھے حکم دیا ہے، اور وہ (ملک) شام ہے، چنانچہ جب وہ ارض مقدس میں پہنچے، تو دعا کی اے میرے پروردگار مجھے صالح لڑکا عطا فرما، تو ہم نے اس کو نہایت ہی بردبار لڑکے کی خوشخبری دی، پھر جب وہ بچہ اس قابل ہو گیا کہ ان کے ساتھ چلے پھرے یعنی ان کے ساتھ دوڑ دھوپ کرے اور (کام کاج) میں ہاتھ بٹائے، ایک قول یہ ہے کہ سات سال کا ہو گیا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ تیرہ سال کا ہو گیا، تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرے پیارے بچے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں، اور انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں اور ان کے افعال بحکم خداوندی ہوتے ہیں اب تو بتا تیری کیا رائے ہے؟ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے فرزند سے اس لئے مشورہ کیا کہ وہ ذبح سے مانوس ہو جائے (یعنی ذہنی طور پر تیار ہو جائے) اور ذبح کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے (صاحبزادے اسماعیل) نے عرض کیا ابا جان جس کام کا آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ وہ کام کر ڈالئے، آپ انشاء اللہ مجھے اس کام میں صابر پائیں گے غرضیکہ جب دونوں مطیع ہو گئے اور حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اس کو کنپٹی کے بل (کروٹ پر) لٹا دیا ہر انسان کے دو کنپٹی ہوتی ہیں، ان کے درمیان پیشانی (ماتھا) ہوتا ہے اور یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا، اور (ابراہیم علیہ السلام) نے چھری فرزند کے حلق پر پھیر دی، مگر چھری نے قدرت خداوندی کے مانع ہونے کی وجہ سے کچھ اثر نہ کیا تو ہم نے اس کو آواز دی کہ اے ابراہیم یقیناً تو نے اپنا خواب اس عمل سے جو تیرے لئے ذبح کے معاملہ میں ممکن تھا سچ کر دکھایا، یعنی تیرا یہ عمل (امثال امر کے لئے) کافی ہے، جملہ وَنَادَيْنَاهُ الْخِ وَآؤ کی زیادتی کے ساتھ لہما کا جواب ہے، ہم اسی طرح جس

طرح کہ آپ کو صلہ دیا، امتثال امر کر کے اپنے اوپر احسان کرنے والوں کو ان کی تکلیف کو دور کر کے صلہ دیتے ہیں، درحقیقت یہ ذبح جس کا حکم دیا گیا کھلا امتحان تھا، اور ہم نے اس کے یعنی جس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اسماعیل علیہ السلام یا اسحق علیہ السلام ہیں، یہ دو قول ہیں، عوض جنت سے ایک عظیم ذبیحہ مینڈھا دیا، یہ وہی مینڈھا تھا جس کو ہابیل نے قربان کیا تھا، اس کو جبرائیل لائے تھے، اور سید ابراہیم علیہ السلام نے اس کو اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دیا اور ہم نے ان کا ذکر خیر بعد والوں میں باقی رکھا، اور ابراہیم پر ہماری طرف سے سلام ہو جس طرح ہم نے ان کو صلہ دیا اپنے اوپر احسان کرنے والوں کو بھی اسی طرح صلہ دیتے ہیں بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا، اور ہم نے اس کو اسحق نبی کی بشارت دی، اسی سے استدلال کیا گیا ہے کہ ذبح اسحق کے علاوہ (اسماعیل علیہ السلام) ہیں، نبیؑا حال مقدرہ ہے، یعنی اس کا وجود ہوگا حال یہ ہے کہ اس کے لئے نبوت مقدر ہو چکی ہے، جو صالح لوگوں میں سے ہوگا اور ہم نے ابراہیم پر بکثرت اولاد دیکر برکت نازل کی اور ان کے صاحبزادے اسحق پر بھی، اکثر انبیاء ان کی نسل سے (پیدا) کرنے کی وجہ سے اور ان دونوں کی اولاد میں مومن بھی ہوئے اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والے کافر بھی جن کا کفر بالکل ظاہر تھا۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْمِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ کَلَامِ مُتَانِفٍ ہے، سابق میں وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْهِمْ مُنْذِرِیْنَ میں جس کا اجمالی ذکر تھا، یہاں اس کی تفصیل ہے، اس سورت میں سات انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے، ان میں سے یہ پہلا ہے، ہر ایک کی تفصیل، تفسیر و تشریح کے زیر عنوان آئے گی۔

قَوْلُهُ: لَقَدْ مِیْنِ لَامِ جَوَابِ قَسَمِ کا ہے، تقدیر یہ ہے وَبِاللّٰهِ لَقَدْ دَعَانَا نُوحٌ یہاں نَادَانَا دَعَانَا کے معنی میں ہے، قرینہ فَلِنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ ہے، فَلِنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ میں بھی لَامِ قَسَمِ کا ہے، تقدیر عبارت ہے فَوَاللّٰهِ لِنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ نَحْنُ، نَحْنُ مخصوص بالمدح ہے، الْمُجِیْبُوْنَ میں وَاَوْجَعُ دَلِیْلُ عَظَمَتِ وَکِبَرِیَّائِی کے طور پر ہے۔ (روح البیان) دونوں قسموں کا جواب محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَاللّٰهُ لَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ لَّمَّا یَنْسَ مِنْ اِیْمَانٍ قَوْمِهِ فَاَجَبْنَاهُ اَحْسَنَ اِجَابَةٍ فَوَاللّٰهِ لِنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ نَحْنُ۔

قَوْلُهُ: وَاهْلُهُ یہ نَجِیْنَاهُ کا مفعول بہ ہے اس کا عطف ضمیر پر ہے، اور مفعول معہ بھی ہو سکتا ہے۔

قَوْلُهُ: هُمُ الْبَاقِیْنَ، هُمْ کے اضافہ سے حصہ و تخصیص کا فائدہ مقصود ہے، یعنی طوفان کے بعد صرف حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد مثلہ کی نسل ہی باقی رہی اس وقت پوری نسل انسانی ان ہی تینوں صاحبزادگان کی اولاد ہے، حام، سام، یافث، یافث عجمہ اور علمیتہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

قَوْلُهُ: ثَنَاءٌ حَسَنًا مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ تَرَكْنَا کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلًا: فِي الْعَالَمِينَ يَهْدِي فِي الْآخِرِينَ سے بدل ہے۔

قَوْلًا: إِذْ جَاءَ رَبُّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ رب کے پاس قلب سلیم لانے سے شک و شبہ سے پاک دل مراد ہے یعنی اپنے رب کی طرف اخلاص کے ساتھ متوجہ ہوئے۔

قَوْلًا: شِيعَةً، شِيعَةُ الرَّجُلِ، اتِّبَاعُهُ وَانْصَارُهُ یعنی طرفدار اور حمایتی اب ایک مخصوص فرقہ کا نام ہو گیا ہے، جمع شِيعَ آتی ہے۔

قَوْلًا: أَيْفُكَا ہمزہ استفہام انکاری توختی ہے، اِفْکَا مفعول نہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اِی اُتْرِیدونَ الْهَۃَ ذُوْنَ اللّٰهِ اِفْکَا، تْرِیدونَ کا مفعول یہ بھی ہو سکتا ہے، اور معمولات فعل کو اہمیت کے پیش نظر فعل پر مقدم کر دیا گیا ہے، اِفْکَا تْرِیدونَ کے فاعل سے حال بھی ہو سکتا ہے

قَوْلًا: وَكَانُوا نَجَامِينَ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی قوم ستارہ پرست تھی اور تغیر کائنات میں ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھتی تھی۔
قَوْلًا: سَأَسْقِمُ یہ اِنِّی سَقِیْمٌ کی تفسیر ہے، مقصد اس تفسیر کا یہ ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم بیمار نہیں تھے، جس کی وجہ سے کذب کا شبہ ہوتا تھا، اس لئے سَأَسْقِمُ کہہ کر تاویل کر دی اس لئے کہ انسان کبھی نہ کبھی تو بیمار ہوتا ہی ہے۔

قَوْلًا: یَرْفُقُونَ (ض) زَفًا زَفِیْفًا دوڑنا جمع مذکر غائب، دوڑتے ہوئے۔
قَوْلًا: وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ واو حال یہ ہے تعبدونَ کے فاعل سے حال ہے واللّٰهُ مَبْتَدِئُ خَلْقِكُمْ خبر، ما میں چار صورتیں ہو سکتی ہیں ① مصدر یہ اِی خَلَقْکُمْ وَخَلَقَ اَعْمَالْکُمْ ② موصولہ اِی وَخَلَقَ الَّذِیْ تَصْنَعُوْنَہُ عَلٰی الْعَمُومِ ویدخل فیہا الاَصْنَامُ التّٰی تَنْحِتُوْنَہَا اس صورت میں عمل سے مراد بت تراشی ہوگی ③ استفہامیہ توخیہ اِی اَیْ شَیْءٍ تَعْمَلُوْنَ ④ نافیہ اِی اِنَّ الْعَمَلَ فِی الْحَقِیْقَةِ لَیْسَ لَکُمْ فَانْتُمْ لَا تَعْمَلُوْنَ شَیْئًا یعنی بظاہر جو کچھ تم کرتے ہو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا عمل ہے۔

قَوْلًا: فَبَشِّرْنَاهُ یہ محذوف پر مرتب ہے، تقدیر یہ ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَبَشِّرْنَاهُ۔

قَوْلًا: یَا بُنَّیْ یہ فَلَمَّا کا جواب ہے۔

قَوْلًا: فَذِیْنَاهُ (ض) فِدَاءً عوض میں دینا، اس کا عطف نادیناہُ پر ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

ربط آیات:

سابقہ آیات میں اس بات کا اجمالی تذکرہ تھا کہ ہم نے پہلی امتوں کے پاس بھی نذیر و بشیر بھیجے تھے، کما قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْہِم مِّنْذَرِیْنِ فَاَنْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنِ لیکن اکثر لوگوں نے ان کی بات نہیں

مائی، اس لئے ان کا انجام بہت برا ہوا، یہاں سے اسی اجمال کی کچھ تفصیل بیان کی جا رہی ہے، اس ضمن میں کئی انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں، ان واقعات کو بیان کرنے کا مقصد منکرین و مشرکین کو نصیحت و عبرت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کو تسلی دینا بھی ہے۔

وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ سب سے پہلے نوح علیہ السلام کا واقعہ آدم ثانی کی مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے باوجود جب قوم کی اکثریت نے ان کی تکذیب ہی کی پھر نہ صرف یہ کہ تکذیب اور جسمانی ایذا رسانی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ آپ کے قتل کا منصوبہ بھی تیار کر لیا، جب حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے تو اپنے رب کریم کے حضور اپنی قوم کے لئے بددعا کر دی، اکثر مفسرین کے نزدیک اس بددعا سے مراد آپ کی یہ بددعا ہے رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ ذِيَارًا اے میرے پروردگار! زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی مت چھوڑ، یا سورہ قمر میں مذکور یہ دعا مراد ہے اِنِّیْ مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ، میں مغلوب ہوں میری مدد کیجئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان کی قوم کو طوفان بھیج کر ہلاک کر دیا، البتہ وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے وہ اس عذاب سے محفوظ رہے، یہاں اہل سے مراد آپ پر ایمان لانے والے لوگ ہیں جن میں آپ کے اہل خانہ بھی شامل ہیں، سوائے آپ کی کافرہ بیوی اور کافر بیٹے کے، بعض مفسرین نے ان کی کل تعداد ۸ بتائی ہے، وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ زیادہ تر مفسرین کا رجحان یہ ہے کہ دنیا میں موجود انسان حضرت نوح علیہ السلام کے تینوں صاحبزادگان ہی کی ذریت ہیں، جیسا کہ آیت سے حصر مستفاد ہوتا ہے، کشتی میں جو بقیہ لوگ سوار تھے ان سے نسل نہیں چلی، اور بعض مفسرین آیت میں مذکور حصر کو حصر اضافی مانتے ہیں اور طوفان علاقائی مانتے ہیں اور مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ کشتی میں جو حضرات سوار تھے ان میں سے تو ان ہی تینوں صاحبزادگان کی نسل چلی مگر دیگر خطوں کے لوگوں کی بھی نسلیں چلیں، جہاں طوفان نہیں آیا تھا، قَالَ قَتَادَةُ إِنَّهُمْ كُلُّهُمْ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ وَكَانَ لَهُ ثَلَاثَةُ أَوْلَادٍ سَامٌ، حَامٌ، يَافَثُ الْخَمْسَةُ سَامٌ عَرَبٌ، فَارِسٌ، رُومٌ، يَهُودٌ، نَصَارَى کے جد اعلیٰ ہیں، اور حام مشرق سے مغرب تک کے جد اعلیٰ ہیں جس میں حبشہ، سند، ہند، زنج، قبط، بربر وغیرہ شامل ہیں اور یافث ترک، و خزر، یا جوج ماجوج اور ان کے اطراف کے جد اعلیٰ ہیں، قرآن کریم کے سیاق اور روایات کی رو سے پہلا قول قوی ہے۔

(روح البیان، فتح القدیر، معارف)

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ (الآیۃ) قیامت تک آنے والے اہل ایمان میں نوح علیہ السلام کا ذکر خیر باقی رکھا اور سب اہل ایمان حضرت نوح علیہ السلام پر سلام بھیجتے رہتے ہیں

وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لِإِبْرَاهِيمَ شیعہ کے معنی جماعت، گروہ، پیروکار، حمایتی اور طرفدار کے ہیں، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اہل دین اور اہل توحید کے اسی گروہ سے ہیں جن کو نوح علیہ السلام کی طرح انابت الی اللہ کی توفیق خاص نصیب ہوئی، شیعہ کی ضمیر نوح علیہ السلام کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیش رو حضرت نوح علیہ السلام کے طریقہ پر تھے، اور بنیادی اصول دین میں دونوں کا مکمل اتفاق تھا، اور ممکن ہے کہ دونوں

شریعتیں بھی یکساں ملتی جلتی ہوں۔ (معارف)

بعض تاریخی روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس سال کا فاصلہ ہے اور ان دونوں کے درمیان حضرت ہود اور حضرت صالح علیہ السلام کے سوا کوئی نبی نہیں۔ (کناف)

اِذْ جَاءَ رَبُّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ اس کا بامحاورہ اور صاف ترجمہ یہ ہے کہ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس صاف دل لیکر آئے اور پروردگار کے پاس صاف دل لے کر آنے سے اللہ کی طرف اخلاص کے ساتھ متوجہ ہونا اور رجوع کرنا مراد ہے۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم سال میں ایک دن تہوار منایا کرتی تھی جب وہ دن آیا تو قوم کے لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دعوت دی کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں، مقصد یہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام اس جشن میں ہمارے ساتھ رہیں گے تو شاید ہمارے دین سے متاثر ہو جائیں، اور اپنے دین کی دعوت چھوڑ دیں (درمنثور و ابن جریر، معارف) لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اس موقع سے دوسرا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، آپ کا ارادہ یہ تھا کہ جب ساری قوم جشن منانے چلی جائے گی تو میں ان کی عبادت گاہوں میں جا کر ان کے بتوں کو توڑ دوں گا، تاکہ یہ لوگ واپس آ کر اپنے معبودوں کی بے بسی کا عملی نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، ہو سکتا ہے کہ اپنے بتوں کی بے بسی دیکھ کر کسی دل میں ایمان کی روشنی پیدا ہو جائے، اسی غرض سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا، لیکن انکار کا طریقہ یہ اختیار فرمایا کہ پہلے نظر اٹھا کر ستاروں کو دیکھا اور پھر کہا میں بیمار ہوں، لوگوں نے آپ کو معذور سمجھ کر چھوڑ دیا، اور جشن منانے چلے گئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے ستاروں کو کیوں دیکھا؟ اس سے آپ کا کیا مقصد تھا؟ ایک مقصد تو یہ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ غور و فکر کے وقت ذہن کو یکسو کرنے کے لئے بعض اوقات آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ آپ نے بھی اسی طرح آسمان کی طرف دیکھا ہو یا اپنی قوم کے لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ایسا کیا ہو، جو کہ ستاروں کی گردش کو حوادث زمانہ میں مؤثر مانتے تھے، ابراہیم علیہ السلام کا مقصد ان کے ہمراہ جانے کو نالنا تھا تاکہ ان کے بتوں کا تیا پانچا کیا جاسکے اور جب پوری قوم جشن منانے کے لئے دور جنگل میں چلی جائے گی تو اپنا منصوبہ بروئے کار لے آؤں گا، اسی خیال سے کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں، یا آسمانوں کی گردش ستاروں کی چال بتاتی ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں، اِنْسِي سَقِيمًا اسم فاعل حال اور استقبال دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ یا ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کچھ طبیعت ناساز ہو لہذا یہ بات بالکل جھوٹی تو نہیں تھی، اس لئے کہ ہر انسان کو کچھ نہ کچھ بیماری تو ہوتی ہی ہے، علاوہ ازیں قوم کا شرک، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کا مستقل روگ تھا، یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعریض اور توریہ کے طور پر فرمایا تو یہ اگرچہ جھوٹ نہیں ہوتا مگر مخاطب اس کے متبادر اور قریبی مفہوم سے مغالطہ کا شکار ہو جاتا ہے، اسی لئے حدیث ثلث کَذِبَاتٍ میں اسے جھوٹ سے تعبیر لیا ہے۔

ضرورت کے وقت تو یہ جائز ہے:

ضرورت کے وقت تو یہ جائز ہے تقیہ نہیں، تو یہ کی دو قسمیں ہیں قوی اور عملی، قوی یہ ہے کہ ایسا لفظ بولنا کہ جس کا ظاہر مفہوم خلاف واقعہ ہو اور باطنی، موافق واقعہ، عملی تو یہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عمل کرنا کہ جس کا مقصد دیکھنے والے کچھ سمجھیں مگر حقیقت میں مفہوم دوسرا ہو، اسے ایہام کہتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کو دیکھنا ایہام تھا۔

فَرَاغَ إِلَى إِلَهِهِمْ فَقَالَ لَا تَأْكُلُونَّ جَوَاطِئَ بَطُورٍ تَبْرُكُ وَهَآءِ پڑی ہوئی تھیں، وہ انہیں کھانے کے لئے پیش کیں، ظاہر بات ہے کہ نہ وہ کھا سکتے تھے اور نہ کھایا، بلکہ وہ تو جواب دینے پر بھی قادر نہیں تھے، اس لئے جواب بھی نہیں دیا، رَاغَ کے معنی مال، ذَهَبَ، أَقْبَلَ یہ سب متقارب المعنی ہیں یعنی ان کی طرف متوجہ ہوئے، ضَرَبَ بِالْيَمِينِ کا مطلب ہے کہ ان کو پوری قوت سے مار مار کر توڑ ڈالا۔

فَاقْبَلُوا إِلَٰهَ يَزِفُونَّ يَزِفُونَّ اِیُّ یُسْرِعُونَ یعنی جب میلے سے واپس آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں، تو فوراً ان کا ذہن ابراہیم علیہ السلام کی طرف گیا کہ یہ کام اسی کا ہو سکتا ہے اور ہلہ کر کے ابراہیم کے گرد جمع ہو گئے، (جیسا کہ سورہ انبیاء میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے) چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر عوام کی عدالت میں لے آئے، وہاں ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ ان پر ان کی بے عقلی اور ان کے معبودوں کی بے اختیاری واضح کریں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ مورتیاں اور تصویریں جنہیں تم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے اور بناتے ہو، کس قدر حیرت اور بے عقلی کی بات ہے کہ انہی کو معبود سمجھتے ہو، حالانکہ تمہیں اور تمہاری تراشی ہوئی مورتیوں کو اللہ ہی نے بنایا ہے، یا مطلق تمہارا عمل جو بھی تم کرتے ہو اس کا خالق بھی اللہ ہے، اس سے ثابت ہوا کہ بندوں کے افعال کا خالق بھی اللہ ہی ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، بخلاف اشاعرہ کے۔

بتوں اور تصویروں کو خدا کے پیدا کرنے کا مطلب:

اللہ تعالیٰ کے بتوں کو پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس مادہ کو جس سے تم بت بناتے ہو وہ بلا شرکت غیر، اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، اور اس مادہ کو مختلف شکلیں دینا وہ بھی خدا تعالیٰ کے تم کو قدرت دینے کی وجہ سے ہے، اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ افعال کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے البتہ کہ سب بندہ ہے اور اکتساب ہی سے ثواب و عقاب متعلق ہوتا ہے، علامہ جامی نے کیا خوب کہا ہے۔

فعل ما خواہ زشت و خواہ نیک یک بیک ہست آفریدہ او
نیک و بد گرچہ مقتضائے قضا ست ایں خلاف رضا و آل برضا ست

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ توحید کے سلسلہ میں جب نمرود اور نمرودیوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقلی اور نقلی دلائل کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو ظلم و زیادتی پر اتر آیا جیسا کہ ہر ظالم کا دستور ہے، اور مشورہ کر کے یہ بات طے کی کہ اگر تم کو اپنے معبودوں کا بدلہ لینا ہی ہے اور ان کی مدد کرنی ہے تو ایک کام کرو کہ ایک عظیم الشان آتشکدہ تیار کرو اور اس میں ابراہیم کو جلا دو چنانچہ چہار دیواری کر کے ایک بہت بڑا آتشکدہ بنوایا، اور اس کو لکڑیوں سے پر کر کے آگ دہکادی، جب آگ شعلہ زن ہو گئی تو شیطان کے مشورہ سے ایک منجنيق کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آتشکدہ میں ڈال دیا۔

آتش نمرود کا سرد ہو جانا:

اس وقت آگ میں جلانے کی تاثیر بخشنے والے نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام پر اپنی سوزش کی تاثیر ختم کر دے، اور ناری عناصر کا مجموعہ ہوتے ہوئے بھی ابراہیم کے حق میں سلامتی کے ساتھ سرد ہو جائے، آگ اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں برد و سلام بن گئی، اور دشمن ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے، اور ابراہیم علیہ السلام کہتی ہوئی آگ سے سالم و محفوظ دشمنوں کے زرعے سے نکل آئے، اس طرح فَارَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ حرف بحرف صادق آگیا، آگ کو گلزار والا زار بنا کر دشمنوں کے مکر و حیلہ کو ناکام بنا دیا:۔

دشمن اگر قویست نگہبان قوی تر ست

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَيَهْدِيَنِي جب آپ اپنے اہل وطن اور اہل خانہ سے ایمان کے بارے میں مایوس اور ناامید ہو گئے تو آپ نے عراق سے ہجرت کر کے شام جانے کا ارادہ فرمالیا، اور آپ کے اوپر عزیر علیہ السلام، لوط علیہ السلام اور بیوی سارہ کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا، حضرت لوط علیہ السلام کو بعض مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھانجا اور بعض نے بھتیجا بتایا ہے، صحیح قول بھتیجا کا ہے، اپنے رب کی طرف جانے کا مطلب یہ ہے کہ میں دارالکفر چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں سکون و اطمینان کے ساتھ خدا کی بندگی اور تبلیغ دین کا کام کر سکوں اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مطلوب کی طرف رہنمائی فرمائے گا، چنانچہ آپ اپنی بیوی حضرت سارہ اور اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو ہمراہ لے کر سفر پر روانہ ہو گئے اور عراق و مصر کے مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے ملک شام پہنچے، اب تک آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لئے آپ نے وہ دعاء فرمائی جس کا آئندہ آیت میں ذکر ہے، یعنی رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ای ولداً من الصالحین چنانچہ آپ کی دعاء قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند کی خوشخبری سنائی، فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ (واقعہ کی پوری تفصیل سورہ انبیاء میں گزر چکی ہے، ملاحظہ کر لی جائے)۔

فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ہم نے اس کو ایک حلیم اور بردبار فرزند کی خوشخبری دی، حلیم المرأۃ اچھا کردیا کہ یہ نومولود اپنی زندگی میں ایسے صبر و ضبط و بردباری کا مظاہرہ کرے گا کہ دنیا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی، اس فرزند کی ولادت کا واقعہ اس

طرح پیش آیا، جب حضرت سارہ نے دیکھا کہ مجھ سے کوئی اولاد نہیں ہو رہی ہے تو وہ سمجھی کہ میں بانجھ ہوں، ادھر فرعون مصر نے حضرت سارہ کو ایک خادمہ جس کا نام ہاجرہ تھا خدمت گزاری کے لئے دیدی تھی، اور حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیدی، اور حضرت ابراہیم نے ان سے نکاح کر لیا، انہی ہاجرہ کے بطن سے یہ صاحبزادے اسماعیل پیدا ہوئے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام دوڑ دھوپ کرنے اور کام کاج میں ہاتھ بٹانے کے قابل ہو گئے بعض کہتے ہیں تیرہ سال کی عمر کو پہنچ گئے، تو ابراہیم علیہ السلام نے ایک روز صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا، بر خور دار میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ارمانوں سے مانگے ہوئے اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا جب وہ فرزند بوڑھے باپ کا ہاتھ بٹانے اور بڑھاپے کا سہارا بننے کے لائق ہو گیا۔

فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اس لئے نہیں پوچھی کہ آپ کو حکم الہی کی تعمیل میں کوئی تردد تھا، بلکہ ایک تو آپ حضرت اسماعیل کا امتحان لینا چاہتے تھے، کہ وہ اس آزمائش میں کس حد تک پورا اترتا ہے، دوسرے یہ کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے سے کوئی تذکرہ کئے بغیر بیٹے کو ذبح کرنے لگتے تو یہ دونوں کے لئے مشکل کا سبب ہوتا۔ (معارف)

اطاعت خداوندی اور امتثال امر کی بے نظیر مثال:

آخر بیٹا بھی خلیل کا بیٹا تھا، اور اسے منصب رسالت پر فائز ہونا تھا، بغیر توقف و تردد کے فرمایا یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اباجان جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے کر گزریئے اس میں مشورہ کی کیا ضرورت ہے؟

وحی غیر متلو بھی وحی ہے:

یہیں سے ان منکرین حدیث کی واضح تردید ہو جاتی ہے جو وحی غیر متلو کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے، آپ نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم خواب کے ذریعہ دیا گیا، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس کو صریح الفاظ میں اللہ کا حکم قرار دیا، اگر وحی غیر متلو کوئی چیز نہیں ہے تو یہ حکم کونسی آسمانی کتاب میں نازل ہوا تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی طرف سے اپنے والد بزرگوار کو یقین دلاتے ہوئے فرمایا سَتَجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ، انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے، فَلَمَّا اَسْلَمَا جب دونوں حکم خداوندی کے آگے جھک گئے، بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی ہر بار ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں مار کر بھگا دیا، آج تک منی کے تینوں جمرات پر اسی محبوب عمل کی یادگار کنکریاں مار کر منائی جاتی ہے۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مایوس ہو گیا، تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی، بالآخر جب دونوں باپ بیٹے انوکھی عبادت انجام دینے کے لئے قربان گاہ پہنچے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد سے عرض کیا کہ ابا جان مجھے اچھی طرح گس کر باندھ لیجئے، تاکہ میں زیادہ نہ تڑپ سکوں، اور اپنے کپڑوں کو بچائیے تاکہ آپ کے کپڑے میرے خون میں آلودہ نہ ہوں، اگر میرے خون میں آلودہ آپ کے کپڑے میری والدہ دیکھیں گی، تو ان کو غم زیادہ ہوگا، اور اپنی چھری بھی تیز کر لیجئے، اور حلق پر جلدی جلدی چلائیے تاکہ آسانی سے میرا دم نکل جائے، کیونکہ موت بڑی سخت چیز ہے، اور جب آپ میری والدہ کے پاس جائیں تو میرا سلام کہہ دیجئے، اور اگر آپ میرا قیص میری والدہ کے پاس لیجانا چاہیں تو لیجائیں، شاید اسی سے ان کو کچھ تسلی ہو، اکلوتے بیٹے کی زبان سے یہ کلمات سن کر ایک باپ کے دل پر کیا گزری ہوگی یہ تو خدا ہی جانتا ہے؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کوہ استقامت بن کر جواب دیتے ہیں، بیٹے تم اللہ کا حکم پورا کرنے کے لئے کتنے اچھے مددگار ہو، یہ کہہ کر بیٹے کو بوسہ دیا پھر نرم آنکھوں سے انہیں باندھا۔ (مظہری، معارف)

وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ اِی صَرَاعَهُ لِلْجَبِينِ اِی عَلَى الْجَبِينِ لام بمعنی علی ہے، یعنی کروٹ پر لٹالیا، تَلَّ یَتَلُّ (ن) تَلًّا پچھاڑنا، ہر انسان کے دو جبین ہوتی ہیں، جن کو کپٹنی کہتے ہیں، درمیان میں پیشانی ہوتی ہے جس کو عربی میں جبہۃ کہتے ہیں، اس لئے للجبین کا صحیح ترجمہ کروٹ پر ہے، پیشانی یا منہ کے بل لٹانے کا، ترجمہ اس لئے کر دیا جاتا ہے کہ مشہور ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا تھا، کہ انہیں اس طرح لٹایا جائے، کہ چہرہ سامنے نہ رہے، جس سے پیار و شفقت کے جذبہ کا امر الہی پر غالب آنے کا امکان نہ رہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کے پختہ ارادے سے جب زمین پر لٹالیا تو گویا کہ اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، کیونکہ اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں اس کو کوئی چیز بھی عزیز تر نہیں، حتیٰ کہ اکلوتا بیٹا بھی، اور لاڈلے اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم ایک بڑی آزمائش تھی جس میں وہ سرخ رو رہا، اسی امتثال بے مثال کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا. وَفَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دیدیا، اور عظیم سے مراد عظیم القدر ہے، روایات میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نَادَيْنَاهُ اَنْ يَّا اِبْرَاهِيْمُ کی نداء غیبی سنی تو آسمان کی طرف دیکھا، تو جبرائیل علیہ السلام ایک مینڈھال لئے کھڑے تھے۔

ذبح کون؟ اسماعیل علیہ السلام یا اسحاق علیہ السلام؟

اہل علم مفسرین و مؤرخین کا اس بات میں شدید اختلاف ہے کہ ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام یا حضرت اسحاق علیہ السلام، جلال الدین سیوطی اپنے ایک رسالہ ”القول الفصیح فی تعیین الذبیح“ میں فرماتے ہیں کہ علی، وابن عمر، وابو ہریرہ، وابو الطفیل، وسعید بن جبیر، ومجاہد، والشعمی، ویوسف بن مہران، والحسن بصری، ومحمد بن کعب القرظی، وسعید بن المسیب، وابو جعفر الباقر، وابوصالح، والربیع بن انس، والکلی، وابوعمر بن العلاء، واحمد بن حنبل وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

کے نزدیک ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دو روایتوں میں سے ایک روایت بھی یہی ہے، محدثین کی اکثریت نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ (روح المعانی)

عن عبد اللہ بن سعید الصنابحی قال عبد اللہ بن سعید، صنابحی فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز حضرت امیر معاویہ کی مجلس میں حاضر تھے، لوگوں میں اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ ذبیح کون ہے؟ اسماعیل علیہ السلام یا اسحاق علیہ السلام؟ بعض نے کہا اسماعیل علیہ السلام اور بعض نے کہا اسحاق علیہ السلام، حضرت امیر معاویہ نے فرمایا تم واقف کار کے پاس آئے، اور فرمایا ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو ایک اعرابی آیا تو اس نے کہا: خَلَفْتُ الْكَلًّا يَابِسًا وَالْمَاءَ عَابِسًا هَلَكَ الْعِيَالُ وَضَاعُ الْمَالِ، فَعُدَّ عَلَيَّ مِمَّا آفَاءَ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْكَ يَا ابْنُ الدَّبِيحَيْنِ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُذَكِّرْ عَلَيْهِ فَقَالَ الْقَوْمُ مِنَ الذَّبِيحَانِ يَا امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَ إِنْ عَبْدَ الْمُطَلَبِ لَمَّا أُمِرَ بِحَفْرِ زَمْزَمَ نَذَرَ لِلَّهِ تَعَالَى إِنْ سَهَلَ أَمْرُهَا يَنْحَرُ بَعْضُ بَنِيهِ فَلَمَّا فَرَغَ أَشْهَمَ بَيْنَهُمْ فَكَانُوا عَشْرَةَ فَخَرَجَ السَّهْمُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ فَإِذَا أَنْ يَنْحَرَهُ فَمَنْعَ إِخْوَانَهُ بَنُو مَخْزُومٍ وَقَالُوا! إِرْضَ رَبَّكَ وَافِدِ ابْنَكَ فَفَدَاهُ بِمَاءِ نَاقَةٍ قَالَ هَذَا وَاحِدٌ وَالْآخِرُ اسْمَاعِيلُ (ترجمہ) اے ابن الذبیحین میں گھاس کو سوکھا ہوا اور پانی کو روٹھا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں، مال و عیال سب ضائع ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس میں سے مجھے بھی کچھ دیجئے، آپ ﷺ نے (یا ابن الذبیحین) کا کلمہ سن کر تبسم فرمایا اور اس کا انکار نہیں فرمایا، حاضرین نے حضرت امیر معاویہ سے دریافت کیا اے امیر المؤمنین! ابن الذبیحین کون ہے؟ آپ نے فرمایا، عبدالمطلب کو جب چاہہاں زمزم کو کھودنے کا حکم دیا گیا تو خواجہ عبدالمطلب نے نذرمانی کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے معاملہ کو آسان فرمادے گا۔ (یعنی کامیابی عطا فرمائے گا) تو اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو ذبح کروں گا (چنانچہ جب کامیابی حاصل ہو گئی) تو (اپنے چھوٹے بیٹے عبد اللہ) کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا اس لئے کہ قرعہ انہی کے نام نکلا تھا، مگر حضرت عبد اللہ کے تنہا لی مخزومی آڑے آئے، اور کہا اپنے رب کو اس کے عوض فدیہ دیکر راضی کر لو، چنانچہ سواونٹ فدیہ میں ذبح کر کے نذر پوری فرمائی، اور حضرت امیر معاویہ نے فرمایا یہ ایک ذبیح ہیں اور دوسرے اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر میرے دس بیٹے پورے ہو جائیں گے تو ایک کو ذبح کروں گا، لہذا یہ شبہ بھی ختم ہو گیا کہ عبد اللہ چاہہاں زمزم کھودنے کے وقت پیدا نہیں ہوئے تھے، اہل علم کا ایک طبقہ وہ ہے جو حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح مانتا ہے، ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عباس، حضرت ابن عباس کعب الاحبار، سعید بن جبیر، قتادہ، مسروق، عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، عطاء، مقاتل، زہری، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

بعد کے مفسرین میں سے حافظ ابن جریر طبری نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، اور حافظ ابن کثیر وغیرہ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے، اور دوسرے قول کی سختی سے تردید فرمائی ہے، یہاں طرفین کے دلائل پر مکمل تبصرہ تو ممکن نہیں تاہم قرآن کریم کے اسلوب

بیان اور روایات کی قوت کے لحاظ سے رائج یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جن صاحبزادے کے ذبح کا حکم دیا گیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

① قرآن کریم نے بیٹے کی قربانی کا پورا واقعہ نقل کرنے کے بعد فرمایا وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ (اور ہم نے ان کو اسحق کی بشارت دی کہ وہ نبی اور نیک لوگوں میں سے ہوں گے) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت اسحق علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور تھا، اور حضرت اسحق علیہ السلام کی بشارت اس کی قربانی کے واقعہ کے بعد دی گئی۔

② حضرت اسحق علیہ السلام کی اسی بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت اسحق علیہ السلام نبی ہوں گے اس کے علاوہ ایک دوسری آیت میں مذکور ہے کہ حضرت اسحق علیہ السلام کی پیدائش کے ساتھ یہ بشارت بھی دی گئی تھی کہ ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے (فَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ) اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی عمر تک زندہ رہیں گے، یہاں تک کہ صاحب اولاد ہوں گے، پھر انہی کو بچپن میں ذبح کرنے کا حکم کیونکر دیا جاسکتا تھا؟ اور اگر ان ہی کو بچپن میں نبوت کے قبل ذبح کرنے کا حکم دیا جاتا تو ابراہیم علیہ السلام سمجھ جاتے کہ انہیں تو ابھی منصب نبوت پر فائز ہونا ہے، اور ان کی سلب سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش مقدر ہے، اس لئے ذبح کرنے سے انہیں موت نہیں آسکتی، ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہ یہ کوئی بڑا امتحان ہوتا اور نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی انجام دہی میں کسی تعریف و توصیف کے مستحق، جبکہ قرآن اس کو بلاء مبین قرار دے رہا ہے، امتحان تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پوری طرح یہ سمجھ ہوئے ہوں کہ میرا یہ بیٹا ذبح کرنے سے ختم ہو جائے گا، اور اس کے بعد پھر بھی وہ ذبح کا اقدام کریں، یہ تو ایسا ہی ہے کہ اگر کوئی شخص پیروں پر کوئی ایسا کیمیکل یا مصالحہ لگا لے کہ جس کی وجہ سے آگ اثر نہ کرے اور پھر وہ آگ کے شعلوں پر چلے تو یہ اس کی نہ کوئی آزمائش ہے اور نہ کوئی کمال، اور نہ کوئی قابل تعریف بات، اس لئے کہ اسے یہ معلوم ہے، کہ وہ اس مصالحہ کی وجہ سے آگ پر چلنے سے نہیں جلے گا، کمال تو جب ہے کہ وہ یہ سمجھ ہوئے ہو کہ آگ پر قدم رکھنے سے یقیناً جل جائے گا، اس کے باوجود آگ پر چلنے لگے، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے زندہ رہنے، اور نبی بننے کی کوئی پیشین گوئی نہیں فرمائی تھی۔

③ قرآن کریم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا بچہ تھا، اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن سے ہجرت کرتے وقت ایک بیٹے کی دعاء کی تھی، اس دعا کے جواب میں انہیں یہ بشارت دی گئی کہ ان کے یہاں ایک حلیم لڑکا پیدا ہوگا، اور اسی لڑکے کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ جب وہ باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو اسے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، یہ پورا واقعاتی سلسلہ بتا رہا ہے کہ وہ لڑکا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا بیٹا تھا، ادھر یہ بات متفق علیہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پہلے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، اور حضرت اسحق علیہ السلام ان کے دوسرے صاحبزادے ہیں، اس کے بعد اس میں کوئی شبہ باقی

نہیں رہتا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔

۴ یہ بات بھی تقریباً طے شدہ ہے کہ بیٹے کی قربانی کا یہ واقعہ مکہ مکرمہ کے آس پاس پیش آیا، اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے کے فدیہ میں جو مینڈھا جنت سے بھیجا گیا، اس کے سینک سا لہا سال تک کعبہ شریف کے اندر لٹکے رہے ہیں، حافظ ابن کثیر نے اس کی تائید میں کئی روایتیں نقل کی ہیں، اور حضرت عامر شعمی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ میں نے اس مینڈھے کے سینک کعبہ میں خود دیکھے ہیں (ابن کثیر ص، ج ۴) حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سینک کعبہ میں موجود رہے، حتیٰ کہ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیت اللہ سے نکالنے کے لئے بیت اللہ میں آتش زنی ہوئی تو اس وقت وہ سینک بھی جل گئے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام قیام فرماتے تھے نہ کہ حضرت اسحق علیہ السلام، اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ اسحق علیہ السلام۔

مذکورہ دعوے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ محمد بن کعب نے ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک یہودی عالم کو بلایا جو مسلمان ہو گیا، اور بہت خوب مسلمان ہوا تھا، اس نو مسلم یہودی عالم سے دریافت کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے دونوں صاحبزادوں میں سے کون سے صاحبزادے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا؟ تو اس نے جواب دیا، اسماعیل علیہ السلام کو، اور اس نے کہا واللہ یا امیر المومنین یہود اس بات سے بخوبی واقف ہیں، لیکن وہ آپ لوگوں سے حسد کرتے ہیں۔ (روح المعانی) ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ تورات کے بعض نسخوں میں، وحیدك کے بجائے بکرك ہے، یہ لفظ اکلوتے کے مفہوم کو اچھی طرح واضح کرتا ہے اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش بھی نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ وحیدك میں کرتے ہیں، وہیں وہ روایتیں جو مختلف صحابہ و تابعین کے بارے میں ہیں، کہ انہوں نے ذبیح حضرت اسحق علیہ السلام کو قرار دیا ہے، سوان کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

”اللہ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن بظاہر یہ سارے اقوال کعب الاحبار سے ماخوذ ہیں اس لئے کہ جب وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اسلام لائے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی پرانی کتابوں کی باتیں سنانے لگے، بعض اوقات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی باتیں سن لیتے تھے، اس سے اور لوگوں کو بھی گنجائش ملی، اور انہوں نے بھی ان کی روایات سن کر انہیں نقل کرنا شروع کر دیا، ان روایات میں ہر طرح کی رطب و یابس باتیں جمع تھیں، اور اس امت کو ان باتوں میں سے ایک کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)۔ (تفسیر ابن کثیر، ص ۱۷، ج ۴)

حافظ ابن کثیر کی یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ حضرت اسحق علیہ السلام کو ذبیح قرار دینے کی بنیاد اسرائیلی روایات ہی پر ہے، اسی لئے یہود و نصاریٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے حضرت اسحق علیہ السلام کو ذبیح قرار دیتے ہیں، موجودہ بائبل میں یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

”ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابرام کو آزمایا، اور اس سے کہا اے ابرام! اس نے کہا میں حاضر ہوں، تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اسحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے، ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں

میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختی قربانی کے طور پر چڑھا۔ (پیدائش، ۲۲: ۲۱)

اس میں ذبح کا واقعہ حضرت اٰحق ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن اگر انصاف سے کام لیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں یہودیوں نے اپنے روایتی تعصب سے کام لے کر تورات کی عبادت میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے، اس لئے کہ تورات کی کتاب پیدائش کی مذکورہ عبارت ہی میں ”جو تیرا اکلوتا ہے“ کے الفاظ بتا رہے ہیں، کہ حضرت ابراہیم ﷺ کو جس بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا، وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔

اسی باب میں آگے چل کر پھر لکھا ہے:

”تو نے اپنے بیٹے کے بارے میں بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ کیا۔“ (پیدائش، ۲۲: ۱۳)

اس جملہ میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ وہ بیٹا جس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اکلوتا تھا، ادھر یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت اٰحق ﷺ اکلوتے بیٹے نہیں تھے، کسی پر اکلوتے کا اطلاق ہو سکتا ہے تو وہ اسماعیل ﷺ ہی ہیں، اور خود کتاب پیدائش کی دوسری عبارتیں بھی اس کی شہادت دیتی ہیں، کہ حضرت اسماعیل ﷺ کی پیدائش حضرت اٰحق ﷺ سے پہلے ہو چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

”اور ابرام کی بیوی سارہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی، اس کی ایک مصری لونڈی تھی، جس کا نام ہاجرہ تھا، اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا، اور وہ حاملہ ہوئی، اور خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے، اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام اسماعیل رکھنا، اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا۔“ (پیدائش، باب ۱۶، آیات ۱، ۴، ۵، ۱۶)

نیز اگلے باب میں لکھا ہے:

”اور خدا نے ابرام سے کہا کہ سارہ جو تیری بیوی ہے، اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا، تب ابرام سرنگوں ہوا، اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کیا سو برس کے بڑھے سے کوئی بچہ ہوگا؟ اور سارہ سے جو نوے برس کی ہے اولاد ہوگی؟ اور ابرام کہ بیشک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو اس کا نام اضحاق رکھنا۔“ (پیدائش ۱۷: ۱۵ تا ۲۰)

اس کے بعد حضرت اٰحق ﷺ کی پیدائش کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

”اور جب اس کا بیٹا اضحاق اس سے پیدا ہوا، تو ابرام سو برس کا تھا۔“

ان عبارتوں سے صاف واضح ہے کہ حضرت اٰحق ﷺ حضرت اسماعیل ﷺ سے چودہ سال چھوٹے تھے، اور اس چودہ سال کے عرصہ میں حضرت اسماعیل ﷺ اکلوتے تھے، اس کے برخلاف حضرت اٰحق ﷺ پر کوئی ایسا وقت نہیں گذرا کہ جس میں وہ اکلوتے رہے ہوں، اب جب اس کے بعد کتاب پیدائش کے بائیسویں باب میں بیٹے کی قربانی کا ذکر آتا ہے، تو اس میں اکلوتے کا لفظ صاف شہادت دے رہا ہے، کہ اس سے مراد اسماعیل ﷺ ہیں، اور کسی یہودی نے اس کے ساتھ اضحاق کا لفظ محض اس لئے بڑھا دیا ہے کہ یہ فضیلت بنو اسماعیل کے بجائے بنو اٰحق کو حاصل ہو۔

اس کے علاوہ بائبل کی اسی کتاب پیدائش میں جہاں حضرت ابراہیم ﷺ کو حضرت اٰحق ﷺ کی پیدائش

کی خوشخبری دی گئی ہے، وہاں یہ بھی مذکور ہے، یقیناً میں اسے (یعنی حضرت اسحق علیہ السلام کو) برکت دوں گا کہ تو میں اس کی نسل سے ہوں گی۔ (پیدائش: ۱۶، ۱۷)

اب ظاہر ہے کہ جس بیٹے کے بارے میں اس کی پیدائش سے پہلے ہی یہ خبر دی جا چکی ہو کہ وہ صاحب اولاد ہوگا، اور تو میں اس کی نسل سے ہوں گی، اس کی قربانی کرنے کا حکم کیسے دیا جاسکتا ہے؟ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم حضرت اسحق علیہ السلام سے متعلق نہیں کیا، بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے متعلق تھا، مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ (واللہ اعلم)۔ (روح المعانی، فتح القدیر شوکانی، معارف)

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۖ بِالنُّبُوَّةِ ۚ وَخَيَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۚ اٰی اسْتِعْبَادِ فِرْعَوْنَ اِيَّاهُمْ وَنَصَرْنَهُمْ عَلَى الْقَبِطِ ۚ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۚ وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ ۚ الْبَلِيغُ الْبَيَانِ فِيمَا آتَىٰ بِهِ مِنَ الْخُدُودِ وَالْاَحْكَامِ وَغَيْرِهِمَا وَهُوَ التَّوْرَةُ وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الطَّرِيقَ الْمُسْتَقِيمَ ۚ وَتَرَكْنَا اَبْقَيْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِينَ ۚ ثَنَاءٌ حَسَنًا سَلَّمَ مَنَا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنَاهُمَا نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَاِنَّ الْيَاسَ بِالْهَمْزِ اَوَّلُهُ وَتَرْكِهٖ لِمَنْ الْمُرْسَلِينَ ۚ قِيلَ هُوَ ابْنُ اَخِي هَارُونَ اَخِي مُوسَىٰ وَاُرْسِلَ اِلَىٰ قَوْمٍ يَبْعَلْبَكَ وَنَوَاجِيْهَا اِذْ مَنصُوبٌ بِاُذْكَرٍ مَّقْدَرًا قَالِ لِقَوْمِهِ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اَللّٰهُ اَتَذْعُرُوْنَ بَعْلًا اَسْمُ صَنِمْ لَهُمْ مِنْ ذَهَبٍ وَبِهٖ سُمِّيَ الْبَلَدُ مِصْرًا اِلَىٰ بَكَّ اِی اَتَعْبُدُوْنَهُ وَتَذَرُوْنَ تَتْرَكُوْنَ اَحْسَنَ الْخَلْقَيْنِ ۚ فَلَا تَعْبُدُوْهُ اَللّٰهُ رَبُّكُمْ وَرَبَّ اَبَائِكُمُ الْاَوَّلِينَ ۚ بَرَفَعِ الثَّلَاثَةَ عَلَى اضْمَارٍ هُوَ وَبَنَصْبِهَا عَلَى الْبَدَلِ مِنْ اَحْسَنَ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ۚ فِی النَّارِ الْاَعْبَادُ اَللّٰهُ الْمُخْلِصِينَ ۚ اِی الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُمْ فَانْهَم نَجَّوْا مِنْهَا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِی الْاٰخِرِينَ ۚ ثَنَاءٌ حَسَنًا سَلَّمَ مَنَا عَلَىٰ اِلْ یَاسِیْنَ ۚ هُوَ الْیَاسُ الْمَتَقَدِّمُ ذِکْرُهُ وَقِيلَ هُوَ مِنْ اَسْنٍ مَّعَهُ فَجَمِعُوْا مَعَهُ تَغْلِبًا كَقَوْلِهِمْ لِلْمُهَلَّبِ وَقَوْمِهِ الْمُهَلَّبُونَ وَعَلَى قِرَاءَةِ اِلْ یَاسِیْنَ بِالْمَدِّ اِی اِهْلَ الْمَرَادِ بِهِ الْیَاسُ اِیضًا اِنَّا كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنَا نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَاِنَّ لَوْطًا لِّمَنْ الْمُرْسَلِينَ ۚ اُذْ ذٰکَرِ اِذْ نَجَّيْنَاهُ وَاَهْلَهُ اَجْمَعِينَ ۚ اِلَّا عَجُوزًا فِی الْغَرِبِ ۚ الْبَاقِیْنَ فِی الْعَذَابِ ثُمَّ دَمَرْنَا اَهْلَکْنَا الْاٰخِرِينَ ۚ کُفَّارِ قَوْمِہٖ وَاَنْتُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْہُمْ اِی عَلٰی اَثَارِهِمْ وَمَنَازِلِهِمْ فِی اَسْفَارِکُمْ مُّصْحِحِينَ ۚ اِی وَقْتُ الصُّبْحِ یَعْنٰی بِالنَّهَارِ وَبِالْیَلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۚ یَا اِهْلَ مَكَّةَ مَا حَلَّ بِہُمْ فَتَعْتَبِرُوْنَ بِہٖ۔

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے موسیٰ و ہارون پر نبوت دے کر بڑا احسان کیا اور ان دونوں کو اور ان کی قوم بنی اسرائیل

کو بڑے غم (مصیبت) سے نجات دی، یعنی فرعون کے ان کو غلام بنانے سے، اور ہم نے قبطیوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کی

تو وہی غالب رہے اور ہم نے ان کو احکام و حدود وغیرہ میں جو اس میں بیان ہوئے ہیں واضح البیان کتاب عطا کی اور وہ تورات ہے اور ہم نے ان دونوں کو راہ مستقیم کی ہدایت دی اور ہم نے ان کے لئے بعد والوں میں ذکر خیر باقی رکھا، اور ہم اسی طرح جس طرح ان کو صلہ دیا نیک کام کرنے والوں کو صلہ دیا کرتے ہیں، بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے اور بلاشبہ الیاس علیہ السلام (بھی) مرسلین میں سے ہیں، اس کے شروع میں ہمزہ اور بدون ہمزہ (دونوں ہیں) کہا گیا ہے کہ الیاس موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون کے بھتیجے تھے بَعْلَبَکْ اور اس کے اطراف کی قوم کی جانب مبعوث ہوئے تھے، اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ (الیاس علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم بعل (نامی بت) کو پکارتے ہو، بعل ان کے ایک سنہری بت کا نام ہے، اور اسی کے نام پر (بعلبک) شہر کا نام رکھا گیا بَلْکْ کی جانب اضافت کر کے یعنی تم اس کی بندگی کرتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو، کہ اس کی بندگی نہیں کرتے (وہ) اللہ ہے جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا رب ہے هُوَ محذوف ماننے کی صورت میں تینوں کے رفع کے ساتھ اور ان کے نصب کے ساتھ اَحْسَنَ سے بدل کی صورت میں، مگر قوم نے اس کو جھٹلادیا وہ لوگ آگ میں حاضر کئے جائیں گے، سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص یعنی ان میں سے مومن بندوں کے وہ آگ سے نجات پائیں گے، اور ہم نے الیاس علیہ السلام کا بعد والوں میں بھی ذکر خیر باقی رکھا، الیاسین پر ہماری طرف سے سلام ہو یہ وہی الیاس ہیں جن کا ذکر سابق میں ہوا ہے، اور کہا گیا ہے کہ الیاس علیہ السلام اور وہ جو ان پر ایمان لائے تھے (مراد ہیں) لہذا ان کے ساتھ تغلیباً جمع لائی گئی ہے، جیسا کہ مُهَلَّبْ اور اس کی قوم کو (جمع کے طور پر) مُهَلَّبُونَ کہتے ہیں، اور ایک قراءت میں آل یسین مد کے ساتھ ہے یعنی ان کے اہل اس سے الیاس مراد ہیں ہم اسی طرح جیسا کہ ان کو صلہ دیا نیکو کاروں کو صلہ دیتے ہیں بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں، اور بے شک لوط علیہ السلام بھی پیغمبروں میں سے تھے اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے ان کو اور ان کے سب اہل خانہ کو نجات دی، سوائے ایک بڑھیا کے جو عذاب میں مبتلا ہونے والوں میں باقی رہ گئی پھر ہم نے دوسروں (یعنی) اس کی قوم کے کافروں کو ہلاک کر دیا اور تم تو ان پر یعنی اپنے اسفار کے دوران ان کے نشانات (خرابات) اور مکانات پر سے صبح کے وقت یعنی دن میں اور (کبھی) رات میں گذرتے ہو پھر بھی تم اے اہل مکہ نہیں سمجھتے کہ ان پر کیا (قیامت) گذری؟ کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو۔

تَحْقِيقُ تَرْکِیْبِ تَسْمِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: وَلَقَدْ مَنَّا یہ جملہ متانفہ ہے مقصد یہاں سے تیسرے قصہ کا بیان ہے، اس صورت میں واؤ استینافیہ ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عطف قصہ علی القصہ ہو اس صورت میں واؤ عاطفہ ہوگا، لام جواب قسم کے لئے ہے، قسم محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَعَزَّيْنَا وَجَلَّلْنَا لَقَدْ مَنَّا۔

قَوْلًا: وَنَصَرْنَا هُمُ، ہم ضمیر کا مرجع موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور ان کی قوم ہے۔

قَوْلًا: فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبُونَ، ہم ضمیر فصل ہے اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہے اور الغالبون کانوا کی خبر ہے، اور بعض نے ہم کو کانوا کے واؤ کی تاکید یا بدل بھی قرار دیا ہے۔ (اعراب القرآن)

قَوْلًا: سَلَامٌ عَلٰی مُوسٰی وَهَارُونَ، سلامٌ مبتداء ہے، تنوین تعظیم کے لئے لہذا نکرہ کا مبتداء واقع ہونا صحیح ہے، خبر محذوف ہے اور وہ مینا ہے اور علی موسیٰ و ہارون، سلام کے متعلق ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علی موسیٰ و ہارون کائن کے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر ہو۔

قَوْلًا: وَاِنَّ الْيَاسَ وَاسْتِثْنَاوِیْہِ ہے اور عاطفہ بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں عطف قصہ علی القصہ ہوگا۔
قَوْلًا: بِالْهَمْزِ اَوَّلِہِ وَتَرْكِہِ یعنی ہمزہ وصل قطع دونوں درست ہیں، دونوں صورتوں کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ الیاس عجمی کلمہ ہے عربی میں استعمال ہونے لگا ہے، اس لئے ہمزہ کے قطعی یا وصلی ہونے کو متعین نہ کر سکے، اسی وجہ سے دونوں قراءتیں جائز ہیں۔ (صاوی)

قَوْلًا: اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلِصِينَ فَانَّهُمْ نَجَوْا مِنْهَا سے اشارہ کیا کہ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الخ محضرون کے واؤ سے مستثنیٰ ہے، یعنی جن لوگوں نے حضرت الیاس علیہ السلام کی تکذیب کی ان کو جہنم میں حاضر کیا جائے گا، البتہ جنہوں نے تکذیب سے توبہ کر لی ان کو جہنم میں حاضر نہ کیا جائے گا، صاحب لغات القرآن نے کہا ہے کہ کذبوا کی ضمیر سے مستثنیٰ متصل ہے، اور مخلصین، عِبَادَ اللّٰهِ کی صفت ہے، جلالین کے محشی لکھتے ہیں کہ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلِصِينَ بظاہر مُحَضَّرُونَ سے استثناء ہے، مگر یہ درست نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ کذبوا کے واؤ سے استثناء ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے تکذیب نہیں کی، اسی وجہ سے اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ سے استثناء کر دیا اور مُحَضَّرُونَ سے استثناء اس لئے درست نہیں کہ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ مکذبین میں سے بعض کو مخلص بندوں میں سے ہونے کی وجہ سے حاضر نہیں کیا جائے گا، اور یہ ظاہر الفساد ہے، اور مستثنیٰ منقطع درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جن کو حاضر نہیں کیا جائے گا وہ قوم الیاس میں سے نہیں ہیں، اس میں فساد نظم کلام ظاہر ہے۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِیْحٌ

ذبح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح سے نجات اور ان پر احسان کے بیان سے فراغت کے بعد اب ان انعامات کا ذکر فرما رہے ہیں، جو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام پر فرمائے، ان نعمتوں میں جو اللہ تعالیٰ نے ان حضرات پر فرمائیں سب سے زیادہ اہم اور افضل نبوت ہے، اس کے بعد فرعون کے ذلت آمیز غلامی سے نجات کا ذکر ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ متعدد مقامات پر تفصیل و اجمال کے ساتھ بیان ہوا ہے، یہاں واقعہ کی طرف صرف اشارہ ہے،

یہاں اس واقعہ کو ذکر کرنے سے اصل یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص برگزیدہ اور اطاعت شعار بندوں کی کس طرح مدد فرماتے ہیں، اور انہیں کیسے کیسے انعامات سے نوازتے ہیں، انعامات کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک مثبت انعامات یعنی فائدہ پہنچانا وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ میں اسی انعام کی طرف اشارہ ہے، دوسری قسم منفی انعامات، یعنی نقصان سے بچانا، اگلی آیت میں اسی کی تفصیل ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام:

وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ اس سورت میں مذکور قصوں میں سے یہ چوتھا قصہ ہے، حضرت الیاس علیہ السلام کا قرآن کریم میں صرف دو جگہ ذکر آیا ہے، ایک سورہ انعام میں اور دوسرے سورہ صافات کی انہی آیتوں میں، سورہ انعام میں تو صرف انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں آپ کا اسم گرامی شمار کرایا گیا ہے، اور کوئی واقعہ ذکر نہیں کیا گیا، البتہ یہاں نہایت اختصار کے ساتھ آپ کی دعوت و تبلیغ کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔

چونکہ قرآن کریم میں حضرت الیاس علیہ السلام کے حالات تفصیل سے مذکور نہیں ہیں، اور نہ مستند احادیث میں آپ کے حالات کا تذکرہ ہے، روایات میں جس قدر بھی آپ کے حالات ملتے ہیں ان میں سے بیشتر اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں، مفسرین میں سے ایک مختصر جماعت کا کہنا یہ ہے کہ الیاس، حضرت ادریس علیہ السلام ہی کا دوسرا نام ہے، اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ الیاس اور خضر علیہ السلام ایک ہی ہیں۔ (درمنثور) لیکن محققین نے ان اقوال کی تردید کی ہے، حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی تاریخ میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

زمانہ بعثت اور مقام:

قرآن وحدیث سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ آپ کہاں اور کب مبعوث ہوئے تھے؟ لیکن تاریخی اور اسرائیلی روایات اس پر تقریباً متفق ہیں کہ آپ حضرت حزقیل علیہ السلام کے بعد اور حضرت یسع علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے جانشینوں کی بدکاری کی وجہ سے بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی، ایک حصہ ”یہودیہ“ کہلاتا تھا، اس کا مرکز بیت المقدس تھا، اور دوسرا حصہ ”اسرائیل“ کہلاتا تھا، اور اس کا پایہ تخت سامرہ، موجودہ نابلس تھا، حضرت الیاس علیہ السلام اردن کے علاقہ جلعاد میں پیدا ہوئے تھے، اس وقت اسرائیل کے ملک میں جو بادشاہ حکمراں تھا اس کا نام بابل میں انخی اب اور عربی تاریخ و تفاسیر میں اجب یا اُحب مذکور ہے، اس کی بیوی ایزبل، بعل نامی ایک بت کی پرستار تھی، اور اس نے اسرائیل میں بعل کے نام پر ایک بڑی قربان گاہ تعمیر کر کے تمام بنی اسرائیل کو بت پرستی کے راستہ پر لگادیا تھا، حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ اس خطہ میں جا کر توحید کی تعلیم دیں، اور اسرائیلیوں کو بت پرستی سے روکیں۔

(تفسیر ابن جریر، وابن کثیر، مظہری اور بائبل کی کتاب سلاطین، معارف)

قوم کے ساتھ کشمکش:

دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی اپنی قوم کے ساتھ شدید کشمکش سے دوچار ہونا پڑا، قرآن کریم چونکہ کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے، اس لئے اس نے اس کشمکش کا مفصل حال بیان کرنے کے بجائے صرف اتنی بات بیان فرمائی جو عبرت اور موعظت کے لئے ضروری تھی، یعنی یہ کہ ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا اور چند مخلص بندوں کے سوا کسی نے حضرت الیاس علیہ السلام کی بات نہ مانی، اس لئے آخرت میں انہیں ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

بعض مفسرین نے یہاں اس کشمکش کے مفصل حالات بیان فرمائے ہیں، مروجہ تفاسیر میں حضرت الیاس علیہ السلام کا سب سے زیادہ مفصل تذکرہ تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے، اس میں جو واقعات مذکور ہیں وہ تقریباً تمام تر بائبل سے ماخوذ ہیں، دوسری تفسیروں میں بھی ان واقعات کے بعض اجزاء حضرت وہب بن منبہ اور کعب الاحبار وغیرہ کے حوالہ سے بیان ہوئے ہیں، جو اکثر اسرائیلی روایات سے نقل کرتے ہیں۔ (معارف)

ان تمام روایات سے خلاصہ کے طور پر جو بات قدر مشترک نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام نے اسرائیل کے بادشاہ اخئی اب اور اس کی رعایا کو بعل نامی بت کی پرستش سے روک کر توحید کی دعوت دی، مگر چند حق پسندوں کے سوا کسی نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی، بلکہ آپ کو طرح طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ اخئی اب اور اس کی بیوی ایزبل نے آپ کے قتل کے منصوبے بنائے، آپ نے ایک دور افتادہ غار میں پناہ لی، اور عرصہ دراز تک وہیں مقیم رہے، اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی کہ اسرائیلی قحط کا شکار ہو جائیں تاکہ اس قحط سالی کو دور کرنے کے لئے آپ ان کو معجزات دکھائیں تو شاید وہ ایمان لے آئیں، چنانچہ انہیں شدید قحط میں مبتلا کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسرائیل کے بادشاہ اخئی اب سے ملے اور اس سے کہا یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ہے، اور اگر تم اب بھی باز آ جاؤ تو عذاب دور ہو سکتا ہے، میری صداقت کے امتحان کا بھی یہ بہترین موقع ہے، تم کہتے ہو کہ اسرائیل میں تمہارے معبود بعل کے ساڑھے چار سونے ہیں، تم ایک دن سب کو میرے سامنے جمع کر لو، وہ بعل کے نام پر قربانی پیش کریں، اور میں اللہ کے نام پر قربانی کروں گا، جس کی قربانی کو آسمانی آگ جلا دے اس کا دین سچا ہوگا، سب نے اس تجویز کو منظور کر لیا، چنانچہ کوہ کرمل کے مقام پر یہ اجتماع ہوا، بعل کے جھوٹے نبیوں نے اپنی قربانی پیش کی اور صبح سے دوپہر تک بعل سے التجا کرتے رہے مگر کوئی جواب نہ آیا، اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قربانی پیش کی، اس پر آسمانی آگ نازل ہوئی اور اس کو جلا کر خاکستر کر دیا، یہ دیکھ کر سب لوگ سجدے میں گر گئے اور ان پر حق واضح ہو گیا، لیکن بعل کے جھوٹے نبی اب بھی نہ مانے اس لئے حضرت الیاس نے ان کو وادی قیسون میں قتل کر دیا۔ (معارف)

اس واقعہ کے بعد زوردار بارش ہوئی اور قحط ختم ہو گیا مگر اخئی اب کی بیوی ایزبل کی اب بھی آنکھ نہ کھلی، اور بجائے اس کے کہ ایمان لاتی، حضرت الیاس کے قتل کی تیاری شروع کر دی، حضرت الیاس یہ سن کر پھر سامریہ سے روپوش ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد

اسرائیل کے دوسرے ملک یہودیہ میں تبلیغ شروع کر دی چند سال بعد آپ دوبارہ اسرائیل تشریف لائے اور اسرائیل کے بادشاہ اخئی اب اور اس کے لڑکے اختریاہ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر وہ بدستور اپنی بد اعمالیوں میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ انہیں بیرونی حملوں اور مہلک بیماریوں کا شکار بنا دیا گیا، اس کے بعد اللہ نے اپنے نبی کو واپس بلا لیا۔

کیا حضرت الیاس علیہ السلام زندہ ہیں؟

حضرت الیاس علیہ السلام کی موت و حیات کا مسئلہ اہل علم کے نزدیک مختلف فیہ ہے تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کے حوالہ سے جو طویل روایت بیان کی گئی ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو ایک آتشیں گھوڑے پر سوار کر کے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا، اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح زندہ ہیں، چار انبیاء ایسے ہیں جو زندہ ہیں، دوزمین پر ہیں حضرت خضر اور حضرت الیاس، اور دو آسمانوں میں حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس (درمنثور، ص ۲۸۵/۲۸۶، ج ۵) لیکن حافظ ابن کثیر جیسے محقق علماء نے ان روایات کو صحیح قرار نہیں دیا، حافظ ابن کثیر ان جیسی روایات کے بارے میں لکھتے ہیں: وَهُوَ مِنَ الْإِسْرَائِيلِيَّاتِ الَّتِي لَا تُصَدَّقُ وَلَا تُكَذَّبُ بَلِ الظَّاهِرُ أَنَّ صِحَّتَهَا بَعِيدَةٌ يَهْـ انْـ اسْـ رَائِـ لِي رِوَايَـ تِوْنَ مِـ نْ سَـ هَـ، جِـ نْ كِـ نَـ تَصْدِـ قْ كِـ جَا سْـ كِـ تِـ هَـ نَـ تَكْـ ذِـ بْ، بَلْـ كَـ ظَاـ هِرِـ يَـ هَـ كَـ اِنْ كِـ صَحْـ تْ بَعِـ دَـ هَـ۔ (البدایہ والنہایہ، ص ۳۳۸، ج ۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعب الاحبار اور وہب بن منبہ جیسے علماء نے جو اہل کتاب کے علوم کے ماہر تھے، یہی روایتیں مسلمانوں کے سامنے بیان کی ہوں گی جن سے حضرت الیاس علیہ السلام کی زندگی کا نظریہ بعض مسلمانوں میں بھی پھیل گیا، ورنہ قرآن و حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے، جس سے حضرت الیاس علیہ السلام کی زندگی یا آسمان پر اٹھایا جانا ثابت ہوتا ہو، صرف ایک روایت مستدرک حاکم میں ملتی ہے، جس میں مذکور ہے کہ تبوک کے راستہ میں آنحضرت ﷺ کی ملاقات حضرت الیاس علیہ السلام سے ہوئی، لیکن یہ روایت بصریح محدثین موضوع ہے، حافظ ذہبی فرماتے ہیں بَلِ هُوَ مَُوْضُوعٌ قَبَّحَ اللَّهُ مَنْ وَضَعَهُ وَمَا كُنْتُ أَحْسِبُ وَلَا أُجَوِّزُ أَنَّ الْجَهْلَ يَبْلُغُ بِالْحَاكِمِ إِلَى أَنْ يُصَحِّحَ هَذَا۔

بلکہ یہ حدیث موضوع ہے خدا برا کرے اس شخص کا جس نے یہ حدیث وضع کی، اس سے پہلے میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ امام حاکم کی بے خبری اس حد تک پہنچ سکتی ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح قرار دیں۔ (درمنثور، ص ۲۸۶، ج ۵)

اتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ”بعل“ لغت میں شوہر اور مالک وغیرہ کو کہتے ہیں، لیکن یہاں وہ بت مراد ہے جس کو حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم نے اپنا معبود بنا رکھا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی شام کے علاقہ میں اس بت کی پرستش ہوتی تھی، شام کا مشہور شہر بعلبک بھی اسی نام سے موسوم ہوا، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل حجاز کا مشہور بت بعل بھی یہی بعل ہے۔ (فصل القرآن، ص ۲۸، ج ۲، معارف)

آیت میں خالق سے مراد صانع ہے، احسن الخالقین ”سب سے اچھا خالق“ کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ کوئی دوسرا بھی خالق ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جن جھوٹے معبودوں کو تم نے خالق قرار دیا ہوا ہے، وہ ان سب میں بہتر صانع اور بنانے والا ہے، اس

لئے کہ دیگر صانعین صرف اتنا ہی تو کرتے ہیں کہ مختلف اجزاء کو جوڑ توڑ کر اور حل و ترکیب کر کے کوئی چیز تیار کرتے ہیں، مادہ کو پیدا کر کے کسی شے کو عدم سے وجود میں لانا ان کے بس کی بات نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ معدوم اشیاء کو وجود بخشنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

(بیان القرآن ملخصاً)

سَلَامٌ عَلَىٰ آلِ يَاسِينَ نافع اور ابن عامر اور یعقوب وغیرہ نے آل یاسین اضافت کے ساتھ پڑھا ہے، اور مصحف ثمانی میں مفصلاً لکھا ہے جس سے اس قراءت کی تائید ہوتی ہے، مشہور یہ ہے کہ الیاسین، الیاس عليه السلام کا نام ہے، عرب عجمی ناموں کو جب عربی میں استعمال کرتے ہیں تو ان میں کافی رد و بدل اور چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے کافی حذف اضافہ کر لیتے ہیں، جیسے سیناء سے سینین کر لیا، اسی طرح یہاں بھی الیاس کا الیاسین کر لیا، یہودیوں کے نزدیک حضرت الیاس ہی الیسا کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔

وَإِنَّ لُوطًا لِّمَنِ الْمُرْسَلِينَ ان آیات میں حضرت لوط عليه السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس سورت میں مذکور واقعات میں سے یہ پانچواں واقعہ ہے، یہ واقعہ پیچھے کئی مقامات پر گزر چکا ہے، اس لئے یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں، یہاں اہل مکہ کو خاص طور پر یہ تنبیہ کی گئی ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ اے اہل مکہ تم ملک شام کے تجارتی سفر میں ان تباہ شدہ علاقوں سے آتے جاتے گزرتے ہو، جہاں اب بھی بحیرہ مردار موجود ہے جو کہ نہایت کریمہ و متعفن اور بدبودار ہے، کیا تم انہیں دیکھ کر یہ بات نہیں سمجھتے کہ تکذیب رسل کی وجہ سے ان کا یہ بد انجام ہوا، تو تمہاری اس روش کا انجام بھی اس سے مختلف کیوں ہوگا؟ تم بھی وہی کام کر رہے ہو جو انہوں نے کیا، تو پھر تم اللہ کے عذاب سے کیوں محفوظ رہو گے؟

وَإِنَّ يُونُسَ لِمَنِ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ أَبَقَ بِهَرَبٍ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۖ السَّفِينَةُ الْمَمْلُوءَةُ حِينَ غَاضَبَ قَوْمَهُ لَمَّا سَمَ يَنْزِلُ بِهِمُ الْعَذَابُ الَّذِي وَعَدْتَهُمْ بِهِ فَرَكِبَ السَّفِينَةَ فَوَقَفَتْ فِي لُجَّةِ الْبَحْرِ فَقَالَ الْمَلَأُونَ بُنَا عَبْدُ بَقٍ مِّنْ سَيِّدِهِ تُظْهِرُهُ الْقَرْعَةُ ۖ فَسَاهَمَ قَارِعَ أَهْلِ السَّفِينَةِ ۖ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۖ الْمَغْلُوبِينَ بِالْقَرْعَةِ الْقَوَّةُ فِي الْبَحْرِ فَالْتَقَمَهُ الْحَوْتُ ۖ ابْتَلَعَهُ وَهُوَ مُلِيمٌ ۖ أَيْ ابْتَلَعَهُ بِمَا يُلَامُ عَلَيْهِ مِنْ ذُنُوبِهِ إِلَى الْبَحْرِ وَرُكُوبِهِ السَّفِينَةَ لَا إِذْنُ مِنْ رَبِّهِ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسِيحِينَ ۖ الذَّاكِرِينَ بِقَوْلِهِ كَثِيرًا فِي بَطْنِ الْحَوْتِ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۖ لَلَيْثُ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۖ لَصَارَ بَطْنُ الْحَوْتِ قَبْرًا لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ فَنَبَذْنَاهُ فِي بَطْنِ الْحَوْتِ بِالْعَرَاءِ ۖ بُوْجِهَ الْأَرْضِ أَيْ بِالسَّاحِلِ مِنْ يَوْمِهِ أَوْ بَعْدَ ثَلَاثَةِ أَوْ سَبْعَةِ أَيَّامٍ أَوْ عَشْرِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ يَوْمًا وَهُوَ سَقِيمٌ ۖ عَلِيلٌ كَالْفَرْخِ الْمُعْطِ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ ۖ وَهُوَ الْقَرْعُ تُظْلُهُ وَهِيَ سَاقٌ عَلَى خِلَافِ الْعَادَةِ فِي الْقَرْعِ مَعْجُزَةٌ لَهُ وَكَانَتْ تَأْتِيهِ وَعَلَةً صَبَاحًا وَمَسَاءً يَشْرَبُ مِنْ لَبَنِهَا حَتَّى يَوَىٰ ۖ وَأَرْسَلْنَاهُ بَعْدَ ذَلِكَ كَقَبْلِهِ إِلَى قَوْمِ بَنِي نُؤَىٰ مِنْ أَرْضِ الْمَوْصِلِ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ بَلْ يَزِيدُونَ ۖ عَشْرِينَ أَوْ ثَلَاثِينَ أَوْ سَبْعِينَ أَلْفًا فَأَمْنُوا ۖ عِنْدَ مُعَايِنَةِ الْعَذَابِ الْمُوعُودِينَ بِهِ فَمَتَّعْنَاهُمْ أَتَقِنَاهُمْ مُّتَمَتِّعِينَ

بِمَالِهِمْ إِلَى حِينٍ ۝ تَقْضَىٰ أَجَالُهُمْ فِيهِ فَاسْتَفْتِهِمْ إِسْتَخْبِرَ كُفَّارَ مَكَّةَ تُوبِيخًا لَهُمْ أَلَيْكَ الْبَنَتُ بُرْغَمِهِمْ
 أَنَّ الْمَلَائِكَةَ بَنَاتُ اللَّهِ ۝ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ۝ فَيُخْتَصُّونَ بِالْأَبْنَاءِ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ۝ خَلَقْنَا فَيَقُولُونَ
 ذَلِكَ إِلَّا أَنَّهُمْ مِنْ أَفْكَهْمُ كَذِبِهِمْ لَيَقُولُنَّ ۝ وَلَدَّ اللَّهُ بِقَوْلِهِمُ الْمَلَائِكَةُ بَنَاتُ اللَّهِ ۝ وَأَنَّهُمْ لَكَذِبُونَ ۝ فَيَا
 أَصْطَفَىٰ بَفْتَحِ الْهَمِزَةَ لِلْإِسْتِفْهَامِ وَاسْتَعْنَىٰ بِهَا عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ فَحُذِفَتْ أَيْ اخْتَارَ الْبَنَاتُ عَلَى الْبَنِينَ ۝
 مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ هَذَا الْحُكْمُ الْفَاسِدُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ بِإِدْغَامِ التَّاءِ فِي الدَّالِ أَنَّهُ سَبَّحَانَهُ تَعَالَى
 مَنَزَّةً عَنِ الْوَلَدِ أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُّبِينٌ ۝ حُجَّةٌ وَاضِحَةٌ أَنَّ لِلَّهِ وَلَدًا فَاتَّوًّا بِكِتَابِكُمُ التَّوْرَةَ فَأَرُونَنِي ذَلِكَ فِيهِ
 إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فِي قَوْلِكُمْ ذَلِكَ وَجَعَلُوا أَيْ الْمَشْرُكُونَ بَيْنَهُ تَعَالَى وَبَيْنَ الْجَنَّةِ أَيْ الْمَلَائِكَةِ
 لَا جِنَانَهُمْ عَنِ الْإِبْصَارِ نَسْبًا بِقَوْلِهِمْ أَنَّهَا بَنَاتُ اللَّهِ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجَنَّةُ إِنَّهُمْ أَيْ قَائِلِي ذَلِكَ لَمْ حَضَرُونَ ۝
 النَّارَ يُعَذِّبُونَ فِيهَا سُبْحَانَ اللَّهِ تَنْزِيلُهَا لَهُ عَمَّا يُصِفُونَ ۝ بَانَ لِلَّهِ وَلَدًا إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝ أَيْ الْمُؤْمِنِينَ
 اسْتِثْنَاءً مُنْقَطِعٌ أَيْ فَإِنَّهُمْ يُنَزِّلُهُنَّ اللَّهُ عَمَّا يَصِفُهُ هَؤُلَاءِ فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ۝ مِنَ الْأَصْنَامِ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ أَيْ
 عَلَى مَعْبُودِكُمْ وَعَلَيْهِ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهِ بِفَتْنَيْنِ ۝ أَيْ أَحَدًا إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِحُ الْجَحِيمِ ۝ فِي عِلْمِ اللَّهِ تَعَالَى قَالَ
 جِبْرِئِيلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا مِنَّا مَعْشَرُ الْمَلَائِكَةِ أَحَدٌ إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ ۝ فِي السَّمَوَاتِ يَعْبُدُ
 اللَّهُ سَبَّحَانَهُ وَتَعَالَى فِيهِ لَا يَتَجَاوَزُهُ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ۝ أَقْدَامُنَا فِي الصَّلَاةِ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ۝
 الْمُنَزَّلُونَ اللَّهُ عَمَّا لَا يَلِيقُ بِهِ وَإِنْ مَخْفَفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ كَانُوا أَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ لَيَقُولُنَّ ۝ لَوَ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا كِتَابًا
 مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝ أَيْ مِنْ كُتُبِ الْأَسْمِ الْمَاضِيَيْنِ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝ الْعِبَادَةُ لَهُ قَالَ تَعَالَى فَكَفَرُوا بِهِ أَيْ
 بِالْكِتَابِ الَّذِي جَاءَ بِهِمْ وَهُوَ الْقُرْآنُ الْأَشْرَفُ مِنْ تِلْكَ الْكُتُبِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ عَاقِبَةُ كُفْرِهِمْ
 وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا بِالْأَنْزِلِ لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ وَهِيَ لَا غَلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي أَوْ هِيَ قَوْلُهُ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝
 وَإِنَّ جُنَدَنَا أَيْ الْمُؤْمِنِينَ لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝ الْكُفَّارَ بِالْحُجَّةِ وَالنُّصْرَةَ عَلَيْهِمْ فِي الدُّنْيَا وَإِنْ لَمْ يُنْتَصِرْ بَعْضُ
 مِنْهُمْ فِي الدُّنْيَا فَفِي الْآخِرَةِ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ أَغْرَضَ عَنْ كُفَّارِ مَكَّةَ حَتَّى حِينٍ ۝ تُؤْمَرُ فِيهِ بِقِتَالِهِمْ وَأَبْصَرَهُمْ
 إِذَا نَزَلَ بِهِمُ الْعَذَابُ فَسَوْفَ يُبْصَرُونَ ۝ عَاقِبَةُ كُفْرِهِمْ فَقَالُوا اسْتَهْزَأَ مِنِّي نَزُولُ هَذَا الْعَذَابِ قَالَ تَعَالَى
 تَهْدِيدًا لَهُمْ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۝ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ بِفَنَائِهِمْ قَالَ الْفَرَاءُ، الْعَرَبُ تَكْتَفِي بِذِكْرِ السَّاحَةِ عَنْ
 الْقَوْمِ فَسَاءَ بِئْسَ صَبَاحًا صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ۝ وَفِيهِ إِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامِ الْمُضْمَرِ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّى حِينٍ ۝
 وَأَبْصَرُ فَسَوْفَ يُبْصَرُونَ ۝ كَرَّرَ تَاكِيدًا لِتَهْدِيدِهِمْ وَتَسْلِيَةً لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ
 الْعَلِيِّ عَمَّا يُصِفُونَ ۝ بَانَ لَهُ وَلَدًا وَسَلَّمُ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝ الْمُبْلَغِينَ عَنِ اللَّهِ التَّوْحِيدَ وَالشَّرَائِعَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ

عَلَمِينَ ﴿۱۷۲﴾ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ وَبِلَاكِ الْكَافِرِينَ

ترجمہ: بلاشبہ یونس (علیہ السلام) بھی (پیغمبروں میں سے ہیں) (اس وقت کو یاد کرو) جب (یونس علیہ السلام)

ھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے جبکہ وہ اپنی قوم سے ناراض ہوئے، جب ان پر وہ عذاب نازل نہ ہوا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا تو کشتی پر سوار ہو گئے کشتی دریا کے پیچوں بیچ جا کر ٹھہر گئی، تو ملاحوں نے کہا کشتی میں کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے آقا سے ھاگا ہوا ہے، جس کو قرعہ ظاہر کر دے گا، چنانچہ کشتی والوں نے قرعہ اندازی کی تو یہ قرعہ کے ذریعہ مغلوب ہو گئے، چنانچہ ان کو دریا میں ڈال دیا، تو ان کو مچھلی نے نگل لیا، حال یہ کہ وہ قابل ملامت کام کرنے والے تھے، یعنی اپنے رب کی اجازت کے بغیر دریا کی جانب جانے اور کشتی میں سوار ہونے کا ایسا کام کیا کہ جو قابل ملامت تھا اگر وہ مچھلی کے پیٹ میں بکثرت اپنے قول لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ کے ذریعہ ذکر کرنے والے نہ ہوتے تو مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے (یعنی) مچھلی کا پیٹ قیامت تک ان کے لئے قبر بن جاتا تو ہم نے اس کو مچھلی کے پیٹ سے زمین یعنی ساحل پر اسی دن یا تین دن یا سات دن یا بیس دن یا چالیس دن بعد ڈال دیا اور وہ مضحک تھے جیسا کہ بے بال و پر کا چوزا ہوتا ہے اور ہم نے ان پر (سایہ کے لئے) ایک بیلدار درخت بھی اگادیا تھا، اور وہ کدو کا درخت تھا جو ان پر سایہ فگن تھا، وہ بیل ان کے معجزے کے طور پر عام یلوں کے برخلاف تنے دار تھی اور ان کے پاس صبح و شام ایک پہاڑی بکری آتی تھی (یونس علیہ السلام) اس کا دودھ پیتے تھے تا آنکہ آپ قوی ہو گئے، اور ہم نے ان کو اس (واقعہ) کے بعد پہلے کے مانند علاقہ موصل میں نینوا کے لوگوں کی طرف رسول بنا کر ایک لاکھ بلکہ بیس ہزار یا تیس ہزار یا ستر ہزار سے زیادہ کی طرف بھیجا پھر وہ لوگ اس عذاب کو دیکھ کر جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا ایمان لے آئے تھے، تو ہم نے ان کو ان کے ان اسباب راحت سے جو ان کو حاصل تھے نفع حاصل کرنے کے لئے ایک مدت یعنی مدت عمر ختم ہونے تک زندہ رکھا آپ ان کفار مکہ سے تو بیخا دریافت کیجئے کیا آپ کے رب کے لئے بیٹیاں ہیں؟ (یہ بات) ان کے اس قول کی بناء پر (لازم آتی) ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور (خود) ان کے لئے بیٹے ہیں؟ یعنی ان کے لئے بیٹے خاص کر دیئے گئے ہیں، یا جب ہم نے فرشتوں کو مونث پیدا کیا تھا تو یہ ہماری تخلیق کا مشاہدہ کر رہے تھے؟ جس کی وجہ سے یہ ایسی بات کرتے ہیں خوب سن لو یہ بہتان تراشی کر رہے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے یہ بات ان کے اس قول سے کہ لَئِنْ كُنَّا إِلَّا إِلَهًا لَّذُنُورًا لِّلْغَايَةِ لَنُفِخَنَّ فِي الصُّورِ نَفْثًا مِّنْ غَايَةِ السَّمَاءِ (یونس علیہ السلام) اور وہ بلاشبہ اس میں جھوٹے ہیں کیا اللہ نے بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلہ میں پسند کیا ہے؟ (اصطفیٰ) ہمزہ کے فتح کے ساتھ استفہام کے لئے اس ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل سے استغناء ہو گیا جس کی وجہ سے ہمزہ استفہام (کو حذف کر دیا گیا، اور (اصطفیٰ) بمعنی اختیار ہے تم کو کیا ہو گیا؟ کہ تم یہ کس قدر فاسد حکم لگاتے ہو پھر کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے (تَذَكَّرُونَ) میں تاء کو ذال میں ادغام کر کے کیا تمہارے پاس اس بات پر) کوئی واضح دلیل ہے کہ اللہ کے اولاد ہے؟ (تو جاؤ) اپنی کتاب تورات لے آؤ اور اس میں مجھے یہ بات دکھاؤ

(کہ اللہ کے لئے ولد ہے) اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو اور مشرکین نے اللہ تعالیٰ اور جنات یعنی ملائکہ کے درمیان یہ کہہ کر رشتہ داری ثابت کی کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، فرشتوں کو جنات اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی (جنوں کے مانند) نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں، حالانکہ جنات کا خود یہ عقیدہ ہے کہ وہ یعنی جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں وہ نار جہنم میں حاضر کئے جائیں گے (اور) اس میں عذاب دیئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ ان تمام (صفات نقص) سے پاک ہے، جو یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے، مگر اللہ کے مخلص بندے یعنی مومنین، المؤمنین مستثنیٰ منقطع ہے یعنی مومنین اس کی ان ناقص صفات سے پاک بیان کرتے ہیں جن کو یہ اس کے لئے ثابت کرتے ہیں یقین مانو کہ تم سب مع ان بتوں کے جن کی تم بندگی کرتے ہو خدا سے کسی کو برگشتہ نہیں کر سکتے اور عَلَیْہِ، اللہ کے قول فَاتِنِیْنَ سے متعلق (مقدم) ہے، بجز اس کے جو علم الہی میں واصل جہنم ہونے والے ہیں، حضرت جبرائیل عَلِیْہِ السَّلَام نے آپ ﷺ سے فرمایا: ہم فرشتوں کی جماعت میں سے ہر ایک کا آسمانوں میں مقام متعین ہے اسی جگہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا ہے اس سے تجاوز نہیں کرتا اور ہم تو قدم سے قدم ملا کر نماز میں صف بستہ کھڑے ہیں اور ہم تو (اس کی) ان صفات سے پاک بیان کرتے ہیں جو اس کی شایان شان نہیں ہیں اور یہ لوگ یعنی کافر کہا کرتے تھے اگر ہمارے پاس (بھی) امم سابقہ کی کتابوں میں کوئی کتاب ہوتی تو ہم بھی عبادت میں اللہ کے مخلص بندوں میں سے ہوتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر وہ اس کتاب (یعنی) قرآن کا جو آسمانی کتابوں میں اشرف ہے، ان کے پاس آئی انکار کر بیٹھے ان کو عنقریب اپنے کفر کا انجام معلوم ہو جائے گا اور البتہ ہمارا رسولوں سے مدد کا وعدہ بہت پہلے صادر ہو چکا ہے اور وہ وعدہ یہ ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے، یا وہ نصرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ کا قول اِنَّہُمْ لَہُمْ الْمَنْصُورُونَ (الایۃ) ہے، کہ یقیناً ان ہی کی مدد کی جائے گی اور یقیناً ہمارا شکر یعنی مومنین کفار پر حجت اور نصرت سے دنیا میں غالب رہیں گے، اور اگر ان میں سے بعض دنیا میں منصور نہ ہوئے تو آخرت میں (ضرور) ہوں گے آپ کفار مکہ سے کچھ وقت تک کہ جس میں آپ کو جہاد کی اجازت دی جائے توجہ ہٹا لیجئے اور ان کو دیکھتے رہئے کہ ان پر عذاب کب نازل ہوتا ہے؟ وہ بھی اپنے کفر کے انجام کو عنقریب دیکھ لیں گے تو انہوں نے استہزاء کہا یہ عذاب کب نازل ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو دھمکانے کے طور پر فرمایا کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟ (سنو) جب عذاب ان کے صحن میں (یعنی ان پر) نازل ہوگا، فراء نے کہا ہے کہ عرب، قوم کے بجائے، ساحۃ کے ذکر پر کفایت کرتے ہیں (یعنی ساحۃ بول کر قوم مراد لیتے ہیں) تو اس وقت ان لوگوں کی جن کو ڈرایا جا چکا تھا بری صبح ہوگی اس میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے، آپ کچھ وقت ان کا خیال چھوڑ دیجئے، اور دیکھتے رہئے یہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے، کافروں کی تہدید اور آپ کی تسلی کے لئے اس جملہ کو مکرر لایا گیا ہے، آپ کا رب جو بہت بڑی عزت غلبہ والا ہے ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں مثلاً یہ کہ اس کی اولاد ہے پاک ہے اللہ کی توحید اور احکام کے پہنچانے والے رسولوں پر سلام ہو، رسولوں کی نصرت اور کافروں کی ہلاکت پر تمام تعریفوں کا مستحق اللہ رب العالمین ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: اِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ یونس ابن مثنیٰ تاء کی تشدید کے ساتھ بتثلیث النون، مثنیٰ یونس علیہ السلام کے والد کا نام ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کی والدہ کا نام ہے، اور کشف الاسرار میں ہے کہ ان کے والد کا نام مثنیٰ ہے اور ان کی والدہ کا نام نجیس ہے، حضرت یونس علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، ”ذوالنون“ اور ”صاحب الحوت“ بھی آپ کا ہی لقب ہے۔

قَوْلٌ: اِذْ اَبَقَ مَاضِیْ وَاحِدٌ مِّنْ غَائِبٍ اپنے مولا سے بھاگا (س ض ن) اِلَّا بَاقٌ غلام کا آقا سے بھاگنا، حضرت یونس علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ جو کہ مولا کے حقیقی ہے کی اجازت کے بغیر قوم کو چھوڑ کر چلے آئے تھے، اس لئے ان کو مجازاً اَبَقَ کہا گیا ہے اِذْ اَبَقَ اُذْ کَرِ فعل محذوف کا ظرف ہے۔

قَوْلٌ: حِیْنَ غَاضَبٍ قَوْمُهُ اِی غَضِبَ قَوْمُهُ، غَاضِبٌ اپنے معنی میں نہیں ہے اس لئے کہ مفاعلتہ کی خاصیت طرفین سے فعل کا تقاضا کرتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ غَاضِبٌ اپنے باب پر ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حضرت یونس علیہ السلام اور ان کی قوم دونوں آپس میں ایک دوسرے پر غصہ ہوئے۔

قَوْلٌ: سَاهَمَ، مُسَاهَمَةً سے قرعہ اندازی کی۔

قَوْلٌ: الْمُدْحَضِیْنَ، اِذْ حَاضٌ (افعال) سے اسم مفعول، مغلوب ہونے والا، قرعہ اندازی میں ہارنے والا۔

(لغات القرآن)

قَوْلٌ: مُلِیْمٌ یَہِ التَّقْمَةُ کی ضمیر مفعولی سے حال ہے۔

قَوْلٌ: مُلِیْمٌ اسم فاعل واحد مکرغائب مصدر اِلَامَةُ (افعال) مستحق ملامت، ایسا کام کرنے والا جس پر ملامت کی جائے، اَوْ هُوَ مُلِیْمٌ نَفْسَهُ۔

قَوْلٌ: کَثِیْرًا اس کا تعلق کان سے ہے (جمل) اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاٰیَةُ یہ قول کا مقولہ ہے اور کثرت کے معنی باب تفعیل سے مستفاد ہیں۔

قَوْلٌ: بِالْعَرَاءِ اِی فِی الْعَرَاءِ، الْعَرَاءُ الْمَكَانُ الْخَالِی عَنِ الْبِنَاءِ وَالنَّبَاتِ وَالْاَشْجَارِ (چٹیل میدان)۔

قَوْلٌ: کَا الْفَرْخِ الْمُمَعَطُ بضم المیم الاولى وتشدید الثانية پراکھڑا ہوا چوزہ، مُمَعَطُ اصل میں مُنْمَعَطُ تھا (افعال) نون کو میم میں مدغم کر دیا مِعَطُ وَاِمْتَعَطُ اِی سَقَطَ شَعْرُهُ مِنَ الدَّاءِ وَنَحْوِهِ۔ (جمل)

قَوْلٌ: وَعِلَّةٌ پہاڑی بکری (ج) وَعِلَاتٍ۔

قَوْلٌ: التَّوْرَةَ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں تورات کہنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ مخاطب مشرکین ہیں اور وہ اہل کتاب نہیں ہیں۔

قَوْلًا: اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ یہ جملہ شرطیہ ہے ماقبل کی دلالت کی وجہ سے جواب شرط محذوف ہے ای قالوا۔

قَوْلًا: لَقَدْ عَلِمْتَ الْجَنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ واو حالہ ہے، قَدْ حرف تحقیق لام جواب قسم کا ہے اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ اِنْ اپنے اسم و خبر سے مل کر علمت کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اِنْ کی خبر پر لام داخل ہونے کی وجہ سے اِنْ کے ہمزہ کو کسرہ دیدیا گیا ہے، ورنہ تو اَنْ ہونا چاہئے۔

قَوْلًا: اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمَخْلَصِينَ، محضرون سے مستثنیٰ منقطع ہے یعنی نیک بندے گرفتار شدگان میں نہیں ہیں، مستثنیٰ منہ، یا تو جَعَلُوا کا فاعل ہے یا تَصِفُونَ کا فاعل ہے یا محضرون کی ضمیر ہے اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمَخْلَصِينَ مستثنیٰ متصل بھی ہو سکتا ہے، جبکہ مُحْضَرُونَ سے مستثنیٰ ہو آئی اِنَّهُمْ يَحْضَرُونَ النَّارَ اِلَّا مَنْ اَخْلَصَ اس صورت میں جملہ تسبیح جملہ معترضہ ہوگا۔ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلًا: بِفَاتَيْنِ اسم فاعل جمع مذکر بازائدہ ہے مصدر فِتْنَةٌ ہے اس کا مفعول اَحَدًا محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کر دیا ہے تم کسی کو (خدا) سے برگشتہ نہیں کر سکتے، گمراہ نہیں کر سکتے۔

قَوْلًا: صَالِ اسم فاعل داخل ہونے والا، پہنچنے والا، اصل میں صَالِي تھا، آخر سے یا حذف ہوگئی۔

قَوْلًا: الْعِبَادَةُ لَهُ مفسر علام نے مخلصین کے مفعول العبادۃ کو ظاہر کر دیا ہے، مگر مفعول کی تقدیر اس صورت میں درست ہوگی کہ جب مخلصین کو لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں، جیسا کہ مدنی اور کوئی کے علاوہ کی قراءت ہے۔

قَوْلًا: وَفِيهِ اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ زیادتی تفسیح کے لئے ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لائے ہیں، اصل میں فَسَاءَ صَبَاحَهُمْ تھا، اور صباح سے مراد یوم یا وقت ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

وَ اِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ یہ اس سورت کا آخری قصہ ہے، یہ واقعہ پہلے بھی متعدد مقامات پر گذر چکا ہے، تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اس پر بحث کی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے واقعہ سے پہلے ہی نبی بنادیئے گئے تھے یا بعد میں نبی بنائے گئے، لیکن قرآن کریم کے ظاہری اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ مچھلی کے واقعہ سے پہلے ہی آپ کو نبی بنادیا گیا تھا، اور بیشتر روایات سے بھی یہی رائج معلوم ہوتا ہے، اَبَقَ اِبَاقُ سے مشتق ہے، اس کے معنی ہیں غلام کا اپنے آقا سے بھاگ جانا، یہاں یہ لفظ حضرت یونس علیہ السلام کے لئے صرف اس لئے استعمال ہوا ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی طرف سے بذریعہ وحی اجازت سے پہلے روانہ ہو گئے تھے، انبیاء علیہم السلام چونکہ مقرب بندے ہوتے ہیں، ان کی معمولی سی لغزش بھی گرفت کا سبب بن جاتی ہی، مقولہ مشہور ہے، حَسَنَاتُ الْاَنْبَرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ شیخ سعدی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے فرمایا ہے:۔

مقرباں را بیش بود حیرانی

فَسَبَّزْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ”عراء“ بے آب و گیاہ چٹیل میدان کو کہتے ہیں، ہم نے ان کو چٹیل میدان میں منہل حالت میں ڈال دیا، بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا کہ اس آیت میں اور دوسری آیت لَوْ لَا اَنْ تَذَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَبِّهِ لَنُبَذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ یہ آیت چٹیل میدان میں نہ ڈالنے پر اور پہلی آیت ڈالنے پر دلالت کرتی ہے، نحاس وغیرہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس بات کی خبر دی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو میدان میں ڈال دیا، حال یہ ہے کہ وہ مذموم نہیں تھے، اور دوسری آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو حالت مذمومہ میں ڈالے جاتے لہذا اب کوئی تعارض نہیں ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

قرعہ اندازی کا حکم:

قرعہ اندازی کوئی حجت شرعیہ نہیں ہے، قرعہ اندازی کے ذریعہ نہ کسی کا حق ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی کو حق سے محروم کیا جاسکتا ہے، مثلاً یہ کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ کسی کو چور ثابت کیا جائے، یا مثلاً دو فریقوں کے درمیان ملکیت کا جھگڑا ہو تو اس کا فیصلہ بھی قرعہ اندازی سے نہیں کیا جاسکتا، البتہ قرعہ اندازی اس موقع پر جائز بلکہ بہتر ہے کہ جہاں ایک شخص کو مکمل اختیار حاصل ہو اور وہ جس طریقہ کو اپنے اختیار سے متعین کرنا چاہے تو کر سکے، ایسی صورت میں اگر قرعہ اندازی کے ذریعہ کسی ایک صورت کو ترجیح دینا چاہے تو اس کو اختیار ہے مثلاً اگر کسی کی ایک سے زائد بیویاں ہوں اس کو شرعی اختیار حاصل ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے سفر میں ساتھ لے جائے، البتہ اگر قرعہ اندازی سے متعین کرے تو بہتر و افضل ہے تاکہ شکایت کا موقع نہ ہو، آپ ﷺ کی بھی یہی عادت مبارک تھی۔

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں بھی قرعہ اندازی سے کسی کو مجرم ثابت کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ پوری کشتی کو بچانے کے لئے کسی کو بھی دریا میں ڈالا جاسکتا تھا، قرعہ کے ذریعہ اس کی تعیین کی گئی۔ (معارف)

فَلَوْ لَا اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصائب و آلام کو دفع کرنے میں تسبیح و استغفار کو خاص اہمیت حاصل ہے، سورہ انبیاء میں یہ گزر چکا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تھے تو یہ کلمہ خاص طور پر پڑھتے تھے، لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ اللہ تعالیٰ نے اسی کلمہ کی برکت سے انہیں آزمائش سے نجات دی۔

ابوداؤد میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام نے جو دعاء مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یعنی لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ اسے جو مسلمان بھی کسی مقصد کے لئے پڑھے گا اس کی دعاء قبول ہوگی۔ (قرطبی)

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حَیْنٍ یعنی جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک عیش و آرام دیا یعنی جب تک وہ دوبارہ کفر کے مرتکب نہ ہو گئے، اس وقت تک ہم نے ان کو خوش عیش اور خوشحال رکھا۔

فَاتُوا بِكِتَابِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ مطلب یہ ہے کہ عقل تو اس عقیدے کی صحت کو تسلیم نہیں کرتی کہ اللہ کی اولاد ہے، اور وہ بھی مؤنث (لاؤ) کوئی نقلی دلیل ہی دکھا دو یعنی کوئی کتاب جو اللہ نے اتاری ہو، اس میں اللہ کی اولاد کا اعتراف یا حوالہ ہو، قریش اور بعض قبائل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنات سے رشتہ ازدواج قائم کیا، جس سے لڑکیاں پیدا ہوئیں، یہی بنات اللہ فرشتے ہیں، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے اور اس بات کو جنات بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہیں سزا بھگتنے کے لئے ضرور جہنم میں جانا پڑے گا، اگر اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ داری ہوتی تو یہ صورت حال نہ ہوتی۔

سُبْحَنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں صفات نقص بیان کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بالکل پاک اور بری ہے، اللہ کے مخلص بندے اللہ کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کرتے، یہ مشرکین ہی کا شیوہ ہے کہ اللہ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں (یا مطلب یہ ہے) کہ جہنم میں جنات اور مشرکین ہی حاضر کئے جائیں گے، اللہ کے برگزیدہ بندے نہیں، ان کے لئے تو اللہ نے جنت تیار کر رکھی ہے، اس صورت میں لمْخَضَرُوْنَ سے استثناء ہے اور تسبیح جملہ معترضہ ہے۔

لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ یعنی یہ کفار نزول قرآن سے پہلے کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس بھی اگر کوئی آسمانی کتاب ہوتی جیسا کہ پہلے لوگوں کے لئے تورات وغیرہ نازل ہوئی تھیں یا کوئی ہادی و منذر ہمیں وعظ و نصیحت کرنے والا ہوتا تو ہم بھی اس کے خالص بندے بن جاتے، مگر جب ان کی آرزو اور تمنا کے مطابق رسول اللہ ﷺ ہادی و مرہبر بن کر آئے اور قرآن بھی نازل کر دیا گیا تو ان پر ایمان لانے کے بجائے ان کا انکار کر دیا۔

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ فراء نے کہا ہے کہ عرب "لفظ قوم" کے بجائے سَاحَةٌ کا لفظ استعمال کرتے ہیں، چنانچہ مسلمان جب خیبر پر حملہ آور ہوئے تو یہودی مسلمانوں کو دیکھ کر گھبرا گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کہہ کر فرمایا: خَرِبْتَ خَيْبَرَ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ صَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَثَمَانُونَ آيَةً وَخَمْسُونَ كُوتًا

سُورَةُ صَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ أَوْ ثَمَانٍ وَثَمَانُونَ آيَةً.

سورہ ص مکی ہے، اور وہ چھیاسی (۸۶) یا اٹھاسی (۸۸) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ صَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ ۝ وَالْقُرْآنُ ذِي الذِّكْرِ ۝ اِی الْبَيَانِ اَوْ الشَّرْفِ وَجَوَابُ هَذَا الْقِسْمِ مَحْذُوفٌ اِی مَا الْأَمْرُ كَمَا قَالَ كُفَّارٌ مَكَّةَ مِنْ تَعُدِّدِ الْإِلَهَةِ ۝ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ فِي عِزَّةٍ وَتَكْبَرٍ ۝ عَنْ الْإِيمَانِ ۝ وَشِقَاقٍ ۝ خِلَافٍ وَعَدَاوَةٍ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَ اِی كَثِيرًا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ اِی امَّةٍ مِنْ الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ فَنَادَوْا ۝ حِينَ نَزَلَ الْعَذَابُ بِهِمْ ۝ وَلَاتِ حِينَ مَنَاصٍ ۝ اِی لَيْسَ الْحَيُّ جِئِنْ فِرَارٍ وَالتَّاءُ زَائِدَةٌ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ فَاعِلٍ نَادَوْا اِی اسْتَغَاثُوا وَالْحَالُ أَنْ لَا مَهْرَبَ وَلَا مَنَاجَا وَمَا اعْتَبَرُوا بِهِمْ كُفَّارٌ مَكَّةَ ۝ وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ ۝ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِهِمْ يُنْذِرُهُمْ يُخَوِّفُهُمْ بِالنَّارِ بَعْدَ الْبَغْيِ وَبُؤْسِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۝ وَقَالَ الْكُفْرُونَ فِيهِ وَضَعَ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ هَذَا السَّحَرُ كَذَابٌ ۝ أَجْعَلِ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا ۝ حَيْثُ قَالَ لَهُمْ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اِی كَيْفَ يَسْعُ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ إِلَهَ وَاحِدٍ ۝ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ ۝ عَجِيبٌ ۝ وَأَنْطَلَقَ الْمَلَائِكَةُ مِنْ مَجْلِسِ اجْتِمَاعِهِمْ عِنْدَ أَبِي طَالِبٍ وَسَمَاعِهِمْ فِيهِ ۝ بِنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَنْ أَمَشُوا يَقُولُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اِمْشُوا ۝ وَأَصْبِرُوا عَلَى إِلَهَيْكُمْ ۝ أَتُتْبِعُوا عَلَى عِبَادَتِهَا ۝ إِنَّ هَذَا الْمَذْكُورُ مِنَ التَّوْحِيدِ لَشَيْءٌ عَجَابٌ ۝ مِمَّا سَمِعْنَا بِهِ فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ ۝ اِی مِلَّةِ عِيسَى ۝ إِنَّ مَا هَذَا إِلَّا اخْتِلَافٌ ۝ كَذِبٌ ۝ أَنْزَلَ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَأَدْخَالَ الْبَاءَ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهِينِ وَتَرْكِهِ عَلَيْهِ عَلَى مُحَمَّدٍ الذِّكْرُ الْقُرْآنُ مِنْ بَيْنِنَا ۝ وَلَيْسَ بِأَكْبَرَنَا وَلَا أَشْرَفَنَا اِی لَمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ قَالَ تَعَالَى ۝ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْ ذِكْرِي ۝ وَحِينَ الْقُرْآنِ حَيْثُ كَذَّبُوا الْجَائِيَّ بِهِ ۝ بَلْ لَمَّا يَدُوقُوا عَذَابَ ۝ وَلَوْ ذَاقُوهُ لَصَدَّقُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا جَاءَ بِهِ وَلَا يَنْفَعُهُمُ التَّصَدِيقُ حِينَئِذٍ أَمْعَدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْغَالِبِ ۝ مِنَ النَّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا فَيُعْطُونَهَا مَنْ

شَاءَ وَ أَمْرُهُمْ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ زَعَمُوا ذَلِكَ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ۝ الْمُوصِلَةُ إِلَى السَّمَاءِ فَيَأْتُوا بِالْوَحْيِ فَيُخْصُّوهُ بِمَنْ شَاءَ وَ أَوَامٍ فِي الْمَوْضِعَيْنِ بِمَعْنَى بِهَمْزَةِ الْإِنْكَارِ جُنْدًا أَيْ هُمْ جُنْدٌ حَقِيرٌ هَٰذَا أَيْ فِي تَكْذِيبِهِمْ لَكَ مَهْزُومٌ صِفَةُ جُنْدٍ مِنَ الْأَحْزَابِ ۝ صِفَةُ جُنْدٍ أَيْضًا أَيْ مِنْ جُنْسِ الْأَحْزَابِ الْمُتَحَزِّبِينَ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ قَبْلَكَ وَأُولَٰئِكَ قَدْ قَهَرُوا وَأَنْهَلَكُوا فَكَذَلِكَ يُهْلِكُ هَٰؤُلَاءِ كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ تَانِيثُ قَوْمٍ بِإِغْتِبَارِ الْمَعْنَى وَعَادَ وَفَرَعُونَ ذُو الْأَوْتَادِ ۝ كَانَ يَتَذَكَّرُ لِكُلِّ مَنْ يُغَضِبُ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَوْتَادٍ وَيَشُدُّ إِلَيْهَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَيُعَذِّبُهُ وَتَمُودُ وَ قَوْمُ لُوطٍ وَ أَصْحَابُ لُيْكَةِ أَيْ الْغَيْضَةِ وَهُمْ قَوْمٌ شُعَيْبٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ۝ إِنَّ مَا كُلٌّ مِنَ الْأَحْزَابِ إِلَّا كَذِبَ الرُّسُلِ لِأَنَّهُمْ إِذَا كَذَّبُوا وَاجِدًا مِنْهُمْ فَكَذَّبُوا جَمِيعَهُمْ لِأَنَّهُمْ دَعَوْتَهُمْ وَاحِدَةً وَهِيَ دَعْوَةُ التَّوْحِيدِ فَحَقٌّ وَجَبَ عِقَابُ ۝

ترجمہ: شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جس اللہ ہی اس کی مراد کو بہتر جانتا ہے، قسم ہے ذکر والے یعنی بیان والے یا شان والے قرآن کی، جواب قسم محذوف ہے، یعنی بات ایسی نہیں جیسا کہ کفار متعدد الہ کے قائل ہیں بلکہ مکہ کے کافر غرور اور ایمان کے مقابلہ میں تکبر اور محمد ﷺ کی مخالفت اور عداوت میں پڑے ہیں، اور ہم نے ان سے پہلے بھی یعنی گزشتہ بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا، ان پر نزول عذاب کے وقت انہوں نے ہر چند چیخ و پکار کی لیکن وہ وقت نجات کا وقت نہیں تھا، یعنی وہ وقت فرار کا وقت نہیں تھا، اور لات میں تا زائدہ ہے، اور جملہ نادوا کی ضمیر سے حال ہے، یعنی انہوں نے فریاد کی، حالانکہ نہ بھاگنے کا موقع تھا، اور نہ نجات کا، اور مکہ کے کافروں نے ان سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی، اور کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ انہی میں سے ان کو ایک ڈرانے والا آگیا (یعنی) ان ہی میں کا ایک رسول آگیا، جو بعث کے بعد ان کو آگ سے ڈراتا ہے، اور خوف دلاتا ہے، اور وہ (محمد ﷺ) ہیں، اور کافر کہنے لگے یہ تو جادوگر ہے (اور) جھوٹا ہے، اس میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہے، کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کو ایک معبود کر دیا؟ واقعی یہ بڑی عجیب بات ہے، (یہ بات انہوں نے اس وقت کہی کہ) جب ان سے آپ نے کہا کہو! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، یعنی پوری مخلوق کے (انتظام) کے لئے ایک معبود کیسے کافی ہو سکتا ہے؟ ان کے سردار خواجہ ابوطالب کی مجلس میں نبی کریم ﷺ سے قولوا لا الہ الا اللہ سننے کے بعد خواجہ ابوطالب کی مجلس سے یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ بس چلو جی اور اپنے معبودوں یعنی ان کی عبادت پر جمے رہو، یقیناً اس توحید مذکور (کے مطالبہ) میں ہم سے ضرور کوئی غرض ہے، ہم نے تو یہ بات بچھلے دین یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں بھی نہیں سنی، یہ تو محض من گھڑت افتراء ہے کیا ہم میں سے اسی پر کلام الہی نازل کیا گیا ہے؟ حالانکہ وہ نہ ہم سے بڑا ہے اور نہ اشرف یعنی اس پر (کلام الہی) نازل نہیں کیا گیا، اُنزِلَ میں دونوں ہمزوں میں تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں ہمزوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف داخل کر کے اور نہ داخل کر کے دراصل یہ لوگ میرے ذکر و جی یعنی قرآن کے بارے میں شک میں ہیں اس

لئے انہوں نے وحی کو لانے والے کو جھٹلادیا ہے بلکہ (صحیح بات یہ ہے) کہ انہوں نے اب تک (میرا) عذاب چکھا نہیں ہے اور جب یہ اس عذاب کا مزہ چکھیں گے تو نبی ﷺ کی اس بات کی تصدیق کریں گے، جس کو وہ لے کر آئے ہیں (مگر) اس وقت تصدیق سے کوئی فائدہ نہ ہوگا یا کیا ان کے پاس تیرے زبردست فیاض رب کی رحمت کے خزانے ہیں؟ جن میں نبوت وغیرہ بھی شامل ہے، کہ یہ لوگ جس کو چاہیں دیں (اور جس کو چاہیں نہ دیں) یا کیا زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر ان ہی کی حکومت ہے اور اگر ان کو اس بات کا یقین ہے تو (چاہئے کہ) آسمان تک رسیاں تان کر چڑھ جائیں (اور) وحی لے آئیں اور بطور خاص جس کو چاہیں دیدیں، اور اُم دونوں جگہ ہمزہ انکاری کے معنی میں ہے، یہاں یعنی تیری تکذیب کے بارے میں شکست خوردہ ایک حقیر سا لشکر ہے مہزوم جند کی صفت ہے اور مِنَ الْاَحْزَابِ بھی جند کی صفت ہے یعنی (یہ لشکر) ان لشکروں کی جنس کا ہے جو آپ کے پیش رو انبیاء کے بالمقابل جمع ہو گئے تھے، اور وہ مغلوب ہوئے اور ہلاک کئے گئے تھے، اسی طرح ان کو بھی ہلاک کیا جائے گا اس سے پہلے بھی قوم نوح نے قوم کی تانیث معنی کے اعتبار سے ہے اور عاد نے اور میخوں والے فرعون نے بھی تکذیب کی تھی فرعون جس پر غضبناک ہوتا تھا تو چار میخیں گاڑ دیتا تھا اور ان سے اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر باندھ دیتا تھا اور اس کو سزا دیتا تھا اور شمود اور قوم لوط نے اور ایک کے رہنے والوں نے بھی (اصحاب ایکہ) یعنی جھاڑی والے اور وہ شعیب علیہ السلام کی قوم تھی، یہی (بڑے) لشکر تھے ان لشکروں (گروہوں) میں ایک بھی ایسا نہیں جنہوں نے رسولوں کی تکذیب نہ کی ہو اس لئے کہ جب انہوں نے ایک رسول کی تکذیب کر دی تو (گویا کہ) تمام رسولوں کی تکذیب کر دی اس لئے کہ ان سب کی ایک ہی دعوت تھی اور وہ دعوت تو حید تھی سو ان پر میری سزا ثابت ہو گئی۔

تحقیق و ترکیب تسبیح و تفسیری فوائد

قَوْلًا: صَ اس کو سورہ داؤد بھی کہا جاتا ہے (خازن) اس میں پانچ قراءتیں ہیں: ① جمہور کے نزدیک سکون کے ساتھ، یعنی صَادُ ② ضمہ بغیر تنوین، صَادُ ③ فتح بغیر تنوین، صَادُ ④ کسرہ بغیر تنوین صَادُ ⑤ کسرہ مع التنوین صَادُ، ضمہ بغیر تنوین کی صورت میں مبتداء محذوف کی خبر ہے، اِیْ هٰذِهِ صَادُ اس صورت میں صَ سورت کا نام ہوگا، اور علمیت و تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا، جن حضرات نے مفتوح بغیر تنوین پڑھا ہے، اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں ① مبنی بر فتح تخفیفاً جیسا کہ کَنِیفَ وَاَیْنَ ② جر تقدیری کے ساتھ حرف قسم مقدر کی وجہ سے ③ نصب فعل مقدر کی وجہ سے یا حرف قسم کے حذف کی وجہ سے۔ (حمل ملحظاً)

قَوْلًا: وَالْقُرْآنَ وَاَوْجَارَہِ قَسِیْہِ الْقُرْآنَ، مقسم بہ ہے جواب قسم میں چند وجوہ ہیں ① کَمُ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ جواب قسم ہے اصل میں لَکُمْ اَهْلَکْنَا تہا، لام کو فصل کثیر کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، جیسا کہ سورہ شمس میں قَدْ اَفْلَحَ جواب قسم سے لام حذف کر دیا گیا ہے ② جواب قسم اِنْ کُلَّ الْاِکْذٰبِ الرُّسُلِ ہے ③ جواب قسم محذوف

ہے، اور وہ لَقَدْ جَاءَ كَمِ الْحَقِّ وَغَيْرِہ ہے، اور ابن عطیہ نے کہا ہے کہ جواب قسم مَا الْأَمْرُ كَمَا تَزَعْمُونَ محذوف ہے، علامہ محلی نے، مَا الْأَمْرُ كَمَا قَالَ كَفَّارُ مَكَّةَ مِنْ تَعْدَدِ الْأَلْهَةِ قسم محذوف مانی ہے، اور زنجیری نے اِنَّهُ لَمُعْجَزٌ مُقَدَّرٌ مَانَا ہے، اور شیخ نے اِنَّكَ لَمِنْ الْمُرْسَلِينَ مُقَدَّرٌ مَانَا ہے، اور فرمایا یہ یَسَّ، وَالْقُرْآنَ الْحَكِيمَ اِنَّكَ لَمِنْ الْمُرْسَلِينَ کی نظیر ہے۔ (جمل ملخصاً)

قَوْلُهُ: اِی كَثِیْرًا اس سے اشارہ کر دیا کہ كَمَ خبر یہ ہے جو کہ اَهْلَكْنَا کا مفعول ہے مِنْ قَرْنٍ اس کی تمیز ہے۔
قَوْلُهُ: وَلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ، لَاتَ کی تاء کے رسم الخط میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے مَفْصُوْلًا دَرَا ز (ت) کی شکل میں لکھا ہے جیسا کہ پیش نظر نسخہ میں ہے، اور بعض حضرات نے (ت) کو حِیْنَ کے ساتھ ملا کر لکھا ہے اِی لَا تَحِیْنَ مَنَاصٍ اور اس اختلاف کا مدار وقف پر ہے، بعض حضرات (ت) پر وقف کرتے ہیں تو وہ (ت) کو دراز شکل میں لکھتے ہیں اور بعض حضرات لَا پر عطف کرتے ہیں۔

قَوْلُهُ: مَنَاصٍ (ن) سے مصدر میسی ہے بھاگنا، پناہ لینا، اسم ظرف بھی ہے، پناہ گاہ، جائے فرار اس کے معنی ہیں لیس الحین حین فرارِ تاء زائدہ ہے اور جملہ نَادَوْا کے فاعل سے حال ہے، مطلب یہ ہے کہ مکذبین رسل نے بہت چیخ پکار کی مگر نہ ان کو کوئی جائے فرار حاصل ہوئی اور نہ جائے نجات، مگر کفار مکہ نے ان کی اس حالت سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔

قَوْلُهُ: اِی لیس الحین اس عبارت سے علامہ محلی نے لَاتَ میں خلیل اور سیبویہ کے مذہب مختار کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ یہ کہ لَاتَ میں لَا بمعنی لیس ہے، اور اس کے اسم و خبر محذوف ہیں، اور وہ اسم و خبر لفظ حِیْنَ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لیس الحین حِیْنَ مَنَاصٍ پہلا حین اسم ہے اور دوسرا خبر اور لَاتَ میں ت تاکید نفی کے لئے زائدہ ہے۔
قَوْلُهُ: فِیْہِ وَضَعَ الظَّاهِرَ مَوْضِعَ الْمَضْمَرِ زِیَادَتِی تَقْجِیجِ کے لئے اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر استعمال کیا یعنی قَالُوا کے بجائے قَالَ الْكَافِرُونَ کہا ہے۔

قَوْلُهُ: عُجَابٌ بڑی عجیب چیز، مبالغہ کا صیغہ، ایسی عجیب چیز جو ناقابل یقین ہو۔

قَوْلُهُ: اَنْ اَمْشُوا میں ان تفسیر یہ ہے، جیسا کہ مفسر رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ نے اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلُهُ: اِنَّ هَذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ بِہِ اِصْبِرُوْا عَلٰی اِلٰہِتِکُمْ کی علت ہے۔

قَوْلُهُ: بَلْ هُمْ فِیْ شَکٍّ یہ مقدر سے اعراض ہے، تقدیر عبارت یہ ہے انکار ہم لَذَکْرِی لیس عن علم بل ہم فی شَکٍّ مِنْہِ۔

قَوْلُهُ: بَلْ لَمَّا یَذُوقُوا عَذَابِ اِی عَذَابِی سبب شک کو بیان کرنے کے لئے اضرب انتقالی ہے یعنی ان کے شک کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ چکھا نہیں ہے، لَوْ ذَاقُوا لَصَدَّقُوا النَّبِیَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔
قَوْلُهُ: لَمَّا، لَمَّ سے اشارہ ہے کہ لَمَّا بمعنی لَمَّ ہے۔

قَوْلًا: فَلْيَرْتَقُوا فِي الْاَسْبَابِ فاشترط مقدر کے جواب میں واقع ہے، جیسا کہ مفسر علام نے تقدیر عبارت نکال کر اشارہ کر دیا ہے ای رَاعُوا ذَلِكَ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْاَسْبَابِ۔

قَوْلًا: ای هُمْ جُنْدٌ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جُنْدٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور تَوْنٍ تقلیل و تحقیر کے لئے ہے اور ما، قلت کی تاکید کے لئے ہے۔

قَوْلًا: هُنَالِكَ، جُنْدٌ یا مَهْزُومٌ کا ظرف ہے، اور مَهْزُومٌ بمعنی مغلوب و مقہور ہے، مطلب یہ ہے کہ قریش رسولوں کے خلاف جماعت بندی کرنے والی ایک حقیر و قلیل جماعت ہے جو عنقریب شکست خوردہ ہوگی۔

قَوْلًا: صِفَةُ جُنْدٍ ایضا یہاں جُنْدٌ کی تین صفات بیان کی گئی ہیں، پہلی صفت مَا دُوسِرَى مَهْزُومٌ تیسری مِنْ الْاَحْزَابِ۔

قَوْلًا: اُولَئِكَ الْاَحْزَابِ یہ طوائف مذکورہ سے بدل ہے۔

قَوْلًا: لَا تُهْمُ الْخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اِنْ كُلُّ اِلَا كَذَّبَ الرَّسُلَ کیوں کہا گیا ہے باوجودیکہ ہر قوم نے صرف ایک رسول کی تکذیب کی ہے۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ تمام انبیاء و رسل کے اصول دین اور دعوت ایک ہی ہیں لہذا ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب شمار ہوگی۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحِ

ص، وَالْقُرْآنُ ذِي الذِّكْرِ اس نصیحت والے قرآن کی قسم جس میں تمہارے لئے ہر قسم کی نصیحت اور ایسی باتیں ہیں جن سے تمہاری دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی، بعض حضرات نے ذی الذکر کا ترجمہ شان اور مرتبہ والا بھی کیا ہے، امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ دونوں ہی معنی صحیح ہیں، اس لئے کہ قرآن عظمت و شان کا حامل بھی ہے، اور اہل ایمان و تقویٰ کے لئے نصیحت اور درس عبرت بھی، یہ بات تاکید کے لئے قسم کھا کر کہی گئی ہے، جواب قسم محذوف ہے یعنی بات اس طرح نہیں جس طرح کفار مکہ کہتے ہیں، کہ محمد ﷺ ساحر یا شاعر، یا کاذب ہیں، بلکہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، جن پر ذی شان قرآن نازل ہوا۔

بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ یعنی یہ قرآن تو یقیناً شک و شبہ سے پاک اور نصیحت ہے، البتہ ان کافروں کو اس سے فائدہ اس لئے نہیں پہنچ رہا ہے کہ ان کے دماغوں میں استکبار اور غرور ہے اور دلوں میں مخالفت و عناد، عِزَّة کے معنی ہیں حق کے مقابلہ میں اکرنا۔

كَمْ اَهْلَكْنَا الْخ ان کفار مکہ سے پہلے ایسی قومیں گزری ہیں کہ جو زور و قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں، لیکن کفر و تکذیب کی وجہ سے برے انجام سے دوچار ہوئیں، اور انہوں نے عذاب کے آثار دیکھنے کے بعد بہت ہائے پکار کی اور توبہ پر اظہار آمادگی کیا، مدد کے لئے لوگوں کو پکارا، لیکن وہ وقت نہ توبہ و فریادری کا تھا اور نہ فرار کا، اس لئے نہ ان کا ایمان نافع ہوا، اور نہ وہ بھاگ کر عذاب سے بچ سکے، لاث یہ دراصل لا ہے اس میں ت کا اضافہ کر دیا گیا ہے، جیسے ثُمَّ میں ٹمٹ۔

أَجْعَلَ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا یعنی ایک ہی اللہ ساری کائنات کا نظام چلانے والا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اسی طرح عبادت اور نذر و نیاز کا صرف وہی مستحق ہے یہ ان کے لئے ناقابل یقین اور بڑی عجیب بات تھی۔

شان نزول:

اس سورت کی ابتدائی آیات کا شان نزول اور پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابوطالب مسلمان نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی پوری نگہداشت اور حمایت کرتے تھے، جب خواجہ ابوطالب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی، جس میں ابو جہل، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب، اور اسود بن عبد یغوث اور دوسرے رؤساء شریک تھے، مشورہ یہ ہوا کہ ابوطالب شدید بیمار ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان کا اسی بیماری میں انتقال ہو جائے، ان کے انتقال کے بعد اگر ہم نے محمد (ﷺ) کو ان کے نئے دین سے باز رکھنے کے لئے کوئی سخت اقدام کیا تو عرب کے لوگ ہمیں یہ طعنہ دیں گے کہ جب تک ابوطالب زندہ تھے، اس وقت تک تو یہ لوگ محمد (ﷺ) کا کچھ نہ بگاڑ سکے، اور جب ان کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے آپ کو ہدف بنالیا، لہذا ہمیں چاہئے کہ ہم ابوطالب کی زندگی ہی میں ان سے محمد (ﷺ) کے معاملہ کا تصفیہ کر لیں تاکہ وہ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔

چنانچہ یہ لوگ ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جا کر ان سے کہا تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے آپ انصاف سے کام لیکر ان سے کہئے کہ وہ جس خدا کی چاہیں عبادت کریں، لیکن ہمارے معبودوں کو کچھ نہ کہیں، (حالانکہ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان کے بتوں کو اس کے سوا کچھ نہ کہتے تھے کہ بے حس اور بے جان ہیں نہ تمہارے خالق ہیں اور نہ رازق نہ تمہارا کوئی نفع ان کے قبضہ میں ہے اور نہ نقصان) ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کو مجلس میں بلوایا، اور آپ سے کہا بھتیجے یہ لوگ تمہاری شکایت کر رہے ہیں کہ تم ان کے معبودوں کو برا کہتے ہو، تم انہیں ان کے مذہب پر چھوڑ دو، اور تم اپنے خدا کی عبادت کرتے رہو، درمیان درمیان میں قریش کے لوگ بھی بولتے رہے۔

بالآخر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا چچا جان! کیا میں انہیں اس چیز کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی بہتری ہے؟ ابوطالب نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا میں ان سے ایک ایسا کلمہ کہلوانا چاہتا ہوں جس کے ذریعہ سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہو جائے گا، اور یہ پورے عرب کے مالک ہو جائیں گے، اس پر ابو جہل نے کہا، بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے؟ تمہارے باپ کی قسم، ہم ایک کلمہ نہیں دس کلمے کہنے کو تیار ہیں، اس پر آپ نے فرمایا بس لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ دو، یہ سن کر سب لوگ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے، کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک کو اختیار کر لیں؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے، اس موقع پر سورہ ص کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

(تفسیر ابن کثیر، ص ۲۷/۲۸، ج ۴)

وَأَنْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ الْخ سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، مشرکین مکہ کا کہنا تھا کہ تو حید کا مسئلہ خود اس کا من گھڑت اور اختراع ہے ورنہ عیسائیت میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو الوہیت میں شریک تسلیم کیا گیا ہے اور دوسری بات

یہ ہے کہ مکہ اور طائف میں بڑے بڑے چودھری اور رئیس ہیں، اگر اللہ کو کسی کو نبی بنانا ہی تھا تو ان میں سے کسی کو نبی بناتا، ان کو چھوڑ کر محمد (ﷺ) کا انتخاب بھی عجیب ہے؟

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ کو آنحضرت ﷺ کا نبوت کے لئے منتخب ہونا بھی پسند نہیں تھا، بلکہ ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ جس کو وہ چاہیں اس کو نبوت کے لئے منتخب کیا جائے، گویا کہ وہ رحمت خداوندی کے خزانوں کے مالک ہیں، رحمت کے خزانوں میں سے اعلیٰ درجہ کی رحمت نبوت بھی ہے، اب جبکہ مشرکین مکہ کو محمد ﷺ کی نبوت پسند نہیں ہے تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو نبوت کا منبع اور سرچشمہ ہے وہاں جائیں اور اس سلسلہ کو منقطع کرائیں اور اپنے کسی پسندیدہ شخص کے نام جاری کرائیں۔

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِنَ الْاَحْزَابِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی مدد اور کفار کی شکست کا وعدہ ہے یعنی کفار کا لشکر باطل لشکروں میں سے ایک لشکر ہے یہ لشکر بڑا ہے یا چھوٹا، اس کی ہرگز پرواہ نہ کریں اور نہ اس سے خوف زدہ ہوں، شکست ان کا مقدر ہے هُنَالِكَ مکان بعید کی طرف اشارہ ہے جو جنگ بدر اور یوم فتح مکہ کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جہاں کفار عبرت ناک شکست سے دوچار ہوئے۔

وَفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ اس کے لفظی معنی ہیں میخوں والا فرعون، اس کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات نے فرمایا، اس سے اس کی سلطنت کے استحکام کی طرف اشارہ ہے، استحکام کی طرف اشارہ کرنے کو ”کھونٹے لڑنا“ بولتے ہیں، حضرت تھانوی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے ترجمہ کیا ہے وہ فرعون، جس کے کھونٹے لڑ گئے تھے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فرعون جب کسی کو سزا دیتا تو اس کے چاروں ہاتھ پیروں میں میخیں گاڑ دیتا تھا، اور اس پر سانپ اور بچھو چھوڑ دیتا تھا، اسی طرح اذیت ناک سزا دیکر ہلاک کر دیتا تھا، اور بعض نے کہا ہے کہ فرعون رسیوں اور میخوں کا کوئی کھیل کھیلا کرتا تھا، اس وجہ سے اس کو ذُو الْاَوْتَادِ کہا گیا ہے۔ (معارف، قرطبی)

اولَئِكَ الْاَحْزَابُ اس کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ یہ جملہ مہزومٌ مِنَ الْاَحْزَابِ کا بیان ہے، یعنی جن گروہوں کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہیں، ایک تفسیر اس کی یہ بھی کی گئی ہے ”گروہ وہ تھے“، یعنی اصل طاقت و قوت جس کو طاقت کہنا چاہئے، اس کے مالک وہ لوگ تھے، یعنی قوم نوح، اور عاد و ثمود وغیرہ، مشرکین مکہ کی ان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں، جب وہ لوگ عذاب الہی سے نہ بچ سکے تو ان کی کیا ہستی ہے؟ (قرطبی)

وَمَا يَنْظُرُ يَنْتَظِرُ هَؤُلَاءِ اِی كُفَّارٌ مَّكَّةَ الْاَصْحٰیحَةِ وَاحِدَةً ہٰی نَفْحَةُ الْقِيَامَةِ تُجَلُّ بِهِمُ الْعَذَابُ مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿بَفَتْحِ الْفَاءِ وَضَمِّهَا رُجُوعٌ وَقَالُوا لِمَا نَزَلَ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ الْخِمْ مَرَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْنَآ اِی كِتَابِ اَعْمَالِنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ قَالُوا ذٰلِكَ اِسْتِهْزَاءٌ قَالَ تَعَالٰی اَصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُولُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْاَيْدِیْ اِی الْقُوَّةُ فِی الْعِبَادَةِ كَانَ یَصُومُ یَوْمًا وَیُفْطِرُ یَوْمًا وَیَقُومُ نِصْفَ

الَّيْلِ وَيَنَامُ ثُلُثَهُ وَيَقُومُ سُدُسَهُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ رَجَاعُ إِلَى مَرْضَاتِ اللَّهِ إِنَّا سَخَرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِتَسْبِيحِهِ بِالْعَشِيِّ وَفَتْ صَلَوةَ الْعِشَاءِ ۖ وَالْإِشْرَاقِ ۖ وَفَتْ صَلَوةَ الضُّحَى وَهُوَ أَنْ تَشْرِقَ الشَّمْسُ وَيَتَنَاهَى ضَوْءُهَا ۖ وَ سَخَرْنَا الطَّيْرَ مَحْشُورَةً مَجْمُوعَةً إِلَيْهِ تُسَبِّحُ مَعَهُ كُلُّ مِّنَ الْجِبَالِ وَالطَّيْرِ لَهُ أَوَّابٌ ۖ رَجَاعُ إِلَى طَاعَتِهِ بِالتَّسْبِيحِ وَشَدَّدْنَا مَلَكَهُ قَوْنِيَاهُ بِالْحَرَسِ وَالْجُنُودِ كَانَ يَحْرُسُ بِخِرَابِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثُونَ أَلْفَ رَجُلٍ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ النَّبُوَّةَ وَالْإِصَابَةَ فِي الْأُمُورِ ۖ وَفَصَّلَ الْخُطَابِ ۖ الْبَيَانُ الشَّافِي فِي كُلِّ قَصْدٍ وَهَلْ مَعْنَى الْإِسْتِفْهَامِ بُنَا التَّعَجُّبِ وَالتَّشْوِيقِ إِلَى اسْتِمَاعِ مَا بَعْدَهُ أَتَى يَا مُحَمَّدُ نَبُو الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۖ بِمِحْرَابِ دَاوُدَ أَيْ مَسْجِدِهِ حَيْثُ مَنَعُوا الدُّخُولَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ لِشُغْلِهِ بِالْعِبَادَةِ أَيْ خَيْرُهُمْ وَقَصَّتْهُمْ إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُدَ فَفَرَّغَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ نَحْنُ خَصْمٌ قِيلَ فَرِيقَانِ لِيُطَاقَ مَا قَبْلَهُ مِنْ ضَمِيرِ الْجَمْعِ وَقِيلَ اثْنَانِ وَالضَّمِيرُ بِمَعْنَاهُمَا وَالْخَصْمُ يُطْلَقُ عَلَى الْوَاحِدِ وَكَثْرَتِهِمَا مَلَكَانِ جَاءَ أَفَى صُورَةِ خَصْمَيْنِ وَقَعَ لَهُمَا مَا ذَكَرَ عَلَى سَبِيلِ الْفَرْضِ لِتَنْبِيهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى مَا وَقَعَ مِنْهُ وَكَانَ لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ امْرَأَةً وَطَلَبَ امْرَأَةً شَخْصٍ لَيْسَ لَهُ غَيْرُهَا وَتَزَوَّجَهَا وَدَخَلَ بِهَا بَغَى بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تَشْطِطْ تَجَرَّ وَاهِدًا أَرْشَدَنَا إِلَى سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۖ وَسَطِ الطَّرِيقِ الصَّوَابِ إِنَّ هَذَا آخِرُ مَا عَلَى دِينِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعَجَةً يُعْبَرُ بِهَا عَنِ الْمَرَأَةِ وَلِي نَعْجَةٍ وَاحِدَةٍ فَقَالَ أَكْفَلْنِيهَا اجْعَلْنِي كَافِلَهَا وَعَزَّنِي غَلْبَنِي فِي الْخُطَابِ ۖ أَيْ الْجِدَالِ وَأَقْرَهُ الْآخِرُ عَلَى ذَلِكَ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعَجِكَ لِضَمَمِهَا إِلَى نَعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ الشُّرَكَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ مَا لِي تَاكِدَ الْقِلَّةَ فَقَالَ الْمَلَكَانِ صَاعِدَيْنِ فِي صُورَتِهِمَا إِلَى السَّمَاءِ قَضَى الرَّجُلُ عَلَى نَفْسِهِ فَتَنَّهُ دَاوُدُ قَالَ تَعَالَى وَظَنَّ أَيْ أَتَقَنَ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّهُ أَوْ قَعْنَاهُ فِي فِتْنَةٍ أَيْ بَلِيَّةٍ بِمَحَبَّةِ تِلْكَ الْمَرَأَةِ فَاسْتَغْفَرَتْهُ وَخَرَّ رَاكِعًا أَيْ سَاجِدًا وَأَنَابَ ۖ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَى ۖ أَيْ زِيَادَةَ خَيْرٍ فِي الدُّنْيَا وَحُسْنَ مَآبٍ ۖ مَرْجِعٌ فِي الْآخِرَةِ يَدَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ تُدَبِّرُ أَمْرَ النَّاسِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ أَيْ هَوَى النَّفْسِ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَيْ عَنِ الدَّلَائِلِ الدَّالَّةِ عَلَى تَوْحِيدِهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَيْ عَنِ الْإِيمَانِ بِاللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَآسُوًا بِنِسْيَانِهِمْ يَوْمَ الْحِسَابِ ۖ الْمَتَرْتَّبُ عَلَيْهِ تَرْكُهُمُ الْإِيمَانَ وَلَوْ أَتَقَنُوا يَوْمَ الْحِسَابِ لَا مَنَوا فِي الدُّنْيَا.

ترجمہ: انہیں یعنی کفار مکہ کو ایک چیخ کا انتظار ہے، اور وہ قیامت کا فتنہ ہوگا، جو ان پر عذاب نازل کرے گا، اور اس فتنہ کے لئے توقف نہ ہوگا فواق میں فافتح اور ضمہ کے ساتھ ہے، جب آیت فامّا من اوتی کتابہ بيمينہ نازل ہوئی تو

انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار تو ہمارا حصہ یعنی نامہ اعمال حساب کے دن سے پہلے (دنیا ہی) میں دیدے یہ بات انہوں نے تمسخر کے طور پر کہی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے، اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے جو عبادت میں بڑے قوی تھے، ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے آدھی رات قیام کرتے اور رات کا تہائی حصہ سوتے اور (پھر) رات کا چھٹا حصہ قیام کرتے یقیناً وہ اللہ کی مرضیات کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے ہم نے پہاڑوں کو اس کے تابع کر رکھا تھا، کہ اس کے ساتھ شام کو عشاء کی نماز کے وقت اور اشراق یعنی اشراق کی نماز کے وقت اور وہ یہ کہ سورج خوب چمکدار ہو جائے اور اس کی روشنی انتہاء پر پہنچ جائے، تسبیح خوانی کرتے تھے اور پرندوں کو اس کے تابع کر دیا تھا، اس کے پاس جمع ہو کر سب کے سب اس کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور پہاڑوں اور پرندوں میں سے سب کے سب تسبیح خوانی میں اس کے زیر فرمان تھے، اور ہم نے اس کی حکومت کو پہرے داروں اور لشکروں کے ذریعہ قوت بخشی تھی، ان کی محراب کی ہر رات تیس ہزار محافظ نگرانی کرتے تھے، اور اسے حکمت یعنی نبوت اور معاملات میں اصابت رائے عطا کی تھی اور خطاب فیصل یعنی مقصد میں بیان شافی عطا کیا، هَلْ استفہام کے معنی میں ہے، اور یہاں تعجب کے لئے ہے، اور کلام آئندہ کو غور سے سننے کا شوق دلانے کے لئے ہے، اور کیا تجھے اے محمد جھگڑنے والوں کی خبر ملی جبکہ وہ داؤد علیہ السلام کی محراب یعنی عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر عبادت خانہ میں آ گئے، جبکہ ان کو داؤد علیہ السلام کے پاس دروازوں سے جانے سے روک دیا گیا، حضرت داؤد علیہ السلام کے عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے یعنی کیا تم کو ان کی خبر اور ان کا قصہ پہنچا جب یہ داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچے تو وہ ان سے گھبرا گئے، تو (آنے والوں نے) کہا گھبرا ئے نہیں ہم دونوں فریق مقدمہ ہیں، اور کہا گیا ہے کہ خصمانہ سے مراد فریقان ہے، تاکہ ماقبل (تسوروا) کی ضمیر جمع کے مطابق ہو جائے اور کہا گیا ہے تشبیہ کے معنی میں ہے، اور خصم کا اطلاق ایک اور ایک سے زیادہ پر ہوتا ہے اور وہ دونوں فرشتے تھے، جو مدعی اور مدعا علیہ کی شکل میں آئے تھے، اور جو کچھ مذکور ہوا وہ ان دونوں کے لئے (قرآن) میں علی سبیل الفرض واقع ہوا ہے، کہ داؤد علیہ السلام اس لغزش پر متنبہ ہو جائیں جو ان سے صادر ہوئی، اور داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں، اور ایسے شخص کی بیوی بھی طلب کی جس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی بیوی نہیں تھی، اور اس سے (داؤد علیہ السلام نے) نکاح کر کے ہمبستری بھی کر لی، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، سو آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے اور نا انصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے (یعنی) درمیانی سیدھا راستہ (سنئے) یہ میرا بھائی یعنی دینی بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنیاوی بیویاں ہیں عورت کو دینی سے تعبیر کر رہا تھا اور میرے ایک ہی دینی ہے، لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ یہ ایک دینی بھی مجھے دیدے یعنی مجھے ان کا کفیل بنادے اور یہ گفتگو یعنی بحث و مباحثہ میں مجھ پر غالب آ گیا ہے اور فریق ثانی (یعنی مدعا علیہ) نے اس کا اقرار کر لیا آپ نے فرمایا اس کا اپنی دنیوں میں تیری دینی ملا لینے کا سوال بے شک تیرے اوپر ایک ظلم ہے اور بے شک اکثر شرکاء (ایسے ہی ہوتے ہیں) کہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں ماسا تا کید قلت کے لئے ہے، چنانچہ دونوں فرشتوں نے اپنی اصلی صورت میں آسمان کی طرف چڑھتے

ہوئے کہا، اس شخص نے تو خود ہی اپنے خلاف فیصلہ کر لیا، تو اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام متنبہ ہوئے، اور حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور داؤد نے یقین کر لیا کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے یعنی ان کو آزمائش میں ڈالا ہے، بایں طور کہ اس عورت کی محبت کے فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے، پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور سجدے میں گر پڑے اور اپنے مولیٰ کی طرف رجوع کیا، تو ہم نے بھی ان کا وہ قصور معاف کر دیا یقیناً وہ ہمارے نزدیک بڑے مرتبہ والے ہیں، یعنی دنیا میں زیادہ نیکیوں والے ہیں اور آخرت میں بہت اچھے ٹھکانوں والے ہیں اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنا دیا تاکہ لوگوں کے معاملات کی تدبیر کرو تو تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور خواہشات کی پیروی نہ کرو یعنی نفسانی خواہشات کی ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے یعنی ان دلائل سے جو اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں بھٹکا دے گا، یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے یعنی ایمان سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے، ان کے یوم حساب کو بھلا دینے کی وجہ سے جس (نسیان) پر ان کا ترک ایمان مرتب ہوا، اگر یہ لوگ یوم حساب کا یقین کر لیتے تو دنیا (ہی) میں ایمان لے آتے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: فَوَاقِ فَاقِ فَاقِ اور ضمہ کے ساتھ، ای الر جوع، یہ اسم فعل ہے، اس کی جمع اَفْوَقَةٌ وَاَفْقَةٌ ہے، درمیانی وقفہ، دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان کا وقفہ، ایک مرتبہ دوہنے کے بعد بچہ کو دودھ پینے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے، بچہ کے پینے سے جانور کے تھنوں میں دوبارہ دودھ اتر آتا ہے، دوہنے والا، بچہ کو ہٹا کر دوبارہ دودھ دوہ لیتا ہے، اسی درمیانی وقفہ کا نام فَوَاقِ ہے (قاموس) یہاں مراد سکون، وقفہ ہے، یار جوع مراد ہے جیسا کہ محلی نے مراد لیا ہے، یعنی نَفْحَ قِیَامَتِ بِلَا تَوَقُّفِ تسلسل کے ساتھ ہوگا۔

قَوْلٌ: مَا لَهَا مَا نَافِیَہ ہے اور لَهَا خبر مقدم ہے مَن زَائِدَہ ہے، اور فَوَاقِ، اسم مجرور لفظاً مَا کا اسم یا مبتداء، مؤخر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے، جملہ مَا لَهَا مَن فَوَاقِ، صیغۃ کی صفت ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے۔

قَوْلٌ: ذَا لَآئِدٍ، اَیْدُ بَیْعِ کے وزن پر آذَ یَنید سے مصدر مفرد ہے، إِذَا قَوِیَ وَاشْتَدَّ یہ ید کی جمع نہیں ہے۔

(صاوی)

قَوْلٌ: إِنَّهُ أَوَّابٌ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے دین میں قوی ہونے کی علت ہے۔

قَوْلٌ: یُسَبِّحَنَّ یہ الجبال سے حال ہے۔

قَوْلٌ: وَالطَّيْرَ مُحْشُورَةً، الجبال پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور بعض نے مبتداء، خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع کہا ہے۔

قَوْلٌ: كُلُّ لَهْ أَوَّابٌ، لَهْ کا مرجع حضرت داؤد علیہ السلام ہیں جیسا کہ مفسر علام کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ پہاڑ اور پرندے تسبیح خوانی میں حضرت داؤد علیہ السلام کے حکم کے تابع تھے، داؤد علیہ السلام کی تسبیح خوانی

کی وجہ سے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام ان کو تسبیح خوانی کا حکم فرماتے تو وہ تسبیح خوانی میں حضرت داؤد کے ساتھ مصروف ہو جاتے، اس صورت میں اَوَّاب، مَسْبُوح کے معنی میں ہوگا، دوسری صورت یہ کہ لُہ کا مرجع باری تعالیٰ کو قرار دیا جائے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور پہاڑ و پرندے اللہ کی طرف رجوع کرنے والے اور تسبیح خواں ہوتے تھے، علامہ مکی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ لُہ، اَوَّاب کا صلہ ہے، (جمل) یہ جملہ مستانفہ ہے ماسبق کے مضمون کی تاکید اور اجمال کی تفصیل کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: بِالنَّحْسِ، حاء کے ضمہ اور راء مشدد کے فتح کے ساتھ حارس کی جمع ہے، اور دونوں کے فتح کے ساتھ حَرَسٌ بروزن خَدَمٌ بمعنی خدام، نوکر چا کر۔

قَوْلُهُ: هَلْ آتَاكَ۔ هل استفہامیہ تعجیبیہ ہے یعنی مخاطب کو تعجب میں ڈالنے کے لئے یا آئندہ کلام کو سننے کا شوق دلانے کے لئے ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جب کوئی عجیب خبر سنانی ہوتی ہے تو مخاطب کو متوجہ کرنے کے لئے کہتے ہیں، هَلْ تعلم؟ ما وَقَعَ الیوم اردو محاورہ میں کہتے ہیں، کچھ معلوم؟ آج ایسا ہو گیا۔

قَوْلُهُ: تَسَوَّرُوا ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے دیوار کو پھاندا، دیوار پھاند کر داخل ہوئے، اِذْ تَسَوَّرُوا مضاف محذوف کا ظرف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے هَلْ آتَاكَ نَبُؤٌ تَخَاصُمَ الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا۔

قَوْلُهُ: اِذْ دَخَلُوا یہ پہلے اِذْ سے بدل ہے، اور تَسَوَّرُوا کا بدل بھی ہو سکتا ہے۔

قَوْلُهُ: خَبَرَهُمْ وَقَصَّتْهُمْ یہ نبؤ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُهُ: قَالِ فَرِیدَن لِّیَطَابِقَ ماقبلہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ تَسَوَّرُوا جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اور خصمانِ حنیئہ، دونوں میں مطابقت نہیں ہے، حالانکہ مصداق دونوں کا ایک ہی ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ خصمان سے مراد فریقانہ ہے اور ہر فریق کئی افراد پر مشتمل ہوتا ہے تب ہی اس کو فریق کہتے ہیں، لہذا دونوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے، دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے، کہ خصم مصدر بھی ہے، اس لئے اس کا اطلاق واحد، تشنیہ، جمع سب پر ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَقِيلَ اِثْنَانِ وَالضَّمِیرُ بمعناھا مذکورہ اعتراض کا یہ تیسرا جواب ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دیوار پھاند کر آنے والے دو ہی تھے، تَسَوَّرُوا میں جمع سے مافوق الواحد مراد ہے، جس کا اطلاق دو پر بھی ہو سکتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَقَعَ لَہُمَا مَا ذُکِرَ عَلٰی سَبِيلِ الْفَرَضِ مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: دو فرشتے مذکورہ مسئلہ میں مدعی اور مدعا علیہ بن کر آئے اور انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں ایک ایسا مقدمہ پیش کیا کہ جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا، جو سراسر کذب و معصیت تھا، حالانکہ فرشتے معصوم ہیں، ان سے معصیت کا صدور نہیں ہو سکتا؟

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کذب و معصیت اس وقت ہوگا جب حقیقتاً کسی واقعہ کی خبر دینا مقصود ہوتا، یہاں تو تنبیہ کے لئے ایک فرضی صورت تصور کر لی گئی تھی، اس میں خلاف واقعہ کذب و دروغ گوئی کا سوال ہی نہیں ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ استاد

بچوں کو سمجھانے کے لئے بطور مثال کہتا ہے ضَرْبَ زَيْدٍ عَمْرًا، واشتری بکر دارًا حالانکہ نہ یہاں ضرب ہے اور نہ شراء یہاں بھی داؤد علیہ السلام کے لئے تعریض و تنبیہ مقصود تھی نہ کہ بیان واقعہ۔

قَوْلٌ: وَأَقْرَهُ الْآخِرُ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے، سوال یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعا علیہ کا بیان سنے بغیر نیز گواہوں کی گواہی کے بغیر کس طرح یکطرفہ فیصلہ کر دیا؟

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدعا علیہ نے مدعی کے دعوے کو تسلیم کر لیا تھا، اور جب مدعا علیہ مدعی کا دعویٰ تسلیم کر لے تو پھر نہ گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ بیان صفائی کی۔

قَوْلٌ: قَلِيلٌ مَا هُمْ، قَلِيلٌ خبر مقدم ہے مآ تا کید قلت کے لئے زائدہ ہے، هُمْ مبتدا مؤخر ہے۔

قَوْلٌ: زُلْفَى درجہ، مرتبہ، زلفی بروزن قُرْبَى مصدر ہے۔ (لغات القرآن)

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

وَمَا يَنْظُرُ الْخ يَنْظُرُ بمعنى يَنْتَظِرُ ہے، وقوع یقینی کو بیان کرنے کے لئے يَنْتَظِرُ کو مجازاً يَنْظُرُ سے تعبیر کر دیا ہے، اس تعبیر کی علت یہ ہے کہ اس نفع کا وقوع اس قدر یقینی ہے گویا کہ وہ ایسا امر محسوس ہے جو آنکھوں سے نظر آ سکتا ہے، رسولوں کی تکذیب کرنے والی سابقہ امتوں کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کرنے کے بعد کفار مکہ کے عتاب و عذاب کو بیان فرما رہے ہیں، یعنی جب نہایت طاقتور اور دنیوی وسائل سے مالا مال قوموں کو رسولوں کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک کر کے صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا، تو کفار مکہ کی ان کے مقابلہ میں کیا حقیقت و حیثیت ہے، اسم اشارہ هٰؤُلَاءِ جو کہ قریب کے لئے ہے، لا کر کفار مکہ کی تحقیر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، نفع سے مراد نفع ثانیہ ہے، جس کے ذریعہ قیامت برپا ہوگی۔ (روح المعانی)

مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ یعنی اسرافیل علیہ السلام کا صور پھونکنا اس قدر تسلسل کے ساتھ ہوگا کہ اس میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا اور نہ صور پھونکنے کے بعد وقفہ ہوگا، بلکہ فوراً ہی زلزلہ قیامت شروع ہو جائے گا عَجَلُ لَنَا قِطْنَا، قِطُّ کے معنی حصہ کے ہیں، یہاں مراد نامہ عمل ہے، مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے نامہ اعمال کے مطابق ہمارے حصہ میں اچھی یا بری جزاء یا سزا جو بھی ہے، روز قیامت سے پہلے دنیا ہی میں دیدے، اور یہ عذاب طلبی استہزاء کے طور پر تھی اس لئے کہ یہ لوگ وقوع قیامت کو عقلاً ناممکن سمجھتے تھے۔

ذَٰلَآلِیْدٌ، اَیْدٌ، یَدْ بمعنی ہاتھ کی جمع نہیں ہے، بلکہ آذ یلید کا مصدر ہے اور معنی قوت و شدت کے ہیں اسی سے تائید بمعنی تقویت ہے، یہاں دینی قوت اور صلاحیت مراد ہے۔

کفار کی تکذیب و استہزاء سے آنحضرت ﷺ کو جو صدمہ ہوتا تھا، اسے دور کر کے تسلی دینے کے لئے عموماً اللہ تعالیٰ نے پچھلے انبیاء علیہم السلام کے واقعات سنائے ہیں، چنانچہ یہاں بھی آپ کو صبر کی تلقین فرما کر بعض انبیاء علیہم السلام کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں جن میں سے پہلا واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کا ہے۔

اَنَا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ الْخ اس آیت میں پہاڑوں اور پرندوں کے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ شریک تسبیح ہونے کا تذکرہ ہے، اس کی تشریح سورہ انبیاء اور سورہ سبا میں گذر چکی ہے، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کو باری تعالیٰ نے یہاں اس طرح ذکر فرمایا ہے، کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام پر ایک خاص انعام تھا، سوال یہ ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے نعمت کیسے ہوئی؟ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے حضرت داؤد علیہ السلام کو کیا خاص فائدہ پہنچا؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس سے داؤد علیہ السلام کا معجزہ ظاہر ہوا، اور ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑا انعام ہے، اس کے علاوہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک لطیف توجیہ یہ فرمائی ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے ذکر و شغل کا ایک خاص کیف پیدا ہوتا تھا، جس سے عبادت میں نشاط اور تازگی اور ہمت پیدا ہوتی ہے، اجتماعی ذکر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ذکر کی برکتوں کا ایک دوسرے پر انعکاس ہوتا ہے۔

وَاتَّيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْخِطَابِ ”حکمت“ سے مراد دانائی ہے یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کو عقل و فہم کی دولت بخشی تھی اور بعض حضرات نے حکمت سے نبوت مراد لی ہے، فصل الخطاب کی مختلف تفسیریں بیان کی گئی ہیں، بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد زور بیان اور قوت خطاب ہے، کہا جاتا ہے کہ خطبوں میں حمد و صلوٰۃ کے بعد ”اما بعد“ کا کلمہ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے استعمال فرمایا تھا، اور بعض حضرات نے فصل خطاب سے بہترین قوت فیصلہ مراد لی ہے، درحقیقت ان تمام الفاظ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

هَلْ أَتَاكَ نَبُؤُا الْخَصْمِ الْخ ”محراب“ سے مراد خلوت خانہ ہے، جس میں حضرت داؤد علیہ السلام یکسوئی کے ساتھ تنہائی میں عبادت کیا کرتے تھے، دروازے پر پہرے دار ہوتے تھے تاکہ کوئی اندر آ کر عبادت میں خلل نہ ہو، مگر وہ جھگڑا کرنے والے بجائے دروازہ سے آنے کے دیوار پھاند کر عقب سے اندر داخل ہو گئے، جس کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک گونہ خوف محسوس ہوا، خوف کی وجہ ظاہر ہے کہ دروازہ سے آنے کے بجائے عقب سے دیوار پھاند کر اندر آئے، دوسری بات یہ ہے کہ ایسی نازیبا اور نامناسب حرکت کرتے ہوئے بادشاہ وقت سے بھی خوف محسوس نہیں کیا۔

طبعی خوف نبوت کے منافی نہیں:

ظاہری اسباب کے مطابق خوف والی چیز سے خوف کھانا انسانی طبیعت کا فطری تقاضہ ہے یہ نہ منصب نبوت کے خلاف ہے اور نہ توحید کے منافی جو خوف منصب نبوت و توحید کے منافی ہے وہ، وہ خوف ہے جو ماورائے اسباب ہو، اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے ایک ہوتا ہے خوف اور ایک ہوتی ہے خشیت، خوف نبوت و توحید کے منافی نہیں ہے البتہ خشیت توحید و رسالت کے منافی ہے، آنے والوں نے تسلی دی اور عرض کیا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے درمیان ایک جھگڑا ہے ہم آپ سے فیصلہ کرانے آئے ہیں، آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں اور راہ راست کی جانب ہماری راہنمائی بھی فرمائیں، میرے اور میرے اس بھائی کے درمیان مختلف فیہ معاملہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک دینی ہے اور اس کے پاس ننانوے دنیاویاں

ہیں، یہ مجھے اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ میں اپنی دینی بھی اسکو دیدوں اور گفتگو میں یہ مجھ پر غالب آ گیا ہے یعنی جس طرح اس کے پاس مال زیادہ ہے، زبان کے اعتبار سے بھی مجھ سے زیادہ تیز ہے اور اسی تیزی و طراری کی وجہ سے لوگوں کو قائل کر لیتا ہے، اور اپنی بات منوالیتا ہے، اس نے مجھے بھی دبا لیا ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعَجْتِكَ اِلَىٰ نِعَاجِهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے فرمایا اس نے جو تیری دینی اپنی دنیوں میں ملانے کی درخواست کی ہے یہ واقعی تجھ پر ظلم ہے، یہاں دو باتیں قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ حضرت دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے یہ فقرہ، صرف مدعی کی بات سن کر ارشاد فرمایا، مدعا علیہ کا بیان نہیں سنا، بعض حضرات نے فرمایا یہی وہ لغزش ہے جس پر آپ نے استغفار فرمایا، مطلب یہ ہے کہ اول آپ کو دونوں فریقوں کی بات سننی چاہئے تھی اس کے بعد آپ کوئی بات فرماتے، مگر آپ نے ابھی مدعا علیہ کی کوئی بات نہیں سنی اور مدعی کی حمایت میں اپنا رخ ظاہر فرما دیا جو کہ عدل و انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ آنے والوں نے حضرت دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ سے عدالتی فیصلہ طلب کیا ہو لیکن نہ وہ وقت عدالت کا تھا اور نہ وہ قضا کی مجلس تھی، اس لئے حضرت دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے قاضی کی حیثیت سے نہیں بلکہ مفتی کی حیثیت سے فتویٰ دیا اور مفتی کا کام واقعہ کی تحقیق کرنا نہیں ہوتا بلکہ سوال کے مطابق جواب دینا ہوتا ہے۔

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے ایک شخص کے محض دینی مانگنے کو ظلم قرار دیا حالانکہ بظاہر کسی سے کوئی چیز مانگنا کوئی جرم نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ صورت سوال کی تھی، لیکن جس قولی اور عملی دباؤ کے ساتھ یہ سوال کیا جا رہا تھا، اس کی موجودگی میں اس کی حیثیت غصب کی سی تھی، اسی لئے آپ نے اس سوال کو ظلم فرمایا۔

فاستغفر ربَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَاَنَابَ یعنی حضرت دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے اپنے رب سے استغفار کیا اور سجدہ میں گر گئے، حضرت دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ کا یہ کونسا کام تھا جس پر انہیں کوتاہی کا احساس ہوا، اور اظہار ندامت کرنی پڑی، اور اللہ نے ان کو معاف فرما دیا، نہ قرآن مجید میں اس اجمال کی تفصیل ہے اور نہ کسی مستند حدیث میں اس کی کوئی وضاحت اس لئے بعض مفسرین نے تو اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر ایسی باتیں بھی لکھ دی ہیں جو ایک نبی کی شان اور عصمت انبیاء کے خلاف ہیں، البتہ بعض مفسرین مثلاً ابن کثیر نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب قرآن وحدیث اس معاملہ میں خاموش ہیں تو ہمیں بھی اس کی تفصیلات کی کرید میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر مفسرین کا ایک گروہ وہ ہے جو اس واقعہ کی بعض جزئیات بیان کرتا ہے تاکہ قرآن کے اجمال کی کچھ توضیح ہو جائے، تاہم تمام مفسرین بھی کسی ایک بیان پر متفق نہیں ہیں، بعض کہتے ہیں کہ حضرت دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے اپنے ایک فوجی افسر کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے، اور یہ اس زمانہ کے عرف میں کوئی معیوب بات نہیں تھی، حضرت دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ کو اس عورت کی خوبیوں اور کمالات کا علم ہوا تھا جس کی وجہ سے ان کے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس عورت کو تو ملکہ ہونا چاہئے، نہ کہ ایک عام سی عورت تاکہ اس کی خوبیوں اور کمالات سے پورا ملک فیضیاب ہو سکے، یہ خواہش خواہ کتنے ہی اچھے جذبے کی بنیاد پر ہو لیکن ایک تو متعدد بیویوں کی موجودگی میں یہ نامناسب سی بات لگتی ہے، دوسرے بادشاہ وقت کی جانب سے اس کے اظہار میں جبر کا پہلو بھی

شامل ہو جاتا ہے، اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک تمثیلی واقعہ سے اس کے نامناسب ہونے کا احساس دلایا گیا، اور حضرت داؤد علیہ السلام کو فی الواقع اس پر تنبیہ ہو بھی گیا۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آنے والے دو فرشتے تھے، جو ایک فرضی مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، داؤد علیہ السلام سے کوتاہی یہ ہوئی کہ مدعی کا بیان سن کر ہی اپنی رائے کا اظہار کر دیا اور مدعا علیہ کی بات سننے کی ضرورت محسوس نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے رفع درجات کے لئے اس آزمائش میں انہیں ڈالا، اس غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ سمجھ گئے کہ یہ آزمائش تھی جو اللہ کی طرف سے ان پر آئی، اور فوراً ہی بارگاہ الہی میں جھک گئے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ آنے والے فرشتے نہیں تھے بلکہ انسان ہی تھے اور یہ کوئی فرضی واقعہ نہیں، ایک حقیقی جھگڑا تھا، جس کے فیصلے کے لئے وہ آئے تھے، اور اس طرح ان کے صبر و تحمل کا امتحان لیا گیا، کیونکہ اس واقعہ میں ناگواری اور اشتعال طبع کے کئی پہلو تھے، ایک تو بلا اجازت بجائے دروازے کے دیوار پھاند کر عقب سے آنا، دوسرے عبادت کے مخصوص اوقات میں آکر تحمل ہونا، تیسرا ان کا طرز تکلم بھی ان کی حاکمانہ شان کے خلاف تھا، مثلاً یہ کہ زیادتی نہ کرنا، انصاف سے فیصلہ کرنا وغیرہ وغیرہ، لیکن اللہ نے آپ کو توفیق دی کہ آپ مشتعل نہیں ہوئے، اور کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا، لیکن دل میں طبعی ناگواری کا جو ہلکا سا احساس پیدا ہوا، اس کو بھی اپنی کوتاہی پر محمول کیا، یعنی یہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی اس لئے یہ طبعی انقباض بھی نہیں ہونا چاہئے تھا، جس پر حضرت داؤد علیہ السلام نے توبہ واستغفار کی۔

خلاصہ کلام:

محقق اور محتاط مفسرین نے ان آیات کی تشریح میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص حکمت و مصلحت سے اپنے جلیل القدر پیغمبر کی اس لغزش و آزمائش کی تفصیل کو صیغہ راز میں رکھا ہے، ہمیں بھی اس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے اور جتنی بات قرآن میں مذکور ہے صرف اسی پر ایمان رکھنا چاہئے، حافظ ابن کثیر جیسے محقق و محتاط مفسر نے اپنی تفسیر میں اسی پر عمل کرتے ہوئے واقعہ کی تفصیل سے خاموشی اختیار فرمائی ہے، اور کوئی شک نہیں کہ یہ سب سے محتاط اور سلامتی کا راستہ ہے اسی لئے علماء سلف سے منقول ہے (ابھموا ما ابھمہ اللہ) یعنی اللہ نے جس کو مبہم رکھا ہے تم بھی اس کو مبہم ہی رکھو، اسی میں حکمت و مصلحت ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد ایسے معاملات کا ابہام ہے جن سے ہمارے عمل اور حلال و حرام کا تعلق نہ ہو، اور جن معاملات سے مسلمانوں کے عمل کا تعلق ہے اس ابہام کو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و فعل سے رفع کر دیا۔

البتہ بعض مفسرین نے روایات و آثار کی روشنی میں اس امتحان و آزمائش کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے اس سلسلہ میں ایک عامیانا روایت تو یہ مشہور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر ایک مرتبہ سپہ سالار، اوریہ کی بیوی پر پڑ گئی تھی، جس سے ان کے دل میں اس سے نکاح کرنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریہ کو قتل کرانے کی غرض سے ایک خطرناک پروانہ کر دیا، جس میں وہ قتل ہو گیا، اس کے بعد داؤد علیہ السلام نے اس کی بیوی سے شادی کر لی، اس عمل پر تنبیہ کرنے کے

لئے یہ دو فرشتے انسانی شکل میں بھیجے گئے۔

لیکن یہ روایات بلاشبہ ان خرافات میں سے ہیں جو یہودیوں کے زیر اثر مسلمانوں میں پھیل گئی تھیں، یہ روایات دراصل بائبل کی کتاب سموئیل باب دوم کے صفحہ نمبر (۱۱) سے ماخوذ ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ بائبل میں کھلم کھلا حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریہ کی بیوی سے نکاح کرنے سے پہلے ہی زنا کا ارتکاب کیا تھا، ان تفسیری روایات میں زنا کے جز کو حذف کر دیا گیا ہے۔

سجدہ تلاوت کے چند مسائل:

فَاَسْتَغْفِرُ رَبِّيَّ وَخَرَّ رَاكِعًا وَاَنَابَ اس آیت میں ”رکوع“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کے لغوی معنی جھکنے کے ہیں، اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے سجدہ مراد ہے، احناف کے نزدیک اس آیت کی تلاوت سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

رکوع سے سجدہ تلاوت ادا ہو جاتا ہے:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی گئی ہے تو رکوع میں سجدہ کی نیت کر لینے سے سجدہ تلاوت ادا ہو جاتا ہے، اس لئے کہ یہاں باری تعالیٰ نے سجدہ کے لئے رکوع کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ رکوع بھی سجدہ کے قائم مقام ہو سکتا ہے، لیکن اس سلسلہ میں چند ضروری مسائل یاد رکھنے چاہئیں۔
مسئلہ پہلا: نماز کے فرض رکوع کے ذریعہ سجدہ صرف اس صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ جب آیت سجدہ نماز میں پڑھی گئی ہو، نماز سے باہر آیت سجدہ تلاوت کی ہوئی کا سجدہ نماز میں ادا نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ رکوع صرف نماز ہی میں عبادت ہے، نماز سے باہر نہ مشروع ہے اور نہ عبادت۔ (بدائع، معارف)

مسئلہ دہم: رکوع میں سجدہ صرف اسی وقت ادا ہوگا جب کہ آیت سجدہ تلاوت کرنے کے فوراً بعد یا زیادہ سے زیادہ دو تین آیتیں مزید تلاوت کر کے رکوع کر لیا ہو، اور اگر آیت سجدہ تلاوت کرنے کے بعد طویل قراءت کی ہو تو رکوع میں سجدہ تلاوت ادا نہ ہوگا۔
مسئلہ سہم: اگر رکوع میں سجدہ تلاوت ادا کرنے کا ارادہ ہو تو رکوع میں جاتے وقت ہی سجدہ تلاوت کی نیت کر لینی چاہئے، ورنہ اس رکوع سے سجدہ تلاوت ادا نہ ہوگا۔

مسئلہ چہم: افضل بہر حال یہی ہے کہ سجدہ تلاوت کو نماز کے فرض رکوع میں ادا کرنے کے بجائے مستقل سجدہ سے ادا کیا جائے، اور سجدے سے اٹھ کر ایک دو آیتیں تلاوت کر کے پھر سجدہ کرے۔ (بدائع، معارف)

فائدہ: اس واقعہ سے متعلق ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش خواہ کچھ رہی ہو، اللہ تعالیٰ براہ راست وحی کے ذریعہ آپ کو اس پر متنبہ فرما سکتے تھے، لیکن اس کے بجائے ایک مقدمہ بھیج کر تنبیہ کے لئے ایک خاص طریقہ کیوں

اختیار کیا گیا؟ درحقیقت اس طریقہ پر غور کرنے سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ کسی شخص کو اس کی غلطی پر تنبیہ کے لئے حکمت سے کام لینے کی ضرورت ہے، اور اس کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے جس سے متعلقہ شخص خود بخود اپنی غلطی کو محسوس کر لے اور اسے زبانی تنبیہ کی ضرورت پیش نہ آئے، اور اس کے لئے ایسی تمثیلات سے کام لینا زیادہ موثر ہوتا ہے، جس سے کسی کی دل آزاری بھی نہ ہو، اور ضروری بات بھی واضح ہو جائے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ اٰی عِبْنَا ذٰلِكَ اٰی خَلَقْ مَا ذٰكِرًا لِّشَیْءٍ ظَنُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْاۤ اِنَّ اٰیٰلَ
مَكَّةَ قَوِیْلٌ وَّ اٰیَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْاۤ مِنَ النَّارِ ۚ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ
كَالْفُجَّارِ ۙ نَزَلَ لَمَّا قَالَ كُفَّارُ مَكَّةَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّا نُعْطِیْ فِی الْاٰخِرَةِ مِثْلَ مَا تُعْطُوْنَ وَاَمْ بِمَعْنٰی هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ
كِتَبٌ خَبْرٌ مُّبْتَدِئٌ مَّخْذُوْفٌ اٰی ہٰذَا اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبْرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْاۤ اَصْلُهُ یَتَدَبَّرُوْاۤ اُذْغَمَّتِ النَّاءُ فِی الدَّالِ اٰیَتِهِ
یَنْظُرُوْا فِی مَعَانِیْهَا فِیُؤْمِنُوْا وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُو الْاَلْبَابِ ۙ اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ وَوَهَبْنَا دَاوُدَ سُلَیْمٰنَ اِبْنَهُ نَعْمَ الْعَبْدُ
اٰی سُلَیْمٰنُ اِنَّهٗ اَوَّلُ ۙ رَجَاعٌ فِی التَّسْبِیْحِ وَالذِّكْرِ فِی جَمِیْعِ الْاَوْقَاتِ اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعِشَیِّ ہُوَ مَا بَعْدَ
الزَّوَالِ الصُّفُوْنِ الْخَیْلُ جَمْعُ صَافِنَةٍ وَہِی الْقَائِمَةُ عَلٰی ثَلَاثٍ وَاِقَامَةُ الْاٰخِرِیْ عَلٰی طَرَفِ الْخَافِرِ وَہِی مِنْ
صَفْنٍ یَصْفُنْ صُفُوْنَا الْجِیَادُ ۙ جَمْعُ جَوَادٍ وَہُوَ السَّابِقُ، الْمَعْنٰی اَنَّہَا اِنْ اِسْتَوْفَقَتْ سَكَنْتُ وَاِنْ رُكِبَتْ
سَبَقَتْ وَكَانَتْ اَلْفُ فَرَسٍ عُرِضَتْ عَلَیْہِ بَعْدَ اَنْ صَلَّى الظَّہْرَ لَا رَادَّیَ الْجِہَادَ عَلَیْہَا لَعَدُوْ فِعْدٌ بُلُوْغُ
الْعَرْضِ تَسْعَ مِائَةٍ مِنْہَا غَرِبَتْ الشَّمْسُ وَلَمْ یَكُنْ صَلَی الْعَصْرِ فَاغْتَمَ فَقَالَ اِنِّیْ اَحْبَبْتُ اٰی اَرَدْتُ
حُبَّ الْخَیْرِ اٰی الْخَیْلِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ اٰی صَلَوةِ الْعَصْرِ حَتّٰی تَوَارَتْ اٰی الشَّمْسُ بِالْحِجَابِ ۙ اٰی اِسْتَتَرَتْ بِمَا
یَحْجُبُہَا عَنِ الْاَبْصَارِ رُدُّوْہَا عَلٰی اٰی الْخَیْلِ الْمَعْرُوضَةِ فَرْدُہَا فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسَّیْفِ بِالسُّوقِ جَمْعُ سَاقٍ
وَالْاَعْنَاقِ ۙ اٰی ذَبْحِہَا وَقَطْعَ اَرْجُلِہَا تَقَرُّبًا اِلٰی اللّٰهِ تَعَالٰی حَیْثُ اِسْتَعْلَ بِہَا عَنِ الصَّلَوةِ وَتَصَدَّقَ بِلَحْمِہَا
فَعَوَّضَ اللّٰهُ خَیْرًا مِنْہَا وَاَسْرَعَ وَہِی الرِّیْحُ تَجْرِیْ بِاَمْرِہِ کَیْفَ شَاءَ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ اِبْتَلٰیْنَاهُ بِسَلْبِ مُلْکِہِ
وَذٰلِكَ لِتَزُوْجِہِ بِاِمْرَاةٍ ہَوِیْہَا وَكَانَتْ تُعْبُدُ الصَّنَمَ فِی دَارِہِ مِنْ غَیْرِ عِلْمِہِ وَكَانَ مُلْکُہُ فِی خَاتِمِہِ فَتَزَعَّہُ
مَرَّةً عِنْدَ اِرَادَةِ الْخَلَاءِ وَوَضَعُہُ عِنْدَ اِمْرَاتِہِ الْمُسَمَّاةِ بِالْاَمِیْنَةِ عَلٰی عَادَتِہِ فَجَاءَ بِہَا جِنِّیٌّ فِی صُوْرَةِ سُلَیْمَانَ
فَاَخَذَہُ مِنْہَا وَاَلْقٰیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّہِ جَسَدًا ہُوَ ذٰلِكَ الْجِنِّیُّ وَہُوَ صَخْرًا وَغَیْرُہُ جَلَسَ عَلٰی کُرْسِیِّ سُلَیْمَانَ
وَعَكَفَتْ عَلَیْہِ الطَّیْرُ وَغَیْرِہَا فَخَرَجَ سُلَیْمَانُ فِی غَیْرِ سَیْئَتِہِ فَرَاہُ عَلٰی کُرْسِیِّہِ وَقَالَ لِلنَّاسِ اَنَا سُلَیْمَانُ
فَاَنْکَرُوْہُ ثُمَّ اَنَابَ ۙ رَجَعَ سُلَیْمَانُ اِلٰی مُلْکِہِ بَعْدَ اَیَّامٍ بَانَ وَصَلَ اِلٰی الْخَاتِمِ فَلَبِسَہُ وَجَلَسَ عَلٰی کُرْسِیِّہِ
قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِّیْ وَهَبْ لِّیْ مُلْکًا لَا یَنْبَغِیْ لَا یَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِنْۢ بَعْدِیْ اٰی سِوَایَ نَحْوِ فَمَنْ یَّہْدِیْہِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اٰی

سَوَى اللَّهِ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ فَخَرْنَاهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُحَاءً لَّيْنَةً حَيْثُ أَصَابَ ۝ أَرَادَ الشَّيْطَانُ كُلُّ بَنَاءٍ يُبْنَى
الْأَبْنِيَّةُ الْعَجِيْبَةُ وَغَوَاصٍ ۝ فِي الْبَحْرِ لِيَسْتَخْرِجَ اللُّؤْلُؤَ وَالْخَرِيْنَ مِنْهُمْ مُقَرَّنَيْنِ مَشْدُوْدَيْنِ فِي الْأَصْفَادِ ۝ الْقِيُوْدُ
بِجَمْعِ أَيْدِيهِمْ إِلَى أَعْنَاقِهِمْ، وَقُلْنَا لَهُ هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَعْطِ مِنْهُ مَنْ شِئْتَ أَوْ آمْسِكْ عَنِ الْإِعْطَاءِ
بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ اِی لَا حِسَابَ عَلَیْكَ فِی ذَلِكَ وَإِنَّ لَہٗ عِنْدَنَا الزَّلْزِلَیَّ وَحُسْنَ مَآبٍ ۝ تَقَدَّمَ مِثْلُهُ۔

ترجمہ: اور ہم نے آسمان وزمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو باطل یعنی بے فائدہ پیدا نہیں کیا یہ یعنی مذکورہ
چیزوں کو بے فائدہ پیدا کرنے کا گمان تو مکہ کے کافروں کا ہے، سو کافروں کے لئے آگ کی وادی ہے، کیا ہم ان لوگوں کو جو
ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے برابر کر دیں گے جو (ہمیشہ) زمین میں فساد برپا کرتے رہے؟ یا پرہیزگاروں کو بدکاروں
جیسا کر دیں گے (مذکورہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب کافروں نے مومنوں سے یہ کہا کہ ہم کو آخرت میں ویسا ہی دیا جائے گا
جیسا تم کو دیا جائے گا، اور اُم ہمزہ انکاری کے معنی میں ہے، یہ بابرکت کتاب ہے یہ مبتداء محذوف یعنی ہذا کی خبر ہے، جسے ہم
نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں يَتَذَكَّرُوا کی اصل يَتَذَكَّرُوا تھی، ت کو دال
میں اوغام کر دیا، اس کے معنی میں غور و فکر کریں، پس ایمان لے آئیں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں اور ہم نے داؤد
علیہ السلام کو سلیمان نامی فرزند عطا کیا جو بڑا اچھا بندہ تھا اور وہ ذکر و تسبیح کی طرف ہمہ وقت بہت زیادہ رجوع کرنے والا تھا جب
شام کے وقت اور وہ زوال کے بعد کا وقت ہے آپ کے روبرو عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے صافِ ذات کے معنی گھوڑوں کے ہیں
اور یہ صافِ ذات کی جمع ہے، اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین پیروں اور چوتھے کے سم (کھر) کے کنارے پر سہارا دیکر کھڑا ہوتا ہو،
اور یہ صَفْنٌ يَصْفُنْ صُفُونًا سے مشتق ہے، الْجِيَادُ، جَوَادُ کی جمع ہے، اس کے معنی تیز رو کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اگر ان
کو روکا جائے تو رک جائیں اور اگر ان کو مہمیز لگائی جائے تو سبقت لے جائیں ایک ہزار گھوڑے تھے جو ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد
آپ کے روبرو آپ کے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کے ارادہ سے پیش کئے گئے، ان میں سے نو سو کا معائنہ فرما چکے تھے کہ سورج
غروب ہو گیا، اور آپ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی، چنانچہ آپ کو صدمہ ہوا، تو فرمانے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر ان
گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی یعنی عصر کی نماز پر (ترجیح دی) یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا یعنی ایسی چیز میں روپوش ہو گیا جو اس
کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کر دے ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ پھر تو تلوار سے پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف
کرنا شروع کر دیا سوق، ساق کی جمع ہے، یعنی اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کو ذبح کر دیا اور ان کے پیروں کو کاٹ
دیا، اس لئے کہ ان کی وجہ سے نماز سے غفلت ہو گئی، اور آپ نے ان کے گوشت کو صدقہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر اور
زیادہ تیز رفتار چیز عطا فرمادی، اور وہ ہوا تھی، کہ وہ ان کے حکم سے چلتی تھی، جس طرح چاہتے تھے اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کی
آزمائش کی یعنی ان سے ان کی حکومت لے کر آزمایا اور یہ آزمائش اس عورت سے نکاح کرنے کی وجہ سے کی جس سے ان کو محبت

تھی، اور وہ عورت سلیمان کے گھر میں ان کی لاعلمی میں بت پرستی کرتی تھی، اور ان کی حکومت ان کی انگوٹھی کے زیر اثر تھی، چنانچہ ایک روز بیت الخلاء کے ارادہ کے وقت اس انگوٹھی کو اتار کر اپنی ایک بیوی، مسماۃ امینہ کو اپنی عادت کے مطابق دیدی، تو ایک جن سلیمان علیہ السلام کی صورت میں اس کے پاس آیا، اور اس انگوٹھی کو اس سے لے لیا، اور ہم نے اس کی کرسی پر ایک دھڑ ڈال دیا اور یہ وہی جن تھا (جس نے انگوٹھی لی تھی) اور وہ صحر تھا یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا تھا، جو کہ سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر بیٹھ گیا اور اس کے اوپر پرند وغیرہ سایہ فگن ہو گئے، چنانچہ سلیمان علیہ السلام اپنی ہیئت معنوادہ کے برخلاف نکلے تو اس جنی کو اپنی کرسی پر دیکھا، اور لوگوں سے کہا میں سلیمان ہوں، لیکن لوگوں نے ان کو نہ پہچانا، پھر سلیمان علیہ السلام اپنی حکومت پر چند دن کے بعد واپس آ گئے بایں طور کہ انگوٹھی ان کو مل گئی جس کو پہن کر وہ اپنے تخت سلطنت پر بیٹھ گئے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو یعنی میرے بعد کسی کو عطا نہ ہو، مِّنْ بَعْدِي بِمَعْنَى سِوَايَ جِیسا کہ فَمَنْ يَهْدِيهِ مِّنْ بَعْدِ اللَّهِ مِیْن بَعْدِ اللَّهِ، سِوَايَ اللَّهِ کے معنی میں ہے، تو بڑا ہی عطا کرنے والا ہے، پس ہم نے ہوا کو اس کے زیر حکم کر دیا وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے سبک رفتاری سے پہنچا دیا کرتی تھی (ان کے زیر فرمان کر دیا) اور عمارت بنانے والے ہر جن کو بھی (زیر فرمان کر دیا) جو عجیب عجیب عمارتیں بناتے تھے اور دریا میں غوطہ زنی کرنے والے کو بھی جو موتی نکالتا تھا، اور ان میں سے دیگر جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے ان کے ہاتھوں کو گردن سے ملا کر اور ہم نے اس سے کہا یہ ہمارا عطیہ ہے اب تو احسان کر یعنی اس میں سے جس کو چاہے دے (اور جس کو چاہے) نہ دے تجھ پر اس میں کوئی حساب نہیں اور اس کے لئے ہمارے پاس بڑا قرب ہے اور بہت اچھا ٹھکانہ ہے اس کے مثل سابق میں گذر چکا ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْهِيْلٍ وَتَفْسِيْرِي فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بِإِطْلَآءٍ یہ کلام مستأنف ہے مضمون سابق کی تاکید و تقریر کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: بِإِطْلَآءٍ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے ای خَلَقًا بِإِطْلَآءٍ اور یہ بھی جائز ہے کہ خَلَقْنَا کی ضمیر فاعل سے حال ہو ای مَا خَلَقْنَا مُنْبِطِلِينَ۔

قَوْلُهُ: ذَلِكَ ای خَلَقُ مَا ذِكْرٌ لَا لِشَيْءٍ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ذلک کے مشار الیہ کو متعین کرنا ہے یعنی زمین و آسمان کی عبث تخلیق کا گمان مکہ کے کافروں کا ہے۔

قَوْلُهُ: كِتَابٌ، هذا مبتداء محذوف کی خبر ہے ای هذا كتابٌ۔

قَوْلُهُ: أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ، كتابٌ کی صفت ہے۔

قَوْلًا: مُبَارَكٌ مبتداء محذوف کی خبر ثانی ہے، بعض حضرات نے مُبَارَكٌ کو کتاب کی صفت قرار دیا ہے، مگر یہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ جمہور کے نزدیک وصف غیر صریح کو وصف صریح پر مقدم نہیں کر سکتے۔

قَوْلًا: لِيَذَّبُرُوا اس کا تعلق انزلناہ سے ہے، ظاہر یہ ہے کہ لِيَذَّبُرُوا کے فاعل کو حذف کر دیا گیا ہے، اور یہ باب تنازع فعلان سے ہے، اس لئے کہ لِيَذَّبُرُوا اور لِيَتَذَكَّرْ دونوں اُولُوا الْاَلْبَابِ کو اپنا فاعل بنانا چاہتے ہیں، بصریین کے مذہب کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیدیا، اور اول کے لئے ضمیر لے آئے۔

قَوْلًا: اِی سُلَیْمَانُ یہ نعم کا مخصوص بالمدح ہے۔

قَوْلًا: اِذْ عُرِضَ یہ فعل محذوف کا ظرف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِذْ کَرِ اِذْ عُرِضَ۔

قَوْلًا: اَلْجِیَادُ جمع جواد کہا گیا ہے کہ جید کی جمع ہے عمدہ اور تیز رفتار گھوڑے کو کہتے ہیں جواد کا اطلاق نرو مادہ دونوں پر ہوتا ہے۔

قَوْلًا: اَلْمَعْنٰی یعنی صافنات الجیاد کے معنی۔

قَوْلًا: اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ، حُبُّ الْخَیْرِ یہ اَحْبَبْتُ کا مفعول بہ ہے، اور اَحْبَبْتُ بمعنی اَثَرْتُ ہے اس لئے کہ اَحْبَبْتُ کا صلہ عن نہیں آتا یا حُبُّ الْخَیْرِ احببت کا مفعول مطلق ہے، حرف زوائد حذف کر کے جیسے انبت نباتاً اور عَنْ بمعنی علی ہے اور خَیْرٌ بمعنی خَیْلٌ ہے، حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے اَلْخَیْلُ مَعْقُودٌ بِنَوَاصِیْهَا الْخَیْرِ یعنی گھوڑے کی پیشانی سے خیر وابستہ رہتی ہے، غالباً اسی مناسبت سے خیل کو خیر کہا جاتا ہے، بعض حضرات نے فرمایا ہے چونکہ خیل کثیر المنافع ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کو خیر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلًا: تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ، تَوَارَتْ کا فاعل ہی ضمیر مستتر ہے اور ہی کا مرجع الشمس ہے، اگرچہ شمس ماسبق میں مذکور نہیں ہے، جس کی وجہ سے بظاہر اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے، مگر چونکہ العشیٰ کا قرینہ شمس کے حذف پر دلالت کرتا ہے لہذا اضمار قبل الذکر کا اعتراض واقع نہیں ہوگا، اس لئے کہ ذکر یا قرینہ ذکر کافی ہوتا ہے، یہاں قرینہ موجود ہے، اور کہا گیا ہے کہ تَوَارَتْ کی ضمیر صافنات کی طرف راجع ہے، کذا فی الکشاف، امام رازی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، اس لئے کہ گھوڑوں کے معائنہ میں اس قدر مشغول ہو جانا کہ نماز فوت ہو جائے یہ گناہ عظیم ہے، جو انبیاء کی شان کے لائق نہیں ہے، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا، حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کا معائنہ فرماتے رہے، یہاں تک وہ نظروں سے غائب ہو گئے (یعنی گھوڑوں کو جہاد کی تیاری کے طور پر دوڑا کر دیکھ رہے تھے حتیٰ کہ نظروں سے غائب ہو گئے)۔

قَوْلًا: اَصَابَ اِی ارَادَ سُلَیْمَانُ یہاں اَصَابَ بمعنی ارَادَ ہے اس لئے کہ یہاں اصاب بمعنی فَعَلَ فَعَلَ الصواب (ای بردرستی رسید) درست نہیں ہے، اور اَصَابَ بمعنی ارَادَ لغت عرب میں مستعمل ہے، کہا جاتا ہے اَصَابَ الصواب فَاخْطَا الْجواب یعنی درست جواب کا ارادہ کیا مگر جواب خطا ہو گیا۔

قَوْلًا: مُقَرَّرِیْنِ اسم مفعول جمع مذکر واحد مُقَرَّرٌ (تفعیل) باندھے ہوئے، جکڑے ہوئے۔

قَوْلًا: الْأَصْفَادُ جمع صَفْدٍ بمعنى قيد، بڑی۔

قَوْلًا: زُلْفَى درجہ، مرتبہ، تقرب، قربی کے مانند مصدر ہے، امام بغوی نے لکھا ہے زُلْفَةُ اسم بوصف مصدر ہے، اس میں مذکر، مؤنث واحد، تثنیہ جمع سب برابر ہیں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحِ

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ (الآية) یعنی ہم نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے خالی از حکمت پیدا نہیں کیا بلکہ ہر شئی حکمت سے پُر ہے، ان حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ میرے بندے میری حکمت اور قدرت کو دیکھ کر میرے وجود اور توحید کے قائل ہو جائیں اور میری بندگی کریں، جو ایسا کرے گا میں اس کو بہترین جزاء سے نوازوں گا، اور جو میری عبادت و اطاعت سے سرتابی کرے گا اس کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔

صَافِنَاتُ صَافِنَةٍ یا صَافِنٌ کی جمع ہے، وہ گھوڑے جو تین پیروں پر کھڑے ہوں اور چوتھے کو برائے نام زمین پر رکھیں گویا کہ ہمہ وقت دوڑنے کے لئے تیار ہیں ایسے گھوڑوں کو، اصیل، جواد، کہتے ہیں جواد کی جمع جیاد، ایسے ہی عمدہ گھوڑے شام کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کے روبرو معائنہ کے لئے پیش کئے گئے۔

مذکورہ آیتوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس واقعہ کی مشہور تفسیر تو یہی ہے کہ حضرت سلیمان کے معائنہ کے لئے جہادی گھوڑے پیش کئے گئے، ان کی جانچ پڑتال اور معائنہ میں ایسے مشغول ہوئے کہ آپ کا جو معمول تھا خواہ عصر کی نماز ہو یا اور کوئی وظیفہ، چھوٹ گیا، جب آپ کو متنبہ ہوا تو آپ نے ان گھوڑوں کو ذبح کر ڈالا کہ ان کی وجہ سے یاد الہی میں خلل واقع ہوا تھا۔

ان آیات کی یہ تفسیر متعدد ائمہ تفسیر سے منقول ہے، حافظ ابن کثیر جیسے محقق عالم نے بھی اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے، اور اس کی تائید ایک مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو علامہ سیوطی نے معجم طبرانی سے اور ابن مردویہ کے حوالہ سے نقل کی ہے عَنْ أَبِي بَنْ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ قَالَ قَطَعَ سَوْقَهَا وَأَعْنَاقَهَا بِالسِّيفِ علامہ سیوطی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

اس حدیث مرفوع کی وجہ سے گویہ تفسیر کافی مضبوط ہو جاتی ہے، لیکن اس تفسیر پر درایت کچھ شبہات بھی ہیں، عموماً یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ گھوڑے اللہ کا عطا کیا ہوا ایک انعام تھا، اور مال کو اس طرح ضائع کر دینا ایک نبی کی شایان شان معلوم نہیں ہوتا، لیکن مفسرین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ گھوڑے بیت المال کے نہیں تھے بلکہ حضرت سلیمان کی ذاتی ملکیت تھے، اور ان کی شریعت میں دیگر جانوروں کے مانند گھوڑوں کی بھی قربانی جائز تھی، لہذا گھوڑوں کی قربانی کر دی اور گوشت ضرورت مندوں کو دے دیا، لہذا اس کو ضائع کرنا نہیں کہا جائے گا، قربانی کرنا عبادت ہی کا ایک شعبہ ہے۔ (روح المعانی ملخصاً)

مذکورہ آیات کی ایک تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے جس میں واقعہ بالکل مختلف طریقہ سے

بیان کیا گیا ہے، اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جہادی گھوڑے معائنہ کے لئے پیش کئے گئے، حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے ان گھوڑوں سے جو محبت اور تعلق ہے وہ دنیا کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے پروردگار کی یاد کی وجہ سے ہے، اس تفسیر کی صورت میں عَن، أَجَلَ کے معنی میں ہوگا ای لَاجِلِ ذِکْرِ رَبِّی یعنی اپنے رب کی یاد کی وجہ سے میں ان گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں، یعنی ان کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد ہوتا ہے، پھر ان گھوڑوں کو تجربہ اور آزمائش کے طور پر دوڑایا (یعنی ان کی ٹرائی لی) جب نظروں سے اوجھل ہو گئے تو ان کو دوبارہ طلب کیا، اور پیار و محبت سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا خیر قرآن میں مال کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یہاں یہ لفظ گھوڑوں کے لئے استعمال ہوا ہے، اس تفسیر کی صورت میں توارت کی ضمیر کا مرجع صافنات (گھوڑے) ہوں گے، امام ابن جریر طبری اور امام رازی وغیرہ نے اس دوسری تفسیر کو ترجیح دی ہے، قرآن کریم کے الفاظ کے لحاظ سے دونوں تفسیروں کی گنجائش ہے۔

سورج کی واپسی کا قصہ:

بعض حضرات نے پہلی تفسیر کو اختیار کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ نماز عصر کے قضا ہو جانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یا فرشتوں سے یہ درخواست کی کہ سورج کو واپس لوٹا دیا جائے، چنانچہ سورج لوٹا دیا گیا، اور آپ نے اپنا معمول ادا کر لیا، اس کے بعد دوبارہ سورج غروب ہوا، یہ حضرات رُدُّوْهَا کی ضمیر سورج کی طرف راجع مانتے ہیں۔ لیکن محقق مفسرین مثلاً علامہ آلوسی وغیرہ نے اس قصہ کی تردید کی ہے، اور فرمایا کہ رُدُّوْهَا کی ضمیر صافنات (گھوڑوں) کی طرف راجع ہے نہ کہ سورج کی طرف اس لئے نہیں کہ معاذ اللہ سورج کو لوٹانا اللہ کی قدرت میں نہیں بلکہ اس لئے کہ یہ قصہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ (روح المعانی، معارف)

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ (الآیۃ) اس آیت میں باری تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک اور آزمائش کا تذکرہ فرمایا ہے، اس سلسلہ میں صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ اس آزمائش کے دوران کوئی دھڑ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر ڈال دیا گیا تھا۔ یہ آزمائش کیا تھی؟ کرسی پر ڈالا گیا جسم کس چیز کا تھا؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کی بھی کوئی تفصیل قرآن کریم یا مستند احادیث میں نہیں ملتی، البتہ بعض مفسرین نے صحیح حدیث سے ثابت ایک واقعہ کو اس آیت پر چسپاں کیا ہے، اور وہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ کہا کہ میں آج کی رات اپنی تمام بیویوں سے (جن کی تعداد ۷۰ یا ۹۰ تھی) ہمبستری کروں گا تاکہ ان سے شہسوار مجاہد پیدا ہوں اور راہ خدا میں جہاد کریں، اور اس پر انشاء اللہ نہیں کہا (یعنی صرف اپنی تدبیر پر پورا اعتماد کیا) نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے ایک بیوی کے کوئی بیوی حاملہ نہ ہوئی، اور حاملہ بیوی نے بھی جو بچہ جناوہ ناقص یعنی ادھورا تھا، نبی ﷺ نے فرمایا اگر سلیمان علیہ السلام انشاء اللہ کہہ لیتے تو سب بیویوں سے مجاہد پیدا ہوتے۔

ان مفسرین کے خیال میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا انشاء اللہ نہ کہنا آزمائش کا سبب بنا، اور کرسی پر لا کر ڈالا جانے والا جسم یہی ناقص الخلقیت بچہ تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو خالص اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے، وہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا راز ایک انگوٹھی میں تھا، ایک روز ایک شیطان نے اس انگوٹھی کو اپنے قبضہ میں کر لیا، اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی عادت کے مطابق بیت الخلاء جاتے وقت وہ انگوٹھی اپنی بیوی امینہ کو دیدی، ادھر ایک جن جس کا نام ”صخر مارو“ تھا حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہیئت و شکل میں آیا اور انگوٹھی امینہ سے حاصل کر لی، جس کی وجہ سے وہ جنی اس انگوٹھی کی بدولت سلیمان علیہ السلام کے تخت شاہی پر جلوہ افروز ہو کر حکمران بن گیا، چالیس روز کے بعد وہ انگوٹھی سلیمان علیہ السلام کو ایک مچھلی کے پیٹ سے ملی، اس کے بعد آپ نے دوبارہ حکومت پر قبضہ کر لیا، یہ روایت متعدد مزید قصوں کے ساتھ کئی تفسیر کی کتابوں میں آئی ہے، لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی تمام روایات کو اسرائیلیات میں شمار کرنے کے بعد لکھتے ہیں، اہل کتاب میں ایک جماعت ایسی ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبی نہیں مانتی، ظاہر یہی ہے کہ یہ جھوٹے قصے ان ہی لوگوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ص ۲۶، ج ۴)

لہذا اس قسم کی روایات کو اس آیت کی تفسیر کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

حقیقتِ حال:

حقیقت یہ ہے کہ زیر بحث آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی یقینی تفصیلات معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں، اور نہ ہی ہم اس کے مکلف، لہذا اتنی بات پر ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کوئی آزمائش کی تھی، جس کے بعد ان میں انابت الی اللہ کا جذبہ پہلے سے زیادہ پیدا ہوا۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصِيبٍ بَضُرٍ وَعَذَابٍ ۝ أَلَمْ نُنسِبْ ذَلِكَ إِلَى الشَّيْطَانِ وَإِنْ كُنَّا مِنَ الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا مِنْ اللَّهِ تَادِبًا مَعَهُ تَعَالَى وَقِيلَ لَهُ أَكُفَّضَ اضْرِبْ بِرِجْلِكَ الْأَرْضَ فَضْرَبَ فَنَبَعَتْ عَيْنٌ مَاءً فَقِيلَ هَذَا مَغْتَسِلٌ ۝ أَيْ مَا يُغْتَسَلُ بِهِ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۝ تَشْرَبُ مِنْهُ فَاغْتَسَلَ وَشَرِبَ فَذَهَبَ عَنْهُ كُلُّ دَاءٍ كَانَ بَظَاهِرِهِ وَبَاطِنِهِ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ أَيْ أَحْيَى اللَّهُ لَهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أَوْلَادِهِ وَرَزَقَهُ مِثْلَهُمْ رَحْمَةً نِعْمَةً مِّنَّا وَذَكَرَى عِظَةً لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ لِأَصْحَابِ الْعُقُولِ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْتًا بَوْ حُزْمَةً مِنْ حَبَشٍ أَوْ قِضْبَانٍ فَاضْرِبْ بِهِ رُجْلَكَ وَقَدْ كَانَ خَلْفَ لِيضْرِبَنَّهَا مِائَةً ضَرْبَةً لِّأَنْبَاطِهَا عَلَيْهِ يَوْمَئِذٍ بَتْرِكٌ ضَرْبُهَا فَآخَذَ مِائَةً عُودٍ مِنْ

الْاٰذِخِرِ اَوْ غَيْرِهِ فَضَرَبَهَا بِهٖ ضَرْبَةً وَّاحِدَةً اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدُ اَيُّوْبُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ۝۱۹ رَجَّاعٌ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰی وَاذْكُرْ عَبْدَنَا اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولٰٓئِیْ اَلْاَیْدِیْ اَصْحَابَ الْقُوٰی فِی الْعِبَادَةِ ۝۲۰ وَالْاَبْصَارِ ۝۲۱ الْبَصَائِرِ فِی الدِّیْنِ وَفِی قِرَآءَةِ عِبْدَنَا وَاِبْرٰهِيْمَ بَيَّانٌ لَّهٗ وَمَا بَعْدَهٗ عَطْفٌ عَلٰی عِبْدَنَا اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ مِّنْ خَالِصَةٍ هِیَ ذِكْرُی الدَّارِ ۝۲۲ الْاٰخِرَةِ اِیْ ذِكْرُهَا وَالْعَمَلُ لَهَا وَفِی قِرَآءَةِ الْاِضَافَةِ وَهٰی لِلْبَيَانِ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفٰیْنَ الْمُخْتَارِیْنَ ۝۲۳ جَمْعُ خَيْرٍ بِالتَّشْدِيْدِ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَاِلِسْعٰی هُوَ نَبِیٌّ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ وَذَا الْكِفْلِ اُخْتُلِفَ فِی نُبُوَّتِهٖ قِيلَ كَفَلَ مِائَةً نَّبِیٍّ فَرُّوْا اِلَیْهِ مِنَ الْقَتْلِ وَكُلُّ اِیِّ كَلِمَةٍ مِّنَ الْاٰخِرِ ۝۲۴ جَمْعُ خَيْرٍ بِالتَّثْقِيْلِ هٰذَا ذِكْرٌ لَّهُمْ بِالثَّنَاءِ الْجَمِيْلِ هِنَا وَاِنَّ لِّلْمُتَّقِيْنَ الشَّامِلِيْنَ لَهُمْ لِحُسْنِ مَّآبٍ ۝۲۵ مَرْجِعٌ فِی الْاٰخِرَةِ جَنَّتِ عَدْنٍ بَدَلٌ اَوْ عَطْفٌ بَيَّانٌ لِّحُسْنِ مَّآبٍ مَُّفْتَحَةٌ لَهُمُ الْاَبْوَابُ ۝۲۶ مِنْهَا مُتَّكِئِيْنَ فِیْهَا عَلٰی الْاَرَآئِكِ يَدْعُوْنَ فِیْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَشَرَابٍ ۝۲۷ وَعِنْدَهُمْ قُضِرَتُ الْطَّرْفِ حَابِسَاتِ الْعَيْنِ عَلٰی اَزْوَاجِهِنَّ اَتْرَابٌ ۝۲۸ اَسْنَانُهُنَّ وَاِحِدَةٌ وَهُنَّ بَنَاتٌ ثَلَاثٌ وَثَلَاثِيْنَ سَنَةً جَمْعُ تَرْبٍ هٰذَا الْمَذْكُوْرُ مَا تَوَعَّدُوْنَ بِالْغِيْبَةِ وَبِالْخِطَابِ الْتِفَاتًا لِّیَوْمِ الْحِسَابِ ۝۲۹ اِیْ لَا جِلَّةَ اِنَّ هٰذَا الرِّزْقُ قَنَامٌ لِّمَنْ تَفَادٰی ۝۳۰ اِیْ اِنْقِطَاعُ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنْ رِّزْقِنَا اَوْ خَبَرٌ ثَانٍ لِاَنَّ اِیْ دَائِمًا اَوْ دَائِمٌ هٰذَا الْمَذْكُوْرُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّ لِّلْطَّغِيْنَ مُسْتَانِفٍ لِّشَرِّ مَّآبٍ ۝۳۱ جَهَنَّمَ يَصْلُوْنَهَا يَدْخُلُوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۳۲ الْفِرَاشُ هٰذَا اِیْ الْعَذَابُ الْمَفْهُومُ مِمَّا بَعْدَهٗ فَلْيَذُوقُوْهُ حَمِيْمٌ اِیْ مَاءٌ حَارٌّ مَّحْرُوْقٌ وَغَسَّاقٌ ۝۳۳ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مَاسِيْلٌ مِّنْ صَدِيْدِ اَهْلِ النَّارِ وَاٰخِرُ بِالْجَمْعِ وَالْاِفْرَادِ مِنْ شَكْلِهِ اِیْ مِثْلُ الْمَذْكُوْرِ مِنَ الْحَمِيْمِ وَالْغَسَّاقِ اَزْوَاجٌ ۝۳۴ اَصْنَافٌ اِیْ عَذَابُهُمْ مِنْ اَنْوَاعٍ مُّخْتَلِفَةٍ وَيُقَالُ لَهُمْ عِنْدَ دُخُوْلِهِمُ النَّارَ بِاَتْبَاعِهِمْ هٰذَا اقْوَجُ جَمْعُ مُّقْتَحِمٍ دَاخِلٌ مَّعَكُمْ النَّارَ بِشِدَّةٍ فَيَقُوْلُ الْمَتَّبِعُوْنَ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ اِیْ لَا سِعَةَ عَلَيْهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوْا النَّارَ ۝۳۵ قَالُوْا اِیْ الْاَتْبَاعُ بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اَنْتُمْ قَدْ مَتَمُّوْهُ اِیْ الْكُفْرُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝۳۶ لَنَا وَلَكُمْ النَّارُ قَالُوْا اَيْضًا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَرَدَّهٗ عَذَابًا ضِعْفًا اِیْ مِثْلَ عَذَابِهٖ عَلٰی كُفْرِهٖ فِی النَّارِ ۝۳۷ وَقَالُوْا اِیْ كُفَّارٌ مَّكَّةٌ وَهَمٌ فِی النَّارِ مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ فِی الدُّنْيَا مِنَ الْاَشْرَارِ ۝۳۸ اَتَّخَذْنَاهُمْ سَحَرًا بِضَمِّ السِّیْنِ وَكُسْرِهَا اِیْ كُنَّا نَسْخَرُ بِهِمْ فِی الدُّنْيَا وَالْاِيَاءَ لِلنِّسْبَةِ اِیْ اَمْفُقُوْدُوْنَ بِهِمْ اَمْرَاعَتْ مَالَتْ عَنْهُمْ ۝۳۹ الْاَبْصَارُ ۝۴۰ فَلَمْ نَرِهِمْ وَهَمٌ فَقَرَأَ الْمُسْلِمِيْنَ كَعَمَّارٍ وَبِلَالٍ وَصُهَيْبٍ وَسَلْمَانَ اِنَّ ذٰلِكَ لِحَقٌّ وَاجِبٌ وَقُوْعُهُ وَهُوَ تَخَاصُّمُ اَهْلِ النَّارِ ۝۴۱ كَمَا تَقَدَّمَ.

ترجمہ: اور ہمارے بندے ایوب کا (بھی) ذکر کیجئے، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج اور

دکھ دیا ہے اتنی اصل میں بسائی تھا، دکھ اور رنج دینے کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، اگرچہ ہر شی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، یہ اللہ کے ادب کی وجہ سے ہے، پس اس سے کہا گیا اپنا پیر زمین پر مارو چنانچہ پیر مارا تو پانی کا چشمہ ابل پڑا، پس کہا گیا یہ غسل کرنے کا اور پینے کا ٹھنڈا پانی ہے چنانچہ ایوب علیہ السلام نے اس سے غسل کیا اور پیا، تو اس سے ان کی ظاہری اور باطنی ہر قسم کی بیماری ختم ہو گئی، اور ہم نے اسے اس کے اہل عطا کر دیئے بلکہ اس کے ساتھ اتنا اور بھی خاص اپنی رحمت سے (دیا) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی مردہ اولاد کو زندہ کر دیا اور اتنے ہی ان کو اور عطا فرمائے، اور عقلمندوں کی نصیحت کے لئے اور اپنے ہاتھوں میں گھاس یا تنکوں کا ایک مٹھالے کر اپنی بیوی کو مار دے، ایک روز اس کے دیر سے آنے کی وجہ سے قسم کھالی تھی کہ میں اس کو سو کوڑے ضرور لگاؤں گا، اور ضغث، گھاس یا سینکوں کے مٹھے کو کہتے ہیں، اور ترک ضرب کر کے تو حانث نہ ہو، چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اذخرا کسی اور چیز کی سوسینکیں لیں اور ان سب کو ملا کر ایک ضرب ماردی سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر پایا وہ بڑا نیک اور اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا بندہ تھا، ہمارے بندوں ابراہیم، اسحق، اور یعقوب کا بھی ذکر کیجئے جو عبادت میں بڑے قوی تھے، اور دین میں بصیرت والے تھے اور ایک قراءت میں عبدنا ہے، اور ابراہیم اس کا بیان ہے، اور اس کا مابعد عبدنا پر معطوف ہے اور ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا اور وہ (بات) آخرت کی یاد ہے یعنی اس کو یاد رکھنا اور اس کے لئے عمل کرنا اور ایک قراءت میں اضافت بیانہ کے ساتھ ہے اور یہ لوگ ہمارے نزدیک برگزیدہ بہتر لوگ تھے (اخیار) خیر مشد کی جمع ہے اور اسماعیل والیسع وہ نبی ہیں اور لام زائدہ ہے اور ذوالکفل (علیہ السلام) کا بھی ذکر کیجئے اور ذوالکفل کی نبوت کے بارے میں اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ انہوں نے سونبیوں کی کفالت کی تھی جو قتل کے خوف سے فرار ہو کر ان کے پاس گئے تھے، اور یہ سب بہتر لوگ تھے اخیار خیر مشد کی جمع ہے، اور یہاں ان کا یہ ذکر جمیل ہے اور یقین جانو متقیوں کے لئے جو ان میں شامل ہیں آخرت میں اچھا ٹھکانہ ہے یعنی ہمیشگی کی جنتیں ہیں جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں جنت عدن، حسن مآب سے بدل ہے یا عطف بیان ہے جن میں مسہریوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے با فراغت طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کی شرابوں کی فرمائش کر رہے ہوں گے، اور ان کے پاس سچی نظروں والی یعنی اپنی نظروں کو اپنے شوہروں پر محصور رکھنے والی ہم عمر حوریں ہوں گی یعنی (۳۳) سالہ ہوں گی، اقربا تبوٹ کی جمع ہے یہ مذکور وہی ہے جس کا تم سے یوم حساب کے لئے وعدہ کیا جاتا تھا غیبت کے ساتھ اور بطور التفات کے خطاب کے ساتھ بے شک یہ ہمارا عطیہ ہے جس کا کبھی خاتمہ ہی نہیں یعنی انقطاع نہیں اور جملہ رزقنا سے حال ہے یا ان کی خبر ثانی ہے یعنی دائما (حال کی صورت میں) دائم (خبر ثانی کی صورت میں) یہ جو مذکور ہوا مومنین کے لئے ہے اور سرکشوں کے لئے برا ٹھکانہ ہے یہ جملہ مستانفہ ہے یہ جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوں گے کیا ہی برا بچھونا ہے؟ یہ عذاب جو مابعد سے مفہوم ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے غساق (سین) کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے جو جہنمیوں کے زخموں سے بہے گا، اسے چکھو (اس کے علاوہ) مختلف اصناف ہیں یعنی ان کا عذاب مختلف انواع و اقسام کا ہوگا، اور آخر جمع اور افراد کے ساتھ ہے (یعنی آخر و آخر) یہ ایک قوم

ہے جو حق کے ساتھ تمہارے ہمراہ دوزخ میں داخل ہو رہی ہے، تو سردار کہیں گے ان کے لئے کوئی خوش آمدید نہیں یعنی ان کے لئے کسی قسم کی سہولت نہیں یہی تو جہنم میں جانے والے ہیں پیروکار جواب دیں گے، بلکہ تم ہی ہو جن کے لئے خوش آمدید نہیں، تم ہی نے تو کفر کو ہمارے سامنے پیش کیا تھا، لہذا ہمارے اور تمہارے لئے جہنم براٹھکانہ ہے اے ہمارے پروردگار جس نے (کفر کی رسم) ہمارے لئے نکالی ہو اس کے حق میں جہنم کی سزا دو گنی کر دے یعنی ان کے کفر میں عذاب دو گنا کر دے اور کفار مکہ کہیں گے حال یہ کہ وہ جہنم میں ہوں گے کیا بات ہے ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آرہے جنہیں ہم دنیا میں برے لوگوں میں شمار کرتے تھے؟ کیا ہم نے ان کا مذاق بنا رکھا تھا؟ سین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ یعنی دنیا میں ہم ان کا مذاق اڑاتے تھے اور سُخْرِیَا میں (ی) نسبتی ہے یعنی آیا وہ غائب ہیں یا ان سے ہماری نگاہیں ہٹ گئی ہیں؟ جس کی وجہ سے ہم ان کو نہیں دیکھ رہے ہیں اور وہ فقراءِ مسلمین ہیں جیسا کہ عمار، بلال، وصیب و سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ بلاشبہ یہ حق ہے اس کا وقوع ضروری ہے یقیناً جانو دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور ہوگا جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: بِنُصْبٍ، النُّصْبُ نون کے ضمہ اور صاد کے سکون کے ساتھ نَصْبٌ نون کے نصب اور صاد کے سکون کے ساتھ نَصْبٌ دونوں کے ضمہ کے ساتھ، دکھ، تکلیف، بلاء (لغات القرآن) اذْکُرْ عَبْدَنَا اَيُّوبَ کا عطف قصہ علی القصہ کے طور پر اذکر عَبْدَنَا داؤد پر ہے۔

سُئِلَ: سلیمان علیہ السلام کے واقعہ کو ذکر کرتے وقت اذکر نہیں کہا گیا اس کی کیا وجہ ہے؟
جواب: حضرت داؤد اور ان کے صاحبزادے سلیمان کے درمیان چونکہ کمال اتصال ہے گویا کہ دونوں کا ایک ہی قصہ ہے اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ کو اذکر سے شروع نہیں کیا۔

قَوْلٌ: اذْکُرْ عَبْدَنَا اَيُّوبَ، اَيُّوبَ، عَبْدَنَا سے بدل یا عطف بیان ہے اور اذْکُرْ اَدٰی، اَيُّوبَ سے بدل الاشتمال ہے۔

قَوْلٌ: وَوَهَبْنَا لَهٗ اَهْلَهٗ وَاَوْعَاطِفَ ہ اس کا عطف محذوف پر ہے جس کی طرف مفسر نے فاغتنسل مقدر مان کر اشارہ کر دیا۔

قَوْلٌ: رَحْمَةً، وِذْکَرٰی دونوں بذریعہ عطف، وَهَبْنَا کے مفعول لِاجْلِهٖ ہیں۔

قَوْلٌ: ضِعْفًا، حُزْمَةٌ حَشِيشٍ سوکھی گھاس کا مٹھا حُزْمَةٌ مٹھا فارسی میں دستہ کہتے ہیں۔

قَوْلٌ: بِخَالِصَةٍ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے اِیْ بِخَالِصَةٍ خَالِصَةٍ۔

قَوْلٌ: ذِکْرٰی الدَّارِ کو مفسر رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی نے ہٰی مبتداء محذوف کی خبر قرار دی ہے اس صورت میں ذِکْرٰی محلاً

مرفوع ہوگا اور ایک قراءت میں ذکرِی الدَّار کو خالصۃً کا مضاف الیہ قرار دیا ہے اضافت بیانیہ ہوگی، اس صورت میں ذکرِی محلاً مجرور ہوگا۔

قَوْلٌ: النَّاسِ ہو ابنِ اخطوب بن العجوز۔

قَوْلٌ: مُفْتَحَةٌ یہ جنتِ عدن سے حال ہے اور جنتِ عدن، حَسَنَ مَّآبٍ سے بدل یا عطف بیان ہے۔

قَوْلٌ: مَتَقِينَ، لَہُمْ کی ضمیر ہم سے حال ہے۔

قَوْلٌ: الْتَفَاتًا یعنی تَوَعْدُونَ (ت) کے ساتھ پڑھا جائے تو غِیْبَت سے خطاب کی جانب التفات ہوگا۔

قَوْلٌ: هَذَا فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ، هذا مبتداء ہے اور حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ معطوف معطوف علیہ سے مل کر مبتداء کی خبر ہے، عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے هَذَا حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ فَلْيَذُوقُوهُ۔

قَوْلٌ: يُقَالُ لَهُمْ قائل فرشتے ہوں گے، اس عبارت سے اشارہ کر دیا کہ هَذَا فَوْجٌ کلام متانف ہے۔

قَوْلٌ: بِاتِّبَاعِهِمْ ای مع اتباعہم۔

قَوْلٌ: بَلْ أَنْتُمْ ای بل انتم احقُّ بِمَا قُلْتُمْ لَنَا۔

قَوْلٌ: أَنْتُمْ قَدْ مَتَّمُّوْهُ یہ ان کی احقیت کی علت ہے۔

قَوْلٌ: فِي النَّارِ یہ یا تو زِدُّہ کا ظرف ہے یا عَذَابًا کی صفت ہے ای عَذَابًا كَانْنَا فِي النَّارِ۔

قَوْلٌ: وَهُمْ، هُمْ ضمیرِ رجالاً کی طرف راجع ہے۔

قَوْلٌ: وَسَلَّمَ یہ کلام چونکہ ائمہ کفر و ضلال کا مکہ کے فقراء مسلمین کے بارے میں ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ سلمان کو حذف کر دیا جائے اس لئے کہ یہ مدینہ میں ایمان لائے تھے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

مذکورہ آیات میں حضرت ایوب عَلَيْهِ السَّلَام کا واقعہ آپ ﷺ کو صبر کی تلقین کے لئے لایا گیا ہے، یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ سورہ انبیاء میں گذر چکا ہے، حضرت ایوب عَلَيْهِ السَّلَام کے نسب کے بارے میں یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے اور یہ کہ ان کے والد کا نام اموص تھا، ابن جریر نے آپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے ایوب بن اموص بن روم بن عیص بن اخنوخ عَلَيْهِ السَّلَام (روح المعانی) نُصِب سے جسمانی تکلیف اور عذاب سے اہلی و مالی نقصان مراد ہے۔

مَسْنَى الشَّيْطَانِ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ شیطان نے مجھے رنج و آزار پہنچایا ہے، بعض مفسرین نے شیطان کے رنج و آزار پہنچانے کی یہ تفصیل بیان کی ہے کہ حضرت ایوب عَلَيْهِ السَّلَام جس بیماری میں مبتلا ہوئے وہ شیطان کے تسلط کی وجہ سے آئی تھی۔

اور اس کی صورت یہ پیش آئی تھی کہ ایک مرتبہ فرشتوں نے حضرت ایوب عَلَيْهِ السَّلَام کی بہت تعریف کی، جس پر شیطان کو بہت حسد ہوا، تو شیطان نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی مجھے اس کے جسم، مال، اولاد پر ایسا تسلط عطا فرما کہ جس سے

میں اس کے ساتھ جو چاہوں کروں، چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش مقصود تھی اس لئے شیطان کو یہ حق دیدیا گیا اور اس نے آپ کو اس بیماری میں مبتلا کر دیا۔

لیکن محقق مفسرین نے اس واقعہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق انبیاء علیہم السلام پر شیطان کو تسلط حاصل نہیں ہو سکتا، اس لئے یہ ممکن نہیں کہ شیطان نے آپ کو بیمار کر دیا ہو۔

بعض حضرات نے شیطان کے رنج و آزار پہنچانے کی یہ تشریح کی ہے کہ بیماری کی حالت میں شیطان حضرت ایوب علیہ السلام کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالا کرتا تھا، اس سے آپ کو اور زیادہ تکلیف ہوتی تھی یہاں آپ نے اسی کا ذکر فرمایا ہے۔

(معارف)

مگر اس آیت کی سب سے بہتر توضیح اور شیطانی رنج و آزار کی تشریح وہ ہے جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الزہد میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے زمانہ میں ایک بار شیطان ایک طبیب کی شکل میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی، ”رحمت“ کو ملا، ایوب علیہ السلام کی بیوی نے طبیب سمجھ کر علاج کی درخواست کی، شیطان نے کہا اس شرط پر علاج کرتا ہوں کہ اگر ان کو شفاء ہو جائے تو یوں کہہ دینا کہ تو نے ان کو شفا دی، میں اور کچھ معاوضہ نہیں چاہتا، بیوی نے حضرت ایوب علیہ السلام سے صورت حال کا تذکرہ کیا، حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا بھلی مانس وہ تو شیطان تھا، میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دیدے تو میں تجھ کو سو گچیاں ماروں گا، حضرت ایوب علیہ السلام کو اس واقعہ سے رنج ہوا، حضرت ایوب علیہ السلام یہاں اسی رنج و تکلیف کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔

مَسْنَى الشَّيْطَانِ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ رنج و آزار کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ سب کچھ کرنے والا صرف اللہ ہے، ممکن ہے کہ کسی شیطانی وسوسہ سے ہی کوئی ایسا عمل ہوا ہو جو اس آزمائش کا سبب بنا ہو، شیطان کو چونکہ انبیاء پر بھی وسوسہ کی قدرت حاصل ہے تو ممکن ہے کہ شیطان حضرت ایوب علیہ السلام پر وسوسہ کے ذریعہ اثر انداز ہوا ہو لا سُلْطَانُ لَهُ الْوَسْوَسة (روح المعانی) یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ ادب رنج و آزار کی نسبت شیطان کی طرف کر دی گئی ہو اس لئے کہ شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا سوء ادبی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا مرض:

قرآن کریم میں اتنا تو بتایا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک شدید قسم کا مرض لاحق ہو گیا تھا، لیکن اس مرض کی نوعیت نہیں بتائی گئی، احادیث میں بھی اس مرض کی کوئی تفصیل مذکور نہیں، البتہ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جسم کے ہر حصہ پر پھوڑے نکل آئے تھے، یہاں تک کہ گھن کی وجہ سے لوگوں نے آپ کو آبادی سے دور کسی جگہ پر ڈال دیا، لیکن بعض محقق مفسرین نے ان آثار کو درست تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بیماریاں تو آ سکتی ہیں مگر ان کو کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہیں کیا جاتا کہ لوگ ان سے گھن اور نفرت کرنے لگیں، لہذا مذکورہ آثار قابل اعتبار نہیں۔

(ملخص روح المعانی)

خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا اس واقعہ کا پس منظر سابق میں گزر چکا ہے، چند مسائل درج ذیل ہیں:

مَسْئَلَةٌ: اگر کوئی شخص کسی کو سو قچیاں مارنے کی قسم کھالے اور بعد میں سو قچیاں الگ الگ مارنے کی بجائے تمام قچیوں کا ایک مٹھا بنا کر ایک ہی مرتبہ مار دے تو اس سے قسم پوری ہو جاتی ہے، اس لئے حضرت ایوب علیہ السلام کو ایسا کرنے کا حکم دیا گیا، یہی امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے، لیکن جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے اس کیلئے دو شرطیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ اس شخص کے بدن پر ہر چھٹی طولاً یا عرضاً ضرور لگے، دوسری شرط یہ کہ اس کو ہر چھٹی سے کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہو، اگر اتنی آہستہ قچیاں بدن سے لگائی گئیں کہ مطلقاً تکلیف نہ ہوئی تو قسم پوری نہ ہوگی۔ (فتح القدیر لابن ہمام)

حیلوں کی شرعی حیثیت:

اس آیت سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لئے کوئی شرعی عذر اختیار کیا جائے تو وہ جائز ہے، ظاہر ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم کا تقاضہ تو یہ تھا کہ بیوی کو سو قچیاں ماریں لیکن چونکہ ان کی زوجہ مطہرہ بے گناہ تھیں اور انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بے مثال خدمت انجام دی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک حیلہ کی تلقین فرمائی، اور یہ تصریح کر دی کہ اس طرح ان کی قسم پوری ہو جائے گی، اس لئے یہ واقعہ حیلہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ (معارف)

مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کے لئے حیلہ حرام ہے:

اس قسم کے حیلے اسی وقت جائز ہوتے ہیں جبکہ ان کو مقاصد شرعیہ کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے، اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ حیلہ کے ذریعہ کسی کے حق کو باطل کیا جائے یا کسی صریح فعل حرام کو اپنے لئے حلال کر لیا جائے تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے، مثلاً زکوٰۃ سے بچنے کے لئے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال کے ختم ہونے سے ذرا پہلے اپنا مال بیوی کو دیدیتے ہیں، پھر کچھ عرصہ بعد بیوی نے اس مال کا مالک پھر شوہر کو بنادیا، اس طرح کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی، ایسا کرنا چونکہ مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کی ایک کوشش ہے اس لئے حرام ہے اور شاید اس کا وبال ترک زکوٰۃ سے زیادہ ہو۔ (روح المعانی)

أَخْلَصْنَهُمْ بِخَالِصَةِ ذِكْرِ الدَّارِ فکراً آخرت انبیاء علیہم السلام کا امتیازی وصف ہوتا ہے، اس آیت میں انبیاء کے اسی وصف خاص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ذکر الدار کے لفظی معنی ہیں گھر کی یاد، اور گھر سے مراد آخرت ہے لفظ آخرت اختیار کرنے کے بجائے دار کا لفظ اختیار کرنے سے اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ انسان کو اپنا اصلی گھر آخرت ہی کو سمجھنا چاہئے، اور اسی کی فکر کو اپنے افکار و اعمال کی بنیاد بنانا چاہئے۔

وَ اذْکُرْ اسْمَعِيلَ وَالْيَسَعَ. الیسع عجمی لفظ ہے الف لام تعریف کے لئے ہے، اس کا غیر عربی ہونا الف لام کے دخول کے لئے مانع نہیں ہے، بعض عجمی اسماء پر بھی الف لام تعریف کا داخل ہو جاتا ہے، جیسا کہ الاسکندر یہ وغیرہ، حضرت یسع انبیاء بنی

اسرائیل میں سے ہیں قرآن کریم میں ان کا صرف دو جگہ ذکر آیا ہے ایک سورۃ النعام میں اور دوسرے یہاں، دونوں میں سے کسی جگہ بھی آپ کے تفصیلی حالات مذکور نہیں، تاریخ کی کتابوں سے منقول ہے کہ آپ حضرت الیاس علیہ السلام کے چچا زاد بھائی ہیں، اور ان کے نائب و خلیفہ بھی۔ (معارف)

قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِكُفَّارِ مَكَّةَ إِنَّمَا أَنَا مُنْذِرٌ مُخَوِّفٌ بِالنَّارِ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ لَخَلَقَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَالِبُ عَلَى أَمْرِهِ الْغَفَّارُ ۝ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ نَبِيُّهُ عَظِيمٌ ۝ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝

ای القرآن الذی انبأتکم بہ وجئتکم فیہ بما لا یُعْلَمُ الا بوحي و بہو قوله مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَأِ الْأَعْلَى ای الملائکۃ اذِیْخْتَصِمُونَ ۝ فی شان ادم حین قال اللہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اِنْ مَا یُوحٰی اِلَیَّ اِلَّا اَنْمَآ اَنَا اِیْ اِنِّیْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ بَیْنَ الْاِنْذَارِ، اذْکَرِ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِیْنٍ ۝ بَہو ادم فاذا سَوَّیْتُهُ اَتَمَّمْتُهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوحِیْ فَصَارَ حَیًّا وَاَضَافَةُ الرُّوحِ اِلَیْهِ تَشْرِیْفٌ لِادَمَ وَالرُّوحُ جِسْمٌ لَطِیْفٌ یَحِیُّ بِہِ الْاِنْسَانُ بِتَفْوِذِہِ فِیْہِ فَقَعُوْا لَہُ سٰجِدِیْنَ ۝ سَجُوْدٌ تَحِیَّةٌ بِالْاِنْحِنَاءِ فَسَجَدَ الْمَلٰئِکَةُ كُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ فِیْہِ تَاکِیْدَانِ اِلَّا اِبْلِیْسَ بَہو ابوالجنَّ كَانَ بَیْنَ الْمَلٰئِکَةِ اِسْتِکْبَرُوْكَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ۝ فِیْ عِلْمِ اللہ تعالیٰ قَالَ یٰ اِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیْدَیْ اِیْ تَوَلَّیْتُ خَلْقَہُ وَبَہذَا تَشْرِیْفٌ لِادَمَ فَاِنْ کُلَّ مَخْلُوْقٍ تَوَلَّی اللہ خَلْقَہُ اَسْتَكْبَرْتَ الْاَنَ عَنِ السُّجُوْدِ اِسْتِفْہَامٌ تَوْبِیْخٌ اَمَرْتُ مِنَ الْعٰلِیْنَ ۝ الْمَتَكَبِّرِیْنَ فَتَكَبَّرْتَ عَنِ السُّجُوْدِ لِکَوْنِکَ مِنْہُمْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرِجْ مِنْہَا اِیْ مِنَ الْجَنَّةِ وَقِیْلَ مِنَ السَّمَوَاتِ فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ۝ مَطْرُوْدٌ وَاِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْ اِلَیْ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ الْجَزَاءُ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلَیْ یَوْمٍ یُّبْعَثُوْنَ ۝ اِیْ النَّاسُ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝ اِلَیْ یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝

وَقَتِ النَّفْخَةِ الْاُولٰی قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَا غَیْبَ مِنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْہُمْ الْمُخْلِصِیْنَ ۝ اِیْ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ اَقُوْلُ ۝ بِنَصْبِہُمَا وَرَفَعَ الْاَوَّلَ وَنَضَبِ الثَّانِیْ فَنَصَبُهُ بِالْفِعْلِ بَعْدَہُ وَنَضَبُ الْاَوَّلِ قِیْلَ بِالْفِعْلِ الْمَذْکُوْرِ وَقِیْلَ عَلٰی الْمَضْدَرِ اِیْ اَحَقُّ الْحَقُّ وَقِیْلَ عَلٰی نَزْعِ حَرْفِ الْقَسَمِ وَرَفْعُہُ عَلٰی اَنَّهُ مُبْتَدَاٌ مَحْذُوْفٌ الْخَبَرِ اِیْ فَالْحَقُّ مَبْنٰی وَقِیْلَ فَالْحَقُّ قَسَمِیْ، وَجَوَابُ الْقَسَمِ لَا مَلٰئِکَ جَہَنَّمُ مِنْکَ بِذَرِیَّتِکَ وَمِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْہُمْ مِنَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝ قُلْ مَا اَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِ عَلٰی تَبْلِیْغِ الرِّسَالَةِ مِنْ اَجْرِ جُعِلَ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ ۝ الْمُتَقَوِّلِیْنَ الْقُرْآنَ مِنْ تَلَقَّاءِ نَفْسِیْ اِنْ هُوَ اِیْ مَا الْقُرْآنُ اِلَّا ذِکْرٌ عِظَةٌ لِلْعٰلَمِیْنَ ۝ لِلْاِنْسِ وَالْجِنِّ الْعُقَلَاءِ دُوْنَ الْمَلٰئِکَةِ وَلِتَعْلَمَنَّ یَا کُفَّارَ مَكَّةَ نَبَاہُ خَبَرَ صِدْقِہِ بَعْدَ حَیْنٍ ۝ اِیْ یَوْمَ الْقِیْمَةِ وَعِلْمٌ بِمَعْنٰی عَرَفَ وَاللَّامُ قَبْلَہَا لَا مُقَسِّمٌ مُّقَدِّرٌ اِیْ وَاللّٰہُ۔

ترجمہ: اے محمد ﷺ کفار مکہ سے کہہ دیجئے میں تو صرف آگاہ کرنے والا آگ سے ڈرانے والا ہوں اپنی مخلوق

پر غالب واحد کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، جو غالب ہے اپنے امر پر اور بخشنے والا ہے اپنے اولیاء کو ان سے کہہ دیجئے یہ بہت بڑی خبر ہے جس سے تم اعراض کر رہے ہو یعنی قرآن جس کی میں نے تم کو خبر دی، اور میں اس میں تمہارے لئے وہ خبر لایا ہوں جس کا علم بجز وحی کے نہیں ہو سکتا اور وہ خبر مَاسَاکَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَأِ الْاَعْلٰی اِذْ يَخْتَصِمُونَ ہے، مجھے ملاءِ اعلیٰ یعنی عالم ملائکہ کا علم نہیں تھا جبکہ فرشتے شانِ آدم میں گفتگو کر رہے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں میری طرف فقط یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں تو صرف صاف صاف آگاہ کرنے والا ہوں، اس وقت کا تذکرہ کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں، اور وہ آدم ہیں سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں یعنی مکمل کر لوں اور اس میں اپنی روح جاری کر دوں اور وہ زندہ ہو جائے، اور روح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف یہ آدم کے شرف کے طور پر ہے اور روح ایک لطیف جسم ہے، روح کے انسان میں سرایت کرنے کی وجہ سے انسان زندہ ہو جاتا ہے تو تم سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا (یعنی) جھک کر سلامی کا سجدہ (کرنا) چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا اس میں دو تاکید ہیں مگر ابلیس نے نہ کیا، اور وہ جنات کا جدا علیٰ ہے، فرشتوں کے درمیان رہتا تھا، اس نے تکبر کیا اور وہ اللہ کے علم میں کافروں میں سے تھا (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے ابلیس تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا جسے میں نے اپنے دستِ قدرت سے بلا واسطہ پیدا کیا، میں نے اس کی تخلیق کی کفالت کی اور یہ آدم کا (دوسرا) اعزاز ہے، ورنہ تو ہر مخلوق کی کفالت اللہ ہی کرتا ہے، کیا تو کچھ گھمنڈ میں آگیا؟ یا تو بڑے مرتبہ والوں میں سے ہے؟ یعنی تکبر کرنے والوں میں سے ہے، سو تو نے متکبرین میں سے ہونے کی وجہ سے سجدہ کرنے سے انکار کیا، تو شیطان نے جواب دیا میں اس سے بہتر ہوں اس لئے کہ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اس کو مٹی سے بنایا، ارشاد ہوا تو یہاں سے جنت سے اور کہا گیا ہے آسمانوں سے نکل جا تو مردود ہوا، اور تیرے اوپر یومِ جزاء تک میری پھٹکار ہے کہنے لگا اے میرے رب لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک مجھے مہلت دید دیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو مہلت والوں میں سے ہے متعین وقت کے دن تک پہلا صورت پھونکنے جانے کے وقت تک کہنے لگا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو یقیناً بہکا دوں گا بجز تیرے ان بندوں کے جو چیدہ یعنی مومنین میں سے ہوں فرمایا سچ تو یہ ہے اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں، دونوں کے نصب کے ساتھ اور اول کے رفع اور ثانی کے نصب کے ساتھ، اس کا نصب بعد والے فعل کی وجہ سے ہوگا، اور اول کا نصب کہا گیا ہے کہ فعل مذکور کی وجہ سے ہے، اور کہا گیا ہے کہ مصدریت کی وجہ سے ہے اِنِّیْ اُحِقُّ الْحَقَّ اور کہا گیا ہے کہ صرف قسم کے حذف کی وجہ سے (منسوب) ہے اور رفع اس لئے ہے کہ وہ مبتداء محذوف الخبر ہے اِیْ فَاَلْحَقُّ مَنِّیْ اور کہا گیا ہے فَاَلْحَقُّ قَسْمِیْ اور جواب قسم لَا مَلٰئِنَ جَهَنَّمَ الْخ ہے میں جہنم کو تجھ سے اور تیری ذریت سے بھردوں گا اور ان تمام لوگوں سے جو تیری اتباع کریں گے، کہہ دیجئے کہ میں اس

پیغام رسانی پر تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا اور نہ میں قرآن کے بارے میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں یعنی اپنی طرف سے (افتراء) کوئی بات کہنے والوں میں سے نہیں ہوں، یہ یعنی قرآن تو تمام جہان والوں یعنی جن والنس ذوی العقول کے لئے نصیحت ہے نہ کہ ملائکہ کے لئے اے کفار مکہ! اس خبر کی صداقت کچھ ہی دیر بعد یعنی قیامت کے دن سمجھ لو گے اور عَلِمَ بمعنی عَرَفَ ہے، اور اس کے شروع میں لام قسم مقدر کا ہے، اِی وَاللّٰہ (لَتَعْلَمَنَّ)۔

تحقیق و تَرْکِیْبِ لِتَسْہِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قُلْ اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ آپ ﷺ نذیر بھی ہیں اور بشیر بھی، حالانکہ یہاں آپ کو صفت نذیر میں حصر کیا گیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت چونکہ مخاطب مشرکین ہیں اور ان کے مناسب آپ کا نذیر ہونا ہے، اسی لئے یہاں صفت نذیر کو خاص طور سے بیان کیا گیا ہے، اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ میں حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی اِی اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ لَا سَاحِرٌ وَلَا شَاعِرٌ وَلَا کَاہِنٌ وغیر ذلک اس حصر سے ان صفات کی نفی کرنا مقصود ہے جن کو کفار آپ ﷺ کے لئے ثابت کرتے تھے نہ کہ انذار کے علاوہ تمام صفات کی۔

قَوْلٌ: اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ سے الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ تک قُلْ کا مقولہ ہے اس مقولہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے پانچ اوصاف بیان کئے گئے جو سب کے سب توحید باری تعالیٰ پر دلالت کرتے ہیں ① الواحد ② القہار ③ رب السموات والارض وما بینہما ④ العزیز ⑤ الغفار۔ (تفصیل کے لئے روح المعانی دیکھئے)۔

قَوْلٌ: قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِیْمٌ۔ قُلْ کا تکرار اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ مامور بہ جلیل القدر اور عظیم الشان امور میں سے ہے اس کی طرف امر و اہتمام اُتوجہ ضروری ہے۔

قَوْلٌ: اِی الْقُرْآنَ یہ ہُوَ نَبَأٌ عَظِیْمٌ میں هُوَ کی تفسیر ہے، یعنی قرآن عظیم الشان کثیر الفائدہ خبر ہے جس کی میں نے تم کو خبر دی ہے اور جس میں میں ایسی خبر لایا ہوں کہ جو وحی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی، لہذا اس سے میرے دعوائے رسالت کی تصدیق ہوتی ہے۔

قَوْلٌ: وَهُوَ۔ (مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمِ الْخ) مفسر علام نے ہو کا مرجع مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمِ الْخ کو قرار دیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے، بلکہ اس کا مرجع اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃُ الْخ ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمِ بِالْمَلَأِ الْاَعْلٰی کو مَا لَا یُعْلَمُ کی تمہید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ خبر کہ جس کا علم وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا وہ اللہ کا وہ فرمان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ملا اعلیٰ میں فرشتوں سے فرمایا تھا، اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃُ اور اس پر فرشتوں کا یہ جواب اَتَجْعَلُ فِیْہَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْہَا اِسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد قَالَ یَا اِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیْدِی کے جواب میں ابلیس کا اَنَا خَیْرٌ مِنْہٗ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ کہنا مذکورہ

بالا گفتگو اور سوال و جواب وہ گفتگو ہے جو عالم بالا میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان ہوئی تھی، اس نجی اور ملاً اعلیٰ کی گفتگو کی خبر دینا وحی کے سوا نہیں ہو سکتا، جو کہ آپ کی نبوت کی صداقت کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

(صاوی، حمل، فتح القدیر شوکانی)

قَوْلًا: اَلَا نَ اس کلمہ کے اضافہ سے مفسر علام کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ مِنَ الْعَالَمِیْنَ کے معنی مِنَ الْمُنْكَبِرِیْنَ کے ہیں اور اَسْتَکْبَرْتَ کے معنی بھی تکبر کرنے کے ہیں، لہذا تکرار لازم آتا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ اَتَرَكْتَ السُّجُودَ لِاسْتِكْبَارِكَ الْحَادِثِ اَمْ اِسْتِكْبَارِكَ الْقَدِيمِ الْمُسْتَمِرِّ مطلب یہ کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار تیرے جہلی اور قدیم تکبر کی وجہ سے ہے یا تکبر حادث جدید کی وجہ سے، لہذا تکرار نہیں ہے۔

سُؤَال: رَجِیْم، مَطْرُودُ کے معنی میں ہے جیسا کہ شارح نے صراحت کی ہے اور آگے فرمایا گیا اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ لعنت کے معنی بھی طرد کے ہیں لہذا یہاں بھی تکرار لازم آتا ہے۔

جَوَاب: رَجِیْم کے معنی طرد من الجنة او السماء ہیں اور لعنت کے معنی طرد من الرحمة کے ہیں، لہذا تکرار نہیں ہے۔

قَوْلًا: قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ اَقُولُ سابق جملوں کے مانند یہ جملہ بھی مستانفہ ہے اور فاء استینافیہ ہے مفسر علام نے مذکورہ جملے کی دو ترکیبوں کی طرف اشارہ کیا ہے ① الْحَقُّ دُونِیْ جگہ منصوب ② اَوَّلُ مَرْفُوع، ثانی منصوب، ثانی کا ناصب اَقُولُ فعل مؤخر، اور اول کا ناصب بعض نے کہا ہے اس کا ناصب بھی اَقُولُ فعل مؤخر ہی ہے، اور بعض نے کہا مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے اِیْ اُحِقُّ الْحَقُّ اور بعض نے کہا ہے کہ حرف قسم کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے اِیْ اُقْسِمُ بِالْحَقِّ فعل اور حرف قسم دونوں کو حذف کر دیا جس کی وجہ سے حق منصوب ہو گیا، خلاصہ یہ کہ نصب ثانی کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے (اَقُولُ) فعل مؤخر اور الْحَقُّ اول کے منصوب ہونے کی تین وجہ ہیں ① ایک تو فعل مؤخر یعنی (اَقُولُ) کی وجہ سے ② دوسرے حرف قسم کے حذف کی وجہ سے ③ تیسرے مصدریت کی وجہ سے اول کے رفع کی دو وجہیں ہیں ① مبتداء ہونے کی وجہ سے مَرْفُوع اِیْ الْحَقُّ مَبْنِی ② خبر ہونے کی وجہ سے اِیْ اَنَا الْحَقُّ قسم کی صورت میں جواب قسم لَامَلَّاَنَّ جَهَنَّمَ ہوگا۔

جمہور نے الْحَقُّ کو دونوں جگہ منصوب پڑھا ہے، نصب کی وجہ مقسم یہ سے حرف خافض کا حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اقسِمُ بِالْحَقِّ فعل اور حرف جرد دونوں کو حذف کر دیا اس وجہ سے الْحَقُّ منصوب ہو گیا یعنی منصوب بنزع الخافض بعض حضرات نے فعل اغراء (آمادہ کرنا) کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے، اِیْ اَلْزِمُوا الْحَقُّ اَلْزِمُوا الْحَقُّ یا دونوں مصدریت کی وجہ سے منصوب ہیں، مصدر سابق جملہ لَامَلْنَاَنَّ کی تاکید کے لئے ہے اِیْ اُحِقُّ الْحَقُّ اور اَعْمَم وغیرہ نے اول کو رفع اور ثانی کو نصب پڑھا ہے، اول کا رفع مبتداء ہونے کی صورت میں خبر یا تو محذوف ہوگی جیسے فَالْحَقُّ مَبْنِی یا مذکور ہوگی اور وہ لَامَلَّاَنَّ جَهَنَّمَ ہے یا فَالْحَقُّ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مَرْفُوع ہوگا اور وہ مبتداء اَنَا ہے مثلاً اور ثانی کا نصب بعد میں مذکور (اَقُولُ) فعل کی وجہ سے ہوگا، اِیْ اَنَا اَقُولُ الْحَقُّ اس صورت میں فعل کی تکرار تاکید کے

لئے ہوگی، اور فراء نے فَالْحَقُّ کو حَقًّا مصدر کے معنی میں ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے، اِی حَقًّا لَا مَلَأَنَّ جَهَنَّمَ.

(فتح القدیر شوکانی ملخصاً)

قَوْلًا: الْمَتَقَوْلِينَ، تَقُولُ (تَفْعُل) بناوٹی باتیں کرنا، دروغ گوئی سے کام لینا۔

قَوْلًا: دُونِ الْمَلَائِكَةِ قرآن تمام عالموں کے لئے نصیحت ہے عالم میں انس، جن، ملائکہ سب داخل ہیں، مگر یہاں ملائکہ کو دُونِ الْمَلَائِكَةِ کہہ کر عالم سے خارج کر دیا، اس لئے کہ قرآن کو اہل عالم کے لئے ذکر اور نصیحت کہا گیا ہے، اور ذکر و موعظت اور تحویف جن و انس کے لئے تو مناسب ہے مگر ملائکہ کے مناسب نہیں ہے۔

قَوْلًا: عِلْمَ بِمَعْنَى عَرَفَ مفسر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا مقصد اس عبارت سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے، سوال یہ ہے کہ عِلْمَ متعدی بد و مفعول ہوتا ہے، یہاں متعدی بیک مفعول ہے اس لئے کہ تَعْلَمُنَّ کا صرف ایک مفعول ہے اور وہ نَبَأٌ ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ عِلْمَ بِمَعْنَى عَرَفَ ہے، وَلَتَعْلَمُنَّ میں لام جواب قسم کا ہے اور قسم وَاللّٰہُ محذوف ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ عِلْمَ اپنے باب پر ہے یعنی متعدی بد و مفعول ہے اور دوسرا مفعول بعد حِین ہے۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِیْحٌ

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ (الآیۃ) یعنی میں وہ نہیں ہوں جو تم گمان کرتے ہو، یعنی ساحر، کاہن، شاعر، وغیرہ نہیں ہوں بلکہ میں تو تمہیں اللہ کے عذاب اور اس کے عتاب سے ڈرانے والا ہوں، اور میں تمہیں جس عذاب اخروی سے ڈرا رہا ہوں اور توحید کی دعوت دے رہا ہوں یہ بڑی عظیم خبر ہے، اس سے اعراض و غفلت نہ برتو، اس پر تو بڑی سنجیدگی اور متانت سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَأِ الْأَعْلَى إِذْ يَخْتَصِمُونَ ملا اعلیٰ سے مراد عالم ملائکہ ہے یعنی مجھے عالم بالا کی کچھ بھی خبر نہ تھی، جبکہ وہ گفتگو کر رہے تھے، یعنی یہ بات میری رسالت کی واضح دلیل ہے کہ میں تمہیں عالم بالا کی ایسی باتیں بیان کرتا ہوں جو وحی کے سوا کسی بھی ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتیں، ان باتوں میں سے ایک تو وہ گفتگو ہے جو تخلیق آدم کے وقت اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان ہوئی تھی، جس کا تذکرہ سورہ بقرہ میں آچکا ہے، فرشتوں نے کہا تھا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ کیا آپ زمین میں ایسے انسان کو پیدا کر رہے ہیں جو وہاں فساد برپا کرے گا اور خون ریزی مچائے گا، اس گفتگو کو یہاں ”اختصام“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں، بشر کو بشر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی مباشرت زمین کے ساتھ ہے یعنی زمین ہی سے اس کی پوری وابستگی ہے، وہ سب کچھ زمین ہی پر کرتا ہے اور آخر کار پیوند خاک ہو جاتا ہے، یا بشر کو بشر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر البشرہ ہوتا ہے۔

یہاں تخلیق آدم کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی مذکور گفتگو کی طرف اشارہ کے ساتھ ساتھ اس

بات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ جس طرح ابلیس نے محض حسد و تکبر کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا، اسی طرح مشرکین عرب بھی حسد و تکبر کی وجہ سے آپ کی بات نہیں مان رہے، اور جو انجام ابلیس کا ہوا وہی انجام ان کا بھی ہو سکتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، معارف)

لَمَّا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ میں نے انہیں اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہاتھوں سے مراد دست قدرت ہے نہ کہ انسانوں جیسے ہاتھ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اعضاء اور جوارح سے پاک ہے اور عربی زبان میں يَدٌ کا لفظ قدرت کے معنی میں بکثرت استعمال ہوتا ہے، مثلاً ارشاد ہے بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔ یوں تو کائنات کی ہر شئی دست قدرت ہی سے پیدا ہوئی ہے، مگر آدم علیہ السلام کے اظہار شرف کے لئے اپنی طرف نسبت فرمائی ہے جیسے کعبہ کو بیت اللہ، اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقۃ اللہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ یا روح اللہ کہا گیا ہے، یہاں بھی حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے آدم کی تخلیق کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔

وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ اور میں بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں کہ میں اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کر دوں جو اس نے نہ کہی ہو، یا میں تمہیں ایسی بات کی طرف دعوت دوں کہ جس کا حکم اس نے مجھے نہ دیا ہو، میں تو کسی کمی بیشی کے بغیر اللہ کے احکام تم تک پہنچاتا ہوں، حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں جس کو کسی بات کا علم نہ ہو اس کی بابت کہہ دینا چاہئے ”اللہ اعلم“ یہ کہنا بھی علم ہی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے کہا کہہ دیجئے وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ۔ (ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکلف و تصنع شرعاً مذموم اور ناپسندیدہ ہے، عام معاملات میں بھی تصنع و تکلف سے اجتناب کرنا چاہئے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا نَهَيْدَا عَنْ التَّكْلُفِ صحیح بخاری ۱۷۲۹۳، حضرت سلمان فارسی رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَتَكَلَّفَ لِلضَّيْفِ آپ نے مہمانوں کے لئے تکلف کرنے سے منع فرمایا۔ (صحیح الجامع الصغیر للالبانی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس، خوراک، رہائش، اور دیگر معاملات میں تکلفات جو آج کل معیار زندگی بلند کرنے کے عنوان سے اصحاب حیثیت کا شعار اور طریقہ بن گیا ہے اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، اسلام میں سادگی اور بے تکلفی اختیار کرنے کی تلقین و ترغیب ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ

سُورَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ آيَةً وَمِنَ الْمُكَرَّمَاتِ

سُورَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ إِلَّا قُلَّ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمُ الْآيَةُ
فَمَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ آيَةً.

سورہ زمر کی ہے، مگر قُلَّ یَا عِبَادِی الذِّینَ اسْرَفُوا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ (الآیہ)
مدنی ہے، اور یہ پچھتر (۷۵) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ الْقُرْآنِ مُبْتَدَأً مِنْ اللَّهِ خَبْرُهُ الْعَزِيزِ فِي
مُلْكِهِ الْحَكِيمِ ۝ فِي صَنْعِهِ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِأَنْزَلْنَاهُ فَأَعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝
مِنْ الشِّرْكِ أَيْ مُوَحِّدًا لَهُ الْإِلَهِ الَّذِينَ الْخَالِصُ لَا يَسْتَحِقُّهُ غَيْرُهُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ الْأَصْنَامَ أَوْلِيَاءَ
وَبِهِمْ كُفَّارٌ مَكَّةَ قَالُوا مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ قُرْبَىٰ مُصَدَّرٌ بِمَعْنَى تَقْرِبًا إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ
الْمُسْلِمِينَ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ فَيُدْخِلُ الْمُؤْمِنِينَ الْجَنَّةَ وَالْكَافِرِينَ النَّارَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي
مَنْ هُوَ كَاذِبٌ فِي نِسْبَةِ الْوَلَدِ إِلَيْهِ كَفَّارٌ ۝ بِعِبَادَةِ غَيْرِ اللَّهِ لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا كَمَا قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ
وَلَدًا لَاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۝ وَاتَّخَذُوهُ وَلَدًا غَيْرَ مَنْ قَالُوا مِنَ الْمَلَائِكَةِ بِنَاتُ اللَّهِ وَغَزِيرِ بْنِ اللَّهِ وَالْمَسِيحِ
بْنِ اللَّهِ سُبْحَنَهُ تَنْزِيهًا لَهُ عَنِ اتِّخَاذِ الْوَلَدِ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ لِيَخْلُقَ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ
بِخَلْقِ يُكَوِّرُ يُدْخِلُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ فَيَزِيدُ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ يُدْخِلُهُ عَلَى اللَّيْلِ فَيَزِيدُ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي
فِي فَلَكِهِ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ ۝ الْآهُوَ الْعَزِيزُ الْغَالِبُ عَلَى أَمْرِهِ الْمُنتَقِمُ مِنْ أَعْدَائِهِ الْغَفَّارُ ۝ لَا أَوْلِيَاءَ لَهُ
خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ أَيْ آدَمَ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا حَوَاءَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ الْإِبِلَ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالضَّانَ
وَالْمَعَزَ ثَمَنِيَّةً ۝ زَوْجَانِ مِنْ كُلِّ زَوْجَانِ ذَكَرٌ وَأُنْثَىٰ كَمَا بَيَّنَّ فِي سُورَةِ الْأَنْعَامِ يَخْلُقُكُمْ فِي

بُطُونُ أَهْلِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ أَيْ نُطْفَاطُكُمْ عَلَقَاتُكُمْ مُضْغًا فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ بِسِيَ ظُلُمَةِ الْبَطْنِ وَظُلُمَةِ الرَّحِمِ وَظُلُمَةِ الْمَشِيمَةِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَى تُصَرِّفُونَ ⑤ عَنْ عِبَادَتِهِ إِلَى عِبَادَةِ غَيْرِهِ إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ أَرَادَهُ مِنْ بَعْضِهِمْ وَارِزَةً وَزَرَ نَفْسٍ أُخْرَىٰ أَيْ لَا تَحْمِلُهُ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑥ بِمَا فِي الْقُلُوبِ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ أَيْ الْكَافِرَ ضُرٌّ عَارِبَةٌ تَضَرَّعَ مُنِيبًا رَاجِعًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً أَعْطَاهُ إِنْعَامًا مِّنْهُ نَسِيَ تَرَكَ مَا كَانَ يَدْعُوًا يَتَضَرَّعُ إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَبِهِ اللَّهُ فَمَا فِي مَوْضِعٍ مِّنْ وَجَعَلَهُ اللَّهُ أَنْدَادًا شُرَكَاءَ لِّيُضِلَّ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّهَا عَنْ سَبِيلِهِ دِينَ الْإِسْلَامِ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ⑦ بَقِيَّةَ أَجَلِكَ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ⑧ أَمَّنْ بِتَخْفِيفِ الْمِيمِ هُوَ قَائِمٌ قَائِمٌ بِوُضَائِفِ الطَّاعَاتِ أَنْاءَ اللَّيْلِ سَاعَاتِهِ سَاجِدًا وَقَائِمًا فِي الصَّلَاةِ يَحْذَرُ الْآخِرَةَ أَيْ يَخَافُ عَذَابَهَا وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ كَمَنْ هُوَ عَاصٍ بِالْكَفْرِ أَوْ غَيْرِهِ وَفِي قِرَاءَةِ أَمَّ مِّنْ فَامٍ بِمَعْنَى بَلْ وَالْهَمْزَةُ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ⑨ أَيْ لَا يَسْتَوِيَانِ كَمَا لَا يَسْتَوِي الْعَالِمُ وَالْجَاهِلُ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ يُتَعَذَّرُ أُولَئِكَ الْأَلْبَابُ ⑩ أَصْحَابُ الْعُقُولِ.

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے یہ کتاب یعنی قرآن اپنے ملک میں غالب اپنی صنعت میں حکمت والے اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے القرآن مبتداء اور مِنْ اللہ اس کی خبر ہے، اے محمد ﷺ! یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے (بالحق) انزلنا، سے متعلق ہے، سو آپ شرک سے خالص اعتقاد کے ساتھ (یعنی) توحید کا اعتقاد رکھتے ہوئے اسی کی بندگی کرتے رہئے، یاد رکھو عبادت جو کہ خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے، اس کے علاوہ اس کا کوئی مستحق نہیں، اور جن لوگوں نے اس کے سوا بتوں کو اولیاء بنا رکھا ہے اور وہ مکہ کے کافر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں قُربى تقریباً معنی میں مصدر کے ہے جس دینی امر کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان (عملی) فیصلہ فرمادے گا، کہ مومنوں کو جنت میں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کرے گا، اس کی طرف ولد کی نسبت کرنے میں جھوٹے (اور) غیر اللہ کی عبادت کر کے ناشکرے کو اللہ راہ نہیں دکھاتا اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اولاد ہی کا ہوتا، جیسا کہ (کفار) کہتے ہیں کہ اللہ کے اولاد ہے تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چن لیتا (یعنی) اس کو اولاد بنا لیتا، ان کے علاوہ جن کے بارے میں (کفار) کہتے ہیں (یعنی یہ کہ) فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور عزیر اور مسیح علیہما السلام اللہ کے بیٹے ہیں، وہ تو پاک ہے یعنی اولاد رکھنے سے وہ پاک ہے وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے اپنی مخلوق پر زبردست ہے اس نے زمین و آسمان کو حکمت سے پیدا کیا (بالحق) خلق سے متعلق ہے وہ رات

کو دن میں داخل کر دیتا ہے جس سے دن بڑا ہو جاتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے تو رات بڑی ہو جاتی ہے اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے ہر ایک اپنے محور پر وقت مقرر (یعنی) قیامت کے دن تک چلتا رہے گا یقیناً مانو وہی اپنے امر پر غالب ہے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے اور اپنے اولیاء کو بخشنے والا ہے اس نے تم لوگوں کو تن واحد سے یعنی آدم سے پیدا کیا پھر اسی سے اس نے حواء کو اس کا جوڑا بنایا اور تمہارے لئے چوپایوں میں (یعنی) اونٹ، گائے، بکری، بھینس، دنبے آٹھ جوڑے پیدا کئے، ہر ایک نو مادہ کا جوڑا، جیسا کہ سورۃ انعام میں بیان کیا گیا ہے، وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک بناوٹ کے بعد دوسری بناوٹ پر بناتا ہے (یعنی اولاً) نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ تین تین تاریکیوں میں وہ پیٹ کی تاریکی اور رحم کی تاریکی اور جھلی کی تاریکی ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کی سلطنت ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سوا اس کی بندگی کو چھوڑ کر دوسروں کی بندگی کی طرف کہاں بہک رہے ہو، اگر تم کفر کرو گے یاد رکھو اللہ تمہارا محتاج نہیں اور وہ اپنے بندوں کے کفر کو پسند نہیں کرتا اگرچہ ان میں سے بعض سے اس (کفر) کا ارادہ کرے اور اگر تم اللہ کا شکر کرو گے کہ ایمان لے آؤ تو وہ اسے یعنی شکر کو تمہارے لئے پسند کرے گا (یَرْضَاهُ) میں ہواء کے سکون اور ضمہ کے ساتھ مع اشباع کے اور کوئی شخص کسی شخص کا بوجھ نہیں اٹھاتا پھر تم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہوگا، سو وہ تمہارے سب اعمال بتا دے گا جو تم کرتے تھے، وہ یقیناً دلوں تک کی باتوں سے واقف ہے اور انسان کافر کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر عاجزی کے ساتھ اپنے رب کو پکارتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس سے نعمت یعنی انعام عطا فرمادیتا ہے تو اس سے پہلے جو دعاء کر رہا تھا اسے بالکل بھول جاتا ہے اور وہ اللہ ہے اور مَا، مَنْ کی جگہ میں ہے اور خدا کے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ اس کے راستہ یعنی دین اسلام سے بھٹک جائے (یا) بھٹکا دے (ی) کے فتح اور ضمہ کے ساتھ آپ فرمادیتے کہ کفر کی بہار کچھ دن اور لوٹ لو، یعنی اپنی بقیہ زندگی (پھر آخر کار) تو دوزخیوں میں سے ہونے والا ہے بھلا جو شخص راتوں کے اوقات وظیفہ طاعت میں مشغول ہو کر رکوع اور سجدے یعنی نماز میں گزارتا ہو حال یہ ہے کہ وہ آخرت یعنی اس کے عذاب سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت، جنت کی امید بھی کر رہا ہو (أَمِنْ) میں میم کی تخفیف کے ساتھ، اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے کہ وہ کفر وغیرہ کے ذریعہ نافرمانی کر نیوالا ہے اور ایک قراءت میں أَمْ مَنْ ہے، اور أَمْ بمعنی بَلْ اور ہمزہ ہے، آپ کہتے کہ (کہیں) علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی برابر نہیں ہو سکتے، جیسا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہوں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

اس سورت کا نام سورۃ زمر ہے زُمر، زُمرۃ کی جمع ہے، اس کے معنی جماعت کے ہیں اس سورۃ کو سُورَةُ غُرَف بھی کہا جاتا ہے، یہ دونوں کلمے چونکہ اس سورت میں آئے ہیں اس لئے یہ اسم الکل باسم الجزء کے قبل سے ہے، زُمر کا کلمہ وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا اور وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَىٰ الْجَنَّةِ زُمَرًا میں استعمال ہوا ہے، اور غُرَف کا کلمہ

لَهُمْ غُرْفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرْفٌ مِّسْ استعمال ہوا ہے، یہ پوری سورت کی ہے سوائے تین آیتوں کے یا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ سے تین آیتوں تک مدنی ہیں، اور بعض نے یہاں سے سات آیات تک مدنی کہا ہے۔

قَوْلُهُ: تَنْزِيلُ الْكِتَابِ، هُوَ مَبْتَدَأٌ مَّحذُوفٌ كِیْ خَبَرِ هُوَ نِیْ جِبْہ سے مرفوع ہے اِیْ هُوَ تَنْزِیْلُ الْكِتَابِ اور کہا گیا ہے کہ مَبْتَدَأٌ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور كَسَائِنْ جَارِ مجرور سے متعلق ہو کر مَبْتَدَأٌ کی خبر مقدر ہے اِیْ تَنْزِیْلُ كَسَائِنْ مِّنَ اللّٰهِ اور فَرَّاء اور كَسَائِیْ نے فَعْلٌ مقدر کی وجہ سے منصوب بھی کہا ہے اِیْ اَتَّبِعُوا تَنْزِیْلَ الْكِتَابِ یا اِقْرَءُوا تَنْزِیْلَ الْكِتَابِ اور فَرَّاء نے اغراء کے طور پر بھی نصب جازز کہا ہے اِیْ اِلِزْمُوا تَنْزِیْلَ الْكِتَابِ۔ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُهُ: مُخْلِصًا، اُعْبُدُ کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُهُ: زُلْفَى یِهْ یُقَرَّبُونَ کا مصدر بغیر لفظہ ہے، اصل میں یُزْلِفُونَ زُلْفَى ہے، اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا کے مانند مصدر بغیر لفظہ ہے۔

قَوْلُهُ: یُكْوَرُّ، تَكْوِیْرًا سے بمعنی اَلَلْفُ، وَاللّٰی بِمَعْنٰی لَیْسِنَا یَقَالُ كَارَ الْعِمَامَةِ عَلٰی رَاسِهِ وَكُوْرَهَا دِسْتَارُ کوسر پر لپیٹا۔

قَوْلُهُ: وَاِنْ اَرَادَهُ مِنْ بَعْضِهِمْ یعنی اللہ اپنے بندے کے کفر سے راضی نہیں ہے اگرچہ کفر کا وجود اللہ کے ارادہ ہی سے ہے، اس لئے کہ ارادہ اور مشیت خداوندی کے بغیر کسی شی کا وجود نہیں ہو سکتا، اور ارادہ کے لئے رضا لازم نہیں ہے جیسے نا خواستہ کسی کام کے کرنے میں ارادہ تو ہوتا ہے مگر رضا مندی نہیں ہوتی۔

قَوْلُهُ: یَرْضٰهُ ہا ضمیر کا مرجع شکر ہے، اگر تم اللہ کا شکر کرو گے تو وہ تمہارے شکر سے خوش ہوگا یَرْضٰهُ اصل میں یَرْضَاهُ تھا، شرط کی جزاء ہونے کی وجہ سے الف ساقط ہو گیا یَرْضٰهُ میں تین قراءتیں ہیں، ضم مع الاشباع یعنی (کھینچ کر) اور ضمہ بغیر الاشباع، اور ہا کے سکون کے ساتھ۔

قَوْلُهُ: اِیْ الشُّكْرِ اس اضافہ کا مقصد یَرْضٰهُ کی ضمیر مفعولی کا مرجع متعین کرنا ہے، اور یَرْضٰهُ کا فاعل اللہ ہے۔

قَوْلُهُ: خَوْلَةٌ تَخْوِیْلٌ (تفعیل) سے ماضی واحد مذکر غائب، اس کو عطا کیا، مالک بنایا، مِنْهُ کی ضمیر حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُهُ: تَرَكْ، نَسِیَ کی تفسیر تَرَكْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں نسیان کے لازم معنی مراد ہیں، ترک نسیان کے لئے لازم ہے، اور لازم معنی مراد لینے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ نسیان پر مواخذہ نہیں رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَااَ وَالنَّسِیَانَ حدیث مشہور ہے۔

قَوْلُهُ: مَا كَانَ یَدْعُوا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ، مَا میں تین وجہ جاز ہیں ① مَا موصولہ بمعنی الذی اور الذی سے مراد ضَرْ (تکلیف) اِیْ نَسِیَ الضَّرَّ الَّذِیْ كَانَ یَدْعُوا اِلَیْهِ كَشَفِهِ یعنی ہمارے اس پر انعام کرنے اور اس کی تکلیف کو دور کرنے کے بعد وہ اس تکلف کو بھول گیا، جس کے دور کرنے کی دعا کرتا تھا ② مَا بمعنی الذی، مراد باری تعالیٰ، اِیْ

نَسِيَ الَّذِي كَانَ يَتَضَرَّعُ إِلَيْهِ یعنی تکلیف دور ہونے کے بعد اس ذات کو بھول گیا جس سے تکلف دور کرنے کی دعا کر رہا تھا، مگر یہ ان کے نزدیک درست ہے جو ما کا اطلاق ذوی العقول کے لئے جائز سمجھتے ہیں (۳) ما مصدر یہ ہو ای نَسِيَ كَوْنَهُ دَاعِيًا یعنی مصیبت کے دور ہونے کے بعد وہ یہ بھی بھول گیا کہ میں کسی وقت داعی تھا۔

قَوْلًا: مِنْ قَبْلُ ای من قبل تحویل النعمة۔

قَوْلًا: وَهُوَ اللَّهُ مفسر علام نے اس عبارت سے اشارہ کر دیا کہ اس کے نزدیک دوسری صورت پسندیدہ ہے۔

قَوْلًا: قَانِتٌ، قُنُوتٌ سے اسم فاعل وظیفہ طاعت کو ادا کرنے والا (اعراب القرآن) خشوع خضوع کرنے والا،

طاعت کرنے والا۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: اِنَّا یہ انہی کی جمع ہے بمعنی اوقات۔

قَوْلًا: اَمَّنْ، اَمْ متصل بھی ہو سکتا ہے، اس کا مقابل محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے الکافرُ خَيْرٌ اَمِ الَّذِي هُوَ قَانِتٌ ہمزہ

مَنْ موصولہ پر داخل ہے، میم کو میم میں ادغام کر دیا گیا ہے، یا اَمْ منقطع ہے، اس کی تقدیر بَلْ اور ہمزہ کے ساتھ ہوگی ای بَلْ

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ کَغَيْرِهِ؟ اور تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس صورت میں ہمزہ استفہام انکاری ہوگا۔

قَوْلًا: كَمَنْ هُوَ عَاصٍ بِكَفَرِهِ وَغَيْرِهِ سے شارح کا مقصد اَمْ مَنْ هُوَ قَانِتٌ کے معادل کو بیان کرنا ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

سورہ زمر کے فضائل:

امام نسائی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ جب روزہ رکھتے تو اس کثرت اور تسلسل کے ساتھ رکھتے کہ ہم یہ خیال کرتے کہ شاید اب آپ کبھی افطار نہ کریں گے، اور جب آپ افطار فرماتے تو اس قدر تسلسل کے ساتھ افطار فرماتے کہ ہم خیال کرتے کہ شاید اب آپ کبھی روزہ نہ رکھیں گے، اور آپ ﷺ روزانہ ہر شب کو سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر تلاوت فرماتے، اور یہ امام ترمذی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَأَ الزُّمَرَ وَبَنِي إِسْرَائِيلَ یعنی آپ ﷺ اس وقت تک نہ سوتے جب تک کہ سورہ زمر اور سورہ بنی اسرائیل تلاوت نہ فرما لیتے۔ (فتح القدیر شوکانی)

اعمال میں اخلاص کا مقام:

فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ اَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ یہاں دین کے معنی عبادت و طاعت کے ہیں جو تمام احکام دینیہ کو شامل ہیں، اس سے پہلے جملہ میں آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت و طاعت

خالص اسی کے لئے کریں، جس میں شرک یا ریاء و نمود کا شائبہ بھی نہ ہو، ابن مردویہ نے یزید الرقاشی سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم اپنے اموال کو (راہ خدا میں) شہرت و ثنا کے لئے دیتے ہیں تو کیا ہمیں اس کا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا لا! عرض کیا کہ ہم اگر اجر (ثواب) اور ذکر (نام آوری) کیلئے دیں تو کیا ہمیں اس کا اجر ملے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ اِلَّا مَا اخْلَصَ لَهٗ اللّٰهُ تعالیٰ اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص اسی کیلئے ہو پھر آپ نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔
(فتح القدیر شوکانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں بعض اوقات کوئی صدقہ خیرات کرتا ہوں یا کسی پر احسان کرتا ہوں، جس میں میری نیت رضا جوئی کی بھی ہوتی ہے اور یہ بھی کہ لوگ میری تعریف کریں گے، آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتے جس میں کسی غیر کو شریک کیا گیا ہو، پھر آپ نے آیت مذکورہ بطور استدلال کے تلاوت فرمائی اِلَّا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔
(قرطبی، معارف)

اعمال کی مقبولیت کا دار و مدار اخلاص پر ہے نہ کہ تعداد پر:

متعدد قرآنی آیات اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کا حساب گنتی سے نہیں بلکہ وزن سے ہوگا، حق تعالیٰ نے فرمایا وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں حساب گنتی اور شمار سے نہیں بلکہ وزن و مقدار سے ہوگا اور وزن، اعمال میں اخلاص سے پیدا ہوتا ہے، صحابہ کرام جو کہ مسلمانوں کی صف اول ہیں، ان میں سے اکثر کے اعمال و ریاضات کی تعداد گنتی اور شمار کے اعتبار سے کچھ زیادہ نظر نہ آئے گی، مگر اس کے باوجود ان کا ایک ادنیٰ عمل باقی امت کے بڑے بڑے اعمال سے فائق ہونے کی وجہ ان کا کمال ایمان اور کمال اخلاص ہی تو ہے۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ اَوْلِيَاءَ (الایۃ) اہل مکہ اور تقریباً تمام اہل عرب کا عقیدہ تو یہی تھا کہ تمام کائنات کا مالک اور زمین و آسمان کا خالق اور تمام کاموں میں متصرف صرف خدا ہی کی ذات ہے مگر اس کے باوجود انہوں نے کچھ دیوی دیوتاؤں اور فرشتوں کے بت تراش رکھے تھے، ان کی بندگی اور نذر و نیاز کرتے تھے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ خدا تعالیٰ ہی کو مالک کون و مکان اور خالق زمین و آسمان مانتے تھے تو پھر وہ ان بتوں کی بندگی کیوں کرتے تھے؟ ان سے جب یہ سوال کیا جاتا تھا تو وہ یہی جواب دیتے تھے جو قرآن نے یہاں نقل کیا ہے، مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيَقْرَبُوْنَا اِلٰی اللّٰهِ ذَلْفٰی ہم ان بتوں کی بندگی محض اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ذریعہ ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے، یا اللہ کے حضور ہماری سفارش کر دیں، یہ حضرات اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ ہم شرک کر رہے ہیں یا ہمارا یہ عمل شرک ہے آج بھی جو حضرات قبر پرستی اور مزار پرستی میں مبتلا ہیں اور رات دن قبروں پر نذر و نیاز کے علاوہ سجدہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے، اپنے ان اعمال کو شرک ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا، اور اسی کے مطابق جزاء و سزا دے گا۔

لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ (الآية) یہ ان لوگوں پر رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی اولاد کہتے تھے، ان کے اس باطل اور محال خیال کو بطور فرض محال کے فرمایا اگر اس کو اولاد بنانا ہی تھا تو لڑکیوں ہی کو کیوں اولاد بنایا؟ جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، بلکہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو پسند کرتا وہ اس کی اولاد ہوتی، نہ کہ وہ جن کو وہ باور کراتے ہیں، لیکن وہ تو والد و ولد کے نقص ہی سے پاک ہے لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ اس کی خاص صفت ہے۔

(ابن کثیر تلخیصاً وترمیماً)

يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ ”تکویر“ کے معنی ایک شے کو دوسری پر ڈال کر چھپا دینے کے ہیں، قرآن کریم نے دن اور رات کے انقلاب کو یہاں عام نظروں کے اعتبار سے لفظ تکویر سے تعبیر کیا ہے رات آتی ہے تو گویا دن کی روشنی پر ایک پردہ ڈال دیا گیا، اور جب دن آتا ہے تو رات کی تاریکی پر وہ چلی جاتی ہے۔

چاند اور سورج متحرک ہیں:

کل یجرى لِأَجَلٍ مُّسَمًّى اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس و قمر، دونوں حرکت کرتے ہیں، فلکیات اور طبقات الارض کی مادی تحقیقات قرآن پاک یا کسی آسمانی کتاب کا موضوع بحث نہیں ہوتا، مگر اس معاملہ میں جتنی بات کہیں ضمناً آجاتی ہے اس پر یقین رکھنا فرض ہے، فلاسفہ کی قدیم و جدید تحقیقات تو موم کی ناک ہیں روز بدلتی رہتی ہیں، قرآنی حقائق غیر متبدل ہیں آیت مذکور سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شمس و قمر دونوں حرکت میں ہیں، اس پر یقین رکھنا فرض ہے نہ اس میں شک کرنے کی گنجائش اور نہ تاویل کی ضرورت، اب رہا یہ معاملہ کہ ہمارے سامنے آفتاب کا طلوع و غروب زمین کی حرکت سے ہے یا خود ان سیاروں کی حرکت سے ہے قرآن نہ اس کا اثبات کرتا ہے اور نہ نفی، تجربہ سے جو کچھ معلوم ہوا اس کے ماننے میں حرج نہیں۔

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا (الآية) ثم کے ذریعہ عطف، آدم و حواء علیہما السلام کے درمیان ترتیب تخلیق اور تاخیر کو بیان کرنے کے لئے ہے، معطوف علیہ مقدر ہے اور وہ نفس کی صفت ہے، تقدیر یہ ہے خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ خَلَقَهَا وَاحِدَةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا اور یہ بھی جائز ہے کہ واحدة کے معنی پر عطف ہو، ای من نفس انفردت ثم جعل منها زوجها۔

سُئِلَ: حق تعالیٰ شانہ نے خَلَقَ کو جَعَلَ سے کیوں تعبیر کیا؟

جواب: حضرت حواء کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا فرمانا یہ قدرت خداوندی پر زیادہ دلالت کرنے والا ہے، اس لئے کہ یہ طریق تخلیق، اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ کے خلاف ہے بخلاف تخلیق آدم اور اس کی نسل کے کہ یہ عادت مستمرہ کے موافق ہے اس لئے کہ اشیاء کو عدم سے وجود میں لانا یا رحم مادر کے واسطہ سے ہونا یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عام عادت ہے، بخلاف حواء کے کہ ان کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ نہیں ہے، اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے خَلَقَ کے بجائے جَعَلَ کا لفظ اختیار فرمایا۔

وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ اس کا عطف خَلَقْكُمْ پر ہے، یہاں تخلیق کو انزال سے تعبیر فرمایا ہے یا تو اس لئے کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تخلیق اولاً جنت میں ہوئی تھی، وہاں سے دنیا میں اتارا گیا اس صورت میں انزل حقیقی معنی میں ہوگا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجازاً انزل سے تعبیر کر دیا ہو اس لئے کہ موسیٰ گھاس چارہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور گھاس چارہ پانی سے پیدا ہوتا ہے اور پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے تو گویا کہ موسیٰ آسمان سے نازل کردہ ہیں، اس میں نسبت سبب السبب کی طرف کردی گئی، جس طرح کہ شاعر نے مندرجہ ذیل شعر میں سبب کی طرف نسبت کی ہے:۔

إِذَا نَزَلَ السَّمَاءُ بِأَرْضٍ قُومٍ رَغَيْنَاهُ وَإِنْ كَانُوا غَضَابًا

(فتح القدیر شوکانی)

شاعر نے نَزَلَ کی نسبت پانی کے بجائے پانی کے سبب یعنی بادل کی جانب کی ہے۔

وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ یہ انہی چار قسم کے جانوروں کا بیان ہے جن کا ذکر سورۃ انعام کی آیت ۱۴۳، ۱۴۴ میں گذرا ہے اور وہ بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے ہے جو زرمادہ مل کر آٹھ ہو جاتے ہیں۔

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے کفر و ایمان سے مستغنی ہے کسی کے ایمان سے نہ اس کا کوئی فائدہ اور نہ کفر سے کچھ نقصان، صحیح مسلم کی ایک حدیث قدسی میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا، اے میرے بندو! اگر تمہارے اولین و آخرین اور تمہارے انسان اور جن سب کے سب انتہائی فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں تو میرے ملک و سلطنت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آتی۔ (ابن کثیر، معارف)

وَلَا يَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ کفر اگرچہ انسان، اللہ کی مشیت ہی سے کرتا ہے، اس لئے کہ کوئی کام خدا کی مشیت اور ارادہ کے بغیر نہیں ہو سکتا، تاہم کفر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے، اس کی رضا حاصل کرنے کا طریقہ اور ذریعہ شکر ہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور چیز ہے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ:

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اچھا یا برا کام یا کفر و ایمان اللہ جل شانہ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا، البتہ حق تعالیٰ کی رضا اور پسندیدگی صرف ایمان اور اچھے کاموں سے متعلق ہوتی ہے، شیخ الاسلام علامہ دینوری نے اپنی کتاب ”الاصول والضوابط“ میں تحریر فرمایا ہے:

مذهب اهل الحق الايمان بالقدرِ واثباته وَاَنَّ جميعَ الكائناتِ خيرُها وشرُّها بقضاءِ الله وقدره وهو مرید لها كُلُّها ويكره المعاصي مع أنه تعالى مُريد لها لحكمة يعلمها جلَّ وعلا.

(روح المعانی، معارف)

”اہل حق کا مذہب تقدیر پر ایمان لانا ہے اور یہ کہ تمام کائنات اچھی ہو یا بری سب اللہ تعالیٰ کے حکم و تقدیر سے وجود میں آتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کا ارادہ بھی فرماتے ہیں، مگر وہ معاصی کو مکروہ اور ناپسند سمجھتا ہے اگرچہ اس کی تخلیق کا ارادہ کسی حکمت و مصلحت سے ہوتا ہے جس کو وہ خود ہی جانتا ہے۔“

اَمَّنْ هُوَ قَانِثٌ اَنَّا اللَّيْلُ لَفْظِ اَمَّنْ دو لفظوں سے مرکب ہے اَم حرف استفہام اور مِنْ اسم موصول سے، اس جملہ سے پہلے کفار کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی میں اپنے کفر و فسق کے مزے اڑالو، آخر کار تم جہنم کے ایندھن ہوو گے، اس کے بعد اس جملہ میں مومن مطیع کا بیان ہے، جس کو اَمَّنْ کے لفظ سے شروع کیا ہے، علماء تفسیر نے فرمایا کہ اس سے پہلے ایک جملہ جو کہ اس جملہ کا معادل ہے محذوف ہے کہ کافر سے کہا جائے گا کہ تو اچھا ہے یا وہ مومن مطیع جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا (الآیۃ) جب اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ انسان کی فریاد کو سن لیتے ہیں اور اس کی مصیبت کو دور کر دیتے ہیں تو مصیبت دور ہونے کے بعد اس ذات کو کہ جس سے عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا کرتا تھا بھول جاتا ہے اور پھر اسی کفر و معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک تو یہ کافر و مشرک ہے جس کا حال یہ ہے جو ابھی اوپر مذکور ہوا، اور دوسرا وہ شخص ہے جو تنگی اور خوشحالی خوشی اور غمی میں رات کی گھڑیاں اللہ کے سامنے عاجزی اور فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہوئے قومہ و قیام، رکوع و سجود میں گزارتا ہے، اور آخرت کا خوف بھی اس کے دل میں ہے، اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہے، یعنی امید و بیم کی کیفیت سے سرشار ہے، جو اصل ایمان ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں اور یقیناً نہیں، خوف و رجاء کے بارے میں حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس عیادت کے لئے گئے مریض حالت سکرانہ میں تھا، آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو خود کو کس حالت میں پاتا ہے، اس نے عرض کیا میں اللہ سے امید رکھتا ہوں، اور اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈرتا بھی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا اس موقع پر جس بندے کے دل میں یہ دونوں باتیں ہوں تو اللہ اسے وہ چیز عطا فرماتا ہے جو وہ امید رکھتا ہے اور اس چیز سے بچا لیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔

(ترمذی، ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر الموت)

قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا رَبَّکُمْ اِیْ عَذَابُہٗۤ اَنْ تَطِیْعُوْهُ لِّلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ ہٰذِہِ الدُّنْیَا بِالطَّاعَةِ حَسَنَةً سِیْ الْجَنَّةِ وَاَرْضُ اللّٰہِ وَاَسْعَۃٌ فَمَہَاجِرُوْا اِلَیْہَا مِنْ بَیْنِ الْکُفَّارِ وَمُشَہِدَةِ الْمُنْکِرَاتِ اِنَّمَا یُوفِی الصَّابِرُوْنَ عَلٰی الطَّاعَاتِ وَمَا یُتَّلَوْنَ بِہٖۤ اَجْرَہُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ① بَغِیْرِ مِکْیَالٍ وَلَا مِیْزَانٍ ② قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُۤ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لِّہٖ الدِّیْنَ ③ ④ ⑤ ⑥ ⑦ ⑧ ⑨ ⑩ ⑪ ⑫ ⑬ ⑭ ⑮ ⑯ ⑰ ⑱ ⑲ ⑳ ㉑ ㉒ ㉓ ㉔ ㉕ ㉖ ㉗ ㉘ ㉙ ㉚ ㉛ ㉜ ㉝ ㉞ ㉟ ㊱ ㊲ ㊳ ㊴ ㊵ ㊶ ㊷ ㊸ ㊹ ㊺ ㊻ ㊼ ㊽ ㊾ ㊿ ۰ ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

يَعْبُدُونَ اللَّهَ تَعَالَى قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بَتَخْلِيدِ الْأَنْفُسِ فِي النَّارِ وَبَعْدَ
وُضُولِهِمْ إِلَى الْحُورِ الْمُعَدَّةِ لَهُمْ فِي الْجَنَّةِ لَوْ آمَنُوا أَلَا ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝ الْبَيْنُ لَهُمْ مَنْ فَوْقَهُمْ ظِلٌّ
طَبَاقٌ مِنَ النَّارِ وَمَنْ تَحْتَهُمْ ظِلٌّ ۝ مِنَ النَّارِ ذَلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهَ بِهِ عِبَادَهُ أَيِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَتَّقُوهُ يَذُلُّ عَلَيْهِ
يُعْبَادُ فَاتَّقُوا ۝ وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ الْأَوْثَانَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ بِالْجَنَّةِ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝
الَّذِينَ يَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ وَهُمْ فِيهِ فَلَا حُكْمَ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝
أَصْحَابُ الْعُقُولِ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَيْ لَا مَلَأَنَّ جَهَنَّمَ الْآيَةَ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ تَخْرُجُ مَنْ فِي النَّارِ ۝ جَوَابُ
الشَّرْطِ وَأَقِيمَ فِيهِ الظَّابِرُ مَقَامَ الْمُضْمَرِ وَالْمَهْمَزَةُ لِلْإِنْكَارِ وَالْمَعْنَى لَا تُقْدِرُ عَلَىٰ بِدَايَتِهِ فَتُنْقِذُهُ مِنَ النَّارِ
لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا لَهُمْ عَرْفٌ مِّنْ فَوْقِهَا عَرْفٌ مَّبْنِيٌّ تَجْرِي مِّنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۝ أَيِ مَنْ تَحْتَ الْعَرْفِ الْفُوقَانِيَّةِ
وَالْتَحْتَانِيَّةِ وَعَدَّ اللَّهُ مَنصُوبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْمِيعَادَ ۝ وَعَدَهُ أَلَمْ تَرَ تَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
فَسَلَكَهُ يَنَابِيعٌ أَدْخَلَهُ أُمُكِنَةً نَّبَعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهْبِجُ يَبْسُ فَنَرَاهُ بَغْدًا خَضِرًا مِّثْلًا
مُّصَفَّرًا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا ۝ فَتَاتَا إِنْ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَىٰ لِّكُلِّ نَذِيرٍ ۝ لِأُولَى الْأَلْبَابِ ۝ يَتَذَكَّرُونَ بِهِ لِدَلَالِهِ عَلَىٰ وَحْدَانِيَّةِ
اللَّهِ تَعَالَى وَقُدْرَتِهِ.

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو یعنی اس کے عذاب سے
(ڈرتے رہو) اس طریقہ سے کہ اس کی اطاعت کرو، جو لوگ اس دنیا میں طاعت کے ذریعہ نیکی کرتے ہیں ان کے لئے اچھا
صلہ ہے اور وہ جنت ہے اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت کشادہ ہے، کفار کے درمیان سے اور منکرات کے مشاہدہ سے (بچنے کے
لئے) کسی اور سرزمین کی طرف ہجرت کر جاؤ طاعات پر اور ان مصائب پر جن میں ان کو مبتلا کیا گیا ہے، صبر کرنے والوں ہی کو
پورا (اور) بے شمار اجر ملتا ہے یعنی بغیر ناپے تولے (اجر ملتا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی اس طرح
عبادت کروں کہ اسی کے لئے شرک سے دین کو خالص کروں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس قوم میں سے سب سے پہلا
فرمانبردار بن جاؤں (آپ) کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں
(آپ) کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ عبادت کو اسی کے لئے شرک سے خالص رکھتا ہوں تم اس کو
چھوڑ کر جس کی چاہو بندگی کرو اس میں ان کے لئے تہدید (دھمکی) ہے، اور اس بات کا اعلان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی نہیں
کرتے (اور) آپ ان سے یہ (بھی) کہہ دیجئے کہ حقیقی زیاں کا وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان
میں ڈال دیں گے خود کو جہنم میں ہمیشہ کے لئے ڈال کر اور ان حوروں کو حاصل نہ کر کے جو ان کے لئے جنت میں تیار کی گئی ہیں،
اگر وہ ایمان لاتے یا درکھو، کھلا نقصان یہی ہے کہ ان کے لئے ان کے اوپر سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور ان کے نیچے

سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے یہ وہی (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو یعنی مومنین کو ڈراتا ہے تاکہ اس سے ڈریں، اور اس وصف (ایمان) پر بِاِعْبَادٍ فَاتَّقُونَ دلالت کر رہا ہے، اے میرے بندو مجھ ہی سے ڈرو، اور جن لوگوں نے طاغوت یعنی بتوں کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف متوجہ رہے وہ جنت کی خوشخبری کے مستحق ہیں تو میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس میں سے اچھی بات کی اتباع کرتے ہیں اور اچھی بات وہ ہے جس میں فلاح ہے یہی ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے یہی لوگ عقل مند ہیں، بھلا جس شخص پر عذاب کی بات محقق ہو چکی یعنی لَا مَلَأَتْ جَهَنَّمَ (الآیۃ) تو کیا آپ ایسے شخص کو جو کہ دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں؟ أَفَأَنْتَ الْخَبْرُ جواب شرط ہے اور اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر رکھا گیا ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے اور معنی (آیت) کے یہ ہیں کہ آپ اس کی ہدایت پر قادر نہیں ہیں کہ اس کو آگ سے چھڑا سکیں، ہاں جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے بایں طور کہ اس کی اطاعت کی ان کے لئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر بھی بالا خانے ہیں جو بنے بنائے تیار ہیں، (اور) ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یعنی فوقانی اور تحتانی بالا خانوں کے نیچے (نہریں جاری ہیں) یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے (وَعَدَ اللَّهُ) اپنے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا کیا آپ نے اس بات پر نظر نہیں کی؟ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے سوتوں میں یعنی چشموں کی جگہ داخل کر دیتا ہے پھر اس کے ذریعہ مختلف قسم کی کھیتیاں اگائیں پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں پھر (اے مخاطب) تو اس کو سبزی کے بعد مثلاً زرد دیکھتا ہے پھر وہ اس کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اس میں عقلمندوں کے لئے بڑی نصیحت ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں اس کے خدا کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرنے کی وجہ سے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِيْ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: بَانَ تُطِيعُوهُ يَهْتَدِيْ تَقْوٰی کی تفسیر ہے۔

قَوْلُهُ: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْيَا جَمْلَةٌ ہُوَ کَرِخَرِ مَقْدَم ہے، اور حَسَنَةٌ مَّبْتَدَا مَوْخَر ہے۔

قَوْلُهُ: اَرْضُ اللّٰهِ وَاَسْعٰهُ مَبْتَدَا خَبَر ہیں۔

قَوْلُهُ: فِیْهِ تَهْدِیْدٌ لَّهُمْ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فَاعْبُدُوْا امر تہدید یعنی دھمکی کے لئے ہے نہ کہ طلب فعل کے لئے۔

قَوْلُهُ: لَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ لَّهُمْ خَبَرِ مَقْدَم ہے مِّنْ فَوْقِهِمْ حال ہے ظُلَلٌ مَّبْتَدَا مَوْخَر ہے۔

قَوْلُهُ: طَبَاقٌ اِیْ قِطْعٌ کَبَارٌ، بڑے بڑے ٹکڑے، آگ کے بڑے بڑے شعلوں پر ظُلَلٌ کا اطلاق تہکم کے طور پر ہے، ورنہ تو آگ کے شعلوں میں سایہ کا سوال ہی نہیں ہے ظُلَلٌ ظِلَّةٌ کی جمع ہے بمعنی سائبان۔

قَوْلُهُ: مِّنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ

سُئِلَ: سائبان کا فوق ہونا تو سمجھ میں آتا ہے، مگر سائبان کا نیچے ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔

جواب: اس کی صورت یہ ہوگی اگر بالائی طبقہ کے لئے فرش ہوگا تو اس سے نیچے والے طبقہ کے لئے سائبان ہوگا، جیسے کثیر المنزلہ عمارت میں درمیانی چھت ایک فریق کے لئے فرش ہوتی ہے تو دوسرے فریق کے لئے چھت ہوتی ہے۔

قَوْلٌ: ذَلِكْ تَخْوِيفٌ اِی ذکر احوال اهل النار تخويف المؤمنين، ذَلِكْ کا مرجع ذکر احوال اهل النار ہے۔

قَوْلٌ: الْاَوْثَانِ طاعوت کی چند تفاسیر میں سے یہ ایک ہے، بعض نے طاعوت سے شیطان مراد لیا ہے، بعض نے ہر وہ معبود مراد لیا ہے جس کی اللہ کے علاوہ بندگی کی گئی ہو۔

قَوْلٌ: اَقِمْ فِيهِ الظَّاهِرَ مَقَامَ الْمَضْمَرِ یعنی مَنْ فِي النَّارِ اَمْ ضَمِيرِ کی جگہ میں ہے اور ایسا زیادتی شاعت کو بیان کرنے کے لئے کیا گیا ہے تاکہ ان کا اہل نار میں سے ہونا واضح ہو جائے، وَرَنَّهُ اَفَانَتْ تُنْقِذُهُ کافی تھا، اَفَانَتْ میں ہمزہ انکار کے لئے ہے اَفَانَتْ، فَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ کا جواب ہے، ہمزہ کا اعادہ انکار کی تاکید کے لئے۔

قَوْلٌ: لَهُمْ عُرفٌ مِنْ فَوْقِهَا عُرفِ اہل جنت کے بارے میں یہ قول مقابلہ میں ہے اہل نار کے لئے اللہ تعالیٰ کے قول لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلُلٌ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلُلٌ کے۔

قَوْلٌ: بِفَعْلِهِ الْمَقْدَرِ اس کی تقدیر ہے وَعَدَهُمُ اللّٰهُ وَعَدًا، وَعَدًا کا فعل ناصب وَعَدَ فعل محذوف ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ اس سے پہلے جملے میں اعمال صالحہ کا حکم ہے، اس میں کوئی یہ عذر کر سکتا تھا کہ میں جس شہر یا علاقہ یا ملک میں رہتا ہوں، وہاں کے حالات دینی اعمال اور اسلامی شعار کی ادائیگی کے لئے سازگار نہیں، جس کی وجہ سے میں اعمال صالحہ نہیں کر سکتا، اس کا جواب اس جملہ میں دیدیا گیا کہ اگر کسی خاص ملک و شہر یا علاقہ میں رہتے ہوئے احکام شرعیہ کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس کو چھوڑ دو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، کسی ایسے ملک یا علاقہ میں جا کر رہو جو اطاعت احکام الہیہ کے لئے سازگار ہو، اس میں ایسی جگہ سے ہجرت کرنے کی ترغیب ہے۔

إِنَّمَا يُوفَى الصَّابِرُونَ (الآیۃ) ایمان و تقویٰ اور ہجرت کی راہ میں مشکلات ناگزیر اور شہوات و لذت نفس کی قربانی بھی لابدی ہے، جس کے لئے صبر کی ضرورت ہے، اس لئے صابرین کی فضیلت بھی بیان کر دی گئی ہے، کہ ان کو ان کے صبر کے بدلے میں اس طرح پورا پورا اجر دیا جائے گا، کہ اسے حساب کے پیمانوں سے ناپنا ممکن نہیں ہوگا یعنی اس کا اجر غیر متناہی ہوگا، صبر کی یہ وہ عظیم فضیلت ہے جس کی ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہئے۔

حضرت قتادہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ حضرت انس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز میزان عدل قائم کی جائے گی، اہل صدقہ آئیں گے تو ان کے صدقات کو تول کر اس کے حساب

سے پورا پورا اجر دلایا جائے گا، اسی طرح نماز حج وغیرہ عبادتوں کو تول کر حساب سے ان کا اجر پورا دیدیا جائے گا، پھر جب بلاء اور مصیبتوں پر صبر کرنے والے آئیں گے تو کوئی کلیل اور وزن نہیں ہوگا، بلکہ بغیر حساب و اندازے کے ان کی طرف اجر و ثواب بہا دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا يُوقِی الصَّابِرُونَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ حتی کہ وہ لوگ جن کی دنیوی زندگی عافیت میں گذری ہوگی تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش ہمارے جسم دنیا میں قینچیوں کے ذریعہ کاٹے گئے ہوتے تو ہمیں بھی صبر کا ایسا ہی صلہ ملتا۔

حضرت امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس آیت میں ”صابرین“ سے وہ لوگ مراد لئے ہیں جو دنیا کے مصائب اور آلام پر صبر کرنے والے ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صابرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو معاصی سے اپنے نفس کو روکیں، مفسر قرطبی فرماتے ہیں کہ لفظ صابر جب بغیر کسی دوسرے لفظ کے بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کو گناہوں سے باز رکھنے کی مشقت پر صبر کرے، اور مصیبت پر صبر کرنے والے کے لئے صابر علی کذا بولا جاتا ہے یعنی فلاں مصیبت پر صبر کرنے والا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فَسَلَكَهٗ يَنْابِيعُ فِي الْاَرْضِ يَنْابِيعُ، يَنْبُوعُ کی جمع ہے، زمین سے ابلنے والے چشمے یعنی بارش کے ذریعہ پانی آسمان سے اترتا ہے پھر وہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے، پھر چشموں کی شکل میں نکلتا ہے یا تالابوں اور نہروں اور پہاڑوں پر برف کی شکل میں جمع ہو جاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ پانی کو محفوظ کرنے کا اس طرح نظام نہ کرتا تو انسان اس سے صرف بارش کے وقت یا اس کے متصل چند روز تک فائدہ اٹھا سکتا تھا، حالانکہ پانی پر انسانی زندگی کا دار و مدار ہے اور پانی ایسی ضرورت ہے کہ اس سے ایک دن بھی مستغنی نہیں رہ سکتا، اس لئے حق تعالیٰ نے اس نعمت کے صرف نازل کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے محفوظ کرنے کے عجیب عجیب سامان فرمادیئے، کچھ زمین کے گڑھوں، تالابوں، حوضوں میں محفوظ ہو جاتا ہے، اور بہت بڑا ذخیرہ برف کی شکل میں پہاڑوں پر لاد دیا جاتا ہے، جس سے اس کے سڑنے اور خراب ہونے کا بھی امکان نہیں رہتا پھر وہ برف آہستہ آہستہ پگھل کر پہاڑوں کی رگوں کے ذریعہ زمین میں اتر جاتا ہے، اور جا بجا ابلنے والے چشموں کی شکل میں ابلنے لگتا ہے، اور ندیوں کی شکل میں زمین پر بہنے لگتا ہے، اور زیر زمین ذخیرہ ہو جاتا ہے جس کو کنواں کھود کر اور دیگر طریقوں سے نکالا جاتا ہے۔

یعنی اس پانی سے جو ایک ہوتا ہے، انواع و اقسام کی چیزیں پیدا فرماتا ہے جن کا رنگ، ذائقہ، خوشبو ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، یہ بھی خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے عظیم نشانی ہے پھر وہ کھیتیاں شادابی اور تروتازگی کے بعد سوکھ کر زرد ہوتی ہیں، اور شکست و ریخت کا شکار ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِکْرٰی لِاُولٰٓئِی الْاَلْبَابِ یعنی اہل دانش اس سے سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا کی مثال بھی اسی طرح ہے وہ بھی بہت جلد زوال و فنا سے ہمکنار ہو جائے گی، اس کی رونق و بہجت، اس کی شادابی اور زینت اور اس کی لذتیں اور آسائشیں عارضی

اور وقتی ہیں، جن سے انسان کو دل نہیں لگانا چاہئے، بلکہ اس موت کی تیاری میں مشغول رہنا چاہئے جس کے بعد کی زندگی دائمی اور لافانی ہے۔

أَقَمْنِ شَرَحَ اللَّهِ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَانْبَدَى فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَنْ صُبَّ عَلَى قَلْبِهِ دَلٌّ عَلَىٰ هَذَا قَوْلٌ كَلِمَةٌ عَذَابٌ لِلْقَسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ اِى عَنْ قَبُولِ الْقُرْآنِ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ بَيِّنَ اللَّهُ نَزَلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا بَدَلَ مِنْ أَحْسَنِ اِى قُرْآنًا مُّتَشَابِهًا اِى يَنْشِبُهُ بَعْضُهُ بَعْضًا فِي النِّظْمِ وَغَيْرِهِ مَثَلَانِ نَبِيٌّ فِيهِ الْوَعْدُ وَالْوَعِيدُ وَغَيْرُ بَعْضٍ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ تَرْتَعِدُ عِنْدَ ذِكْرِ وَعِيدِهِ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ يَخَافُونَ رَهْمٌ ثُمَّ تَلِينَ تَطْمَئِنُّ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ اِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ اِى عِنْدَ ذِكْرِ وَعْدِهِ ذَلِكَ اِى الْكِتَابُ هَدَى اللَّهُ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝ أَفَمَنْ يَتَّقِي يَلْقَىٰ بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اِى أَشَدُّهُ بَانَ يُلْقَىٰ فِي النَّارِ مَغْلُوبَةً يَدَاهُ اِلَىٰ عُنُقِهِ كَمَنْ أَمْسَ مِنْهُ بِدُخُولِ الْجَنَّةِ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ اِى كُفَّارِ مَكَّةَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝ اِى جَزَاءُ ذَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ رُسُلَهُمْ فِي آتْيَانِ الْعَذَابِ فَاتَّهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝ مِنْ جِهَةٍ لَا يَخْطُرُ بِبَالِهِمْ فَاذَاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ الذَّلَّ وَالْهَوَانَ مِنْ الْمَسْخِ وَالْقَتْلِ وَغَيْرِ بَعْضٍ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلِعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا اِى الْمُكَذِّبُونَ يَعْلَمُونَ ۝ عَذَابُهَا مَا كَذَّبُوا وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ يَتَعَذَّبُونَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا حَالِ مُؤَكَّدَةٍ غَيْرِ ذِي عَوَجٍ اِى لَبْسٍ وَاخْتِلَافٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ الْكُفْرَ ضَرَبَ اللَّهُ لِلْمُشْرِكِ وَالْمُؤَجِّدِ مَثَلًا رَّجُلًا بَدَلَ مِنْ مَثَلٍ فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَكِّسُونَ مُتَنَازِعُونَ سَيِّئَةُ أَخْلَاقِهِمْ وَرَجُلًا سَلَمًا خَالِصًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا تَمَيِّزًا اِى لَا يَسْتَوِي الْعَبْدُ لَجَمَاعَةٍ وَالْعَبْدُ لِوَاحِدٍ قَانِ الْأَوَّلِ إِذَا طَلَبَ مِنْهُ كُلٌّ مِنْ مَالِكِيهِ خِدْمَتُهُ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ تَخِيرَ مَنْ يَخْدُمُهُ مِنْهُمْ وَبِذَا مَثَلٌ لِلْمُشْرِكِ وَالثَّانِي مَثَلٌ لِلْمُؤَجِّدِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَخَدَهُ بَلَّ أَكْثَرُهُمْ أَهْلَ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ مَا يَصِيرُونَ اِلَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيُشْرِكُونَ إِنَّكَ خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ مَيِّتٌ وَأَنَّهُمْ مَيِّتُونَ ۝ سَتَمُوتُ وَيَمُوتُونَ فَلَا شِمَاتَةَ بِالْمَوْتِ نَزَلَتْ لَمَّا اسْتَبْطَأُوا مَوْتَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَأَكُمْ أَتَمَّهَا النَّاسُ فِيمَا بَيْنَكُمْ مِنَ الْمَظَالِمِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ۝

ترجمہ: بھلا جس شخص کا سینہ خدا نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو جس کی وجہ سے وہ ہدایت پا گیا پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو تو کیا وہ اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے کہ جس کے قلب پر مہر لگا دی گئی ہو بربادی ہے ان

لوگوں کے لئے جن کے دل خدا کی یاد سے یعنی قبول قرآن سے غافل ہو رہے ہیں حذف خبر پر ویسل دلالت کر رہا ہے، ویسل کلمہ عذاب ہے، یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے وہ ایسی کتاب ہے یعنی قرآن جو آپس میں ملتی جلتی ہے، کتاباً احسن الحدیث سے بدل ہے یعنی بعض بعض سے مشابہ ہے الفاظ وغیرہ میں اس میں وعدہ وعید وغیرہ کو بار بار دہرایا گیا ہے، جس سے ان لوگوں کے بدن کے رو نگئے کھڑے ہو جاتے ہیں (کاپنے لگتے ہیں) جب اس کی وعید ذکر کی جاتی ہے، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں آخر کار ان کے جسم اور دل اس کے وعدہ کے ذکر کے وقت نرم (مطمئن) ہو جاتے ہیں یہ کتاب اللہ کی ہدایت ہے اس کے ذریعہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں بھلا وہ شخص جو قیامت کے دن اپنے چہرے کو بدترین عذاب کے لئے (سپر) ڈھال بنائے گا، یعنی شدید ترین عذاب کے لئے اس طریقہ پر کہ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں باندھ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا، اس شخص جیسا ہو سکتا ہے، جو نار جہنم سے جنت میں داخل ہونے کی وجہ سے محفوظ رہا؟ ظالموں یعنی کفار مکہ سے کہا جائے گا، اپنے کئے کا (مزا) یعنی اس کی سزا چکھو عذاب آنے کے بارے میں ان سے پہلے والوں نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا سو ان پر عذاب ایسے طور پر آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا یعنی ایسی جہت سے آیا کہ ان کے دل میں وہم و گمان بھی نہیں تھا سو اللہ نے ان کو دنیوی زندگی میں ذلت و رسوائی کا عذاب چکھا دیا وہ مسخ اور قتل وغیرہ ہے اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا ہے کاش یہ تکذیب کرنے والے اس کے عذاب کو سمجھ جاتے تو تکذیب نہ کرتے اور یقیناً ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں، حال یہ کہ قرآن عربی ہے یہ حال مؤکدہ ہے اس میں کسی قسم کی کجی التباس و اختلاف نہیں تاکہ یہ لوگ کفر سے بچیں اللہ تعالیٰ نے مشرک اور موحد کی ایک مثال بیان فرمائی (وہ یہ کہ) ایک شخص (غلام) ہے رجلاً، مثلاً سے بدل ہے جس میں بداخلاق، جھگڑا لوستم کے چند لوگ شریک ہیں اور دوسرا وہ شخص (غلام) ہے جو خالص ایک ہی شخص کا (غلام) ہے (تو) کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہے؟ مثلاً تمیز ہے یعنی پوری جماعت کا غلام اور ایک شخص کا غلام برابر نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ اول سے جب اس کا ہر مالک ایک ہی وقت میں خدمت طلب کرے گا، تو وہ (غلام) حیران رہ جائے گا، کہ ان میں سے کس کی خدمت کرے یہ مثال مشرک کی ہے، اور دوسری مثال موحد کی ہے اللہ وحدہ کے لئے سب تعریفیں ہیں بات یہ ہے کہ اہل مکہ میں سے اکثر لوگ اس عذاب کو جانتے ہی نہیں ہیں جس کی طرف وہ جارہے ہیں (اسی عدم علم) کی وجہ سے شرک کر بیٹھتے ہیں یقیناً آپ کو بھی موت آئے گی اور وہ بھی مرنے والے ہیں (یہ آپ ﷺ کو خطاب ہے) لہذا (کسی کی) موت پر خوشی کی کوئی بات نہیں، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ (اہل مکہ) آپ ﷺ کی موت کا انتظار کرنے لگے، پھر تم یقیناً سب کے سب اے لوگو! آپس میں حقوق کے بارے میں قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑو گے۔

تحقیق و ترکیب تسبیح و تفسیری فوائد

ربط آیات:

قَوْلُهُ: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ یہ کلام مستأنف ہے، ما قبل میں مذکور فی ذلک لذكری لأولی الالباب کے لئے بمنزلہ علت کے ہے یعنی ذکرِ اولی الالباب کے ساتھ خاص کرنے کی علت کے قائم مقام ہے، مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی برسنے کے بعد پانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے کیسے عجیب و غریب تغیرات ظاہر فرماتے ہیں، ان کو دیکھ کر عقلمندوں ہی کو اسلام کے لئے شرح صدر ہوتا ہے اور یہی شرح صدر عقلمندوں کے لئے قبول ذکر کا سبب ہوتا ہے (اعراب القرآن ترمیم) ہمزہ استفہام انکاری ہے اور فاء عاطفہ ہے معطوف مقدر ہے، ای اُکُلُ النَّاسِ سَوَاءٌ، مَنْ مَوْصُولٌ ہے اس کے بعد پورا جملہ صلہ ہے، موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتداء اس کی خبر محذوف ہے، جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر فرما دیا ہے کَمَنْ طَبَعَ عَلَى قَلْبِهِ اور اس حذف خبر پر فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ دِلالت کر رہا ہے، اور بعض حضرات نے مَنْ کو شرطیہ بھی کہا ہے اور بعد والا جملہ اس کی جزاء ہے۔

قَوْلُهُ: عَنْ ذِكْرِ قُبُولِ الْقُرْآنِ اس عبارت سے علامہ محلی کا مقصد دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا ہے اول یہ کہ مِنْ بِمَعْنَى عَنْ ہے، اور یہ کہ کلام میں مضاف محذوف ہے عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ای عَنْ قُبُولِ ذِكْرِ اللّٰهِ اور یہ بھی صحیح ہے کہ مِنْ اپنے باب پر ہو اور تعلیل کے لئے ہو ای قَسَتْ قُلُوبُهُمْ مِنْ اَجَلِ ذِكْرِ اللّٰهِ لِفَسَادِ قُلُوبِهِمْ وَخُسْرَانِهَا۔

قَوْلُهُ: مَثَانِي یہ مثنی کی جمع ہے مگر یہ مفرد کی بھی صفت واقع ہو سکتا ہے، جیسا کہ یہاں کتاب کی صفت واقع ہے، کتاب گو مفرد ہے مگر بہت سی تفصیل کو جامع ہونے کی وجہ سے ایک مجموعہ کا نام ہے، لہذا اس کی صفت جمع لائی جاسکتی ہے، اس کی نظیر عرب کا یہ قول ہے الْاِنْسَانُ عُرُوقٌ وَعِظَامٌ وَاَعْصَابٌ۔

قَوْلُهُ: وَغَيْرُهُمَا كَالْقِصَصِ وَالْاَحْكَامِ۔

قَوْلُهُ: تَقْشَعِرُّ مِنْهُ عِنْدَ ذِكْرِ وَعِيدِهِ شارح نے اشارہ کر دیا کہ مِنْ بِمَعْنَى عِنْدَ ہے تَقْشَعِرُّ ای تَرْتَعِدُ وَتَضْطَرِبُ (وبالفارسیہ) لرزیدن، کانپنا، اس کا مصدر اقشعورار ہے (بالفارسیہ) موئے برتن خاستن يقال اقشعرو الشعر ای قام وانتصب من فزع او برد خوف یا سردی کی وجہ سے رو نگئے کھڑے ہونا (لغات القرآن ترمیم و تلخیص) زنجشری نے کہا ہے کہ یہ دراصل القشع ہے، خشک شدہ چمڑا، اس کو رباعی بنانے کے لئے اس کے آخر میں راء زائد کر دی تاکہ زیادتی لفظ زیادتی معنی پر دلالت کرے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُهُ: اِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ ای عِنْدَ ذِكْرِ وَعِيدِهِ اس میں اشارہ ہے کہ اِلَى بِمَعْنَى عِنْدَ ہے۔

قَوْلُهُ: ذَلِكْ اِی الْكِتَابَ الْمَوْصُوفَ بِتِلْكَ الصِّفَاتِ الْمَذْكُورَةِ۔

قَوْلٌ : هُدَى اللّٰه اِی سَبَبٌ فِی الْهُدٰی یا مبالغہ کے طور پر زیدٌ عدلٌ کے قبیل سے ہے یعنی یہ کتاب اس قدر سبب ہدایت ہے گویا کہ وہ خود ہی ہدایت ہے۔

قَوْلٌ : اَقْمَنُ یَنْقٰی وَیَلْقٰی بِوَجْهِهِ سُوْءَ الْعَذَابِ اِیک نسخہ میں یَلْقٰی کے بجائے یَقٰی ہے، مَنْ موصولہ اپنے صلہ سے مل کر جملہ ہو کر مبتداء، اس کی خبر محذوف ہے، جس کو علامہ محلی نے گَمَنَ اَمِنَ مِنْهُ کہہ کر ظاہر کر دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے چہرے کو آگ کے لئے سپر (ڈھال) بنائے، کیا وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے، جو آگ سے مامون و محفوظ ہو۔

قَوْلٌ : قِیلَ لِلظّٰلِمِیْنَ یَقِیْنِ الْوُقُوعَ ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے، اس کا عطف ینقٰی پر ہے، لِلظّٰلِمِیْنَ اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ ان کی صفت ظلم کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، ورنہ تو وَقِیلَ لَهُمْ کافی تھا۔

قَوْلٌ : اِی کفارِ مکہ کے بجائے مطلقاً کفار کہتے تو زیادہ مناسب ہوتا، اس لئے کہ یہ قول کفار مکہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

قَوْلٌ : اِیْ جِزَاءُ ہ اس میں اشارہ ہے مضاف محذوف ہے، اِی ذوقوا جزاء مَا کُنْتُمْ تَکْسِبُوْنَ۔
قَوْلٌ : لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۔ لَوْ شرطیہ ہے کَانُوا فعل ناقص اس کے اندر ضمیر وہ اسم، یَعْلَمُوْنَ جملہ ہو کر کَانَ کی خبر کَانَ اسم و خبر سے مل کر شرط، جواب شرط محذوف جس کو مفسر نے مَا کَذَبُوا نکال کر ظاہر کر دیا، اور عَذَابُهَا مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ یَعْلَمُوْنَ کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلٌ : وَلَقَدْ ضَرَبْنَا، لَقَدْ میں لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے اور ضَرَبْنَا بمعنی بَدَّنا وَاَوْضَحْنَا ہے۔

قَوْلٌ : قَرَأْنَا عَرَبِیًّا، هٰذَا الْقُرْآنَ کے لئے حال موكده ہے۔

قَوْلٌ : مُتَشَکِّسُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر غائب، جھگڑا لَوْ شَکُّسَ یَشْکُّسُ (ک) شَکَّاسَةً بدخلق ہونا، قال زحشری رَحِمَ اللّٰهُ تَعَالٰی النَّشَاطُکُسَ وَالتَّشَاطُحُسَ اِی الاختلاف۔

قَوْلٌ : هَلْ یَسْتَوِیَانِ، مثلاً تَمِیزٌ، مثلاً تَمِیز ہے جو فاعل سے منقول ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِی لَا یَسْتَوِیٰ مَثَلُهُمَا وَصِفَتُهُمَا۔

قَوْلٌ : مِیّتٌ فَرَّانَ کہا ہے یاء کی تشدید کے ساتھ وہ شخص جو ابھی مرانہ ہو اور عنقریب مرنے والا ہو اور مِیّتٌ (ی) کی تخفیف کے ساتھ مردہ، بعض حضرات نے کہا ہے کہ دونوں کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تَفْسِیْرٌ وَتَشْرِیْحٌ

اَقْمَنُ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِاِسْلَامِ (الآیۃ) شَرَحَ کے لغوی معنی کھولنے اور پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں، شرح صدر کا مطلب ہے وسعت قلب یعنی قلب میں قبول حق کی استعداد و صلاحیت کا پیدا ہو جانا کیا وہ شخص کہ جس میں قبول حق اور کار خیر پر عمل کرنے کی استعداد و صلاحیت پیدا ہوگئی، اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا دل اسلام کے لئے سخت اور سینہ تنگ ہو، اور گمراہی کی

تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو، شرح صدر کے بالمقابل ضیق قلب ہے، جیسا کہ اسی آیت میں قاسیۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ سے دریافت کیا کہ شرح صدر کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا جب نور ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے، جس سے احکام الہیہ کا سمجھنا اور عمل کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے ہم نے دریافت کیا، یا رسول اللہ اس (شرح صدر) کی علامت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

الإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ وَالتَّجَافِي عَنْ دَارِ الْغُرُورِ وَالتَّاهِبُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نَزُولِ الْمَوْتِ.

(رواہ الحاکم، فی المستدرک والبیہقی فی شعب الایمان، مظہری)

”ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا اور دھوکے کے گھر یعنی دنیا کے (لذائذ اور زینت) سے دور رہنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔“

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ (الایۃ) اس آیت کو حرف استفہام سے شروع فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا ایسا شخص جس کا دل اسلام کے لئے کھول دیا گیا ہو اور وہ اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے نور پر ہو (یعنی اس کی روشنی میں سب کام کرتا ہو) اور وہ آدمی جو تنگ دل اور سخت دل ہو کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ اس کے بالمقابل سخت دل کا ذکر اگلی آیت میں ویل سے کیا گیا ہے فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ، قَاسِيَةٌ، قَسَاوَةٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں سخت دل ہونا، جس کو کسی پر رحم نہ آئے اور جو اللہ کے ذکر اور اس کے احکام سے کوئی اثر قبول نہ کرے۔ (معارف)

اللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا (الایۃ) اس سے پہلی آیت میں اللہ کے مقبول بندوں کی کیفیت میں بیان کیا گیا تھا کہ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ پورا قرآن ہی احسن الحدیث ہے، لغت میں حدیث اس کلام یا قصہ کو کہتے ہیں جس کو بیان کیا جاتا ہے، قرآن کو احسن الحدیث کہنے کا حاصل یہ ہے کہ انسان جو کچھ کہتا بولتا ہے اس سب میں قرآن احسن الکلام ہے، یہ مطلب نہیں کہ قرآن کا کچھ حصہ احسن اور کچھ غیر احسن ہے، جیسا کہ يَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ سے شبہ ہوتا ہے، آگے قرآن کی چند صفات ذکر فرمائی ہیں: ① پہلی صفت مُتَشَابِهًا ہے، متشابہ سے یہاں مراد متماثل ہے، یعنی مضامین قرآن ایک دوسرے سے مربوط و مماثل ہیں کہ ایک آیت کی تصدیق و تشریح دوسری آیت سے ہو جاتی ہے، اس کلام میں تضاد و تعارض کا نام نہیں ہے ② دوسری صفت مشانی ہے جو شنی کی جمع ہے، جس کے معنی مکرر کے ہیں یعنی وعد، وعید بعض مضامین کو ذہن میں مستحضر کرنے کے لئے بار بار دہرایا جاتا ہے ③ تیسری صفت۔

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (الایۃ) یعنی اللہ کی عظمت سے متاثر ہو کر ایسے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے ④ چوتھی صفت تُمَتِّلِينَ جُلُودَهُمْ (الایۃ) یعنی تلاوت قرآن کا کبھی اثر یہ ہوتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی مغفرت اور رحمت خداوندی کی آیات سن کر

یہ حال ہوتا ہے کہ بدن اور قلب سب اللہ کی یاد میں نرم ہو جاتے ہیں۔ (قرطبی، معارف)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندے کے بدن پر اللہ کے خوف سے بال کھڑے ہو جائیں تو اللہ اس کے بدن کو آگ پر حرام کر دیتے ہیں۔ (قرطبی)

جب اللہ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کی امید ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے تو ان کے اندر سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جاتے ہیں، حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس میں اولیاء اللہ کی صفت بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے خوف سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، اور ان کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان نصیب ہوتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ وہ مدہوش اور حواس باختہ ہو جائیں اور عقل و ہوش باقی نہ رہے کیونکہ یہ بدعتیوں کا طریقہ ہے، اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

أَفَمَنْ يَتَّقِ بُوْجِهَهُ اس میں جہنم کی سخت ہولناکی کا بیان ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کافروں کو دست و پا بستہ جہنم کی طرف لیجا لیں گے اور اس میں پھینک دیں گے، اور سب سے پہلے آگ اس کے چہرے کو مس کرے گی، انسان کی عادت دنیا میں یہ ہے کہ اگر کوئی تکلیف کی چیز چہرے کے سامنے آ جائے تو اپنے ہاتھوں سے اسے دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے، مگر خدا کی پناہ، جہنمیوں کو ہاتھوں سے مدافعت بھی نصیب نہ ہوگی، اس لئے کہ ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے، ان پر جو عذاب آئے گا وہ براہ راست چہروں پر پڑے گا، وہ اگر مدافعت بھی کرنا چاہیں گے تو چہروں ہی کو آگے کرنا ہوگا۔ (قرطبی، معارف)

ثُمَّ أَنْتُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ انکم میں مومن اور کافر اور مسلمان، ظالم اور مظلوم سب داخل ہیں، یہ سب اپنے اپنے مقدمات اپنے رب کی عدالت میں پیش کریں گے، اور اللہ تعالیٰ ظالم سے مظلوم کا حق دلوائیں گے، اور حقوق کی ادائیگی کی صورت وہ ہوگی جو صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے آئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا حق ہے اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو معاف کر ا کر فارغ ہو جائے، اس لئے کہ آخرت میں درہم و دینار تو ہوں گے نہیں، اگر ظالم کے پاس کچھ اعمال صالحہ ہوں گے، تو بمقدار ظلم یہ اعمال اس سے لیکر مظلوم کو دیدیے جائیں گے، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال فرمایا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو مفلس اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس نہ کوئی نقد رقم ہو اور نہ ضروریات کا سامان ہو، آپ نے فرمایا: اصلی اور حقیقی مفلس میری امت میں وہ شخص ہے جو قیامت میں بہت سے نیک اعمال، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ لے کر آئے گا، مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال ناجائز طور پر کھایا ہوگا یا کسی کو قتل کیا ہوگا، کسی کو مار پیٹ سے ستایا ہوگا، یہ سب مظلوم اللہ کے سامنے اپنے

اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے اور اس ظالم کی نیکیاں مظلوموں میں تقسیم کر دی جائیں گی، پھر جب اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور حقوق باقی رہ جائیں گے تو مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

ظالم کے تمام نیک اعمال حقوق کے عوض دیدیئے جائیں گے مگر ایمان نہیں دیا جائے گا:

تفسیر مظہری میں مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مظلوموں کے حقوق میں ظالموں کے نیک اعمال دینے کا جو ذکر آیا ہے اس کی مراد ایمان کے علاوہ دیگر اعمال ہیں، اس لئے کہ جتنے مظالم ہیں وہ سب عملی گناہ ہیں کفر نہیں ہیں، اور عملی گناہ کی سزا محدود ہوگی، بخلاف ایمان کے کہ وہ غیر محدود عمل ہے اس کی جزاء بھی غیر محدود یعنی ہمیشہ جنت میں رہنا ہے، اگرچہ وہ ابتداءً کچھ سزا بھگتنے کے بعد ہو۔

فَمَنْ أَى لَا أَحَدٌ أَظْلَمَ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ بِنِسْبَةِ الشَّرِيكِ وَالْوَلَدِ إِلَيْهِ وَكَذَبَ بِالصِّدْقِ بِالْقُرْآنِ إِذْ جَاءَهُ الْيَسُّ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ۝ بَلَىٰ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَدَّقَ بِهِ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ فَالَّذِي بِمَعْنَى الَّذِينَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ الشِّرْكَ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝ لِأَنفُسِهِمْ بِإِيمَانِهِمْ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ أَسْوَأُ وَأَحْسَنُ بِمَعْنَى السَّيِّئِ وَالْحَسَنِ الْيَسُّ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۚ أَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَىٰ وَيَخَوْفُوكَ الْخَطَابُ لَهُ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۚ أَى الْأَصْنَامِ أَنْ تَقْتُلَهُ أَوْ تَخْبُلَهُ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۚ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ۚ الْيَسُّ اللَّهُ بِعَزِيزٍ غَالِبٍ عَلَىٰ أَمْرِهِ ذِي انْتِقَامٍ ۝ مِنْ أَعْدَائِهِ بَلَىٰ وَلَئِنْ لَمْ قَسِمِ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لِيَقُولَنَّ اللَّهُ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ أَى الْأَصْنَامِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّي لَا أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِي لَا وَفَىٰ قِرَاءَةً بِالْإِضَافَةِ فِيهِمَا قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ يَشِقُ الْوَائِقُونَ قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ ۚ حَالَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۚ عَلَىٰ حَالَتِي فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ مَنْ مَوْصُولُهُ مَفْعُولُ الْعِلْمِ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَجِلُّ يُنْزَلُ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝ دَائِمٌ هُوَ عَذَابُ النَّارِ وَقَدْ أَخْزَابُهُمُ اللَّهُ بِبَدْرِ ۚ إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِأَنْزَلِ فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۚ إِبْتِدَاؤُهُ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝ فَتُجْزِيهِمْ عَلَىٰ الْهُدَىٰ

تَرْجُمہ: اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں جو اللہ پر (یعنی) اس کی طرف شرک اور ولد کی نسبت کرے

جھوٹ باندھے اور سچ یعنی قرآن جب اس کے پاس آئے تو اس کو جھٹلائے کیا ایسے کافروں کا جہنم ٹھکانہ نہیں ہے ہاں کیوں نہیں؟ اور جو شخص سچی بات لایا اور وہ نبی ﷺ ہیں اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہ مومن ہیں الذی، الذین کے معنی میں ہے یہی ہیں شرک سے بچنے والے لوگ ان کے لئے ان کے رب کے پاس (ہر) وہ چیز ہے جو وہ چاہیں گے یہ صلہ ہے ایمان کے ذریعہ اپنے اوپر احسان کرنے والوں کا تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کر دے اور انہوں نے جو نیک اعمال کئے ہیں ان کا اچھا صلہ دے اَسْوَأَ السَّيِّئِ اور اَحْسَنُ الْحَسَنِ کے معنی میں ہیں (یعنی دونوں اسم تفضیل صفت کے معنی میں ہیں) کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے یعنی محمد ﷺ کے لئے کافی نہیں ہے؟ ہاں ضرور کافی ہے اور لوگ آپ کو غیر اللہ یعنی بتوں سے ڈرا رہے ہیں، اس میں آپ ﷺ کو خطاب ہے، یہ کہ وہ بت آپ کو ہلاک کر دیں گے یا پاگل بنا دیں گے اور اللہ جس کو گمراہ کر دے اس کی کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں اور جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا نہیں؟ ہاں کیوں نہیں؟ اور قسم ہے اگر آپ ان سے معلوم کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ لسن میں لام قسم کا ہے تو وہ یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے (پیدا کئے ہیں) آپ ان سے کہئے اچھا یہ تو بتاؤ کہ جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو یعنی بتوں کی اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ نہیں یا اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ اور ایک قراءت میں دونوں میں اضافت کے ساتھ ہے (یعنی کاشفات اور ممسکات) میں آپ کہہ دیں کہ اللہ میرے لئے کافی ہے تو کل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں (یعنی) بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے، اے میری قوم تم اپنی جگہ یعنی اپنے طریقہ پر عمل کئے جاؤ میں بھی اپنے طریقہ پر عمل کر رہا ہوں، سو عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کن عذاب آنے والا ہے مَنْ مَوْصُولُهُ تَعْلَمُونَ کا مفعول ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوگا؟ (اور) وہ دوزخ کا عذاب ہے، اور بلاشبہ اللہ نے ان کو بدر میں ذلیل کر دیا، آپ پر ہم نے حق کے ساتھ لوگوں کے لئے یہ کتاب نازل فرمائی ہے بالحق، انزل کے متعلق ہے، پس جو شخص راہِ راست پر آجائے تو اس کے ہدایت پر آنے کا فائدہ اسی کے لئے ہے اور جو شخص گمراہ ہو جائے تو اس کی گمراہی کا (وبال) اسی پر ہے، آپ ان کے ذمہ دار نہیں کہ ان کو زبردستی ہدایت پر لے آئیں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: فَمَنْ أَظْلَمُ؟ ای لا اَحَدَ اس تفسیر کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ فَمَنْ أَظْلَمُ میں استفہام انکاری بمعنی نفی ہے۔

قَوْلُهُ: كَذَّبَ بِالْصِّدْقِ مفسر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے صِدْق سے قرآن مراد لیا ہے اور قرآن کو جو کہ صادق ہے، مبالغۃً صِدْق کہا گیا ہے۔

قَوْلًا : بلی مفسر علام نے بلی کا اضافہ، سنت کی اتباع میں کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا مَنْ قَرَأَ اَلْیَسَّ اَللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِیْنَ، فَلِیَقْل بَلِی لِهَذَا اَلْیَسَّ كَذَا؟ (مثلاً) کی تلاوت کے وقت بلی کہنا مسنون ہے۔ (حاشیہ جلالین)

قَوْلًا : الذی جاء بالصّدق، الذی موصول کے دو صلے ہیں ایک واحد ہے اور وہ جاء بالصّدق محمد ﷺ ہیں اور دوسرا صدق بہ المؤمنون ہے جو کہ جمع ہے اول صلہ کی رعایت سے الذی کو مفرد لایا گیا اور دوسرے صلہ کی رعایت سے الذی کو الذین کے معنی میں لیا گیا، دوسرے صلہ ہی کی رعایت سے اُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ میں جمع کے صیغے لائے گئے ہیں، الذی چونکہ اسم جنس ہے، لہذا اس میں واحد و جمع دونوں کی گنجائش ہے۔

قَوْلًا : اَسْوَا وَاَحْسَنَ الشَّیْءِ، وَالْحَسَنَ کے معنی میں ہیں، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تصدیق کرنے والے مومنوں کے نیک تراعمال کا صلہ عطا فرمائیں گے اور بد تراعمال کو معاف فرمائیں گے، اس میں نیک اعمال اور بد اعمال کا ذکر نہیں ہے، مفسر علام نے مذکورہ عبارت کا اضافہ کر کے جواب دیدیا کہ اسم تفضیل اپنے معنی میں نہیں ہے بلکہ اسم فاعل کے معنی میں ہے لہذا اب نیک اور نیک تراسی طرح بد اور بد ترا دونوں قسم کے اعمال اس میں داخل ہو گئے۔

قَوْلًا : تَخْبِلُهُ (ن) خَبَلًا عقل کو فاسد کرنا، پاگل بنانا، تَخْبِیْل کے بھی یہی معنی ہیں۔

قَوْلًا : وَفِی قِرْءَةٍ بِالْاِضَافَةِ یہ دونوں قراءتیں سبعیہ ہیں، اگر اضافت کے ساتھ پڑھیں گے تو کاشفاتِ ضرہ اور مُسِكَاتُ رَحْمَتِهِ پڑھا جائے گا۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ (الآیة) اللہ پر بہتان لگانے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے لئے اولاد ہونے کا دعویٰ کرے یا اس کا شریک ثابت کرے یا اس کی بیوی ہونے کا عقیدہ رکھے، حالانکہ وہ ان تمام نقائص سے پاک اور بری ہے، کَذَبَ بِالْصّدق اور جاء بالصّدق میں صدق سے مراد وہ تعلیمات ہیں جن کو نبی کریم ﷺ لے کر آئے خواہ قرآن ہو یا عقائد و احکام، جس میں عقیدہ توحید بھی شامل ہے، اور عقیدہ بعث و نشر بھی، اور صَدَقَ بہ میں سب مومنین داخل ہیں جو اس کی تصدیق کرنے والے ہیں نیز جاء بالصّدق میں کافروں کے لئے وعیدیں اور مومنین کے لئے خوشخبری بھی داخل ہیں۔

اذ جاء هُ سے آنحضرت ﷺ مراد ہیں جو سچا دین لیکر آئے، اور بعض کے نزدیک یہ عام ہے اور اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو توحید کی دعوت دیتا ہو اور لوگوں کی شریعت کی جانب رہنمائی کرتا ہو، اور وَصَدَقَ بہ سے بعض حضرات نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد لئے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی۔ (فتح القدیر)

مجاہد نے کہا ہے الذی جاء بالصّدق سے مراد نبی ﷺ ہیں اور وَصَدَقَ بہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب مراد ہیں، اور سدی نے کہا: الذی جاء بالصّدق سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں اور وَصَدَقَ بہ سے

آپ ﷺ مراد ہیں، اور قنادہ و مقاتل و ابن زید نے کہا ہے کہ الَّذِي جَاءَ بِالْصَّدَقِ سے نبی ﷺ مراد ہیں اور وصدق بہ سے مومنین مراد ہیں۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ جمہور نے عبدہ کو مفرد پڑھا ہے اور حمزہ و کسائی نے جمع کے صیغہ کے ساتھ عِبَادَهُ پڑھا ہے، پہلی صورت میں عبدہ سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں اور اگر عبد سے جنس عبد مراد لی جائے تو آنحضرت ﷺ تو دخول اولی کے طور پر داخل ہوں مگر دیگر حضرات انبیاء و صلحاء و علماء بھی مراد ہو سکتے ہیں، دوسری قراءت کی صورت میں جمیع انبیاء یا جمیع مومنین یا دونوں فریق مراد ہوں گے، ابو عبید نے جمہور کی قراءت کو اختیار کیا ہے۔
(فتح القدیر شوکانی)

شان نزول:

اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ کفار نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو ڈرایا تھا کہ اگر آپ نے ہمارے بتوں کی بے ادبی کی تو ان بتوں کا اثر بڑا سخت ہے، اس سے آپ بچ نہ سکیں گے، اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟

اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ (الایہ) نبی کریم ﷺ کو اہل مکہ کا کفر پر اصرار بہت زیادہ گراں گذرتا تھا، اس آیت میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا کام صرف اس کتاب کو بیان کر دینا ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے، ان کی ہدایت کے آپ مکلف نہیں ہیں، اگر یہ لوگ ہدایت کا راستہ اپنالیں گے تو اس میں ان ہی کا فائدہ ہے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَيَتَوَفَّى الَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا اِى يَتَوَفَّاہَا وَقْتَ النَّوْمِ فَيَمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِى وَقْتَ مَوْتِہَا وَالْمُرْسَلَةُ نَفْسٌ التَّمِيْزُ تَبْقٰى بِدُوْنِہَا نَفْسُ الْحَيٰوةِ بِخِلَافِ الْعَكْسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَاٰیٰتٍ دَلٰلٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱ فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰی ذٰلِكَ قَادِرٌ عَلٰی الْبَعْثِ وَقُرَيْشٌ لَّمْ يَتَفَكَّرُوْا فِیْ ذٰلِكَ اَمْرٌ بَلْ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِی الْاَصْنَامِ الْہٖ شَفَعَاءُ ۚ عِنْدَ اللّٰهِ بِرَعْمِهِمْ قُلْ لَّہُمْ اَشْفَعُوْنَ وَلَوْ كَانُوْا لَا یَمْلِكُوْنَ شَیْئًا مِّنَ الشَّفَاعَةِ وَغَیْرِہَا وَلَا یَعْقِلُوْنَ ۝۱۲ اَنْکُمْ تَعْبُدُوْنَہُمْ وَلَا غَیْرَ ذٰلِكَ لَا قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا اِی ہُو مُخْتَصٌّ بِہَا فَلَا یَشْفَعُ اَحَدٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ لَہٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۳ وَاِذَا ذُکِّرَ اللّٰهُ وَحْدَہٗ اِی دُوْنِ الْہٖتِہُمْ اَشْمَازَتْ نَفَرَتْ وَانْقَبَضَتْ قُلُوْبُ الذِّیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُکِّرَ الذِّیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اِی الْاَصْنَامِ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۱۴ قُلِ اللّٰهُمَّ بِمَعْنٰی یَا اللّٰهُ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مُبْدِیْہِمَا عَلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَةِ مَا غَابَ وَمَا شُوْہِدَ اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِی

مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ^{۴۸} مِنْ أَمْرِ الدِّينِ إِبْدَنِي لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَبَدَا ظَهْرُ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ^{۴۹} يَظُنُّونَ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ نَزْلُ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ^{۵۰} أَيْ الْعَذَابُ فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الْجُنُسَ ضُرُّدَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ أَغْطَيْنَاهُ نِعْمَةً إِنْعَامًا مِمَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَى عِلْمٍ مِنَ اللَّهِ بِأَنِّي لَهُ أَبَلٌ بَلْ هِيَ أَيْ الْقَوْلَةُ فِتْنَةٌ بَلِيَّةٌ يُبْتَلَى بِهَا الْعَبْدُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ^{۵۱} أَنْ التَّخَوُّيلَ اسْتِدْرَاجَ وَامْتِحَانٍ قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ الْأُمَمِ كَقَارُونَ وَقَوْمِهِ الرَّاغِبِينَ بِهَا فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ^{۵۲} فَاصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا أَيْ جَزَاؤُهَا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَؤُلَاءِ أَيْ قُرَيْشٍ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ^{۵۳} بِفَاتَيْنِ عَذَابَنَا فَتَحَطُّوا سَبْعَ سِنِينَ ثُمَّ وَسَّعَ عَلَيْهِمْ أَوْ لَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يَوْسَعُهُ لِمَنْ يَشَاءُ إِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهُ لِمَنْ يَشَاءُ إِبْتِلَاءً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ^{۵۴}

ترجمہ: اللہ ہی قبض کرتا ہے روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی ہے انہیں ان کی نیند میں قبض کر لیتا ہے، یعنی ان کو نیند میں قبض کر لیتا ہے، پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے یعنی ان کی موت کے وقت تک، اور چھوڑی ہوئی روح تمیز ہے جس کے بغیر روح حیات باقی رہ سکتی ہے، اس کا عکس ممکن نہیں یقیناً ان مذکورہ باتوں میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں لہذا اس بات کو سمجھ لیں گے کہ جو ذات اس پر قادر ہے وہ بعث (بعد الموت) پر بھی قادر ہے، اور قریش نے اس معاملہ میں غور و فکر نہیں کیا، بلکہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں یعنی بتوں کو اپنے خیال میں اللہ کے حضور سفارشی بنا رکھا ہے، آپ ان سے دریافت کیجئے کہ کیا وہ سفارش کریں گے؟ گو وہ سفارش وغیرہ کا کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ وہ یہ سمجھتے ہوں کہ تم ان کی بندگی کرتے ہو اور نہ اس کے علاوہ کوئی بات سمجھتے ہوں، نہیں، آپ کہہ دیجئے کہ تمام سفارشوں کا مختار اللہ ہی ہے سفارش اسی کے ساتھ خاص ہے، لہذا اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا زمین و آسمانوں میں اسی کی حکومت ہے پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جب ان کے معبودوں کو چھوڑ کر اللہ وحدہ لا شریک لہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یعنی ان کو انقباض ہونے لگتا ہے اور جب اس کو چھوڑ کر ان کے معبودوں یعنی بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ فوراً ہی خوش ہو جاتے ہیں آپ (اس طرح) دعا کیجئے کہ اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے اللھُمَّ یا اللہ کے معنی میں ہے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اس دینی معاملہ میں فیصلہ کر سکتا ہے جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں (یعنی) جس بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں آپ میری اس میں حق کی طرف رہنمائی فرمائیں اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو روئے زمین پر ہے، اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو، تو بھی

بدترین سزا کے عوض قیامت کے دن یہ سب کچھ دیدیں اور ان کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوگا جس کا انہیں گمان بھی نہیں تھا اور ان پر ان کے تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس عذاب کا وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ ان کو آگھیرے گا انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کر دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ انعام تو مجھے اس لئے دیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں بلکہ یہ یعنی اس کا مقولہ فتنہ ہے، جس کے ذریعہ بندے کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ یہ عطا، ڈھیل ہے اور آزمائش ہے ان سے پہلے لوگ بھی یہی بات کہہ چکے ہیں جیسا کہ قارون اور اس کی قوم جو کہ اس بات سے راضی تھی سوان کی کاروائی ان کے کچھ کام نہ آئی سوان کی بد اعمالیاں یعنی ان کی سزا ان پر آپڑی اور ان پر بھی جوان میں سے یعنی قریش میں سے ظالم ہیں ان کی بد اعمالیوں کی سزا پڑنے والی ہے اور وہ ہم کو عاجز کر دینے والے نہیں ہیں یعنی ہمارے عذاب سے بچ نکلنے والے نہیں ہیں چنانچہ سات سال تک قحط میں مبتلا کئے گئے، پھر ان کو فراخی عطا کی گئی، کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتے ہیں بطور امتحان روزی کشادہ کر دیتے ہیں؟ اور جس کی چاہتے ہیں ابتلاء روزی تنگ کر دیتے ہیں ایمان لانے والوں کے لئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: يَتَوَفَّى واحد کر غائب مضارع معروف (تَفَعَّلَ) وہ روح قبض کرتا ہے۔
قَوْلُهُ: اَنْفُسَ جمع نَفْسِ رُوحیں، جانیں، يَتَوَفَّى اَلْاَنْفُسَ اِی يَقْبِضُ اَلْاَرْوَاحَ عند حضورِ آجالِہا، اللہ مبتداء يَتَوَفَّى اَلْاَنْفُسَ جملہ ہو کر خبر حین موتِہا يَتَوَفَّى سے متعلق ہے، واو حرف عطف، اَلَّتِی لَمْ تَمُتْ معطوف انفس پر فی مَنَامِہَا يَتَوَفَّى کا ظرف ہے، مطلب یہ ہے کہ جن نفوس کی موت کا وقت نہیں آیا ہے ان کو سونے کے وقت قبض کر لیتا ہے، اور اسی معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کا قول وَهُوَ الَّذِی یَتَوَفَّکُمْ بِاللَّیْلِ۔

موت اور نیند میں قبض روح اور دونوں میں فرق:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی اَلْاَنْفُسَ، تَوَفَّى کے لفظی معنی لینے اور قبض کرنے کے ہیں، اس آیت کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ جانداروں کی رُوحیں ہر حال اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیر تصرف اور زیر حکم ہیں، وہ جب چاہے قبض کر سکتا ہے، اس تصرف خداوندی کا ایک مظاہرہ تو ہر جاندار روزانہ دیکھتا ہے کہ نیند کے وقت اس کی روح ایک حیثیت سے قبض ہو جاتی ہے، پھر بیداری کے وقت واپس کر دی جاتی ہے، اور آخر کار ایک وقت ایسا آئے گا کہ بالکل قبض ہو جائے گی، قیامت سے پہلے واپس نہ ملے گی۔

صاحب مظہری کی تحقیق:

فرماتے ہیں قبض روح کا مطلب ہے، روح کا بدن سے ربط و تعلق ختم کر دینا، کبھی یہ تعلق ظاہر و باطن دونوں طریقہ پر ختم کر دیا جاتا ہے، اس کا نام موت ہے، اور کبھی صرف ظاہر منقطع کیا جاتا ہے باطن باقی رہتا ہے، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ صرف حس اور حرکت ارادیہ جو زندگی کی ظاہری علامت ہیں وہ منقطع کر دی جاتی ہے اور باطنی ربط باقی رہتا ہے، جس سے وہ سانس لیتا ہے اور زندہ رہتا ہے۔

آیت میں لفظ تَوَفَّى بمعنی قبض بطور عموم مجاز کے دونوں معنی کو شامل ہے، موت اور نیند دونوں میں قبض روح کا یہ فرق جو اوپر بیان کیا گیا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، آپ نے فرمایا: سونے کے وقت روح بدن سے نکل جاتی ہے مگر ایک شعاع کے ذریعہ روح کا ربط و تعلق بدن کے ساتھ باقی رہتا ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے، اور اسی رابطہ شعاعی سے وہ خواب دیکھتا ہے، پھر یہ خواب اگر روح کے عالم مثال کی طرف توجہ کے وقت دیکھتا ہے تو وہ سچا خواب ہوتا ہے، اور اگر بدن کی طرف واپسی کے وقت دیکھتا ہے تو اس میں شیطانی تصرفات شامل ہو جاتے ہیں ایسے خواب روئے صادق نہیں ہوتے۔ (معارف)

مسند ہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق:

شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے، اور پھر (واپس) بھیجتا ہے یہ ہی نشان ہے آخرت کا، معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھینچتی ہے، جیسے موت میں، اگر نیند میں کھینچ کر رہ گئی وہی موت ہے مگر یہ جان وہ ہے جس کو ہوش کہتے ہیں اور ایک جان وہ ہے جس سے سانس چلتی ہے اور نبض حرکت کرتی ہے، اور کھانا ہضم ہوتا ہے، یہ دوسری جان موت سے پہلے نہیں کھینچتی۔ (موضح القرآن ملخصاً، ترجمہ شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے، مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع باقی رہتا ہے، جس سے حیات باطل نہیں ہوتی (جیسے آفتاب لاکھوں میلوں سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے، لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جیسا موت میں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (ترجمہ شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ)

زجاج نے کہا ہے کہ ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں ایک نفس تمیز یہ وہ ہے کہ جو نیند کے وقت بدن سے جدا ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے فہم و ادراک معطل ہو جاتے ہیں، اور دوسرا نفس حیات ہے جب یہ نفس زائل ہو جاتا ہے تو حیات زائل ہو جاتی ہے اور نفس (سانس) منقطع ہو جاتا ہے، بخلاف نائم کے کہ اس کا سانس جاری رہتا ہے، قشری نے کہا ہے کہ اس میں بعد ہے، اس لئے کہ آیت سے جو مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں نفس مقبوض شی واحد ہے، اسی وجہ سے فرمایا فیمسک الذی

قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْآخِرَىٰ یعنی جس کی موت کا وقت آجاتا ہے اس کو روک لیتا ہے ورنہ چھوڑ دیتا ہے، پہلی صورت کا نام موت ہے اور دوسری صورت کا نام میند ہے۔ (فتح القدیر شوکانی ملخصاً)

عقلاء کا اس میں اختلاف ہے کہ نفس اور روح دونوں ایک ہی شے ہیں یا الگ الگ ہیں، اس مسئلہ میں بحث طویل ہے جس کے لئے کتب طب کی طرف رجوع کرنا چاہئے اس لئے کہ یہ موضوع فن طب ہی کا ہے، روح کے سلسلہ میں جتنے بھی نظریات قائم ہوئے ہیں وہ سب ظن و تخمین پر مبنی ہیں، حقیقت حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں سب سے زیادہ صحیح بات وہی ہے جو قرآن کریم نے قُلْ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي کہہ کر واضح کر دی ہے۔

قَوْلُهُ: وَالْمَرْسَلَةُ نَفْسُ التَّمْيِيزِ الخ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس دو قسم کا ہے نفس تمییز اور نفس حیات، نفس تمییز کے بغیر نفس حیات باقی رہ سکتا ہے مگر نفس تمییز نفس حیات کے بغیر نہیں رہ سکتا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ابن آدم میں ایک نفس ہے اور ایک روح ہے، عقل و تمیز کا تعلق نفس کے ساتھ ہے اور حرکت اور سانس کا تعلق روح کے ساتھ ہے، جب بندہ سو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نفس کو قبض فرما لیتے ہیں، روح کو قبض نہیں فرماتے، اسی قسم کا قول حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے۔

تحقیقی بات:

صحیح بات یہ ہے کہ انسان میں روح حقیقت میں واحد ہے، مگر اپنے اوصاف کے اعتبار سے متعدد ہے۔ (حاشیہ جلالین)

قَوْلُهُ: أَوْلَوْ كَانُوا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمزہ استفہام انکاری ہے اور محذوف پر داخل ہے تقدیر یہ ہے أَيُّ شَفَعُونَ جیسا کہ مفسر نے ظاہر کر دیا ہے واؤ حالیہ ہے، اور لَوْ شرطیہ ہے جملہ حال ہونے کی وجہ سے موضع نصب میں ہے، لَوْ کا جواب محذوف ہے تقدیر یہ ہے أَيُّ شَفَعُونَ وَإِنْ كَانُوا بھذہ الصفة تتخذونہم من دون اللہ شفعاء۔

قَوْلُهُ: قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا مفسر علام نے اِنِّیْ هُوَ مَخْتَصٌ بِهَا فَلَا يَشْفَعُ أَحَدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ کا اضافہ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔

سُؤَالٌ: لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو سفارش کا نہ حق ہوگا اور نہ کوئی کسی کی سفارش کرے گا، حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء، علماء، شہداء وغیرہ سفارش کریں گے۔

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جتنی بھی اقسام کی سفارشیں ہوں گی وہ اللہ ہی کی اجازت سے ہوں گی لہذا یہ سفارشیں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوں گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ دوسری جگہ فرمایا مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔

قَوْلُهُ: نِعْمَةً، انعاماً نعمة کی تفسیر انعاماً سے کرنے کا مقصد انما اوتیتہ کے مرجع کو درست کرنا ہے تاکہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہو جائے، یہ اس صورت میں ہوگا کہ ما کو کافہ مانا جائے، اور ما کو موصولہ مانا جائے تو اس تاویل کی

ضرورت نہ ہوگی۔

قَوْلًا: ای القوله اس کے اضافہ کا مقصد ہی ضمیر اور اس کے مرجع قول کے درمیان مطابقت قائم کرنا ہے اسی وجہ سے قول سے مراد مقولہ لیا ہے، اور مقولہ سے مراد اس کا یہ مقولہ ہے اِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ اور بعض حضرات نے ہی کا مرجع نعمۃ کو قرار دیا ہے ای بل النعمۃ فتنة اس صورت میں تاویل کی ضرورت نہ ہوگی۔

قَوْلًا: وَبَدَأَ لَهُمْ سَيِّئَاتٍ مَا كَسَبُوا ای جزاؤں اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ سنیات کا مضاف محذوف ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْآنَفُسَ (الآیۃ) اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ایک قدرت بالغہ اور صنعت عجیبہ کا تذکرہ فرمایا ہے، جس کا مشاہدہ انسان روزانہ کرتا ہے، اور وہ یہ کہ جب وہ سو جاتا ہے تو اس کی روح، اللہ کے حکم سے گویا نکل جاتی ہے اس لئے کہ اس کے احساس و ادراک کی قوت ختم ہو جاتی ہے اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو وہ روح اس میں دوبارہ لوٹا دی جاتی ہے، جس سے اس کے حواس بحال ہو جاتے ہیں، البتہ جس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہوتے ہیں ان کی روح واپس نہیں آتی اور وہ موت سے محکوم ہو جاتا ہے، اس کو بعض مفسرین نے وفات کبریٰ اور وفات صغریٰ سے بھی تعبیر کیا ہے۔

اس آیت میں بحث بعد الموت کے امکانی وقوع کی طرف اشارہ ہے یعنی روح کا قبض و ارسال، وفات و احیاء، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور قیامت کے دن وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ کرے گا، اگلی آیت میں کفار کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ یہ ہمارے دیوتا جن کی ہم پوجا پاٹ کرتے ہیں یہ اللہ کے حضور ہماری سفارش کریں گے، اور ہمیں جنت میں اعلیٰ درجوں پر فائز کرائیں گے، رد کا خلاصہ یہ ہے کہ سفارش کا اختیار تو کجا انہیں تو سفارش کے معنی و مفہوم کا بھی پتہ نہیں کیونکہ وہ تو اینٹ پتھر ہیں یا بے خبر محض ہیں۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہ سہم تو ان کو یہ بات ناگوار معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کے قلوب منقبض ہو جاتے ہیں البتہ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں فلاں بھی معبود ہیں یا یہ کہ آخر وہ بھی اللہ کے نیک بندے اور اس کے ولی ہیں وہ بھی کچھ اختیار رکھتے ہیں، وہ بھی مشکل کشائی حاجت روائی کر سکتے ہیں تو پھر یہ مشرکین اس بات سے بڑے خوش ہو جاتے ہیں، اہل بدعت و خرافات کا بھی آج یہی حال ہے، جب ان سے کہا جاتا ہے یا اللہ المدد کہو، کیونکہ اس کے سوا کوئی مدد کرنے پر قادر نہیں تو چنگاری زیر پا ہو جاتے ہیں، یہ جملہ ان کے لئے سخت ناگوار معلوم ہوتا ہے، لیکن جب یا علی المدد، یا رسول المدد یا یا الغوث المدد کہا جائے تو پھر ان کے دل کی کلیاں کھل جاتی ہیں، باقی آیات کی تفسیر تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان تحریر کر دی گئی ہے دیکھ لیا جائے۔

قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا بِكسْرِ النُّونِ وَفَتْحِهَا وَفَرَّقِ بِسْمِهَا تَنَاسُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا لِمَنْ تَابَ مِنَ الشِّرْكِ أَيْ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَأَنِيبُوا أَرْجِعُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا أَلِصُّوا الْعَمَلِ لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ ۝ بِمَنْعِهِ أَنْ تَتَوَلَّوْا وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ بِهِ الْقُرْآنُ مَنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ قُلْ أَتَيْنَاهُ بِبُوقَةٍ فَهَادِرُوا إِلَيْهِ قَبْلَ أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَحْسَرْتِي أَصْلَهُ يَا حَسْرَتِي أَيْ نَدَامَتِي عَلَى مَا فَرَطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ أَيْ طَاعَتِهِ وَإِنْ مُخَفِّفَةً مِنَ الثَّقِيلَةِ أَيْ كُنْتُ لِمَنِ الشَّخِرِينَ ۝ بِدَيْسَةٍ وَكِتَابَةٍ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي بِالطَّاعَةِ أَيْ فَابْتَدَيْتُ لَكُنْتُ مِنَ الْمُنْقِضِينَ ۝ عَذَابُهُ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً رَجَعَةً إِلَى الدُّنْيَا فَأَكُونُ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ الْمُؤْمِنِينَ فَيُقَالُ لَهُ مِنْ قَبْلِ اللَّهِ بَلَى قَدْ جَاءَتْكَ آيَتِي الْقُرْآنُ وَهُوَ سَبَبُ الْهَدَايَةِ فَكَذَّبَتْ بِهَا وَاسْتَكْبَرَتْ تَكَبَّرَتْ عَنِ الْإِيمَانِ بِهَا وَكُنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ بِنِسْبَةِ الشَّرِيكِ وَالْوَلَدِ إِلَيْهِ وَجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ أَلْيَسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ۝ عَنِ الْإِيمَانِ بَلَى وَيُنَجِّي اللَّهُ مِنَ جَهَنَّمَ الَّذِينَ اتَّقَوْا الشِّرْكَ بِمَقَارَتِهِمْ أَيْ بِمَكَانِ فَوْزِهِمْ مِنَ الْجَنَّةِ بَلَى يُجْعَلُوا فِيهِ لَا يَمْسُهُمُ الشُّوْءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ مُتَّصِرٌ فِيهِ كَيْفَ يَشَاءُ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَيْ مَفَاتِيحُ خَزَائِنِهِمَا مِنَ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهِمَا وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ الْقُرْآنِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ مُتَّحِلٌ بِقَوْلِهِ وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا الْخَ وَمَا بَيْنَهُمَا إغْتِرَاضُ.

ترجمہ: (میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، تقنطوا نون کے فتح اور کسرہ کے ساتھ اور ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ اس شخص کے تمام گناہوں کو معاف فرمادیں گے جس نے شرک سے توبہ کی ہوگی واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے تم سب اپنے پروردگار کی طرف جھک جاؤ اور اس کی حکم برداری کئے جاؤ (یعنی) عمل کو اس کے لئے خالص کرو اس سے قبل کہ تم پر عذاب آجائے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے اس عذاب کو ٹال کر، اگر تم توبہ نہ کرو اور پیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے وہ قرآن ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو (یعنی) اس کی آمد سے پہلے تم کو اس کے آنے کے وقت کی خبر بھی نہ ہو، لہذا توبہ کی طرف سبقت کرو قبل اس کے کہ کبھی کوئی شخص کہے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب یعنی طاعت میں کی یا حسرتی بمعنی یا ندامتی ہے میں تو اس کے دین اور اس کی کتاب کا مذاق اڑانے والوں ہی میں رہا ان مخففہ عن الثقیلہ ہے یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ (دنیا میں) مجھ کو طاعت کی ہدایت دیتا

تو میں ہدایت پاتا تو میں بھی اس کے عذاب سے بچنے والوں میں سے ہوتا یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میری (دنیا) میں واپسی ہو جاتی تو میں بھی نیک لوگوں یعنی مومنین میں سے ہو جاتا یعنی ایمان والوں میں سے ہو جاتا، تو اس کو اللہ کی جانب سے کہا جائے گا، ہاں (ہاں) بے شک تیرے پاس میری قرآنی آیتیں پہنچ چکی تھیں، اور وہ ہدایت کا ذریعہ ہیں جنہیں تو نے جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے سے تو نے تکبر کیا، اور تو کافروں ہی میں سے رہا، اور جن لوگوں نے اللہ پر اس کی طرف شرک اور ولد کی نسبت کر کے جھوٹ باندھا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، کیا ایمان سے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟ ہاں کیوں نہیں ضرور ہے، اور جن لوگوں نے شرک سے اجتناب کیا تو اللہ تعالیٰ ان کو مقام کامیابی میں (دخول) کے سبب جہنم سے بچالے گا، اور وہ (مقام) جنت ہے (اور اگر مفازۃ کو مصدر میسی اور ”ب“ کو سببیہ مانا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب ہونے کے سبب جہنم سے بچالے گا) بایں طور کہ ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا، انہیں کوئی تکلیف چھو بھی نہ سکے گی، اور نہ وہ کسی طرح ممکن ہوں گے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے (یعنی اس میں جس طرح چاہے تصرف کرنے والا ہے) آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا مالک ہے یعنی زمین و آسمانوں کے خزانوں کا مالک ہے وہ پانی اور نباتات وغیرہ ہیں جس نے بھی اللہ کی آیتوں قرآن کا انکار کیا وہی خسارہ میں ہے، اس جملہ (یعنی والذین کفروا الخ) کا تعلق (عطف) اللہ کے قول وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا الخ سے ہے اور ان دونوں کے درمیان (اللہ خالق کل شیء الخ) جملہ معترضہ ہے (نوٹ) یہ جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہے، جو کہ جائز ہے۔

(صادی)

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: يَا عِبَادِيَ، بحذف الياء وثبوتها مفتوحة، يَا عِبَادِيَ میں دو قراءتیں ہیں حذف الياء اور کسرۃ دال کے ساتھ ای یا عِبَاد اور ثبوت یاء مع فتح الياء ای یا عِبَادِيَ۔

قَوْلُهُ: الَّذِينَ اسْرِفُوا عَلَى انْفُسِهِمْ، اسْرِفُوا، اسراف سے ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے زیادتی کی، حد سے تجاوز کیا، یعنی اپنے نفس پر معصیت و خیانت کر کے زیادتی کی، یہاں اسراف سے اسراف فی المعصیۃ مراد ہے، اسراف کے معنی مطلقاً زیادتی کرنے کے ہیں، اسراف مقید مثلاً اسْرِفَ فِی الْمَالِ میں استعمال مجازاً ہوگا اور بعض حضرات نے اس کا عکس کہا ہے مگر اول رائج ہے۔ (روح المعانی)

سُؤَالٌ: اسراف کا صلہ علی مستعمل نہیں ہے۔

جَوَابٌ: اسراف چونکہ جنایت کے معنی کو متضمن ہے، اس لئے اس کا صلہ علی لانا درست ہے۔

قَوْلُهُ: لَا تَقْنَطُوا یہ زیادہ تر (س، ض، ن) سے آتا ہے (ک) سے شاذ ہے۔

قَوْلٌ : هُوَ الْقُرْآنُ يَهْ أَحْسَنَ کی تفسیر ہے، یعنی کتب سماویہ میں قرآن سب سے احسن ہے۔

قَوْلٌ : اَنْ تَقُولَ نَفْسُ اَنْ اور جو اس کے ماتحت ہے مفعول لاجلہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، زنجیری نے اس کی تقدیر کراہۃ اَنْ تَقُولَ مانی ہے، اور ابوالبقاء نے اَنْذَرْنَاكُمْ مَخَافَةَ اَنْ تَقُولَ اور مفسر علام نے بادر و افعل مقدر کا معمول قرار دیا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

قَوْلٌ : بِالطَّاعَةِ اَيْکَ نَسْخٍ مِّنْ بِالطَّافِہِ ہے۔

قَوْلٌ : بِنَسْبَةِ الشِّرْكِ وَالْوَلَدِ اِلَيْهِ یہ عبارت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں مطلقاً کذب مراد نہیں ہے بلکہ وہ کذب مراد ہے جس سے شرک لازم آتا ہو، اس لئے کہ آئندہ جو وعید بیان کی گئی ہے وہ مطلقاً کذب کی نہیں ہے بلکہ اس کذب کی ہے جس سے کفر لازم آتا ہو۔

قَوْلٌ : مَقَالِيدُ مَقْلَادٍ يَمْقِلِدُ کی جمع ہے، بمعنی کنجی یہ ہر شی میں شدت تصرف و تمکن سے کنایہ ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

شان نزول:

قُلْ يٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اٰبَنُ جَرِیْرٍ وَّابْنُ مَرْدُیْہِ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مکہ میں کچھ ایسے لوگ تھے جنہوں نے قتل ناحق کئے اور بہت کئے، اور زنا کا ارتکاب کیا اور بہت کیا، ان لوگوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ جس دین کی دعوت دیتے ہیں وہ ہے تو بہت اچھا، لیکن فکر یہ ہے کہ جب ہم نے اتنے بڑے بڑے گناہ کر رکھے ہیں، اب اگر ہم مسلمان ہو بھی گئے تو کیا ہماری توبہ قبول ہو سکے گی، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(روح المعانی، معارف)

ابن جریر نے عطاء بن یسار سے روایت کیا کہ مذکورہ تینوں آیتیں مدینہ میں وحشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ (روح المعانی)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی وسعت مغفرت کا بیان ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونے کا مطلب ہے ایمان لانے سے پہلے انسان نے کتنے بھی گناہ کئے ہوں اس کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ میں تو بہت گنہگار ہوں اللہ تعالیٰ مجھے کیونکر معاف کرے گا؟ بلکہ اگر سچے دل سے ایمان قبول کر لے اور سچی توبہ کر لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرمادیں گے، شان نزول کی روایت سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے، کچھ کافر اور مشرک ایسے تھے کہ جنہوں نے کثرت سے قتل و زنا کا ارتکاب کیا تھا، یہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کی دعوت تو بالکل صحیح ہے، لیکن ہم لوگ بہت زیادہ خطا کار ہیں، اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا ہمارے وہ سب گناہ معاف

سوچا نہیں گئے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ زمر، کما من)

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کی رحمت و مغفرت کی امید پر بھروسہ کر کے خوب گناہ کئے جائیں، اس کے احکام و فرائض کی مطلق پرواہ نہ کی جائے، اور اس کے ضابطوں کو بے دردی سے پامال کیا جائے، اس طرح اس کے غضب و انتقام کو دعوت دے کر اس کی رحمت و مغفرت کی امید رکھنا نہایت غیر دانشمندی اور خام خیالی ہے، یہ تخم حنظل بو کر ثمرات و فواکہ کی امید رکھنے کے مترادف ہے، ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ جہاں وہ غفور و رحیم ہے، وہاں وہ نافرمانوں کے لئے عزیز ذو انتقام بھی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں متعدد جگہ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔

وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ (الآیۃ) احسن ما انزل سے مراد قرآن ہے اور پورا قرآن احسن ہے، اور قرآن کو احسن ما انزل اس لئے کہا گیا ہے، کہ جتنی کتابیں توریت، انجیل، زبور اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں ان سب میں احسن و اکمل قرآن ہے۔ (قرطبی)

بَلَىٰ قَدْ جَاءَ تِلْكَ آيَاتِي فَكَذَّبْتَ بِهَا ۚ اس آیت میں کفار کی اس بات کا جواب ہے کہ اللہ اگر ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی متقی ہوتے، اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اختیاری ہدایت کے جتنے طریقہ ہو سکتے تھے وہ سب مہیا فرما دیئے کتابیں بھیجیں، رسول بھیجے، ان کو معجزے عطا کئے، ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ ہمیں ہدایت نہیں کی، ہاں ہدایت کے تمام تر اسباب مہیا کرنے کے بعد، نیکی اور اطاعت پر اللہ نے کسی کو مجبور نہیں کیا، بلکہ بندوں کو یہ اختیار دیدیا کہ وہ جس راستہ یعنی حق یا باطل کو اختیار کرنا چاہے کرے یہی بندے کا امتحان ہے۔

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، مقالید مقلاد یا مقلید کی جمع ہے، اس کے معنی کنجی، چابی کے ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے یہ دراصل فارسی لفظ کلید کا معرب ہے، اس لئے کہ فارسی میں کنجی کو، کلید کہتے ہیں، کنجیوں کا کسی کے ہاتھ میں ہونا یہ اس کے مالک و متصرف ہونے کی علامت ہے، اور بعض روایات میں کلمہ سوم کوزمین و آسمانوں کی کنجی کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس کلمہ کو صبح و شام پڑھتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو زمین و آسمان کے خزانوں کی نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

قُلْ أَغْفِرُ اللَّهُ تَاْمُرُوْنِیْۤ اَعْبُدُوْا اَیُّهَا الْجٰہِلُوْنَ ۝۱۱ غَیْرَ مَنْصُوْبٍ بِاَعْبُدُ الْمَعْمُوْلُ لِتَاْمُرُوْنِیْ بِتَقْدِیْرِ اَنْ یُّنَوْنَ وَاَحَدٌ وَّبُنُوْنِیْنَ وَاِدْعَامُ وَفَلَکَ ۝۱۲ وَلَقَدْ اَوْحٰی اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ وَاللّٰہُ لَیْنٌ اَشْرَکْتَ یَا مُحَمَّدُ فَرَضًا لِّیَحْبِطَنَّ عَمَلُکَ وَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝۱۳ بَلِ اللّٰہُ وَحْدَهُ فَاعْبُدْ وَکُنْ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ ۝۱۴ اِنْعَامُہُ عَلَیْکَ وَمَا قَدَرُوْا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ۝۱۵ مَا عَرَفُوْہُ حَقَّ مَعْرِفَتِہٖ اَوْ مَا عَظَّمُوْہُ حَقَّ عَظَمَتِہٖ حِیْنَ اَشْرَکُوْا بِہٖ غَیْرَہٗ ۝۱۶ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا حَالٌ اِی السَّبْعِ قَبْضَتُہٗ اِی مَقْبُوْضَہٗ لَہٗ فِیْ یَدِیْہِ وَتَصَرُّفِہٖ ۝۱۷ یَوْمَ الْقِیَمَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیٰتٌ ۝۱۸ مَجْمُوْعٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ بِقَدْرِتِہٖ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرَکُوْنَ ۝۱۹ مَعہٗ ۝۲۰ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ النَّفْخَ الْاَوَّلِ ۝۲۱ فَصَعِقَ مَاتَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ ۝۲۲ بَنَی الْحُوْرَ وَالْوِلْدَانَ وَغَیْرَہِمَا ۝۲۳ ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ہُمْ اِی

جَمِيعُ الْخَلَائِقِ الْمَوْتَى قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ۝ يَنْتَظِرُونَ مَا يَفْعَلُ بِهِمْ وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ اضْءَاتِ بِنُورِ رَبِّهَا حِينَ يَتَجَلَّى لِفَضْلِ الْقَضَاءِ وَوُضِعَ الْكِتَابُ كِتَابُ الْأَعْمَالِ لِلْحِسَابِ وَجَاءَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالشَّهَادَاتِ أَيُّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمَّتِهِ يَشْهَدُونَ الْمُرْسَلِ بِالْبَلَاغِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ أَيُّ الْعَدْلِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ شَيْئًا وَوُفِّيتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ أَيُّ جَزَاؤُهُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝ فَلَا يَخْتِاجُ إِلَى شَاهِدٍ.

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے، اے جاہلو! پھر بھی تم مجھ سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کو کہتے ہو غیر، تَأْمُرُونَنِي کے معمول اَعْبُدُ کے ذریعہ منصوب ہے اُن کی تقدیر کے ساتھ ایک نون اور دونوں اور ادغام اور بدون ادغام کے یقیناً تیری طرف اور ان نبیوں کی طرف جو تجھ سے پہلے گذر چکے ہیں یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ واللہ، اگر بالفرض اے محمد ﷺ تو (بھی) شرک کرے گا تو بلاشبہ تیرا عمل (بھی) ضائع ہو جائے گا، اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا بلکہ تو اللہ وحدہ کی عبادت کر اور تیرے اوپر اس کے انعام کا شکر کرنے والوں میں سے رہ اور ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی عظمت نہ پہچانی جیسا کہ پہچانی چاہئے تھی، اس کے ساتھ شرک کر کے نہ اس کے حق کو پہچانا جیسا کہ اس کی معرفت کا حق تھا اور نہ اس کی تعظیم کی جیسی کہ کرنی چاہئے تھی، ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی (جمعاً) حال ہے یعنی ساتوں زمینیں (اس کی مٹھی میں ہوں گی) یعنی اس کی ملک و تصرف میں ہوں گی اور تمام آسمان لپٹے ہوئے اس کے داہنے ہاتھ (یعنی) اس کی قدرت میں ہوں گے وہ پاک اور برتر ہے اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک ٹھہرائیں اور صور پھونک دیا جائے گا، پہلا صور، لہذا زمین و آسمانوں میں جو بھی ہے فوت ہو جائے گا مگر جس کو وہ چاہے (مثلاً) حور اور بچے وغیرہ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو ایک دم وہ تمام مردہ مخلوق اٹھ کھڑی ہوگی اور انتظار کرنے لگے گی کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے؟ اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی، جب وہ مقدمات کے فیصلے کے لئے جلوہ افروز ہوگا، کتاب یعنی نامہ عمل حساب کے لئے (سامنے) رکھ دیا جائے گا، اور انبیاء اور شہداء کو لایا جائے گا یعنی محمد ﷺ اور ان کی امت کو لایا جائے گا، اور یہ لوگ رسولوں کی پیغام رسانی کی گواہی دیں گے اور لوگوں کے درمیان عدل (وانصاف) کے ساتھ فیصلے کئے جائیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں وہ اس سے بخوبی واقف ہے لہذا اس کو گواہ کی ضرورت نہ ہوگی۔

تحقیق و ترکیب تسبیح و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: أَفْغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونَنِي یہ اصل میں اَتَأْمُرُونَنِي اَنْ اَعْبُدَ غَيْرَ اللَّهِ سے اَعْبُدُ کے مفعول غیر اللہ کو تَأْمُرُونَنِي پر جو کہ اَعْبُدُ کا عامل ہے مقدم کر دیا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ صورت ضعیف ہے، (مگر ضعیف کہنا درست نہیں ہے) اس لئے کہ اَنْ لفظوں میں نہیں ہے لہذا اس کا عمل باقی نہیں رہے گا۔

دوسری صورت یہ کہ غَيْرَ اللّٰہ کو تَامُرُوْنِی کے ذریعہ منصوب مانا جائے، اور اَعْبُدْ کو اس سے بدل مانا جائے، تقدیر عبارت یہ ہوگی قل: اَفَتَاْمُرُوْنِی بِعِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰہ یہ ترکیب بدل الاشتمال کے قبیل سے ہوگی۔

تیسری صورت غَيْرَ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہو آئی اَفَتَلْزَمُوْنِی غَيْرَ اللّٰہ اس صورت میں اس کا مابعد اس کے لئے مفسر ہوگا، اس کے علاوہ بھی ترکیبیں ہو سکتی ہیں (اعراب القرآن دیکھیں)۔

قَوْلًا: تَاْمُرُوْنِی صیغہ جمع مذکر حاضر، تم مجھ کو حکم دیتے ہو، اس میں (ی) ضمیر واحد متکلم ہے اور نون ادغام کی وجہ سے مشدود ہے۔

قَوْلًا: وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ لَام جواب قسم کے لئے ہے اِی واللّٰہ لَقَدْ، قَدْ حرف تحقیق ہے، اُوْحِیَ فعل ماضی مجہول ہے اور اِلَیْکَ قائم مقام نائب فاعل ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ نائب فاعل سیاق و سباق کے قرینہ کی وجہ سے محذوف ہے، اِی اُوْحِیَ اِلَیْکَ التوحید۔

قَوْلًا: فَرَضًا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، ان سے شرک کا ارتکاب نہیں ہو سکتا، تو پھر لَانْ اَشْرَکْتَ کیوں کہا گیا؟

جواب: فرض محال کے طور پر کہا گیا ہے بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ خطاب اگرچہ آپ ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے، مگر اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ اگر مراد امت ہے لَانْ اَشْرَکْتَ کے بجائے لَانْ اَشْرَکْتُمْ کہنا چاہئے تھا، اس کا جواب یہ ہے، معنی یہ ہیں اُوْحِیَ اِلَیْ کُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ لَانْ اَشْرَکْتَ الخ جیسا کہ عرب میں بولا جاتا ہے، کَسَانَا الْاَمِیْرُ حُلَّةً اِی کَسَا کُلَّ وَاحِدٍ مِنَّا حُلَّةً۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰہ تَاْمُرُوْنِی (الایۃ) یہ کفار کی اس دعوت کا جواب ہے جو آپ ﷺ کو دیا کرتے تھے کہ اپنے آبائی دین (بت پرستی) کو اختیار کر لیں، اور بتوں کی مذمت چھوڑ دیں، اس لئے کہ اگر ہماری دیوی دیوتاؤں کو غصہ آ گیا تو ہلاک کر ڈالیں گے یا پاگل بنا دیں گے، لَانْ اَشْرَکْتَ میں اگرچہ خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ تو شرک سے پاک تھے ہر نبی معصیت سے پاک ہوتا ہے اور آئندہ کے لئے محفوظ بھی، کیونکہ اللہ کی حفاظت اور عصمت میں ہوتا ہے، ان سے ارتکاب شرک و کبائر کا کوئی امکان نہیں ہوتا مگر چونکہ امت کو سمجھانا مقصود ہے اس لئے آپ کو خطاب فرمایا تا کہ امت کو یہ تاثر ملے کہ جب شرک سے نبی جیسی برگزیدہ ہستی کے اعمال سلب اور جط ہو سکتے ہیں تو ما و شما کس شمار و قطار میں ہیں بَلِ اللّٰہُ فَاَعْبُدْ، اِیَّاكَ نَعْبُدُ کی طرح یہاں بھی اللہ مفعول کو مقدم کر کے حصر کی طرف اشارہ کر دیا یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور شرک کے ذریعہ اعمال کے جط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شرک ہی پر موت آئی ہو اور مرنے سے پہلے شرک سے توبہ کر لی تو یہ حکم نہیں ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ اللَّهُ سُبْحَانَهُ تَعَالَى کی حقیقی معرفت اور حقیقی عظمت جو کہ اس کی شایان شان ہو وہ بندے کے لئے ممکن نہیں اور نہ بندہ اس کا مکلف، البتہ جس قدر معرفت و تعظیم کا مکلف اور مامور ہے، کفار و مشرکین نے وہ بھی نہیں کی، اس لئے کہ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ جو دعوت تو حیدان کے پاس بھیجی تھی اس کو نہیں مانا، عبادت کو اس کے لئے خالص نہ کرتے ہوئے غیر اللہ کو اس کی ذات و صفات میں شریک کر لیا، مشرکین نے اس کی عظمت و جلال، بزرگی و برتری کو اتنا نہ سمجھا جتنا ایک بندے کو سمجھنا چاہئے تھا، اس کی شان رفیع اور مرتبہ بلند کا اجمالی تصور بھی رکھنے والا، کیا عاجز محتاج مخلوق، حتیٰ کہ بے جان پتھر اور دھات کی عاجز و مجبور صورتوں کو اس کا شریک و ہم تجویز کر سکتا ہے؟ حاشا وکلا ہرگز نہیں کیا اس سے زیادہ اس مالک کون و مکان خالق زمین و زماں کی ناقدری اور ناحق شناسی ہو سکتی ہے؟ اگلی آیت میں اس کی بعض شہون عظمت و جلال کا بیان ہے۔

وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (الآیۃ) الْقُبْضَةُ، مَا قُبِضَ عَلَيْهِ بِجَمِيعِ الْكَفِّ يَعْنِي اس کی عظمت شان کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن کل زمین اس کی مٹھی اور سارے آسمان کا غد کے مانند لپٹے ہوئے ایک ہاتھ میں ہوں گے۔

کلمات متشابہات:

مَطْوِيَّاتٌ بِمِثْلِهِ، يَمِينٌ وغيرہ الفاظ متشابہات میں سے ہیں جن پر بلا کیف ایمان رکھنا واجب ہے، بعض احادیث میں ہے وَكَلْنَا يَدَيْهِ بِمِثْلِهِ کہ اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، اس سے تَجَسُّم، تَحْيِيز اور جہت وغیرہ کی نفی ہوتی ہے۔

(فوائد عثمانی)

کلمات متشابہات کے سلسلہ میں اہل حق کا مسلک:

کلامی یعنی عقائد کے باب میں اہل حق کی تین جماعتیں ہیں، اشاعرہ، ماتریدیہ، سلفیہ (یا حنابلہ)۔

① اشاعرہ: وہ حضرات ہیں جو شیخ ابوالحسن اشعری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی (۲۶۰/۳۳۴ھ) کی پیروی کرتے ہیں، امام ابوالحسن اشعری چونکہ شافعی تھے، اسلئے یہ مکتب فکر شوافع میں مقبول ہوا، یعنی حضرات شوافع عام طور پر کلامی مسائل میں اشعری ہوتے ہیں۔

② ماتریدیہ: وہ حضرات ہیں جو شیخ ابو منصور ماتریدی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی (متوفی ۳۳۳ھ) کی پیروی کرتے ہیں، امام ماتریدی چونکہ حنفی تھے اس لئے یہ مکتب فکر احناف میں مقبول ہوا، احناف عام طور پر کلامی مسائل میں ماتریدی ہوتے ہیں، اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان بارہ مسائل میں اختلاف ہے جو فروعی (غیر اہم) مسائل ہیں، بنیادی اختلاف کسی مسئلہ میں نہیں ہے، ان مختلف فیہا بارہ مسائل کو علامہ احمد بن سلیمان معروف بہ ابن کمال پاشا رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی (متوفی ۹۴۰ھ)

نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے، یہ رسالہ مطبوعہ ہے، مگر عام طور پر علماء اس سے واقف نہیں ہیں، اس رسالہ کو حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ پالنپوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے اپنی قابل فخر اور مایہ ناز تصنیف رحمۃ اللہ الواسعہ کے صفحہ ۴۸ پر علماء کے استفادہ کے لئے نقل کر دیا ہے۔

۳ سلفیہ: یہ وہ حضرات ہیں جو صفات خداوندی کی تاویل کے عدم جواز میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ (۲۴۱/۱۶۳) کے مسلک پر ہیں، چونکہ صفات کے تعلق سے یہ ذوق اسلاف کرام کا تھا، اس لئے یہ حضرات سلفی کہلائے، اس جماعت کو کتابوں میں حنابلہ بھی لکھا گیا ہے، مگر چونکہ فقہی جنسیت سے اشتباہ ہوتا تھا، اس لئے رفتہ رفتہ یہ اصطلاح متروک ہو گئی، مسئلہ خلق قرآن میں یہی نام سلفیہ کے لئے استعمال ہوا ہے، نیز اس مسلک کو مسلک محدثین بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ امام مالک، سفیان ثوری وغیرہ حضرات محدثین سے صفات متشابہات کے بارے میں یہی نقطہ نظر مروی ہے، اس زمانہ میں جو سلفیت کو بمعنی ظاہریت یعنی عدم تقلید ائمہ استعمال کیا جاتا ہے وہ تلمیس ہے اور لفظ کا غیر معروف معنی میں استعمال ہے۔

سلفیوں کا اشاعرہ اور ماتریدیہ سے اختلاف:

سلفیوں کا اشاعرہ اور ماتریدیہ سے یہ اختلاف صرف ایک معمولی بات میں ہے، اور وہ یہ ہے کہ صفات متشابہات مثلاً استواء علی العرش، یذ، وجہ وغیرہ کی تاویل جائز ہے یا نہیں؟ سلفیوں کے یہاں تاویل ناجائز ہے اور باقی دونوں مکاتب فکر کے نزدیک تاویل جائز ہے، چنانچہ حنابلہ قرآن کریم کو جو اللہ کی صفت کلام ہے مطلقاً بلا تاویل قدیم کہتے ہیں، اور اشاعرہ و ماتریدیہ کلام نفسی کی تاویل کرتے ہیں اور اس کو قدیم کہتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلک محدثین کے خلاف ”لفظی بالقرآن حادث“ کہہ دیا تھا، تو حنابلہ نے جن کے سرخیل امام ذہلی تھے ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ)۔

غرضیکہ علم کلام میں یہی تین جماعتیں برحق ہیں دیگر تمام فرق اسلامیہ جیسے معتزلہ، جہمیہ، کرامیہ وغیرہ گمراہ فرقے ہیں، اور یہی فرقے اہل سنت والجماعت کے مد مقابل ہیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ)۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ لَبِئْسَ مَا تَحْتِ
یعنی نفخہ صعق ہے، جس سے سب کی موت واقع ہو جائے گی، بعض کے نزدیک صعق نفخہ اولیٰ ہی ہے، اسی سے اولاً سخت گھبراہٹ ہو کر بے ہوشی طاری ہو جائے گی، پھر سب کی موت واقع ہو جائے گی، اور بعض حضرات نے ان نفحات کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے ① نفخۃ فناء ② نفخۃ البعث ③ نفخۃ الصعق ④ نفخۃ القیام لرب العالمین۔ (ایسر التفاسیر) اور بعض کے نزدیک صرف دو ہی نفخے ہیں، نفخہ موت اور نفخہ بعث۔

الاماشاء اللہ یعنی نفخہ فنا کے بعد اللہ جس کو چاہے گا اس کو موت نہیں آئے گی، جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام، اسرافیل علیہ السلام اور بعض نے ان میں نگران جنت رضوان اور نگران جہنم مالک، اور حملۃ العرش کو بھی شامل

(فتح القدیر)

کیا ہے (اور بعض نے حور و غلمان وغیرہ کو بھی)۔

وَجَاءَ بِالْغَابِطِينَ وَالشَّهَدَاءِ (الآیۃ) نبیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا؟ یا یہ پوچھا جائے گا کہ تمہاری امتوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا تھا؟ قبول کیا یا انکار کیا؟ امت محمدیہ کو بطور گواہ لایا جائے گا، جو اس بات کی گواہی دے گی کہ تیزے پیغمبروں نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا، جیسا کہ تو نے ہمیں اپنے قرآن کے ذریعہ مطلع فرمایا تھا۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَبَثُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۚ جَمَاعَاتٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ وَهَّافَتِ أَبْوَابُهَا جَوَابٌ إِذَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمُ الْقُرْآنَ وَيُنذِرُوكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۖ أَيْ لَا مَلَأَنَّ جَهَنَّمَ الْآيَةَ عَلَى الْكَافِرِينَ ۖ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ مُقَدَّرِينَ ۚ خُلُودٌ فِيهَا فَبَشِّرْهُنَّ بِمَا وَصَّى الْمُتَكَبِّرِينَ ۖ جَهَنَّمَ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ بِطُفٍّ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ وَهَّافَتِ الْوُأُ فِيهِ لِلْحَالِ بِتَقْدِيرٍ قَدْ وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلِّمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ ۖ حَالًا فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ۖ مُقَدَّرِينَ ۚ خُلُودٌ فِيهَا وَجَوَابٌ إِذَا مُقَدَّرَ أَيْ دَخَلُوبَا وَسُوقُهُمْ وَفَتْحُ الْأَبْوَابِ قَبْلَ مَجِيئِهِمْ تَكْرِيمًا لَهُمْ وَسُوقُ الْكُفَّارِ وَفَتْحُ أَبْوَابِ جَهَنَّمَ عِنْدَ مَجِيئِهِمْ لِيَبْقَىٰ حَرْبًا إِلَيْهِمْ إِبْرَاءَةً لَهُمْ وَقَالُوا عَطِثٌ عَلَىٰ دَخَلُوبَا الْمُقَدَّرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَهُ بِالْجَنَّةِ وَأَوْثَقْنَا الْأَرْضَ ۖ أَيْ أَرْضَ الْجَنَّةِ نَتَّبِعُوا نُزُلَ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۚ لِأَنَّهُمَا كُلُّهُمَا لَا يَخْتَارُ فِيهَا مَكَانٌ عَلَى مَكَانٍ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۖ الْجَنَّةُ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِينَ حَالٌ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ مِنْهُ يُسَبِّحُونَ حَالٌ مِنْ ضَمِيرِ حَافِينَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ مُلَابِسِينَ لِلْحَمْدِ أَيْ يَقُولُونَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ بَيْنَ جَمِيعِ الْخَلَائِقِ بِالْحَقِّ أَيْ الْعَدْلِ فَيَدْخُلُ الْمُؤْمِنُونَ الْجَنَّةَ وَالْكَافِرُونَ النَّارَ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ خَتَمَ اسْتِقْرَارَ الْفَرِيقَيْنِ بِالْحَمْدِ مِنْ رَبِّهِ الْمَلَائِكَةُ.

ترجمہ: اور کافروں کے غول کے غول مختلف گروہوں میں شدت کے ساتھ جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے جب وہ جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے تو جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے (فتحت ابوابها) اذا کا جواب ہے، وہاں نگران ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں قرآن وغیرہ پڑھ کر سناتے تھے؟ اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے، یہ جواب دیں گے ہاں درست ہے، لیکن کلمہ عذاب یعنی لَا مَلَأَنَّ جَهَنَّمَ (الآیۃ) کافروں پر ثابت ہو گیا حکم دیا جائے گا اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، جہاں ہمیشہ رہو گے، حال یہ کہ خلود مقدر ہو چکا پس سرکشوں کا ٹھکانہ بہت ہی برا ہے اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کے گروہ کے گروہ جنت کی طرف

اکرام کے ساتھ روانہ کئے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس (جنت) کے پاس آجائیں گے، حال یہ کہ دروازے کھلے ہوں گے (و فتحت) میں واؤ حال یہ ہے قَدْ کی تقدیر کے ساتھ اور وہاں کے نگہبان ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو خوش حال رہو، تم اس میں ہمیشہ کے لئے چلے جاؤ حال یہ کہ ان کا اس میں ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے، اذّا کا جواب مقدر ہے اِیْ دَخَلُوْهَا اور ان کو لیجانا اور ان کے آنے سے پہلے دروازوں کا کھلنا یہ ان کا اعزاز ہے، اور کفار کو ہانکنا اور جہنم کے دروازوں کو ان کی آمد پر کھولنا تاکہ جہنم کی حرارت باقی رہے، یہ ان کی توہین ہے، یہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہم سے اپنا جنت کا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس نے زمین کا یعنی جنت کا وارث بنا دیا کہ جنت میں ہم جہاں چاہیں قیام کریں اس لئے کہ جنتی ایک مقام کو دوسرے مقام پر ترجیح نہیں دے گا، پس عمل کرنے والوں کا کیا اچھا بدلہ ہے، اور تو فرشتوں کو اس کے چاروں طرف سے عرش کے گرد اگر حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے یعنی اس میں مشغول دیکھے گا، یُسَبِّحُوْنَ، حافین کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ سبحان اللہ و بحمدہ کہہ رہے ہوں گے اور ان میں یعنی تمام مخلوق کے درمیان حق یعنی عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا، سو مومنین جنت میں اور کافر دوزخ میں داخل ہوں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ ساری خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے دو فریقوں (یعنی اہل جنت و دوزخ) کا استقرار، ملائکہ کی حمد پر ختم ہوا۔ (واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم)۔

حَقِیْقِیَّتِیْ تَرْکِیْبِیْ تَسْهِیْلِیْ تَفْسِیْرِیْ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَنْفٍ وَاَوْعَاطِهِ سِيقَ فَعْلٍ مَاضٍ مَجْهُولٍ اَلَّذِیْنَ مَوْصُولٌ كَفَرُوا اَصْلَهُ، مَوْصُولٌ صِلَہ سے مل کر سِيقَ کا نائب فاعل اِلٰی جَهَنَّمَ سِيقَ سے متعلق ہے، زُمْرًا حال۔ زُمْرٌ زُمْرَةٌ کی جمع ہے بمعنی جماعت۔

قَوْلُهُ: بِعَنْفٍ اس کا اضافہ لیجانے میں شدت اور سختی کو بیان کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ جہنمیوں کے یہی مناسب حال ہے۔

قَوْلُهُ: وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ بِلُطْفٍ لَّطْفِ کا اضافہ احترام اور اکرام کو بیان کرنے کے لئے ہے۔

سُؤَالٌ: جہنمیوں اور دوزخیوں، دونوں کے لئے سِيقَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جہنمیوں کے لئے معنی بیان کئے ”شدت اور سختی سے ہانک کر لیجانا“، اور جنتیوں کے لئے معنی بیان کئے ”عزت و احترام کے ساتھ لیجانا“، لفظ ایک صیغہ ایک مادہ ایک پھر دونوں جگہ معنی میں فرق کی کیا وجہ ہے۔

جَوَابٌ: جہنمیوں کے لئے سِيقَ کے لفظ کا استعمال صحیح اور معقول ہے، اس لئے کہ جب ان کے لئے عقاب و عذاب کا فیصلہ کر دیا گیا تو ان کی حیثیت ایسے مجرم کی ہو گئی کہ جس کو قید کا حکم دیا جا چکا ہو، ظاہر ہے ایسے باغی اور مجرم کو سختی اور تیزی کے ساتھ لے جایا جاتا ہے تاکہ جلدی سے جلدی اس کو جیل خانہ میں داخل کر دیا جائے، البتہ ان لوگوں کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن کیلئے جنت کا فیصلہ کر دیا گیا ہو، ان کو تیزی سے لے جانے کی کیا ضرورت، ان کو بہت عزت و احترام کے

ساتھ لیجانا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور وہ مراکب ہے، اب عبارت یہ ہوگی سَيُنْقِىَ مَرَاكِبُ الَّذِينَ اتَّقَوْا یعنی اہل جنت کی سواریوں کو تیزی سے چلایا جائے گا تا کہ وہ اپنی آرام گاہ میں جلدی سے جلدی پہنچیں، اور لفظ کو محذوف ماننے کا قرینہ یہ ہے کہ جنتیوں کو پیدل نہیں لیجایا جائے گا، بلکہ قبروں سے نکلتے ہی سواریاں مہیا کی جائیں گی۔ (حمل)

مَا أَجْمَلَ قَوْلَ الزَّمْخَشَرِيِّ فِي هَذَا الصَّدَدِ قَالَ: فَإِنْ قُلْتَ كَيْفَ عَبَّرَ عَنِ الذَّهَابِ بِالْفَرِيقَيْنِ جَمِيعًا بِلَفْظِ السُّوقِ؟ قُلْتُ: الْمُرَادُ بِسُوقِ أَهْلِ النَّارِ، طَرْدُهُمُ إِلَيْهَا بِالْهَوَانِ وَالْعَنْفِ كَمَا يُفْعَلُ بِالْأَسَارِيِّ وَالْخَارِجِينَ عَلَى السُّلْطَانِ إِذَا سَيَقُوا إِلَى حَبْسٍ أَوْ قَتْلِ وَالْمُرَادُ بِسُوقِ أَهْلِ الْجَنَّةِ: سُوقُ مَرَاكِبِهِمْ لِأَنَّهُ لَا يُذْهَبُ بِهِمْ إِلَّا رَاكِبِينَ وَحَثُّهَا إِلَى دَارِ الْكِرَامَةِ وَالرِّضْوَانِ كَمَا يُفْعَلُ بِمَنْ يَشْرَفُ وَيَكْرَمُ مِنَ الْوَافِدِينَ عَلَى بَعْضِ الْمُلُوكِ فَشَتَّانِ بَيْنَ السُّوقَيْنِ (اعراب القرآن للدرویش).

حَتَّى إِذَا جَاءَ وَهَّا فَتَحَتْ أَبْوَابُهَا.

قَوْلُهُ: حَتَّى ابْتَدَأَ، إِذَا جَاءَ وَهَّا شَرْطُ فَتَحَتْ أَبْوَابُهَا بِالِاتِّفَاقِ جَزَاءً.

قَوْلُهُ: حَتَّى إِذَا جَاءَ وَهَّا وَفَتَحَتْ أَبْوَابُهَا.

سُؤَالٌ: یہاں وفتحت ابوابها میں واؤ لایا گیا ہے اس سے ما قبل میں واؤ نہیں لایا گیا، اس میں کیا نکتہ ہے؟

جَوَابٌ: اس میں نکتہ یہ ہے کہ جیل خانوں کے دروازے عام طور پر بند رہتے ہیں جب کوئی مجرم لایا جاتا ہے تو اس وقت کچھ دیر کے لئے کھولے جاتے ہیں پھر فوراً ہی بند کر دیئے جاتے ہیں، اس میں آنے والوں کی توہین ہے، لہذا اس کے لئے عدم واؤ مناسب ہے، بخلاف مہمان خانوں اور تفریح گاہوں کے دروازوں کے کہ ان کے دروازے آنے والوں کے انتظار میں کھلے رہتے ہیں، نیز اس میں آنے والوں کا اعزاز بھی ہے لہذا اس کے مناسب واؤ ہے۔

یہاں اِذَا کے جواب میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں ① وَفَتَحَتْ جواب شرط ہے، واؤ زائدہ ہے یہ کوہین اور انخفش کی آئے ہے ② جواب محذوف ہے زخشری نے کہا ہے کہ خَالِدِينَ کے بعد محذوف مانا جائے اس لئے کہ متعلقات شرط کے بعد معطوف علیہ کو لایا جاتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اِطْمَانُوا اور مبرد نے سَعِدُوا مقدر مانا ہے اور محلی نے دَخَلُوا مقدر مانا ہے ③ بعض حضرات نے کہا ہے کہ جواب وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا ہے واؤ کی زیادتی کے ساتھ۔

قَوْلُهُ: مُقَدَّرِينَ الْخُلُودَ فِيهَا اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب دینا ہے کہ خَالِدِينَ، فَاَدْخَلُوا کی نمبر سے حال ہے، اور حال و ذوالحال کا زمانہ ایک ہوا کرتا ہے، حالانکہ یہاں دونوں کا زمانہ ایک نہیں ہے اس لئے کہ دخول کے بعد خلود ہو گا نہ کہ ساتھ ساتھ، اس کا جواب یہ دیا کہ ان کے لئے خلود مقدر کر دیا گیا ہے، یعنی وہ جنت میں داخل ہوں گے حال یہ کہ ان کے لئے خلود مقدر کر دیا گیا ہے۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِيحٌ

زُمر، زُمر سے مشتق ہے (ن) زُمرًا کے معنی آواز کرنا، اور گروہ و جماعت میں چونکہ آواز اور شور ضرور ہوتا ہے، اس لئے زُمرۃ کا لفظ گروہ و جماعت کے لئے بھی استعمال ہونے لگا، مطلب یہ ہے کہ کافروں کو گروہوں اور جماعتوں کی شکل میں جہنم کی طرف لیجایا جائے گا، ایک گروہ کے پیچھے دوسرا گروہ ہوگا، علاوہ ازیں انہیں مار دھکیل کر جانوروں کے ریوڑ کی مانند بنکایا جائے گا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعَا لِعَنَىٰ انہیں جہنم کی جانب تخی کے ساتھ دھکیلا جائے گا۔

وسيق الذين اتقوا ربهم الى الجنة زُمرًا (الآیۃ) اِس ایمان و تقویٰ بھی گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جائے جائیں گے پہلے مقربین پھر ابرار اسی طرح درجہ بدرجہ ہر گروہ، ہم مرتبہ لوگوں پر انبیاء کا گروہ الگ ہوگا صدیقین کا الگ شہداء کا الگ علیٰ هذا القیاس۔ (ابن کثیر)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْمُؤْمِنِينَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ مِائَتَانِ اِتِّسَعَتْ رُكُوعًا

سُورَةُ غَافِرٍ مَكِّيَّةٌ اِلَّا "الَّذِينَ يُجَادِلُونَ" الْاَيَّتَيْنِ،

خَمْسٌ وَثَمَانُونَ آيَةً.

سورہ غافر مکی ہے، مگر الَّذِينَ يُجَادِلُونَ دو آیتیں، پچاسی (۸۵) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ حَمْ ۝ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ الْقُرْآنُ مُبْتَدَأُ مِنْ اللَّهِ
خَبْرُهُ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْعَلِيمُ ۝ بِخَلْقِهِ غَافِرُ الذَّنْبِ لِلْمُؤْمِنِينَ وَقَابِلُ التَّوْبِ لَهُمْ مُضَدَّرٌ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝
لِلْكَافِرِينَ اِى مُشَدَّدَةٌ ذِي الطَّوْلِ اِى الْاِنْعَامِ الْوَاسِعِ وَهُوَ مُوصُوفٌ عَلَى الدَّوَامِ بِكُلِّ مِنْ بِنْدَةِ الصِّفَاتِ
فِإِضَافَةِ الْمُشْتَقِّ مِنْهَا لِلتَّعْرِيفِ كَالْآخِرَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ الْمَرْجِعُ مَا يُجَادِلُ فِي آيَةِ اللَّهِ
الْقُرْآنِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ فَلَا يَغْرُرُكَ تَقْلُبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ لِلْمَعَاشِ سَالِمِينَ فَإِنَّ عَاقِبَتَهُمُ النَّارُ
كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمَ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ كَعَادٍ وَثَمُودَ وَغَيْرَهُمَا مِنْ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرُسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ
يَقْتُلُوهُ وَجَادِلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتَهُمْ ۝ بِالْعِقَابِ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ لَهُمْ اِى بِوَوَاقِعِ
مُؤَقَّعَةٍ وَكَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اِى لَا تَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ الْآيَةِ ۝ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۝ بَدَلٌ مِنْ كَلِمَةِ
الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ مُبْتَدَأٌ وَمَنْ حَوْلَهُ غُطَّتْ عَلَيْهِ يَسْبَحُونَ خَبْرُهُ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ مُلَاسِسِينَ لِلْحَمْدِ اِى
يُسَبِّحُونَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ تَعَالَى بِصَائِرِهِمْ اِى يُتَعَدَّقُونَ بِوَحْدَانِيَّتِهِ تَعَالَى
وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَسْأَلُونَ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا اِى وَسِعَ رَحْمَتُكَ كُلَّ شَيْءٍ وَعِلْمُكَ
كُلَّ شَيْءٍ فَاعْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا مِنْ الشِّرْكِ وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ دِينَ الْإِسْلَامِ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ النَّارُ
رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ اِقَامَةٍ ۝ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ ۝ غُطَّتْ عَلَيْهِمْ اِى بِهَمِّهِمْ فِي وَأَدْخَلْهُمْ اَوْفَى وَعَدَّتْهُمْ
مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ ۝ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ۸ ۝ فِي صُنْعِهِ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ اِى عَذَابَهَا
وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَقَدْ رَجِمَتْهُ ۝ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

وَقِيلَ لَنُفْلِتَنَّ
لَنُفْلِتَنَّ

۱۹۹

تَرْجُمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، حَمْدُ اللہ کی اس سے کیا مراد ہے؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ کتاب قرآن اس اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہے جو اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی مخلوق سے واقف ہے تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مبتداء ہے، مِنَ اللہ خبر، مومنوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ان کی توبہ کو قبول کرنے والا التوب مصدر ہے، کافروں پر سخت عذاب والا ہے شَدِيدٌ بمعنی مُشَدَّدٌ ہے، بڑے وسیع انعام والا ہے، وہ ان صفات کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے، لہذا ان صفات (ثلاثہ) مشتقات کی اضافت تعریف کے لئے ہوگی، جیسا کہ آخری صفت (ذی الطول) میں (ہے) جس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف لوٹنا ہے، اللہ تعالیٰ کی آیتوں، قرآن میں وہی جھگڑتے ہیں جو اہل مکہ میں سے کافر ہیں، لہذا ان کا شہروں میں امن کے ساتھ طلب معاش کے لئے چلنا پھرنا (سفر کرنا) تجھ کو دھوکے میں نہ ڈال دے، اس لئے کہ ان کا انجام جہنم ہے، ان سے پہلے قوم نوح نے جھٹلایا، اور ان کے بعد دوسری جماعتوں نے، مثلاً عاد و ثمود وغیرہ نے جھٹلایا، اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کر لینے (قتل) کا ارادہ کیا، اور باطل کے ذریعہ کج بحثیاں کیں تاکہ اس بیہودہ طریقہ سے حق کو باطل کر دیں، تو میں نے ان کو گرفتار عذاب کر لیا، تو میری گرفت ان کے حق میں کیسی رہی؟ یعنی وہ بر محل واقع ہوئی، اور اسی طرح آپ کے رب کا حکم کافروں کے بارے میں ثابت ہو گیا (اور وہ حکم) لَا مَلَأَتْ جَهَنَّمَ ہے، کہ وہ دوزخی ہیں (أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ) کَلِمَةُ سے بدل ہے، عرش کے اٹھانے والے فرشتے، اور وہ فرشتے جو عرش کے گرد اگر حلقہ بنائے ہوئے ہیں، حمد کے ساتھ ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں یعنی سبحان اللہ و بجمہ کہتے ہیں (الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ) مبتداء ہے (يُسَبِّحُونَ) اس کی خبر ہے، اور اللہ تعالیٰ پر پوری بصیرت کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کرتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہوئے کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے ہر چیز کا اپنی رحمت اور علم سے احاطہ کر رکھا ہے، یعنی تیری رحمت اور تیرا علم ہر شئی کو حاوی ہے تو جن لوگوں نے شرک سے توبہ کی اور تیرے راستہ (یعنی) دین اسلام پر چلے ان کو معاف کر دے اور نار جہنم سے بچالے، اے ہمارے پروردگار تو ان کو ہمیشگی کی جنت میں داخل فرما، جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ داداؤں کو اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں مَنْ صَلَحَ کا عطف ہُمْ پر ہے جو وَأَدْخِلْهُمْ میں ہے یا اس ہُمْ پر ہے جو وَعَذِّتْهُمْ میں ہے، بلاشبہ تو اپنی صنعت میں غالب با حکمت ہے اور تو ان کو برائیوں یعنی ان کے عذاب سے محفوظ رکھ اور جس کو تو نے قیامت کے دن برائیوں (کے عذاب) سے بچالیا، بے شک تو نے اس پر رحمت کر دی اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

تَحْقِيقُ حَرْكِي تَسْبِيحِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: وَقَابِلِ التَّوْبِ.

سُئِلَ: غَافِرُ الذَّنْبِ أَوْ قَابِلِ التَّوْبِ دُونِ كَامِفْهُومِ اِيكْ هِي تَوْپَر قَابِلِ التَّوْبِ كَوْذَر كَرْنِي سِي كِيَا فَاكْدِي هِي؟

جواب: وقابل التوب میں واؤ لا کر اشارہ کر دیا کہ دونوں میں مغارت ہے اس لئے کہ محو ذنوب بغیر توبہ کے ممکن ہے اور بعض ذنوب میں قبول توبہ ممکن ہے اور بعض میں نہیں، لہذا ان کے درمیان کوئی تلازم نہیں ہے، اسی مغارت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے واؤ کا اضافہ فرمایا، تاکہ واؤ مغارت پر دلالت کرے۔

قَوْلٌ: مَصْدَرٌ لفظ مصدر کے اضافہ کا مقصد ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ توب، توبۃ کی جمع ہے مفسر علام نے لفظ مصدر کا اضافہ کر کے بتا دیا کہ توب بھی مصدر ہے۔

قَوْلٌ: مُشَدَّدٌ۔

سوال: شدید کی تفسیر مُشَدَّدٌ سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: شدید العقاب، اضافت الصفة المشبهة الى الفاعل کے قبیل سے ہے، جو کہ اضافت لفظیہ کہلاتی ہے، یہ بالاتفاق تعریف کا فائدہ نہیں دیتی اگرچہ اس سے استمرار و دوام کا ارادہ کیا جائے، لہذا اس کو لفظ جلالہ یعنی (لفظ) اللہ کی صفت بنانا درست نہیں ہے اس لئے کہ لفظ اللہ اعراف المعارف ہے، علامہ محلی نے شدید کی تفسیر مُشَدَّدٌ سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ شدید، مُشَدَّدٌ اسم فاعل کے معنی میں ہے، اور اسم فاعل سے اگر استمرار و دوام مراد ہو تو تعریف کا فائدہ دیتا ہے، لہذا شدید العقاب کا لفظ اللہ کی صفت واقع ہونا درست ہے، جیسا کہ اذین بمعنی مُؤَدِّئٌ ہے۔

قَوْلٌ: الطَّوْلُ بمعنی فضل، يقال لفلان علی فلان طَوْلٌ ای فَضْلٌ و زیادة طول کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اجر و انعام مراد ہوتا ہے، اسی لئے مفسر علام نے طول کی تفسیر الانعام الواسع سے کی ہے۔

قَوْلٌ: وهو موصوف علی الدوام اس عبارت کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے جس کی طرف سابق میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

سوال: سوال کا ما حاصل یہ ہے کہ اس جملہ میں لفظ اللہ کی چار صفات واقع ہوئی ہیں ① غافر ② قابل ③ شدید ④ ذی الطول، ان میں پہلی تین میں اضافت لفظیہ ہے جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، لہذا ان تینوں صفات کا لفظ اللہ کی صفت واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اضافت لفظیہ اس وقت تعریف کا فائدہ نہیں دیتی جبکہ اس سے دوام و استمرار کا ارادہ نہ کیا جائے، اور اگر دوام و استمرار مراد ہو تو اضافت لفظیہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے، مفسر علام نے اس عبارت سے اشارہ کر دیا کہ یہاں استمرار و دوام مراد ہے جو کہ مفید تعریف ہے لہذا ان تینوں کا لفظ اللہ کی صفت بننا درست ہے، جیسا کہ مالک یوم الدین میں درست ہے۔

جواب: بعض حضرات نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ یہ تینوں مشتقات لفظ اللہ سے بدل ہیں اور بدل میں تعریف میں مطابقت ضروری نہیں ہے۔

قَوْلٌ: فَلَا يَغْرُرُكَ فاجواب شرط پر واقع ہے، اور شرط محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے إِذَا عَلِمْتَ أَنَّهُمْ كَفَارٌ فَلَا يَغْرُرُكَ إِمَّهَالُهُمْ فَإِنَّهُمْ مَا خُوذُونَ عَنْ قَرِيبٍ.

قَوْلٌ: لِيَذْ حِضُوا إِذْ حَاضٍ سے جمع مذکر غائب منصوب بمعنی مصدر باطل کرنا، زائل کرنا (ف) دَحَضَ يَذْحِضُ دَحَضًا، دُحُوضًا، مَذْحِضًا پھسلنا، باطل ہونا۔ (لغات القرآن)

قَوْلٌ: فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ یہ دراصل عِقَابِی تھا، مصحف امام کے رسم الخط کی اتباع میں ی کو حذف کر دیا گیا، کیف اسم استفہام کان کی خبر مقدم ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور عِقَاب، کان کا اسم مرفوع ہے، علامت رفع ماقبل (ی) متکلم محذوف پر ضمہ مقدرہ ہے۔

قَوْلٌ: بَدَلٌ مِنَ الْكَلِمَةِ اگر لفظ کلمہ سے خاص أَنَّهُمْ اصحاب النار مراد ہے، تو یہ بدل الكل من الكل ہوگا، اور اگر کلمۃ سے لَأَمَلْنَنَّا جَهَنَّمَ مراد ہو جیسا کہ علامہ محلی نے مراد لیا ہے تو یہ بدل الاشتمال ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں کلمہ اصحاب النار کو بھی مشتمل ہوگا۔

قَوْلٌ: فَاغْفِرْ فافصحیہ ہے اِغْفِرْ صیغہ امر ہے۔

قَوْلٌ: وَقِهِمْ وَأَوْعَاطِفَ اس کا عطف فَاغْفِرْ پر ہے قِهِمْ، قِ فعل امر حذف حرف علت پر مبنی ہے ہا مفعول بہ اول اور عذاب الجحیم مفعول ثانی ہے۔

قَوْلٌ: اِیْ عَذَابِہَا اس عبارت سے اشارہ کر دیا کہ السَّيِّئَاتِ کا مضاف محذوف ہے۔

تَفْسِیْرٌ وَتَشْرِیْحٌ

سورۃ مؤمن (غافر) کی خصوصیات اور فضائل:

یہاں سے سورۃ احقاف تک سات سورتیں حمّ سے شروع ہوتی ہیں، ان کو ”حوامیم“ کہا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ حوامیم دیباچ قرآن ہیں، دیباچ ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں، مراد زینت ہے، اور مسعر بن کدام فرماتے ہیں کہ ان کو عرائس کہا جاتا ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک مغز اور خلاصہ ہوتا ہے قرآن کا مغز اور خلاصہ حوامیم ہیں۔ (بحوالہ معارف)

ہر بلا سے حفاظت کا نسخہ:

مسند بزار میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شروع دن میں آیت الکرسی اور سورۃ مؤمن کی پہلی تین آیتیں حمّ سے اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ تک پڑھنے والا اس دن ہر برائی اور تکلیف سے

محفوظ رہے گا، اس کو ترمذی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے بھی روایت کیا ہے، اس میں ایک راوی متکلم فیہ ہے۔ (ابن کثیر، معارف)

دشمن سے حفاظت:

ابوداؤد و ترمذی میں صحیح سند کے ساتھ حضرت مہلب بن ابی صفرہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ایسے شخص نے روایت کی جس نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ کسی جہاد کے موقع پر رات میں حفاظت کے لئے فرما رہے تھے کہ اگر تم پہ شب خون مارا جائے تو حَمَّ لَا یَنْصُرُون پڑھ لینا۔ (معارف ملخصاً)

ایک عجیب واقعہ:

ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ان آیات سے متعلق ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے، حضرت ثابت بنانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ میں حضرت مصعب بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے ساتھ کوفہ کے ایک علاقہ میں تھا میں اس خیال سے کہ دو رکعت پڑھ لوں ایک باغ میں چلا گیا، میں نے نماز سے پہلے سورہ حم کی ابتدائی آیتیں اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ تک پڑھیں، اچانک دیکھا کہ ایک شخص میرے پیچھے ایک سفید خنجر پر سوار ہے، جس کے بدن پر یمنی کپڑے ہیں، اس شخص نے مجھ سے کہا کہ جب تم غافر الذنب کہو تو اس کے ساتھ یہ دعاء کرو، یا غافر الذنب اغفر لی ذنبی اور جب تم قابل التوب پڑھو تو یہ دعاء پڑھو، یا قابل التوب اقبل توبتی اور جب تم شدید العقاب پڑھو تو یہ دعاء کرو یا شدید العقاب لا تُعاقِبْنِی اور جب ذی الطول پڑھو تو یہ دعاء کرو یا ذی الطول طُل عَلَیْ بِخیر۔

ثابت بنانی کہتے ہیں کہ اس سے یہ نصیحت سننے کے بعد جو ادھر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا، میں اس کی تلاش میں باغ کے دروازے پر آیا، لوگوں سے معلوم کیا، کہ کیا ایک ایسا شخص یمنی لباس میں یہاں سے گزرا ہے؟ سب نے کہا ہم نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا، ثابت بنانی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ الیاس عَلَیْہِ السَّلَام تھے۔ (ابن کثیر، معارف)

آیات کی تفسیر:

حَمَّ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ اللہ کا نام ہے، مگر ائمہ متقدمین کے نزدیک یہ حروف مقطعات میں سے ہے، جن کی حقیقی مراد اللہ ہی کو معلوم ہے یا اللہ اور اس کے رسول کے درمیان ایک راز ہیں۔

غافر الذنب، قابل التوب، غافر الذنب کے معنی ہیں گناہ پر پردہ ڈالنے والا، اور قابل التوب کے معنی ہیں توبہ کا قبول کرنے والا، یہ دو لفظ الگ الگ لائے گئے ہیں، اگرچہ دونوں کا مفہوم بظاہر تقریباً ایک ہی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں دونوں کے مفہوم میں فرق ہے، غافر الذنب میں اس طرف اشارہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات پر بھی قدرت ہے کہ کسی بندے کا گناہ بغیر توبہ کے بھی معاف کر دے، توبہ کرنے والوں کو معافی دینا یہ دوسرا وصف ہے۔ (مظہری)

جدال فی القرآن کی ممانعت کا صحیح مطلب:

مَا يُجَادِلُ فِي آيَةِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا اس آیت میں جدال فی القرآن کو کفر قرار دیا گیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِنَّ جَدَالًا فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ یعنی بعض جدال قرآن میں کفر ہیں۔ (رواہ البغوی والبیہقی فی الشعب)

یہ جدال جس کو قرآن و حدیث میں کفر کہا گیا ہے اس سے مراد قرآنی آیات میں طعن کرنا اور فضول قسم کے شبہات نکال کر اس میں جھگڑنا، یا کسی آیت کے ایسے معنی بیان کرنا جو دوسری آیات قرآن اور نصوص سنت کے خلاف ہوں جو تحریف قرآن کے درجہ میں ہے ورنہ جس جدال (بحث و مباحثہ) کا مقصد ایضاح حق اور ابطال باطل اور منکرین و معترضین کے شبہات کا ازالہ ہو وہ مذموم نہیں ہے بلکہ محمود و مستحسن ہے۔ (بیضاوی، قرطبی، مظہری ملخصاً)

فَلَا يَغْرُزُكَ تَقْلُبُهُمْ فِي الْبِلَادِ مشرکین قریش موسم سرما میں یمن کا اور موسم گرما میں ملک شام کا تجارتی سفر کرتے تھے اور حرم بیت اللہ کی خدمت کی وجہ سے ان کا سارے عرب میں احترام تھا اس لئے یہ لوگ اپنے سفروں میں محفوظ و مامون رہتے تھے، اور خوب تجارتی نفع کما تے تھے، اور اسی وجہ سے ان کی مالداری اور سرداری قائم تھی، ظہور اسلام کے ابتدائی دور میں بھی ان کی یہی صورت حال تھی، جس کی وجہ سے یہ حضرات اس بے جا پنداری میں مبتلا تھے کہ اگر اللہ کے نزدیک ہم مجرم ہوتے جیسا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں تو ہماری یہ نعمتیں سلب ہو جائیں، اس سے بعض مسلمانوں کو بھی کچھ شبہات پیدا ہونے کا امکان تھا، اس لئے اس آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مصلحت سے ان کو چند روزہ مہلت دے رکھی ہے، اس سے آپ یا مسلمان کسی دھوکے میں نہ پڑیں، چند روزہ مہلت کے بعد ان پر عذاب آنے ہی والا ہے اور ان کی یہ ریاست و سرداری فنا ہونے والی ہے، جس کی ابتداء غزوہ بدر سے ہو گئی اور فتح مکہ تک چھ سال کی قلیل مدت میں اس کا مکمل ظہور ہو گیا۔

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ اس آیت میں فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت اور ان کے کام کا تذکرہ ہے، یہ ان فرشتوں کی جماعت ہے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور وہ جو عرش کے ارد گرد ہیں، ان کا ایک کام یہ ہے کہ یہ اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اس کے سامنے عجز و تذلل کا اظہار کرتے ہیں، دوسرا کام یہ کہ اہل ایمان کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں، اَخْرَجَ ابوالشیخ عن وهب حملة العرش اربعة الخ ابوالشیخ نے وہب سے بیان کیا کہ حاملین عرش چار فرشتے ہیں قیامت کے دن ان کی تعداد آٹھ ہو جائے گی۔ (روح المعانی، ابن کثیر) حاملین عرش اور مقرب فرشتے مومنین کے لئے یہ دعاء بھی کرتے ہیں وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ یعنی ان کے آباؤ اجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جن میں مغفرت کی صلاحیت ہو یعنی جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو، ان کو بھی انہیں لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل فرما، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو شرط نجات ہے، اگر مذکورہ اہل جنت کے آباؤ اجداد کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو اگرچہ عمل میں اس درجہ کے نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ ان متعلقین کو بھی محض اپنے فضل و کرم سے جنت میں انہیں کے ساتھ کر دیں گے اور ان کو ایک درجہ میں کرنے کی یہ شکل ہوگی کہ ان میں سے جوان جنتیوں سے نیچے درجہ میں ہوں گے ان کو

ترقی دیکر اوپر کے درجہ میں پہنچا دیا جائے گا نہ یہ کہ اوپر کے درجہ والوں کی تنزیل کر کے نیچے کے درجہ میں لا کر یکجا کیا جائیگا، اسی کو ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے الْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔

حضرت سعید بن مسیب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ مومن جب جنت میں جائے گا تو اپنے باپ بیٹے، بھائی وغیرہ کو پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں اس کو بتلایا جائے گا کہ انہوں نے تمہارے جیسا عمل نہیں کیا اس لئے وہ یہاں نہیں پہنچ سکے، یہ کہے گا کہ میں نے جو عمل کیا تھا وہ صرف اپنے لئے نہیں کیا تھا بلکہ اپنے اور ان کے لئے کیا تھا تو حکم ہوگا کہ ان کو بھی جنت میں داخل کر دو۔

(ابن کثیر، معارف)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ مَنْ قَبْلَ الْمَلٰٓئِكَةِ بِهِمْ يَمْقُتُونَ أَنْفُسَهُمْ عِنْدَ دُخُولِهِمُ النَّارَ لَمَقَّتْ اَللّٰهُ اَيَّاكُمْ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ فِى الدُّنْيَا اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُونَ ۝۱۰ قَالُوْا رَبَّنَا اَمْتَنَّا اِثْنَتَيْنِ اِمَّا تَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اِثْنَتَيْنِ اِخْيَا تَيْنِ لَّا نَهُمُ كَانُوْا نَطْفَا اَمْوَاتًا فَاُحْيَاوْا ثُمَّ اُمِيتُوْا ثُمَّ اُحْيَاوْا لِلْبَعْثِ فَاَعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا بِكُفْرِنَا بِالْبَعْثِ فَهَلْ اِلَى خُرُوْجٍ مِّنَ النَّارِ وَالرُّجُوْعِ اِلَى الدُّنْيَا لِنَطِيعَ رَبَّنَا مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۱۱ طَرِيقٌ وَجَوَابُهُمْ لَا ذَلِكُمْ اِى الْعَذَابِ الَّذِى اَنْتُمْ فِيْهِ بِاَنَّهُ اِى سَبَبٍ اَنَّهُ فِى الدُّنْيَا اِذَا دَعٰى اللّٰهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ بِتَوْحِيْدِهِ وَاِنْ يُشْرِكْ بِهِ يُجْعَلْ لِّهِ شَرِيْكٌ تُوْمِنُوْا تُصَدِّقُوْا بِالْاِشْرَاكِ فَالْحُكْمُ فِى تَعْدِيْبِكُمْ لِلّٰهِ الْعَلِىِّ عَلَى خَلْقِهِ الْكَبِيْرِ ۝۱۲ الْعَظِيْمُ هُوَ الَّذِى يُرِيْكُمُ اٰيٰتِهِ دَلٰٓئِلَ تَوْحِيْدِهِ وَيُنْزِلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا بِالْمَطَرِ وَمَا يَتَذَكَّرُ يَتَعٰظُ اِلَّا مِّنْ يُّنِيبُ ۝۱۳ يَرْجِعُ عَنِ الشِّرْكِ فَاَدْعُوْا اللّٰهَ اَعْبُدُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ مَنِ الشِّرْكِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝۱۴ اِخْلَاصُكُمْ مِنْهُ رَفِيعُ الدَّرَجٰتِ اِى اللّٰهُ عَظِيْمُ الصِّفٰتِ اَوْ رَافِعُ دَرَجٰتِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الْجَنَّةِ ذُو الْعَرْشِ خَالِقُهُ يُلْقِى الرُّوْحَ الْوَحٰى مِنْ اَمْرٍ اِى قَوْلِهِ عَلَى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَخَوْفَ الْمُتَّقِيْنَ عَلَيْهِ النَّاسَ يَوْمَ التَّلٰاقِ ۝۱۵ بِحَذْفِ الْيَاءِ وَاِثْبَاتِهَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِتَلٰقَى اِهْلَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَالْعَابِدِ وَالْمُعْبُوْدِ وَالظَّالِمِ وَالْمَظْلُوْمِ فِيْهِ يَوْمُهُمْ بِرُزْوَنَةٍ خَارِجُوْنَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۝۱۶ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ يَقُوْلُهُ تَعَالٰى وَيُجِيبُ نَفْسُهُ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝۱۷ اِى لِحَلْقِهِ الْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۱۸ يُحَاسِبُ جَمِيْعَ الْخَلْقِ فِى قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِّنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا لِحَدِيْثِ بِذَلِكَ وَاَنْذَرَهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِّنْ اَزَفِ الرَّحِيْلِ قُرْبَ اِذَا الْقُلُوْبُ تَرْتَفِعُ خَوْفًا لَّدٰى عِنْدَ الْحٰجِجِ رَظِيْمِيْنَ ۝۱۹ مُتَمَلِّئِيْنَ غَمًّا حَالًا مِّنَ الْقُلُوْبِ غُوِيْلَتِ بِالْجَمْعِ بِالْيَاءِ وَالنُّونِ مُعَامَلَةً اَصْحَابِهَا مَالِ الظَّالِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ مُّجِبٍ ۝۲۰ لَا شَفِيْعَ يُطَاعُ ۝۲۱ لَا مَفْهُومَ لِلْوَصْفِ اِذْ لَا شَفِيْعَ لَهُمْ اَصْلًا فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ اَوَّلَهُ مَفْهُومٌ بِنَاءً عَلَى زَعْمِهِمْ اَنْ لَهُمْ شَفْعَاءَ اِى لَوْ شَفَعُوْا فَرَضًا لَمْ يُقْبَلُوْا يَعْلَمُ اِى اللّٰهُ

خَائِنَةَ الْآخِرِينَ بِمُسَارَقَتِهَا النَّظَرَ إِلَى مُحَرَّمٍ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝ الْقُلُوبُ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ
وَالَّذِينَ يَدْعُونَ يَدْعُونَ إِلَى كُفْرٍ مَكَّةَ بِالْيَأْيِ وَالنَّاءِ مِنْ دُونِهِ وَبِهِمُ الْأَصْنَامُ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ فَكَيْفَ
يَكُونُونَ شُرَكَاءَ لِلَّهِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ بِأَفْعَالِهِمْ

ترجمہ: کافروں سے فرشتوں کی جانب سے پکار کر کہہ دیا جائے گا اور وہ جہنم میں داخل ہوتے وقت خود اپنے اوپر
غصہ ہوں گے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی تمہارے اوپر غضبناکی کہیں زیادہ تھی تمہارے اپنے اوپر غصہ ہونے سے جس وقت کہ تم کو دنیا
میں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا مگر تم نہیں مانتے تھے تو وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو مرتبہ موت دی اور دو
مرتبہ زندہ کیا اس لئے کہ وہ بے جان نطفے تھے بعد ازاں ان کو زندہ کیا گیا، پھر ان کو موت دی گئی پھر ان کو بعثت کے لئے زندہ کیا
گیا سو ہم اپنے گناہوں (یعنی) انکار بالبعثت کا اقرار کرتے ہیں تو کیا تار و زخ سے نکلنے اور دنیا کی طرف واپس جانے کی کوئی
صورت ہے تاکہ ہم اپنے پروردگار کی اطاعت کریں، ان کو جواب دیا جائے گا، نہیں، یہ یعنی وہ عذاب جس میں تم مبتلا ہو اس
سبب سے ہے کہ دنیا میں جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا تھا تو تم اس کی توحید کا انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا
جاتا تھا یعنی اس کا شریک ٹھہرایا جاتا تھا تو اس کو مان لیتے تھے (یعنی) شرک کرنے کی تصدیق کرتے تھے پس اب تم کو عذاب
دینے کے بارے میں فیصلہ اس اللہ کا ہے جو اپنی مخلوق پر برتر اور عظیم ہے، وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں یعنی اپنی توحید کے دلائل
دکھلاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے بارش کے ذریعہ روزی اتارتا ہے، نصیحت تو وہی حاصل کرتا ہے جو شرک سے رجوع کرتا
ہے تم اللہ کو پکارتے رہو (یعنی) اس کی بندگی کرتے رہو دین کو اس کے لئے شرک سے خالص کر کے گو کافر تمہارے (دین کو)
شرک سے خالص کرنے کو ناپسند کریں (تم اس کی پرواہ نہ کرو) اس لئے کہ وہ یعنی اللہ رفیع الدرجات ہے عظیم الصفات ہے،
اور جنت میں مومنین کے درجات کو بلند کرنے والا ہے، عرش کا مالک یعنی اس کا خالق ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جس پر
چاہتا ہے اپنے کلام سے وحی نازل کرتا ہے، تاکہ وہ یعنی (صاحب وحی) جس پر وحی نازل کی جاتی ہے لوگوں کو ملاقات کے دن
سے ڈرائے (تلاق) میں (ی) کے حذف و اثبات کے ساتھ ہے (اور وہ) قیامت کا دن ہے، اس میں زمین اور آسمان والوں
اور عابد و معبود اور ظالم و مظلوم کے ملنے کی وجہ سے جس دن سب لوگ ظاہر ہوں گے یعنی اپنی قبروں سے نکلیں گے ان کی کوئی چیز
اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج کس کی بادشاہت ہے؟ اور خود ہی جواب دے گا فقط اللہ ہی کی جو یکتا ہے اور
اپنی مخلوق پر غالب ہے آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا آج (کسی قسم کا) ظلم نہیں اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا
ہے تمام مخلوق کا دنیا کے دنوں میں سے نصف دن کی مقدار میں حساب کر دے گا، حدیث میں اسی طرح وارد ہونے کی وجہ سے اور
ان کو قریب آنے والے دن (کی مصیبت) یعنی قیامت کے دن سے آگاہ کیجئے یہ اَزِفَ الرَّحِيلُ بمعنی قَرُبَ سے
ماخوذ ہے جبکہ دل خوف کی وجہ سے اچھل کر حلق تک پہنچ رہے ہوں گے (یعنی کلیجے منہ کو آرہے ہوں گے) گھٹ گھٹ

رہے ہوں گے، غم میں ڈوبے ہوئے ہوں گے (کاظمین) قلوب سے حال ہے (کاظمین) میں یا اور نون کے ساتھ جمع لا کر صاحب قلوب کا سا معاملہ کیا گیا (یعنی قلوب سے اصحاب القلوب مراد ہیں) ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے وصف (یعنی یطاع) کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے اس لئے کہ سرے سے ان کا کوئی شفیع ہی نہ ہوگا (نہ مطاع اور نہ غیر مطاع) ان کے قول فما لنا من شافعين کے بقول (ہمارا کوئی سفارشی نہیں) یا وصف (یطاع) کا مفہوم مخالف ہے، ان کے گمان کے مطابق کہ ان کے سفارشی ہیں، یعنی بالفرض اگر سفارش کریں تو ان کی سفارش قبول نہ کی جائے، وہ یعنی اللہ آنکھوں کی خیانت یعنی حرام چیزوں کی طرف دزدیدہ نگاہی کو اور دلوں کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے گا، اس کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں (بندگی کرتے ہیں) اور وہ بت ہیں (تَدْعُونَ) میں یا اور تاکہ ساتھ، وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے تو پھر وہ اللہ کے کس طرح شریک ہو سکتے ہیں، بلاشبہ اللہ ان کے اقوال کا خوب سننے والا اور ان کے افعال کا دیکھنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب تہذیب و تفسیری فوائد

- قَوْلٌ: يُنَادُونَ جمع مذکر حاضر مضارع مجہول مصدر مُنَادَاةٌ (مفاعلة) ان کو پکارا جائے گا۔
- قَوْلٌ: يَمُقْتُونَ أَنْفُسَهُمْ اِی يَبْغُضُونَ أَنْفُسَهُمْ (ن) مَقْتًا کسی کو جرم کے ارتکاب کی وجہ سے ناپسند کرنا، دشمن سمجھنا۔
- قَوْلٌ: تَدْعُونَ مضارع جمع مذکر حاضر مجہول (مصدر) دعاء۔
- قَوْلٌ: اَمْتَنَّا تونے ہم کو موت دی، مصدر اِمَاتَةٌ موت دینا، ماضی واحد مذکر حاضر ناظمیر جمع متکلم۔
- قَوْلٌ: اَمْتَنَّا اِثْنَتَيْنِ، اَحْيَيْتَنَّا اِثْنَتَيْنِ دونوں جگہ اِثْنَتَيْنِ مصدر محذوف کی صفت ہے، اِی اَمْتَنَّا اِمَاتَتَيْنِ اِثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَّا اِحْيَاءَ تَيْنِ دونوں جگہ مصدر محذوف کر کے صفت کو ان کے قائم مقام کر دیا گیا ہے، مفسر علام نے اِمَاتَتَيْنِ اور اِحْيَاءَتَيْنِ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ دونوں مصدر محذوف ہیں اور اِثْنَتَيْنِ صفت۔
- قَوْلٌ: ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ، ذَلِكُمْ اسم اشارہ مبتداء، مثلاً الیہ، عذاب، بِأَنَّهُ مبتداء کی خبر۔
- قَوْلٌ: اِی اللّٰہ عظیم الصفات اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رفیع صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور مبتداء محذوف کی خبر ہے اِی هُوَ مُنَزَّهٌ فِی صِفَاتِهِ عَنْ كُلِّ نَقْصٍ۔
- قَوْلٌ: اَوْ رَافِعٌ، فَعِلٌ مبالغہ کا صیغہ بمعنی فاعل ہے۔
- قَوْلٌ: مِنْ اَمْرِہ جار مجرور یُلْقٰی کے متعلق ہے مِنْ ابتداء غایت کے لئے ہے۔
- قَوْلٌ: یُخَوِّفُ الْمُلْقٰی عَلَیْہِ النَّاسَ، الْمُلْقٰی عَلَیْہِ، یُخَوِّفُ کا فاعل ہے، النَّاسَ مفعول ہے، اور مُلْقٰی عَلَیْہِ سے مراد، رسول یا نبی ہے۔

قَوْلًا: تَلَّاقَ ایک دوسرے سے ملاقات کرنا، باہم جمع ہونا، یہ اصل میں تَلَّاقِی تھا، جو باب تفاعل کا مصدر ہے، آخر سے (ی) حرف علت حذف ہوگئی اس میں اثبات (ی) اور اسقاط (ی) دونوں جائز ہیں۔

قَوْلًا: لَتَلَّاقِی اهل السماء والارض الخ یہ قیامت کے دن کا یوم التلاق نام رکھنے کی علت کا بیان ہے۔
قَوْلًا: یومَ ہم بارزون، یومَ التلاق سے بدل الکل ہے، یوم جملہ اسمیہ کی طرف مضاف ہے، ہم مبتداء، بارزون خبر اول لا یخفی خبر ثانی لا یخفی، بارزون کی ضمیر سے حال بھی ہو سکتا ہے، زخشری نے حال کو راجع قرار دیا ہے۔

قَوْلًا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ یہ روز قیامت واقع ہونے والے سوال و جواب کی حکایت ہے یعنی اللہ قیامت کے روز لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْم کہہ کر سوال فرمائیں گے اور خود ہی لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ کہہ کر جواب دیں گے لِمَنِ خبر مقدم ہے، اور الْمُلْكُ مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلًا: لِلّٰهِ مبتداء محذوف کی خبر ہے اِی الْمُلْكُ لِلّٰهِ زخشری نے کہا ہے، قیامت کے دن ایک منادی ندا دے گا، لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْم؟ تو اہل محشر جواب دیں گے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

قَوْلًا: الْیَوْمَ تُجْزٰی، الْیَوْمَ تجزی کا ظرف مقدم ہے اور کُلُّ نَفْسٍ تجزی کا نائب فاعل ہے۔
قَوْلًا: الْاَزْفَةُ یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، یہ اَزَفَ الرَّحِیل سے مشتق ہے اِی قَرُبَ، قیامت چونکہ دن بدن قریب ہو رہی ہے، اسی وجہ سے اس کو اَزْفَةُ کہا گیا ہے۔

قَوْلًا: الْحَنَاجِرُ یہ حَنْجَرُ کی جمع ہے بمعنی گلا (مختار میں ہے) الْحَنْجَرَةُ بِالْفَتْحِ وَالْحَنْجُورُ بِالضَمِّ الْحُلُقُومُ وَبِالْفَارَسِیَةِ كَلُّو۔

قَوْلًا: كَاطِمِینَ یہ كَاطِمٌ کی جمع مذکر سالم ہے، یہ القلوب سے حال ہے قاعدہ کے مطابق كَاطِمَةٌ ہونا چاہئے، اس لئے کہ قلوب غیر ذوی العقول ہیں، مگر كَاطِمِینَ جو کہ ذوی العقول کی صفت ہے، اس کی نسبت قلوب کی طرف کی گئی ہے جو کہ غیر ذوی العقول ہیں تو گویا کہ غیر ذوی العقول کے ساتھ ذوی العقول کا معاملہ کیا گیا اسی مناسبت سے كَاطِمَةٌ کے بجائے كَاطِمِینَ لائے ہیں، كَظْمٌ کے معنی ہیں نہایت غم و غصہ کی حالت میں دم بخود رہ جانا، ایسی صورت میں بولا جاتا ہے، خون کے گھونٹ پینا جس کو فارسی میں خشم فرو خوردن کہتے ہیں۔

قَوْلًا: یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَغْنِیٰ یہ سابق میں مذکور ہو اَلَّذِیْ یُرِیْكُمْ الْخ میں ہو مبتداء کی خبر ثانی ہے اَلَّذِیْ یُرِیْكُمْ خبر اول ہے (دوسری ترکیب یہ ہو سکتی ہے) کہ یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَغْنِیٰ، ہو، مبتداء محذوف کی چوتھی خبر ہے، ① پہلی رفیع الدرجات ② دوسری ذو العرش ③ تیسری یُلْقِیْ الرُّوح ④ چوتھی یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَغْنِیٰ۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

اِنَّ الدِّیْنَ كَفَرُوْا یُنَادُوْنَ یہ کافروں کے دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کی حالت کا بیان ہے، کفار و مشرکین جب دوزخ میں داخل ہونے کے بعد دنیا میں اپنے کفر و شرک اختیار کرنے پر حسرت و افسوس کا اظہار کریں گے اور ان کو خود اپنی ذات سے نفرت ہوگی، یہاں تک کہ مارے غصے کے اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھا جائیں گے جیسا کہ درمنثور میں حضرت حسن سے روایت ہے، تو اس وقت کافروں سے کہا جائے گا کہ جیسی تم کو اس وقت اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو تم سے نفرت تھی جبکہ تم کو ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم نہیں مانا کرتے تھے، اللہ کی اس ناراضگی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج تم جہنم میں ہو۔

دو موت اور دو زندگیوں سے کیا مراد ہے؟

جمہور مفسرین کی تفسیر کے مطابق دو موتوں میں سے پہلی موت تو وہ نطفہ ہے جو باپ کی پشت میں ہوتا ہے، یعنی اس کے وجود سے پہلے اس کے عدم کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے، اور دوسری موت وہ ہے، جس سے انسان اپنی زندگی گزار کر ہمکنار ہوتا ہے، اور اس کے بعد قبر میں دفن ہو جاتا ہے، اور دو زندگیوں میں سے پہلی زندگی یہ دنیوی زندگی ہے جس کا آغاز ولادت سے اور اختتام وفات پر ہوتا ہے، اور دوسری زندگی وہ ہے جو روز قیامت قبروں سے اٹھنے کے بعد حاصل ہوگی، ان ہی دونوں موتوں اور زندگیوں کا تذکرہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۸ میں بھی کیا گیا ہے وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ۔

جہنم میں داخل ہونے کے بعد مشرکین اپنے شرک و کفر کے جرم کا اعتراف و اقرار کریں گے جبکہ اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اور اظہارِ ندامت و پشیمانی کریں گے جبکہ پشیمانی کچھ کام نہ آئے گی۔

رَفِیْعُ الدَّرَجَاتِ ”درجات“ سے بعض حضرات نے صفات مراد لی ہیں یعنی رفیع الدرجات کا مطلب ہے رفیع الصفات یعنی اس کی صفات کمال سب سے زیادہ رفیع الشان ہیں، ابن کثیر نے اس کو اپنے ظاہر پر رکھ کر یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اس سے مراد رفعت عرش عظیم کا بیان ہے کہ وہ تمام زمینوں اور آسمانوں پر حاوی ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے رفیع الدرجات کو رافع الدرجات کے معنی میں لیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مومنین متقین کے درجات کو بلند فرمانے والے ہیں، جیسا کہ قرآن کی آیات اس پر شاہد ہیں نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَّشَاءُ مذکورہ دونوں معنی کی طرف مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنی تفسیری عبارت سے اشارہ کر دیا ہے۔

یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهِ روح سے مراد وحی ہے، جس کو اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب کر کے اس پر نازل کرتا ہے، وحی کو روح سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ جس طرح روح میں انسانی زندگی کی بقاء و سلامتی کا راز مضمر ہے، اسی طرح وحی سے بھی ان

انسانی قلوب میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے جو پہلے کفر و شرک کی وجہ سے مردہ تھے۔

يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ (الآية) قیامت کے دن تمام انسان اس کے سامنے میدانِ حشر میں جمع ہوں گے، اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، اور کہے گا میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

(صحیح بخاری سورہ زمر)

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَفِي قِرَاءَةِ
مِنْكُمْ وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ مِنْ مَصَانِعَ وَقُصُورَ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ أَهْلَكَهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ①
عَذَابُهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ بِالْمُعْجَزَاتِ الظَّاهِرَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ
إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ② وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُبِينٍ ③ بُرْهَانٍ بَيْنِ ظَاهِرٍ إِلَى فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ
وَقَارُونَ فَقَالُوا سِحْرٌ كَذَّابٌ ④ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ⑤ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى لَا أَنُفِئَهُمْ
كَأَنُفِئُونَهُ عَنْ قَتْلِهِ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ لِيَمْنَعَهُ مِنِّي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ مِنْ عِبَادَتِكُمْ إِنِّي فَتَتَّبِعُونَهُ
أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ⑥ مِنْ قَتْلِ وَغَيْرِهِ وَفِي قِرَاءَةِ أَوْ فِي أُخْرَى بَفَتْحِ الْيَاءِ وَالْهَاءِ وَضَمِّ الدَّالِ
وَقَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ وَقَدْ سَمِعَ ذَلِكَ إِنِّي عُدْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ⑦

ع ۸

ترجمہ: کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں؟ کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا کیسا کچھ انجام ہوا وہ باعتبار قوت و طاقت کے اور باعتبار زمین میں اپنی یادگاروں کے، ان سے بہت بڑھے ہوئے تھے اور وہ یادگاریں پانی کے بڑے بڑے حوض اور محلات تھے، اور ایک قراءت میں مِنْهُمْ کی بجائے مِنْكُمْ ہے، پس اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا (ہلاک کر دیا) اور کوئی نہ ہوا جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا لیتا، یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلے معجزے لیکر آتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے سو اللہ نے ان کو گرفت میں لے لیا، یقیناً وہ طاقتور اور سخت عذاب والا ہے اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیتوں اور واضح دلیلوں کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا (یہ تو) جادوگر (اور) جھوٹا ہے، پس جب (موسیٰ علیہ السلام) ہماری طرف سے حق لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ ان پر جو ایمان لانے والے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کر دو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو اور کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی، اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دوں، اس لئے کہ وہ اس کو موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے منع کرتے تھے اور اسے چاہئے کہ اپنے رب کو بلا لے تاکہ وہ اس کو مجھ سے بچا سکے، مجھے تو اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یعنی تمہارے

میری عبادت کرنے کو، کہ تم اسی کی اتباع کرنے لگو، اور ملک میں کوئی (بہت بڑا) فساد برپا نہ کر دے (مثلاً) قتل وغیرہ ایک قراءت میں (واؤ کے بجائے) اَوْ ہے، اور دوسری میں يُظْهِرُ کی بجائے يَظْهَرُ (ی اور ہا) کے فتح اور (دال) کے ضمہ کے ساتھ ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا حال یہ کہ موسیٰ اس بات کو یعنی اپنے قتل کی بات کو سن چکے تھے، میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں ہر تکبر کرنے والے شخص (کی بڑائی) سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ، كَيْفَ، كَانَ کی خبر مقدم ہے، عَاقِبَةُ، كَانَ کا اسم جملہ ہو کر ينظر کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ، كَانُوا فعل ناقص اس کے اندر ضمیر اس کا اسم أَشَدَّ خبر هُمْ ضمیر فصل قُوَّةً تمیز معطوف علیہ اثاراً معطوف۔

سُؤَالٌ: ضمیر فصل دو معرفوں کے درمیان واقع ہوتی ہے نہ کہ دو نکروں یا ایک معرفہ اور ایک نکرہ کے درمیان، یہاں هُمْ معرفہ اور أَشَدَّ نکرہ کے درمیان واقع ہے۔

جَوَابٌ: نکرہ اگر مشابہ بالمعرفہ ہو تو ضمیر فصل کا نکرہ اور معرفہ کے درمیان میں واقع ہونا درست ہوتا ہے، یہاں أَشَدَّ جو کہ نکرہ ہے مشابہ بالمعرفہ ہے، اس لئے کہ اس پر الف لام کا داخل ہونا منع ہے، اس لئے کہ اسم تفضیل جب مقرون بمن ہو تو اس پر الف لام داخل نہیں ہوا کرتا، اور یہ مشابہ بالمعرفہ ہونے کی علامت ہے، لہذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُهُ: مَصْنَعٌ يَهْمُ مَصْنَعٌ، مَصْنَعٌ متعدد معانی میں مستعمل ہے، بڑا حوض جس میں بارش کا پانی جمع ہو، نیز قلعے اور محلات کو بھی کہتے ہیں مفسر علام نے اشاراً کی تفسیر مَصْنَعٌ اور قصور سے کی ہے، قصور قصر کی جمع ہے محلات کو کہتے ہیں، مَصْنَعٌ سے قلعے اور بڑے تالاب یعنی ڈیم مراد ہو سکتے ہیں۔

قَوْلُهُ: عَذَابُهُ اس سے حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے مِنَ اللَّهِ اِیْ مِنَ عَذَابِ اللَّهِ۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

رابط آیات:

گذشتہ آیات میں آخرت کے احوال اور اس کی ہولناکیوں کا بیان تھا، اب دنیا کے احوال سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے، کہ یہ لوگ ذرا زمین میں چل پھر کر ان قوموں کا انجام دیکھیں جو ان سے پہلے اس جرم تکذیب میں ہلاک ہو چکی ہیں، جس کا ارتکاب

یہ کر رہے ہیں، درانحالیکہ گذشتہ قویں قوت و آثار میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں، لیکن جب ان پر اللہ کا قہر نازل ہوا تو ان کو کوئی نہ بچا سکا، اسی طرح تم پر بھی عذاب آسکتا ہے، اگر آگیا تو پھر تمہارا کوئی پشت پناہ نہ ہوگا۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ (الآية) یہ ان کی ہلاکت کی علت کا بیان ہے، اور وہ ہے اللہ کی آیتوں کا انکار اور اس کے رسولوں کی تکذیب، اب سلسلہ نبوت و رسالت تو بند ہے، تاہم آفاق و انفس میں بے شمار آیات الہی بکھری اور پھیلی ہوئی ہیں، علاوہ ازیں وعظ و تذکیر اور دعوت و تبلیغ کے ذریعہ علماء اور داعیان حق ان کی وضاحت اور نشاندہی کے لئے موجود ہیں، اس لئے آج بھی جو آیات الہی سے اعراض اور دین و شریعت سے غفلت کرے گا، اس کا انجام مکذبین اور متکبرین رسالت سے مختلف نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا (الآية) آیات سے مراد وہ نو نشانیاں بھی ہو سکتی ہیں جن کا تذکرہ متعدد بار آچکا ہے، یا ان میں سے دو بڑے معجزے عصا اور ید بیضاء مراد ہو سکتے ہیں، سلطان مبین سے مراد قوی دلیل اور حجت واضحہ ہیں، جس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ ہو۔ بجز ڈھٹائی اور بے شرمی کے۔

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فرعون مصر میں قبطیوں کا بادشاہ تھا بڑا ظالم و جابر، اور رب اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا، اس نے حضرت موسیٰ کی قوم کو غلام بنا رکھا تھا، اور ان پر قسم قسم کی سختیاں کرتا تھا، جیسا کہ قرآن میں متعدد مقامات پر اس کی تفصیل موجود ہے، ہامان فرعون کا وزیر و مشیر خاص تھا، اور قارون اپنے وقت کا مالدار ترین شخص تھا، ان سب نے حضرت موسیٰ عليه السلام کی تکذیب کی اور انہیں جادوگر اور کذاب کہا۔

قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ (الآية) فرعون لڑکوں کے قتل کا کام پہلے سے بھی کر رہا تھا تا کہ وہ بچہ پیدا نہ ہو جو نجومیوں کی پیش گوئی کے مطابق اس کی بادشاہت کے لئے خطرے کا باعث تھا، موسیٰ کی بعثت اور ان کے معجزات دیکھنے کے بعد دوبارہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اس کا ایک مقصد موسیٰ عليه السلام کی تذلیل و توہین تھی نیز یہ کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ عليه السلام کے وجود کو اپنے لئے نحوست و مصیبت سمجھیں، جیسا کہ بنی اسرائیل نے ایک موقع پر کہا بھی تھا اَوْ ذِیْنَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا (اعراف) اے موسیٰ! عليه السلام تیرے آنے سے قبل بھی ہم اذیتوں سے دوچار تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے۔

قال قتادة: هذا قتل غیر القتل الاول قتل کا یہ دوسرا حکم اول حکم کے علاوہ ہے۔

(فتح القدیر شوکانی، ایسر التفاسیر، نائب، معارف)

وقال فرعون ذرونی اَقْتُلْ موسیٰ فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو تا کہ موسیٰ عليه السلام کو قتل کر دوں، فرعون نے یہ بات یا تو اس وجہ سے کہی کہ اہل دربار میں سے کچھ لوگوں نے موسیٰ عليه السلام کے قتل کو مصلحت ملکی کے خلاف سمجھا ہو، کہ عام چرچا ہو جائے گا، کہ ایک بے سروسامان شخص سے ڈر گئے، یا لوگوں کو یہ تاثر اور مغالطہ دینا تھا کہ اب تک موسیٰ کو صرف اس لئے قتل نہیں کیا کہ درباریوں کی رائے نہیں تھی ورنہ موسیٰ کو قتل سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، حالانکہ حضرت موسیٰ عليه السلام کے معجزات باہرہ

دیکھنے کے بعد خود فرعون کا حوصلہ نہیں تھا، کہ ان کو قتل کر دے، مبادا کسی آسمانی عذاب میں مبتلا ہو جائے، اس لئے کہ فرعون کو دل میں موسیٰ علیہ السلام کے سپا رسول ہونے کا یقین تھا، مگر لوگوں کو بے وقوف بنانے اور اپنی ریاست باقی رکھنے کے لئے ایسی حرکتیں کرتا تھا، اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرانے کے دو مقصد تھے، اول یہ کہ بنی اسرائیل کی عددی قوت میں اضافہ نہ ہو، دوسرے یہ کہ اس کی عزت میں کمی نہ ہو، فرعون کو یہ دونوں مقصد حاصل نہیں ہوئے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم ہی کو غرق دریا کر دیا، اور بنی اسرائیل کو بابرکت زمین کا مالک بنا دیا۔

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي (الآیۃ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں جب یہ بات آئی کہ فرعون مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے شر سے بچنے کے لئے دعاء مانگی، نبی کریم ﷺ کو جب کسی دشمن کا خطرہ ہوتا تھا تو یہ دعاء مانگا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نَحْوِ رَهِمٍ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ رَهِمٍ (مسند احمد) اے اللہ ہم تجھ کو ان کے مقابلہ میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ قِيلَ لَهُ اِنَّكَ كَاذِبٌ سَافِرٌ اِذْ يَقُولُ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ بِالْمُعْجَزَاتِ الظَّاهِرَاتِ مِنْ تَرِكُمْ وَاِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ اِذْ يَضُرُّ كَذِبُهُ وَاِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبُكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ بِهِ مِنَ الْعَذَابِ عَاجِلًا اِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّشْرِكٌ كَذَابٌ ۝۱۰ مُّفْتَرٍ يَقَوْمَ لَكُمْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ ظَهْرَيْنِ غَالِبَيْنِ حَالٌ فِي الْاَرْضِ اَرْضٌ مُّضَرٌّ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَاسِ اللَّهِ عَذَابِهِ اِنْ قَتَلْتُمْ اَوْلِيَاءَهُ اِنْ جَاءَنَا اِذْ لَا نَاصِرَ لَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَا اُرِيكُمْ اِلَّا مَا اَرَى اِذْ مَا اُشِيرُ عَلَيْكُمْ اِلَّا بِمَا اُشِيرُ بِهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَهُوَ قَتْلُ مُوسٰى وَمَا اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝۱۱ طَرِيقَ الصَّوَابِ وَقَالَ الَّذِيْ اٰمَنَ يَقَوْمِ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝۱۲ اِذْ يَوْمِ جَزْبٍ بَعْدَ جَزْبٍ مِّثْلَ دَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِيْنَ مِثْلَ دَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّثْلَ بَدَلٍ مِنْ مِّثْلٍ قَبْلَهُ اِذْ يَمِثِلُ جَزَاءُ عَادَةٍ مَنْ كَفَرَ قَبْلَكُمْ مِنْ تَعْدِيْبِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝۱۳ وَيَقَوْمِ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝۱۴ بِحَذَفِ الْيَاءِ وَاثْبَاتِهَا اِذْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْثُرُ فِيْهِ نِدَاءُ اَصْحَابِ الْجَنَّةِ اَصْحَابِ النَّارِ وَبِالْعَكْسِ وَالنِّدَاءُ بِالسَّعَادَةِ لَا يَهْلِيْهَا وَالشَّقَاوَةُ لَا يَهْلِيْهَا وَغَيْرُ ذَلِكَ يَوْمَ تُؤْتَوْنَ مُدْبِرِيْنَ عَنْ مَوْقِفِ الْحِسَابِ اِلَى النَّارِ مَا لَكُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابٍ مِنْ عَاصِمٍ مَّانِعٍ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝۱۵ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ اِذْ يَقُولُ مُوسٰى وَهُوَ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ فِيْ قَوْلِ عِمْرَ اِلَى زَمَانَ مُوسٰى اَوْ يُوسُفُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ يُوسُفَ بْنِ يَعْقُوبَ فِيْ قَوْلِ بِالْبَيِّنَاتِ بِالْمُعْجَزَاتِ الظَّاهِرَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتّٰى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ مَنْ غَيْرِ بُرْهَانَ لَّنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُوْلًا اِذْ فُلَنُ تَزَالُوْا كَافِرِيْنَ بِيُوسُفَ وَغَيْرِهِ كَذَلِكَ اِذْ يَمِثِلُ اِضْلَالِكُمْ

يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُسْرِتٌ ۖ شَاكٌّ فِيمَا شَهِدَتْ بِهِ الْبَيِّنَاتُ ۚ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ مُعْجَزَاتِهِ مُبْتَدَأُ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ بُرْهَانٍ أَتَهُمْ كِبَرُ جِدَالِهِمْ خَيْرُ الْمُبْتَدَأِ ۖ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ أَى مِثْلٍ إِضْلَالِهِمْ يَطْبَعُ يَخْتِمُ اللَّهُ بِالضَّلَالِ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۖ بَتْنَوِينَ قُلُوبَ وَدُونَهُ وَمَتَّى تَكَبَّرَ الْقَلْبُ تَكَبَّرَ صَاحِبُهُ وَبِالْعَكْسِ وَكُلٌّ عَلَى الْقِرَاءِ تَيْنِ لِعُمُومِ الضَّلَالِ جَمِيعِ الْقُلُوبِ لَا لِعُمُومِ الْقُلُوبِ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَهَامُنُ ابْنُ لِي صَرَحًا بِنَاءً عَالِيًا لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۖ أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ طُرُقَهَا الْمُوصِلَةَ إِلَيْهَا فَأَظْلَعُ بِالرَّفْعِ عَظْفًا عَلَى أَبْلُغُ وَبِالنَّصْبِ جَوَابًا لِابْنِ إِلَى إِلَهٍ مُوسَى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ أَى مُوسَى كَاذِبًا ۖ فِى أَنَّهُ لَهَا غَيْرِي وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَلِكَ تَمْوِيهَا وَكَذَلِكَ زَيْنَ فِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ وَصَدَّ عَنِ السَّبِيلِ طَرِيقِ الْهُدَى بَفَتْحِ الصَّادِ وَضَمِّهَا وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ۖ خَسَارٌ ۖ

ترجمہ: اور ایک مومن شخص نے جو فرعون کے خاندان میں سے تھا کہا گیا ہے کہ وہ اس کا چچا زاد بھائی تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کہا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمہارے رب کی جانب سے دلیلیں یعنی کھلے ہوئے معجزے لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کے جھوٹ کا (وبال) اسی پر ہے، اور اگر وہ سچا ہو تو جس دنیوی عذاب کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ تم پر آپڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کی رہبری نہیں کرتے جو (شرک کر کے) حد سے تجاوز کرنے والا ہو، جھوٹا ہو، اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے کہ تم ملک مصر پر غالب ہو، خدا کے عذاب میں ہماری کون مدد کرے گا اگر ان کے قتل کی وجہ سے ہمارے اوپر آپڑا یعنی ہمارا کوئی مددگار نہ ہوگا، فرعون نے کہا میں تو تم کو وہی رائے دے رہا ہوں جس کو میں (بہتر) سمجھ رہا ہوں، یعنی میں تم کو وہی مشورہ دے رہا ہوں جو میرے دل میں ہے اور وہ یہ کہ موسیٰ کو قتل کرنا ہی مناسب ہے میں تم کو وہی رائے دے رہا ہوں جو صحیح ہے، اس شخص نے کہا جو مومن تھا، اے میری قوم کے لوگو! مجھے تو تمہارے بارے میں دوسری قوموں کے جیسے روز (بد) کا اندیشہ ہے یعنی یکے بعد دیگرے قوموں کے دنوں کا جیسا کہ قوم نوح اور عاد و ثمود اور ان کے بعد والوں کا (حال ہوا) بعد کا مثل، پہلے، مثل سے بدل ہے، یعنی دنیا میں ان لوگوں جیسی عذاب کی سزا جنہوں نے تم سے پہلے کفر کیا، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا اور اے میری قوم (کے لوگو!) مجھے تم پر ہانک پکار کے دن کا بھی ڈر ہے (تناد) میں یا کے حذف و اثبات کے ساتھ، مراد قیامت کا دن ہے، اس لئے کہ اس روز جنتیوں کی دوزخیوں کو اور دوزخیوں کی جنتیوں کو کثرت سے ہانک پکار ہوگی، اور سعادت مندوں کو سعادت کی اور شقیوں کو شقاوت وغیرہ کی (ہانک پکار بکثرت ہوگی) جس دن (موقف حساب سے) دوزخ کی طرف تم پیٹھ پھیر کر لوٹو گے، تم کو خدا کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا، اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی نہیں اور اس سے پہلے تمہارے پاس (حضرت) یوسف (علیہ السلام) دلیلیں کھلے معجزے لے کر آئے یعنی موسیٰ (علیہ السلام) سے پہلے اور وہ ایک قول میں یوسف بن یعقوب ہیں،

ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک طویل عمر عطا کی گئی، یا ایک قول میں یوسف بن ابراہیم بن یوسف بن یعقوب ہیں پھر بھی تم ان کی لائی ہوئی دلیلوں کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو بغیر دلیل کے کہنے لگے اب اس کے بعد ہر گز اللہ کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا، یعنی ہمیشہ یوسف علیہ السلام اور دیگر (رسولوں) کے منکر رہے، اسی طرح یعنی جیسا کہ تم کو گمراہ کیا، اللہ ہر اس شخص کو گمراہ کرتا ہے جو شرک کر کے حد سے تجاوز کرنے والا ہے اور اس بات میں شک کرنے والا ہو جس کی دلائل شہادت دیتے ہیں جو لوگ اللہ کی آیتوں معجزات میں بغیر کسی دلیل کے کہ جو ان کے پاس آئی جھگڑتے ہیں (الذین) مبتداء ہے، کُبُرَ جَدِ اللہم اس کی خبر ہے، اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ تو بہت بڑی ناراضگی کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر مغرور سرکش کے قلب پر گمراہی کی مہر لگا دیتا ہے، قلب، تنوین اور بغیر تنوین کے درست ہے اور جب قلب تکبر کرتا ہے تو صاحب قلب بھی تکبر کرتا ہے اور اس کا عکس بھی اور کُحُلَ دونوں قراءتوں کی صورت میں، پورے قلب کی گمراہی کو بیان کرنے کے لئے ہے نہ کہ تمام قلوب کی گمراہی کے عموم کو بیان کرنے کے لئے فرعون نے کہا اے ہامان تو میرے لئے ایک بلند عمارت بنا شاید کہ میں راہوں پر پہنچ جاؤں یعنی آسمان کی راہوں پر جو آسمانوں تک پہنچانے والی ہوں، اور موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھ لوں اَطْلُعُ کے رفع کے ساتھ اَبْلُغُ پر عطف کر کے، اور نصب کے ساتھ، ابن امر کا جواب ہونے کی وجہ سے اور میں تو موسیٰ کو اس بات میں یقیناً جھوٹا سمجھتا ہوں کہ اس کا میرے علاوہ کوئی معبود ہے، یہ بات فرعون نے تلبیس کے طور پر کہی (یعنی لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے) اور اسی طرح فرعون کی بد اعمالیاں اس کو بھلی دکھائی گئیں، اور اس کو راہ ہدایت سے روک دیا گیا صُدَّ میں صاد کے فتح اور ضمہ کے ساتھ اور فرعون کا ہر حیلہ ناکام ہی رہا۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلُهُ: قَالَ رَجُلٌ مَوْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهُ (الآية) یہ کلام مستأنف ہے، اگر رجل سے آل فرعون کا رجل قطبی مراد ہو جیسا کہ مفسر کی رائے ہے تو رَجُلٌ موصوف مومن صفت اول مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ صفت ثانی اور يَكْتُمُ اِيْمَانَهُ صفت ثالث ہوگی، موصوف اپنی تینوں صفات سے مل کر قَالَ کا فاعل ہو کر قول اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا الْخِ مَقُولُهُ اَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ جملہ ہو کر اَتَقْتُلُوْنَ کا مفعول لہ ہے، اور اگر رجل مومن سے مراد اسرائیلی ہو جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے تو مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ، يَكْتُمُ سے متعلق ہوگا اور يَكْتُمُ کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہوگا، ترجمہ یہ ہوگا وہ رجل مومن اپنے ایمان کو آل فرعون سے مخفی رکھے ہوئے تھا، (اول قول رائج ہے)۔

قَوْلُهُ: رَبِّيَ اللّٰهُ، رَبِّيَ مبتداء اللہ اس کی خبر او علی العکس۔

قَوْلُهُ: وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَاَوْحَالِيْهِ قَدْ حرف تحقیق الخ جملہ ہو کر رَجُلًا سے یا يقول کی ضمیر سے حال ہے، مگر رَجُلًا سے حال قرار دینے میں اعتراض ہے۔ (روح المعانی)

قَوْلًا: يَكُ، کون مصدر سے واحد مذکر غائب مضارع مجزوم، علامت جزم نون محذوفہ پر سکون مقدر اصل میں یسکن تھا، نون کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا، يَكُ کے اندر ہو ضمیر اس کا اسم کا ذہباً اس کی خبر۔

قَوْلًا: اِنَّ السَّيِّئَةَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ اس کلام کا تعلق حضرت موسیٰ عليه السلام سے بھی ہو سکتا ہے اور فرعون علیہ اللعنة سے بھی، اگر موسیٰ عليه السلام سے تعلق ہو تو مطلب یہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ عليه السلام کو معجزات ظاہر کرنے کی توفیق و ہدایت عطا فرمائی اور جس کا یہ حال ہو تو وہ مسرف و کذاب نہیں ہو سکتا، لہذا موسیٰ عليه السلام کو مسرف و کذاب نہیں ہیں، ورنہ تو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت معجزات و بینات نہ دیتے، اور اگر اس کا تعلق فرعون سے ہو تو مطلب یہ ہوگا فرعون موسیٰ عليه السلام کے قتل کے ارادہ میں مسرف ہے اور دعوائے الوہیۃ میں کذاب ہے اور جس کی یہ صفت ہو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نصیب نہیں کرتے۔ (صاوی)

قَوْلًا: ظَاهِرِينَ يَهْدِي لَكُمْ کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلًا: مَا أُشِيرُ عَلَيْكُمْ إِلَّا بِمَا أُشِيرُ بِهِ عَلَى نَفْسِي یہ اللہ تعالیٰ کے قول مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَى کی حاصل معنی کے ذریعہ تفسیر ہے، ورنہ تو الفاظ کی رعایت سے یہ تفسیر ہوگی مَا أَعْلَمُكُمْ إِلَّا مَا عَلِمْتُ مِنَ الصَّوَابِ۔

قَوْلًا: يَوْمَ حِزْبٍ بَعْدَ حِزْبٍ یہ یوم الاحزاب کی تفسیر ہے اس کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یوم الاحزاب سے مراد ایام الاحزاب ہے، اس لئے کہ گذشتہ امتوں پر عذاب ایک ہی روز واقع نہیں ہوا بلکہ مختلف ایام و مختلف زمان میں نازل ہوا۔

قَوْلًا: مِثْلَ جَزَاءِ عَادَةٍ مِّنْ كَفَرٍ قَبْلَكُمْ لفظ جزاء محذوف مان کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلًا: عَادَةٍ، دَابٌّ کی تفسیر ہے اور مِّنْ كَفَرٍ سے مراد امم سابقہ ہیں جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔

قَوْلًا: وَغَيْرَ ذَلِكَ ای مثل نداء بالويل والثبور ونداء المؤمن هاؤم اقرءوا وَاكِتَابِيَّةٌ وَيُنَادِي الكافر يَا لَيْتَنِي لَمْ أَوْتَ كِتَابِيَّةً۔

قَوْلًا: يَوْمَ تُؤْلَوْنَ مَذْهِبِينَ مَالَكُمْ مِنَ اللَّهِ يَوْمَ التَّنَادِ سے بدل ہے۔

قَوْلًا: مَالَكُمْ مِنَ اللَّهِ عاصم مانا فیہ حجاز یہ ہے لَكُمْ خبر مقدم، مِنَ اللَّهِ جار مجرور عاصم سے متعلق ہے من عاصم میں من زائدہ عاصم، مَا کا اسم مؤخر، جملہ ہو کر تُؤْلَوْنَ کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلًا: الَّذِينَ يُجَادِلُونَ یہ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ سے بدل ہے۔

سُؤَالٌ: الَّذِينَ يُجَادِلُونَ جمع ہے اور مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ واحد ہے، جمع کا واحد سے بدل واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ سے مسرف واحد مراد نہیں ہے، بلکہ کل واحد یعنی ہر مسرف مراد ہے لہذا جمع کا بدل واقع ہونا درست ہے۔

كَيْسِيَّةٌ جَوَابٌ: مَنْ سے باعتبار معنی کے بدل ہے نہ کہ باعتبار لفظ کے۔

سُئِلَ: كَبُرَ كَا فاعِل کون ہے؟

جواب: كَبُرَ کے اندر ضمیر ھُو جو کہ باعتبار لفظ کے مَنْ ھُو مسرف کی طرف راجع ہے۔

قَوْلًا: الَّذِينَ يُجَادِلُونَ الْخَالِدِينَ حذف مضاف کے ساتھ مبتداء، اور كَبُرَ اس کی خبر اس کے اندر ضمیر جو مضاف محذوف کی طرف راجع ہے، جو یجادلون سے مفہوم ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، جِدَالُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ كَبُرَ مَقْتًا، مَقْتًا تیز ہے، جو فاعل سے منقول ہے، اِی كَبُرَ مَقْتُ جِدَالِهِمْ۔

قَوْلًا: وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا اِی و كَبُرَ مَقْتًا اِیضًا عِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا۔

قَوْلًا: عَلٰی كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ قلب میں دو قراءتیں ہیں قَلْبٍ پر تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین کے ابو عمرو اور ذکوان نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے، اور تکبر و تجبر کو قلب کی صفت قرار دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور سرکش قلب پر مہر کر دیتا ہے اور باقیوں نے بغیر تنوین کے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی ہر متکبر اور سرکش کے قلب پر مہر لگا دیتا ہے، یعنی تکبر و تجبر کو صاحب قلب کی صفت قرار دیا ہے۔

قَوْلًا: مَتٰی تَكَبَّرَ الْقَلْبُ تَكَبَّرَ صَاحِبُهُ وبالعکس اس عبارت کے اضافہ کا مقصد دونوں قراءتوں میں تطبیق دینا ہے، تطبیق کا خلاصہ یہ ہے کہ تکبر و سرکشی کی نسبت خواہ قلب کی طرف کیجائے یا صاحب قلب کی جانب دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے اس لئے کہ قلب کا تکبر صاحب قلب کے لئے اور صاحب قلب کا تکبر قلب کے لئے لازم ہے،

قَوْلًا: وَكُلٌّ عَلَى الْقَرَاءَتَيْنِ لِعُمُومِ الضَّلَالِ جَمِيعِ الْقُلُوبِ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ میں كُلٌّ سے مراد کل مجموعی ہے، نہ کہ کل افرادی، قلب کو تنوین کے ساتھ پڑھا جائے یا بغیر تنوین کے دونوں صورتوں میں كُلٌّ مجموعی مراد ہے، کل مجموعی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متکبر اور سرکش کے پورے قلب پر مہر لگا دیتا ہے، قلب کا کوئی جز بغیر مہر لگائے نہیں چھوڑتا، یعنی قلب کے کسی جز میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی، اور كُلِّ اِفرادی کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہر قلب پر مہر لگا دیتا ہے کسی قلب کو بغیر مہر لگائے نہیں چھوڑتا، یعنی تمام متکبرین و سرکشوں کے قلوب پر مہر ضلالت ثبت کر دیتا ہے۔

مگر مفسر علام کا دونوں صورتوں میں كُلٌّ سے كُلٌّ مجموعی مراد لینا قاعدہ معروفہ کے خلاف ہے، اس لئے کہ قاعدہ معروفہ یہ ہے کہ كُلٌّ جب نکرہ پر داخل ہو یا جمع معروفہ پر داخل ہو تو عموم افراد کے لئے ہوتا ہے، مثلاً كُلُّ قَلْبٍ یا كُلُّ الْقُلُوبِ دونوں کا مطلب ہے تمام قلوب اور جب مفرد معروفہ پر داخل ہو تو عموم اجزاء کے لئے ہوتا ہے یعنی قلب کا ہر ہر جز مراد ہوتا ہے، مثلاً کہا جاتا ہے كُلُّ رُمَّانٍ حُلُوٌّ ہر انار میٹھا ہے یعنی جتنے بھی انار ہیں سب میٹھے ہیں، اور اگر کہا جائے كُلُّ الرُّمَّانِ حُلُوٌّ پورا انار میٹھا ہے یعنی اس کا کوئی جز کھٹا نہیں ہے۔

قَوْلًا: اَسْبَابُ السَّمَوَاتِ تکرار کی حکمت تفصیل بعد الالبہام ہے، جو کہ تفخیم و تعظیم پر دلالت کرتی ہے۔

قَوْلًا: بِالرَّفْعِ اس عبارت کا مقصد فَاطْلَعُ کے اعراب کی وضاحت کرنا ہے، اگر رَفْع پڑھا جائے تو اَبْلُغْ پر عطف ہوگا

اور اگر نصب پڑھا جائے تو اس فعل امر کا ان کی تقدیر کے ساتھ جواب ہوگا۔

قَوْلُهُ: بفتح الصاد وضمِّها اگر صد کے صاد پر فتح پڑھا جائے تو فاعل فرعون ہوگا اور اگر صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو نائب فاعل فرعون ہوگا یعنی فرعون کو راہِ حق و صواب سے روک دیا گیا۔

قَوْلُهُ: إِلَّا فِي تَبَابٍ. تَبَابٌ تَبٌّ يَتَّبُ (ض) کا مصدر ہے بمعنی ہلاکت، نقصان۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ اوپر مشرکین و متکبرین تو حید و رسالت کی وعید کے ضمن میں کفار کا خلاف و عناد مذکور تھا جس سے طبعی طور پر رسول اللہ ﷺ کو حزن و ملال ہوتا تھا، آپ ﷺ کی تسلی کے لئے تقریباً دو رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، اس قصہ میں ایک طویل مکالمہ فرعون اور قوم فرعون کے ساتھ اس بزرگ شخص کا جو خود آل فرعون سے ہونے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ایمان لے آیا تھا، مگر مصلحتاً چھپائے ہوئے تھا، اس مکالمہ کے وقت اس کے ایمان کا بھی حتمی اعلان ہو گیا۔

رجل مومن کون تھا؟

ائمہ تفسیر میں سے مقاتل اور سدی نے فرمایا کہ یہ فرعون کا چچا زاد بھائی تھا، اور یہی وہ شخص تھا کہ جس نے اس وقت جبکہ قبلی کے قتل کے واقعہ میں فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مشورہ کی شہر کے کنارے سے آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی تھی، اور یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ آپ فوراً مصر سے باہر چلے جائیں، جس کا واقعہ سورہ قصص میں بیان فرمایا وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ.

اس رجل مومن کا کیا نام تھا؟

اس رجل مومن کے نام میں اختلاف ہے، بعض مفسرین نے اس کا نام حبیب بتایا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ حبیب اس شخص کا نام ہے جس کا قصہ سورہ یٰسین میں آیا ہے اور بعض حضرات نے اس کا نام یشمعان بتایا ہے، سہیلی نے اس نام کو اصح قرار دیا ہے، اور دیگر حضرات نے اس کا نام حزقیل بتایا ہے، ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی قول نقل کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدیقین چند ہیں، ایک حبیب نجار جس کا قصہ سورہ یٰسین میں ہے دوسرا مومن آل فرعون، تیسرے ابوبکر صدیق اور یہ ان میں افضل ہیں (قرطبی، معارف) خلاصۃ التفاسیر جلد چہارم میں فتح محمد نائب رحمہ اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس مرد مومن کا نام حزقیل تھا، ان کا پیشہ نجاری تھا، ان ہی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے صندوق بنایا تھا، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان کو بند کر کے دریا میں ڈال دیا تھا، اور یہ شخص

آل فرعون سے تھا، مصلحتاً اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا، ان کو بھی جادو گروں کے ساتھ سولی دیدی گئی تھی۔

شبہ: رجل مؤمن کا یہ کہنا کہ اِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ یعنی اگر موسیٰ جھوٹا ہے تو اس کے کذب کا وبال خود اسی پر پڑے گا، درست نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ کاذب کا کذب اسی پر محصور نہیں رہتا، بلکہ اغوائے عوام اور افشاء فساد میں اس کے نہایت دور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور خاص طور پر جبکہ کذب دعوائے نبوت کے بارے میں ہو، ورنہ تو مدعیان نبوت کاذبہ کا دعوائے نبوت کیوں قابل تعزیر جرم قرار پائے؟ اور کیوں ان کے ساتھ جنگ و جہاد کیا جائے؟ ان کو بھی ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہئے، وہ جانیں، ان کا کام حالانکہ ایسا نہیں ہے، آپ ﷺ نے مسیمة الکذاب کے ساتھ جنگ کی تھی۔

دفع: قتل و جہاد کا حکم اس وقت ہے جبکہ کاذب کا کذب یقینی ہو اور اس کذب کی تاثیر یقینی اور دور رس ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام کا کاذب ہونا متیقن نہیں تھا، در صورت احتمال کذب اسے اس کے حال پر چھوڑ دینے کے سوا اور تدبیر نہیں، لہذا ان کو قتل کا حکم کرنا ظلم اور نا انصافی تھی۔

(ایسر التفاسیر، ملخصاً، الانموذج للشیخ محمد بن ابی بکر رازی)

شبہ: اِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ رجل مؤمن کا یہ کہنا کہ اگر موسیٰ سچے ہوئے تو اس عذاب کا کچھ حصہ تم کو ضرور پہنچے گا، حالانکہ انبیاء کے تمام وعدے مکمل سچے ہوتے ہیں، بعض کا صادق ہونا اور بعض کا صادق نہ ہونا، چہ معنی دارد؟

دفع: اس شبہ کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں اول یہ کہ یہاں بعض کل کے معنی میں ہے اور لبید کے اس شعر سے استدلال کیا ہے: ے

او يرتبط بعض النفوس حمامها
وقد يكون مع المستعجل الزلل

تراك امكنة اذا لم ارضها
وقد يدرك المتأني بعض حاجته

(روح المعانی)

اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں دنیا کا عذاب مراد ہے نہ آخرت کا، اور دنیا کا عذاب آخرت کے مقابلہ میں بعض ہے، اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ بعض کا ذکر تطف اور نرمی کے طور پر ہے تاکہ مخاطب وحشت زدہ ہو کر عناد و فساد پر نہ اتر آئے۔

يَوْمَ التَّنَادِ، تناد اصل میں تنادٹی تھا، یوم کی اضافت کی وجہ سے آخر سے حرف علت (ی) ساقط ہو گئی، فریاد کرنا، پکارنا روز قیامت کو یوم التناد اس لئے کہا گیا ہے کہ اس روز بے شمار ندائیں اور آوازیں ہوں گی، جیسا کہ مروی ہے کہ جنتی دوزخیوں کو اور دوزخی جنتیوں کو پکاریں گے، اور ہر شخص اپنے پیشوا کے ساتھ پکارا جائے گا، اور ملائکہ پکاریں گے اے فلاں بن فلاں تو ایسا سعید ہوا کہ جس کے بعد کبھی شقاوت نہیں اور اے فلاں بن فلاں تو ایسا شقی ہوا کہ کبھی سعادت کا منہ نہ دیکھے گا۔ رواہ ابن ابی عاصم فی السنۃ۔

(ایسر التفاسیر، تائب)

كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ یعنی جس طرح فرعون و ہامان کے قلب نے موسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ آل فرعون کی نصیحتوں سے کوئی اثر نہیں لیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر ایسے قلب پر مہر لگا دیتے ہیں جو متکبر اور جبار ہو، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس میں نور ایمان داخل نہیں ہوتا، اور اس سے اچھے برے کی تمیز سب کر لی جاتی ہے، اس آیت میں متکبر اور جبار کو قلب کی صفت قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اخلاق و اعمال کا منبع اور سرچشمہ قلب ہی ہے، برے عمل کا تعلق قلب ہی سے ہے، عالم اصغر میں قلب کا مقام بادشاہ کا ہے اور دماغ کا وزیر اعضاء کا مقام خدام و کارندوں کا ہے، حکم کا صدور قلب سے ہوتا ہے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کی تدبیر اور منصوبہ بندی دماغ کرتا ہے، اور اعضاء اس منصوبہ کو رو بہ عمل لا کر پایہ تکمیل کو پہنچاتے ہیں، حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا (یعنی دل) ایسا ہے جس کے درست ہونے سے سارا بدن درست ہو جاتا ہے اور اس کے خراب ہونے سے سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ (قرطبی)

چند اہم فائدے:

اس مقام پر چند فائدے قابل غور ہیں:

① وعظ و نصیحت میں جہاں تک ہو سکے وہ عنوان اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے سامعین کو وحشت و نفرت نہ ہو، اور نا صیح کو چاہئے کہ فریق و مدعی کے قائم مقام نہ بنے، جیسا کہ اس مرد خدا نے غیر جانبدار رہ کر کس تلافی اور نرمی سے وہ تمام مضامین جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان فرمائے ادا کر دیئے۔

② ترتیب و تدریج اور لحاظ تاثر پیش نظر رہے، دیکھو اس مرد مومن نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت و حقیقت بڑی خوبی سے بیان کی، پھر ایک عقلی حصر سے فرعون کو قائل کیا کہ ایسی بے جا مزاحمت روا نہیں۔

③ پھر اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور گزشتہ امتوں کی ہلاکت کی نظیر پیش کی تاکہ ان کو تنبیہ ہو۔

④ اس کے بعد قیامت کا ذکر کر کے آخرت کا خوف دلایا، اور حضرت یوسف علیہ السلام کا خاص طور پر ذکر اس لئے کیا کہ انسان اس بات سے زیادہ متاثر ہوتا ہے جو اس کے حالات اور سرگزشت سے مناسب تر ہو، پھر ان کو تکذیب و انکار سے روکا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانَ ابْنِ لِي صَرْحًا، صرْحُ کے معنی بلند اور نمایاں عمارت کے ہیں، اس کا پس منظر یہ ہے کہ فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ ایسی بلند عمارت تعمیر کرو جو آسمان کے قریب تک چلی جائے، جس پر چڑھ کر میں موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو جھانک کر دیکھ لوں، یہ احمقانہ خیال تو کوئی ادنیٰ سمجھ کا آدمی بھی نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ بادشاہ مصر ملک مصر کے مالک فرعون کا یہ خیال اگر واقعی تھا کہ میں بلند عمارت پر چڑھ کر خدا کو دیکھ سکتا ہوں تو یہ اس کی انتہائی بے وقوفی اور دماغ کی خرابی کی دلیل ہے، اور اگر وزیر نے فرعون کے مذکورہ حکم کی تعمیل کی تو پھر ”وزیرے چنیں شہر یار چناں“ کا مصداق ہے، کسی والی ملک بلکہ ادنیٰ سمجھ کے شخص سے بھی ایسی امید نہیں کی جاسکتی، اس لئے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ تو وہ بھی جانتا تھا کہ کتنی ہی بلند عمارت تعمیر کرے وہ

آسمان تک نہیں پہنچ سکتا، مگر اپنے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے یہ حرکت کی تھی، پھر کسی صحیح اور قوی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ ایسا کوئی محل تعمیر ہوا یا نہیں، قرطبی نے نقل کیا ہے کہ یہ تعمیر کرائی گئی تھی جو بلندی پر پہنچتے ہی منہدم ہو گئی۔

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَوْمَ اتَّبَعُونِ بِأَثَابِ الْيَأْسِ وَحَذْفِهَا أَهْدِيَكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۖ تَقْدَمُ يَوْمَئِذٍ الْهَيَاةُ هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ تَمَتَّعَ يَزُولُ ۖ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۖ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِمَّنْ ذَكَرْنَا وَأَنْتُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِضَمِّ الْيَأْسِ وَفَتْحِ الْخَاءِ وَبِالْعَكْسِ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۖ رِزْقًا وَاسِعًا لَا تَبْعَةٌ ۖ وَيَوْمَئِذٍ أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجْوَى وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ ۖ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۖ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْغَالِبِ عَلَى أَمْرِهِ الْغَفَّارِ ۖ لِمَنْ تَابَ لَاجِرَمَ حَقًّا ۖ أَنَّمَا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لِأَعْبُدَهُ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا أَوْ فِي الْآخِرَةِ ۖ وَأَنْ مَرَدَّنَا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ الْكَافِرِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ فَتَذَكَّرُونَ ۖ إِذَا عَايَنْتُمْ الْعَذَابَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأَفْوِضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۖ قَالَ ذَلِكَ لَمَّا تَوَعَّدُوهُ بِمُخَالَفَةِ دِينِهِمْ ۖ فَوَقَّهَ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ مَا مَكُرُوا بِهِ مِنَ الْقَتْلِ وَحَاقَ نَزْلَ بِآلِ فِرْعَوْنَ قَوْبَهُ مَعَهُ سُوْعُ الْعَذَابِ ۖ الْغَرَقُ ثُمَّ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا يُخْرَفُونَ بِهَا عُدُوًّا وَعَشِيًّا صَبَاحًا وَمَسَاءً وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقَالُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ وَفِي قِرَاءَةِ الْهَمْزَةِ وَكُسْرِ الْخَاءِ أَمْرٌ لِلْمَلَائِكَةِ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۖ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ أَذْكَرَ إِذْ يَتَحَايَجُونَ يَتَخَصَّمُ الْكُفَّارُ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضَّعْفُؤُا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا ۖ جَمْعُ تَابِعٍ فَهَلْ أَنْتُمْ مُعْتَنُونَ دَافِعُونَ عَنَّا نَصِيبًا جَزَاءً مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا ۖ إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۖ فَادْخُلِ الْمُؤْمِنِينَ الْجَنَّةَ وَالْكَافِرِينَ النَّارَ ۖ وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَتِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا ۖ أَيْ قَدَرِ يَوْمٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۖ قَالُوا أَيْ الْخَزَنَةُ تَهَكُّمًا أَوْ لَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ الْمُعْجَزَاتِ الظَّاهِرَاتِ قَالُوا بَلَىٰ ۖ أَيْ فَكَفَرْنَا بِهِمْ قَالُوا فَادْعُوا ۖ أَنْتُمْ فِينَا لَا نَشْفَعُ لِكَافِرٍ ۖ قَالَ تَعَالَىٰ وَمَا دُعَاؤُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۖ ۝۵۰ اِنْعَادَامُ

ترجمہ: اور اس مومن شخص نے کہا اے میری قوم (کے لوگو) میری پیروی کرو (اتبعونی) میں اثبات (ی) اور حذف (ی) کے ساتھ میں تمہاری صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کروں گا تقدّم اے تقدّم قریباً (یعنی الا سبیل الرشاد کے ضمن میں عنقریب گذر چکا ہے)، اے میری قوم یہ حیات دنیا نہایت قلیل بہت جلد فنا ہونے والی متاع ہے، یقین مانو (کہ قرار) اور بیشکی کا گھر تو آخرت ہی ہے جس نے گناہ کیا اس کو تو برابر کا بدلہ ہی ہے اور جس نے نیکی کی خواہ مرد ہو یا عورت اور حال یہ کہ وہ

با ایمان ہو تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے (يَدْخُلُونَ) میں یاء کے ضمہ اور خاء کے فتح کے ساتھ اور اس کا عکس (بھی) وہاں بے شمار با فراغت بلا معاوضہ روزی پائیں گے بغیر احسان اور معاوضہ کے اور اے میری قوم یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو، تم مجھے دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ اس چیز کو شریک کروں کہ جس کا مجھے کوئی علم نہیں، اور میں تم کو ایسی ذات کی طرف بلا رہا ہوں جو اپنے حکم میں غالب ہے، اور توبہ کرنے والے کو معاف کرنے والا ہے یہ بات یقینی ہے کہ تم جس چیز کی بندگی کرنے کے لئے مجھے دعوت دے رہے ہو وہ نہ تو دنیا میں پکارنے کے قابل ہے اور نہ آخرت میں، یعنی ان میں قبولیت دعاء کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور یقین جانو حد سے گزرنے والے یعنی کافر ہی اہل دوزخ ہیں اور جب تم عذاب کو دیکھو گے تو میری باتوں کو عنقریب یاد کرو گے میں اپنا معاملہ اللہ کے حوالہ کرتا ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا نگران ہے یہ بات اس (رجل مومن) نے اس وقت کہی جب اس کو (قتل) کی دھمکی دی گئی اس کے ان (کافروں) کے دین کی مخالفت کرنے کی وجہ سے پس اللہ نے اسے تمام مکروہات (مصائب) سے محفوظ رکھ لیا، جو انہوں نے اس کے قتل کی تدبیریں سوچ رکھی تھیں، اور فرعون والوں پر (یعنی) اس کی قوم پر مع اس (فرعون) کے غرق کا بدترین عذاب الٹ پڑا بعد ازاں آگ ہے جس پر یہ صبح و شام پیش کئے جائیں گے یعنی اس میں جلائے جائیں گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی فرمان ہوگا، اے فرعون! سخت ترین جہنم کے عذاب میں داخل ہو جاؤ ایک قراءت میں (ادخلوا) میں ہمزہ کے فتح اور خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے، یعنی فرشتوں کو حکم ہوگا (کہ انکو جہنم کے عذاب میں ڈالو) (اس وقت کا) ذکر کرو کہ کفار دوزخ میں آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے کمزور طبقے کے لوگ تکبر والوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے ہی پیرو تھے تَبِعُ تَابِعُ کی جمع ہے، تو کیا اب تم ہم سے اس آگ کا کچھ حصہ ہٹا سکتے ہو؟ وہ بڑے (متکبر) لوگ جواب دیں گے ہم تو سب ہی اس آگ میں ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے چنانچہ اس نے مومنین کو جنت میں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کر دیا تمام جہنمی دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن یعنی ایک دن کی مقدار تو ہمارے عذاب میں تخفیف کر دے تو جہنم کے داروغے استہزاء جواب دیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلے معجزے لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ (ضرور آئے تھے) یعنی ہم ہی نے ان کا انکار کیا وہ کہیں گے پھر تو تم خود ہی دعاء کر لو ہم کسی کافر کی سفارش نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اور کافروں کی دعاء بے اثر محض اور کا لعدم ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْمِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: وَقَالَ الَّذِي آمَنَ، الَّذِي آمَنَ سے مراد آل فرعون کا رجل مومن ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ

قَوْلٌ: باثبات الیاء وحذفها، اتبعونی کی یاء میں حذف واثبات وقف اور وصل دونوں صورتوں میں جائز ہے مگر یہ حذف واثبات تلفظ کی حد تک ہے، رسم الخط میں حذف لازم ہے، اس لئے کہ یہ یاء زائدہ ہے۔ (جمل)

قَوْلٌ: تَمَتَّعَ يَزُولُ یعنی دنیاوی زندگی سریع الزوال متاع قلیل ہے متاع میں تنوین تَقْلِيل کے لئے ہے۔

قَوْلٌ: بِلا تَبِعَةٍ یعنی اس رزق بے حساب کا نہ کوئی معاوضہ ہوگا اور نہ اس پر احسان جتنا، ایک نسخہ میں بِلا تَبِعَةٍ کے بجائے بِلا تَعْبَةٍ ہے یعنی بلا مشقت۔

قَوْلٌ: تَدْعُونَنِي لَا كُفْرَ الْخِ یہ تَدْعُونَنِي اول سے بدل ہے۔

قَوْلٌ: لَا جَرَمَ، یَقِينَا اور حَقًّا کے ہم معنی ہے، اور دراصل لامحالہ کے معنی میں ہے، توسیع استعمال کے بعد قَسَمَ یا حَقَّ فعل ماضی کے معنی میں استعمال ہونے لگا، سیبویہ اور خلیل کا یہی قول ہے، ابوالبقاء نے حَقًّا یعنی مصدری معنی میں قرار دیا ہے، اور اسی کو جمہور کا مسلک کہا ہے، تفسیر ابو مسعود میں لَا كُفْرَ الْخِ اور جَرَمَ کو فعل ماضی بمعنی حَقَّ کے قرار دیا ہے۔

(لغات القرآن ملخصاً)

قَوْلٌ: اَنَّمَا تَدْعُونَنِي اِلَيْهِ مَا اسم موصول بمعنی الَّذِي یعنی اَنَّمَا میں ما موصولہ ہے لہذا حق یہ تھا کہ ما کونون سے علیحدہ لکھتے یعنی اَنْ مَا جیسا کہ قاعدہ ہے، لیکن مصحف امام میں ما کونون کے ساتھ ملا کر لکھا ہے، لہذا اسی کی اقتداء میں اسی رسم الخط کو باقی رکھا گیا ہے، جیسا کہ ابن جزری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (جمل)

قَوْلٌ: ثُمَّ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا، ثُمَّ کا اضافہ کلام مستأنف ہونے کی طرف اشارہ ہے، النَّارُ مبتداء ہے اور يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا جملہ ہو کر مبتداء کی خبر ہے، مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت سے قیام ساعة تک ان کی ارواح کو آگ پر پیش کیا جائے گا۔

قَوْلٌ: يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ یا تو ادخلوا کا معمول ہے یا يقال فعل محذوف کا معمول ہے، تقدیر عبارت یہ ہے يُقَالُ لَهُمْ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ادخلوا۔

قَوْلٌ: دَافِعُونَ، مُغْنُونَ کی تفسیر دافعون سے کر کے اشارہ کر دیا کہ نصیباً مُغْنُونَ یعنی دافعون کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نصیباً کے نصب کے لئے فعل مقدر ماننے کی ضرورت نہیں۔

قَوْلٌ: قَدَرِ يَوْمٍ اس کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یوم سے مراد مقدار یوم ہے اس لئے کہ آخرت میں لیل و نہار نہیں ہوں گے جن کے ذریعہ یوم کی تعیین ہوتی ہے اس لئے کہا یوم سے مراد مقدار یوم ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

قَالَ الَّذِي اٰمَنَ يَقُومُ اتَّبِعُونِ فرعون کی قوم سے ایمان لانے والا پھر بولا دعویٰ تو فرعون بھی کرتا ہے کہ میں تمہیں سیدھے راستہ پر چلا رہا ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرعون تو خود بھٹکا ہوا ہے وہ کیا رہنمائی کرے گا، میں جس راستہ کی

نشان دہی کر رہا ہوں وہ سیدھا راستہ ہے، اور وہ وہی راستہ ہے، جس کی طرف تمہیں حضرت موسیٰ دعوت دے رہے ہیں، اٰھدکم سبیل الرشاد کی تفسیر سابق رکوع میں قریب ہی گزر چکی ہے، اس چند روزہ سریع الزوال حیات دنیا پر مغرور و فریفتہ مت ہو دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایک گھڑی کے برابر نہیں ہے، ہاں البتہ آخرت کی زندگی کو زوال اور فنا نہیں وہاں تو دوام ہی دوام ہے، نہ وہاں سے کوچ ہوگا اور نہ انتقال جنت کی زندگی ہو یا جہنم کی دونوں زندگیاں ابدی ہوں گی، ایک راحت و آرام کی زندگی ہوگی اور دوسری شقاوت و عذاب کی۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا (الآیۃ) برائی کی سزا برائی کے برابر ہوگی زیادہ نہیں جو کہ عدل و انصاف کا تقاضہ ہے، اور جن لوگوں نے نیک عمل کئے ہوں گے ساتھ ہی مومن بھی ہوں گے تو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے تو وہاں بے شمار و بے حساب روزی پائیں گے، بے شمار و بے حساب کا مطلب یہ ہے کہ انکے انعامات کا ان کے نیک اعمال کے ساتھ موازنہ و مقابلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کے اعمال صالحہ سے کہیں زیادہ اجر و انعام دیا جائے گا، اس سے یہ بات بھی صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ نیک اعمال کی ایمان کے بغیر کوئی حیثیت نہیں اور نہ محض ایمان سے اعمال صالحہ کے بغیر مکمل کامیابی، اللہ کے نزدیک مکمل کامیابی کیلئے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور عمل صالح کے ساتھ ایمان ضروری ہے۔

وَيَسْقُومُ مَالِي اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجْوٰى (الآیۃ) اے میری قوم یہ کیا نا انصافی کی بات ہے کہ میں تو تم کو توحید کی دعوت دے رہا ہوں، جو راہ نجات ہے اور تم مجھے شرک کی دعوت دے رہے ہو جو انسان کو واصل بہ جہنم کرنے والا ہے لَا جِسْمَ یہ بات یقینی ہے یا اس میں جھوٹ نہیں کہ جن معبودان باطلہ کی طرف تم مجھے دعوت دے رہے ہو ان میں سے کوئی بھی پکار (فریاد) سننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا کہ کسی کو نفع پہنچا سکیں، یا ان کو الوہیت کا استحقاق حاصل ہو ایسی چیزیں بھلا اس لائق ہو سکتی ہیں کہ وہ معبود بن سکیں اور ان کی عبادت کیجائے؟

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَا اَقُولُ لَكُمْ (الآیۃ) یہ کلام بھی آل فرعون کے رجل مومن کا ہے، آخر کار اپنی قوم کے ایمان لانے اور راہ راست پر آنے سے ناامید اور مایوس ہو کر درد بھرے انداز میں کہتا ہے، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ جب میری باتوں کی صداقت اور جن باتوں سے میں روکتا ہوں ان کی شاعت تم پر واضح ہو جائے گی، تو اس وقت میری ان باتوں کو یاد کرو گے اور اظہار ندامت کرو گے مگر ندامت کا وقت گزر چکا ہوگا اس وقت ندامت سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی سے ہر وقت اعانت طلب کرتا ہوں، اور تم سے بیزاری اور قطع تعلق کا اعلان کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر قول و فعل سے واقف ہے، لہذا وہ مستحق ہدایت اور مستحق ضلالت سے بخوبی واقف ہے، مستحق ہدایت کو ہدایت سے نوازتا ہے اور مستحق ضلالت کو ضلالت سے ہمکنار کرتا ہے۔

فَوَقَّعَ اللّٰهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكُرُوْا یعنی رجل مومن کے اظہار حق کی وجہ سے قوم قبط نے اس کے خلاف جو تدبیریں اور سازشیں سوچ رکھی تھیں، اللہ نے ان سب کو ناکام بنا دیا، بلکہ ان کی تدبیریں ان ہی پر پلٹ گئیں جس کے نتیجے میں غرق دریا

کر دیئے گئے اور آخرت میں ان کے لئے دوزخ کا سخت ترین عذاب ہے۔

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا (الآیۃ) فرعون اور فرعونیوں کو برزخ میں اس آگ پر صبح و شام پیش کیا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ آل فرعون کی روہیں سیاہ پرندوں کی شکل میں روزانہ صبح و شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم میں ان کے مقام کو دکھلا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانہ یہ ہے۔

(اخرجه عبد الرزاق، مظہری، معارف)

عذاب قبر حق ہے:

مذکورہ حدیث سے عذاب قبر کا اثبات ہوتا ہے، عذاب قبر کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں احادیث میں تو بڑی وضاحت سے عذاب قبر کو بیان کیا گیا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا نعم عذاب القبر حق (بخاری شریف کتاب الجنائز باب ما جاء في عذاب القبر) منکرین عذاب قبر قرآن و حدیث دونوں کی صراحتوں کو قبول نہیں کرتے۔

مذکورہ آیت سے صاف واضح ہے کہ آل فرعون کی صبح و شام آگ پر پیشی قیام قیامت سے پہلے کا واقعہ ہے، اور یہ زندگی برزخ اور قبر ہی کی ہے، قیامت کے روز ان کو قبر (برزخی) زندگی سے نکال کر جہنم کے سخت ترین عذاب میں ڈال دیا جائے گا، بعض بے یقینوں کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو قبر میں مردہ آرام سے پڑا نظر آتا ہے اگر اسے عذاب ہو رہا ہوتا تو اس طرح سکون سے پڑا ہوا نظر نہ آتا، ان کا یہ کہنا لغو اور بے عقلی کی بات ہے، اس لئے کہ عذاب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیں نظر بھی آئے، اللہ تعالیٰ ہر طرح عذاب دینے پر قادر ہے، کیا یہ سامنے کی بات نہیں کہ خواب میں بعض اوقات ایک شخص نہایت خوفناک اور المناک مناظر دیکھ کر سخت کرب و اذیت محسوس کرتا ہے مگر دیکھنے والوں کو ذرا بھی محسوس نہیں ہوتا کہ یہ خوابیدہ شخص شدید تکلیف سے دوچار ہے، اس مشاہدہ اور روزمرہ کے تجربہ کے باوجود عذاب قبر کا انکار، محض ہٹ دھرمی اور بے جا تحکم ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ (الآیۃ) آخر کار جہنمی جہنم کے نگران فرشتوں سے سفارش کرنے کی درخواست کریں گے کہ ہماری توجہ حق تعالیٰ کے دربار میں کوئی شنوائی ہو نہیں رہی، تم ہی رب العالمین سے دعا کرو کہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کچھ تخفیف کر دے، فرشتے جواب دیں گے کہ ہم ایسے لوگوں کے حق میں کیوں کر کچھ کہہ سکتے ہیں کہ جن کے پاس دنیا میں اللہ کے پیغمبر دلائل و معجزات لے کر آئے لیکن انہوں نے پرواہ نہیں کی؟ جہنم کے نگران فرشتے دوزخیوں سے کہہ دیں گے کہ تم خود ہی دعا کر لو، بالآخر جب وہ خود دعا کریں گے لیکن ان کی دعا اور فریاد کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی، اس لئے کہ دنیا میں حجت تمام کی جا چکی ہے، آخرت، توبہ، ایمان اور عمل کی جگہ نہیں، آخرت تو دارالجزاء ہے، دنیا میں جیسا کیا ہوگا بھگتنا ہوگا۔

عذاب قبر اور اس کی حقیقت:

عرف عام میں عالم کی دو قسمیں کی جاتی ہیں، عالم دنیا اور عالم آخرت، اور عالم برزخ جس کا دوسرا نام عالم قبر بھی ہے وہ اسی دنیا کا حصہ ہے جس میں عالم آخرت کے کچھ احکام مترشح ہوتے ہیں، عالم برزخ کی حیثیت عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ایک واسطہ کی سی ہے، دوزخ یا جنت کا فیصلہ ہونے تک انسان کی روح اسی عالم میں رہتی ہے، مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ ایک نیا عالم ثابت کرتے ہیں اور اس کا نام عالم ”مثال“ رکھتے ہیں، حضرت فرماتے ہیں کہ بہت سی احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ کائنات میں ایک عالم ایسا بھی پایا جاتا ہے جو غیر مادی ہے یعنی عناصر رابعہ سے بنا ہوا نہیں ہے، اس عالم میں معانی یعنی حقائق کیلئے بھی جسم ہے، اور یہ اجسام مثالی ہیں، ہر معنی کو اس کی حالت کا لحاظ کر کے جسم دیا جاتا ہے، مثلاً بزدلی کو خرگوش کا، یا دنیا کو ایسی بوزھی بد صورت عورت کا جسم دیا گیا کہ جس کے سر کے بال کھچڑی ہو رہے ہیں، بالوں کی کھچڑی ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی عمر کا زیادہ حصہ ختم ہو گیا، کم حصہ باقی ہے، اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے رشتے ناتے کو پیدا فرمایا تو وہ کھڑا ہو گیا، اور اس نے عرض کیا یہ قطع رحمی سے آپ کی پناہ چاہنے والے کی جگہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تو اس پر راضی ہے کہ جو تجھے کالے میں اس کو اپنے سے کانٹوں اور جو تجھے جوڑے میں اسے اپنے سے جوڑوں، رشتے ناتے، نے جواب دیا میں اس پر راضی ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جا، یہ تیرے لئے ہے، یعنی میں اس کی گارنٹی دیتا ہوں۔

(مشکوٰۃ، باب البر والصلة، حدیث ۴۹۱۹)

یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے حدیث طویل ہے، رحمہ (بچہ دانی) مراد یہ کہ ددھیالی اور ننھیالی رشتہ داری نے کھڑے ہو کر رحمان کی کمر میں گولی بھری، رحمان نے پوچھا کیا بات ہے؟ تب اس نے مذکورہ جملہ کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ جس طرح پناہ لینے کے لئے ماں کی کمر میں گولی بھرتا ہے، رحم نے بھی گولی بھری اور قطع رحمی سے پناہ چاہی، جس پر اس سے رحمان نے مذکورہ وعدہ کیا۔

غور کیجئے، رشتہ ناتہ ایک معنوی چیز ہے اس کا جسم نہیں ہے، مگر یہ حدیث اس کے جسم دار ہونے پر دلالت کرتی ہے، یہ جسم مثالی وہ جسم ہے جو اس کو عالم مثال میں ملا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اعمال حاضر ہوں گے پس (سب سے پہلے) نماز آئے گی، پھر خیرات آئے گی، پھر روزہ آئے گا (علیٰ ہذا القیاس) حدیث طویل ہے، (مسند احمد اور مشکوٰۃ کتاب الرقاق، حدیث ۵۲۲۳) یہاں صرف اتنی بات سے غرض ہے کہ اعمال جو جسم دار نہیں ہیں، قیامت کے دن اپنے مثالی اجسام کے ساتھ حاضر ہوں گے، حدیث شریف میں روزہ کی حالت میں غیبت کرنے والی عورت کا واقعہ مشہور ہے، کہ وہ بھوک اور پیاس کی شدت کی وجہ سے لب دم ہو گئی، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا اس نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا ہے، جس کی وجہ سے اس کی یہ کیفیت ہوئی

ہے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو روزہ سے ہے اس نے کچھ کھایا یا نہیں ہے، آپ نے ارشاد فرمایا حلال چیز سے روزہ رکھا مگر حرام چیز یعنی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا ہے، اس حدیث میں غیبت جو کہ معنوی چیز ہے اس کو عالم مثال میں گوشت کی شکل کی گئی، مذکورہ قسم کی بہت سی روایات ہیں جو عالم مثال کے وجود پر دلالت کرتی ہیں، شاہ صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ میں اس قسم کی ۱۱ روایتیں بیان فرمائی ہیں، اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ پالنپوری، استاد حدیث دارالعلوم دیوبند نے حجتہ اللہ البالغہ کی اپنی بہترین شرح رحمۃ اللہ الواسعہ میں اس مضمون کو نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں غور کرنے کے تین طریقے:

۱۔ ان روایات کو ظاہر پر محمول کیا جائے یعنی بظاہر ان کا جو مفہوم ہے اس کو مان لیا جائے، اس صورت میں عالم مثال تسلیم کرنا پڑے گا، کیونکہ ان روایات کی توجیہ عالم مثال کو تسلیم کئے بغیر ممکن نہیں، عالم مثال کو مان کر یہ توجیہ ہوگی کہ مذکورہ بالا روایات میں بیان فرمودہ تمام باتیں واقعی اور نفس الامری ہیں اور ان کے اجسام ان کے مثالی پیکر ہیں، محدثین کرام کا اصول اسی بات کا تقاضی ہے کہ ان روایات کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے، ان کی کوئی تاویل نہ کی جائے، شاہ صاحب قدس سرہ نے ان ہی روایات کی بنیاد پر عالم مثال ثابت کیا ہے۔

۲۔ ان روایات کی یہ تاویل کی جائے کہ وہ صرف آدمی کا احساس ہے خارج میں ان میں سے کوئی چیز موجود نہیں، جیسے خواب دیکھنے والا جو امور خواب میں دیکھتا ہے، وہ صرف اس کا احساس ہوتا ہے ان میں سے کوئی چیز خارج میں موجود نہیں ہوتی، حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسی قسم کی توجیہ درج ذیل آیت میں کی ہے، سورہ دخان آیت ۱۰ اور ارشاد ہے۔
فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ (الآیۃ) سو آپ (کفار مکہ کے لئے) اس دن کا انتظار کیجئے جبکہ آسمان ایک واضح دھواں لے آئے، جو ان سب لوگوں پر عام ہو جائے، یہ دردناک سزا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ یہ نشانی پائی جا چکی ہے مکہ میں سخت قحط پڑا، لوگوں نے مردار، چمڑے اور ہڈیاں تک کھائیں، اور صورت حال یہ ہوئی کہ جب وہ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو بھوک کی وجہ سے ان کو دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا، آسمان نظر ہی نہیں آتا تھا، حالانکہ خارج میں کوئی دھواں نہیں تھا، یہ صرف ان بھوکوں کا احساس تھا یہ روایت درمنثور میں ج ۶ ص ۲۸ میں ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ)۔

۳۔ یا ان روایات کو مضمون فہمی کے لئے پیرایہ بیان قرار دیا جائے، مثلاً قبر میں پہنچنے والی تکلیف اور راحت کو مختلف انداز سے سمجھایا گیا ہے، کہ سوال و جواب ہوں گے کوئی صحیح جواب دے گا، اور کوئی ”ہاں“ کر کے رہ جائے گا، کسی کو قبر بھیجے گی، تو کسی کے لئے کشادہ کی جائے گی، کسی کے لئے جنت کی طرف دریچہ کھولا جائے گا، تو کسی پر فرشتے گرز بجا میں گے، اور اس کو سانپ بچھو وچیں گے، یہ سب قبر میں پیش آنے والے رنج و راحت کو سمجھانے کے لئے پیرایہ بیان ہے، اور بس۔

مگر شاہ صاحب کے نزدیک جو شخص صرف یہ تیسری توجیہ کرتا ہے وہ اہل حق میں سے نہیں ہے، گمراہ ہے، باطل فرقے نصوص کی اسی طرح کی تاویل کیا کرتے ہیں۔

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور عذاب قبر کی حقیقت:

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے احیاء علوم الدین میں عذاب قبر کی بحث میں نصوص کی توجیہ کے تینوں طریقے بیان کئے ہیں، آپ نے اول قبر میں پہنچنے والی رنج و راحت کی روایات لکھی ہیں، پھر ارشاد فرمایا ہے کہ ان روایات کے ظاہری معنی درست ہیں، اور ان میں مخفی راز ہیں جو اہل بصیرت پر واضح ہیں، اس لئے اگر عوام کی سمجھ میں ان کی حقیقتیں نہ آئیں تو بھی ان کے ظاہری معنی کا انکار نہیں کرنا چاہئے، ایمان کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ ان کو مان لیا جائے۔

سُئَالٌ: یہ روایات ہم کیسے تسلیم کر لیں، یہ روایات تو مشاہدہ کے خلاف ہیں؟ بعض لاشیں عرصہ دراز تک کسی مصلحت سے محفوظ رکھی جاتی ہیں ان کو دفن نہیں کیا جاتا، مٹی کر کے ان کو رکھا جاتا ہے، جیسا کہ دنیا کے سب سے بڑے کافر فرعون مصر کی لاش آج بھی مصر کے عجائب خانے میں موجود ہے، مگر وہاں نہ کوئی سانپ ہے اور نہ بچھو، پھر ہم مشاہدہ کے خلاف عذاب قبر کی یہ روایات کیسے مان لیں؟

جَوَابٌ: اس قسم کی روایات کے ماننے کی تین صورتیں ہیں:

① جو زیادہ واضح، زیادہ صحیح ہے، اور زیادہ محفوظ ہے، وہ یہ ہے کہ عذاب قبر کی تمام روایات کو ظاہر پر محمول کیا جائے، اور مان لیا جائے کہ یہ تمام معاملات قبر میں پیش آتے ہیں، گو ہمیں نظر نہیں آتے، اس لئے کہ ہماری یہ آنکھیں عالم مشاہدہ کو دیکھنے کے لئے ہیں عالم غیب کی چیزوں کا یہ آنکھیں مشاہدہ نہیں کر سکتیں، جیسے حدیث شریف میں وارد ہے کہ مجالس ذکر میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور اہل مجلس کو گھیرے میں لے لیتے ہیں مگر وہ ہمیں نظر نہیں آتے، اس لئے کہ فرشتے دوسرے عالم (عالم الغیب) کی مخلوق ہیں، اسی طرح حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَامُ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتے تھے، اور صحابہ کرام اس کو تسلیم بھی کرتے تھے، اگرچہ صحابہ کرام حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَامُ کو نہیں دیکھتے تھے، اور وہ یہ بھی جانتے اور مانتے تھے کہ حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَامُ آنحضرت ﷺ کو نظر آتے ہیں

اگر کوئی شخص اس بات کو جسے صحابہ مانتے تھے نہیں مانتا تو ایسے شخص کو اپنے ایمان ہی کی خبر لینی چاہئے، اس کا وحی اور فرشتوں پر ایمان ہی صحیح نہیں ہے، اور جو شخص اسے مانتا ہے اور اس کے نزدیک یہ بات ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کو وہ چیزیں نظر آئیں جو عام امت کو نظر نہ آئیں تو پھر عذاب قبر میں وہ یہ بات کیوں ممکن نہیں مانتا، غرض قبر میں جو عذاب ہوتا ہے، اور جو راحتیں پہنچتی ہیں وہ واقعی چیزیں ہیں، مگر وہ دوسری دنیا کی چیزیں ہیں اس لئے وہ ہمیں نظر نہیں آتیں۔

② قبر میں پیش آنے والے معاملات اگرچہ خارج میں موجود نہیں ہوتے مگر میت کو وہ محسوس ہوتے ہیں جیسا کہ خواب کا معاملہ ہے، کوئی خواب میں خود کو بادشاہ پاتا ہے، اور ٹھاٹھ سے حکمرانی کرتا ہے اور کوئی جیل میں پہنچایا جاتا ہے، پولیس والے اس

پر ڈنڈے بجاتے ہیں اور وہ بری طرح چختا چلاتا ہے، مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو پتہ چلا یہ تو خواب تھا حقیقت کچھ بھی نہیں۔
خواب دیکھنے والا جب تک خواب دیکھتا رہتا ہے تو خواب میں دیکھے ہوئے معاملہ کو حقیقت سمجھتا ہے، حالانکہ حقیقت میں وہاں کچھ نہیں ہوتا، مگر خواب ہونا آنکھ کھلنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے، اسی طرح قبر کا معاملہ ہے مگر قبر میں قیامت تک آنکھ نہیں کھلے گی، اس لئے وہ واقعات حقیقت ہی رہیں گے۔

غرض خواب میں جس طرح خواب دیکھنے والے کے دل و دماغ میں یہ کیفیت پیدا کر دی جاتی ہے، اور خارج میں ان چیزوں کا وجود نہیں ہوتا، اسی طرح عذاب قبر کا معاملہ ہے، اور جس طرح خواب دیکھنے والے کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح زندوں کو میت کے پاس کچھ نظر نہیں آتا، مگر میت کے احساس میں سب کچھ ہوتا ہے اور خواب دیکھنے والے کو خواب میں پیش آنے والے واقعات سے رنج و راحت کا احساس محض بے حقیقت یا صرف خیالی نہیں ہوتا، بلکہ اس کی ایک حقیقت ہوتی ہے، جو بعض اوقات انسان کے جسم پر بھی نمایاں ہو جاتی ہے، یہ بات مشاہدہ اور تجربہ کی ہے کہ بعض اوقات خواب دیکھنے والا کوئی خوفناک خواب دیکھنے کے بعد بیدار ہوتا ہے تو وہ گھبرایا ہوا اور پسینہ میں شرابور ہوتا ہے، اور جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو خواب تھا تب جا کر اس کو تسلی اور راحت محسوس ہوتی ہے، یہ بات بھی تجربہ اور سامنے کی ہے کہ شیر خوار بچہ جب گہری نیند سو رہا ہوتا ہے تو بعض اوقات اچانک رونے یا ہنسنے لگتا ہے، دیکھنے والے سمجھ جاتے ہیں کہ بچہ خواب دیکھتا ہے، ایک شخص ہے کہ جو خواب میں اپنی محبوبہ سے ملاقات کرتا ہے اور وہ سب کچھ کرتا ہے جو خارج میں ہوتا ہے حالانکہ دور دور تک خارج میں کہیں اس کی محبوبہ کا نام و نشان تک نہیں ہوتا، مگر خواب دیکھنے والا اسی طرح لطف اندوز ہوتا ہے جس طرح خارج میں حقیقت، اور یہ لطف اندوزی محض خیالی اور بے بنیاد نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ خواب میں پیش آنے والے معاملات کا اثر خارج میں جسم پر بھی بعض اوقات نمایاں ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے آلہ تناسل کا انتشار حتیٰ کہ احتلام تک ہو جاتا ہے، اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، اسی طرح عالم برزخ جو کہ ایک طویل خواب ہی ہے، قرآن کریم میں بھی حیات برزخی کو خواب سے یا قبر کو خواب گاہ سے تعبیر کیا گیا ہے، قالوا یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا ”کہیں گے ہائے ہماری کب سختی ہمیں ہماری خواب گاہ سے (یا خواب سے) کس نے اٹھا دیا“ (سورہ یس ۵۲)
قبر کو خواب گاہ یا حیات برزخی کو خواب سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قبر میں ان کو عذاب نہیں ہوگا، بلکہ بعد میں جو ہولناک مناظر اور عذاب کی شدت دیکھیں گے اس کے مقابلہ میں انہیں قبر کی زندگی ایک خواب محسوس ہوگی، حیات برزخی میں رنج و راحت کا تعلق روح سے ہوگا، اس کے بعد روح کو جسم دے کر دوزخ یا جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

اصل رنج و راحت جسم کو نہیں بلکہ روح احساس کو ہوتی ہے، جسم کے جس حصہ میں روح احساس نہیں ہوتی وہاں دکھ درد کا احساس بھی نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ بال اور ناخن کاٹنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، بال اور ناخن میں روح حیات تو ہوتی ہے مگر روح احساس نہیں ہوتی، اس لئے کہ اگر ان میں روح حیات نہ ہو تو ان کا نشوونما نہیں ہو سکتا، حالانکہ ان کا نشوونما مشاہدہ ہے، اس پوری بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ عالم برزخ میں معاملات سے روح احساس ہی متاثر ہوتی ہے، روح احساس اور روح حیات میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، جسم میں روح احساس روح حیات کے بغیر نہیں رہ

سکتی، اگر روح احساس ہوگی تو روح حیات ضرور ہوگی البتہ روح حیات روح احساس کے بغیر رہ سکتی ہے، جیسا کہ بال اور ناخن میں روح حیات ہوتی ہے مگر روح احساس نہیں ہوتی ہے۔

۳ عذاب قبر کی روایات کو ایک پیرایہ بیان قرار دیا جائے ان روایات سے مقصود یہ مضمون سمجھانا ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں میت کس قسم کی تکالیف سے دوچار ہوتی ہے، اور مقصود صرف پیرایہ بیان نہیں ہے بلکہ وہ حقیقت مقصود ہے جس کو سمجھانے کے لئے یہ پیرایہ بیان اختیار کیا گیا ہے، مثلاً سانپ کا کاٹنا اصل مقصود نہیں ہے، بلکہ اس کے کاٹنے سے جو زہر بدن میں سرایت کرتا ہے، وہ مقصود ہے، بلکہ زہر کا سرایت کرنا بھی اصل مقصود نہیں، مقصود وہ تکلیف ہے جو زہر کی وجہ سے محسوس ہوتی ہے، بعض لوگ اپنے بدن کو مختلف تدابیر سے ”زہر پرورف“ بنا لیتے ہیں، پھر وہ اپنے بدن کو سانپ بچھوؤں سے ڈسواتے ہیں ان کو ان کے کاٹنے اور ڈسنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی، ان کے حق میں سانپ کا کاٹنا نہ کاٹنا دونوں برابر ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسباب مقصود نہیں ہوتے، مقصود ان کا نتیجہ ہوتا ہے، مثلاً کھانے سے مقصد شکم سیری ہے، اور پانی پینے سے مقصود سیرابی ہے، اگر کوئی کھائے بغیر شکم سیر ہو جائے یا پانی پیے بغیر سیراب ہو جائے تو مقصود حاصل ہو گیا، اگرچہ صورت نہیں پائی گئی، صوم وصال کی حدیث میں ارشاد نبوی ہے اِنَّ رَبِّيْ يَطْعَمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ اس حدیث میں یہی حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ اسباب کے بغیر اگر نتیجہ حاصل ہو جائے تو اسباب کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، جیسا کہ صوم وصال کی صورت میں آپ نے فرمایا، میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے، یعنی کھانے اور پانی کے استعمال کے بغیر ہی مجھے سیری اور سیرابی ہو جاتی ہے، اسی طرح قبر میں سانپوں کا کاٹنا جو کہ سبب الم ہے، وہ مقصود نہیں ہے، مقصود اس کا نتیجہ ہے جو عذاب قبر کی شکل میں موجود ہے گو صورت موجود نہیں۔ (رحمة الله الواسعة ملخصاً)

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ جَمْعُ شَهِيدٍ وَهِيَ الْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُوْنَ لِلرُّسُلِ بِالْبَلَاغِ وَعَلَى الْكُفَّارِ بِالتَّكْذِيبِ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الْبُلَاءُ وَالْيَاۤءُ الظَّالِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ غُذِرْهُمْ لَوْ اِغْتَدَرُوْا وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ اِىُّ الْبُعْدِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَلَهُمْ سُوْءُ الدَّارِ ۝ الْاٰخِرَةُ اِىُّ شِدَّةِ عَذَابِهَا وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى الْهُدٰى التَّوْرَةَ وَالْمُعْجِزَاتِ ۝ وَاَوْثَقْنَا بِنَبِيِّ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوسٰى الْكِتٰبِ ۝ التَّوْرَةُ هُدٰى يٰهٰدِیْنَ وَذِكْرٰى لِاَوَّلِی الْاَلْبَابِ ۝ تَذِكْرَةٌ لِّالصُّحَابِ الْعُقُولِ فَاَصْبِرْ یٰمُحَمَّدُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِنَصْرِ اَوْلِیَآئِهِ حَقٌّ وَاَنْتَ وَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ وَاَسْتَغْفِرُ لَذَنْبِكَ لَيْسَتْ بِكَ وَسَیِّحٌ صَلِّ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ سُبْحَانَ مَنْ بَعْدَ الزَّوَالِ وَالْاِنْكَارِ ۝ الصَّلٰوَاتِ الْخَمْسَ اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْ اٰیٰتِ اللّٰهِ الْقِرٰنِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ یُّرْهٰنُ اَتَهُمْ اِنْ مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ الْاَكْبَرُ تَكْبُرُ طَمَعٌ اَنْ یَّعْلُوْا عَلَیْكَ وَاَمَّهُمْ بِالْغِیۡهِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِمْ اِنَّهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْاَقْوَالِیْهِمُ الْبَصِیْرُ ۝ بِاَحْوَالِهِمْ وَنَزَلَ فِیْ مُنْكَرِی الْبَعْثُ لَخَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اِبْتِداءً اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ مَرَّةً ثَانِيَةً وَهِيَ الْإِعَادَةُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ اِى الْكُفَّارِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۷﴾ ذَلِكَ فَهَمٌ كَالْأَعْمَى وَمَنْ يَعْلَمُهُ كَالْبَصِيرِ وَمَا يَسْتَوِى الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ وَلَا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِوَالْمُحْسِنِينَ وَلَا الْمُسِيءَ فِيهِ زِيَادَةٌ لَا قَلِيلًا مَاتَتْ ذِكْرُونَ ﴿۵۸﴾ يَتَعَطَّوْنَ بِالْيَأْسِ وَالنَّاءِ اِى تَذَكُّرُ بِهِمْ قَلِيلٌ جَدًّا إِنَّ السَّاعَةَ لَأْتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۵۹﴾ بِهَا وَقَالَ رَبُّكُمْ اذْعَمُونِى اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِى اُعْبُدُونِى اُثْبِتْكُمْ بِقَرِينَةٍ مَابَعْدَهُ اِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِى سَيَدْخُلُونَ فِي سَمِّ الدِّمَاءِ وَبِالْعَكْسِ جَهَنَّمَ دَخِيرِينَ ﴿۶۰﴾ صَاغِرِينَ.

ترجمہ: یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی کریں گے جس دن گواہی دینے والے گواہی دیں گے اَشْہاد، شَہید کی جمع ہے، اور وہ ملائکہ ہیں جو رسولوں کے (پیغام) پہنچانے کی اور کافروں کے جھٹلانے کی گواہی دیں گے جس دن ظالموں کو ان کے (عذر) معذرت کچھ فائدہ نہ دیں گے، (يَنْفَعُ) تاء اور یاء کے ساتھ اگر وہ معذرت کریں گے اور ان کے لئے لعنت ہوگی یعنی رحمت سے دوری اور ان کے لئے آخرت بُرا گھر ہے یعنی دارِ آخرت کے عذاب کی شدت اور ہم نے موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کو ہدایت نامہ یعنی تورات اور معجزات عطا فرمائے اور موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب یعنی تورات کا وارث بنایا کہ وہ ہدایت یعنی رہنما اور عقلمندوں کے لئے نصیحت تھی سوائے محمد! آپ صبر کیجئے بلاشبہ اپنے اولیاء کی مدد کا اللہ کا وعدہ سچا ہے اور آپ کے تابعین ان اولیاء میں شامل ہیں آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے تاکہ لوگ آپ کی پیروی کریں اور صبح و شام حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہئے عَشِيَّ زوال کے بعد کا وقت ہے، مراد پنجوقتہ نمازیں ہیں، جو لوگ باوجود اپنے پاس کسی سند (دلیل) نہ ہونے کے اللہ کی آیات یعنی قرآن میں جھگڑے نکالتے ہیں ان کے دلوں میں بجز تکبر اور اس بات کی خواہش کے کہ آپ پر غالب آجائیں کچھ نہیں وہ اپنے اس مقصد کو کبھی حاصل نہیں کر سکتے سو آپ ان کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے رہئے، بلاشبہ وہ ان کی باتوں کو سننے والا اور ان کے احوال کا جاننے والا ہے (آئندہ آیت) منکرین بعث کے بارے میں نازل ہوئی ابتداءً آسمان وزمین کو پیدا کرنا انسان کو دوبارہ پیدا کرنے سے یقیناً بہت بڑا کام ہے اور دوبارہ پیدا کرنا اعادہ ہے، لیکن اکثر لوگ یعنی کفار اس بات سے ناواقف ہیں تو کفار نابینا کے مثل ہیں اور جو اس بات سے واقف ہیں وہ بینا کے مانند ہیں، اور نابینا اور بینا برابر نہیں اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے حال یہ کہ وہ مخلص بھی ہیں، بدکاروں کے برابر نہیں ہو سکتے اور (وَلَا الْمُسِيءُ) میں لازماً وہ ہے، وہ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں یاء اور تاء کے ساتھ یعنی ان کا نصیحت حاصل کرنا بہت کم ہے قیامت بالیقین اور بلاشبہ آنے والی ہے یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا، یعنی تم میری بندگی کرو میں تم کو اس کا اجر دوں گا (یہ ترجمہ) آئندہ

آیت کے قرینہ کی وجہ سے ہے یقین مانو جو لوگ میری عبادت سے خود سری کرتے ہیں وہ بہت جلدی ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے یاء کے فتح اور خاء کے ضمہ کے ساتھ اور اس کا عکس۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: یَوْمَ یَقُومُ الْأَشْهَادُ اس کا عطف فی الحیوة الدنیا پر ہے، یعنی ہم ان کی دنیوی زندگی میں مدد کریں گے اور گواہی کے دن بھی مدد کریں گے۔

قَوْلٌ: یَوْمَ لَا یَنْفَعُ یَوْمَ یَقُومُ الْأَشْهَادُ سے بدل ہے۔

قَوْلٌ: مَعْدِرَتُهُمْ تَنْفَعُ کا فاعل ہے لَهُمْ خبر مقدم ہے، اور اللَّغْنَةُ مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلٌ: لَهُمْ سُوءُ الدَّارِ کا عطف لَهُم اللَّعْنَةُ پر ہے۔

قَوْلٌ: لَوْ اعْتَذَرُوا اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظَّالِمِینَ مَعْدِرَتُهُمْ کا مقتضی یہ ہے کہ کفار یوم جزاء میں عذر معذرت کریں گے مگر ان کی یہ عذر و معذرت کچھ فائدہ نہیں دے گی، اور ایک دوسری آیت وَلَا یُؤْذُنْ لَهُمْ فِیَعْتَذِرُونَ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو عذر و معذرت کی اجازت ہی نہیں ہوگی، ان دونوں آیتوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔

دفع: مفسر علام نے لَوْ اعْتَذَرُوا کا اضافہ کر کے اسی شبہ کو دفع کیا ہے، دفع کا خلاصہ یہ ہے، بالفرض اگر کفار اس روز عذر معذرت کریں گے بھی تو قبول نہ ہوگی، لہذا اب کوئی تعارض نہیں ہے۔

قَوْلٌ: هَادِیًّا اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ هُدًی مصدر بمعنی هَادِیًّا، الکتاب سے حال ہے اور اسی طرح ذکرِی یہ بھی تذکرۃ کے معنی میں ہو کر الکتاب سے حال ہے، مفسر علام نے اسی ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بعض حضرات نے ہدی اور ذکرِی کو اَوْرَثْنَا کا مفعول لِاجْلِهِ قرار دے کر محلاً منصوب کہا ہے، اِی اَوْرَثْنَا الکتاب لِاجْلِ الْهَدٰی وَالذِّکْرِی۔

قَوْلٌ: لَیُسْتَنَّ بِكَ اس کلمہ کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ میں آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنے گناہوں کی معافی طلب کیجئے، جبکہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی صغائر و کبائر سے قبل النبوة و بعد النبوة معصوم ہوتا ہے، تو پھر گناہوں سے معافی طلب کرنے کے حکم کا کیا مقصد ہے؟

دفع: پہلا جواب: آپ ﷺ کو معصوم ہونے کے باوجود طلب مغفرت کا حکم دراصل امت کو تعلیم کے لئے ہے تاکہ نبی کی اقتداء میں امت بھی اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کرتی رہے۔

دوسرا جواب: کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِسْتَغْفِرُ لِدَنْبِ اُمَّتِكَ آپ چونکہ امت کے شفیع ہیں اس لئے دَنْبُ کی نسبت آپ کی طرف کردی گئی ہے، ورنہ مراد امت کے ذنب ہیں۔

تیسرا جواب: دَنْبُ سے مراد خلاف اولیٰ ہے، حسناتُ الابرار سیناتُ المقربین کے قاعدہ سے لہذا خلاف اولیٰ کو ذنب سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

قَوْلٌ: قَلِيلًا مَا يَتَذَكَّرُونَ. قَلِيلًا مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے مازاندہ ہے تاکید قلت کے لئے، تقدیر عبارت یہ ہے يَتَذَكَّرُونَ تَذَكَّرًا قَلِيلًا.

قَوْلٌ: تَذَكَّرْهُمْ قَلِيلًا، قَلِيلُ کے رفع کے ساتھ، تَذَكَّرْهُمْ مبتداء کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع، اور بعض نسخوں میں قَلِيلًا نصب کے ساتھ ہے، نصب کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ قَلِيلًا کو حال قرار دیا جائے، اور تَذَكَّرْهُمْ کی خبر محذوف مانی جائے، تقدیر عبارت یہ ہوگی تَذَكَّرْهُمْ بِحُصُلِ حَالِ كَوْنِهِ قَلِيلًا، قَلِيلُ پر رفع اولیٰ ہے جیسا کہ مفسر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے اختیار کیا ہے۔

قَوْلٌ: بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ، يَتَذَكَّرُونَ میں دونوں قراءتیں ہیں، نافع اور ابن کثیر وغیرہ نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے، ما قبل یعنی اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ کی موافقت کے لئے، اور باقیوں نے بطور التفات کے خطاب کے ساتھ تَتَذَكَّرُونَ پڑھا ہے، مقصد انکار و تنبیخ میں اضافہ کرنا ہے۔

قَوْلٌ: اُعْبُدُونِي، اُدْعُونِي کی دو تفسیریں ہیں ایک حقیقت اور دوسری مجاز، حقیقت کا مطلب ہے کہ اُدْعُونِي کو اپنے حقیقی یعنی دعاء کے معنی میں رکھا جائے، مجاز کا مطلب یہ ہے کہ دعاء بمعنی عبادت لیا جائے، عبادت چونکہ دعاء کو شامل ہوتی ہے اور دعاء عبادت کا جزء ہے، اور جز بول کر قرینہ کی وجہ سے مجازاً اکل مراد لیا جاسکتا ہے، شارح رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے دوسری تفسیر کو پسند کیا ہے، اور دعاء بمعنی عبادت لیا ہے، اور قرینہ بعد والی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِي (الایۃ) ہے۔

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِیْحُ

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (الایۃ) یعنی ہم رسولوں کے دشمنوں کو ذلیل اور ان رسولوں کو غالب کریں گے، بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا گیا، جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور زکریا علیہ السلام وغیرہما، اور بعض کو ہجرت پر مجبور کیا گیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے نبی ﷺ اور ساتھ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی دشمنوں نے ہجرت پر مجبور کر دیا، وعدہ امداد و نصرت کے باوجود ایسا کیوں ہوا؟

مذکورہ شبہ کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں:

پہلا جواب: مفسرین میں سے بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ نصرت کا یہ وعدہ اکثر واغلب کے اعتبار سے ہے، اس لئے بعض حالات میں بعض دشمنوں کا غالب آ جانا اس کے منافی نہیں۔

دوسرا جواب: عارضی طور پر بعض دفعہ اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت کافروں کو غلبہ عطا کیا جاتا ہے، لیکن بالآخر اہل ایمان ہی غالب و سرخ رو ہوتے ہیں، جیسے حضرت یحییٰ و زکریا علیہما السلام کے قاتلین پر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو مسلط فرمادیا، جنہوں نے ان کے خون سے اپنی پیاس بجھائی، اور انہیں ذلیل و خوار کیا، جن یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینا چاہا، اللہ نے ان یہودیوں پر رومیوں کو ایسا غلبہ دیا کہ انہوں نے یہودیوں کو خوب ذلت و خواری کا عذاب چکھایا، پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ یقیناً ہجرت پر مجبور ہوئے لیکن اس کے بعد غزوہ بدر میں اور غزوہ احزاب و خیبر و فتح مکہ کے ذریعہ آپ ﷺ کو اسلام کے دشمنوں پر عظیم الشان فتح نصیب فرمائی، دشمن ذلیل و خوار ہو کر گرفتار ہوئے۔

اشہاد، شہید کی جمع ہے، جیسے اشراف، شریف کی جمع ہے، بمعنی گواہ، قیامت کے روز فرشتے اور انبیاء علیہم السلام گواہی دیں گے، یا فرشتے اس بات کی گواہی دیں گے کہ اے الہ العالمین تیرے پیغمبروں نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا لیکن ان کی امتوں نے ان کی تکذیب کی، علاوہ ازیں نبی ﷺ اور آپ کی امت بھی گواہی دے گی، جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے، اسی لئے قیامت کو ”یوم الاشہاد“ گواہیوں کا دن کہا گیا ہے۔

ہُدًى و ذِکْرً دونوں مصدر ہیں محل میں حال کے واقع ہونے کی وجہ سے منصب ہیں اور معنی میں ہاد اور مذکر کے ہیں۔

اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ یعنی یہ لوگ جو اللہ کی آیات میں بغیر کسی حجت و دلیل کے تکرار کرتے ہیں اس کی وجہ تکبر اور بڑائی کے سوا کچھ نہیں ہے، یہ اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور بے وقوفی سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑائی ہم کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی وجہ سے حاصل ہے، اس کو چھوڑ کر اگر ہم مسلمان ہو جائیں گے تو ہماری یہ ریاست اور یہ اقتدار ختم ہو جائے گا، قرآن کریم کہتا ہے مَا هُمْ بِبَالِغِیْهِ یعنی یہ لوگ اپنی مطلوبہ بڑائی بغیر اسلام لائے حاصل نہیں کر سکتے۔ (فرطی)

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (الایۃ) دعاء کے لفظی معنی پکارنے کے ہیں اور اس کا اکثر استعمال حاجت اور ضرورت کے لئے پکارنے میں ہوتا ہے، بعض اوقات مطلق ذکر اللہ کو بھی دعاء کہہ دیا جاتا ہے، یہ آیت امت محمدیہ کا خاص اعزاز ہے، کہ ان کو دعائے مانگنے کا حکم دیا گیا، اور اس کی قبولیت کا وعدہ کیا گیا، اور دعاء نہ مانگنے والے کے لئے وعید وارد ہوئی ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب احبار سے نقل کیا ہے کہ پہلے زمانہ میں یہ خصوصیت انبیاء علیہم السلام کی تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ

کی طرف سے حکم ہوتا تھا کہ آپ دعاء کریں میں قبول کروں گا، امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ حکم پوری امت کے لئے عام کر دیا گیا اور قبولیت کا وعدہ بھی کیا گیا۔ (ابن کثیر)

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنْ تَسْأَلُوا اللَّهَ الْإِبْصَارَ إِلَيْهِ مَجَازِي ۖ لَآ يَبْصُرُ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝۱۱ اللَّهُ فَلَا يُؤْمِنُونَ ۚ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَآَنِي تُؤْفَكُونَ ۝۱۲ فَكَيْفَ تُضْرَفُونَ ۚ عَنِ الْإِيمَانِ مَعَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ ۚ كَذَلِكَ يُؤْفَكُ أَي مِثْلُ أَفْكَ بِمَوْلَا ۚ أَفْكَ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ مُعْجَزَاتِهِ ۝۱۳ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً سَقْفًا ۚ وَصَوَّرَكُمُ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ ۚ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝۱۴ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَادْعُوهُ ۚ أَعْبُدُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ مِنَ الشِّرْكِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۵ قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنَاتُ دَلَالِيلُ التَّوْحِيدِ ۚ مِنْ رَبِّي ۚ وَأَمَرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۶ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ۚ بِخَلْقِ ابْنِكُمْ أَدَمَ مِنْهُ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ مِنْ نِسَائِكُمْ ۚ ثُمَّ مِنْ عِلْقَةٍ دَمٍ غَلِيظٍ ۚ ثُمَّ يَخْرِجُكُمْ طِفْلًا ۚ بِمَعْنَى أَطْفَالًا ۚ ثُمَّ يُبْقِيكُمْ لَتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ تَكَامُلَ قُوَّتِكُمْ مِنْ ثَلَاثِينَ سَنَةً إِلَى الْآرْبَعِينَ ۚ ثُمَّ لَتَكُونُوا شَيْوخًا ۚ بِضَمِّ الشَّيْنِ وَكُسْرِيهَا ۚ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى مِنْ قَبْلُ ۚ أَي قَبْلَ الْأَشَدِّ وَالشَّيْخُوخَةِ ۚ فَعَلْ ذَلِكَ بِكُمْ لِتَعِيشُوا وَلَتَبْلُغُوا أَجْلًا مُسَمًّى ۚ وَقَتًا مُحَدَّدًا ۚ وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝۱۷ دَلَالِيلُ التَّوْحِيدِ فَتُؤْمِنُونَ ۚ هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا ۚ أَرَادَ أَنْ يُجَادَ شَيْءٌ ۚ فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝۱۸ بِضَمِّ النُّونِ وَفَتْحِهَا بِتَقْدِيرِ أَنْ أَوْجَدُ عَقَبَ الْإِرَادَةِ الَّتِي هِيَ مَعْنَى الْقَوْلِ الْمَذْكُورِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رات بنادی تاکہ تم اس میں آرام حاصل کرو، اور دن کو دیکھنے والا (روشن) بنادیا، مُبْصِرًا کی اسناد نہار کی جانب مجازی ہے، اس لئے کہ اس میں دیکھا جاتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل و کرم والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر گزاری نہیں کرتے جس کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے یہی اللہ ہے تم سب کا رب ہر چیز کا خالق اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم ایمان سے دلیل کے باوجود کہاں لٹے چلے جا رہے ہو؟ اسی طرح یعنی ان لوگوں کے لئے چلنے کے مانند وہ لوگ بھی لٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی آیتوں یعنی معجزات کا انکار کیا کرتے تھے، اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قیام گاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں، یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے بہت ہی برکتوں والا اللہ ہے، سارے جہانوں کا رب وہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں شرک سے دین کو خالص کر کے اسی کی بندگی کرو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، آپ کہہ دیجئے! مجھے ان کی عبادت سے

روک دیا گیا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے (یعنی) بندگی کرتے ہو جبکہ میرے پاس میرے رب کی نشانیاں (یعنی) توحید کے دلائل آچکے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کے تابع فرمان رہوں، وہ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا (یعنی) تمہارے ابا آدم کو مٹی سے پیدا کر کے پھر تم کو نطفہ منی سے پیدا کیا پھر تم کو دم بستہ سے پیدا کیا پھر تم کو بچہ کی صورت میں نکالتا ہے، طفلاً بمعنی اطفالاً ہے پھر تم کو باقی رکھتا ہے تاکہ تم اپنی پوری قوت کو پہنچ جاؤ (یعنی) تمہاری قوت مکمل ہو جائے، تیس سال سے لیکر چالیس سال تک پھر بوڑھے ہو جاؤ شین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ اور تم میں سے بعض جوانی اور بڑھاپے کو پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں وہ تمہارے ساتھ ایسا اس لئے کرتا ہے تاکہ تم زندہ رہو اور ایک خاص محدود مدت تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم توحید کے دلائل کو سمجھو اور ایمان لے آؤ، وہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے پھر جب وہ کسی کام کے کرنے یعنی موجود کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اسے صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے، نون کے ضمہ کے ساتھ اور ان کی تقدیر کی وجہ سے فتح کے ساتھ یعنی (وہ شی) اس ارادہ کے بعد موجود ہو جاتی ہے، معنی میں قول مذکور کے ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْبِيلٍ وَتَفْسِيرُ فَوَائِدِ

قَوْلًا: اَللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا، اللّٰهُ مُبْتَدَاءُ الَّذِي اِسْمُ مَوْصُولٍ جَعَلَ فَعَلَ ماضی بمعنی خَلَقَ، لَكُمْ متعلق بجعل، اللَّيْلُ مفعول بہ، لِتَسْكُنُوا متعلق بجعل، فِيْهِ متعلق تَسْكُنُوا سے، وَاَوَّلُ عَاطِفُ النَّهَارِ ذُو الْحَالِ مُبْصِرًا حَال، حَالُ ذُو الْحَالِ سے مل کر معطوف اللیل پر، معطوف معطوف علیہ سے مل کر مفعول بہ جَعَلَ کا، جَعَلَ جملہ ہو کر صلہ ہوا الَّذی کا، الَّذی جملہ ہو کر خبر ہوئی اللہ مبتداء کی۔

قَوْلًا: وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا، مُبْصِرًا کی النَّهَار کی طرف مبالغہ کے لئے اسناد مجازی ہے یعنی دن کو اس قدر روشن بنایا گیا کہ وہ خود مُبْصِر ہو گیا، اسی وجہ سے تعلیل سے حال کی طرف عدول کیا ہے، یعنی مُبْصِرًا کو علت کے بجائے حال بنایا ہے۔

قَوْلًا: لِأَنَّهُ يُبْصِرُ فِيْهِ سے اشارہ کر دیا کہ اسناد مجازی کی وجہ علاقہ ظرفیت ہے، اسناد مجازی کہتے ہیں، کسی ربط و تعلق کی وجہ سے غیر ماہولہ کی طرف نسبت کرنے کو جیسا کہ آیت میں کہا گیا ہے، ہم نے دن کو دیکھنے والا بنایا، حالانکہ دن دیکھنے والا نہیں ہوتا بلکہ دن دیکھنے کا زمانہ یا وقت ہے یعنی دن میں دیکھا جاتا ہے، اسی تعلق ظرفیت کی وجہ سے دیکھنے کی نسبت نہار کی طرف کر دی ہے، یہ نہر جار کے قبیل سے ہے، نہر چونکہ ماء کے لئے ظرف ہے، اس لئے جریان کی نسبت نہر کی طرف کر دی۔

قَوْلًا: ذَلِكُمُ اللّٰهُ، ذَلِكُمُ مبتداء اس کی چار خبریں ہیں، ① اللّٰهُ ② ربکم ③ خالق کل شیء ④ لا اله الا هو۔

قَوْلًا: الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الآیة) اس میں دو احتمال ہیں ① بندوں کا کلام ہو ② رب العالمین کا کلام ہو، اگر بندوں کا کلام ہوگا تو قائلین محذوف کا مقولہ ہو کر حال ہوگا، اور اگر اللہ تعالیٰ کا کلام ہو تو کلام مستأنف ہوگا، اور اپنے بندوں

کو طریقہ حمد سکھانے کے لئے ہوگا۔

قَوْلًا: كَذَلِكَ اَوَّلُ كَافٍ حَرْفٍ تَشْبِيهِ ذَا اسْمٍ اِشَارَةٍ، لَ اِشَارَةُ اِشَارَةٍ بَعِيدَةٍ، اَخْرَجَ كَافٍ حَرْفٍ خَطَابٍ، كَذَلِكَ مِنْ مَذْكُورَةٍ
سابق کی طرف اشارہ ہوتا ہے بمعنی، ایسے ہی، اسی طرح۔

قَوْلًا: يُوَفِّكُ (ض، س) اَفْكَا اَفْكَا اَفْوَكَا پھرنا، اَفْكَا بہتان لگانا، يُوَفِّكُ مضارع واحد مذکر غائب بمعنی ماضی مجہول۔
قَوْلًا: اَفْكَ الذِّينَ كَانُوا اَفْكَ فَعْلٌ ماضی مجہول لا کر اشارہ کر دیا کہ يُوَفِّكُ مضارع مجہول کے معنی میں ہے۔

قَوْلًا: بِمَعْنَى اَطْفَالًا اس میں اشارہ ہے کہ طفل اسم جنس بمعنی جمع ہے یا یسخر حکم کل واحد کی تاویل میں ہے ورنہ تو
کُفْرٌ ذُو الْحَالِ جمع اور طِفْلًا حال مفرد میں مطابقت نہ ہوگی۔

قَوْلًا: بِخَلْقِ اَبْنِکُمْ اَدَمَ مِنْهُ اس عبارت سے ایک شبہ کا دفع مقصود ہے۔

شبہ: خَلَقْکُمْ مِنْ تُرَابٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، حالانکہ بنی آدم کی تخلیق نطفہ سے
ہوتی ہے۔

دفع: مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے خَلَقْکُمْ اِی خَلَقَ اَبْنِکُمْ اَدَمَ مِنْ تُرَابٍ شبہ دفع ہو گیا، اور کلام کو بغیر
حذف مضاف کے اپنی اصل پر بھی رکھ سکتے ہیں، اس لئے کہ انسان نطفہ سے اور نطفہ غذا سے اور غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے، لہذا
گویا کہ انسان مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔

قَوْلًا: اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ، اُسْلِمَ یَا تَوَّابًا بِمَعْنَى اِنْقِیَادٍ سے ماخوذ ہے یا بمعنی خلوص سے ماخوذ ہے، ہر صورت میں
مفعول محذوف ہے، پہلی صورت میں تقدیر یہ ہے اُسْلِمَ اَمْرٌ لَہُ تَعَالٰی اور دوسری صورت میں تقدیر یہ ہے خَلَصَ
قَلْبِی مِنْ عِبَادَةِ غَیْرِہ تَعَالٰی۔

قَوْلًا: یُبْقِیْکُمْ، یُبْقِیْکُمْ کو محذوف ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ لَتَبْلُغُوا، یُبْقِیْکُمْ محذوف کے
متعلق ہے اور لَتَبْلُغُوا اس کی علت ہے۔

قَوْلًا: لَتَبْلُغُوا اَجَلًا مُّسَمًّی لام تعلیل کے لئے ہے جو کہ علت مقدرہ پر معطوف ہے جس کو شارح نے لَتَعِیْشُوا کہہ کر
ظاہر کر دیا ہے۔

قَوْلًا: فَعَلَ ذَٰلِكَ بِکُمْ اس عبارت کو مقدر ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ، لَتَبْلُغُوا کا عطف
لِیَعِیْشُوا محذوف پر ہے اور وہ محذوف سابقہ میں مذکور افعال باری تعالیٰ کی علت ہے، اس طرح مذکورہ افعال باری تعالیٰ
کی دو علتیں ہوں گی یَعِیْشُوا اور یَبْلُغُوا یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، اور تم کو بچہ بنا کر نکالا تا کہ تم
زندہ رہو اور وقت مقرر کو پہنچو۔

قَوْلًا: فَيَكُونُ رَفْعُ كِي صُورَتِ مِیْ مَبْتَدَأِ مَحْذُوفِ كِی خَبَرِ هُوَ كِی اِی فُھُو یَكُونُ اور نَصْبِ كِی صُورَتِ مِیْ اَنْ مَقْدَرِ كِی وَجہ سے مَنصُوبِ هُوَ كِی اِی فَاَنْ یَكُونُ۔

قَوْلًا: اِذَا قَضَىٰ اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ كِی تَشْرِیحِ مَفْسَرِ عَلَامِ نَے اِپنَے۔ قَوْلِ عَقَبِ الْاِرَادَةِ الَّتِی هِیْ مَعْنٰی الْقَوْلِ الْمَذْكُورِ سَے كِی هَے، اِس كَا مَقْتَضٰی یَہ هَے كَہ آیت كِی تَحْلِیْلِ اِس طَرَحِ هُوَ، اِی اِذَا اَرَادَ اِیْجَادَ شَیْءٍ فَاِنَّمَا یُرِیْدُ اِیْجَادَهُ فِیْوَجَدُ اور اِس تَحْلِیْلِ كَے كُوئی مَعْنٰی نَہِیْں، اِس لَئے كَہ اِس تَحْلِیْلِ كِی صُورَتِ مِیْ مَطْلُبِ یَہ هُوَ كِی، جَبِ اللّٰهُ تَعَالٰی كِسی شَیْءِ كَے اِیْجَادِ كَرْنِے كَا اِرَادَہ فرماتے ہِیْں تُو وہ شَیْءِ مَوْجُودِ ہُو جَاتِی هَے، یَعْنِی شَیْءِ سَے اِرَادَہ كَا تَعْلُقِ دُور مَرْتَبَہ ہوتا هَے اور یَہ دُرست نَہِیْں هَے، لَہٰذا بَہْتِرا و رَیْصِ صُورَتِ یَہ هَے كَہ یَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ كُو سُرْعَۃِ اِیْجَادِ سَے كِنَا یَہ مَانَا جَا ئَے، تُو اِس صُورَتِ مِیْ تَحْلِیْلِ عِبَارَتِ یَہ هُوَ كِی اِنْ اَرَادَ اِیْجَادَ شَیْءٍ وَجَدَ سَرِیْعًا مِّنْ غَیْرِ تَوَقُّفٍ عَلٰی شَیْءٍ مَفْسَرِ عَلَامِ نَے اِیْ یُوجَدُ كَہ كَر بَتَا دِیَا كَہ كُنْ فَيَكُونُ مِیْ اَمْرِے مَرَادِ حَقِیْقَۃً اَمْرِ نَہِیْں هَے، اِس لَئے كَہ اِگر حَقِیْقَۃً اَمْرِ مَرَادِ ہُو تُو دُوحَالِ سَے خَالِی نَہِیْں، یَا تُو كُنْ كَہنَے كَے وَقْتِ وہ شَیْءِ جِس كِی اِیْجَادِ كَا اِرَادَہ كِیَا هَے مَوْجُودِ ہُو كِی یَا نَہِیْں، اِگر مَوْجُودِ هَے تُو كُنْ كَہنَے كَے كِیَا مَعْنٰی؟ اِس لَئے كَہ یَہ تُو تَحْصِیْلِ حَاصِلِ هَے، اور اِگر وہ شَیْءِ كُنْ كَہنَے كَے وَقْتِ مَوْجُودِ نَہِیْں هَے تُو پَھر مَعْدُومِ كُو خُطَابِ لَازِمِ آتا هَے، جُو ظَاہِرِ الْبَطْلَانِ هَے اِس لَئے كَہ مَعْدُومِ شَیْءِ مُخَاطَبِ نَہِیْں ہُو اِكر تِی، اِس لَئے اللّٰهُ تَعَالٰی كَے قَوْلِ كُنْ فَيَكُونُ كُو سُرْعَۃِ اِیْجَادِ سَے كِنَا یَہ مَانَا جَا ئَے، اَبِ مَطْلُبِ یَہ هُوَ كَہ اللّٰهُ تَعَالٰی جَبِ كِسی شَیْءِ كَے اِیْجَادِ كَا اِرَادَہ فرماتے ہِیْں تُو وہ شَیْءِ اِرَادَہ كَے مَتَعْلُقِ ہونَے كَے بَعْدِ فُورًا بَلَا تَا خِیْرِ مَوْجُودِ ہُو جَاتِی هَے۔ (جَمَل، تَرْوِیجِ الْاُرُوَاحِ)

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ اللَّیْلَ (الآیۃ) مَذْكُورَہ آیَاتِ مِیْ حَقِ تَعَالٰی كَے اِنْعَامَاتِ اور قُدْرَتِ كَامِلَہ كَے چَند مَظَاہِرِ پِش كَر كَے تُو حِیدِ كِی دَعْوَتِ دِی گئی هَے، اللّٰهُ تَعَالٰی نَے رَاَتِ تَارِیْكَ بِنَائِی تَا كَہ كَارِ وَبَارِ زَنْدَگِی مَعْطَلِ ہُو جَا ئِیْں، اور لُوكِ اَمْنِ وَسُكُونِ سَے سُو سَكِیْں، قُدْرَتِ نَے تَمَامِ اِنْسَانِی طَبَقَہ مِیْں بَلَكَہ جَا نُورِوٰں كَے لَئے بَھِی فِطْرِی طُورِ پَر نِیْنَدِ كَا اِیْكَ وَقْتِ مَقْرَرِ كَر دِیَا هَے، اور اِس وَقْتِ كُو تَارِیْكَ بِنَا كَر نِیْنَدِ كَے لَئے مَناسِبِ بِنَا دِیَا هَے، اور دِنِ كُو رُوشَنِ بِنَا یَا تَا كَہ مَعاشِی تَگِ و دُورِ مِیْں تَكْلِیْفِ نَہ ہُو اِگر ظَلَمَتِ هِی ظَلَمَتِ ہُو تِی تُو لُوكِوٰں كَے كَامِ كَا جِ مَعْطَلِ ہُو جَاتِے، اور جَبِ تَمِ كُو یَہ مَعْلُومِ ہُو اِكَہ اللّٰهُ ہِی ہَر چِیزِ كَا خَالِقِ و مَالِكِ هَے، اِس كَے سِوَا كُوئی مَعْبُودِ نَہِیْں، تُو پَھر اِس كِی عِبَادَتِ سَے كِیوں بَد كَتَے اور بَھَا گَتَے ہُو اور اِس كِی تُو حِیدِ سَے كِیوں مَنہ مَوڑ تَے اور اِیْنِٹھتَے ہُو۔

وَصَوَّرَكُمُ فَاَحْسَنَ صُورَتِكُمْ اِن كِی شَكْلِ وَصُورَتِ سَبِ سَے اَعْلٰی اور مَمْتَازِ بِنَائِی، مَتَناسِبِ اَعْضَا، عَطَا فرمائے، سُوچنے سََھَھنے كَے لَئے عَقْلِ عَطَا فرمائی، اور جَبِ سَبِ كَچھ كَرْنِے والا اور دِیْنِے والا وہِی هَے، دُوسرا كُوئی نَہ اَخْتِیَارَاتِ مِیْں شَرِیْكَ اور نَہ بِنَانِے مِیْں، تُو عِبَادَتِ كَا مُسْتَحَقُّ بَھِی صُورَفِ وہِی اِیْكَ اللّٰهُ هَے، لَہٰذا اِسْتِمْدَادِ و اِسْتِغَاثَہ بَھِی اِسی سَے كَر و كَہ وہِی سَبِ كِی فَرِیَادِیْں اور اِلْتِجَا ئِیْں سَننے والا هَے، دُوسرا كُوئی بَھِی مَافُوقِ الْاَسْبَابِ طَرِیْقَہ سَے كِسی كِی بَاتِ سَننے والا نَہِیْں، جَبِ یَہ بَاتِ

ہے تو مشکل کشائی اور حاجت روائی دوسرا کون کر سکتا ہے؟

لَمَّا جَاءَ نَبِيَّ الْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّي (الآیہ) یہ وہی عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے اللہ کی توحید اور رب ہونے کا اثبات ہوتا ہے جو قرآن میں جا بجا ذکر کئے گئے ہیں، ”اسلام“ کے معنی ہیں اطاعت و انقیاد کے لئے جھک جانا، سر اطاعت خم کر دینا، آئندہ آیت میں پھر کچھ قدرت کاملہ اور توحید کے دلائل ذکر کئے گئے ہیں، مثلاً تمہارے باپ آدم کو مٹی سے بنایا، جو ان کی اولاد کے مٹی سے پیدا ہونے کو تسلیم ہے، پھر اس کے بعد نسل انسانی کے تسلسل اور اس کی بقاء و تحفظ کے لئے انسانی تخلیق کو نطفہ سے وابستہ کر دیا، اب ہر انسان اس نطفے سے پیدا ہوتا ہے، جو صلب پدر سے رحم مادر میں جا کر قرار پکڑتا ہے، سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کی پیدائش معجزانہ طور پر بغیر باپ کے ہوئی، جیسا کہ قرآن کریم میں بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہوتا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے۔

الْمَرَّ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ الْقُرْآنِ أَتَى كَيْفَ يُصَرِّفُونَ ۖ عَنِ الْإِيمَانِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ الْقُرْآنِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۚ مِنَ التَّوْحِيدِ وَالْبَعْثِ وَبِهِمْ كُفَّارٌ مَكَّةَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۖ عِقُوبَةُ تَكْذِيبِهِمْ إِذَا الْأَغْلَى فِي أَعْنَاقِهِمْ ۚ إِذَا بِمَعْنَى إِذَا وَالسَّلْسِلُ عَطْفٌ عَلَى الْأَغْلَى فَتَكُونُ فِي الْأَعْنَاقِ أَوْ مُبْتَدَأُ خَبَرِهِ مَحذُوفٌ أَوْ فِي أَرْجُلِهِمْ أَوْ خَبَرُهُ يُسْحَبُونَ ۖ أَوْ يُجْرُونَ بِهَا فِي الْحَمِيمَةِ أَوْ جَهَنَّمَ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۖ يُوقَدُونَ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ تَبْكِيْنَا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ۖ مَنْ دُونِ اللَّهِ ۚ مَعَهُ وَهِيَ الْأَصْنَامُ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا فَلَا نَرَاهُمْ ۚ بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ۚ أَنْكُرُوا عِبَادَتَهُمْ ۚ إِنَّا بِهَا لَمْ أَحْضَرْتُ قَالَ تَعَالَى إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَوْ وَقُودُهَا كَذَلِكَ أَوْ بِمِثْلِ اضْلالِ بَنِي إِسْرَءِيلَ الْمُكَذِّبِينَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ۖ وَيُقَالُ لَهُمْ أَيْضًا ذَلِكُمُ الْعَذَابُ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ مِنَ الْإِشْرَاقِ وَإِنْكَارِ الْبَعْثِ ۖ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ ۖ تَتَوَسَّعُونَ فِي الْفَرْحِ أَدْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوًى مَأْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ۖ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ بِعَذَابِهِمْ حَقٌّ ۚ فَمَا تُرِيدُكَ فِيهِ إِنْ الشَّرْطِيَّةُ مُدْغَمَةٌ وَمَا زَائِدَةٌ تُؤَكِّدُ مَعْنَى الشَّرْطِ أَوَّلَ الْفِعْلِ وَالنُّونُ تُؤَكِّدُ آخِرَهُ بَعْضُ الَّذِي نَعِدُهُمْ بِهِ مِنَ الْعَذَابِ فِي حَيَاتِكَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحذُوفٌ أَوْ فِذَاكَ أَوْ تَتَوَقَّيْنَاكَ قَبْلَ تَعْدِيبِهِمْ ۖ فَلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۖ فَنُعَذِّبُهُمْ أَشَدَّ الْعَذَابِ فَالْجَوَابُ الْمَذْكُورُ لِلْمَعْطُوفِ فَقَطْ ۚ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ رَوَى أَنَّهُ تَعَالَى بَعَثَ ثَمَانِيَةَ الْآفِ نَبِيٍّ أَرْبَعَةَ الْآفِ نَبِيٍّ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَأَرْبَعَةَ الْآفِ نَبِيٍّ مِنْ سَائِرِ النَّاسِ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ مِنْهُمْ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ لَانَهُمْ عَبِيدٌ مَرْبُوبُونَ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ ۚ يَنْزِلُ الْعَذَابُ عَلَى الْكَافِرِ قُضِيَ بَيْنَ الرُّسُلِ وَمُكَذِّبِهَا بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ۖ أَوْ

معانقہ ۱۳ عند التَّأخُّرِ

ع ۱۳

تَرْجُمَہ: کیا آپ نے انہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں قرآن میں تکرار کرتے ہیں؟ ایمان سے کہاں پھرے چلے

جار ہے ہیں؟ جن لوگوں نے کتاب قرآن کو اور اس توحید اور بعث بعد الموت کو بھی جس کو ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجا جھٹلایا اور وہ کفار مکہ ہیں، سو ان کو ان کی تکذیب کی سزا (کی حقیقت) ابھی ابھی معلوم ہوا چاہتی ہے جبکہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اِذَا بِمَعْنٰی اِذَا ہے اور زنجیریں ہوں گی (والسلاسل) کا عطف الاغلال پر ہے، تو وہ زنجیریں گردنوں میں ہوں گی، یا السلاسل مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، یعنی ان کے پیروں میں (زنجیریں ہوں گی) یا يُسْحَبُونَ اس کی خبر ہے، یعنی ان زنجیروں کے ذریعہ جہنم میں گھسیٹے جائیں گے، پھر وہ (جہنم) کی آگ میں جلائے جائیں گے پھر ان سے لا جواب کرنے کے لئے پوچھا جائے گا کہ جن بتوں کو تم اس کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے جو اللہ کے سوا تھے وہ کہاں ہیں؟ تو وہ جواب دیں گے وہ تو ہم سے غائب ہو گئے، ہم کو وہ کہیں نظر نہیں آتے بلکہ (سچ تو یہ ہے) کہ ہم اس کے قبل کسی کو بھی نہیں پوجتے تھے (یعنی) کفار ان (بتوں) کی عبادت کا انکار کر دیں گے پھر ان بتوں کو لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم اور جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے تھے جہنم کا ایندھن ہو، اللہ تعالیٰ اسی طرح یعنی ان مکذبین کو گمراہ کرنے کے مانند کافروں کو گمراہ کرتا ہے اور ان سے یہ بھی کہا جائے گا یہ عذاب اس کا بدلہ ہے کہ تم دنیا میں ناحق پھولے نہ سماتے تھے شرک کر کے اور انکار بعث کر کے اور (بے جا) اتراتے پھرتے تھے یعنی حد سے زیادہ اظہار مسرت کرتے تھے (شیخی بگھارتے تھے) (اب آؤ) جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لئے اس کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، کیا ہی بری جگہ ہے تکبر کرنے والوں کی، پس آپ (چندے) صبر کریں اللہ کا وعدہ ان کے عذاب کا قطعاً سچا ہے ان سے ہم نے جو عذاب کے وعدے کر رکھے ہیں، ان میں سے کچھ آپ کو آپ کی حیات ہی میں دکھا دیں اس میں ان شرطیہ مدغم ہے اور فعل کے شروع میں فعل کی تاکید کے لئے مازائدہ ہے اور آخر میں تاکید کے لئے نون ہے، اور جواب شرط محذوف ہے اور وہ فِذَاكَ ہے یا ان کو عذاب دینے سے پہلے ہی آپ کو وفات دیدیں وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے تو ہم ان کو شدید ترین عذاب دیں گے، جواب مذکور (یعنی فَاِلَيْنَا يُرْجَعُونَ) فقط معطوف (یعنی نَتَوَقَّئُكَ) کا ہے یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے قصے تو ہم نے آپ سے بیان کر دیئے اور ان میں سے بعض کے قصے تو ہم نے آپ کو سنائے ہی نہیں روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار انبیاء مبعوث فرمائے ان میں سے چار ہزار بنی اسرائیل میں سے ہیں اور (بقیہ) چار ہزار انبیاء (بقیہ) تمام لوگوں میں سے ہیں، ان میں سے کسی رسول کو یہ قدرت نہیں تھی کہ کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر لاسکے اس لئے کہ وہ تو (اس کے) مملوک بندے ہیں پھر جس وقت اللہ کا کفار پر نزول عذاب کا حکم آئے گا، تو رسولوں اور ان کو جھٹلانے والوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اس وقت اہل باطل خسارہ میں رہ جائیں گے یعنی قضا و خسران کا ظہور لوگوں کے سامنے اس وقت ہوگا، ورنہ تو وہ اس سے پہلے ہی ہر وقت خسارہ میں تھے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: اَلْمَرْتَرُ ہمزہ استفہام تقریری تعجبی ہے۔

قَوْلٌ: اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوا، الَّذِيْنَ اول الذین سے بدل ہے۔

قَوْلٌ: فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ فاء استینافیہ ہے، سوف حرف استقبال يَعْلَمُوْنَ فعل مضارع مرفوع، جملہ مستانفہ تہدید کے لئے ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَلَّذِيْنَ اسم موصول صلہ سے مل کر مبتداء ہو اور فسوف يعلمون اس کی خبر۔ (لغات القرآن)

قَوْلٌ: اِذَا بِمَعْنٰی اِذَا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: سَوْفَ حرف استقبال ہے اور اِذَا ماضی کے لئے ہے، دونوں کے مقتضی میں تعارض ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی کہے سَوْفَ اصومُ اَمْسٍ۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اِذَا، اِذَا کے معنی میں ہے اِذَا کے بجائے اِذَا لانے میں مصلحت یہ ہے کہ امور مستقبلہ جب اللہ کی اخبار میں واقع ہوتے ہیں تو وہ متیقنہ اور قطعی الوقوع ہوتے ہیں، جس طرح کہ ماضی قطعی الوقوع ہوتی ہے، لہذا اس کو ایسے الفاظ سے تعبیر کر دیتے ہیں جو ماضی پر دلالت کرتے ہیں۔

قَوْلٌ: فَتَكُوْنُ فِی الْاَغْنٰقِ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اگر السَّلاْسِلُ کا عطف اَغْلَالُ پر ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اَغْلَالُ اور سَلاْسِلِ دونوں گردنوں میں ہوں گے، اور اگر السَّلاْسِلِ کو مبتداء مانا جائے تو اس کی خبر محذوف ہوگی اور وہ فی اَرْجُلِهِمْ ہے، اِی تَكُوْنُ فِی اَرْجُلِهِمْ اب مطلب یہ ہوگا کہ طوق گردنوں میں اور زنجیریں پیروں میں ہوں گی، اور خبرہ يُسْحَبُوْنَ کہہ کر تیسری ترکیب کی طرف اشارہ کر دیا، یعنی السَّلاْسِلِ مبتداء اور يُسْحَبُوْنَ جملہ ہو کر اس کی خبر، اور خبر جب جملہ ہوتی ہے تو عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو مبتداء کی طرف لوٹے بھا مقدر مان کر عائد کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلٌ: يُسْحَبُوْنَ، سَحَبٌ (ف) جمع مذکر غائب مجہول گھسیٹے جائیں گے۔

قَوْلٌ: يُسْجَرُوْنَ، سَجَرٌ (ن) سے مضارع جمع مذکر غائب پٹائے جاؤ گے، جھونکے جاؤ گے، يُسْجَرُوْنَ، سَجَرُ التَّنُوْرِ سے مشتق ہے اِذَا مَلَأَ بِالْوَقُوْدِ۔

قَوْلٌ: ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ اِیْ یَقَالُ لَهُمْ قِيلَ ماضی کے ذریعہ تعبیر متحقق الوقوع ہونے کی وجہ سے ہے۔

قَوْلٌ: ثُمَّ اُحْضِرَتْ اس عبارت کا مقصد ایک اعتراض کا دفعیہ ہے۔

سُؤَالٌ: مفسر علام نے ضَلُّوا عَنَّا (الآیۃ) کی جو یہ تفسیر بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب مشرکین سے فرمائیں گے کہ وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم میرا شریک ٹھہرایا کرتے تھے؟

جَوَابٌ: تو مشرکین جواب دیں گے وہ تو ہم سے غائب ہو گئے اور ہم دنیا میں ان میں سے کسی کی بندگی نہیں کیا کرتے تھے، یہ تفسیر ایک دوسری آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَاَرِدُوْنَ کے خلاف ہے، اس لئے

کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ معبودان باطلہ وہاں موجود ہوں گے نہ کہ غائب جیسا کہ سابقہ آیت سے معلوم ہوتا ہے ثُمَّ اُخْصِرَتْ کہہ کر جواب دیا کہ اولاً معبودان باطلہ غائب ہو جائیں گے اور عابدین ان کی عبادت کا انکار کریں گے، مگر بعد میں ان کو حاضر کیا جائے گا اور عابدین ان کی عبادت کا اقرار بھی کریں گے۔

قَوْلٌ: تَمْرُحُونَ، مَرَحٌ (ف) سے مراد واحد سے زیادہ خوشی کا اظہار کرنا، اترانا۔

قَوْلٌ: فِیْهِ خَبْرٌ مُّقَدَّمٌ ہے اِنَّ الشَّرْطِیَّةَ مُبْتَدَاً، مَوْخِرٌ مَدْعَمَةٌ اِنْ شَرْطِیَّةً سے حال ہے مُدْعَمٌ فِیْهِ یعنی مازائدہ کا ذکر نہیں کیا یعنی اِمَّا تُرِیْنٰكَ میں فعل کے اول میں مازائدہ کے ذریعہ تعلق فعل کی تاکید ہے اور نون ثقیلہ کے ذریعہ فعل کے آخر میں تاکید ہے۔

قَوْلٌ: فَالْجَوَابُ الْمَذْكُورُ لِلْمَعْطُوفِ فَقَطْ، نَتَوَقَّیْنٰكَ كَاَعْطَفَ اِمَّا تُرِیْنٰكَ پر ہے، معطوف علیہ پر چونکہ حرف شرط اور مازائدہ داخل ہیں لہذا معطوف پر بھی داخل ہوں گے، معطوف علیہ اور معطوف دونوں کو جواب شرط کی ضرورت ہے، اور جواب شرط صرف ایک ہے اور وہ ہے فَاِلَیْنَا یُرْجَعُونَ مذکور جواب شرط معطوف یعنی نَتَوَقَّیْنٰكَ کو دیدیا، اب معطوف علیہ یعنی تُرِیْنٰكَ بلا جواب شرط کے باقی رہ گیا، اس کے لئے جواب شرط محذوف مان لیا، جس کو شارح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فَذٰلِكَ کہہ کر ظاہر کر دیا، مطلب یہ ہوگا، کفار سے ہم نے عذاب کے جو وعدے کر رکھے ہیں ان میں سے کچھ اگر ہم آپ کو دنیوی زندگی میں دکھادیں تو یہ بھی ہو سکتا ہے اور اگر ہم آپ کو ان کو عذاب دینے سے پہلے وفات دیدیں تو سب کو ہمارے پاس لوٹ آنا ہی ہے تو وہاں ہم ان کو شدید عذاب دیں گے، پہلا خط کشیدہ جملہ اِمَّا تُرِیْنٰكَ شرط کا جواب ہے، اور دوسرا خط کشیدہ جملہ نَتَوَقَّیْنٰكَ شرط کا جواب ہے۔

اور بعض مفسرین حضرات نے کہا ہے کہ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُونَ دونوں شرطوں کا جواب بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنْ نُعَذِّبُهُمْ فِی حَیَاتِکَ اَوْ لَمْ نُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّمَا نُعَذِّبُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اَشَدَّ الْعَذَابِ فَاِنَّمَا نُعَذِّبُهُمْ الْخِ دُونوں شرطوں کا جواب ہے۔

قَوْلٌ: هُنَا لَكَ یہ ظرف مکان ہے مگر یہاں ظرف زمان کے لئے استعمال ہوا ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

الْمُرْتَرِ اِلَى الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یہ مشرکین کے انکار و تکذیب پر اظہار تعجب ہے کہ ظہور دلائل اور وضوح حق کے باوجود کسی طرح حق کو نہیں مانتے، ان کو جب پتہ چلے گا کہ جب فرشتے ان کے گلے میں طوق اور پیروں میں بیڑیاں جکڑ کر سر کے بل گھسیٹ کر جہنم میں جھونک دیں گے، اور کہیں گے وہ کہاں ہیں جن کو تم حضرت حق جل شانہ کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے؟ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا مشرکین جہنم میں داخل ہونے کے بعد جواب دیں گے پتہ نہیں ہمیں چھوڑ کر کہاں غائب ہو گئے نظر نہیں آ رہے؟ وہ اپنی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں، ہماری مدد کیا کریں گے؟ اس کے بعد ان کی عبادت ہی سے انکار کر دیں گے، جیسے

کہ سورہ انعام میں فرمایا گیا وَاللّٰهُ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ”واللہ ہم مشرکین میں سے نہیں تھے“ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ بتوں کے وجود اور ان کی عبادت کا انکار نہیں ہے، بلکہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ان کی عبادت باطل اور لاشیٰ محض تھی، اس لئے کہ روزِ محشر ان پر واضح ہو جائے گا کہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہے کہ جو نہ سن سکتی تھیں اور نہ دیکھ سکتی تھی، اور جو نہ نقصان پہنچا سکتی تھیں اور نہ نفع، یہ حَسْبُنَا فَلَیْمٰیکن کے قیل سے ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں جس کا جو چیرا تو ایک قطرہ خوں نہ نکلا

اس کے دوسرے معنی جو شروع میں بیان ہوئے وہ واضح ہیں کہ وہ سرے سے شرک ہی کا انکار کر دیں گے، صاوی نے کہا ہے کہ ابتداء اس فائدے کی امید پر کہ شاید ہماری بات مان کر ہم پر رحم کر دیا جائے، اظہارِ براءت اور انکار کریں گے بل لمرنگن ندعوا من قبل شینا۔ ضلُّوا عَنَّا سے اضراب ہے، اور مشرکین کا قول ضلُّوا عَنَّا اقرار سے پہلے کا ہے، اور جب دیکھیں گے کہ انکار سے کوئی فائدہ نہیں تو اعتراف و اقرار کریں گے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہیں گے کہ یہاں آکر پتہ چلا کہ ان کی عبادت بے سود اور باطل محض تھی۔

ذَالِكُمْ كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ، تفرحون، فرح سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خوش ہونا، اور اظہارِ مسرت کرنا، اور تَمْرَحُونَ، مَرَح سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں اترانا، اور مال و دولت پر فخر و غرور میں مبتلا ہو کر دوسروں کے حقوق میں تعدی کرنا اور ان کو حقیر سمجھنا، مَرَح مطلقاً مذموم اور حرام ہے، اور فَرَح یعنی خوشی میں یہ تفصیل ہے کہ مال و دولت کے نشہ میں خدا کو بھول کر معاصی سے لذت حاصل کرنا اور ان پر خوش ہونا حرام ہے، اس آیت میں یہی فرح مراد ہے، جیسا کہ قاربون کے قصہ میں لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ اور فرح کی دوسری قسم یہ ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور راحتوں کو اللہ کا انعام سمجھ کر ان پر خوش ہونا اور اظہارِ مسرت کرنا یہ جائز بلکہ مستحب ہے، اسی فرح کے متعلق قرآن کریم نے فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا فرمایا یعنی اس پر خوش ہونا چاہئے، آیت مذکور میں فرح کے ساتھ کوئی قید نہیں ہے، مَرَح مطلقاً مذموم اور سببِ عذاب ہے، اور فرح کے ساتھ بغير الحق کی قید لگا کر بتلادیا کہ ناحق اور ناجائز لذتوں پر خوش ہونا اور اترانا حرام ہے، اور حق اور جائز لذتوں اور نعمتوں پر بطور شکر کے خوش ہونا عبادت اور ثواب ہے۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ اس میں نبی ﷺ کو تسلی اور دشمنوں پر فتح کا وعدہ ہے یعنی آپ صبر کریں ہم کافروں سے ضرور انتقام لیں گے، یہ وعدہ جلدی ہی پورا ہو سکتا ہے یعنی دنیا ہی میں ہم ان کی گرفت کر لیں یا حسبِ منشاء الہی تاخیر بھی ہو سکتی ہے، یعنی روزِ قیامت ہم ان کو سزا دیں گے تاہم یہ بات یقینی ہے کہ یہ لوگ ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جاسکتے۔

فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي (الآیہ) یعنی آپ کی زندگی ہی میں ہم ان کو مبتلائے عذاب کر دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ نے کافروں سے انتقام لے کر مسلمانوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، جنگِ بدر میں ستر کافر مارے گئے ۸ھ میں مکہ فتح ہو گیا، اور پھر نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں پورا جزیرہ عرب مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گیا، اور اگر کسی مصلحت اور مشیتِ الہی کے پیش نظر دنیا

میں گرفت نہ کی جائے تو یہ کافر عذاب الہی سے بچ کر جائیں گے کہاں؟ آخر کار میرے ہی پاس آئیں گے، جہاں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ (الآیۃ) یہ بھی نبی کریم ﷺ کو تسلی ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے انبیاء واضح دلائل اور معجزات دیکر بھیجے، ان کی قوم نے نہ صرف یہ کہ ان سے مجادلہ کیا بلکہ ان کو قسم قسم کی ذہنی اور جسمانی اذیتیں پہنچائیں، مگر انہوں نے ان کی اذیتوں پر صبر کیا، لہذا آپ بھی صبر کیجئے، ان انبیاء علیہم السلام میں سے بعض کے حالات و واقعات ہم نے آپ کو سنا بھی دیئے ہیں، اور بہت بڑی تعداد ان انبیاء علیہم السلام کی ہے کہ جن کے واقعات قرآن میں بیان ہی نہیں کئے گئے، اس لئے کہ قرآن کریم میں صرف پچیس انبیاء و رسل کا ذکر اور ان کی قوموں کے حالات بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے بھی بعض کا صرف نام لیا گیا ہے قرآن کریم میں ان کے حالات کی تفصیل بیان نہیں کی گئی، شرح مقاصد میں ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے سول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ انبیاء علیہم السلام کی کتنی تعداد ہے؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا مائة الف واربعة وعشرون الفا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ یہاں آیت سے مراد معجزہ اور خرق عادت واقعہ ہے، جو پیغمبروں کی صداقت پر دلالت کرے۔

شان نزول:

ہر امت اپنے اپنے پیغمبروں سے معجزات کے مطالبات کرتی رہی ہے کہ ہمیں فلاں معجزہ دکھاؤ، چنانچہ نبی کریم ﷺ سے بھی قریش نے قسم قسم کے معجزات کا مطالبہ کیا، کبھی کہتے کہ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھاؤ، تب ہم آپ کی نبوت پر ایمان لائیں گے اور کبھی کہتے کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دو تا کہ ہم سب کی غربت دور ہو کر خوشحالی آجائے، وغیرہ وغیرہ، مطلوبہ معجزات کی تفصیل سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۰، ۹۳ میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی قوم کے مطالبہ پر ان کو کوئی معجزہ صادر کر کے دکھا دے، یہ صرف ہمارے اختیار میں ہے، بعض نبیوں کو تو ابتداء ہی سے معجزے دیدئے گئے تھے، بعض قوموں کو ان کے مطالبہ پر معجزہ دکھلایا گیا، اور بعض کو مطالبہ کے باوجود نہیں دکھلایا گیا، ہماری مشیت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا، کسی نبی کے ہاتھ میں یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا معجزہ صادر کر کے دکھلا دیتا۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ قِيلَ الْإِبِلُ بِنَا خَاصَّةً وَالظَّاهِرُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ لَتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٦٨﴾ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ مِنَ الدَّرِّ وَالنَّسْلِ وَالْوَبْرِ وَالصُّوفِ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ هِيَ حِمْلُ الْأَثْقَالِ إِلَى الْبِلَادِ وَعَلَيْهَا فِي الْبَرِّ وَعَلَى الْفُلْكِ النَّسْفِ فِي الْبَحْرِ تُحْمَلُونَ ﴿٦٩﴾ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيُّ آيَاتِ اللَّهِ تُنْكِرُونَ ﴿٧٠﴾ استفسار توبیخ و تذکیر آی اشہر من ثانیہ

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَأَثَارًا فِي الْأَرْضِ مِنْ مَصْنِيعٍ وَقُصُورٍ فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ الْمُعْجَزَاتِ الظَّاهِرَاتِ فُوحُوا إِلَى الْكُفَّارِ بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الرُّسُلِ مِنَ الْعِلْمِ فَرَحَ اسْتِهْزَاءٍ وَضَحَكَ مُنْكَرِينَ لَهُ وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۸۲﴾ أَى الْعَذَابِ فَلَمَّا رَأَوْا بَاسَنَا أَى شِدَّةِ عَذَابِنَا قَالُوا أَمَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿۸۳﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَاسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ نَضْبُهُ عَلَى الْمَصْدَرِ بِفَعْلٍ مُقَدَّرٍ مِنْ لَفْظِهِ الَّتِي قَدْ خَلَّتْ فِي عِبَادِهِ فِي الْأَمْسِ أَنْ لَا يَنْفَعَهُمْ الْإِيْمَانُ وَقَدْ نَزَلَ الْعَذَابُ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ﴿۸۴﴾ تَبَيَّنَ خُسْرَانُهُمْ لِكُلِّ أَحَدٍ وَهُمْ خَاسِرُونَ فِي كُلِّ وَقْتٍ قَبْلَ ذَلِكَ.

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے (مویشی) پیدا کئے کہا گیا ہے کہ یہاں (انعام) سے خاص طور پر اونٹ مراد ہے اور ظاہر یہی ہے اور بقر و غنم بھی مراد ہو سکتے ہیں تاکہ ان میں سے بعض پر تم سواری کرو اور بعض کو ان میں سے کھاتے ہو اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے منافع ہیں (مثلاً) دودھ، نسل، اونٹ کے بال، اور اون تاکہ تم ان پر سوار ہو کر اپنی دلی مراد کو حاصل کرو اور وہ (مختلف) شہروں تک بوجھ لاد کر لیجاتا ہے، اور ان سوار یوں پر خشکی میں اور کشتیوں پر دریا میں چڑھے پھرتے ہو اور وہ تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے، پس تم وحدانیت پر دلالت کرنے والی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرتے رہو گے؟ استفہام تو بخنی ہے، اور اُیٰ مذکر کا استعمال بہ نسبت آیت مؤنث کے زیادہ مشہور ہے، کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلوں کا انجام کیسا ہوا، حالانکہ وہ ان سے تعداد میں زیادہ اور قوت اور یادگاروں (مثلاً) قلعوں اور محلوں میں بڑھے ہوئے تھے، ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی پس جب بھی ان کے پاس ان کے رسول کھلے معجزات لے کر آئے تو کافر بطور استہزاء اور منکرین کے ضحک کے طور پر اس علم سے خوش ہوئے جو رسولوں کے پاس تھا بالآخر جس عذاب کو مذاق میں اڑا رہے تھے، وہی عذاب ان پر پلٹ پڑا، چنانچہ جب انہوں نے ہمارے عذاب کی شدت کو دیکھا تو کہنے لگے ہم اللہ واحد پر ایمان لائے، اور جن جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرا رہے تھے، ان سب کا انکار کیا، لیکن ہمارے عذاب کو دیکھ لینے کے بعد ان کو ان کے ایمان نے نفع نہیں دیا، اللہ نے اپنا یہی معمول مقرر کر رکھا ہے (سُنَّت) کا نصب مصدریت کی بناء پر ہے، اسی (مصدر) کے لفظ سے فعل مقدر کی وجہ سے جوامتوں میں اس کے بندوں میں برابر چلا آ رہا ہے، یہ کہ نزول عذاب کے وقت ایمان فائدہ نہیں دیتا، اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے (یعنی) ان کا خسران ہر ایک پر ظاہر ہو گیا، حال یہ کہ وہ اس سے پہلے بھی ہمہ وقت خاسر تھے۔

تَحْقِيقُ وَتَرْكِيبُ تَسْهِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلًا: الْأَنْعَامُ موشی یہ نَعْم کی جمع ہے، اس کے اصل معنی تو اونٹ کے ہیں، مگر بھیڑ، بکری، گائے بھینس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، بشرطیکہ ان میں اونٹ بھی ہو، اونٹ چونکہ عرب کے نزدیک بہت بڑی نعمت ہے، اس لئے اس کا نام نعم بمعنی نعمت ہوا۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: ذَرُّ دُرٍّ۔

قَوْلًا: الْوَبَرُ اونٹ اور خرگوش وغیرہ کے بال (ج) اَوْبَارٌ۔

قَوْلًا: وَعَلَى الْفُلْكِ۔

سُئِلَ: فِي الْفُلْكِ کیوں نہیں کہا؟ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں کہا ہے قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ۔

جَوَابًا: تاکہ عَلَيْهَا حَاجَةٌ کا تقابل صحیح ہو جائے، اس کو صنعت ازدواج کہتے ہیں۔

قَوْلًا: أَيُّ آيَةِ اللَّهِ، تُنْكَرُونَ کا مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ایٹھ کو مقدم کرنا واجب ہے، اس لئے کہ یہ صدارت کلام چاہتا ہے۔

قَوْلًا: تَذَكِّرُ أَيُّ أَشْهَرُ مِنْ تَانِيَةِ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُئِلَ: آيَةُ آيَةِ اللَّهِ کیوں نہیں کہا، جبکہ مضاف الیہ آيَةِ اللَّهِ کا مقتضی یہ تھا کہ أَيُّ کے بجائے آيَةُ ہو۔

جَوَابًا: اسماء جامدہ میں مذکر و مونث میں تفریق غریب ہے جیسا کہ حَمَارٌ وَحَمَارَةٌ میں تفریق غریب ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ أَيُّ کا استعمال بہ نسبت آيَةُ کے اکثر و اشہر ہے زنجشیری نے کہا ہے وَقَدْ جَاءَتْ عَلَى اللُّغَةِ الْمُسْتَفِيضَةُ یعنی أَيُّ کا استعمال کثیر ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ یہاں سے تو بخوبی مضمون شروع فرما رہے ہیں، فاء عاطفہ ہے، ہمزہ محذوف پر داخل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے کہ أَعْجَزُوا أَمْ لَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ۔

قَوْلًا: كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ، كَيْفَ کی خبر مقدم اور عَاقِبَةُ اسم مؤخر ہے۔

قَوْلًا: مَصَانِعَ زُرِيزٍ ذخیرہ آبی کے لئے بڑے بڑے حوض، ڈیم، قلعے۔ (حمل)

قَوْلًا: فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ پہلا مانافیہ اور استفہام انکاری، دونوں ہو سکتا ہے، یعنی ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی، استفہامیہ کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا، ان کی کمائی ان کے کیا کام آئی؟ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ کا مصدر یہ اور موصولہ دونوں جائز ہے، پہلا فَمَا أَغْنَى کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلًا: فَرِحُوا اِی کفار بما عِنْدَهُم اِی الرُّسُل من العلم علم سے وہ علم وحی مراد ہے جو انبیاء علیہم السلام کے پاس تھا اور اس علم پر کافروں کے خوش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کافروں نے استہزاء اور تمسخر کے طور پر خوشی کا اظہار کیا، اور دلیل اس کی ان کا وحی سے اعراض کرنا اور قبول نہ کرنا ہے، مفسر علام نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں، اور یہی معنی اللہ تعالیٰ کے قول وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ کے مطابق ہیں، بعض مفسرین نے عِنْدَهُمْ کی ضمیر کو کفار کی طرف لوٹایا ہے، اور علم سے مراد بزعم خویش لَا بَعَثَ وَلَا حِسَابَ کا علم مراد ہے، یا علم سے مراد امور دنیا کا علم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ۔

قَوْلًا: سُنَّتَ اللّٰهَ مصدر من لفظه: سُنَّتَ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، اور فعل مقدر مصدر کے ہم لفظ ہے اِی سَنَّ اللّٰهُ ذَلِكَ سُنَّةً مَّاضِيَةً فِي الْعِبَادِ۔

قَوْلًا: هُنَالِكَ اِی عِنْدَ رُؤَيْتِهِم الْعَذَابَ یہ اسم مکان ہے، زمان کے لئے مستعار لیا گیا ہے۔

قَوْلًا: تَبَيَّنَ خُسْرَانُهُمْ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: خَسِرَ هُنَالِكَ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار اور مشرکین اس وقت خائب و خاسر ہوئے اس سے پہلے خائب و خاسر نہیں تھے۔

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار ہر وقت اور ہر زمانہ میں خائب و خاسر رہے، مگر اس خسران و حرمان کا ظہور اب ہوا، خود ان کو اور دوسروں کو پتہ چل گیا کہ آخرت کا خسران و حرمان ہی حقیقی خسران و نقصان ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

اللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ (الآیۃ) اللہ تعالیٰ اپنی اُن گنت اور بے شمار نعمتوں میں سے بعض کا تذکرہ فرما رہے ہیں، چوپایوں سے مراد اونٹ گائے، بیل، بھیڑ، بکری ہیں، یہ سواری کے کام بھی آتے ہیں اور ان کا دودھ بھی پیا جاتا ہے، اور ان میں سے بعض سے بار برداری کا کام بھی لیا جاتا ہے، اس کے علاوہ بھی ان میں تمہارے لئے بہت سے منافع ہیں، مثلاً گوشت، پوست، اون، بال، ہڈی وغیرہ سے بہت سی مفید، کارآمد اور نفع بخش اشیاء تیار کی جاتی ہیں، نیز تم ان پر خشکی میں سوار ہو کر اور سامان تجارت لا کر دور و دراز کا سفر کرتے ہو اور اپنی دلی مراد حاصل کرتے ہو، اور دریائی سفر میں کشتیوں کو استعمال کرتے ہو، سفینہ اور اونٹ میں بڑی قریبی مناسبت ہے، یہی وجہ ہے کہ اونٹ کو سفینۃ الصحراء کہا جاتا ہے۔

مَسْئَلَةٌ: ہر جانور سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ انعام عام ہے ہر چوپائے کو شامل ہے، اور جَعَلَ لَكُمْ میں لام نفع کے لئے ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہاتھی کی سواری جائز ہے، البتہ خنزیر چونکہ نص قطعی سے نجس العین ہے، لہذا اس سے کسی قسم کا انتفاع درست نہیں ہے۔

نکتہ: منافع چونکہ جمع منکور ہے، لہذا مفید استغراق نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ چوپایوں سے ہر قسم کا استفادہ درست نہیں اور مِنْهَا تَاكُلُوْنَ میں من تبعیضیہ کا بھی تقاضہ ہے، کہ بعض منافع کو خارج کیا جائے۔

مَسْئَلَةٌ: کتے کی قیمت مکروہ ہے (ایسر التفاسیر، نائب رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ) اور اس کے پالنے میں تفصیل ہے جس کی تفصیل کا مقام کتب فقہ ہیں۔

وَبُرِّیْکُمْ اِیْتِہِ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی نشانیاں دکھاتا ہے جو اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں، اور یہ نشانیاں اتنی عام اور کثیر اور واضح ہیں کہ جن کا کوئی انکار کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

بحث: علم کا اطلاق قرآن میں علوم آسمانی پر کیا گیا ہے، اور یہ کفار سے منافی ہے، تو پھر فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ کا کیا مطلب؟

جواب: ① یہاں علم سے علم معاش مراد ہے یعنی تجارت وصنعت وغیرہ کا علم جس میں یہ لوگ فی الواقع ماہر تھے، اور قرآن کریم نے ان کے اس علم کا سورہ روم میں اس طرح تذکرہ فرمایا ہے یَعْلَمُونَ ظَہْرًا مِنَ الْحَیْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَفْلُونَ یعنی یہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی اور اس کے منافع حاصل کرنے کو تو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں، مگر آخرت جہاں ہمیشہ رہنا ہے، اور جہاں کی راحت و کلفت دائمی ہے، اس سے بالکل جاہل اور غافل ہیں۔

جواب: ② یا بزم خویش ان کے مزعومات، توہمات و شبہات اور باطل دعوے جن باتوں کو وہ علم سمجھتے تھے وہ علم مراد ہو حالانکہ وہ علم نہیں بلکہ جہل مرکب ہے، جیسا کہ مجاہد سے مروی ہے کہ کفار کہا کرتے تھے کہ ہم جانتے ہیں کہ بعث و حساب کچھ ہونے والا نہیں ہے، وہ لوگ انکار بعث و حساب کو علم سمجھے ہوئے تھے، ان کے اس علم کو جو درحقیقت جہل ہے علم کہا گیا ہے۔

(مظہری، ایسر التفاسیر)

جواب: ③ یا ان کے باطل مزعومات کو استہزاء علم کہا گیا ہے۔ (ایسر التفاسیر، نائب رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ)

فَلَمَّا رَأَوْا بَاسَنَا (الآیۃ) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور معمول ہے کہ آخرت کا عذاب دیکھنے کے بعد ایمان و توبہ قبول نہیں فرماتے، معانینہ عذاب کے بعد ان پر بھی واضح ہو گیا کہ اب سوائے خسارے اور ہلاکت کے ہمارے مقدر میں کچھ نہیں، یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے، حدیث شریف میں وارد ہے یَقْبَلُ اللہُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ یَغْرِغْ (ابن کثیر) حالت نزع سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتے ہیں۔

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَخَمْسُونَ آيَةً وَرُكُوعًا سِتِّينَ

سُورَةُ فَصَّلَتْ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثٌ وَخَمْسُونَ آيَةً.

سورہ فصلت مکی ہے اور اس میں تریپن (۵۳) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ اللَّهُ اعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ تَنْزِيلُ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ مَبْدَأُ كِتَابٍ خَبْرُهُ فَصَّلَتْ آيَتُهُ بَيَّنَتْ بِالْأَحْكَامِ وَالْقَصَصِ وَالْمَوَاعِظِ قُرْآنًا عَرَبِيًّا حَالٌ مِنْ كِتَابٍ بِصِفَتِهِ لِقَوْمٍ مُتَعَلِّقٌ بِفُصِّلَتْ ۝ يَفْهَمُونَ ذَلِكَ وَهُمْ الْعَرَبُ بِشِيرًا صِفَةُ قُرْآنٍ وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ سَمَاعٍ قَبُولٍ وَقَالُوا لَنَبِيِّ قُلُوبِنَا فِي أَكْثَرِ آيَاتِهِ أَغْطِيَةً مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ ثَقِيلٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنَكَ حِجَابٌ خِلَافٌ فِي الدِّينِ فَأَعْمَلْ عَلَى دِينِكَ إِنَّا نَعْمَلُونَ ۝ عَلَى دِينِنَا قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ بِالْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ وَاسْتَغْفِرُواهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ۝ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ تَاكِيدٌ كَفَرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝ مَقْطُوعٌ.

تَرْجُمَہ : شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے حمد اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ کلام رحمن و رحیم کی طرف سے اتارا ہوا ہے (تَنْزِيلُ) مبتداء ہے، کتاب اس کی خبر، یعنی یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کی آیتوں کو خوب کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے یعنی احکام و قصص و مواعظ کو خوب ممتاز و ممیز کر کے بیان کیا گیا ہے (حال یہ کہ) قرآن عربی زبان میں ہے قرآن، کتاب سے بسبب صفت کے حال ہے، لقوم، فصلت سے متعلق ہے، اس قوم کے لئے جو جھٹکتی ہو اور وہ قوم عرب ہے، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہے (بشیراً) قرآن کی صفت ہے، پھر بھی ان کی اکثریت نے منہ موڑ لیا، اور وہ قبول کرنے کے لئے سنتے ہی نہیں ہیں، اور انہوں نے نبی ﷺ سے کہا کہ تو جس کی طرف ہمیں بلارہا ہے ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ (لگی ہوئی) ہے یعنی ہمارے کانوں میں گرائی ہے اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک حجاب ہے یعنی دینی اختلاف ہے اچھا تو تو اپنے دین پر عمل کئے جا اور ہم اپنے دین پر عمل کر رہے ہیں، آپ کہہ دیجئے! کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود

ایک اللہ ہی ہے تو تم ایمان اور اطاعت کے ساتھ اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے معافی چاہو اور شرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے، وَیْلٌ لِّکُمۡ عَذَابٌ ہِیَ، وہ لوگ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں ہُمْ تاکید ہے بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

تَحْقِیْقِ وَتَرْکِیْبِ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: تَنْزِیْلٌ مصدر بمعنی اسم مفعول، مبتداء، کتاب خبر۔

شبیہ: تَنْزِیْلٌ نکرہ ہے اس کا مبتداء بننا کیسے صحیح ہے؟

دفع: مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، تَنْزِیْلٌ کی صفت ہے، جس کی وجہ سے تخصیص ہو کر مبتداء بننا صحیح ہو گیا، تقدیر عبارت یہ ہُوَ الْمَنْزُوْلُ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کتاب۔

قَوْلٌ: فَصَّلَتْ آیَاتِہٖ کتاب کی صفت ہے۔

قَوْلٌ: حَالٌ مِنْ کِتَابٍ بِصِفَتِہٖ یعنی قرآنا کتاب سے حال ہے۔

شبیہ: کتاب نکرہ یہ ذوالحال واقع نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ ذوالحال کے لئے معرفہ ہونا ضروری ہے۔

دفع: فَصَّلَتْ آیَاتِہٖ چونکہ کتاب کی صفت ہے، لہذا کتاب کا ذوالحال واقع ہونا درست ہے حال مِنْ الْکِتَابِ بِصِفَتِہٖ کا یہی مطلب ہے، بِصِفَتِہٖ میں باء سببیہ ہے۔

قَوْلٌ: لِقَوْمٍ مُّتَعَلِّقٍ بِفَصْلِہٖ یہ بھی ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبیہ: قرآن کریم کی آیات تو سب کے لئے مفصل اور واضح ہیں پھر قوم عاقل کے ساتھ کیوں تخصیص کی گئی؟

دفع: اگرچہ قرآنی آیات فی نفسہ سب کے لئے مفصلہ واضح ہیں، مگر چونکہ عقل و فہم والے ہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے عقلمندوں اور دانشمندوں کی تخصیص کی گئی ہے۔

قَوْلٌ: بِشِیْرًا صِفۃً قُرْآنَ، بِشِیْرًا قرآن کی صفت ہے، اور یہ بھی درست ہے، کہ بِشِیْرًا وَنَذِیْرًا دونوں کتاب سے حال یا نعت واقع ہوں، اور عرب کی تخصیص اس لئے ہے کہ عرب قرآن کو بلا واسطہ سمجھنے والے اور اولین مخاطب ہیں بخلاف غیر عرب کے۔

قَوْلٌ: وَقَالُوا اس کا عطف اعراض پر ہے۔

قَوْلٌ: ثَقُلَ یہ وَفُرُّ کے اصل معنی کا بیان ہے، مراد اس سے گراں گوشتی (بہراپن) ہے۔

قَوْلًا: وہم بالآخرة ہم کافرون اس کا عطف لا یُؤْتُوْنَ پر ہے، اور الذین کے تحت داخل ہے ہم ضمیر فصل کو حصر کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلًا: تاکید اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہم ثانی اول ہم کی تاکید ہے، اور تروح الارواح میں کہا ہے، کافرون مشرکین کی تاکید ہے، گویا کہ یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ جب ان کی صفت شرک کو بیان کرتے ہوئے مشرکین کہہ دیا، تو پھر ہم کافرون کی کیا ضرورت تھی جواب کا حاصل یہ ہے کہ کافرون، مشرکین کی تاکید ہے، لہذا بے فائدہ نہیں ہے۔

قَوْلًا: ممنون اسم فاعول مَنْ سے واحد کر غائب ہے (ن) کم کیا ہوا، قطع کیا ہوا۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

یہ سات سورتیں ہیں جو حم سے شروع ہوئی ہیں، جن کو الِ حَمّ یا حَوَامِیْم کہا جاتا ہے، باہم امتیاز کے لئے اس کے ساتھ نام میں کچھ الفاظ بھی شامل کر دیئے جاتے ہیں، مثلاً سورہ مومن کے حم کو حم المؤمن اور اس سورت کے حم میں حم سجدہ کہا جاتا ہے، اس سورت کا دوسرا نام فُصِّلَتْ بھی ہے۔

شان نزول:

نزول قرآن کے بعد ابتداء اسلام میں کفار نے زور و قوت کے ساتھ اسلام کی تحریک کو دبانے اور آپ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچا کر نوف زدہ کرنے کی بہت کوششیں کیں، لیکن اسلام ان کی خواہش کے علی الرغم بڑھتا اور قوت پکڑتا چلا گیا، پہلے عمر بن الخطاب جیسے قوی اور جری اسلام میں داخل ہو گئے، اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قریش کے مسلم سردار تھے مسلمان ہو گئے، تو اب مجبوراً قریش مکہ نے ڈرانے دھمکانے کی پالیسی چھوڑ کر ترغیب و لالچ کے ذریعہ تبلیغ اسلام کا راستہ روکنے کی تدبیریں سوچنا شروع کر دیں، اسی سلسلہ کا ایک واقعہ حافظ ابن کثیر نے مسند بزار، ابویعلیٰ اور بغوی کی روایتوں سے نقل کیا ہے، محمد بن اسحق نے بیان کیا کہ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا بڑا سردار مانا جاتا تھا، ایک روز قریش کی جماعت کے ساتھ حرم کعبہ کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا، دوسری طرف رسول اللہ ﷺ حرم کے ایک گوشہ میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے، قریشی سرداروں نے باہم مشورہ کیا کہ محمد ﷺ کے پیروکاروں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہی ہو رہا ہے، ہمیں اس کے سد باب کے لئے ضرور کچھ کرنا پڑے، اگر آپ لوگوں کی رائے ہو تو میں محمد (ﷺ) سے گفتگو کروں، اور ان کے سامنے کچھ ترغیبی چیزیں پیش کروں، اگر ان میں سے وہ کسی چیز کو قبول کر لیں تو ہم وہ چیز انہیں دیدیں تاکہ وہ ہمارے دین و مذہب کے خلاف تبلیغ کرنا چھوڑ دیں، سب نے ایک زبان ہو کر کہا اے ابوالولید (یہ عتبہ کی کنیت ہے) آپ ضرور ایسا کریں، چنانچہ عتبہ بن ربیعہ اٹھ کر آپ

ﷺ کی خدمت میں گیا، اور آپ ﷺ پر عربوں میں انتشار اور افتراق پیدا کرنے کا الزام عائد کرنے کے بعد پیش کش کی کہ اس نئی دعوت سے اگر آپ کا مقصد مال و دولت حاصل کرنا ہے تو وہ ہم جمع کئے دیتے ہیں، اور اگر آپ قیادت و سیادت چاہتے ہیں تو ہم آج ہی سے آپ کو اپنا لیڈر اور سردار تسلیم کئے لیتے ہیں، اور اگر آپ کسی حسین و جمیل لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ایک نہیں ایسی دس لڑکیوں کا آپ کے لئے انتظام کئے دیتے ہیں، اور اگر آپ پر آسیب کا اثر ہے جس کی وجہ سے آپ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں تو ہم اپنے خرچ سے آپ کا علاج کر دیتے ہیں، اور اگر آپ بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں، عتبہ جو کہ نہایت فصیح اور قادر الکلام تھا طویل تقریر کرتا رہا اور آپ ﷺ خاموشی سے سنتے رہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوالولید آپ اپنی بات پوری کر چکے؟ آپ نے فرمایا اب میری سنئے، اس نے کہا ہاں بے شک میں سنوں گا، رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے کوئی جواب دینے کے بجائے اس سورت کی تلاوت شروع فرمادی، آپ برابر اس سورت کی تلاوت فرماتے رہے اور عتبہ بڑے غور سے سنتا رہا، جب آپ اس آیت پر پہنچے فَيَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ صَاعِقَةٌ مِثْلُ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ تو عتبہ نے اپنا ہاتھ آپ کے دہن مبارک پر رکھ دیا اور اپنے نسب اور رشتہ کی قسم دے کر کہا ان پر رحم کیجئے، آگے کچھ نہ فرمائیے، اور ابن اسحق کی روایت میں ہے کہ عتبہ بڑے غور سے آپ کی تلاوت سنتا رہا اور جب آپ نے آیت سجدہ پر پہنچ کر سجدہ کیا اور فرمایا اے ابوالولید آپ نے سن لیا، اب آپ کو اختیار ہے جو چاہے کرو، عتبہ آپ کے پاس سے اٹھ کر اپنی مجلس کی طرف چلا تو یہ لوگ دور سے عتبہ کو دیکھ کر کہنے لگے، خدا کی قسم ابوالولید کا چہرہ بدلا ہوا ہے، اب اس کا چہرہ وہ نہیں جو یہاں سے جاتے وقت تھا، جب عتبہ اپنی مجلس میں پہنچا، تو لوگوں نے معلوم کیا، کہو ابوالولید! کیا خبر لائے؟ عتبہ (ابوالولید) نے کہا میری خبر یہ ہے:

”میں نے ایسا کلام سنا کہ خدا کی قسم اس سے پہلے کبھی ایسا کلام نہیں سنا تھا، خدا کی قسم نہ تو یہ جادوئی کلام ہے اور نہ شعر و شاعری، اور نہ کانہوں کا کلام، اے میری قوم قریش! تم میری بات مانو اور اس معاملہ کو میرے حوالہ کر دو، میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ اس سے مقابلہ اور ایذا سے باز آ جاؤ، اور ان کو ان کے کام پر چھوڑ دو، کیونکہ ان کے اس کلام کی ایک خاص شان ہونے والی ہے، تم ابھی انتظار کرو، باقی عرب لوگوں کا معاملہ دیکھو، اگر قریش کے علاوہ دیگر لوگوں نے ان کو شکست دیدی تو تمہارا مقصد تمہاری کوشش کے بغیر حاصل ہو گیا، اور اگر وہ عرب پر غالب آ گئے تو ان کی حکومت تمہاری حکومت ہوگی، ان کی عزت سے تمہاری عزت ہوگی اور اس وقت تم ان کی کامیابی کے شریک ہوؤ گے۔“

جب قریشیوں نے ابوالولید کا مشورہ سنا تو کہنے لگے اے ابوالولید تم پر تو محمد (ﷺ) نے جادو کر دیا، عتبہ نے جواب دیا میری رائے تو یہی ہے آگے تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ، أَكِنَّةٌ كِذَاكَ کی جمع ہے، پردہ، کنان دراصل تیردان (ترکش) کو کہتے ہیں، یعنی ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں کہ ہم تیری ایمان و توحید کی دعوت سمجھیں، یہاں مشرکین نے تین باتیں کہی ہیں: ① یہ کہ

ہمارے قلوب پر آپ کے کلام سے پردہ پڑا ہوا ہے۔ (۲) یہ کہ ہمارے کان آپ کی باتوں سے بہرے ہیں (۳) یہ کہ ہمارے اور آپ کے درمیان پردے حائل ہیں۔

وَقَرًا، وقر کے اصل معنی بوجھ کے ہیں، یہاں ثقل سماعت مراد ہے جو حق کے سننے میں مانع تھا، اور یہ کہ ہمارے اور آپ کے درمیان ایسا پردہ حائل ہے کہ آپ جو کہتے ہو وہ ہم سن نہیں سکتے، اور جو کرتے ہو اسے دیکھ نہیں سکتے، اس لئے آپ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو، اور ہم آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دیں، آپ ہمارے دین پر عمل نہیں کرتے ہم آپ کے دین پر عمل نہیں کر سکتے۔

لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ یعنی یہ لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے۔

سُئِلَ: یہ سورت مکی ہے، اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے تو پھر فرضیت سے قبل عدم ادائیگی کا الزام کیسا؟

جواب: ابن کثیر نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نفس زکوٰۃ کی فرضیت تو ابتداء اسلام میں نماز کے ساتھ ہوئی تھی، جس کا ذکر سورہ منزل کی آیات میں ہے، مگر اس کے نصابوں کی تفصیلات اور وصولی کا انتظام مدینہ طیبہ میں قائم ہوا، اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ زکوٰۃ مکہ میں فرض نہیں ہوئی تھی۔

سُئِلَ: اس آیت میں مشرکین کی ترک زکوٰۃ پر مذمت کی گئی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا مشرکین و کفار فروع مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے مکلف ہیں؟ فروع تو ایمان کے بعد واجب ہوتے ہیں، اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار فروع کے بھی مکلف ہیں۔

جواب: بعض ائمہ فقہاء کے نزدیک کفار بھی مخاطب بالفروع ہیں، ان کے اعتبار سے تو یہ اعتراض سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا، اور جو حضرات کفار کو مخاطب بالفروع نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ اس میں ترک زکوٰۃ پر اصل مذمت نہیں بلکہ ان کا ترک زکوٰۃ چونکہ کفر کی بناء پر تھا اور ترک زکوٰۃ اس کی علامت تھی اصل قصور ایمان نہ لانا ہے (معارف) حسن اور ققادہ نے کہا ہے لَا يَقْرَؤْنَ بِوَجوبِهَا یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے مطلب زکوٰۃ کے وجوب کا اقرار نہ کرنا ہے، اور ضحاک و مقاتل نے کہا ہے لَا يَتَصَدَّقُونَ وَلَا يَنْفِقُونَ فِي الطَّاعَةِ یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے مستحقین اور عزیز و اقارب پر خرچ نہ کرنا مراد ہے، یعنی کفار کے عزیز و اقارب میں سے جو مسلمان ہو جاتے تھے ان کی مالی امداد نہیں کرتے تھے، جو کہ ایک اخلاقی نسب فریضہ ہے، وقال الفراء كان المشركون ينفقون النفقات ويسقون الحجيج ويطعمونهم فحرموا ذلك على من آمن بمحمد صلى الله عليه وسلم یعنی مشرکین صدقہ کرتے تھے اور حاجیوں کے لئے کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے، مگر جو مسلمان ہو جاتے تھے ان کو محروم رکھتے تھے، اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر شوکانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے سے یہاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی گواہی نہ دینا ہے اس

لئے کہ یہ کلمہ انسان کی ذات کی زکوٰۃ ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے نفوس کو لا الہ الا اللہ کہہ کر شرک سے پاک صاف نہیں کرتے تھے۔ (حاشیہ جلالین)

قُلْ اِنَّكُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَةِ الثَّانِيَةِ وَتَسْمِيْلِهَا وَاِدْخَالِ الْفِ بِبَيْنِهَا بِوَجْهِهَا وَبَيْنِ الْاُولَى لَتَكْفُرُوْنَ
 بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ الْاَحَدِ وَالْاِثْنَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهُ اَنْدَادًا شُرَكَاءَ ذَلِكَ رَبُّ مَالِكِ الْعَلَمِيْنَ ④ جَمْعُ
 عَالَمٍ وَهُوَ مَا سِوَى اللَّهِ وَجَمْعٌ لَا خِلَافَ اَنْوَاعِهِ بِالْيَاءِ وَالنُّونِ تَغْلِيْبًا لِلْعُقْلَاءِ وَجَعَلَ مُسْتَأْنِفٌ وَلَا يَجُوزُ
 غُطْفُهُ عَلَى صَلَۃِ الَّذِي لِلْفَاوِصِلِ الْاَجْنَبِيِّ فِيْهَا رَاسِيْ جَبَالًا ثَوَابِتٌ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيْهَا بِكَثْرَةِ الْمِيَاهِ
 وَالزُّرُوعِ وَالضُّرُوعِ وَقَدَّرَ قِسْمَ فِيْهَا اقْوَاتَهَا لِلنَّاسِ وَالْبَهَائِمِ فِيْ تَمَامِ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ اَيَّ الْجَعْلُ وَمَا ذَكَرَ
 مَعَهُ فِيْ يَوْمِ الثَّلَاثَاءِ وَالْاَرْبَعَاءِ سَوَاءً مَنْصُوبٌ عَلَى الْمَصْدَرِ اَيَّ اسْتَوَتْ الْاَرْبَعَةُ اسْتَوَاءً لَا تَزِيدُ وَلَا تَنْقُصُ
 لِّلْسَائِلِيْنَ ⑤ عَنْ خَلْقِ الْاَرْضِ بِمَا فِيْهَا ثُمَّ اسْتَوَى قَصْدٌ اِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ بُخَارٌ مُّرْتَفِعٌ
 فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ اِثْنِيْا اِلَى مُرَادِيْ بِنُكْمَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ⑥ اَيَّ مَوْضِعِ الْحَالِ اَيَّ طَائِعَتَيْنِ اَوْ مَكْرَهَتَيْنِ
 قَالَتَا اَتَيْنَا بِمَنْ فِينَا طَائِعِيْنَ ⑦ فِيْهِ تَغْلِيْبُ الْمَذْكُورِ الْعَاقِلِ اَوْ نَزَلْنَا لِخُطَابِهِمَا مَنَزِلَتَهُ فَقَضَاهُنَّ الضَّمِيرُ
 يَرْجِعُ اِلَى السَّمَاءِ لِأَنَّهَا فِيْ مَعْنَى الْجَمْعِ الْاِثْلَةُ اِلَيْهِ اَيَّ صَيَّرَهَا سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ الْخَمِيْسِ وَالْجُمُعَةِ
 فَرَعَ مِنْهَا فِيْ اَخِرِ سَاعَةٍ مِنْهُ وَفِيْهَا خَلَقَ اَدَمَ وَلِذَلِكَ لَمْ يَقُلْ بُنَا سَوَاءً وَوَافَقَ مَا بُنَا اَيَّاتِ خَلْقِ
 السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَاَوْحَى فِيْ كُلِّ سَمَاءٍ اَمْرَهَا الَّذِي اَمْرُهُ مَنْ فِيْهَا مِنَ الطَّاعَةِ وَالْعِبَادَةِ
 وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ⑧ بِنُجُومٍ وَحِفْظًا مَنْصُوبٌ بِفِعْلِهِ الْمَقْدَّرِ اَيَّ حَفِظْنَا بِهَا عَنْ اسْتِرَاقِ الشَّيَاطِيْنِ
 السَّمْعَ بِالشُّبُهَةِ ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيْزِ فِيْ مُلْكِهِ الْعَلِيْمِ ⑨ بِخَلْقِهِ فَاِنْ اَعْرَضُوا اَيَّ كُفَّارُ مَكَّةَ عَنْ الْاِيْمَانِ بَعْدَ
 بَيِّنَاتِ الْبَيِّنَاتِ فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ خَوْفُكُمْ صُعِقَةً مِّثْلَ صُعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ⑩ اَيَّ عَذَابًا يُهْلِكُكُمْ مِثْلَ الَّذِي اَهْلَكَكُمْ
 اِذْ جَاءَتْهُمْ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَيَّ مُقْبِلِيْنَ عَلَيْهِمْ وَمُدْبِرِيْنَ عَنْهُمْ فَكَفَرُوا كَمَا سَيَاتِي
 وَالْاِبْلَاقُ فِيْ زَمَنِهِ فَقَطُّ اِلَّا اَيَّ بَانَ تَعَبُدُوا اِلَّا اللَّهَ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا لَبٰٓئِمًا اُرْسِلْتُمْ عَلَيْهِ عَلٰى
 زَعْمِكُمْ كَفَرُوْنَ ⑪ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا لِمَا خُوفُوا بِالْعَذَابِ مَنْ اَشَدُّ مِمَّنَّا قُوَّةً اَيَّ لَا
 اَحَدٌ كَانَ وَاَحَدُهُمْ يَقْلَعُ الصَّخْرَةَ الْعَظِيْمَةَ مِنَ الْجَبَلِ يَجْعَلُهَا حَيْثُ يَشَاءُ اَوَّلَمُ يَرَوْا يَعْلَمُوا
 اَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَالُوا بِاٰيَاتِنَا الْمُعْجَزَاتِ يَجْحَدُوْنَ ⑫ فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا بَارِدَةً
 شَدِيْدَةً الصَّوْتِ بَلَا مَطَرٍ فِيْ اَيَّامٍ نَّحْسَاتٍ بِكُسْرِ الْحَاءِ وَشُكُونِهَا مَشُومَاتٍ عَلَيْهِمْ لِنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْاٰخِرِ
 الذَّلِّ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلِعَذَابِ الْاٰخِرَةِ اٰخَرٰى اَشَدُّ وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ⑬ بِمَنْعِهِ عَنْهُمْ وَاَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ يُنٰٓسِلُهُمْ

طریق الہدی فاستحبوا العلمی اختاروا الکفر علی الہدی فآخذتہم صیغۃ العذاب الہون المہین بما کانوا یکسبون^(۱۷) ونجینا منہا الذین آمنوا وکانوا یتقون^(۱۸) اللہ.

ترجمہ:

آپ کہہ دیجئے! کہ کیا تم اس (اللہ) کا انکار کرتے ہو، اور اس کے شریک ٹھہراتے ہو جس نے زمین و روز میں پیدا کردی یعنی اتوار اور پیر میں اِنذِکُم میں دوسرے ہمزہ کی تحقیق و تسہیل کے ساتھ اور دونوں صورتوں میں ان کے درمیان الف داخل کر کے تمام جہانوں کا مالک وہی ہے عالمین عالم کی جمع اور وہ اللہ کے علاوہ ہے عالمین عالم مختلف الانواع ہونے کی وجہ سے جمع اور ذوی العقول کو (غیر ذوی العقول پر) غلبہ دینے کی وجہ سے یاء ونون کے ساتھ لایا گیا ہے، اور اس نے زمین میں اس کے اوپر جسے رہنے والے پہاڑ رکھ دیئے یہ جملہ مستانفہ ہے، اس کا عطف الذی کے صلہ پر فصل بالا جنبی کی وجہ سے جائز نہیں ہے اور اس میں پانی اور کھیتی (دودھ دینے والے) جانوروں کے ذریعہ برکت دی اور اس میں (رہنے والے) انسانوں اور جانوروں کی روزی کی تجویز بھی اسی (زمین) میں کردی (مکمل) چاردن میں یعنی جعل جبال و تقدیر اقوات کل چاردن میں اور جعل کے ساتھ جو مذکور ہے یعنی تقدیر اقوات (وہ) دودن میں اور وہ سہ شنبہ اور چہار شنبہ ہیں (اس طرح جعل اور تقدیر مل کر چاردن پورے ہوئے) سواء مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے یعنی چاردن پورے، نہ زائد اور نہ کم، ارض و مافیہا کی تخلیق کے بارے میں (یہ حصر) معلوم کرنے والوں کے لئے پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں یعنی اٹھتی ہوئی بھاپ (سی) تھی (اللہ نے) اس سے یعنی آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں تعمیل کرو میری مراد کی جو تم سے ہے خوشی سے یا زبردستی محل میں حال کے ہیں یعنی حال یہ ہے کہ تم دونوں خوشی سے آویانا خوشی سے، دونوں نے کہا ان چیزوں کے جو ہم میں ہیں ہم خوشی سے حاضر ہیں اس میں مذکر ذوی العقول کو غلبہ دیا گیا ہے، یا ان دونوں کو خطاب کی وجہ سے ذوی العقول کے درجہ میں اتار لیا گیا ہے، پس دودن میں سات آسمان بنا دیئے، جمعرات اور جمعہ کے دن میں، جمعہ کی آخری ساعت میں اس کی تخلیق سے فارغ ہو گیا، اور اسی دن آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اسی وجہ سے یہاں مکمل دن نہیں فرمایا فَقَضٰہُنَّ کی ضمیر السماء کی طرف راجع ہے، اس لئے کہ سماء مایول کے اعتبار سے جمع ہے یعنی آسمان کو سات آسمان بنا دیا، (اس تاویل کے بعد) جو یہاں ہے وہ ان آیات کے مطابق ہو گیا جن میں زمین و آسمان کی تخلیق کا چھ دن میں ذکر ہے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب حکم بھیج دیا وہ حکم جس کا ان میں رہنے والوں کو حکم دیا گیا، وہ (حکم) طاعت اور عبادت ہے اور ہم نے آسمان دنیا کو تاروں سے زینت دی، اور حفاظت کی حفظاً فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یہ ہے حَفِظْنَاهَا حَفْظًا عَنْ استراق الشیاطین السمع بالشہب یعنی ہم نے شہاب کے ذریعہ آسمانوں کی شیطین سے چوری سے باتیں سننے سے حفاظت کردی یہ منصوبہ بندی اپنے ملک میں غالب (اور) اپنی مخلوق سے باخبر کی ہے پس اگر اس بیان کے بعد بھی کفار مکہ ایمان سے روگردانی کریں تو کہہ دیجئے کہ میں تمہیں اس کڑک (عذاب آسمانی) سے ڈراتا ہوں کہ جو عادیوں اور شمودیوں کی کڑک

کے مانند ہوگا یعنی اس عذاب سے ڈراتا ہوں جو تم کو ہلاک کر دے گا (اور) وہ اس عذاب کے مثل ہوگا جس نے ان کو ہلاک کر دیا جبکہ ان کے پاس آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی پیغمبر آئے یعنی یکے بعد دیگرے تو ان لوگوں نے انکار کیا جیسا کہ عنقریب آتا ہے، اور (عذاب سے) ہلاکت آپ ﷺ کے زمانہ میں ہوئی، نہ کہ آپ ﷺ کے بعد کہ تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تو انہوں نے جواب دیا اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا ہم تو بزمِ شامہاری رسالت کے بالکل منکر ہیں سو عادی نے تو ناحق زمین میں سرکشی شروع کر دی اور جب ان کو ڈرایا گیا تو کہنے لگے ہم سے زیادہ زور آور کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں، ان میں کا تنہا شخص پہاڑ سے ایک بڑی چٹان کو اکھاڑ لیتا تھا (اور) جہاں چاہتا اٹھا کر رکھ دیتا کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے (بہت زیادہ) زور آور ہے اور وہ (آخر تک) ہماری آیتوں یعنی معجزوں کا انکار ہی کرتے رہے، بالآخر ہم نے ان پر ایک تیز و تند سرد، سخت آواز بلا بارش والی آندھی منحوس دنوں میں بھیج دی، حاء کے کسرہ اور سکون کے ساتھ یعنی ان کے لئے نامبارک دنوں میں کہ انہیں دنیوی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور (یقین مانو) کہ آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ رسوائی والا ہے اور ان کی اس عذاب سے بچا کر مدد نہیں کی جائے گی، رہے شمو تو ہم نے ان کی بھی رہبری کی یعنی ہدایت کا راستہ ان کے لئے واضح کر دیا، پھر بھی انہوں نے اندھے پن یعنی کفر کو ہدایت کے مقابلہ میں پسند کیا جس بناء پر انہیں ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا اور ہم نے اس صاعقہ سے ایمان والوں اور اللہ سے ڈرنے والوں کو بچا لیا۔

تَحْقِیْقُ تَرْکِیْبِ تَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: اِنَّكُمْ اس میں چار قراءتیں ہیں، مگر مفسر علام کی عبارت سے صرف دو معلوم ہو رہی ہیں، پہلا ہمزہ تو ہمیشہ محقق ہی ہوتا ہے البتہ دوسرے میں تحقیق و تسہیل دونوں جائز ہیں، دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کر کے، یہ دو قراءتیں ہو گئیں، حالانکہ ترک ادخال الف کی صورت میں دو قراءتیں اور ہیں اس طرح چار قراءتیں ہوتی ہیں، لہذا مفسر علام اگر وترکہ کا اضافہ فرما دیتے تو مذکورہ چاروں قراءتوں کی طرف اشارہ ہو جاتا، اصل عبارت یوں ہونی چاہئے وادخال الف وترکہ (ای ادخال) بینہا و بین الاولیٰ بوجہینہا۔

قَوْلٌ: اِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ ہمزہ استفہامیہ انکاریہ ہے اِنَّ اور لام تاکید کے لئے ہیں، ہمزہ صدارت کلام کے مطالبہ کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے کُمْ اِنَّ کا اسم ہے لام برائے تاکید ہے، تَكْفُرُوْنَ جملہ ہو کر اِنَّ کی خبر ہے، اور تَجْعَلُوْنَ کا عطف تَكْفُرُوْنَ پر ہے۔

قَوْلٌ: لَهُ، تَجْعَلُوْنَ کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، اور اَنْذَا اُ مفعول اول ہے ذلک مبتداء ہے، اس کا مشاڑ الیہ الذی ہے، اپنے صلہ کے ساتھ متصف ہونے کے اعتبار سے (مراد اللہ تعالیٰ ہے)۔

جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے تو ایام تخلیق کی مجموعی تعداد آٹھ ہو جائے گی، حالانکہ دیگر آیات میں چھ یوم میں کل کائنات کی تخلیق کی صراحت ہے، مثلاً خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ.

قَوْلُهُ: سَوَاءٌ مَنْصُوبٌ عَلَى الْمَصْدَرِيَّةِ، سَوَاءٌ فِعْلٌ مَحْذُوفٌ اسْتَوَتْ كَامَصْدَرٍ بِلَفْظِهِ هُوْنِے كِی وَجْهٌ سَے مَنْصُوبٌ هَے، اور جملہ ہو کر ایام کی صفت ہے۔

قَوْلُهُ: لِلْسَّائِلِينَ اس کا تعلق سواء سے ہے ای مستویۃً لِلْسَّائِلِينَ ای جواب السائلین فیہا سواء لا یتغیر بسائل بزیادۃ ولا نقص (صاوی) بعض حضرات نے للسائلین کا تعلق محذوف سے کیا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ہذا الحصر للسائلین. (ترویج الارواح)

قَوْلُهُ: ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ.

سُئِلَ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کی تخلیق زمین کی تخلیق کے بعد ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا سے اس کا عکس معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی تخلیق سے آسمان کی تخلیق پہلے ہے۔

جَوَابُ: اللہ تعالیٰ کے قول وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا سے مراد زمین کا پھیلانا ہے، یعنی زمین کے مادہ کی تخلیق تو آسمان کی تخلیق سے پہلے ہے مگر زمین کا پھیلانا بعد میں ہے، لہذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: مَرَادِي یعنی تائیر فی السماء وتائیر فی الارض جو کہ میری مراد ہے اس کی تعمیل کرو۔

قَوْلُهُ: طَائِعِينَ فِيهِ تَغْلِبُ الْمَذْكُورُ الْعَاقِلُ الْخ.

فَائِدَة: اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: ارض اور سماء لا یعقل ہونے کی وجہ سے واحد مؤنث کے حکم میں ہیں، لہذا طَائِعَتَيْنِ کہنا چاہئے تھا۔

دفع: ارض و سماء اگرچہ مؤنث ہیں مگر یہ دونوں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں پر مشتمل ہیں، لہذا ذوی العقول کی فضیلت کی وجہ سے ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دیکر مذکر کی جمع لائی گئی ہے۔

قَوْلُهُ: اَوْ نُزِّلْنَا میں مذکورہ اعتراض کا یہ دوسرا جواب ہے، اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اِنْتِیْمَا کہہ کر جب زمین و آسمان کو مخاطب بنایا گیا، تو گویا ان کو ذوی العقول کے درجہ میں اتار لیا گیا، اسی لئے اس کی جمع یاء نون کے ساتھ لائے، یہی مطلب ہے مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے قول اَوْ نُزِّلْنَا لِخَطَابِهِمَا مَنَزَلَتَهُ.

قَوْلُهُ: لَانْهَآ فِی مَعْنٰی الْجَمْعِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: فَقَطَّهْنَّ کی ضمیر، السماء کی طرف راجع ہے جو کہ واحد مؤنث کے حکم میں ہے، لہذا اس کا مقتضی یہ تھا کہ فَقَضَاهَا کہتے۔

دفع: دفع کا خلاصہ یہ ہے کہ سماء تضاد تصحیر کے بعد چونکہ سات ہونے والے ہیں لہذا مایوکل کے اعتبار سے جمع مان کر

قَضَهُنَّ كَوْجَعِ مَوْنَتِ كَاصِغَةٍ لائے۔

قَوْلٌ: الْاِئِلَةُ إِلَيْهِ يَ آلَ يُوؤُلُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے لوٹنے والی۔

قَوْلٌ: وَافَقَ، وَافَقَ فَعْل ماضی مَا هُنَا اس کا فاعل آیات وَافَقَ کا مفعول۔

قَوْلٌ: أَمَرَهَا الَّذِي أَمَرَ بِهِ مَنْ فِيهَا مِنَ الطَّاعَةِ وَالْعِبَادَةِ. أَمَرَهَا بتركيب اضافی موصوف الَّذِي موصول أَمَرَ فَعْل

ماضی مجہول بہ، أَمَرَ سے متعلق مَنْ موصولہ فِیْهَا، موجود کے متعلق ہو کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر أَمَرَ کا نائب فاعل، فعل

اپنے متعلق اور نائب فاعل سے مل کر مَبَيَّنٌ مِنَ بَيَانِ الطَّاعَةِ وَالْعِبَادَةِ معطوف معطوف علیہ سے مل کر الَّذِي مَبَيَّنٌ کا بیان،

مَبَيَّنٌ اپنے بیان سے مل کر أَمَرَهَا کی صفت موصوف با صفت جملہ ہو کر اَوْحَى کا مفعول بہ۔

قَوْلٌ: شَهَبٌ شِهَابٌ کی جمع ہے، آگ کا شعلہ، روشن ستارہ۔

قَوْلٌ: أَنْ، اَنْ میں تین وجہ ہو سکتی ہیں ① مخففہ عن المثلث اس صورت میں ضمیر شان اسم محذوف ہوگا، اِی اِنَّه لَا تَعْبُدُوا

② مصدریہ ناصب للمضارع، لَا نَاهِيَه ③ مفسرہ اس لئے کہ مجیی الرُّسُل قول کا احتمال رکھتا ہے اس لئے

کہ ان مفسرہ کے لئے ضروری ہے کہ اس سے پہلے قول یا قول کے ہم معنی یا قول پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ ہو، اگر مجیی

رسل کی دلالت قول پر نہ مانی جائے تو اَنْ تفسیر یہ ماننا صحیح نہ ہوگا۔

قَوْلٌ: وَكَانُوا بِاَيْتِنَا اس کا عطف فَاسْتَكْبَرُوا پر ہے۔

قَوْلٌ: صَرَّ صَرًّا، صَرٌّ پالا، ٹھہر، لو، بادِ سموم، علامہ خازن بغدادی لکھتے ہیں، صَرٌّ میں دو جہتیں ہیں ① اکثر مفسرین اور

اہل لغت کا قول یہ ہے کہ صَرٌّ سخت ٹھنڈ کو کہتے ہیں، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور قتادہ وغیرہ نے یہی کہا ہے ② گرم لو

جو مہلک ہو، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے ایک روایت ایسی بھی ہے، اہل لغت میں سے ابن انباری کا بھی یہی قول ہے،

قاضی بیضاوی نے کہا ہے اس کا اطلاق سرد ہوا کے لئے شائع ہے، جیسے صَرَّ صَرٌّ یہ اصل میں مصدر ہے جو بطور صفت مستعمل ہے

(لغات القرآن ملخصاً) مفسر علام نے باردة شدید الصوت کہہ کر دونوں معنی کو جمع کر دیا۔

قَوْلٌ: مَشْنُومٌ یہ سعید کی ضد ہے منحوس، نامبارک۔

قَوْلٌ: وَلِعَذَابِ الْآخِرَةِ، أَخْزَى، أَخْزَى دراصل معذب کی صفت ہے، عذاب کی طرف بطور مبالغہ اسناد مجازی ہے، اس

لئے کہ عذاب رسوائی کا سبب ہے نہ کہ خود رسوائی، سبب بول کر مسبب مراد ہے۔

قَوْلٌ: بَيِّنَّا لَهُمْ طَرِيقَ الْهُدَى یہ جملہ فَهَدَيْنَاهُمْ کی تفسیر ہے اس کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہاں

ہدایت سے مراد اراء و طرق ہیں نہ کہ ایصال الی المطلوب۔

قَوْلٌ: مِنْهَا اِی مِنَ الصَّاعِقَةِ الَّتِي نَزَلَتْ بِشَمُودَ.

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحِ

قُلْ اِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا، یہاں اس کی کچھ تفصیل اور ترتیب بیان فرمائی گئی ہے، فرمایا: زمین کو دو دن میں بنایا، دو دن سے یوم الاحد (اتوار) اور یوم الاثنين (پیر) مراد ہیں، سورہ نازعات میں فرمایا گیا ہے، وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمانوں کے بعد بنایا گیا ہے، جبکہ یہاں زمین کی تخلیق کا ذکر آسمانوں کی تخلیق سے پہلے کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وضاحت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ تخلیق اور چیز ہے اور دَحٰی جو اصل میں دَحُو ہے، اس کے معنی ہیں بچھانا پھیلانا، اور چیز ہے، زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی ہے، جیسا کہ یہاں بھی بیان کیا گیا ہے، اور دَحُو کا مطلب ہے زمین رہائش کے قابل بنانے کے لئے اس میں پانی کے ذخائر رکھے گئے، اسے پیداوار ضروریات کا مخزن بنایا گیا اَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا نیز اس میں اس نے پہاڑ، ٹیلے، جمادات نیز معدنیات رکھے، یہ عمل آسمان کی تخلیق کے بعد دوسرے مرحلہ میں دو دنوں میں کیا گیا، اس طریقہ سے زمین اور اس کے متعلقات کی تخلیق پورے چار دن میں مکمل ہوئی۔ (صحیح بخاری تفسیر سورہ حتم السجدہ)

پہاڑوں کو زمین ہی میں سے پیدا کر کے زمین میں پوست کر دیا تاکہ توازن قائم رہے اور بے ترتیب حرکت نہ کرے اور رہائش کے قابل رہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین میں برکت رکھ دی اور زمین میں بسنے والی تمام مخلوق کے لئے اس کے حسب حال روزی مقدر فرمادی، پانی کی کثرت، انواع و اقسام کے رزق، معدنیات اور دیگر بہت سی مفید اور کارآمد اشیاء زمین میں ودیعت فرمادیں، اور رب العالمین کی اس تقدیر کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ کوئی زبان اسے بیان نہیں کر سکتی، کوئی قلم اسے رقم نہیں کر سکتا، اور کوئی کیلکولیٹر اسے کیلکولیٹ (شمار) نہیں کر سکتا، تخلیق ارض کے اولاد دو دن اور زمین کو پھیلانے اور قابل رہائش بنانے کے دو دن یہ سب مل کر کل چار دن ہوئے، سوائے کا مطلب ہے ٹھیک چار دن یعنی پوچھنے والوں کو بتلادو کہ تخلیق اور دَحُو (پھیلانے) کا کام ٹھیک چار دن میں ہوا، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ سالکین کے لئے یہ مکمل اور پورا جواب ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَى السَّمَاءِ پھر آسمان کی (تخلیق) کی طرف متوجہ ہوا، آسمانوں کا مادہ دھوئیں اور بھاپ کی شکل میں تھا، حکم فرمایا تم دونوں میرے حکم کی تعمیل کے لئے مطیع و منقاد ہو جاؤ، برضا و رغبت یا طوعاً و کرہاً، بہر حال امر الہی بجالانا

ہے، دونوں نے عرض کیا ہم دونوں برضا و رغبت حاضر ہیں، پھر ان کو دو دن یعنی جمعرات و جمعہ میں سات آسمان بنا دیا، اور ان کو چراغوں یعنی ستاروں سے مزین کر دیا، جب آسمان جیسی عظیم مخلوق مطیع و فرمانبردار ہو تو انسان کی سرکشی کیسی نازیبا حرکت ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نطق بشر کا خاصہ نہیں بلکہ حیوانات و نباتات اور جمادات میں بھی پایا جاتا ہے، البتہ نطق کی کیفیت اور نوعیت مختلف ہے، حیوانات میں تو ظاہر اور مشاہد ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی بات سمجھتے ہیں، ہاں یہ فرق تو ہو سکتا ہے کہ انسان ہر امر میں مدرک اور ناطق ہو اور دیگر چیزیں خاص خاص طور پر اپنے ہی سے متعلق امور میں مدرک ہوں۔ (علاصۃ التفاسیر، نائب)

بعض مفسرین حضرات نے زمین و آسمان سے خطاب اور ان کی طرف سے جواب کو مجاز پر محمول کیا ہے، یعنی ہر کام کے لئے تیار پائے گئے، مگر ابن عطیہ اور دیگر محققین مفسرین نے فرمایا اس میں کوئی مجاز نہیں ہے، سب اپنی حقیقت پر ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے آسمان و زمین میں شعور و ادراک پیدا فرمادیا تھا کہ جس کی وجہ سے خطاب کو سمجھیں اور جواب دینے کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی، ابن کثیر نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ زمین کی طرف سے یہ جواب اس حصہ نے دیا جس پر بعد میں بیت اللہ کی تعمیر ہوئی اور آسمان کی طرف سے اس حصہ نے جواب دیا تھا جس کے بالمقابل بیت المعمور ہے۔

اِذْ جَاءَهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ رُسُلُوں کے آگے پیچھے سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے متعدد اور مسلسل رسول آئے اگر ایک رسول رخصت ہوتا تھا تو دوسرا آتا تھا، اور اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے رسولوں نے ان کو ہر طرح سے ہر وقت اور ہر حال میں سمجھایا، ماضی کی مجرم قوموں کے عبرتناک واقعات بھی سنائے اور آئندہ کے حادثات اور ہولناک عذاب سے ڈرایا بھی، اور سب نے ایک ہی پیغام سنایا کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کرو مگر عاد و ثمود نے ایک نہ سنی، الثانیہ الزام رکھ دیا کہ تم تو ہماری طرح کے انسان ہو، اس لئے ہم تمہیں نبی نہیں مان سکتے، اللہ کو اگر نبی بھیجتا تھا تو فرشتوں کو بھیجتا نہ کہ انسان کو۔

جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو انداز و تنبیہ کے لئے عذاب سے ڈرایا تو سرکشی پر اتر آئے اور کہنے لگے ہم بڑے طاقتور اور زور آور اور بڑے قد آور ہیں، ہم عذاب کو روکنے کی صلاحیت اور طاقت رکھتے ہیں۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِيْ اَيَّامٍ نَّحْسَاتٍ، صَرْصَرٌ، صُرَّةٌ سے ہے اس کے معنی شدید آواز کے ہیں، یعنی نہایت تند و تیز ہوا جس میں آواز بھی ہو، بعض حضرات نے فرمایا یہ صُرٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی سرد یعنی شدید ٹھنڈک کے ہیں جس کو پالا بھی کہتے ہیں۔

فِيْ اَيَّامٍ نَّحْسَاتٍ ضحاک رَفَعِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے تین سال تک بارش بالکل بند کر دی اور تیز و تند خشک ہوائیں چلتی رہیں، اور آٹھ دن اور راتوں تک مسلسل ہوا کا شدید طوفان رہا، بعض روایات میں ہے کہ یہ طوفان آخر شوال میں ایک بدھ سے شروع ہو کر دوسرے بدھ تک رہا، اور جس کسی قوم پر عذاب آیا ہے وہ بدھ ہی کے دن آیا ہے۔

کسی چیز میں نحوست کا مطلب:

اصول اسلام اور احادیث سے ثابت ہے کہ دن و رات میں کوئی بھی منحوس نہیں، تو پھر قوم عاد پر طوفان باد کے ایام کو منحوس فرمانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی شی منحوس نہیں، قوم عاد پر طوفان باد کو منحوس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایام ان کی بد اعمالیوں کے سبب سے ان کے حق میں منحوس ہو گئے تھے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ایام سب کے لئے منحوس ہوں۔

(مظہری)

نَحْسَاتٍ کا ترجمہ بعض نے متواتر پے درپے بھی کیا ہے، اور بعض نے تحت اور بعض نے گرد و غبار والے اور بعض نے نحوست والے ترجمہ کیا ہے۔

وَ اذْكَرَ يَوْمَ يَحْشُرُ بِالْيَأْسِ وَالنُّونَ الْمُنْتَوِحَةَ وَضَمَّ الشَّيْنِ وَفَتَحَ الْهَمْزَةَ اَعْدَاءُ اللَّهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٦٠﴾
يَسَافُونَ حَتَّىٰ اِذَا مَا زَانِدَةٌ جَاءَتْ وَهَاشِدَةٌ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦١﴾ وَقَالُوا الْجُلُودُ دِهْمٌ
لَمْ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا اَنْطَقْنَا اللَّهُ الَّذِي اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ اِى اَرَادَ نَطَقَهُ وَهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَاِلَيْهِ
تُرْجَعُونَ ﴿٦٢﴾ قِيلَ بُو مِن كَلَامِ الْجُلُودِ وَقِيلَ بُو مِن كَلَامِ اللَّهِ تَعَالَى كَالَّذِي بَعْدَهُ وَتَوَقَّعُهُ تَقَرُّبُ مَا قَبْلَهُ
بَانَ التَّادِرُ عَلَى اِنْشَائِكُمْ اِبْتِدَاءً وَاَعَادَتِكُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ اِحْيَاءً قَادِرٌ عَلَى اِنْطَاقِ جُلُودِكُمْ وَاَعْضَائِكُمْ
وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَرْوُونَ عِنْدَ اِرْتِكَابِكُمُ التَّوَاجِشِ مِنْ اَنْ تَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ لِاَنْكُمْ
لَمْ تَوْقِنُوا بِالْبَغْتِ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ عِنْدَ اِسْتِتَارِكُمْ اَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٦٣﴾ وَذَلِكَ مُبْتَدَأُ ظَنِّكُمْ
بِدَلِّ مَنَّهُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَيْكُمْ نَفْعُ الْبَدَلِ وَالْخَيْرُ اَرَادَكُمْ اِى اَبْلَاكُمْ فَاصْبَحْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٤﴾ فَاِنْ
يَصْبِرُوا عَلَى الْعَذَابِ قَالَتِ اَرْمَوْىْ مِنْهُمْ وَاِنْ يَسْتَغِيثُوا يَغْثِبُوا الْغَثْبَى اِى الرِّضَى فَمَا هُمْ
مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿٦٥﴾ الْمَرْضِيَّيْنَ وَقِيضْنَا سَبِيحًا لَهُمْ قُرْآنًا مِنَ الشَّيَاطِينِ فَرَيُّوْا لَهُمْ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ مِنْ اَمْرِ
الدُّنْيَا وَاِتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ اَمْرِ الْاٰخِرَةِ بِقَوْلِهِمْ لَا نَعْتُ وَلَا حِسَابٌ وَحَقٌّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ
بِالْعَذَابِ وَهُوَ لَا اَمْلَآءَ جَهَنَّمَ اِلَا فِيْ جَهَنَّمَ اَمْرٌ قَدْ خَلَتْ بِكَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوا
خٰسِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ: اور وہ دن یاد کرو کہ جب اللہ کے دشمن جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے (یَحْشُرُ) میں یاء اور نون مفتوح اور شین کے ضمہ کے ساتھ اور (اَعْدَاءُ) کے (آخری) ہمزہ کے فتح کے ساتھ یہاں تک کہ جب وہ جہنم کے قریب

آجائیں گے ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے یہ (لوگ) اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہمیں اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو جس کو چاہا بولنے کی طاقت بخشی اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے، کہا گیا ہے کہ وہ (یعنی وهو خلقکم اول مرة الخ) کھالوں کا کلام ہے اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جیسا کہ آئندہ آنے والا کلام (یعنی وما کنتم تستترون الخ) (اللہ کا ہے) اور اللہ کے کلام کا یہ موقع ماقبل (یعنی انطقنا اللہ الخ) کو قریب (الی الفہم) کرنے کے لئے ہے، بایں طور کہ جو ذات تم کو ابتداءً پیدا کرنے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے وہ تمہاری کھالوں اور اعضاء کو قوت گویائی عطا کرنے پر بھی قادر ہے، اور تم ارتکاب فواحش کے وقت اس وجہ سے پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے اس لئے کہ تم اس بات پر یقین ہی نہیں رکھتے تھے کہ تم پر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں گے، لیکن تم ارتکاب فواحش کو (لوگوں سے) چھپاتے وقت یہ سمجھتے رہے کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو ان میں سے بہت سے اعمال سے اللہ بے خبر ہے، تمہاری اسی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی تھی تمہیں ہلاک کر دیا (ذلکم) مبتداء ہے ظنکم اس سے بدل ہے، بدل کی صفت اور (مبتداء کی) خبر اَرَدَ کُمْ ہے اَرَدَ کُمْ اِی اَہْلَکَ کُمْ اور بالآخر تم زیاں کاروں میں ہو گئے، اب اگر یہ عذاب پر صبر کریں تب بھی ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے، اور اگر وہ خوشنودی حاصل کرنا چاہیں گے تو وہ خوشنودی حاصل کرنے والوں میں نہ ہوں گے (یعنی خوشنودی حاصل نہ کر سکیں گے) اور شیاطین میں سے ہم نے ان کے کچھ مصاحب مقرر کر رکھے تھے جنہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال یعنی امور دنیا اور اتباع شہوات اور امر آخرت یعنی ان کا قول (عقیدہ) لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ کو ان کی نظر میں مستحسن بنا رکھا تھا، ان لوگوں کے حق میں اللہ کا قول (یعنی) وَعْدَةُ عَذَابٍ اور وہ لَا مَلَنَ جَهَنَّمَ (الآیۃ) ہے پورا ہو کر رہا، حال یہ ہے جو ان سے پہلے جن وانس میں سے ہلاک ہو چکے ہیں بلاشبہ وہ بھی خسارے میں رہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: نَحْشُرُ جمع متکلم، نون کے فتح اور شین کے ضمہ کے ساتھ، اس صورت میں اَعْدَاء کا آخری ہمزہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، دوسری قراءت جس کو مفسر علام نے مشہور ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا ہے وہ يُحْشَرُ یاء کے ضمہ اور شین کے فتح کے ساتھ مضارع واحد مذکر غائب مجہول، اس صورت میں اعداء کا آخری ہمزہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

قَوْلٌ: اِلَى النَّارِ اِی اِلَى مَوْقِفِ الْحِسَابِ۔

قَوْلٌ: يُسَاقُونَ قاضی بیضاوی نے یُوزَعُونَ کی تفسیر یُحْبَسُ اَوَّلُهُمْ عَلٰی آخِرِهِمْ سے کی ہے مگر مقصد دونوں کا ایک ہی ہے۔

قَوْلًا: يُوَزَّعُونَ، وَزْعُ (ن) سے جمع مذکر غائب مضارع مجہول ان کو جمع کیا جائے گا، یعنی آگے والوں کو روک کر رکھا جائے گا تاکہ سب ایک ساتھ جمع ہو کر چلیں، اس سے کثرت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

قَوْلًا: يَسْتَعْتَبُونَ جمع مذکر غائب مضارع مجزوم، استعتاب (استفعال) سے صاحب کشاف کی تفسیر زیادہ واضح ہے، علامہ مکی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، یعنی اگر وہ اللہ کے رضا مند ہونے کی طلب کریں گے، یعنی اس جگہ استعتاب عُتْبَى سے بنا ہے نہ کہ اِعْتَاب سے، اس لئے کہ وہ لوگ اللہ کو رضا مند کرنے کی طلب کسی اور سے نہیں بلکہ خود اللہ ہی سے کریں گے۔

قَوْلًا: قَيِّضْنَا اِيْ هَيَّاْنَا وَقَدَرْنَا ماضی جمع متکلم معروف، مصدر تَقْيِيضُ (تفعیل) مادہ قَيِّضُ، قَيِّضُ کے معنی ہیں انڈے کا چھلکا، انڈے کا چھلکا چونکہ انڈے سے متصل، چمٹا ہوا ہوتا ہے، اسی مناسبت سے تَقْيِيضُ کے معنی ہوئے ساتھ لگا دینا، مسلط کر دینا۔

قَوْلًا: فِيْ اَمْرٍ، فِيْ بمعنی مع بھی ہو سکتا ہے عَلَيْهِمْ کی ضمیر مجرور سے حال ہے اِی کائناتین مع جملة امر۔
قَوْلًا: مَنْ اَنْ يَشْهَدْ عَلَيْكُمْ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ يَشْهَدْ نزع خافض کی وجہ سے منصوب ہے، اور وہ خافض مِنْ ہے، اس لئے کہ تَسْتَرُونَ متعدی بنفسہ نہیں ہے۔

قَوْلًا: عِنْدَ اسْتِنَارٍ كُمْ اِيْ مِنَ النَّاسِ اِيْ مَعَ عَدَمِ اسْتِنَارٍ كُمْ مِنْ اَعْضَاءِ كُمْ اعضاء سے استنار کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس فعل ہی کو ترک کر دیا جائے۔

قَوْلًا: فَاِنْ يَصْبِرُوْا۔

سُؤَالٌ: جب مشرکین کے لئے خلود فی النار ہر حال میں دائمی اور لازمی ہے، خواہ صبر کریں یا نہ کریں تو پھر اِنْ يَصْبِرُوْا کے ساتھ مقید کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابٌ: آیت میں حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَاِنْ يَصْبِرُوْا اَوْ لَا يَصْبِرُوْا فَاَلْنَارُ مَثْوٰی لَهُمْ علم اور شہرت کی وجہ سے مقابل کو حذف کر دیا گیا ہے، اس لئے کہ جب صبر کی صورت میں جہنم ٹھکانہ ہوگا تو عدم صبر کی صورت میں بطریق اولیٰ ہوگا۔

قَوْلًا: وَقَيِّضْنَا لَهُمْ اِيْ لِلْقَرِيْشِ لِهَذَا فِيْ اَمْرٍ کہنا درست ہو گیا۔

تَفْسِيْرُو تَشْرِيْح

يَوْمَ يُخْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰهِ یہاں اذکر فعل محذوف ہے، جیسا کہ شارح نے ظاہر کر دیا ہے یعنی وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے کہ جب اللہ کے تمام دشمنوں کو جہنم کے فرشتے جمع کریں گے حَتّٰی اِذَا مَا جَاءُ وَهَا (الآیۃ) یعنی مشرکین جب شرک کرنے کا انکار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے۔

انسان کے اعضاء کی محشر میں گواہی:

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے آپ کو ہنسی آگئی، پھر آپ نے فرمایا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں کس بات پر ہنس رہا ہوں؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں، آپ نے فرمایا مجھے ہنسی اس کلام پر آگئی جو میدان حشر اور موقف حساب میں بندہ اپنے رب سے کرے گا، بندہ عرض کرے گا، اے میرے پروردگار! کیا آپ نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بے شک دی ہے، اس پر بندہ کہے گا اگر یہ بات ہے تو میں اپنے حساب و کتاب کے معاملہ میں اور کسی کی گواہی پر مطمئن نہیں ہوں گا، بجز اس کے کہ میرے وجود ہی میں سے کوئی گواہ کھڑا ہو، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ حَسِبًا اچھا تو تم اپنا حساب خود ہی کرلو، اس کے بعد اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی، اور اعضاء و جوارح سے کہا جائے گا کہ تم اس کے اعمال بتلاؤ، ہر عضو بول اٹھے گا اور سچی گواہی پیش کر دے گا، اس کے بعد اس کی زبان کھول دی جائے گی، تو یہ خود اپنے اعضاء پر ناراض ہو کر کہے گا، بُعْدًا لَّكُنَّ وَ سُحْقًا فَعَنْكُنَّ اَنَا ضِلُّ تَمْهَارَانَا س ہو، میں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ تم کو آرام و راحت پہنچانے کے لئے تھا، اب تم ہی میرے خلاف گواہی دینے لگے۔

سُئِلَ: شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَابْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اس آیت میں تین حواس کے گواہی دینے کا ذکر ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ بدن انسانی میں حواس ظاہرہ پانچ ہیں، ① قُوَّةُ سَامِعَةٍ ② قُوَّةُ بَاصِرَةٍ ③ قُوَّةُ ذَائِقَةٍ ④ قُوَّةُ شَامَةٍ ⑤ قُوَّةُ لَامِسَةٍ۔

جواب: باقی حواس یعنی قُوَّةُ ذَائِقَةٍ اور قُوَّةُ شَامَةٍ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ یہ دونوں قُوَّةُ لَامِسَةٍ میں داخل ہیں، اس لئے کہ چکھنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ شے کو زبان پر نہ رکھا جائے اور زبان کی جلد سے لمس نہ کرے، اسی طرح سونگھنا، اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ شے ہوا میں تحلیل ہو کر ناک کی اس جلد سے لمس نہ کرے، جس میں قدرت نے قوتِ شامہ رکھی ہے، اس طریقہ سے ”جلود“ کے لفظ میں تین حواس آ جاتے ہیں۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ (الآیۃ) اس کا مطلب یہ ہے کہ تم گناہ کا کام کرتے ہوئے لوگوں سے تو چھپنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اس بات کا تمہیں کوئی خوف نہیں تھا کہ تمہارے خلاف خود تمہارے اعضاء بھی گواہی دیں گے، کہ جن سے تم چھپنے کی ضرورت محسوس کرتے، اس کی وجہ سے ان کا بعث و نشور سے انکار اور اس پر عدم یقین تھا، اسی لئے تم اللہ کی حدود توڑنے اور اس کی نافرمانی کرنے میں بے باک اور جری تھے۔

ذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي (الآیۃ) اور تمہارے اسی اعتقاد فاسد اور گمان باطل نے کہ اللہ کو تمہارے بعض عملوں کا علم نہیں ہوتا، تمہیں ہلاکت میں ڈال دیا، کیونکہ اسی عقیدے اور گمان فاسد کی وجہ سے تم ہر قسم کا گناہ کرنے میں دلیر اور بے خوف ہو گئے تھے۔

شان نزول:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے پاس دو قریشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی جمع ہوئے، فرہ بدن قلیل الفہم، ان میں سے ایک نے کہا کیا تم سمجھتے ہو کہ ہماری باتیں اللہ سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا ہماری جہری باتیں سنتا ہے، سری باتیں نہیں سنتا، تیسرے نے کہا اگر وہ ہماری جہری باتیں سنتا ہے تو ہماری سری (پوشیدہ) باتیں بھی ضرور سنتا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔
(صحیح بخاری تفسیر سورۃ لحم السجدہ)

وَقَبَضْنَا لَهُمْ قُرْنَاءَ یہاں قُرْنَاء سے مراد شیاطین انس و جن ہیں، جو باطل پر اصرار کرنے والوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں، جو ان کے سامنے کفر و معاصی کو خوبصورت کر کے پیش کرتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ گمراہی کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں حتیٰ کہ انہیں موت آ جاتی ہے، اور وہ خسارۂ ابدی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

نکتہ: اصحاب ملاہی اور اسباب مناہی بھی ”قرین سوء“ میں شامل ہیں، نیز ایسے اشغال جو خیر سے خالی اور اللہ سے بے پرواہ کرنے والے ہوں یہ بھی قرین سوء میں داخل ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا عِنْدَ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْمَعُوا هَذَا الْقُرْآنَ وَالْغَوْا فِيهِ اِيْتُوا بِاللَّغَطِ وَنَحْوِهِ وَصِيحُوا فِي زَمَنِ قِرَاءَةِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴿١٥﴾ فَيَسْكُتُ عَنِ الْقِرَاءَةِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِمْ فَلَنُدْثِقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَشْوَا الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ اِی اَقْبَحُ جَزَاءِ غَمْلِهِمْ ذَلِكَ اِی الْعَذَابُ الشَّدِيدُ وَأَشْوَى الْجَزَاءِ جَزَاءُ اَعْدَاءِ اللَّهِ بِتَحْقِيقِ السَّهْمَةِ الثَّانِيَةِ وَابْدَالِهَا وَآوَا النَّارُ غَطَفُ بَيَانِ الْجَزَاءِ الْمُخْبِرِ بِهِ عَنْ ذَلِكَ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ اِی اِقَامَةِ لَا اِنْتِقَالَ مِنْهَا جَزَاءُ مَنْصُوبٌ عَلَى الْمَصْدَرِ بِفَعْلِهِ الْمُقَدَّرِ بِمَا كَانُوا بِاِيْتِنَا الْقُرْآنَ يَجْعَدُونَ ﴿١٧﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي النَّارِ رَبَّنَا اَرْنَا الَّذِينَ اضَلَّنا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِی اِبْلِيسَ وَقَابِيلَ سَبَّحْنَا الْكُفْرَ وَالْقَتْلَ نَجْعَلُهُمَا نَحْتِ اَقْدَامِنَا فِي النَّارِ لِيَكُونَا مِنَ الْاسْفَلِينَ ﴿١٨﴾ اِی اَشَدَّ عَذَابًا بِنَا اِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبَّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا عَلَى التَّوْحِيدِ وَغَيْرِهِ بِمَا وَجِبَ عَلَيْهِمْ تَنْزَلُ عَلَيْهِمُ الْمَلِكَةُ عِنْدَ الْمَوْتِ اَنْ اِی بَانَ لَا تَخَافُوا مِنَ الْمَوْتِ وَمَا بَعْدَهُ وَلَا تَحْزَنُوا عَلَى مَا خَلَفْتُمْ مِنْ اَهْلِ وَوَلَدٍ فَنَحْنُ نَخْلُفُكُمْ فِيهِ وَابْشُرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٩﴾ نَحْنُ اَوْلَايُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا اِی حِفْظُكُمْ فِيهَا وَفِي الْآخِرَةِ اِی نَكُونُ مَعَكُمْ فِيهَا حَتَّى تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ﴿٢٠﴾ تَسْتَطْبِقُونَ نَزْلًا رِزْقًا مِّنْهُنَا مَنْصُوبٌ بِجَعَلِ مُقَدَّرًا مِّنْ عَفْوَ رَبِّ رَحِيمٍ ﴿٢١﴾ اِی اللَّهُ.

ترجمہ: اور کافروں نے آپ کی قراءت کے وقت کہا اس قرآن کو سنو مت، اور شور و غل کرو، اور آپ ﷺ کی قراءت کے وقت شور مچاؤ کیا عجب کہ تم غالب آ جاؤ؟ اور پیغمبر (ہار کر) چپ ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا سو ہم ان کافروں کو یقیناً سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے، اور انہیں ان کے بدترین اعمال کا بدلہ (ضرور) ضرور دیں گے، یعنی ان کے عمل کی بدترین جزاء (ضرور دیں گے) وہ یعنی عذاب شدید اور بدترین بدلہ، اللہ کے دشمنوں کی سزا یہی دوزخ کی آگ ہے، دوسرے ہمزہ کی تحقیق اور اس کو واؤ سے بدل کر، النار، الجزاء کا عطف بیان ہے، جو ذلک کا مخبر بہ (خبر) ہے، جس میں ان کا پیشگی کا گھر ہے یعنی (وائی) اقامت کا، اس سے منتقل ہونا نہیں ہے، ان کو یہ بدلہ ہماری آیتوں قرآن کے انکار کی وجہ سے دیا جائے گا جزاء اپنے فعل مقدر کا مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور کافر لوگ جہنم میں کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں جنوں (اور) انسانوں (کے وہ دونوں) فریق دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا یعنی ابلیس اور قابیل کو (ان) دونوں نے کفر اور قتل کا طریقہ جاری کیا (تاکہ) ہم انہیں آگ میں اپنے قدموں تلے روندیں (تاکہ) وہ جہنم میں سب سے نیچے ہمارے اعتبار سے شدید ترین عذاب میں ہو جائیں واقعی جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر توحید و غیرہ پر جو ان پر واجب تھا جیسے ان کے پاس فرشتے موت کے وقت (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ موت اور مابعد الموت سے اندیشہ نہ کرو اور جو اہل وعیال چھوڑ چلے ہو ان پر غم نہ کرو، اس لئے کہ اس معاملہ میں ہم تمہارے خلیفہ ہیں (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، تمہاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے یعنی دنیا میں تمہاری حفاظت کی، اور آخرت میں بھی یعنی آخرت میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گے یہاں تک کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ اور جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم طلب کرو (سب کچھ) تمہارے لئے بطور مہمانی غفور رحیم یعنی اللہ کی طرف سے تیار ملے گا رزقاً، جعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: عِنْدَ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ ﷺ يَهْتَأِ بِكَ طَرَفٌ هُوَ، اِیْ عِنْدَ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ قَالَ۔

قَوْلٌ: وَالْغَوَا، الْغَوَا، لَغَوٌ سَے امر جمع مذکر حاضر (ن، س، ف) بیہودہ بکنا، بک بک کرنا۔

قَوْلٌ: اَللَّغَطُ شَوْرَکَرْنَا، بیہودہ بکنا، یہ لغو کے ہم معنی ہے۔

فَائِدَةٌ: قَوْلٌ: اِیْ اَقْبَحَ جِزَاءِ عَمَلِهِمْ اِسْ عِبَارَتِ كَے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: اللہ تعالیٰ کے قول لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَا الَّذِي كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اِس سے بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ کافر، ان کے نفس عمل کی قسم کی بدترین جزا دیئے جائیں گے، مثلاً جن مشرکوں نے آپ ﷺ کے ساتھ استہزاء کیا ہوگا آخرت میں ان کے ساتھ بدترین قسم کا استہزاء کیا جائے گا، حالانکہ مقصد یہ نہیں ہے۔

رفع: کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَنْجَزِيَنَّهُمْ اَقْبَحَ جزاء عملیہم۔

قَوْلًا: العذاب الشدید الخ اس اضافہ کا مقصد ذلک کا مشاڑا الیہ متعین کرنا ہے اور مشاڑا الیہ فَلَنْجَزِيَنَّهُمْ اور وَلَنْجَزِيَنَّهُمْ ہے، ذلک مبتداء ہے اور جزاء اعداء اللہ اس کی خبر ہے اور النَّار جزاء سے بدل یا عطف بیان ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذلک الامر مبتداء محذوف کی خبر ہو، جزاء اعداء اللہ النار سابقہ کا بیان ہوگا، اول اولیٰ ہے۔

سُؤَال: النار کو جزاء سے بدل قرار دینا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ بدل کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر بدل کو مبدل منہ کی جگہ رکھ دیا جائے تو معنی درست رہیں، مگر یہاں ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ بدل کو مبدل منہ کی جگہ رکھنے کے بعد تقدیر عبارت یہ ہوگی ذلک النار اعداء اللہ اور یہ صحیح نہیں ہے لہذا ضروری ہے کہ مرجوح اعراب سے رائج اعراب کی طرف رجوع کیا جائے، النار کو ہی مبتداء محذوف کی خبر قرار دیا جائے، یا النار کو مبتداء قرار دیا جائے، اور اس کے مابعد یعنی وَلَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْد کو اس کی خبر۔

نکتہ۔ سوال: لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْد، فِيهَا کی ضمیر، کارجع النار ہے، اور نار سے مراد جہنم ہے، اور جہنم موصوف بصفۃ الخلد ہے، اب فیہا دار الخلد کا مطلب ہوا، دار الخلد کے اندر دار الخلد ہے، یہ ظرفیۃ الشئی لنفسہ ہے، جو کہ جائز نہیں ہے۔

جَوَاب: کلام میں تجرید ہے، تجرید کہتے ہیں کسی امر ذی صفت سے اسی کے موافق مبالغہ کے طور پر دوسرے امر ذی صفت کا انتزاع کرنا، جس طرح یہاں النار سے دار آخر کا انتزاع کر کے اس کا نام دار الخلد رکھ دیا، لہذا یہ درست ہے۔

قَوْلًا: جزاء فعل محذوف کے مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، ای یُجَزَوْنَ جزاء۔

قَوْلًا: بَايَتَنَا يَجْحَدُونَ۔

سُؤَال: بَايَتَنَا میں باء کیسی ہے؟

جَوَاب: یا تو باء زائدہ ہے یا يَجْحَدُونَ کے معنی کو متضمن ہے، اس صورت میں باء تعدیہ کے لئے ہوگی۔

قَوْلًا: فِي النَّارِ یہ قال کے فاعل الذین سے حال ہے ای کائنات فی النار۔

قَوْلًا: اَرِنَا، اَر امر واحد مذکر حاضر، نا، ضمیر جمع متکلم اَرِنَا، مراد رویہ بصریہ ہے، ہمزہ تعدیہ الی مفعول الثانی کے لئے ہے، ضمیر نا مفعول اول ہے، الذین مفعول ثانی ہے اَرِنَا کی اصل اَرَيْنَا تھی ای صَبَرْنَا رَائِينَ بِأَبْصَارِنَا، یا حرف علت جو کہ لام کلمہ ہے، فعل کے حذف حرف علت پر مبنی ہونے کی وجہ سے حذف ہو گئی، دوسرا ہمزہ جو کہ بین کلمہ ہے اس کے کسرہ کو اس کے ماقبل جو کہ راء کو دیدی، جو کہ فاء کلمہ ہے، اب اس کا وزن اَرِنَا ہو گیا، موجودہ ہمزہ کلمہ کا نہیں ہے، بلکہ تعدیہ کے لئے ہے۔

خوف اور حزن میں فرق:

قَوْلُهُ: لَا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا آئندہ کی تکلیف کی وجہ سے انسان کو جو کیفیت لاحق ہوتی ہے اس کو ”خوف“ کہتے ہیں، اور گزشتہ زمانہ میں کسی نافع چیز کے فوت ہونے کی وجہ سے جو کیفیت لاحق ہوتی ہے اسے ”حزن“ کہتے ہیں۔
قَوْلُهُ: اَنَّ اِيْ بَانَ اَنَّ مَصْدَرِيْهٖ بِاَمْرِ مَقْدَرٍ هٖ تَخَافُوْا بِمَعْنٰى خَوْفٍ هٖ، اِيْ تَنْزِلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ نَكٰةً قٰنِلِيْنَ لَهُمْ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا حُزْنٌ۔

قَوْلُهُ: اَبَشِّرُوْا، اِبْشَارٌ سے امر جمع مذکر حاضر، تم کو خوشخبری ہو۔

قَوْلُهُ: نَحْنُ اَوَّلِيَّاكُمْ اس میں دو احتمال ہیں، باری تعالیٰ کا کلام بھی ہو سکتا ہے اور ملائکہ کا بھی۔

قَوْلُهُ: نَزْلًا، تَدْعُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے، نزل اس کھانے کو کہتے ہیں جو مہمان کے لئے بطور ضیافت تیار کیا جاتا ہے۔

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِیْحِ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآیۃ) یہ جملہ مستانفہ ہے، اس کا مقصد کفار کے حال کو بیان کرنا اور قراءۃ قرآن کے وقت ان کے مکابرہ اور مجادلہ کو ذکر کرنا ہے، کفار مکہ جب قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہو گئے، اور اس کے خلاف ان کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں تو انہوں نے یہ حرکت شروع کی، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ابو جہل نے لوگوں کو اس پر آمادہ کیا کہ جب محمد (ﷺ) قرآن پڑھا کریں تو تم ان کے سامنے خوب چیخ پکار اور شور و غل کیا کرو تا کہ لوگوں کو پتہ ہی نہ چلے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، بعض نے کہا کہ سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرو اور بیچ بیچ میں طرح طرح کی آوازیں نکالا کرو۔ (قرطبی، معارف)

مَسْئَلَةٌ: قرآن کی تلاوت کے وقت خاموش رہ کر سننا واجب، ایمان کی علامت اور عبادت ہے، اور خاموش نہ رہنا کفار کی عادت ہے، آج کل ریڈیو پر تلاوت قرآن نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ ہر ہوٹل اور مجمع کے موقع پر ریڈیو کھولا جاتا ہے، جس میں تلاوت ہو رہی ہوتی ہے، اور ہوٹل والے اپنے دھندوں میں لگے ہوئے ہوتے ہیں، اور کھانے پینے والے اپنے شغل میں، اس کی بظاہر صورت وہ بن جاتی ہے جو کفار کی علامت تھی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَا اِرِنَا الَّذِيْنَ اَصْلَحْنَا (الآیۃ) اس کا مفہوم واضح ہے کہ گمراہ کرنے والے شیاطین ہی نہیں ہوتے انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی شیطان کے زیر اثر لوگوں کو گمراہ کرنے میں مصروف رہتی ہے، تاہم بعض نے جن سے ابلیس اور انس سے قابیل مراد لیا ہے، قابیل نے انسانوں میں سب سے پہلے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے ظلم اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا، اور حدیث کے مطابق قیامت تک ہونے والے ناجائز قتلوں کے گناہ کا ایک حصہ اس کو بھی ملتا رہے گا، ”قدموں تلے روندنے“ کا مطلب ان کو خوب ذلیل اور رسوا کرنا ہوگا، جہنمیوں کو اپنے لیڈروں پر جو غصہ ہوگا اس کی تشفی کے لئے وہ یہ کہیں گے ورنہ دونوں ہی مجرم ہیں۔

اِنَّ الذِّیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ سَابِقَةُ اٰیَاتٍ مِّیْنِ مَّنْكَرِیْنَ قُرْآنٍ اَوْ مَّنْكَرِیْنَ تَوْحِیْدٍ سَے خطاب اور ان کے حالات کا بیان تھا، یہاں سے مومنین کا ملین کے حالات اور دنیا و آخرت میں ان کے اعزاز و اکرام کا بیان اور ان کے لئے خاص ہدایات ہیں۔

ثُمَّ اسْتَقَامُوا کا مطلب:

”استقامت“ کے مختلف مطلب بیان کئے گئے ہیں، اس آیت میں پہلے اللہ کی ربوبیت کا اقرار اور پھر اس پر استقامت کا ذکر ہے، یعنی جن لوگوں نے اس کی ربوبیت کا اقرار و یقین کر لیا، یہ تو اصل ایمان ہوا، پھر اس پر مستقیم رہے، یہ عمل صالح ہوا، اس طرح ایمان و عمل صالح کے جامع ہو گئے، یہ تفسیر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے اور تقریباً یہی مضمون حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، انہوں نے استقامت کی تفسیر اخلاص عمل سے فرمائی ہے، اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: **الِاسْتِقَامَةُ اَنْ تَسْتَقِیْمَ عَلٰی الْاَمْرِ وَالنَّهٰی وَلَا تَرْوِغَ رَوْغَانَ الشَّعَالِ** ”استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام و اوامر و نواہی پر سیدھے جمے رہو اس سے ادھر ادھر لوٹری کی طرح راہ فرار نہ نکالو“۔ علماء نے کہا ہے کہ استقامت اگرچہ نہایت مختصر لفظ ہے مگر تمام شرائع اسلامیہ کو جامع ہے، جس میں تمام احکام الہیہ پر عمل اور تمام محرمات و مکروہات سے اجتناب دائمی طور پر شامل ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ اٰی لَا اُخَذَ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلٰی اللّٰهِ بِالتَّوْحِیْدِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝
وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ۚ فِیْ جُزْئِیَّتِهِمَا لِاَنْ یَّغْضِبَهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِدْفَعْ اِی السَّیِّئَةِ بِاَلَّتِیْ اِی بِالْخُصْلَةِ الَّتِیْ
هِيَ اَحْسَنُ كَالْغَضَبِ بِالصَّبْرِ وَالْجَهْلِ بِالْحِلْمِ وَالْاِسَاءَةِ بِالْعَفْوِ ۚ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ كَانَتْ وَلٰی حَمِیْمٌ ۝
اِی فِیْ صَبْرِ غَدُوْكَ كَالصَّدِیْقِ الْقَرِیْبِ فِیْ مَحَبَّتِهِ اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ فَالَّذِیْ مُبْتَدَاً وَكَانَتْ الْخَبْرُ وَاِذَا ظَرَفٌ
لِّمَعْنٰی التَّشْبِیْهِ وَمَا یُلْقٰہَا اِی یُؤْتِی الْخُصْلَةَ الَّتِیْ هِیْ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلْقٰہَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ ثَوَابٍ
عَظِیْمٍ ۝ وَاَمَّا فِیْهِ اِذْ غَامُ نَوْنٍ اِنْ الشَّرْطِیَّةِ فِیْ مَا الزَّائِدَةُ یَنْزَعُكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْعٌ اِی اِنْ یَضْرِبُكَ عَنِ الْخُصْلَةِ
وَعِیْرًا بِمَنْ الْخَبْرُ صَارَتْ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ جَوَابُ الشَّرْطِ، وَجَوَابُ الْاَمْرِ مَحْذُوفٌ اِی یُدْفَعُ عَنْكَ اِنَّهُ هُوَ السَّمِیْعُ
لِلْقَوْلِ الْعَلِیْمُ ۝ بِالْفِعْلِ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْیَلُّ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ
اِی الْاٰیَاتِ الْاَرْبَعُ اِنْ كُنْتُمْ رَاٰہُ تَعْبُدُوْنَ ۝ فَاِنْ اسْتَکْبَرُوْا عَنِ السُّجُوْدِ لِلّٰهِ وَخَذَهُ فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ اِی الْمَلَائِكَةُ
یَسْجُدُوْنَ یُحْسِنُوْنَ لَهُ بِالْیَلِّ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْمُوْنَ ۝ لَا یَمْلُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنَّكَ تَرٰی الْاَرْضَ خَاشِعَةً یَابِسَةً لَا نَبَاتَ
فِیْہَا فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَیْہَا الْمَآءَ اُتْرَتْ تَحْرُکَتْ وَرَبَّتْ اِنْتَفَخَتْ وَغُلَّتْ اِنَّ الَّذِیْ اَحْیَاہَا الْمُحْیِ الْمَوْئِلُ اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ
قَدِیْرٌ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ مِنْ اَلْحَدِّ وَاحِدٌ فِیْ اٰیٰتِنَا الْقُرْآنِ بِالتَّكْذِیْبِ لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا فَنَجَازِیْہِمُ اَقَمْنَ یُلْقٰی فِی

النَّارِ خَيْرٌ أَمَّنْ يَأْتِي أَمَّا يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَلُوا شِئْنَكُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ⑤ تَهْدِيْدٌ لَهُمْ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ الْقُرْآنِ لَمَّا جَاءَهُمْ نَجَارِيهِمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ⑥ مِّنْعٌ لَّا يَأْتِيَهُ الْهَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ⑦ أَيْ لَيْسَ قَبْلَهُ كِتَابٌ يُكْذِبُهُ وَلَا بَعْدَهُ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ⑧ أَيْ اللَّهُ الْمُحْمَدُ فِي أَمْرِ مَا يُقَالُ لَكَ مِنَ التَّكْذِيبِ إِلَّا بِمِثْلِ مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ ⑨ لِلْمُؤْمِنِينَ ⑩ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ⑪ لِلْكَافِرِينَ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ أَيْ الذِّكْرَ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا بَدَأَ فَصَلَّتْ يَبْسُتْ آيَتُهُ حَتَّى نَفْهَمُهَا عَ قُرْآنَ أَعْجَمِيٍّ وَنَسَى عَرَبِيًّا ⑫ اسْتَفْهَمُوا ⑬ انْكَارُ مَنَّهُمْ بِتَحْقِيقِ الهمزة الثانية وقلبها الفاء بإشباع ودونه قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْوَاهِدِي مِنَ الضَّلَالَةِ وَشِفَاءٌ مِنَ الْجَهْلِ ⑭ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقُرْشُلٌ ⑮ فَلَا يَسْمَعُونَهُ ⑯ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ⑰ فَلَا يَفْهَمُونَهُ ⑱ أُولَئِكَ يَنَادُونَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ⑲ أَيْ هُمْ كَأَنَّكَ نَادَى مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ لَا يَسْمَعُ وَلَا يَفْهَمُ مَا يُنَادِي بِهِ.

ترجمہ: اور اس سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے کہ جو توحید کے ذریعہ خدا کی طرف بلائے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں نہ سب نیکیاں (آپس میں) برابر ہوتی ہیں اور نہ سب برائیاں اپنے افراد کے اعتبار سے اس لئے کہ بعض بعض سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں، آپ برائی کو اچھے برتاؤ سے دفع کیجئے جیسے غصہ کو صبر (وضبط) سے اور جہل کو بردباری سے، اور بے ادبی کو عفو (دور گذر سے) پھر وہی جس کے اور آپ کے درمیان عداوت ہے ایسا ہو جائے گا جیسا کہ جگری دوست جب آپ اس پر عمل کریں گے تو آپ کا دشمن اپنی محبت میں قریبی دوست بن جائے گا، الذی مبتداء اور کماۃ خبر، اور اذا معنی تشبیہ کے لئے ظرف ہے، اور یہ یعنی بہترین خصلت انہیں لوگوں کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور اس کو بڑے نصیب دار ہی حاصل کر سکتے ہیں اور امّا میں ان شرطیہ کا مازائدہ میں ادغام ہے، اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے یعنی اگر کوئی آپ کو پھیرنے والا (بہترین) خصلت اور خیر وغیرہ سے پھیرے تو اللہ کی پناہ طلب کرو (فاستعذ باللہ) جواب شرط ہے اور جواب امر محذوف ہے، اور وہ یدفعہ عنک ہے، یقیناً وہ باتوں کا سننے والا اور (ہر) کام کا جاننے والا ہے اور رات اور دن سورج اور چاند (اسی کی قدرت کی) نشانیوں میں سے ہیں، تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو (بلکہ) سجدہ اس اللہ کو کرو جس نے مذکورہ چاروں نشانیوں کو پیدا فرمایا اگر تمہیں اسی کی بندگی کرنی ہے تو پھر بھی اگر یہ اللہ وحدہ کو سجدہ سے تکبر و غرور کریں تو وہ فرشتے جو تیرے رب کے پاس ہیں وہ رات دن تسبیح پڑھتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور وہ (کسی وقت بھی) اکتاتے نہیں ہیں اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دہائی بے (آب و) گیاه دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو تر و تازہ ہو کر لہلہانے لگتی ہے پھولنے لگتی ہے، اور ابھرنے لگتی ہے، جس نے اس کو زندہ کیا وہی یقیناً مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے، بیشک جو لوگ ہماری آیتوں میں قرآن میں جھٹلا کر کجروی کرتے ہیں یہ الحد اور لحد سے مشتق ہے، ہم سے مخفی نہیں سو ہم ان کو بدلہ دیں گے، (بھلا بتاؤ) جو آگ میں ڈالا جائے وہ اچھا ہے یا وہ جو امن

وامان کے ساتھ قیامت کے دن آئے؟ جو جی چاہے کرو، وہ تمہارے سب کر توت دیکھ رہا ہے، یہ ان کو دھمکی ہے جن لوگوں نے اپنے پاس قرآن پہنچ جانے کے باوجود کفر کیا ہم ان کو بدلہ دیں گے یہ بڑی با وقعت (بے مثال) کتاب ہے، جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے، نہ اس سے پہلے کوئی کتاب ہے جو اس کی تکذیب کرے اور نہ اس کے بعد یہ نازل کردہ ہے حکمتوں والے خوبیوں والے کی طرف سے یعنی اس اللہ کی طرف سے جو اپنے معاملہ میں قابل ستائش ہے، آپ سے تکذیب وغیرہ کی وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہی گئی ہیں یقیناً آپ کا رب مومنین کے لئے معاف کرنے والا اور کافروں کے لئے دردناک عذاب والا ہے اور اگر ہم اس قرآن کو کجی زبان کا بناتے تو کہتے اس کی آیتیں صاف صاف کیوں بیان نہیں کی گئیں؟ تاکہ ہم اس کو سمجھتے یہ کیا کہ کجی کتاب اور عربی رسول؟ یہ ان کی جانب سے استفہام انکاری ہے ثانی ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور اس کو الف سے بدل کر، اشباع یعنی الف داخل کر کے اور ترک ادخال الف کر کے آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو ایمان والوں کے لئے گمراہی سے، ہدایت اور جہل سے شفاء ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرا پن ہے (یعنی ثقل ہے جس کی وجہ سے وہ اس کو نہیں سنتے اور یہ ان پر اندھا پن ہے، جس کی وجہ سے وہ اس کو نہیں سمجھتے یہ وہ لوگ ہیں جو (بہت) دور سے پکارے جارہے ہیں، یعنی یہ لوگ اس شخص کے مانند ہیں جس کو دور سے آواز دی جارہی ہو، نہ وہ سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے کہ اس سے کیا کہا جا رہا ہے؟

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا (الآیۃ) مَنْ استفہام انکاری، مبتداء، مفسر علام نے لا احد کہہ کر اشارہ کر دیا کہ مَنْ استفہامیہ انکاریہ ہے أَحْسَنُ خبر قَوْلًا تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، عَمَلٌ صالحاً جملہ حالیہ ہے۔

قَوْلًا: فِی جُزْئِيَّاتِهِمَا لِأَنَّ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ اس عبارت سے مفسر علام کا مقصد جُزْئِيَّات اور اجزاء میں فرق بیان کرنا ہے، اور فرق بیان کرنے کا مقصد وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ میں یہ بتانا ہے کہ لَا ثانیہ تاسیس کے لئے ہے نہ کہ تاکید کے لئے، اور یہ امر مسلم ہے کہ تاسیس تاکید سے بہتر ہے، اس لئے کہ تاکید سے مضمون سابق کی تاکید ہوتی ہے جو کوئی جدید علم نہیں اور تاسیس سے نیا علم نیا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور نئی بات معلوم ہونا پرانی بات کی تاکید کے مقابلہ میں بہر حال افضل اور بہتر ہے۔

”اجزاء“ اور ”جزئیات“ میں فرق:

شی کے اعضاء اور حصوں کو اجزاء کہا جاتا ہے اجزاء، جز کی جمع ہے، مثلاً خالد ایک شی ہے یہ بہت سے اجزاء سے مرکب ہے، مثلاً اس کے ہاتھ ہیں، پیر ہیں، ناک ہے، کان ہیں، آنکھیں ہیں۔ غرضیکہ خالد اندرونی و بیرونی بہت سے اجزاء کا

مركب ہے، اجزاء سے مركب ہو کر جوشی تیار ہوتی ہے، وہ جزئی کہلاتی ہے، اور بہت سی جزئیات مل کر جو مجموعہ تیار ہوتا ہے، وہ نوع کہلاتی ہے، مثلاً بہت سے انسانی افراد کا مجموعہ نوع ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے حسنة اور سيئة کو سمجھئے، حسنة ایک نوع ہے اور سيئة دوسری نوع ہے اور ہر نوع کے تحت بہت سے افراد ہوتے ہیں، جن کو اس نوع کی جزئیات کہا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حسنة (یعنی) نیکی کے بہت سے افراد ہیں، جو آپس میں ایک دوسرے سے اعلیٰ و ادنیٰ ہیں، مثلاً ایمان، شکر، نماز، روزہ، صلہ رحمی، انسانی ہمدردی، سنت کی پابندی، مستحبات پر عمل، یہ سب حسنہ یعنی نیکی کے افراد ہیں، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مذکورہ نیکیوں میں بعض بعض سے فوق ہیں، مثلاً ایمان سب سے اعلیٰ ہے، اس کے بعد دیگر فرائض ہیں پھر اس کے بعد واجبات کا درجہ ہے پھر اس کے بعد سنتیں اور مستحبات ہیں، اس کے بعد اولیٰ اور افضل کا نمبر ہے، حدیث شریف میں بھی اس تفاوت کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے عن ابی ہریرۃ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْإِيمَانُ بَضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَادْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأُذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ (مشکوٰۃ: ص ۱۲) جس طرح حسنة (نیکی) کے بہت سے افراد اور جزئیات ہیں اسی طرح سيئة (بدی) کے بھی بہت سے افراد ہیں ان میں بھی بعض بعض سے اعلیٰ و ادنیٰ ہیں، مثلاً کفر، شرک، ترک فرائض، غصب، چوری، اکل مال یتیم، گالی گلوچ، بدظنی، بد نظری، راستہ میں گندگی ڈالنا، دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا، اور دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا، استنجاء کرتے وقت قبلہ کا استقبال و استدبار کرنا، کعبہ کی طرف تھوکنے یا پیر دراز کرنا ہے، یہ سب کے سب برائی کے افراد ہیں، مگر درجہ میں مساوی نہیں ہیں، بلکہ آپس میں ایک دوسرے سے اعلیٰ و ادنیٰ ہیں، یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ شرک و کفر کے مقابلہ میں بوقت استنجاء استقبال و استدبار، یا قبلہ کی طرف تھوکنے، اور پیر دراز کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

آدم برسر مطلب:

مذکورہ آیت لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ میں اگر حسنة اور سيئة میں عدم مساوات کو بیان کرنا مقصد ہو تو ثانی لَا كُوزًا دَحْضُ تَاكِيْدَ كَ لَئِیْ مَا نَا هُوْكَ، اس لئے کہ اب اصل عبارت اس طرح ہے لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَالسَّيِّئَةُ اسی عبارت سے حسنة اور سيئة میں عدم مساوات معلوم ہوگئی، اب اگر لَا کا اضافہ کرتے ہیں تو اس سے علم عدم مساوات کی تائید ہوگی جو پہلے ہی معلوم ہو چکی ہے نہ کہ نیا علم اور نیا فائدہ۔

اور اگر لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَالسَّيِّئَةُ کا مقصد حسنة اور سيئة کی جزئیات میں فرق بیان کرنا ہو، جیسا کہ مفسر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اشارہ کیا ہے تو یہ ایک نیا علم ہوگا، اس لئے کہ حسنة اور سيئة کے درمیان فرق تو پہلے لَا سے معلوم ہو گیا اور اب دوسرے لَا سے حسنات و سیئات کی جزئیات میں فرق معلوم ہو گیا، اس صورت میں لَا تَاْسِیْسَ كَ لَئِیْ ہُوْكَ نہ کہ تائید کے لئے، اسی جدید فائدہ کو بیان کرنے کے لئے مفسر علام نے لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَالسَّيِّئَةُ کی تفسیر میں فِیْ جِزْئِیَاتِهِمَا کا اضافہ فرمایا۔

قَوْلًا: اَتْنِي مِنَ الْمَسْلَمِينَ جمہور کے نزدیک اَتْنِي دونوں کے ساتھ ہے اور ابن ابی عمیلہ نے ایک نون کے ساتھ اَتْنِي سے ہے یعنی وہ فخر و ابہتاج سے کہتا ہے کہ مسلمان ہوں۔

قَوْلًا: كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ، حمیم گرم پانی، کہا جاتا ہے اسْتَحَمَّ اِی اغْتَسَلَ بِالْحَمِيمِ گرم پانی سے غسل کیا، اب مطلقاً غسل کرنے کو استحمام کہنے لگے ہیں، خواہ گرم پانی سے ہو یا ٹھنڈے پانی سے، حمیم گرم جوش اور جگری دوست کو بھی کہتے ہیں۔
قَوْلًا: فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ يَٰ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ شَرْطُكَ جَوَابٌ هَـٰٓؤُلَآءِ فَاسْتَعِذْ اَمْرًا جَوَابٌ مَّحْذُوفٌ ہے جس کو علامہ محلی نے يَدْفَعُهُ کہہ کر ظاہر کر دیا ہے۔

قَوْلًا: يَنْزَغَنَّكَ مِصْرَاعٌ وَاحِدٌ مِّنْ غَنَابٍ بَانُونٌ تَاكِيْدٌ ثَقِيْلٌ يَـٰ نَزْعٌ سے ہے ك ضمیر مفعول ہے تجھ کو دوسرا آئے۔
قَوْلًا: خَلَقَهُنَّ اِی الْاٰیٰتِ الْاَرْبَعِ۔

شبه: خَلَقَهُنَّ کے بجائے خَلَقَهُمَا زیادہ ظاہر تھا، اس لئے کہ جن کے لئے سجدہ کا ذکر ہے وہ دو ہی ہیں، یعنی شمس و قمر لہذا خَلَقَهُمَا ہونا چاہئے تھا۔

رفع: شمس و قمر کو سجدہ جائز نہ ہونے اور ان کے اندر معبود بننے کی صلاحیت نہ ہونے کی علت ان کا مخلوق ہونا ہے، اس لئے کہ کوئی بھی مخلوق خواہ وہ کتنی ہی عظیم و مفید کیوں نہ ہو مستحق عبادت نہیں ہو سکتی خَلَقَهُنَّ میں جمع کی ضمیر لا کر بتا دیا کہ شمس و قمر بھی لیل و نہار کے مانند مخلوق اور خلق کے زیر اثر ہیں۔

قَوْلًا: وَمِنْ اٰیٰتِہِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ الْخ منْ اٰیٰتِہِ خبر مقدم ہے اور اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ ما عِطِفَ علیہ مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلًا: وَمِنْ اٰیٰتِہِ اَنَّكَ تَرٰی الْاَرْضَ، مِنْ اٰیٰتِہِ خبر مقدم ہے اَنَّ مع اپنے مدخول کے بتاویل مصدر ہو کر مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلًا: تَهْدِيْدٌ لَّهُمْ اس میں اشارہ ہے کہ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ میں امر تجنیر کے لئے نہیں ہے بلکہ تہدید (دھمکی) کے لئے ہے، اس کا قرینہ بما تعملون بصیر ہے۔

قَوْلًا: نُّجَازِیْہُمْ اس تقدیر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اِنَّ کی خبر محذوف ہے اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا، اِنَّ کا اسم ہے۔

قَوْلًا: مَنِّعٌ، مَنِّعٌ بَرُوْزَن فَعِیْلٌ بمعنی فاعِلٌ اِی مَمْنَعٌ عَنْ قَبُوْلِ الْاِبْطَالِ وَالتَّحْرِیْفِ۔

قَوْلًا: اَلْاَعْجَمٰیٰ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، جس کو مفسر رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ نے قرآن کہہ کر ظاہر کر دیا ہے۔

قَوْلًا: اَلْاَعْجَمٰیٰ میں یاء مبالغہ فی الوصف کے لئے ہے جیسے کہ اَخْمَرُیٰ میں، کلام اَعْجَمٰی اس کلام کو کہتے ہیں جو سمجھ میں نہ آئے، اَلْاَعْجَمٰیٰ میں پہلا ہمزہ استفہام انکاری ہے دوسرے ہمزہ میں دو قراءتیں ہیں جن کی طرف علامہ محلی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ نے بتحقیق الهمزة الثانية وَقَلْبِہَا اَلْعَا بِالْاَشْبَاعِ کہہ کر اشارہ کر دیا ہے پہلی قراءت تو واضح ہے کہ دونوں ہمزوں کو محقق پڑھا

جائے، دوسری قراءت یہ ہے کہ دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیں اور اشباع یعنی مدطویل لازم کے ساتھ پڑھیں، اَعْجَمِیُّ وِدُوْنِہِ کا لفظ سبقت قلم ہے یا پھر دونہ کا تعلق قلب سے ہے ای دون قلب الف اس صورت میں یہ دیگر قراءت کا بیان ہوگا، اس لئے کہ قلب کی صورت میں مد لازم ہے تو پھر بدون المد کیسے ہو سکتا ہے؟

پانچ قراءتیں بالترتیب یہ ہیں: ① تسہیل ہمزہ ثانیہ مع ادخال الف بین الہزتین ② ابدال ہمزہ ثانیہ بالالف مع المد الطویل ③ تسہیل ثانیہ بلا ادخال الف بین الہزتین ④ ہمزہ واحدہ خبریہ (اَعْجَمِیُّ) ⑤ ہمزتین محققین بلا ادخال الف۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحُ

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ یہ مومنین کا ملین کی صفات کا بیان ہے کہ مومنین کا ملین صرف خود ہی اپنے ایمان و عمل پر قناعت نہیں کرتے، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں، فرمایا اس سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے، کہ جو لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے کلام میں سب سے بہتر اور افضل وہ کلام ہے جس میں دوسروں کو دعوت حق دی گئی ہو، اس میں دعوت الی اللہ کی سب صورتیں شامل ہیں، زبان سے تحریر سے یا کسی اور عنوان سے، اذان دینے والا بھی اس میں داخل ہے، بشرطیکہ بلا اجرت صرف اللہ کے لئے اذان دیتا ہو، کیونکہ وہ دوسروں کو نماز کی طرف بلاتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا کہ یہ آیت مؤذنوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، دعا الی اللہ کے بعد عَمِلَ صَالِحًا آیا ہے، اس سے مراد ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھ لے۔

ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (الآیۃ) اس آیت میں ایک بہت اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالو یعنی برائی کا بدلہ احسان کے ساتھ، زیادتی کا بدلہ غفو کے ساتھ، غضب کا صبر کے ساتھ، بے ادبی اور بیہودگی کا جواب چشم پوشی اور درگزر کے ساتھ اور ناپسندیدہ باتوں کا جواب برداشت اور حلم کے ساتھ دیا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دشمن دوست بن جائے گا، اور دور دور رہنے والا قریب آجائے گا، اور خون کا پیاسا تمہارا گرویدہ اور جاں نثار ہو جائے گا۔

وَمَا يُلْقَاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا (الآیۃ) برائی کو بھلائی کے ساتھ ٹالنے کی خوبی اگرچہ نہایت مفید اور بڑی ثمر آور ہے لیکن اس پر عمل وہی کر سکیں گے جو صابر ہوں گے، غصہ کو پی جانے والے اور ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنے والے ہوں گے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کسی نے گالی دی یا برا کہا، تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم اپنے کلام میں سچے ہو کہ میں مجرم اور خطاوار ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادے اور اگر تم نے جھوٹ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمادے۔ (قرطبی)

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ.

نکتہ: اس آیت میں ایک عقلی دلیل سے جو بغیر اللہ کو دو طریقہ سے حرام اور باطل قرار دیا ہے ① شمس و قمر ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں اور آیت علامت اور نشانی ہوتی ہے نہ کہ مقصود ② لیل اور نہار اللہ کی نشانیاں ہیں اور شمس و قمر لیل و نہار کی نشانی ہے تو جب لیل بالاتفاق مسجود نہیں تو ان کی نشانی بدرجہ اولیٰ مسجود نہ ہوگی جبکہ یہ سب چیزیں اللہ کی مخلوق میں سے ہیں لہذا یہ سب چیزیں مستحق سجود و عبادت نہیں ہو سکتیں، جب یہ مخلوق قابل سجود اور مستحق عبادت نہ ہوئی تو دوسری مخلوق بھی قابل سجود اور لائق عبادت نہ ہوئی، اس لئے کہ مرتبہ مخلوقیت میں سب مساوی ہیں۔ (مغلاصۃ التفاسیر فتح محمد نائب)

رات کو تاریک بنایا تاکہ لوگ اس میں آرام کر سکیں، دن کو روشن بنایا تاکہ کسب معاش میں سہولت ہو، رات اور دن کا پورے نظام اور یکسانیت کے ساتھ آنا جانا اسی طرح شمس و قمر کا اپنے وقت پر طلوع و غروب ہونا اور اپنے اپنے مدار پر منزلیں طے کرتے رہنا اور آپس میں تصادم سے محفوظ رہنا، یہ سب اس بات کی دلیلیں ہیں کہ یقیناً ان کا کوئی خالق و مالک ہے، اور وہ ایک اور صرف ایک ہے، اور کائنات میں صرف اسی کا تصرف اور حکم چلتا ہے، اگر تدبیر و امر کا اختیار رکھنے والے ایک سے زیادہ ہوتے تو یہ نظام کائنات ایسے مستحکم اور لگے بندھے طریقہ سے کبھی چل ہی نہیں سکتا تھا۔

خَلَقَهُنَّ میں جمع مؤنث کی ضمیر آئی ہے، جبکہ محل کا تقاضا تھا کہ خَلَقَهُمَا ہو، اس لئے کہ اشارہ شمس و قمر کی طرف ہے اس کی ایک وجہ تو تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گزر چکی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ یا تو خَلَقَهُنَّ، خَلَقَ هَذِهِ الْارْبَعَةَ الْمَذْكُورَةَ کے مفہوم میں ہے، اس لئے کہ غیر عاقل کی جمع کا حکم واحد مؤنث ہی کا ہوتا ہے یا اس کا مرجع شمس و قمر ہیں مگر مافوق الواحد کو جمع شمار کر کے جمع کی ضمیر لائے ہیں۔

خَاشِعَةً کا مطلب ہے خشک اور قحط زدہ یعنی مردہ، دبی ہوئی اور پست اور جب اس پر بارش ہوئی تو جنبش میں آئی اور پھولی، بلاشبہ جس نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا وہ مردہ انسانوں کو بھی زندہ کرے گا۔

وَهُمْ لَا يَسْلَمُونَ اس پر تو امت کا اجماع ہے کہ اس سورت میں سجدہ تلاوت واجب ہے البتہ مقام سجدہ میں اختلاف ہے، قاضی ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت علی اور ابن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا پہلی آیت کے ختم پر سجدہ کرتے تھے یعنی اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُونَ اور اسی کو امام مالک رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور امام شافعی رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اختیار فرمایا ہے، امام ابوبکر بھصا ص نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا دوسری آیت کے آخر یعنی لَا يَسْلَمُونَ پر سجدہ کرتے تھے، یہی مذہب تمام ائمہ حنفیہ کا ہے اور فرمایا کہ اختلاف کی بناء پر احتیاط اسی میں ہے کہ دوسری آیت کے آخر میں سجدہ کیا جائے، اس لئے کہ اگر پہلی آیت سے سجدہ واجب ہوا ہے تو وہ دوسری آیت کے بعد ادا ہو جائے گا، اور اگر دوسری آیت سے سجدہ واجب ہوا ہے تو پہلی آیت پر کیا ہوا سجدہ کافی نہ ہوگا۔

اِنَّ الدِّينَ يُدْحِذُونَ فِي اَيْنَا (الایۃ) یعنی جو لوگ ہماری آیتوں کو ماننے کے بجائے اس سے اعراض و انحراف کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں، ہم ان کو قیامت کے دن ضرور سزا دیں گے، الحاد کے معنی کجی، میل عن الحق کے ہیں، حضرت ابن

عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا الحاد کلام کو غیر محل میں رکھنا ہے، حضرت قتادہ نے فرمایا الحاد کفر و عناد کا نام ہے، علماء کلام نے فرمایا ہے کہ یہ نصوص اپنے ظاہر پر محمول ہیں اور جب تک کوئی دلیل قطعی تاویل کی مقتضی نہ ہوتاویل نہ کی جائے، اور جو معنی باطنیہ یعنی ملاحظہ نے گھڑ لئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آیات قرآنی اپنے ان ظاہری معانی پر نہیں ہیں جو لغت اور قواعد سے مفہوم ہوں بلکہ اس کے معانی مخفی ہیں جسے ہر شخص نہیں جانتا، ان کی غرض یہ ہے کہ ظاہر شریعت لاشیء ہے، یہ الحاد ہے، اسی الحاد میں وہ فرقے بھی شامل ہیں جو اپنے غلط عقائد و نظریات کے اثبات کے لئے آیات الہی میں تحریف معنوی اور دجل و تلبیس سے کام لیتے ہیں۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ (الآیۃ) یعنی قرآن ہر طرح محفوظ ہے باطل اس میں کمی زیادتی نہیں کر سکتا، باطل کے آگے اور پیچھے سے نہ آنے کا مطلب ہے، باطل اس کے آگے سے آکر اس میں کوئی کمی اور نہ پیچھے سے آکر اس میں اضافہ کر سکتا ہے، اور نہ کوئی تغیر و تحریف ہی کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ اس ذات کی طرف سے نازل کردہ ہے جو اپنے اقوال و افعال میں حکیم محمود ہے۔

ایک مغالطہ کا ازالہ:

کتب عقائد میں ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ متاویل کو کافر نہیں کہنا چاہئے یعنی جو شخص عقائد باطلہ اور کلمات کفریہ کو کسی تاویل سے اختیار کرے وہ کافر نہیں، اگر اس ضابطہ سے عام مراد لیا جائے تو لازم آئے گا کہ دنیا میں کوئی کافر نہ ہو اس لئے کہ ہر شخص تاویل کر کے ہی کلمہ کفر یا عقیدہ کفریہ کو اختیار کرتا ہے، بت پرستوں کی تاویل تو خود قرآن میں مذکور ہے مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ یعنی ہم بتوں کی فی نفسہ بندگی نہیں کرتے بلکہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سفارش کے ذریعہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، اور درحقیقت اللہ کی ہی عبادت ہے مگر قرآن نے ان کی اس تاویل کے باوجود ان کو کافر کہا ہے، یہود و نصاریٰ کی تاویلیں تو بہت ہی مشہور ہیں، اس کے باوجود قرآن و سنت کی نصوص میں ان کو کافر کہا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ متاویل کو کافر نہ کہنے کا مفہوم عام نہیں ہے، اسی کی علماء نے تصریح کی ہے جو تاویل تکفیر سے مانع ہوتی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ ضروریات دین میں ان کے مفہوم قطعی کے خلاف نہ ہو، ضروریات دین سے مراد وہ احکام ہیں جو اسلام اور مسلمانوں میں اتنے متواتر اور مشہور ہوں کہ مسلمانوں کے اُن پڑھ بھی ان سے واقف ہوں جیسے پنجوقتہ نماز، فرض نمازوں کی تعداد رکعات رمضان کے روزوں کی فرضیت، سود، شراب، خنزیر کی حرمت اگر کوئی شخص مذکورہ احکام سے متعلق آیات کی ایسی تاویل کرے کہ جس سے مسلمانوں کے نزدیک مشہور و معروف مفہوم الٹ جائے تو وہ باجماع امت کافر ہے کہ وہ درحقیقت رسول کی لائی ہوئی تعلیمات کا منکر ہے، اور ایمان کی تعریف جمہور کے نزدیک یہی ہے تصدیق النبی فیما علم مجیدہ بہ ضرورۃ اس لئے کفر کی تعریف اس کے بالمقابل ہوگی، جن چیزوں کا لانا رسول اللہ ﷺ سے ضروری اور قطعی طور پر ثابت ہو ان میں سے کسی کا انکار کرنا۔

(معارف ملخصاً)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَخْتَلَفَ فِيهِ بِالْتَصْدِيقِ وَالتَّكْذِيبِ كَالْقُرْآنِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ بِتَأْخِيرِ الْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ لِلْخَلَائِقِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَفُضِّىَ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَلَهُمْ أَى الْمَكِيدِينَ بِهِ كَفَى شَكٍّ مِنْهُ مَرْيَبٌ ⑤ مَوْعِدِ الرِّيبَةِ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ عَمَلٌ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا أَى فَضْرُ اسَائِهِ عَلَى نَفْسِهِ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَامٍ لِلْعَبِيدِ ⑥ اِى بِذِي ظُنْمٍ لِقَوْلِهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ مَتَى تَكُونُ لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ وَفِي قِرَاءَةِ ثَمَرَاتٍ مِنْ اَكْمَامِهَا اَوْعِيَتْهَا جَمْعُ كَمْ بِكُسْرِ الْكَافِ اِلَّا يَعْلَمُهُ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثَى وَلَا تَضَعُ اِلَّا يَعْلَمُهُ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ اَيْنَ شُرَكَائِيَ قَالُوا اذْنُكَ اِى اَعْلَمْنَاكَ الْاَنَ مَا مِمَّا مِنْ شَهِيدٍ ⑦ اِى شَهِيدٌ بِاَنَّ لَكَ شَرِيكًَا وَضَلَّ غَاب عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ يَغْبُدُونَ مِنْ قَبْلُ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْاَصْنَامِ وَظَنُّوا اَنَّهُمْ مَالَهُمْ مِنْ مَّحِيصٍ ⑧ مَسْرَبٌ مِنَ الْعَذَابِ وَالنَّفْيِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ وَقِيلَ جُمْلَةُ النَّفْيِ سُدَّتْ مَسَدُ الْمُفْعُولَيْنِ لَا يَسْمُرُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ اِى لَا يَزَالُ يَسْأَلُ رَبَّهُ الْمَالَ وَالصِّحَّةَ وَغَيْرَهُمَا وَاِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ الْفَقْرُ وَالشَّدَّةُ فَيُوسُ قَنُوطٌ ⑨ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ وَبِذَا وَمَا بَعْدَهُ فِي الْكَافِرِينَ وَلَئِنْ لَمْ قَسَمَ اَذَقْنَاهُ اٰتِيَانَا رَحْمَةً غَنَى وَصِيعَةً مِمَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَاءٍ شِدَّةٍ وَبَلَاءٍ مَسَّتْهُ لِيَقُولَنَّ هَذَا اِلَى اِى يَعْمَلُ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ لَمْ قَسَمَ رُجِعْتُ اِلَى رَبِّي اِنْ لِيْ عِنْدَهُ لِلْحُسْنِ اِى الْجَنَّةِ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنَذِيْقَنَّهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ⑩ شَدِيدٍ وَاللَّامُ فِي الْفِعْلَيْنِ لَمْ قَسَمَ وَاِذَا اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَجْنَسَ اَعْرَضَ عَنِ الشُّكْرِ وَنَابِجَانِيَهُ شَيْ عَطْفَةً مُتَبَخِّرًا وَفِي قِرَاءَةِ وَتَقْدِيمِ الْهَمْزَةِ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فِدُّوْا دُعَاءَ عَرِيضٍ ⑪ كَثِيرٌ قُلْ اَرَيْتُمْ اِنْ كَانَ الْقُرْآنُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مَنْ اِى لَا اخَذَ اَصْلٌ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ خِلَافٍ بَعِيدٍ ⑫ عَنِ الْحَقِّ اَوْقَعَ بِذَا مَوْعِدِ بَيْنَكُمْ بَيَانًا لِخِلَالِهِمْ سَأُرِيَهُمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاَفَاقِ اَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ مِنَ النَّبَاتِ وَالْاَشْجَارِ وَفِي اَنْفُسِهِمْ مِنْ لَطِيفِ الصَّنِيعَةِ وَبَدِيعِ الْحِكْمَةِ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ اِى الْقُرْآنُ الْحَقُّ الْمُنَزَّلُ مِنَ اللّٰهِ بِالْبَغْتِ وَالْحِسَابِ وَالْعِقَابِ فَيُعَاقِبُوْنَ عَلَى كُفْرِهِمْ بِهِ وَبِالْجَانِي بِهِ اَوَّلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ فَاعِلٌ يَكْفِ اَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ⑬ بِذَلِكَ مِنْهُ اِى اَوَّلَمْ يَكْفِهِمْ فِي صِدْقِكَ اَنْ رَبَّكَ لَا يَغِيْبُ عَنْهُ شَيْءٌ مَا اِلَّا اَنَّهُمْ فِي مَرِيَةٍ مِنْ قَوْلِهِمْ لَا نَكَارِبُهُمُ النَّبْعُ اِلَّا اَنَّهُ تَعَالَى بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ⑭ عَلَمًا وَقُدْرَةً فَيُجَازِيهِمْ بِكُفْرِهِمْ

ترجمہ: یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب تورات عطا کی تھی تو اس میں بھی قرآن کے مانند تصدیق و تکذیب کر کے اختلاف کیا گیا، اور اگر وہ بات نہ ہوتی جو تیرے رب کی جانب سے مخلوق کے حساب و جزاء کے قیامت تک

﴿مَرْمَز مَبَشَّر﴾

تاخیر کے بارے میں پہلے سے مقرر ہو چکی ہے تو دنیا ہی میں ان کے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا جس کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے ہیں، یہ تکذیب کرنے والے لوگ تو اس کے بارے میں سخت بے چین کرنے والے شک میں ہیں جو شخص نیک عمل کرے گا وہ اپنے لئے کرے گا، اور جو شخص بدی کرے گا تو اس کا وبال اس پر ہوگا یعنی اس کی برائی کا نقصان اس کی ذات پر پڑے گا، اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں یعنی ظالم نہیں، اللہ تعالیٰ کے قول **إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ** کی رو سے قیامت کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے کہ کب ہوگی؟ اس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو جو پھل اپنے شکوفوں سے (یعنی) اپنے غلافوں سے نکلتے ہیں ایک قراءت میں ثمرات ہے، اکمام، کمر کی جمع ہے، کاف کے کسرہ کے ساتھ اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے وہ جلتی ہے سب کا علم اسے ہے اور جس دن اللہ ان (مشرکوں) کو بلا کر دریافت فرمائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ تو وہ جواب دیں گے اب ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم میں کوئی اس کا مدعی نہیں یعنی اس کا مدعی کہ تیرا کوئی شریک ہے اور جن بتوں کی یہ لوگ دنیا میں پرستش کیا کرتے تھے وہ سب ان سے غائب ہو جائیں گے (یہ صورت حال دیکھ کر) یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لئے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں یعنی عذاب سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں اور (حرف) نفی دونوں جگہ ① **مَا مِمَّا مِنْ شَهِيدٍ** ② **مَا لَهُمْ مِنْ مَّحِيصٍ** میں عمل سے موقوف ہے اور کہا گیا ہے کہ جملہ منفیہ کو دو مفعولوں کے قائم مقام کر دیا گیا ہے بھلائی مانگنے سے انسان تھکتا نہیں یعنی اپنے رب سے مال و صحت وغیرہ مانگتا ہی رہتا ہے اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو رحمت سے مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے اور جو اس کے بعد میں ہے وہ کافر کے بارے میں ہے اور قسم ہے اگر ہم اس کو کسی تکلیف شدت اور مصیبت کے بعد جو کہ اس کو پہنچ چکی تھی اپنی رحمت (یعنی) مالداری اور صحت کا مزا چکھا دیتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ میں اس کا حقدار تھا ہی یعنی یہ میری تدبیر کی بدولت ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور قسم ہے اگر (بالفرض) مجھے میرے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہے یعنی جنت ہے ہم یقیناً ان کفار کو ان کے اعمال سے باخبر کر دیں گے اور ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے (یعنی) شدید قسم کا، دونوں فعلوں میں لام قسمیہ ہے، اور جب ہم جنس انسان پر انعام کرتے ہیں تو شکر سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کر لیتا ہے، یعنی تکبر کرتے ہوئے پہلو تہی کرتا ہے اور ایک قراءت میں (نون پر) ہمزہ کی تقدیم کے ساتھ ہے اور جب اس پر مصیبت پڑتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے آپ کہہ دیجئے بھلا بتلاؤ اگر یہ یعنی قرآن اللہ کے پاس سے ہوا جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتے ہیں پھر تم اس کا انکار کرو تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی پر ہوگا کہ جو مخالفت میں (حق سے) دور چلا جائے؟ یعنی کوئی نہیں، یہ (یعنی مَنْ أَضَلُّ) مِنْكُمْ کی جگہ واقع ہوا ہے ان کی حالت (ضلال) کو بتلانے کے لئے عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم (یعنی) زمین و آسمان کے اطراف میں دکھائیں گے اور وہ (نشانیاں) نجوم، نباتات، اور اشجار ہیں اور خود ان کی ذات میں (دکھائیں گے) جو لطیف صنعت اور عجیب حکمت ہے، یہاں تک کہ خود ان پر واضح ہو جائے کہ یہ یعنی قرآن حق ہے بعثت اور حساب اور عقاب کے ساتھ نازل کیا گیا ہے لہذا اس (قرآن) اور اس کے لانے والے کے انکار کی وجہ سے ان کو سزا دی جائے

گی، کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے آگاہ ہونا کافی نہیں ہے؟ بِرَبِّكَ، یکف کا فاعل ہے (اَنہ علی کل شیء شہید) رَبِّكَ سے بدل ہے، یعنی کیا ان کے لئے تیری صداقت کے بارے میں یہ کافی نہیں ہے کہ تیرے رب سے کوئی ادنیٰ شے بھی پوشیدہ نہیں ہے (مگر) یاد رکھو اپنے رب کے رو برو جانے کے بارے میں ان کے بعث کا منکر ہونے کی وجہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں، یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہر شے کو علم و قدرت کے اعتبار سے احاطہ میں لئے ہوئے ہے، سو ان کے کفر کی ان کو سزا دے گا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: عَمَلٌ، عَمَلٌ فعل مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ فَلِنَفْسِهِ فعل محذوف کے متعلق ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ لِنَفْسِهِ مبتداء محذوف کی خبر ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی فَالْعَمَلُ الصَّالِحُ لِنَفْسِهِ۔
قَوْلٌ: بذی ظلم یہ ایک شبہ کا دفع ہے۔

شبہ: اللہ تعالیٰ کے قول وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ سے کثرت ظلم کی نفی تو ہوتی ہے مگر نفس ظلم کی نفی نہیں ہوتی۔

دفع: ظلام صیغہ نسبت ہے نہ کہ صیغہ مبالغہ، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم کے ساتھ منسوب نہیں ہے، جیسا کہ تَمَّارٌ وخبازٌ میں تَمَّارٌ خرمافروش کو کہتے ہیں، نہ کہ زیادہ خرمافروش کو اور اسی طرح خَبَّازٌ روٹی پکانے والے کو کہتے ہیں نہ کہ بہت زیادہ روٹی پکانے والے کو، مفسر رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے بذی ظلم سے اس جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلٌ: لَا يَعْلَمُ غَيْرُهُ سے اس حصر کی طرف اشارہ کر دیا جو إِلَيْهِ يُرَدُّ کی تقدیم سے مستفاد ہے ورنہ تَوُرَّدُ إِلَيْهِ ہوتا۔

قَوْلٌ: مَا تَخْرُجُ مِنْ أَكْمَامِهَا، مَنْ فاعل پر زائدہ ہے ثَمَرَةٌ میں دو قراءتیں ہیں اور دونوں سبب یہ ہیں، افراد باعتبار جنس کے اور جمع باعتبار انواع کے، أَكْمَامٌ، كِمٌّ کی جمع ہے، کھجور وغیرہ کے غلاف کو کہتے ہیں۔

قَوْلٌ: وَالنَّفْسِ فِي الْمَوْضَعَيْنِ مَعْلَقٌ عَنِ الْعَمَلِ موضعین سے مراد اَذْنُكَ مَا مِثْلًا مِنْ شَهِيدٍ اور وَظَنُوا مَا لَهُمْ مِنْ مَحِيصٍ ہے، مذکورہ دونوں جگہوں پر نفسی فعل کو لفظا عمل سے مانع ہے نہ کہ محلاً اور وہ دونوں فعل اَذْنُكَ اور ظَنُّوا ہیں، اَذْنُكَ بمعنی اَعْلَمَنَّكَ ہے، لہذا یہ افعال قلوب میں سے ہے اور ظَنُّوا بھی افعال قلوب میں سے ہے اور افعال قلوب میں تعلیق عمل کا مطلب ہوتا ہے لفظوں میں عمل کا باطل کر دینا نہ کہ معنی میں، اور یہ ابطال عمل اس وقت ہوتا ہے جب یہ افعال، استفہام، یا نفی یا لام ابتداء کے ماقبل واقع ہوں، مفسر علام نے اَذْنُكَ کی تفسیر اَعْلَمَنَّكَ سے کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ اَذْنُكَ افعال قلوب میں سے ہے۔

قَوْلٌ: وَقِيلَ الْخ مفسر علام یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر مذکورہ افعال کو معلق عن العمل نہ مانا جائے تو دونوں جگہ جملہ منفیہ کو قائم مقام دو مفعولوں کے ماننا پڑے گا، ظَنُّوا کے مفعول اول اور مفعول ثانی کے قائم مقام اور اَذْنُكَ کے مفعول ثانی اور ثالث کے قائم مقام ہوگا، اور پہلا مفعول اَذْنُكَ کے اندر کافی ضمیر ہے۔

قَوْلًا: محیض، حیض سے ظرف مکان ہے، جائے پناہ، حاصَّ یَحِیضُ حَیْضًا ای الفرار والهرب۔

قَوْلًا: مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ دُعَاءُ الْخَيْرِ میں اضافت، اضافت مصدر الی المفعول ہے جار مجرور یَسْأَلُ کے متعلق ہیں۔

قَوْلًا: هَذَا لِي میں لام استحقاق کے لئے ہے، بعملی کہہ کر مفسر علام نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلًا: فَلَنُنَبِّئَنَّ جَمْعُ مُتَكَلِّمٍ مَضَارِعُ بَانُونٍ تاکید ثقیلہ (تفعیل) ہم ضرور آگاہ کر دیں گے، ہم ضرور بتلا دیں گے، دونوں فعلوں میں لام قسم کا ہے۔

قَوْلًا: وَنَاءُ الْف کو ہمزہ پر مقدم کر کے، ای نَاءُ بَرُوزِی قَالَ اور دوسری قراءت میں ہمزہ کو الف پر مقدم کر کے ای نَا بَرُوزِی دَمِی۔

قَوْلًا: نَأَى ماضی واحد مذکر غائب مادہ نَأَى (ف) دور ہو گیا، روگردانی کی، پہلو تہی کی، چونکہ آیت میں متعدی بالباء ہے، اس لئے اس کا ترجمہ ہوگا، اس نے پہلو پھیر لیا، بعض قراءتوں میں نَاءُ بِجَانِبِهِ آیا ہے اس کا مادہ نَوَّءُ ہے (ن) تکبر کے ساتھ پہلو پھیر لیا۔

قَوْلًا: عِطْفُهُ عِطْفُ پہلو، کنارہ (ج) اَعْطَافٌ وَعِطَافٌ وَعُطُوفٌ یَقَالُ ثَنًی عَنِ عِطْفِهِ اس نے مجھ سے پہلو تہی کی۔

قَوْلًا: لَا أَحَدٌ یہ اشارہ ہے کہ مَنْ أَصْلٌ میں مَنْ استفہام انکاری ہے۔

قَوْلًا: أَوْقَعَ هَذَا ای مِمَّنْ هُوَ فِی شِقَاقٍ بَعِيدٍ اعراض کرنے والوں کی حالت کو بیان کرنے کے لئے مِنْكُمْ کی جگہ واقع ہے، ورنہ تو مَنْ أَصْلٌ مِنْكُمْ کہنا کافی تھا، مگر چونکہ مِنْكُمْ سے ان کی حالت پر دلالت نہیں ہوتی اس لئے مِمَّنْ هُوَ فِی شِقَاقٍ بَعِيدٍ لائے ہیں۔

شبیہ: سَنُرِيهِمْ میں سین فعل کو زمانہ مستقبل کے ساتھ خاص کرتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے زمانہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ اپنی آیات قدرت دکھائیں گے حالانکہ آیات قدرت فی الحال بھی موجود ہیں اور نظر آرہی ہیں۔

رفع: کلام میں مضاف محذوف ہے، ای سَنُرِيهِمْ عَوَاقِبَ آيَاتِنَا۔

قَوْلًا: أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ ہمزہ محذوف پر داخل ہے، اور وَاوِ عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَتَحْزَنُ عَلٰی انْكَارِهِمْ وَمَعَارَضْتَهُمْ لَكَ وَلَمْ يَكْفِكَ رَبُّكَ استفہام انکاری ہے بَاءُ فاعِلٍ پر زائد ہے مفعول محذوف ہے ای یكْفِيكَ۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ (الآیۃ) یہ کلام مستأنف ہے اس کا مقصد آپ ﷺ کو تسلی دینا ہے، ان آیات میں خبر دی گئی ہے کہ تکذیب و طعن و تشنیع یہ سابقہ امتوں سے چلی آرہی پرانی عادت ہے، ہر امت نے اپنے نبی کے ساتھ یہی

معاملہ کیا ہے، ان لوگوں نے بھی اپنے نبی پر اتاری جانے والی کتاب میں اختلاف کیا تھا اگر اہل مکہ آپ کے ساتھ یہی معاملہ کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، لہذا آپ اس سے غمزدہ نہ ہوں اور جس طرح ان نبیوں نے صبر و تحمل سے کام لیا آپ بھی صبر و تحمل سے کام لیں **فَاخْتَلَفَ فِيهِ** میں ضمیر مجرور کتاب کی طرف راجع ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ موسیٰ کی طرف راجع ہے اول اولیٰ ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ (الآیۃ) یعنی اگر یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی کہ ان کو پورا عذاب آخرت میں دیا جائے گا، اور دنیا میں ان کو مہلت اور ڈھیل دی جائے گی جیسا کہ اللہ نے فرمایا **لكن يؤخرهم الى اجل مسمى** تو دنیا ہی میں قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور یہ آپ پر نازل کردہ کتاب کے بارے میں شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں، مہمل شکوک و شبہات ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے ہر وقت دل میں کھٹکتے رہتے ہیں، اور ان کا انکار و تمذیب عقل و بصیرت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض شک و شبہ کی وجہ سے ہے جو ان کو بے چین کئے رہتا ہے۔

رابطہ:

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ چونکہ نیکی و بدی کا پورا اور مکمل بدلہ قیامت کے دن ملے گا اور کفار سے جب یہ بات کہی جاتی تھی تو وہ کہتے تھے کہ قیامت کب آئے گی، **إِلَيْهِ يُرَدُّ** سے اسی سوال کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا، جس کا مطلب ہے کہ قیامت کے وقوع کے صحیح وقت کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے، چنانچہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے قیامت کے واقع ہونے کے بارے میں دریافت فرمایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا **مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ** قیامت کے بارے میں مجھے بھی اتنا ہی علم ہے جتنا سائل کو ہے، دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا **إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَىٰ (النازعات)** لَا يُجَلِّئُهَا لِوَفَّتِهَا إِلَّا هُوَ (الاعراف) بڑے سے بڑا نبی اور بڑے سے بڑا فرشتہ بھی قیامت کے وقت کی تعیین نہیں کر سکتا، اگر کوئی سائل وقوع قیامت کی تعیین کے بارے میں سوال کرے تو اللہ کے علم کا حوالہ دیتے ہوئے واللہ اعلم کہنا ہی مناسب ہے، اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ کا علم ہی ہر شے کو محیط ہے کوئی کھجور اپنے گائے اور کوئی دانہ اپنے خوشہ سے اور کوئی میوہ یا پھل اپنے غلاف سے باہر نہیں آتا کہ جس کی خبر خدا کو نہ ہو، خلاصہ یہ کہ علم محیط خدا ہی کی شان ہے، اس کے حیطہ علم سے کوئی شے خارج نہیں، خدا کی اس صفت میں کسی نبی یا ولی یا فرشتے کو شریک کرنا شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مشرکین سے تہکم و تہدید کے طور پر فرمائے گا، کہاں ہیں وہ جن کو تم دنیا میں میرا شریک ٹھہرایا کرتے تھے؟ ان کو بلا لوتا کہ وہ تمہاری مدد کریں اور تمہارے اس آڑے وقت میں کام آئیں۔

قَالُوا اِذْ نَكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ مطلب یہ ہے کہ ہم آپ سے صاف عرض کر چکے کہ ہم میں کوئی اقبالی مجرم نہیں کہ جو اس جرم (شرک) کا اعتراف کرنے کو تیار ہو، گویا کہ اس وقت نہایت دیدہ دلیری سے جھوٹ بول کر واقعہ کا انکار کرنے لگیں گے، اور کہیں گے آج ہم میں سے کوئی شخص یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ تیرا کوئی شریک ہے، اور بعض مفسرین نے شہید بمعنی شاہد لیکر یہ

مطلب لیا ہے کہ اس وقت ہم میں سے کوئی ان شرکاء کو یہاں نہیں دیکھتا۔ (فوائد عنمانی)

لَا يَسْأَمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دَعَاءِ الْخَيْرِ انسان سے بعض حضرات نے انسان کا فرما دیا اور بعض نے جس انسان اور بعض حضرات نے انسان سے ولید بن مغیرہ مراد لیا ہے اور بعض نے ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ مراد لئے ہیں اور بعض نے امیہ بن خلف مراد لیا ہے، لیکن آیت کو غالب کے اعتبار سے عموم پر باقی رکھنا اولیٰ اور بہتر ہے، اور عبد اللہ بن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے لَا يَسْأَمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دَعَاءِ الْمَالِ پڑھا ہے، مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا کا مال و اسباب، صحت و قوت، عزت و رفعت اور دیگر دنیوی نعمتوں کے مانگنے سے نہیں تھکتا بلکہ مانگتا ہی رہتا ہے اور انسان سے مراد انسانوں کی غالب اکثریت ہے تاکہ اللہ کے نیک مخصوص بندے اس عموم سے خارج ہو جائیں، اور جب تکلیف پہنچتی ہے تو فوراً ہی مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے جبکہ اللہ کے مخلص بندوں کا حال اس کے برخلاف ہوتا ہے، وہ اول تو دنیا کے طالب نہیں ہوتے ان کے سامنے ہر وقت آخرت ہی ہوتی ہے، دوسرے تکلیف پہنچنے پر بھی وہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے مایوس نہیں ہوتے، بلکہ آزمائشوں کو بھی وہ کفارہٴ سینات اور رفع درجات کا باعث سمجھتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ انسان کی فطرت بھی عجیب طرح کی واقع ہوئی ہے، جب دنیا کی ذرا سی بھلائی پہنچے اور کچھ عیش و آرام و تندرستی نصیب ہو تو مارے حرص کے چاہتا ہے کہ اور زیادہ مزے اڑائے، کسی حد پر پہنچ کر اس کا پیٹ نہیں بھرتا، اگر اس کا بس چلے تو ساری دنیا کی دولت سمیٹ کر اپنے گھر میں ڈال لے، اس کے برخلاف اگر ذرا سی افتاد پڑنی شروع ہوئی اور اسباب ظاہری کا سلسلہ اپنے خلاف دیکھا تو پھر مایوس اور ناامید ہوتے بھی دیر نہیں لگتی، اور اگر اس مایوسی اور ناامیدی کے بعد اللہ نے تکلیف و مصیبت دور کر کے اپنی مہربانی سے پھر عیش و راحت کا سامان کر دیا تو کہنے لگتا ہے، ہَذَا لَيْسَ لِي یعنی میں اس کامیابی کا مستحق تھا ہی اس لئے کہ میں نے فلاں تدبیر کی تھی اور میں نے یوں دانشمندی اور ہوشیاری سے کام کیا تھا، جس کا لازمی نتیجہ کامیابی ہی تھا، اب نہ خدا کی مہربانی یاد رہی اور نہ اپنی مایوسی کی وہ کیفیت جو ابھی چند منٹ پہلے قلب پر طاری تھی، اب عیش و آرام کے نشہ میں ایسا مخمور ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت اور تکلیف کے پیش آنے کا خطرہ نہیں رہتا سمجھتا ہے، کہ میں ہمیشہ اسی حالت میں رہوں گا، اور اگر کبھی ان تاثرات کے دوران قیامت کا نام سن لیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تو نہیں سمجھتا کہ یہ چیز کبھی ہونے والی ہے، اور اگر بالفرض ایسی نوبت آ ہی گئی اور مجھے لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہی پڑا تب بھی مجھے یقین ہے کہ وہاں بھی میرا انجام بہتر ہوگا، اگر میں خدا کی نظر میں برا اور نالائق ہوتا تو مجھے دنیا میں یہ عیش و بہار کے مزے کیوں ملتے؟ لہذا امید ہے کہ وہاں بھی میرے ساتھ یہی معاملہ ہوگا۔

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْخَيْرِ لَكُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ لِكْفَرِهِمْ وَلَهُمْ أُولَٰئِكَ الْوَلَدُ الْكَافِرُ اور وہاں پہنچ کر پتہ لگ جائے گا کہ منکروں کو کیسی سخت سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَغْرَضَ (الآیۃ) یعنی اللہ کی نعمتوں سے متمتع ہونے کے وقت تو منعم کی حق شناسی اور شکر گزاری سے اعراض کرتا ہے، اور بے رخی کرتے ہوئے پہلو تہی کرتا ہے اور جب کوئی مصیبت اور تکلیف پیش آتی ہے تو اسی

خدا کے سامنے ہاتھ پھیلا کر لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے، شرم نہیں آتی کہ اب اسے کس منہ سے پکارتا ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنَ عِنْدِ اللَّهِ (الآیۃ) سابقہ آیات میں انسانی فطرت کا عجیب و غریب نقشہ کھینچ کر اس کی کمزوریوں اور بیماریوں پر نہایت موثر انداز میں توجہ دلائی تھی، اب تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب جو تمہاری کمزوریوں پر آگاہ کرنے والی اور انجام کی طرف توجہ دلانے والی ہے اگر خدا کے پاس سے آئی ہو (جیسا کہ واقع میں ایسا ہی ہے) پھر تم نے اس کو نہ مانا اور ایسی اعلیٰ اور بیش قیمت نصیحت سے فائدہ اٹھا کر اپنی عاقبت کی فکر نہ کی، بلکہ حق کی مخالفت میں دور ہوتے چلے گئے، تو کیا اس سے بڑھ کر گمراہی اور خسارہ کچھ ہو سکتا ہے؟

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ عَنْ قُرْبِ هُمْ انہیں اپنی قدرت کی نشانیاں عالم اور اطراف عالم نیز خود ان کی ذات میں بھی دکھائیں گے جن سے قرآن کی صداقت اور اس کا من جانب اللہ ہونا واضح ہو جائے گا، اِنَّہُ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے، اور بعض نے اس کا مرجع اسلام یا رسول اللہ ﷺ کو قرار دیا ہے، نتیجہ سب کا ایک ہی ہے آفاق، افق کی جمع ہے بمعنی کنارہ، مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی قدرت کی نشانیاں آفاق و اطراف عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود انسان کی اپنی ذات میں بھی، چنانچہ آفاق و اطراف میں قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں مثلاً سورج، چاند، ستارے اور رات و دن، ہوا، بارش، گرج، چمک، بجلی کڑک، نباتات، جمادات، اشجار اور انہار وغیرہ اور آیات انفس سے خود انسان کا وجود مراد ہے جو کہ خود ایک عالم اصغر ہے اس کے اعضاء کی تشریح علم طب کا ایک نہایت دلچسپ موضوع ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الشُّورَى مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ وَخَمْسُونَ آيَةً

سُورَةُ الشُّورَى مَكِّيَّةٌ إِلَّا قُلَّ لَا أَسْأَلُكُمْ الْآيَاتِ

الْأَرْبَعِ ثَلَاثٌ وَخَمْسُونَ آيَةً.

سورہ شوریٰ مکی ہے مگر قُلَّ لَا أَسْأَلُكُمْ چار آیتیں،

(اس میں) تریپن (۵۳) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ أَحْمَدُ ۝ عَسَقَ ۝ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ كَذَلِكَ أَيْ مِثْلَ ذَلِكَ
الْإِيحَاءِ يُوحَى إِلَيْكَ وَأُوْحَى إِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ اللَّهُ فَاعِلُ الْإِيحَاءِ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ۝ فِي صُنْعِهِ
لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيدًا ۝ وَهُوَ الْعَلِيُّ عَلَى خَلْقِهِ الْعَظِيمِ ۝ الْكَبِيرُ تَكَادُ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ
السَّمَوَاتُ تَتَفَطَّرْنَ بِالنُّونِ وَفِي قِرَاءَةِ بِالتَّاءِ وَالتَّشْدِيدِ مِنْ فَوْقِهَا أَيْ تَنْشَقُّ كُلُّ وَاحِدَةٍ فَوْقَ الَّتِي تَلِيهَا مِنْ
عَظَمَتِهِ تَعَالَى وَالْمَلِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ أَيْ مُلَابِسِينَ لِلْحَمْدِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
الْآنَ اللَّهُ هُوَ الْغَفُورُ لِأَوْلِيَائِهِ الرَّحِيمِ ۝ بِهِمُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَيْ الْأَصْنَامَ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ حَفِظَ مُخَصَّصَ
عَلَيْهِمْ لِجَازِيَتِهِمْ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝ تَحْصِلُ الْمَطْلُوبُ مِنْهُمْ مَا عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ وَكَذَلِكَ مِثْلُ
ذَلِكَ الْإِيحَاءِ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِنُنْذِرَ تَخَوَّفَ أَمَّا الْقُرْآنُ وَمَنْ حَوْلَهَا أَيْ أَهْلُ مَكَّةَ وَسَائِرِ النَّاسِ وَتُنْذِرُ
النَّاسَ يَوْمَ الْجَمْعِ أَيْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تُجْمَعُ فِيهِ الْخَلْقُ لِأَرِيْبٍ شَكٍّ فِيهِ فَرِيقٌ مِنْهُمْ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ۝
النَّارِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً أَيْ عَلَى دِينٍ وَاحِدٍ وَبِهِوَ الْإِسْلَامُ وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ
وَالظَّالِمُونَ الْكَافِرُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ يَدْفَعُ عَنْهُمْ الْعَذَابَ أَمَّا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَيْ الْأَصْنَامَ أَوْلِيَاءَ
أَمْ مُنْقَطِعَةً بِمَعْنَى بَلِ الَّتِي لِلْإِنْتِقَالِ وَبِهِمُزَّةُ الْإِنْكَارِ أَيْ لَيْسَ الْمُتَّخِذُونَ أَوْلِيَاءَ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ أَيْ
الْوَاصِلُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْفَاءُ لِمُجَرَّدِ الْعُطْفِ وَهُوَ يَحْيِي الْمَوْتَى وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

تَرْجُمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے حَمْدٌ عَسَقَ اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اسی طرح یعنی اس وحی بھیجنے کے مانند اللہ تعالیٰ جو زبردست ہے اپنے ملک میں حکمت والا ہے، اپنی صنعت میں تیری طرف اور تجھ سے اگلوں کی طرف وحی بھیجتا رہا ہے، اللہ ایحاء کا فاعل ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے ملکیت کے اعتبار سے، تخلیق کے اعتبار سے، اور ملکیت کے اعتبار سے، اور وہ اپنی مخلوق پر برتر اور عظیم الشان ہے، قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں (تکاد) تاء اور یاء کے ساتھ ہے (يَنْفَطِرْنَ) نون کے ساتھ ہے، اور ایک قراءت میں (نون کے بجائے) تاء مع تشدید طاء ہے (ای تَنْفَطِرْنَ) یعنی ہر اوپر والا آسمان جس کے نیچے آسمان ہے اللہ کی عظمت کی وجہ سے پھٹ پڑے، اور تمام فرشتے اپنے رب کی پاکی حمد کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، (یعنی) تسبیح و تحمید، دونوں کو ملا کر (سبحان اللہ والحمد للہ) کہہ رہے ہیں اور زمین میں جو مومنین ہیں ان کے لئے استغفار کر رہے ہیں، خوب یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی اپنے اولیاء کو معاف کرنے والا ان پر رحم کرنے والا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا بتوں کو کارساز بنالیا ہے اللہ تعالیٰ ان پر نگران ہے یقیناً ان کو سزا دے گا اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں، کہ ان سے مطلوب کو حاصل کریں، آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے اور اس وحی کرنے کے مانند ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے آس پاس والوں کو آگاہ کریں، یعنی اہل مکہ اور (دیگر) تمام لوگوں کو اور آپ لوگوں کو جمع ہونے کے یعنی قیامت کے دن سے ڈرائیں، جس میں تمام مخلوق جمع کی جائے گی، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے ان میں سے ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ایک امت یعنی ایک دین پر اور وہ اسلام ہے بنادیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے، اور ظالموں کافروں کا حامی اور مددگار کوئی نہیں، کہ ان سے عذاب کو دفع کر سکے، کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا بتوں کو کارساز بنالیا ہے اُمّ منقطعہ بمعنی بسل ہے، جو کہ انتقال کے لئے ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے، یعنی جن کو کارساز بنایا ہے وہ کارساز نہیں ہیں (حقیقتاً تو) اللہ تعالیٰ ہی ولی ہے یعنی مومنین کا مددگار ہے اور فاء محض عطف کے لئے ہے، وہی مردوں کو زندہ کرے گا، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

حَقِيقَةُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْحٍ وَتَفْسِيْرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: حَمْدٌ، عَسَقَ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سورۃ شوریٰ ہی کے دوسرے دو نام ہیں، اسی لئے ان کو الگ الگ دو آیتیں شمار کیا ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ دونوں مل کر ایک نام ہے مگر دیگر حوا میم کی موافقت و مماثلت کے لئے الگ الگ لکھا گیا ہے۔

قَوْلٌ: مِثْلُ ذَلِكَ الْإِيْحَاءِ اِیْ مِثْلُ مَا فِیْ هَذِهِ السُّوْرَةِ مِنَ الْمَعَانِیِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ

كَذَلِكَ كَاف مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے اِی یوحٰی ایحاءً مثلاً ذلک الإیحاء یعنی اس سورت کے ایحاء کے مانند آپ کی طرف فی الوقت وحی بھیجتا ہے، اور آپ سے اگلوں کی طرف اسی طرح وحی بھیج چکا ہے۔

سُؤَال: انبیاء سابقین کی طرف وحی بھیجنے کے لئے اوحی ماضی کا صیغہ استعمال ہونا چاہئے نہ کہ یوحی مضارع کا۔

جَوَاب: مضارع کا صیغہ حکایت حال ماضیہ کے طور پر استمرار وحی پر دلالت کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے، اور مضارع بمعنی ماضی ہے جیسا کہ مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اوحی محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلًا: فریق منهم، فریق مبتداء اور فی الجنة اس کی خبر ہے۔

سُؤَال: فریق نکرہ ہے اس کا مبتداء بنا کیسے درست ہے؟

جَوَاب: مفسر علام نے مِنْهُمْ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ فریق موصوف ہے اور اس کی صفت محذوف ہے، تقدیر یہ ہے فریق کائن منهم فی الجنة لهذا اب اس کا مبتداء بنا صحیح ہو گیا، یہی ترکیب فریق فی السعیر میں ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

كَذَلِكَ یُوحٰی اِلَیْكَ (الآیة) یعنی جس طرح یہ قرآن تیری طرف نازل کیا گیا ہے اسی طرح تجھ سے پہلے بھی انبیاء پر صحیفے اور کتابیں نازل کی گئیں، وحی اللہ کا وہ کلام ہے جو فرشتے کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے پاس بھیجتا رہا ہے، ایک صحابی نے آپ ﷺ سے وحی کی کیفیت معلوم کی تو آپ نے فرمایا: کبھی تو یہ میرے پاس گھنٹی کی آواز کے مثل آتی ہے اور یہ صورت مجھ پر سب سے گراں ہوتی ہے، جب یہ آواز ختم ہوتی ہے تو مجھے وہ وحی یاد ہو چکی ہوتی ہے، اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے، اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور وہ جو کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں میں نے سخت سردی میں مشاہدہ کیا کہ جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ پسینے میں شرابور ہوتے اور آپ کی پیشانی سے قطرے ٹپک رہے ہوتے۔ (صحیح بخاری باب بدء الوحی)

وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ یعنی آپ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ہدایت کے راستہ پر لگادیں، یہ کام ہمارا ہے آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔

جس طرح ہم نے ہر رسول پر اس کی اور اس کی قوم کی زبان میں وحی نازل کی، اسی طرح ہم نے آپ پر عربی زبان میں قرآن نازل کیا ہے، اس لئے کہ آپ کی قوم کی زبان عربی ہی ہے۔

”ام القری“ مکہ کا نام ہے، اسے بستیوں کی ماں، اس لئے کہتے ہیں کہ یہ عرب کی قدیم ترین بستی ہے گویا کہ یہ تمام بستیوں کی ماں ہے، اور مراد اہل مکہ ہیں اور مَنْ حَوْلَهَا میں اس کے چاروں طرف کے علاقے شرقاً غرباً شمالاً جنوباً شامل ہیں۔

فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ (الآیة) جب یہ بات ہے کہ اللہ ہی مکی اور ممیت ہے اور ہر شئی پر قادر ہے تو پھر وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسی کو ولی اور کارساز مانا جائے، نہ کہ ان کو جن کے پاس کوئی اختیار ہی نہیں ہے، اور جو نہ سننے کی اور نہ جواب دینے کی

طاقت رکھتے ہیں اور نہ نفع نقصان پہنچانے کی صلاحیت۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ مَعَ الْكُفَّارِ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ مِّنَ الدِّينِ وَغَيْرِهِ فَحُكْمُهُ مُرَدُّهُ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ
قُلْ لَّهِمَّ إِلَى اللَّهِ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ① اَرْجِعْ فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مَبْدُؤُهُمَا
جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا حَيْثُ خَلَقَ خَوَاءً مِّنْ ضَلْعِ آدَمَ وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ذُكُورًا وَإِنَّا بِذُرِّكُمْ
بِالْمُعْجَمَةِ يَخْلُقُكُمْ فِيهِ فِي الْجَعْلِ الْمَذْكُورِ أَيْ يُكَثِّرُكُمْ بِنَسَبِهِ بِالتَّوَالِدِ وَالضَّمِيرُ لِلنَّاسِ
وَالْأَنْعَامِ بِالتَّغْلِيْبِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ② الْكَافُ زَائِدَةٌ لِأَنَّهُ تَعَالَى لَا مِثْلَ لَهُ وَهُوَ السَّمِيعُ ③ لِمَا يُقَالُ الْبَصِيرُ ④ لِمَا
يُفْعَلُ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَيْ مَفَاتِيحُ خَزَائِنِهِمَا مِنَ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهِمَا يَبْسُطُ الرِّزْقَ
يُوسِّعُهُ لِمَنْ يَشَاءُ ⑤ اِنْتَحَانَا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهُ لِمَنْ يَشَاءُ اِبْتِلَاءٌ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ⑥
شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا هُوَ أَوَّلُ أَنْبِيَاءِ الشَّرِيعَةِ ⑦ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى
وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ⑧ بِذَا بُعِثَ الْمُشْرُوعُ الْمُوصَى بِهِ وَالْمُوحَى إِلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ التَّوْحِيدُ كَبْرٌ عَظِيمٌ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ مِنَ التَّوْحِيدِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ أَلِيَّهُ إِلَى
التَّوْحِيدِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ⑨ يَقْبَلُ عَلَى طَاعَتِهِ وَمَا تَفَرَّقُوا أَيْ أَتَمُّ الْأَذْيَانِ فِي الدِّينِ بَانَ
وَحْدَ بَعْضُ وَكَفَرَ بَعْضُ الْأَمِنْ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بِالتَّوْحِيدِ بَغْيًا مِنَ الْكَافِرِينَ
بَيْنَهُمْ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ بِتَأْخِيرِ الْجَزَاءِ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَقَضَى بَيْنَهُمْ بِتَعْدِيْبِ
الْكَافِرِينَ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكُتُبَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَبِهِمُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسِي ⑩ مُوقِعُ الرِّبَةِ فَلِذَلِكَ التَّوْحِيدُ فَادْعُ يَا مُحَمَّدُ النَّاسَ وَاسْتَقِمَّ عَلَيْهِ كَمَا أُمِرْتَ
وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ فِي تَرْكِهِ وَقُلْ أَمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كُتُبٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ أَيْ بَانَ أَغْدِلَ بَيْنَكُمْ فِي
الْحُكْمِ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ فُكُلٌ يُجَازَى بِعَمَلِهِ لِأَحْجَةِ خُصُومَةٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
بِذَا قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرَ بِالْجِهَادِ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا فِي الْمَعَادِ لِفَضْلِ الْقَضَاءِ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ⑪ الْمَرْجِعُ
وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي دِينِ اللَّهِ نَبِيَّهُ مِنْ بَعْدِهِمَا اسْتَجِيبَ لَهُ بِالْإِيمَانِ لِظُهُورِ مُعْجَزَتِهِ وَبِهِمُ الْيَهُودُ
مُحْتَجُّهُمْ دَاحِضَةٌ ⑫ بَاطِلَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ⑬ اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ بِالْحَقِّ
مُتَعَلِّقٌ بِالنُّزُولِ وَالْمِيزَانِ وَالْعَدْلِ وَمَا يُدْرِيكَ يُعْلِمُكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ أَيْ أَتَيْنَهَا قَرِيبٌ ⑭ وَلَعَلَّ مُتَعَلِّقٌ
لِلْفَعْلِ عَنِ الْعَمَلِ أَوْ مَا بَعْدَهُ سُدَّ سَبَدُ الْمَفْعُولِينَ يَسْتَعِجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا يَقُولُونَ مَتَى تَأْتِي
ظُنًّا مِنْهُمْ أَنَّهَا غَيْرُ آتِيَةٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ خَائِفُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ⑮ الْآيَاتُ الَّذِينَ يُمَارُونَ

يُجَادِلُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝ اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ بِرَبِّهِمْ وَفَاجِرٌ بِهِمْ حَيْثُ لَمْ يُهَيِّلْ لَهُمْ جُوعًا
بِمَعَاصِنِهِمْ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۝ وَهُوَ الْقَوِيُّ عَلَىٰ مُرَادِهِ الْعَزِيزُ ۝ الْغَالِبُ عَلَىٰ أَمْرِهِ ۝

ترجمہ: اور جس چیز (یعنی) دین وغیرہ میں کفار کے ساتھ تمہارا اختلاف ہوا، اس کا فیصلہ قیامت کے دن اللہ ہی

کی طرف لوٹے گا، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا، آپ ان سے کہئے یہی اللہ میرا رب ہے، جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا

ہے، اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں، وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے

جوڑے بنا دیئے ہیں، بایں طور کہ اس نے (حضرت) حواء کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا فرمایا اور چوپایوں کے زرمادہ کے

جوڑے بنائے (يَذَرُكُمْ ذال معجمہ کے ساتھ) (یعنی ذال کے ساتھ ہے نہ کہ وال کے ساتھ) اور يَذَرُكُمْ بمعنی يَخْلُقُكُمْ

ہے یعنی مذکورہ طریقہ سے تم کو پیدا کرتا ہے، (اور) اس طریقہ تو والد کے سبب سے تمہاری کثرت کرتا ہے اور (کُمْ ضمیر، انسانوں

اور حیوانات کی طرف تغلیباً راجع ہے، اس کے مثل کوئی شئی نہیں، کاف زائدہ ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں وہ ہر بات

کا سننے والا ہر فعل کا دیکھنے والا ہے، آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں یعنی ان دونوں (آسمان و زمین)

کے خزانوں یعنی بارش اور نبات وغیرہ کی کنجیاں (اسی کے قبضہ تصرف میں ہیں) وہ جس کی چاہے امتحاناً روزی کشادہ کر دے

اور جس کی چاہے بطور آزمائش تنگ کر دے یقیناً وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے، جس کے

قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا، اور وہ (نوح) انبیاء شریعت میں سے اول نبی ہیں اور جو (دین) ہم نے

بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجا ہے اور جس کا تاکید حکم ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیا

تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا، اور اس میں اختلاف نہ کرنا یہی ہے وہ مشروع کہ جس کا تاکید حکم دیا گیا اور جس کی محمد ﷺ کی

طرف وحی کی گئی، اور وہ توحید ہے اور جس چیز کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں وہ توحید ہے وہ تو (ان) مشرکوں پر گراں گذرتی

ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے توحید کے لئے منتخب کر لیتا ہے اور جو شخص اس کی اطاعت کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ اس کی اپنی

طرف رہنمائی کرتا ہے اور اہل ادیان نے دین میں اسی وقت اختلاف کیا، بایں طور کہ بعض نے توحید اختیار کی اور بعض نے کفر

کیا، کہ جب ان کے پاس توحید کا علم آگیا اور وہ بھی کافروں کی باہمی ضد بحث سے اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک

وقت مقرر (یعنی قیامت) تک کے لئے تاخیر عذاب کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو یقیناً دنیا ہی میں کافروں کو عذاب دیکر ان کے

اختلاف کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی، اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں وہ بھی آپ ﷺ کے بارے میں

الجبھن ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں، پس اے محمد! آپ لوگوں کو اسی توحید کی طرف بلاتے رہئے اور جو کچھ آپ سے

کہا گیا ہے آپ خود بھی اس پر قائم رہئے اور اس کو ترک کرنے میں ان کی خواہشوں کی اتباع نہ کیجئے، اور کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ

نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم میں انصاف کرتا رہوں ہمارا اور تم سب کا

پروردگار اللہ ہی ہے، ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں، لہذا ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق صلہ ملے گا ہمارے تمہارے درمیان کوئی نزاع نہیں یہ حکم جہادِ حکم نازل ہونے سے قبل کا ہے اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے کے لئے قیامت کے دن ہم سب کو جمع کرے گا، اور اسی کی طرف لوٹنا ہے اور جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں اس کے نبی سے حجت بازی کرتے ہیں بعد اس کے کہ اس کو اس کے معجزات کے ظاہر ہونے کی وجہ سے مان لیا گیا ہے اور وہ یہود ہیں اور ان کی حجت بازی ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے، اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب قرآن نازل فرمائی ہے (بالحق) انزل کے متعلق ہے اور میزان (انصاف) نازل فرمائی ہے اور آپ کو کیا خبر شاید قیامت یعنی اس کی آمد قریب ہی ہو اور لَعَلَّ فَعْلَ کو عمل سے روکنے والا ہے یا اس کا مابعد قائم مقام دو مفعولوں کے ہے اس کی جلدی، ان کو پڑی ہے جو اس کو نہیں مانتے، سوال کرتے ہیں کہ (قیامت) کب آئے گی؟ یہ یقین کرتے ہوئے کہ وہ آنے والی نہیں ہے اور جو اس کی (آمد) کا یقین رکھتے ہیں وہ اس سے ڈر رہے ہیں انہیں اس کے حق ہونے کا پورا علم ہے، یاد رکھو جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خواہ نیک ہوں یا بد بڑا ہی لطف کرنے والا ہے، اس طریقہ سے کہ ان کی معصیت کی وجہ سے ان کو بھوکا نہیں مارتا، ان سب میں سے جس کو چاہتا جتنی چاہتا روزی دیتا ہے، اور وہ اپنی مراد پر بڑی طاقت اور اپنے امر پر بڑے غلبہ والا ہے۔

حَقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْمِيْلِ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلًا: ذَلِكُمْ اللّٰهُ رَبِّي (الآية) ذَلِكُمْ مَبْتَدَأُ اِیْ ذَلِكُمْ الْحَاكِمُ الْعَظِيْمُ الشَّانُ، اللّٰهُ، ذَلِكُمْ مَبْتَدَأُ كِیَا رَہْ خَبَرِیْ ہِیْ، ① اللّٰهُ ② رَبِّي ③ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ④ وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ ⑤ فَاطِرُ السَّمَوٰتِ وَ الْاَرْضِ ⑥ جَعَلَ لَكُمْ ⑦ لَیْسَ كَمِثْلِهِ شَیْءٌ ⑧ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ⑨ لَهُ مَقَالِیْدُ السَّمَوٰتِ الْخ ⑩ یَبْسُطُ الرِّزْقَ الْخ ⑪ شَرَعَ لَكُمْ الْخ. (جمل)

قَوْلًا: یَذَرُّكُمْ، ذَرَّءٌ سے مضارع واحد مذکر غائب، وہ تم کو پیدا کر رہا ہے، پھیلا رہا ہے، زیادہ کر رہا ہے (ف)۔
قَوْلًا: فِیْہِ ضَمِیْرٌ مَجْرُورٌ كَامَرَجٍ، جعل مذکور ہے، اِیْ فِیْ ذٰلِكَ الْخَلْقِ عَلٰی هَذِهِ الصِّفَةِ یعنی اس طریقہ تخلیق (یعنی توالد و تناسل) سے وہ تمہیں ابتداء سے پیدا کرتا چلا آ رہا ہے، یا فِیْہِ کی ضمیر کا مرجع رحم مادر ہے، یا فِیْ بمعنی بقاء ہے یعنی تمہارا جوڑا بنانے کے سبب سے تمہیں پیدا کرتا، پھیلاتا ہے، کیونکہ یہ زوجیت ہی نسل کی افزائش کا سبب ہے۔

(فتح القدیر، وابن کثیر ملخصاً)

قَوْلًا: یَذَرُّكُمْ مِیْنُ كُمْ ضَمِیْرٌ كَامَرَجٍ اِنْسَانٍ ہِیْ جَانُورُوں كَوْتَعْلِیًّا كَمْ ضَمِیْرٌ مِیْنُ شَامِلٍ كَرَلِیَا گِیَا ہِیْ وَرَنَدٌ تَوِیْذَرُّنْہَا ہونا چاہئے۔

قَوْلًا: الکاف زائده اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: ظاہر آیت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ خدا کا مثل ہے اس لئے کہ آیت کا ترجمہ یہ ہے، اس کے مثل کا کوئی مثل نہیں ہے یعنی مثل تو ہے مگر اس مثل کا مثل نہیں ہے، حالانکہ اس کا مثل ہی نہیں ہے۔

جواب: کَمِثْلِهِ میں کاف زائدہ محض تاکید کے لئے ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے کہ لَيْسَ مِثْلُهُ شَيْئًا.

قَوْلًا: مَقَالِيدُ يَه مَقْلَادٌ يَاقْلِيدٌ یا اَقْلِيدُ کی جمع ہے بمعنی کنجی۔

قَوْلًا: شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا، شَرَعَ بِمَعْنَى سَنَّ اِی جَعَلَ لَكُمْ طَرِيقًا وَاَضْحًا وَاَلْفَارِسِيَّة رَاہ روشن کر دینا را از دین۔

قَوْلًا: شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ يَه اس اجمال کی تفصیل ہے جس کا ذکر کَذَلِكَ يُوحِي اِلَيْكَ وَاِلَى الدِّينِ مِنْ قَبْلِكَ میں اجمالاً ہے اور لَكُمْ سے خطاب امت محمدیہ ﷺ کو ہے۔

قَوْلًا: مِنَ التَّوْحِيدِ.

سُؤَال: مفسر علام نے مَا تَدْعُوهُمْ اِلَيْهِ کی تفسیر مِنَ التَّوْحِيدِ سے کی ہے حالانکہ اس میں تمام اصول و فروع داخل ہیں۔

جواب: توحید چونکہ عماد الدین اور اصل الاصول ہے جو کہ تمام اصول و فروع کو شامل ہے، اسی وجہ سے اس پر اکتفاء کیا ہے۔

قَوْلًا: يَجْتَنِبِيْ يَه اجتناء سے ماخوذ ہے اس کے معنی منتخب کرنے اور چننے کے ہیں، اسی مناسبت سے توفیق دینے کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

قَوْلًا: بَغْيًا، تَفَرُّقًا فَعْلٌ مُثَبَّتٌ کا مفعول لہ ہے جو کہ استثناء سے مفہوم ہے۔

قَوْلًا: لَفِيْ شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٌ یعنی بچھین کرنے والا شک، الجھن میں ڈالنے والا شک۔

قَوْلًا: رِبْنَةً یعنی تحیر، اضطراب۔

قَوْلًا: وَالَّذِينَ يُحَاجُّوْنَ مُبْتَدِئًا اَوَّلًا اور حُجَّتُهُمْ مَبْتَدِئًا ثَانِيًا ہے اور دَاخِضَةً مَبْتَدِئًا ثَانِيًا کی خبر ہے، مَبْتَدِئًا ثَانِيًا اپنی خبر سے مل کر مَبْتَدِئًا اَوَّلًا کی خبر ہے۔

قَوْلًا: اِی اِتِّبَانُهَا يَه ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: قَرِيبٌ کونڈ کر کیوں لایا گیا؟ حالانکہ وہ سَاعَةٌ مُّوْنَتْ کی صفت ہے لہذا قَرِيبَةٌ ہونا چاہئے۔

جواب: کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے اِی مَجْبِي: السَّاعَةُ لِهَذَا قَرِيبٌ سے مراد مَجْبِي ہے۔

قَوْلًا: مَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ وَاَوْعَاطِفُهْ ہے ما استفہامیہ مَبْتَدِئًا مَحْذُومًا مَرْفُوعٌ ہے اور يُدْرِيكَ جملہ ہو کر اس کی خبر ہے۔

قَوْلًا: وَلَعَلَّ مُعَلِّقٌ لِلْفَعْلِ عَنِ الْعَمَلِ اَوْ مَا بَعْدَهُ سَدٌّ مَسَدٌ الْمَفْعُولِیْنِ ”تعلیق“، لفظاً ابطالِ عمل کو کہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا حرف درمیان میں ہوتا ہے کہ جو صدارت کلام چاہتا ہے، یہاں وہ حرف لَعَلَّ ہے، يُدْرِيكَ کا مفعول اول ک

ہے یا فعل کا مابعد قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحِ

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ اس اختلاف سے مراد دین کا اختلاف ہے، جس طرح یہودیت، عیسائیت وغیرہ کے میں آپس میں اختلافات ہیں، ہر مذہب کا پیرو دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا دین حق ہے، ظاہر ہے کہ تمام ادیان بیک وقت حق نہیں ہو سکتے، سچا دین تو صرف ایک ہی ہو سکتا ہے، اِنْ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰہ دنیا میں سچا دین اور حق راستہ پہچاننے کے لئے اللہ تعالیٰ کا قرآن موجود ہے، لیکن دنیا میں لوگ قرآن مجید کو اپنا حکم اور ثالث ماننے کے لئے تیار نہیں، بالآخر قیامت کا دن ہی رہ جاتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ ان اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا، اور سچوں کو جنت میں اور دوسروں کو جہنم میں داخل کرے گا۔

دوسری اکثر آیات میں اطاعت کے حکم میں رسول کو اور بعض آیات میں اولوالامر کو شامل کیا گیا ہے وہ اس کے معارض نہیں، اس لئے کہ رسول اور اولوالامر جو فیصلہ کرتے ہیں وہ ایک حیثیت سے اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے، اگر یہ فیصلہ کتاب و سنت کی نصوص کے ذریعہ ہے تو اس کا حکم الہی ہونا ظاہر ہے اور اگر اپنے اجتہاد سے ہے تو چونکہ اجتہاد کا مدار بھی نصوص قرآن و سنت پر ہوتا ہے اس لئے وہ ایک حیثیت سے اللہ ہی کا حکم ہے مجتہدین کے اجتہاد بھی اسی میں داخل ہیں، اسی لئے علماء نے فرمایا کہ عام آدمی جو قرآن و سنت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کے حق میں مفتی کا فتویٰ ہی حکم شرعی کہلاتا ہے۔

جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا یعنی اللہ کا بڑا اکرم اور احسان ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے ہی تمہارے جوڑے بنائے، ورنہ اگر تمہاری بیویاں انسانوں کے بجائے کسی اور مخلوق کی ہوتیں تو تمہیں یہ سکون حاصل نہ ہوتا، جو اپنی ہم جنس اور ہم شکل بیوی سے حاصل ہوتا ہے اور یہی سلسلہ چوپایوں میں بھی رکھا ہے، اس مذکورہ طریقہ سے اس نے انسانوں اور جانوروں میں افزائش نسل کا سلسلہ جاری فرمادیا ہے، وہ اپنی ذات و صفات میں اپنی نظیر آپ ہے نہ اس کا کوئی ہمسرہ ہے اور نہ مثل، وہ واحد اور بے نیاز ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ یہاں دین سے مراد وہ عقائد و احکام ہیں جو تمام آسمانی کتابوں میں موجود تھے، مثلاً اللہ پر ایمان تو حید، اطاعت رسول، تمام انبیاء کا یہی دین تھا جس کی دعوت وہ اپنی اپنی امتوں کو دیتے رہے، اگرچہ ہر نبی کی شریعت و قانون میں بعض جزوی اختلافات ہوتے تھے، جیسا کہ فرمایا لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا (المائدہ) لیکن مذکورہ اصول سب کے درمیان مشترک تھے، اسی بات کی طرف نبی کریم ﷺ نے اس طرح فرمایا ہم انبیاء کی جماعت علاقی بھائی ہیں ہمارا دین ایک ہے (بخاری شریف) اور یہ ایک دین وہی تو حید اور اطاعت رسول ہے ان کا تعلق ان فروعی مسائل سے نہیں ہے، جن میں دلائل باہم مختلف اور متعارض ہوتے ہیں، یا جن میں کبھی فہم کا تباہی اور تفاوت ہوتا ہے کیونکہ ان میں اجتہاد یا اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے، اسی لئے یہ احکام مختلف ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں، تاہم تو حید و رسالت فروعی نہیں اصولی ہیں جن پر کفر و ایمان کا دار و مدار ہے، سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اصول و عقائد میں تمام انبیاء علیہم السلام ان کے ساتھ شریک ہیں مگر

چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں شرک و کفر انسانوں میں نہیں تھا، کفر و شرک کا معاملہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں شروع ہوا تھا، اس لحاظ سے حضرت نوح علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں جن کو اس طرح کے معاملات پیش آئے جو بعد کے انبیاء کو پیش آنے والے تھے، اسی لئے یہاں پر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ بِعَمَلِهِ حَرْثَ الْآخِرَةِ اِى كَسَبَهَا وَبِوَالثَّوَابِ نَزْدَلَهُ فِي حَرْثِهِ بِالتَّضْعِيفِ فِيهِ الْحَسَنَةُ اِلَى عَشْرَةٍ وَاكْثَرَ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا بِلَا تَضْعِيفٍ مَا قُسِمَ لَهُ وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ①
 اَمْرٌ بِلَهُمْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ شُرَكَؤُا بِهِمْ شَيْخَاتِيْنَهُمْ شَرَعُوْا اِى الشُّرَكَاءَ لَهُمْ لِلْكَفَّارِ مِّنَ الدِّينِ الْفَاسِدِ
 مَا لَمْ يَازِنْ بِهِ اللّٰهُ كَالشُّرِكِ وَاِنْكَارِ الْبَغْيِ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ اِى الْقَضَاءِ السَّابِقِ بَانَ الْجَزَاءُ فِي يَوْمِ
 الْقِيَمَةِ لَقَضَى بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالتَّغْذِيْبِ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّ الظَّالِمِيْنَ الْكَافِرِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ②
 تُؤْلِمُ تَرَى الظَّالِمِيْنَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مُشْفِقِيْنَ خَائِفِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا فِي الدُّنْيَا مِنَ السَّيِّئَاتِ اَنْ يُجَازَوْا
 عَلَيْهَا وَهُوَ اِى الْجَزَاءِ عَلَيْهَا وَاَقْعَ بِهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا مُحَالَءَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضَاتِ
 الْجَنَّةِ اَنْزَبَهَا بِالنِّسْبَةِ اِلَى مَنْ دُونَهُمْ لَهُمْ مَا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ③
 ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ مِنَ الْبَشٰرَةِ مُخَفِّفًا وَمُثَقِّلًا بِهِ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ قُلْ لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اِى
 عَلَى تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ اَجْرًا اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ اِى لَكِنْ اَسْأَلُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا قَرَابَتِي الَّتِي هِيَ
 قَرَابَتُكُمْ اَيْضًا فَاِنَّ لَهُ فِي كُلِّ بَطْنٍ مِّنْ قُرَيْشٍ قَرَابَةً وَمَنْ يَقْرَفْ يَكْتَسِبْ حَسَنَةً طَاعَةً نَّزْدَلَهُ فِيْهَا حَسَنًا
 بِتَضْعِيفِهَا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِّلذُّنُوْبِ شَكُوْرٌ ④ لِّلْقَلِيلِ فِضَاعُفُهُ اَمْرٌ بِلَ يَقُوْلُوْنَ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بِنِسْبَةِ
 الْقُرْآنِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فَاِنْ يَشَآءِ اللّٰهُ يَخْتِمُ يَرْبُطُ عَلَى قَلْبِكَ بِالضَّرْبِ عَلَى اِذَاهُمْ بِهَذَا الْقَوْلِ وَغِيْرِهِ وَقَدْ فَعَلَ
 وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ الَّذِيْ قَالُوْهُ وَبِحَقِّ الْحَقِّ يُثَبِّتُ بِكَلِمَتِهِ الْمُنْزَلَةِ عَلَى نَبِيِّهِ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤ بِمَا فِي
 الْقُلُوْبِ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ مِنْهُمْ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ الْمَتَابُ عَنْهَا وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ⑥ بِالْبَيِّنَاتِ
 وَالتَّاءِ وَيَسْتَجِيبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ يُجِيبُهُمْ اِلَى مَا يَسْأَلُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ وَالْكَافِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ
 شَدِيْدٌ ⑦ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ جَمِيْعُهُمْ لَبَغَوْا جَمِيْعُهُمْ اِى طَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلَكِنْ يُنْزِلُ بِالتَّخْفِيفِ وَضِدَّةَ
 مِنَ الْاِرْزَاقِ بِقَدْرِ مَا يَشَآءُ فَيَبْسُطُهَا لِبَعْضِ عِبَادِهِ دُوْنَ بَعْضٍ وَيَنْشِأُ عَنِ الْبَسْطِ الْبَغْيُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهِ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ ⑧
 وَهُوَ الَّذِيْ يُنْزِلُ الْغَيْثَ الْمَطَرَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا يَتَسَوَّوْنَ مِنْ نُّزُوْلِهِ وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ يَبْسُطُ مَطَرَهٗ وَهُوَ الْوَلِيُّ
 الْمُحْسِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ الْحَمِيْدُ ⑨ الْمُخْمُودُ عَنْدَهُمْ وَمِنْ اٰيَتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَخَلْقُ مَا بَيْنَ فَرْقٍ وَنَشْرٍ
 فِيْهِمَا مِنْ دَابَّةٍ هِيَ مَا يَدْبُ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ النَّاسِ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ عَلَى جَمْعِهِمْ لِلْحَشْرِ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ⑩ فِي

الضَّمِيرُ تَغْلِيْبُ الْعَاقِلِ عَلَى غَيْرِهِ.

تَرْجُمَہ: جس کا مقصد اپنے عمل سے آخرت کی کھیتی ہو، یعنی آخرت کی کمائی ہو اور وہ ثواب ہے تو ہم اس کی کھیتی میں (یعنی) نیکیوں میں دس گنے تک (بلکہ) اور اس سے بھی زیادہ اضافہ کر کے ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو تو ہم اسے اس میں سے بلا اضافے کے بقدر نصیب عطا کریں گے، ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں بلکہ مکہ کے ان کافروں نے کچھ شرکاء تجویز کر رکھے ہیں اور وہ شیاطین ہیں کہ ان شرکاء نے ان کافروں کے لئے دین فاسد تجویز کر رکھا ہے، جس کی خدا نے اجازت نہیں دی (اور وہ دین فاسد) شرک اور انکار بعث ہے اور اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہو چکا ہوتا تہی پہلے سے فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ بدلہ قیامت کے دن میں دیا جائے گا تو ان کے اور مومنین کے درمیان دنیا ہی میں ان کو عذاب دیکر (ابھی) فیصلہ کر دیا جاتا، اور ظالموں کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ قیامت کے دن دنیا میں برے اعمال کرنے کی وجہ سے ڈر رہے ہوں گے، یہ کہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ یعنی ان کے اعمال کا وبال قیامت کے دن ان پر لامحالہ واقع ہونے والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے وہ جنت کے باغات میں ہوں گے (وہ باغات) دوسروں کی نسبت سے زیادہ پاکیزہ ہوں گے، وہ جو خواہش کریں گے اپنے پاس موجود پائیں گے یہی ہے بڑا فضل یہی ہے وہ جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو دے رہا ہے، جنہوں نے نیک عمل کئے بشارت (میں) مخفف اور مشغل (دونوں قراءتیں ہیں) (آپ) کہہ دیجئے کہ میں اس تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا مگر رشتہ داری کی محبت (چاہتا ہوں) یہ مستثنیٰ منقطع ہے (یعنی) لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم میری قرابت (رشتہ داری) کا حق ادا کرو جو تمہاری بھی قرابت (رشتہ داری) ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کی قریش کے ہر خاندان میں قرابت تھی اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لئے اس نیکی میں اضافہ کر کے اور نیکی بڑھادیں گے بے شک اللہ تعالیٰ گناہوں کے بہت بخشنے والے اور قلیل (نیکیوں) کے (بھی) بہت قدردان ہیں کہ اس کو بڑھادیتے ہیں بلکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ (پیغمبر نے) اللہ پر قرآن کی اللہ کی طرف نسبت کر کے جھوٹا بہتان باندھا ہے پس اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلب کو ان کی ایذا رسانی پر صبر کے ساتھ اس قول وغیرہ کے ذریعہ مضبوط کر دے اور (اللہ) نے (ایسا) کر دیا، اور اللہ تعالیٰ ان کی باطل باتوں کو مٹاتا ہے اور اپنے نبی پر نازل کردہ اپنی بات کے ذریعہ حق ثابت کرتا ہے، بلاشبہ وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرماتا ہے اور ان برائیوں کو جن سے توبہ کر لی ہے معاف فرماتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو (سب) جانتا ہے (تفعلون) یا اور تاء کے ساتھ ایمان والوں کی اور نیکیوں کی سنتا ہے جو وہ سوال کرتے ہیں اور اپنے فضل سے انہیں اور بڑھا کر دیتا ہے اور کافروں کے لئے شدید عذاب ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ سب زمین میں فساد برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے رزق نازل کرتا ہے (یَنْزِلُ) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے لہذا وہ اپنے بعض بندوں کے لئے روزی کشادہ کر دیتا

قَوْلًا: الْمَوَدَّةُ مصدر منصوب (س) دوستی، محبت، دوست رکھنا۔

قَوْلًا: الْقُرْبَى، زُلْفی اور بشری کے وزن پر اسم مصدر رشتہ داری قرابت (ن) مصدر قرابۃ۔

قَوْلًا: إِلَّا الْمَوَدَّةُ فِي الْقُرْبَى اس میں دو قول ہیں ① استثناء منقطع ہو اس لئے کہ مستثنیٰ منہ اجرًا ہے اور الْمَوَدَّةُ مستثناء ہے، اور مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے ای لا اسئلكم اجرًا قط ② مستثنیٰ متصل ہو، ای لا اسئلكم علیه اجرًا إِلَّا هَذَا، وهو أَنْ تَوَدُّوا أَهْلَ قُرَابَتِي الَّذِينَ هُمْ قُرَابَتُكُمْ اور۔ فِي الْقُرْبَى جار مجرور محذوف سے متعلق ہو کر حال ہے ای ثابتۃ فی القربی۔

قَوْلًا: يَفْتَرِفُ اصله الْقَرَفُ، ای الْكَسْبُ کہا جاتا ہے فَلَانِ يَفْتَرِفُ لِعِيَالِهِ كَسْبًا (بابہ ضرب) اس آیت کے مصداق کی تعین میں شدید اختلاف ہے، ان میں زیادہ بہتر وہ ہے کہ جس کو مجاہد اور قتادہ نے ذکر کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے اَنْكُمْ قَوْمِي وَاحِقٌ مَنْ اجَابَنِي وَاَطَاعَنِي فَادْقَدْ ابْنَيْتُمْ ذَلِكَ فَاحْفَظُوا حَقَّ الْقُرْبَى وَصِلُوا رَحْمَى وَلَا تَوَدُّوْنِي یعنی تم میری قوم ہو اور جن لوگوں نے میری دعوت پر لبیک کہا ہے اور میری اطاعت قبول کی ہے ان سے تم زیادہ حقدار ہو، اب جبکہ تم نے اس کا انکار کر دیا تو (کم از کم) میری قرابت کا خیال رکھو اور میرے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرو اور مجھے اذیت نہ پہنچاؤ۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: يُجِيبُهُمْ مفسر علام نے يَسْتَجِيبُ کی تفسیر بجیب سے کر کے اشارہ کر دیا کہ سین تاکید کے لئے زائدہ ہے، جیسے اسْتَغْظَمَ بمعنى تَعَظَّمَ۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ لَرِ د لَهُ فِي حَرْثِهِ ”حَرْث“ کے معنی تخم ریزی کے ہیں، یہاں بہ طریق استعارہ اعمال کے ثمرات و فوائد مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اپنے اعمال اور محنت کے ذریعہ آخرت کے اجر و ثواب کا طالب ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی کھیتی میں اضافہ فرمائے گا، ایک ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لیکر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تک عطا فرمائے گا۔

فَائِدَةٌ: سوال یہ ہے کہ حَرْثِ دُنْيَا کیا ہے؟ اگر یہی مال و عیال دنیا ہے تو نہ اس سے چارہ اور نہ بچاؤ، اور نہ بچنے کا حکم، مگر ایسا نہیں ہے، شیخ سعدی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:۔

چیت دنیا از خدا غافل شدن نے قماش و نقرہ و فرزند وزن معلوم ہوا، ایسا قول و فعل اور آرزو و تمنا کہ جس میں کسی درجہ میں بھی خیر اور رضائے الہی ملحوظ نہ ہو حَرْثِ دُنْيَا ہے اگرچہ ہجرت و جہاد و نماز جیسا مبارک عمل ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا، جس کی ہجرت کسی عورت سے نکاح یا دوسرے کسی

کام کے لئے ہو وہ ہجرت اسی کے لئے ہے، اس کے برخلاف آپ نے یہ فرمایا کہ زن و فرزند کا نفقہ اور وظیفہ زوجیت میں اجر و ثواب ہے، اگر عمل صالح خلوص نیت کے ساتھ ہو تو بلا شک و شبہ بہت بڑا عمل ہے۔ اسلام میں کوئی عمل ایسا نہیں کہ جس میں رضا الہی بالقصد یا بالتبع نہ پائی جائے حتیٰ کہ جو خواب تہجد یا فجر کی نماز کے لئے بیداری کی نیت سے ہو اور جو غذا اداۓ فرائض و احکام پر قوت حاصل کرنے کے لئے ہو اور جو لباس ستر پوشی یا اداء شکر کے لئے حتیٰ کہ بیوی کے منہ میں لقمہ محبت اور نیک نیتی سے رکھے اس میں بھی اجر و ثواب ہے، اور مذکورہ تمام اعمال اعمال دنیا نہیں بلکہ دین ہیں، ان چیزوں پر وعید صرف اسی صورت میں ہے کہ جس سے سوائے دنیا اور آخرت سے غفلت کے کچھ مقصود نہ ہو۔

(خلاصة التفاسیر ملخصاً وترجمہ)

وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ یعنی طالب دنیا و دنیا تو ملتی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ملتی ہے جتنی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر کے مطابق ہوتی ہے، شرک و معاصی جس میں یہ مبتلا ہو گئے ہیں، اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا ہے، خود ان کے بنائے ہوئے شریکوں نے انسانوں کو شرک و معصیت کی راہ پر لگا دیا ہے۔

مشرکین قیامت کے روز اپنے اعمال کے عذاب اور ان کی پاداش سے خوف زدہ اور پریشان ہوں گے، حالانکہ ڈرنا بے سود اور بے فائدہ ہوگا، کیونکہ اپنے کئے کی سزا تو بہر حال بھگتنی ہوگی۔

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى (الآیہ) قبائل قریش اور نبی ﷺ کے درمیان رشتہ داری کا تعلق تھا، آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ میں وعظ و نصیحت اور دعوت و تبلیغ پر تم سے کوئی اجر و ثواب نہیں کرتا، البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ داری کا تعلق ہے اس کا لحاظ کرو، تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو، تمہاری مرضی، لیکن مجھے نقصان اور اذیت پہنچانے سے باز رہو، تم میرے دست و بازو نہیں بن سکتے تو نہ بنو، مگر میرے راستہ کا روڑا تو نہ بنو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے معنی یہ کئے ہیں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت (رشتہ داری) ہے اس کو قائم رکھو۔ (صحیح بخاری تفسیر سورہ شوریٰ) إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى ای الا مودتکم ایائاً لقربائکم یعنی میں تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر قرابت کے سبب سے میری محبت، فی بمعنى سبب ہے، جیسا کہ اِنَّ امْرَاةً دَخَلَتْ النَّارَ فِيْ هَرَّةٍ اَيْکَ عَوْرَتِ اَيْکَ بِلٰی کى وجہ سے دوزخ میں داخل ہو گئی۔

(روح المعانی)

آپ ﷺ کی آل کی محبت و توقیر جزء ایمان ہے:

نبی کریم ﷺ کی آل یقیناً حسب و نسب کے اعتبار سے دنیا کی اشرف ترین آل ہے، اس سے محبت اس کی تعظیم و توقیر جزء ایمان ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی ان کی تعظیم و تکریم کی تاکید فرمائی ہے، لیکن اس کا کوئی تعلق اس موضوع سے نہیں ہے، جیسا کہ شیعہ حضرات کھینچا تانی کر کے اس آیت کو آل محمد ﷺ کی محبت کے ساتھ جوڑتے ہیں، اور پھر آل کو بھی انہوں نے

محدود کر دیا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک، نیز محبت کا مفہوم بھی ان کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو معصوم اور الہی اختیارات سے متصف مانا جائے، علاوہ ازیں کفار مکہ سے اپنے گھرانے کی محبت کا سوال بطور اجرت تبلیغ نہایت عجیب بات ہے نیز یہ طلب اجرت آپ ﷺ کی شان سے نہایت فرو تر بات ہے اس لئے کہ ایسے امر پر طلب اجرت کہ جو واجب ہو علماء اور عوام سے بھی بعید ہے تو سید الخواص و ختم الرسل سے کیونکر جائز ہوگا۔

پھر یہ آیت اور سورت مکی ہے جبکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان ابھی عقد نکاح بھی نہیں ہوا تھا، یعنی ابھی وہ گھرانہ معرض وجود ہی میں نہیں آیا تھا، جس کی خود ساختہ محبت کا اثبات اسی آیت سے کیا جاتا ہے، اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تو دنیا میں بھی اس وقت وجود نہیں ہوا تھا اس لئے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ۲ھ میں ہوا تھا، اس کے بعد ۳، ۴ھ میں ان حضرات کی ولادت ہوئی ہے، تو پھر ان حضرات کو مذکورہ آیت کا مصداق قرار دینا کہاں تک صحیح ہے؟

آیہ مودۃ سے اہل تشیع کا خلافت بلا فصل پر غلط استدلال:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ آپ فرمادیجئے کہ میں تم سے کچھ نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کے محبت کے، شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت رکھنا اجر رسالت ہے جو کہ امت پر واجب ہے، اس لئے بقول اہل تشیع اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک کے واسطے سے اعلان فرمادیا، کہ اے محمد آپ اعلان فرمادیجئے کہ میں تعلیم و تبلیغ پر تم سے کوئی اجر و صلہ نہیں چاہتا بجز اس کے کہ میرے قربت داروں سے محبت کرو، اور قربت دار وہی مذکورہ ”چار اشخاص“ ہیں لہذا قرآن کی رو سے ان حضرات کی محبت واجب ہے اور جن کی محبت واجب ہوتی ہے وہی واجب الاطاعت ہوتے ہیں اور امامت عامہ کا یہی مفہوم ہے، لہذا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلیفہ بلا فصل ہونا ثابت ہو گیا، اپنے اس دعوے کی تائید میں ابن مطہر حلی نے مسند احمد کی طرف نسبت کر کے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے۔

عن ابن عباس قال لما نزلت هذه الآية قالوا يا رسول الله من قرأبتك ألتى وجبت علينا مودتهم؟ قال علي، وفاطمة، وابناهما اس روایت کو ابن مطہر نے ثعلبی کے واسطے سے مسند احمد اور صحیحین کی طرف منسوب کیا ہے اس روایت سے ابن مطہر حلی نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مذکورہ چہار تن کی محبت واجب ہے ان کے علاوہ اور کسی کی محبت واجب نہیں، لہذا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے افضل ہیں، اور جو سب سے افضل ہو وہی امامت عامہ کا مستحق ہے، لہذا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی امامت بلا فصل کے مستحق ہیں۔

جواب: شیعہ حضرات نے اس آیت کی بنیاد پر بہت سے خام قلعے تعمیر کئے ہیں اور آیت کو اپنے مفید مقصد بناتے کی کوشش کی ہے، ابن مطہر نے بھی مذکورہ آیت کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیا ہے، اور تائید میں مسند احمد کی ابن عباس سے ایک

روایت صحیحین کی طرف منسوب کر کے پیش کی ہے، ابن مطہر حلی نے مذکورہ روایت کو مسند احمد اور صحیحین کی نسبت کر کے علمی بددیانتی اور آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ منہاج السنۃ ص ۲۵، ج ۴، پر تحریر فرماتے ہیں کہ ابن مطہر کا مذکورہ حدیث کی مسند امام احمد کی طرف نسبت کرنا فریب اور بہتان ہے، اسی طرح صحیحین کی طرف نسبت بھی مغالطہ اور سفید جھوٹ ہے، بلکہ صحیحین اور مسند میں تو اس کی ضد موجود ہے، بلکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ امام احمد نے خلفاء اربعہ کی فضیلت میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں رطب و یابس ہر قسم کی روایات نقل کی ہیں، اس کے بعد امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ نے اس میں کچھ احادیث کا اضافہ کیا ہے، اور ابو بکر قطیفی نے بھی اس میں بہت واہی اور موضوع روایات کا اضافہ کیا ہے، ابن مطہر حلی نے ناواقفیت کی بناء پر ان روایات کو بھی مسند احمد کی طرف منسوب کر دیا، مذکورہ روایت علماء حدیث کے نزدیک بالکل موضوع اور ناقابل اعتبار ہے، اس کی داخلی شہادت یہ ہے کہ مذکورہ آیت سورہ شوریٰ کی ہے، اور سورہ شوریٰ مکی ہے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح غزوہ بدر کے بعد یعنی ۲ھ میں ہوا ہے، اس کے ایک سال بعد ۳ھ میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی اور اس کے ایک سال بعد ۴ھ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی تھی، اور آیت کی تفسیر میں حلی صاحب فرما رہے ہیں کہ جب آپ نے مودت قربی کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حسین کی محبت مراد ہے، مطلب اس کا یہ ہوا کہ حسین ابھی پیدا نہیں ہوئے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابھی رشتہ ازدواج میں منسلک بھی نہیں ہوئے، اور آیت کی تفسیر میں حسین کی محبت کا ذکر فرما دیا، حدیث کے موضوع ہونے کے لئے یہی داخلی شہادت کافی ہے۔

روایت کے موضوع ہونے پر دوسری شہادت:

مذکورہ آیت کی تفسیر میں صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے روایت مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی نے آیت مودت کا مطلب دریافت کیا، حضرت سعید بن جبیر موجود تھے، بول پڑے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتداروں سے محبت مراد ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، اے سعید تم نے بولنے میں جلدی کی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قریش کا کوئی ضمنی قبیلہ ایسا نہیں تھا کہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا رشتہ نہ ہو، تو آپ نے فرمایا کہ میں تم سے تعلیم و تبلیغ پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، لیکن اتنا چاہتا ہوں کہ آپس کی قرابتداری کا لحاظ رکھو اور مجھے ایذا نہ پہنچاؤ۔

آیت مودۃ کا صحیح مطلب:

جمہور سے آیت کی جو تفسیر منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم اس کا اعتراف کرو اور اپنی صلاح و فلاح کے لئے میری اطاعت کرو، اگر تم میری رسالت و نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تو نہ سہی مگر تم پر میرا ایک انسانی اور خاندانی حق بھی ہے جس کا تم انکار نہیں کر سکتے کہ تمہارے اکثر خاندانوں اور قبائل میں میری قرابتداری ہے، تو میں تمہاری اس

خدمت کا جو میں تمہاری تعلیم و تبلیغ اور اصلاح اعمال و احوال کے لئے کرتا ہوں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، صرف اتنا چاہتا ہوں کہ رشتہ داری کے حقوق کا خیال کرو، بات کا ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے، مگر کم از کم عداوت و دشمنی سے تو یہ نسبت اور قرابت کا تعلق مانع ہونا چاہئے۔

دعوائے رسالت پر کفار کا اعتراض:

جب آنحضرت ﷺ نے دعوائے نبوت پیش کیا، اور دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا تو کفار نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ اپنی خاندانی سیادت و قیادت قائم کرنے کے لئے ایک ڈھونگ ہے، محمد ﷺ اس طریقہ سے پورے عرب پر اپنی خاندانی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں، اگر بقول شیعہ حضرات آیت مودت کی اس تفسیر کو درست مان لیا جائے کہ اجر رسالت کے طور پر آپ ﷺ کے اہل بیت کی محبت واجب ہے اور محبت کا مطلب ہے ان کی قیادت و خلافت کا تسلیم کرنا تو پھر مشرکین مکہ کی اس بات کا درست ہونا لازم آتا ہے جو وہ کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کا مقصد دعوائے نبوت سے خاندانی قیادت و سیادت قائم کرنا ہے۔

اور اگر بالفرض مودت سے قرابتداروں کی محبت اس طرح کی محبت اجر رسالت کے طور پر مراد لی جائے جیسی کہ شیعہ حضرات مراد لیتے ہیں، تو آیت مودت دیگر بہت سی آیتوں کے منافی ٹھہرے گی، مثلاً فرمایا گیا ① مَا أَسْأَلُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجَرَىٰ إِلَّا عَلَى اللَّهِ میں جو کچھ تم سے معاوضہ طلب کر رہا ہوں وہ تم ہی کو مبارک ہو، میری اجرت تو اللہ پر ہے ② اَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَّغْرَمٍ مَثْقُلُونَ کیا آپ ان سے مزدوری طلب کرتے ہیں کہ جس کے تاوان سے وہ دبے جاتے ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں، جن میں آنحضرت ﷺ کو معاوضہ طلب کرنے سے منع کیا گیا ہے اور آپ سے اس کا اعلان بھی کر دیا گیا، فرمایا گیا: قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس کی کچھ اجرت نہیں چاہتا یہ تو سارے جہان کے لئے نصیحت ہے، ادھر تو آپ تبلیغ رسالت پر کوئی معاوضہ نہ لینے کا اعلان فرما رہے ہیں، جیسا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام نے بھی اعلان فرمایا اور ادھر بقول شیعہ حضرات آیت مودت میں معاوضہ لینے کا مطالبہ فرما رہے ہیں اس میں کھلا تضاد ہے، حالانکہ اتباع انبیاء کی ایک بڑی وجہ، قرآن اس بات کو قرار دے رہا ہے کہ وہ مخلوق سے اجرت طلب نہیں کرتے، اَتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ يَهْتَدُونَ۔ (سورہ نہس)

اہل تشیع کے اختیار کردہ معنی عربیت کے لحاظ سے بھی غلط ہیں:

آیت میں إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ فرمایا گیا ہے إِلَّا الْمَوَدَّةَ لِلْقُرْبَىٰ نہیں فرمایا گیا یا لِدَوَى الْقُرْبَىٰ نہیں فرمایا گیا، اگر شیعہ حضرات کے اختیار کردہ معنی مراد ہوتے تو آیت کو اس طرح ہونا چاہئے تھا قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ لِدَوَى الْقُرْبَىٰ جیسا کہ سورہ انفال میں کہا گیا ہے وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ

وللرسول ولذی القربی اور سورہ روم میں فرمایا گیا ہے فَاتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہُ اور سورہ بقرہ میں فرمایا گیا ہے وَآتِی الْمَالَ عَلٰی حَبِہِ ذَوٰی الْقُرْبٰی۔

اہل بیت رسول ﷺ کی تعظیم و محبت:

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و محبت کا تمام دنیا سے زائد ہونا جزء ایمان بلکہ مدار ایمان ہے اور اس کے لئے لازم ہے کہ جس کو جس قدر نسبت قریبہ آنحضرت ﷺ سے ہے اس کی تعظیم و محبت بھی اسی پیمانہ پر درجہ بدرجہ واجب اور لازم ہے، مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ازواج مطہرات اور دیگر صحابہ کرام کہ جن کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ متعدد قسم کی قرابتی نسبتیں حاصل ہیں ان کو فراموش کر دیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ نے اپنی خدمت کے صلہ میں قوم اور امت سے اپنی اولاد کی محبت و عظمت کے لئے شیعہ حضرات کے طریقہ پر کوئی درخواست نہیں کی، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اپنی جگہ آل رسول کی محبت و عظمت کوئی اہمیت نہیں رکھتی، ایسا خیال کوئی بد بخت گمراہ ہی کر سکتا ہے، خلاصہ یہ کہ اہل بیت و آل رسول کی محبت کا مسئلہ امت میں کبھی زیر اختلاف نہیں رہا، بالاجماع درجہ بدرجہ ان کی عظمت واجب اور لازم ہے، اختلافات وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں دوسروں کی عظمتوں پر حملہ کیا جاتا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰی عَلٰی اللّٰہِ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ اگر اس الزام افتراء میں کوئی صداقت ہوتی تو ہم آپ کے دل پر مہر لگا دیتے جس سے وہ قرآن ہی محو ہو جاتا جس کے گھڑنے کا انتساب آپ کی طرف کیا جاتا ہے، مطلب یہ کہ ہم آپ کو سخت ترین سزا دیتے۔

وہو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ (الآیۃ) توبہ کا مطلب ہے، معصیت پر ندامت کا اظہار اور آئندہ اس کو نہ کرنے کا عزم، محض زبان سے توبہ کر لینا اور اس کا گناہ اور معصیت کے کام کو نہ چھوڑنا، اور توبہ کا اظہار کئے جانا توبہ نہیں ہے، یہ تو استہزاء اور مذاق ہے، تاہم خالص اور سچی توبہ کو اللہ تعالیٰ یقیناً قبول فرماتا ہے۔

وَيَسْتَجِیْبُ الذِّیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحٰتِ (الآیۃ) اللہ تعالیٰ دعائیں سنتا ہے اور لوگوں کی آرزوں اور تمناؤں کو پورا فرماتا ہے بشرطیکہ دعاء کے آداب و شرائط کا بھی پورا اہتمام کیا جائے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعاء سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری مع کھانے پینے کے سامان کے صحراء بیابان میں گم ہو جائے اور وہ ناامید ہو کر کسی درخت کے نیچے لیٹ کر موت کا انتظار کرنے لگے، پھر اچانک اس کی سواری مع ساز و سامان کے اس کے پاس آجائے، اور فرط مسرت میں اس کے منہ سے نکل جائے، اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب یعنی شدت فرط مسرت میں وہ غلطی کر جائے۔ (صحیح مسلم کتاب التوبہ)

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہِ (الآیۃ) یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر شخص کو حاجت اور ضرورت سے زیادہ یکساں طور پر وسائل

رزق عطا فرمادیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کوئی کسی کی ماتحتی قبول نہ کرتا، ہر شخص شرفساد اور نفی وعدوان میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتا، جس سے پوری زمین میں فساد برپا ہو جاتا۔

وَمَا أَصَابَكُمْ خِطَابٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ مِّنْ مُّصِيبَةٍ بَلِيَّةٍ وَشِدَّةٍ فِيمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ أَيْ كَسَبْتُمْ مِّنَ الذُّنُوبِ وَعَثَرِ
بِالْأَيْدِي لَآنَ أَكْثَرَ الْأَفْعَالِ تَزَاوُلُ بِهَا وَيَعْفَوْنَ عَنْ كَثِيرٍ مِّنْهَا فَلَا يُجَازَى عَلَيْهِ وَهُوَ تَعَالَى أَكْرَمُ مِمَّنْ أَنْ يُثَنِّي
الْجَزَاءَ فِي الْآخِرَةِ وَأَمَّا غَيْرُ الْمُتَذَكِّرِينَ فَمَا يُصِيبُهُمْ فِي الدُّنْيَا لِيَرْفَعَ دَرَجَاتِهِمْ فِي الْآخِرَةِ وَمَا أَنْتُمْ يَا
مُشْرِكِينَ بِمُعْجِزِينَ اللَّهَ بَرَبَّنَا فِي الْأَرْضِ فَتَقَوُّنَهُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَيْ غَيْرِهِ مَن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ يَذْفُقُ
عَذَابَهُ عَنْكُمْ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ السُّفُنُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ كَالْجِبَالِ فِي الْعَظَمِ إِنْ يَشَاءُ يُسَكِّنِ الرِّيحَ فَيُظِلُّنَ
يَصْرَنَ رَوَاكِدَ ثَوَابِتٍ لَا تَجْرِي عَلَى ظَهْرِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝ هُوَ الْمُؤْمِنُ يُضْبِرُ فِي الشَّدَةِ
وَيُشْكِرُ فِي الرِّخَاءِ أَوْ يُؤْتِيَهُمْ غَطْفًا عَلَى يُسَكِّنُ أَيْ يُغْرِقُهُمْ بِعَصْفِ الرِّيحِ بِأَيْلَهُنَّ بِمَا كَسَبُوا أَيْ أَتَيْلَهُنَّ
مِنَ الذُّنُوبِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۝ مِّنْهَا فَلَا يُغْرِقُ أَبْنَاهُ وَيَعْلَمُ بِالرَّفْعِ مُسْتَانِفٌ وَبِالنَّصَبِ مَعْطُوفٌ عَلَى
تَعْلِيلٍ مُّقَدَّرٍ أَيْ يُغْرِقُهُمْ لِيَنْتَقِمَ مِنْهُمْ وَيَعْلَمُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِّنْ مُّحِصٍ ۝ مَهْرَبٌ مِّنَ
الْعَذَابِ وَجُمْلَةُ النَّفْسِ سُدَّتْ مَسَدًا مَّفْعُولِي يَعْلَمُ أَوِ النَّفْسِ مُعَلِّقٌ عَنِ الْعَمَلِ فَمَا أُوتِيْتُمْ خِطَابًا
لِّلْمُؤْمِنِينَ وَغَيْرِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ مِّنْ آثَاتِ الدُّنْيَا فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا يُتَمَتَّعُ بِهِ فِيهَا ثُمَّ يَزُولُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ مِّنَ
النَّوَابِ خَيْرٌ وَأَبْقَى لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ وَيَغْطِفُ عَلَيْهِ ۝ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ
مُوجِبَاتِ الْخُذُودِ مِّنْ عَطْفِ الْبَغْضِ عَلَى الْكُلِّ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ۝ يَتَجَاوَزُونَ
وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ أَجَابُوهُ إِلَى مَا دَعَاهُمْ إِلَيْهِ مِنَ التَّوْحِيدِ وَالْعِبَادَةِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِذَا سَأَلُوا وَأَمَرَهُمْ
الَّذِي يَبْدُو لَهُمْ شُورَى يَتَنَبَّهُونَ لَا يُشَاوِرُونَ فِيهِ وَلَا يُعْجَلُونَ وَمِمَّا زَرَقْنَاهُمْ أَغْطَيْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ فِي طَاعَةِ
اللَّهِ وَمَنْ ذَكَرَ صِنْفٌ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ الظُّلْمُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ۝ صِنْفٌ أَيْ يَنْتَقِمُونَ مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ
بِمِثْلِ ظُلْمِهِ كَمَا قَالَ تَعَالَى وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا سُمِّيَتْ الثَّانِيَةُ سَيِّئَةً لِّمِثْلَانِهَا لِأُولَى فِي
الصُّورَةِ وَهَذَا ظَاهِرٌ فِيمَا يُقْتَضَى فِيهِ مِنَ الْجَرَاحَاتِ قَالَ بَعْضُهُمْ وَإِذَا قَالَ لَهُ اخْزَاكَ اللَّهُ فَيُجِيبُهُ اخْزَاكَ اللَّهُ
فَمَنْ عَفَا عَنْ ظَالِمِهِ وَأَصْلَحَ الْوَدَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ بِالْعَفْوِ عَنْهُ فَاجْرُهُ عَلَى اللَّهِ أَيْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَاجِرُهُ لَا مُحَالَةً
إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ أَيْ الْبَادِينَ بِالظُّلْمِ فَيُرْتَبُ عَلَيْهِمْ عِقَابُهُ وَلَمَنْ أَنْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ أَيْ ظَلَمَ الظَّالِمَ آيَةً
فَأُولَئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيلٍ ۝ مُوَاخَذَةٌ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ يُعْمَلُونَ
فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ بِالْمَعَاصِي أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مُؤَلِّمٌ وَلَمَنْ صَبَرَ فَلَمْ يَنْتَصِرْ وَغَفَرَ تَجَاوَزَ

إِنَّ ذَلِكَ الصَّبْرَ وَالتَّجَاوُزَ لِمَنْ عَزَمَ الْأُمُورَ ۖ اِی مَعَزُومَاتِهَا بِمَعْنَى الْمَطْلُوبَاتِ شَرْعًا.

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں مصیبت بلا اور شدت پہنچتی ہے خطاب مومنین کو ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہے یعنی کردہ گناہوں کی وجہ سے ہے (گناہوں) کو ہاتھوں کے کرتوت سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ اکثر اعمال کے وجود میں ہاتھوں کی کوشش شامل ہوتی ہے، اور بہت سے گناہوں کو تو وہ معاف کر دیتا ہے کہ اس کی سزا نہیں دیتا، اللہ تعالیٰ بڑا کرم کرنے والا ہے، اس سے کہ آخرت میں کسی جرم کی سزا دوبارہ دے، رہے بے قصور، تو ان کو دنیا میں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ آخرت میں ان کے درجات کو بلند کرنے کے لئے ہے اور اے مشرک! تم بھاگ کر اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے کہ اس سے بچ کر نکل جاؤ اور تمہارے لئے اللہ کے سوانہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار کہ اس کے عذاب کو تم سے دفع کر سکے اور اس کی (قدرت) کی نشانیاں سمندروں میں پہاڑوں کے مانند عظیم کشتیاں ہیں اگر وہ چاہے تو ہوا بند کر دے کہ (یہ کشتیاں) سطح سمندر پر کھڑی (کی کھڑی) رہ جائیں یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے نشانیاں ہیں وہ مومن ہے جو تکلیف میں صبر کرتا ہے اور خوشحالی میں شکر کرتا ہے یا ان کشتی والوں کو ان کے اعمال بد کے باعث ہلاک کر دے، اس کا عطف یسکن پر ہے، یعنی ان کشتیوں کو مع ان کی سواریوں کے تیز ہوا (آندھی) کے ذریعہ غرق کر دے اور وہ تو بہت سی خطاؤں کو درگزر فرما دیا کرتا ہے، جس کی وجہ سے کشتی سواروں کو غرق نہیں کرتا اور تا کہ سمجھ لیں وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں کہ ان کے لئے عذاب سے بچ کر بھاگ نکلنے کی کوئی جگہ نہیں ہے، اور جملہ منفیہ یَعْلَمُ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے، یا نفی عمل سے روکنے والی ہے اور جو کچھ تم کو دنیوی اثاثہ دیا گیا ہے تو وہ دنیوی برت کے لئے ہے اس سے دنیا ہی میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے پھر وہ فنا ہو جائے گا، اور جو اجر اللہ کے پاس ہے وہ بدرجہا بہتر اور پائدار ہے وہ ان کے لئے ہے جو ایمان لائے اور صرف اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور الذین کا عطف للذین آمنوا پر ہے، اور وہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں، یعنی موجبات حدود سے پرہیز کرتے ہیں یہ عطف بعض علی الکل کے قبیل سے ہے، اور غصے کے وقت (بھی) معاف کر دیتے ہیں، درگزر (کر دیتے ہیں) اور اپنے رب کے توحید اور عبادت کے فرمان کو قبول کرتے ہیں (یعنی توحید و عبادت کی دعوت کو جس کی طرف ان کو بلایا جاتا ہے قبول کرتے ہیں) اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور درپیش آنے والا ان کا ہر کام آپسی مشورہ سے ہوتا ہے اور وہ عجلت نہیں کرتے اور جو (مال) ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے اللہ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں یہ جو مذکور ہوئے (مومنین کی) ایک صنف ہے اور جب ان پر ظلم ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں یہ (دوسری) صنف ہے یعنی ان لوگوں سے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہے اس کے ظلم کے برابر انتقام لے لیتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جزاء سیئة سیئة مثلھا اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے ثانی (یعنی انتقام) کا نام سیئة صورة اولی کے مشابہ ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے، اور یہ (مشابہہ صوری) ان زخموں میں ظاہر ہے جن کا قصاص (بدلہ) لیا جاتا ہے اور بعض حضرات نے (بطور مثال) کہا ہے اگر کسی

نے کہا اللہ تجھے ذلیل کرے تو اس کا جواب دیتا ہے اللہ تجھے ذلیل کرے اور جو اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کر دے اور اپنے اور ظالم کے درمیان (محبت) تعلقات کی اصلاح کر لے تو اس کا اجر اللہ پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کو یقیناً اجر عطا فرمائے گا، اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا یعنی ظلم کی ابتداء کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، ان پر اس (اللہ) کا عذاب واقع ہوگا اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد یعنی ظالم کے اس پر ظلم کرنے کے بعد (برابر) کا بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر مواخذہ کی کوئی صورت نہیں یہ مواخذہ کی صورت صرف ان لوگوں پر ہے جو (خود) دوسروں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق معاصی کے ذریعہ فساد کرتے پھریں یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے اور جس شخص نے صبر کر لیا کہ بدلہ نہ لیا، اور معاف کر دیا، یقیناً یہ صبر اور درگزر کرنا بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے اور ”معزومات“ مطلوب شرعی کے معنی میں ہے (یعنی افضل ہے)۔

تحقیق و تہذیب تفسیری فوائد

قَوْلًا: خطاب للمؤمنین اس عبارت کا مقصد ما اصابکم کے خطاب سے کافروں کو خارج کرنا ہے اس لئے کہ کفار کو دنیا میں جو مصائب پیش آتے ہیں وہ تعجیل بعض عذاب کے طور پر ہوتے ہیں، پورا عذاب آخرت میں ہوگا، اور مؤمنین کو دنیا میں جو مصائب پیش آتے ہیں یا تو گناہوں کے کفارہ کے طور پر پیش آتے ہیں یا پھر رفع درجات کے لئے۔

قَوْلًا: وَمَا اصابکم من مُصِيبَةٍ میں من مصیبة ما کا بیان ہے۔

قَوْلًا: فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ اگر ما اصابکم میں ما کو شرطیہ مانا جائے تو فَبِمَا كَسَبَتْ جواب شرط ہوگا، اور اگر ما کو موصول قرار دیا جائے تو مبتداء متضمن بمعنی شرط ہوگا اور فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ مبتداء کی خبر ہوگی، اور چونکہ مبتداء متضمن شرط ہے اس لئے اس کی خبر پر فاء داخل ہوگی، ایک قراءت میں بما كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ بغیر فاء کے ہے اس صورت میں مبتداء خبر کی ترکیب اولیٰ ہے، اس صورت میں شرط و جزاء قرار دینا اور فاء کو محذوف ماننا شاذ ہے۔

قَوْلًا: اِی كَسَبْتُمْ مِنَ الذُّنُوبِ ، فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ کی تفسیر، كَسَبْتُمْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ فعل کی، کاسب ذات ہوتی ہے، مگر چونکہ فعل کے کسب میں زیادہ حصہ اور دخل ہاتھوں کا ہوتا ہے اس لئے فعل کی نسبت مجازاً ہاتھوں (ایدی) کی طرف کر دی جاتی ہے۔ (صاوی)

”ذُنُوب“ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جسکی سزا دنیا ہی میں تکلیف و مصیبت کے ذریعہ دیدی جاتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس کو معاف کر دیا جاتا ہے، پھر اس پر کسی قسم کا مواخذہ نہ دنیا میں ہوتا ہے اور نہ آخرت میں، اور جن گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے ان کی تعداد بہ نسبت ان گناہوں کے کہ جن پر مواخذہ کیا جاتا ہے زیادہ ہے، اور اللہ تعالیٰ چونکہ اکرم الاکرمین ہیں لہذا جس گناہ کی سزا دنیا میں تکلیف کی صورت میں دیدی اس کی سزا دوبارہ نہ دیں گے اور نہ جن گناہوں کو معاف کر دیا ہے ان پر سزا دیں گے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک کی یہ آیت بڑی امید افزا ہے۔ (صاوی)

قَوْلٌ: هو تعالیٰ اکرم اس کا تعلق فیما کَسَبَتْ اَیْدِیکم سے ہے لہذا مناسب یہ تھا کہ اس کو وِیَعْفُوا عَنْ کَثِیرِ پر مقدم کر کے فیما کَسَبَتْ اَیْدِیکم کے متصل لاتے۔

قَوْلٌ: یا مشرکین پیش نظر نسخہ میں یا مشرکین ہے، مگر صحیح یا مشرکون ہے جیسا کہ جمل کے نسخہ میں یا مشرکون ہے، اس لئے کہ منادی بنی بر رفع ہوتا ہے، لہذا مرفوع بالواؤ کی صورت میں یا مشرکون ہونا چاہئے۔

قَوْلٌ: معجزین ای فارمین من عذابہ۔

قَوْلٌ: الجوار حذف یاء کے ساتھ رسم الخط کے اعتبار سے، اس لئے کہ یہ زائد یاؤں میں سے ہے، جَوَّار جاریۃ کی جمع ہے بمعنی جاری ہونے والی، کشتی۔

شبہ: بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ الْجَوَّار، السُّفُنُ موصوف محذوف کی صفت ہے جیسا کہ علامہ محلی نے السُّفُنُ محذوف مان کر حذف موصوف کی طرف اشارہ کیا، تقدیر عبارت یہ ہے کہ السُّفُنُ الجوار مگر یہاں السُّفُنُ موصوف کو حذف کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ موصوف کو اس وقت تک حذف کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ صفت موصوف کے ساتھ خاص نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ مررث بماش کہنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ ماش صفت عام ہے کسی موصوف کے ساتھ خاص نہیں ہے، ہاں البتہ مررث بمهندس، و مررث بکاتب کہہ سکتے ہیں حالانکہ مهندس اور کاتب بھی صفت ہیں مگر ان کے موصوف محذوف ہیں اس لئے کہ یہ صفات خاصہ میں سے ہیں، اس کے برخلاف البحرئی، السُّفُنُ کے ساتھ خاص نہیں ہے، لہذا اَلْکَسْفُنُ کا حذف جائز نہ ہونا چاہئے۔

رفع: حذف موصوف کا عدم جواز اس صورت میں ہے جب کہ صفت پر اسمیت غالب نہ ہو اور جب اسمیت غالب ہو جائے تو موصوف کا حذف جائز ہے، جیسا کہ اَبْرَقُ یہ صفت ہے بہت زیادہ چمکدار شئی کو کہتے ہیں، مگر اب ایک مخصوص شئی کا نام ہو گیا ہے جو کہ چمکدار دھات ہے، لہذا اب اس کے موصوف کو حذف کرنا جائز ہوگا، اسی طرح اَبْطَحُ اس کے معنی ہیں کشادہ اور سنگریزہ والا ہونا، مگر اب اس پر اسمیت غالب ہو کر مخصوص وادی کے معنی میں ہو گیا ہے، لہذا اس کے موصوف کو حذف کرنا جائز ہے، اسی طرح مِثْقٰی اس کے معنی ہیں صاف کیا ہوا، یہ صفت ہے مگر اس پر اسمیت غالب آگئی ہے، اس کا موصوف مویز ہے، پورا نام مویز مِثْقٰی ہے، جو عام طور پر دواؤں میں استعمال ہوتا ہے مگر اب موصوف کو حذف کر کے مِثْقٰی بولتے ہیں حتیٰ کہ اس کے موصوف کو اکثر لوگ جانتے بھی نہیں ہیں، اسی طرح الْجَوَّار جو کہ جاریۃ کی جمع ہے صفت ہے اس کے معنی ہیں جاری ہونے والی، چلنے والی، مگر اب اس پر اسمیت غالب آگئی ہے، جس کی وجہ سے جاریہ کشتی کو کہنے لگے ہیں، لہذا اب اس کے موصوف کو حذف کر سکتے ہیں، جیسا کہ مفسر علام نے السُّفُنُ مقدر مان کر حذف موصوف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلٌ: يَظْلَلْنَ، يَصْرُونَ ظَلٌّ سے مضارع جمع مؤنث غائب فعل ناقص، وہ ہو جائیں يَظْلَلْنَ کی تفسیر يَصْرُونَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں ظل مطلقاً صَارَ کے معنی میں ہے ورنہ تو ظل کے اصلی معنی دن میں کسی کام کے ہونے کی خبر دینا ہے،

جیسا کہ بات کے معنی رات میں کسی فعل کے ہونے کی خبر دینا ہے۔

قَوْلًا: صَبَّارٍ شَكُورٍ کی تفسیر وہو المؤمن سے کر کے اشارہ کر دیا کہ جو مذکورہ دونوں صفتوں کا حامل ہو وہ مومن کامل ہے، گویا کہ ایمان کے دو حصے ہیں، ایک صبر اور دوسرا شکر، صبر کا مطلب ہے معاصی پر صبر کرنا، اور شکر کا مطلب ہے واجبات کو ادا کرنا۔

قَوْلًا: بِأَهْلِيهِنَّ بَاءٌ بِمَعْنَى مَعَ یعنی اگر وہ چاہے تو کشتیوں کو مع کشتی سواروں کے غرق کر کے ہلاک کر دے۔

قَوْلًا: اِیْ اَهْلُهُنَّ یہ کَسَبُوا کے واؤ کی تفسیر ہے جس سے اہل کشتی مراد ہیں جو کہ سابق سے مفہوم ہیں، یُؤْبِقُهُنَّ اِنْبَاق (افعال) سے مضارع واحد مذکر غائب هُنَّ ضمیر مفعول وہ ان کو ہلاک کر دے تباہ کر دے۔

قَوْلًا: يَغْفُ عَنْ كَثِيرٍ مِنْهَا، عَفُوٌّ سے مضارع واحد مذکر مجزوم، جمہور نے يَغْفُ کو جواب شرط پر عطف ہونے کی وجہ سے مجزوم پڑھا ہے۔

قَوْلًا: مِنْهَا اِیْ السُّفُنُ او الذُّنُوبُ یعنی بعض کشتیوں کو غرق نہیں کرتا، یا بعض کشتی سواروں کی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔

قَوْلًا: يَعْلَمُ، يَعْلَمُ میں رفع اور نصب دونوں قراءتیں ہیں، رفع جملہ متانفہ ہونے کی وجہ سے اِیْ ہو يعلم اور نصب غرق کی علت پر عطف کی وجہ سے اِیْ يُغْرِقُهُمْ، لِيَنْتَقِمَ مِنْهُمْ وَيَعْلَمَ یعنی اگر چاہے تو ان کو غرق کر دے تاکہ وہ ان سے انتقام لے تاکہ ان لوگوں کو جانے (ظاہر کرے) جو ہماری آیتوں میں مجادلہ کرتے ہیں۔

قَوْلًا: مَا لَهُمْ مِنْ مَّحِيصٍ، مَا لَهُمْ خبر مقدم اور مِنْ مَّحِيصٍ مبتداء مؤخر، مِنْ زائدہ۔

قَوْلًا: مُعَلِّقٌ عَنِ الْعَمَلِ تعلیق، افعال قلوب کی خصوصیات میں سے ہے تعلیق، لفظاً عمل کے باطل کرنے کو کہتے ہیں، تعلیق عمل کے لئے یہ شرط ہے کہ فعل قلب استفہام یا نفی یا لام ابتداء سے پہلے واقع ہو، جیسا کہ یہاں فعل قلب يعلم ہے يعلم دو مفعول چاہتا ہے۔

قَوْلًا: فَمَا أُوتِيتُمْ مَاشَرِطِيہ اُوتِيتُمْ کا مفعول ثانی صدارت کلام کی وجہ سے مقدم ہے اُوتِيتُمْ کے اندر ضمیر مخاطب مفعول اول جو کہ نائب فاعل ہے۔

قَوْلًا: مِنْ شَيْءٍ یہ ما کا بیان ہے اس لئے کہ اس میں ابہام ہے۔

قَوْلًا: فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فاء جواب شرط پر ہے اور مَتَاعُ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اِیْ فَهُوَ مَتَاعٌ۔

قَوْلًا: وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ، مَا عِنْدَ اللَّهِ موصول صلہ سے مل کر مبتداء اور خیر اس کی خبر، اور لِلَّذِينَ الْخِ الْبَقِي کے متعلق ہے۔

قَوْلًا: وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ الْخِ کا عطف الدین آمنوا پر ہے، جملہ لام جار کے تحت ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے۔

قَوْلًا: كَبِيرِ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ ”کبار“ سے ہر قسم کے بڑے گناہ مراد ہیں اور فَوَاحِشِ سے مخصوص بڑے گناہ مراد ہیں، جس پر حد و دو قصاص جاری ہوتے ہیں۔

قَوْلًا: من عطف البعض على الكل یہ ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: کبار ہر قسم کے بڑے گناہ کو کہتے ہیں جن میں فواحش بھی شامل ہیں، تو پھر فواحش کے دوبارہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت؟

دفع: یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے یہ معطوف کی اہمیت کے پیش نظر کیا جاتا ہے، اس کو عطف بعض علی الكل بھی کہہ سکتے ہیں، جیسے حافظوا علی الصلوٰات والصلوة الوسطی میں ہے۔

قَوْلًا: وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ، ما زائدہ ہے فارسی میں کہتے ہیں ”چوں بخشم می آید ایشاں می آمرزند“ جب وہ غصہ ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں، إِذَا، یغفرون کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ما زائدہ ہے، اور یغفرون، ہم کی خبر ہے، جملہ ہو کر یجتنبون پر معطوف ہے، جو کہ الذین کا صلہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے والذین یجتنبون وهم یغفرون اس صورت میں عطف جملہ اسمیہ کا جملہ فعلیہ پر لازم آئے گا، دوسری ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ هُمْ غَضِبُوا کے اندر ضمیر فاعل کی تاکید ہو، اس صورت میں فیغفرون جواب شرط ہوگا۔

ابوالبقاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ هُمْ مبتداء اور یغفرون خبر ہے، اور جملہ ہو کر جواب شرط ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اگر إِذَا کا جواب ہو تو پھر فاء کا داخل ہونا ضروری ہے، مثلاً تو کہے إِذَا جَاءَ زَيْدٌ فَعَمْرٌو یَنْطَلِقُ مگر عَمْرٌو یَنْطَلِقُ جائز نہیں ہے۔ (جمل)

قَوْلًا: وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا اس کا عطف سابق موصول الذین پر ہے، مفسر علام نے استجابوا کی تفسیر اجابوہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ استجابوا میں س، ت زائد ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس نعمتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہتے ہیں۔

قَوْلًا: أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ، امرہم بہ ترکیب اضافی مبتداء، شوریٰ اس کی خبر بَيْنَهُمْ ظرف ہے۔
قَوْلًا: شوریٰ یہ شاورتہ (باب مفاعله) کا مصدر ہے بروزن بشریٰ و ذکرى مشورہ کرنا۔

(فتح القدیر، شوکانی ولغات القرآن)

قَوْلًا: يَبْغُونَ، يَفْعَلُونَ مفسر علام نے يَبْغُونَ کی تفسیر يَعْمَلُونَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ بغیر الحق تائیس کے لئے ہے نہ کہ تاکید کے لئے، اس لئے کہ بَغْيٌ ناحق ہی ہوتی ہے پھر اس کے بعد بغیر الحق کہنا یہ سابقہ مضمون کی تاکید ہوگی اور اگر يَبْغُونَ کو يَعْمَلُونَ کے معنی میں لیا جائے، تو بغیر الحق تائیس ہوگی اور تائیس تاکید سے بہتر ہوتی ہے۔

قَوْلًا: لَمِنْ عَزَمِ الْأُمُورِ یہ عزيمة سے ماخوذ ہے جو کہ رخصت کی ضد ہے یعنی صبر اور درگزر کرنا مندوب و مستحب ہے، گو مساوی طور پر انتقام بھی جائز ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيح

رَبِّ اَصَابَكُمْ، خطاب للذین آمنوا کہ جیسا کہ مفسر علام کی رائے ہے تو آیت کا سبب یہ ہوگا کہ تمہارے بعض گناہوں کا کفارہ تو تمہارے مصائب بن جاتے ہیں، جنہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں پہنچتے ہیں، اور یہ کہ گناہ وہ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ یوں ہی معاف فرمادیتا ہے، اور اللہ کی ذات بڑی کریم ہے، معاف کرنے کے بعد آخرت میں اس گناہ پر مواخذہ نہیں فرمائے گی۔ (مظہری ملخصاً)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جس شخص کے کسی لکڑی سے خراش لگتی ہے یا کوئی رگ پھڑکتی ہے یا قدم کو لغزش ہوتی ہے، یہ سب اس کے گناہوں کے سبب سے ہوتا ہے، اور ہر گناہ کی سزا اللہ تعالیٰ نہیں دیتے، بلکہ جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں، وہ ان سے بہت زیادہ ہیں جن پر کوئی سزا دی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم ملخصاً)

سُؤَالٌ: جب مصیبت سزائے اعمال ہے تو لازم ہے کہ صلحاء و اتقیا و اولیاء مصیبت میں کم مبتلا ہوں اور انبیاء و اطفال و حیوانات بالکل مصائب میں مبتلا نہ ہوں حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے بلکہ انبیاء و صلحاء کے مصائب بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہیں۔

جَوَابُ: صاحب بیضاوی نے کہا ہے کہ یہ آیت مجرمین کے ساتھ خاص ہے۔

فَائِدَةٌ: صلحاء و اولیاء کے مصائب ان کے درجات کی ترقی کے لئے ہیں۔

اور اگر خطاب عام ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ تمہیں جو مصائب دنیا میں پہنچتے ہیں، یہ تمہارے گناہوں کا نتیجہ ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے تو درگزر فرمادیتا ہے یعنی یا تو ہمیشہ کے لئے معاف فرمادیتا ہے یا ان پر فوری گرفت نہیں فرماتا، اور یہ تاخیر بھی ایک گونہ معافی ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرهَا مِنْ دَابَّةٍ (فاطر) اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کرتوتوں پر فوراً مواخذہ شروع کر دے تو زمین پر کوئی چلنے والا باقی ہی نہ رہے۔

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ (الایہ) یعنی تم بھاگ کر کسی ایسی جگہ نہیں جاسکتے کہ جہاں تم ہماری گرفت میں نہ آسکو، یا جو مصیبت ہم تم پر نازل کرنا چاہیں، اس سے تم بچ جاؤ۔

وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ، الْجَوَارِ يَ الْجَوَارِي، جَارِيَةٌ کی جمع ہے (چلنے والی) بمعنی کشتیاں، جہاز، یہ اللہ کی قدرت تامہ کی دلیل ہے کہ سمندروں میں پہاڑوں جیسی کشتیاں اور جہاز اس کے حکم سے چلتے ہیں، ورنہ اگر وہ حکم دے

اور ہوا اور وہ دے تو اپنی جگہ کھڑے کے کھڑے رہ جائیں، یا یہ کہ ہوا اس قدر تیز و تند کر دے کہ جس کی وجہ سے سمندر میں طغیانی آجائے اور یہ سب جہاز اور کشتیاں غرق ہو جائیں۔

وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَابْقَى لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (الآیۃ) دنیوی نعمتوں کے ناقص اور فانی ہونے کو بیان کرنے کے بعد آخرت کی نعمتوں کا کامل اور دائمی ہونا بیان فرمایا ہے، اور آخرت کی نعمتوں کے حصول کے لئے سب سے بڑی شرط ایمان ہے ایمان کے بغیر وہاں وہ نعمتیں کسی کو نہ ملیں گی، لیکن اگر ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا بھی پورا اہتمام کر لیا تو آخرت کی یہ نعمتیں یقیناً از ابتداء ہی مل جائیں گی ورنہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ملیں گی، اس لئے آیات مذکورہ میں سب سے پہلی شرط اَلَّذِينَ آمَنُوا بیان فرمائی، اس کے بعد خاص خاص اعمال کا ذکر فرمایا، جن کے بغیر ضابطہ کے مطابق آخرت کی نعمتیں شروع سے نہ ملیں گی، بلکہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ملیں گی، وہ خاص اعمال و صفات جن کی وجہ سے ابتداء ہی جنت کی نعمتیں حاصل ہو جائیں گی وہ سات بیان فرمائی ہیں۔

پہلی صفت:

عَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ جنت کی نعمتیں اور راحتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو ہر حال اور ہر کام میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے سوا کسی کو حقیقی کارساز نہیں سمجھتے۔

دوسری صفت:

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ ہر کبیرہ گناہ سے اور بالخصوص بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں، ”فواحش“ اگرچہ کبیرہ گناہوں میں شامل ہیں، پھر بھی ان کو الگ بیان کرنے میں حکمت یہ ہے کہ فواحش کا گناہ عام کبیرہ گناہ سے زیادہ سخت ہے اور مرض متعدی بھی، جس سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں، فواحش کا لفظ ان کاموں کے لئے بولا جاتا ہے جن میں بے حیائی ہو، جیسے زنا اور اس کے مقدمات نیز وہ گناہ جو ڈھٹائی کے ساتھ علانیہ کئے جائیں فواحش کہلاتے ہیں، کہ ان کا وبال بھی نہایت شدید اور پورے انسانی معاشرہ کو خراب کرنے والا ہے۔

تیسری صفت:

یعنی غصہ کی حالت میں جبکہ اچھا بھلا آدمی بھی توازن کھو بیٹھتا ہے، اور جائز و ناجائز، حق و باطل اور نتیجہ و انجام پر غور کرنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے، مگر مومنین صالحین کی اللہ نے یہ صفت بیان کی ہے کہ ایسے وقت میں بھی یہ لوگ نہ صرف یہ کہ عفو

و در گذر سے کام لیتے ہیں بلکہ انتقام کا اپنا حق ہوتے ہوئے بھی معاف کر دیتے ہیں، مطلب یہ کہ لوگوں سے عفو و درگزر کرنا ان کی طبیعت اور مزاج کا حصہ بن جاتا ہے، نہ کہ انتقام اور بدلہ لینا، جس طرح نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے مَا اِنْتَقَمَ لِنَفْسِهٖ قَطُّ آپ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بدلہ نہیں لیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب)

چوتھی صفت:

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ "استجابت" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو حکم ملے اس کو بے چون و چرا فوراً قبول کر لے خواہ وہ اپنی طبیعت کے موافق ہو یا مخالف، اس حکم کی بجا آوری میں اگرچہ تمام اسلامی احکام و فرائض شامل ہیں مگر چونکہ ان سب میں نماز سب سے اہم فریضہ ہے، اس لئے اس کو ممتاز اور الگ کر کے بیان فرمایا۔

پانچویں صفت:

وَاَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ یعنی ان کے کام آپس میں مشورہ سے طے ہوتے ہیں، شوریٰ بروزن بُشورٰی مفاعلہ کا اسم مصدر ہے، بمعنی ذو شوریٰ، مطلب یہ ہے کہ وہ اہم امور کہ شریعت نے ان میں کوئی متعین حکم نہیں دیا ان کو طے کرنے میں یہ لوگ آپسی مشورہ سے کام لیتے ہیں، اہم امور کی قید خود لفظ اَمْرٌ سے مستفاد ہے، اس لئے کہ عرف میں امرٌ ایسے ہی کاموں کے لئے بولا جاتا ہے جن کی اہمیت ہو، جیسا کہ سورۃ آل عمران میں آپ ﷺ کو حکم فرمایا وَاَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ جنگی معاملات اور دیگر معاملات میں مشورہ کا اہتمام فرماتے تھے، جس سے مسلمانوں کی ہمت افزائی بھی ہوتی تھی، اور دل جوئی بھی، اور معاملہ کے مختلف گوشے بھی واضح ہو جاتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب زخمی ہو گئے، اور بقاء زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو امر خلافت میں مشورہ کے لئے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی نام زد کر دی، جس میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے، ان حضرات نے آپس میں اور دیگر حضرات سے مشورہ کر کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا، بعض لوگ مشاورت کے اس حکم سے ملوکیت کی تردید اور جمہوریت کا اثبات کرتے ہیں، حالانکہ مشاورت کا اہتمام ملوکیت میں بھی ہوتا ہے، بادشاہ کی بھی مجلس مشاورت ہوتی ہے، جس میں ہر معاملہ میں غور و خوض ہوتا ہے، لہذا اس آیت سے ملوکیت کی نفی قطعاً نہیں ہوتی، علاوہ ازیں جمہوریت کو مشاورت کے ہم معنی سمجھنا یکسر غلط ہے، مشاورت ہر کہ و مہ سے نہیں ہو سکتی، اور نہ اس کی ضرورت ہی ہے، مشاورت کا مطلب ان لوگوں سے مشورہ کرنا ہے، جو اس معاملہ کی نزاکتوں اور ضرورتوں نیز باریکیوں کو سمجھتے ہیں جس معاملہ میں مشورہ درکار ہوتا ہے، مثلاً بلڈنگ، پل وغیرہ بنانا ہو تو کسی تانگہ بان، یارکشہ پولر یا کسی غیر متعلق عام آدمی سے مشورہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ کسی انجینئر سے مشورہ کیا جائے گا، اگر کسی مرض کے بارے میں مشورہ کی ضرورت ہو تو طب و حکمت کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جائے گا، جبکہ جمہوریت میں اس کے برعکس بالغ شخص کو مشورہ کا اہل سمجھا جاتا ہے، خواہ کورا جاہل، بے شعور، امور سلطنت کی نزاکتوں سے یکسر بے بہرہ اور نابلد ہی

کیوں نہ ہو، بنا بریں مشاورت کے لفظ سے جمہوریت کا اثبات تحکم اور دھاندلی کے سوا کچھ نہیں اور جس طرح سوشلزم کے ساتھ اسلامی کا لفظ لگا دینے سے سوشلزم ”مشرف بہ اسلام“ نہیں ہو سکتا اسی طرح جمہوریت میں اسلام کی پیوندکاری سے مغربی جمہوریت پر خلافت کی قبا راست نہیں آسکتی، اسلام نے امیر کا انتخاب بھی مشورہ پر موقوف کر کے زمانہ جاہلیت کی شخصی بادشاہتوں کو ختم کیا ہے، جنہیں ریاست بطور وراثت ملتی تھی، اسلام نے سب سے پہلے اس کو ختم کر کے حقیقی جمہوریت کی بنیاد ڈالی، مگر مغربی جمہوریت کی طرح عوام کو ہر طرح کے اختیارات نہیں دیئے، اور اہل شوریٰ پر کچھ پابندیاں عائد فرمائی ہیں، اس طرح اسلام کا نظام حکومت شخصی بادشاہت اور مغربی جمہوریت دونوں سے الگ ایک نہایت معتدل دستور ہے۔

چھٹی صفت:

مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ یعنی وہ لوگ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں جس میں زکوٰۃ، نفلی صدقات وغیرہ سب شامل ہیں۔

ساتویں صفت:

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ بدلہ لینے سے عاجز نہیں ہیں اگر بدلہ لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، تاہم قدرت کے باوجود معافی کو ترجیح دیتے ہیں، جیسے نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن اپنے خون کے پیاسوں کے لئے عام معافی کا اعلان فرمادیا، حدیبیہ میں آپ نے ان اتنی آدمیوں کو معاف کر دیا جنہوں نے آپ کے خلاف سازش تیار کی تھی، لبید بن عاصم یہودی سے آپ نے بدلہ نہیں لیا، جس نے آپ پر جادو کیا تھا، اس یہودیہ سے آپ نے کچھ نہیں کہا جس نے آپ کے کھانے میں زہر ملا یا تھا۔

جزاؤ اسیلۃ سیلۃ یہ بدلہ لینے کی اجازت ہے، برائی کا بدلہ اگرچہ برائی نہیں ہے لیکن مشاکلت کے طور پر اسے بھی برائی ہی کہا جاتا ہے۔

مَسْئَلَةٌ: انتقام میں تعدی حرام ہے، اور ظلم اور غفوج محبوب اور موجب اجر عظیم۔

مَسْئَلَةٌ: حنفیہ کے یہاں جن زخموں میں مساوات متعذر رہے ان میں قصاص تجویز نہیں کیا گیا، صرف مالی خون بہا رکھا گیا ہے۔ (خلاصۃ التفاسیر)

ترغیب:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، کہ آپ ہنسے اور آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، خندہ جاں پرور

کس لئے ہوا، فرمایا میری امت کے دو آدمی حق تعالیٰ کے حضور میں دو زانو بیٹھیں گے، تو ایک کہے گا اے میرے رب میرے اس بھائی سے میرا بدلہ دلا دے، ارشاد ہوگا اب تو اس کے پاس کوئی نیکی باقی نہیں ہے، تیرا بدلہ کیونکر دلا یا جائے، مدعی کہے گا اے میرے رب میرے گناہ اس پر ڈال دے، یہ کہہ کر آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور فرمایا یہ بڑا سخت دن ہے، آدمی اپنا بوجھ دوسرے پر ڈالنے کے خواہاں ہوں گے، پھر حق تعالیٰ مدعی سے فرمائے گا، اوپر دیکھ، یہ دیکھ کر کہے گا، اے رب میں سونے سے بنے ہوئے شہر دیکھتا ہوں، جن میں جواہرات جڑے ہوئے ہیں، یہ کس پیغمبر یا کس ولی یا کس شہید کے ہیں، ارشاد ہوگا جو اس کی قیمت ادا کرے، عرض کرے گا اتنی قیمت کس کے پاس ہے؟ ارشاد ہوگا تیرے پاس ہے، یہ عرض کرے گا وہ کیا ہے؟ ارشاد ہوگا اپنے بھائی کو معاف کرنا، یہ عرض کرے گا اے میرے رب میں نے معاف کر دیا، ارشاد ہوگا اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں داخل ہو جا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور آپس میں اصلاح کرو، بے شک اللہ مسلمانوں میں صلح کرادے گا۔

(خلاصۃ التفاسیر، تائب لکھنوی)

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَلِيٍّ مِنْ بَعْدِهِ ۖ اِیٰ اَحَدٌ یَلِیْ ہِدَايَتِهِ بَعْدَ اضْلَالِ اللّٰہِ اِیَاہِ وَتَرَى الظَّالِمِیْنَ لَمَّا رَاُوْا الْعَذَابَ یَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰی مَرَدٍّ اِلٰی الدُّنْیَا مِنْ سَبِیْلِ ۙ طَرِیْقِی وَتَرٰهُمْ یَعْرَضُوْنَ عَلَیْہَا اِی النَّارِ خَشِیْعِیْنَ خَائِفِیْنَ مُتَوَاضِعِیْنَ مِنَ الدَّلٰلِ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْہَا مِنْ طَرَفٍ خَفِیٍّ ضَعِیْفِ النَّظْرِ مَسَارِقَةٌ وَبِیْنَ اِبْتِدَائِیَّةٍ اَوْ بِمَعْنٰی الْبَاءِ وَقَالَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیَّہُمْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ ۖ بَتَّ خَلِیْدِیْہُمْ فِی النَّارِ وَعَدَمُ وُضُوْلِهِمْ اِلٰی الْحُوْرِ الْمُعَدَّةِ لَہُمْ فِی الْجَنَّةِ لَوْ اٰمَنُوْا وَالمَوْضُوْلُ خَبْرٌ اَنْ اِلَّا اِنَّ الظَّالِمِیْنَ الْکٰفِرِیْنَ فِیْ عَذَابٍ مُّقِیْمٍ ۙ دَائِمٌ ہُوْ مِنْ مَقُوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَمَا كَانَ لَہُمْ مِنْ اَوْلِیَآءٍ یَنْصُرُوْنَہُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِیٰ غَیْرِہِ یَذْفَعُ عَذَابَہُ عَنْہُمْ وَمَنْ یُضِلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِیْلِ ۙ طَرِیْقِی اِلٰی الْحَقِّ فِی الدُّنْیَا وَاِلٰی الْجَنَّةِ فِی الْاٰخِرَةِ ۖ اَسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ اَحْبَبُوْہُ بِالتَّوْحِیْدِ وَالْعِبَادَةِ ۖ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّآئِیَ یَوْمٌ ہُوْ یَوْمُ الْقِیَمَةِ لَا مَرَدَّ لَہُ مِنَ اللّٰہِ اِیٰ اِنَّہٗ اِذَا اَتٰی بِہٖ لَا یُرَدُّہٗ ۖ مَا لَکُمْ مِنْ مَّلَاجٍ تَلْجُئُوْنَ اِلَیْہِ ۖ یَوْمَیْذٍ وَمَا لَکُمْ مِنْ نَّکِیْرٍ ۙ اِنْکَارِ لَذُنُوْبِکُمْ فَلَنْ اَعْرَضُوْا عَنْ الْاِجَابَةِ ۖ فَمَا اَرْسَلْنَاکَ عَلَیْہُمْ حَفِیْظًا ۖ نَحْفَظُ اَعْمَالَہُمْ بَانَ تُوَافِقُ الْمَطْلُوْبَ مِنْہُمْ اِنْ مَا عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۖ وَبِذَا قَبِلَ الْاَمْرَ بِالْجَنَادِ ۖ وَاِذَا اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِتَارِحَمَةً نِّعْمَةً کَالْغِنٰی وَالصَّحْحَةَ ۖ فَرِحَ بِہَا ۖ وَاِنْ تُصِیْبُہُمْ الضَّمِیْرُ لِلْاِنْسَانِ بِاعْتِبَارِ الْجِنْسِ سِیَّئَةً یَّمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْہُمْ اِیٰ قَدُّوْہُ وَغُبَّرَ بِالْاَیْدِیْ لِاَنْ اَکْثَرَ الْاَفْعَالِ تَزَاوُلُ بِہَا ۖ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ کَفُوْرٌ ۙ لِلنِّعْمَةِ ۖ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۖ یَهْبُ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنَ الْاَوْلَادِ اِنَّا نَاوِیْہُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذَّکُوْرَ ۙ اَوْ یُزَوِّجُہُمْ اِیٰ یَجْعَلُہُمْ ذُکْرًا اَوْ اُنْثٰی ۖ وَیَجْعَلُ مِنْ نِّشَآءٍ عَقِیْمًا ۖ فَلَا یِلْدُ وَلَا یُوْلَدُ لَہٗ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ ۖ بِمَا یَخْلُقُ قَدِیْرٌ ۙ عَلٰی مَا یَشَآءُ ۖ وَمَا كَانَ لِیُبَشِّرَ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا اَنْ یُّوْحٰی اِلَیْہِ ۖ وَحِیًّا فِی الْمَنَامِ اَوْ بِالْاَنۡہَامِ اَوْ اِلَا مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ۖ بَانَ یُسْمَعُ کَلَامُہٗ وَلَا یَرٰہُ کَمَا وَقَعَ لِمُوسٰی عَلَیہِ السَّلَامُ اَوْ اِلَا اَنْ

يُرْسِلُ رَسُولًا مَلَكًا كَجِبْرِيلَ فَيُوحِي الرُّسُولَ إِلَى الْمُرْسَلِ إِلَيْهِ أَيْ يُكَلِّمُهُ بِإِذْنِهِ أَيْ اللَّهُ مَا يَشَاءُ اللَّهُ إِنَّهُ عَلَى
عَنْ صِفَاتِ الْمُحَدَّثِينَ حَكِيمٌ ۝ فِي صُنْعِهِ وَكَذَلِكَ أَيْ بِمِثْلِ إِيحَائِنَا إِلَى غَيْرِكَ مِنَ الرُّسُلِ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ يَا
مُحَمَّدُ رُوحًا هُوَ الْقُرْآنُ بِهِ تُخَوِّي الْقُلُوبَ مِنْ أَمْرِنَا الَّذِي نُوحِيهِ إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَدْرِي تَعْرِفُ قَبْلَ الْوَحْيِ
إِلَيْكَ مَا لِكِتَابِ الْقُرْآنِ وَلَا الْإِيمَانِ أَيْ شَرَائِعِهِ وَمَعَالِمِهِ الْاسْتِفْهَامُ مُعَلِّقٌ لِلْفِعْلِ عَنِ الْعَمَلِ أَوْ مَا بَعْدَهُ سُدَّ
مَسَدُ الْمَفْعُولَيْنِ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ أَيْ الرُّوحَ أَوْ الْكِتَابَ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي تَدْعُو
بِالْمُوحَى إِلَيْكَ إِلَى صِرَاطٍ طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ دِينَ الْإِسْلَامِ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مُلْكًا
وَخَلْقًا وَعَبِيدًا إِلَّا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ۝ تَرْجِعُ.

۵۶۶

ترجمہ: اور اللہ جسے گمراہ کر دے اس کے بعد اس کا کوئی کارساز نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے اس کو گمراہ کرنے کے بعد اس
کی ہدایت کا کوئی ولی نہیں، اور (اے مخاطب) تو دیکھے گا کہ ظالم لوگ عذاب کو دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے کہ کیا دنیا کی طرف لوٹنے
کی کوئی صورت ہے اور (اے مخاطب) تو دیکھے گا کہ وہ جہنم کے سامنے لاکھڑے کئے جائیں گے، خوف و ذلت کے مارے جھکے
جارہے ہوں گے، اور نکلیوں سے دزدیدہ نظروں سے اسے (جہنم کو) دیکھ رہے ہوں گے، مَنْ ابتدأ یہے یا بمعنی باء ہے
مومنین کہیں گے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جنہوں نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو دائمی عذاب میں مبتلا
کر کے اور ان حوروں تک رسائی حاصل نہ کر کے جو ان کے لئے جنت میں تیار کی گئی ہیں، نقصان میں ڈال دیا، اگر وہ ایمان
لاتے، اور موصولِ اِن کی خبر ہے یاد رکھو کہ یقیناً ظالم کافر دائمی عذاب میں ہوں گے یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے ان کا کوئی مددگار جو
اللہ سے الگ ان کی مدد کر سکے یعنی اللہ کے سوا ان کا کوئی نہیں، جو ان کے عذاب کو دفع کر سکے، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے
لئے نہ دنیا میں حق کی طرف کوئی راستہ ہے اور نہ آخرت میں جنت کی طرف، اپنے رب کا توحید و عبادت کا حکم مان لو قبل اس
کے کہ وہ دن آپہنچے اور وہ قیامت کا دن ہے کہ جس کے لئے اللہ کی جانب سے ہٹنا نہ ہوگا یعنی جب اللہ اس دن کو لے آئے گا تو
(پھر) اس کو نہ ٹالے گا تمہیں اس روز نہ تو کوئی پناہ گاہ ملے گی کہ جس میں تم پناہ لے سکو اور نہ تم کو تمہارے گناہوں سے انکار کی
کوئی صورت، پس اگر وہ قبول کرنے سے اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ان کے اعمال کی
نگرانی کریں، کہ ان کے اعمال ان اعمال کے موافق ہوں جو ان سے مطلوب ہیں آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے یہ حکم
جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے اور ہم جب کبھی انسان کو اپنی رحمت و نعمت کا مثلاً غنا اور صحت کا مزا چکھا دیتے ہیں تو اس پر وہ اترانے
لگتا ہے اور اگر انہیں ان کے اعمال کی بدولت کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو انسان اللہ کی نعمت کی ناشکری کرنے لگتا ہے (تُصِيبُهُمْ)
میں ضمیر جنس کے اعتبار سے انسان کی طرف راجع ہے قَدَمْتُ اَيَّدِيْہُمْ کا مطلب ہے قَدَمُوْہ اور ذات کو ایدی سے تعبیر اس
لئے کیا ہے کہ اکثر اعمال ہاتھوں ہی کی شرکت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے وہ جو

چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اولاد میں سے بٹی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹا دیتا ہے یا دونوں کو جمع کر دیتا ہے یعنی ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے نہ بیوی جنتی ہے اور نہ شوہر کے لئے جنا جاتا ہے، اور وہ جو پیدا کرتا ہے اس کے بارے میں بڑا علم والا ہے، اور جو چاہے اس پر (کامل) قدرت والا ہے اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ کسی بندے سے کلام کرے مگر اس کی طرف وحی بھیج کر خواہ خواب میں یا الہام کے ذریعہ یا حجاب کے پیچھے سے بایں طور کہ بندہ کو اپنا کلام سنائے اور بندہ اس کو نہ دیکھے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا، یا کسی قاصد یعنی فرشتے کو بھیجے جیسا کہ جبرائیل علیہ السلام کو کہ وہ فرستادہ اللہ کی اجازت سے مرسل الیہ کو وحی کرے بایں طور کہ جو چاہے اس سے کلام کرے بلاشبہ وہ محدثین کی صفات سے برتر ہے، اپنی صنعت میں حکمت والا ہے اور اسی طرح یعنی دوسرے رسولوں کے مانند اے محمد ﷺ آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو بھیجا (یعنی) اس حکم کو کہ جس کی ہم آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں، اور وہ قرآن ہے جس سے قلوب زندہ ہوتے ہیں اور آپ کی طرف وحی بھیجنے سے پہلے آپ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب قرآن کیا چیز ہے؟ اور نہ ایمان کو جانتے تھے یعنی ایمان (اسلام) کے احکام و شرائع کو نہیں جانتے تھے، اور استفہام فعل کو عمل سے مانع ہے یا استفہام کا مابعدہ مفعولوں کے قائم مقام ہے لیکن ہم نے اس کو یعنی روح کو یا کتاب کو نور بنا دیا جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اس کے ذریعہ ہدایت دیتے ہیں، بے شک آپ اپنی طرف بھیجی ہوئی وحی کے ذریعہ صراط مستقیم یعنی دین اسلام کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اس اللہ کی راہ کی طرف کہ جس کی ملکیت میں آسمان اور زمین کی ہر چیز ہے ملک کے اعتبار سے اور تخلیق کے اعتبار اور مملوک ہونے کے اعتبار سے آگاہ رہو سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: أَحَدُ يَلِي، مِنْ وَلِيٍّ کی تفسیر ہے اَنِّ لَيْسَ لَهُ وَلِيٌّ يَلِيْ هِدَايَتُهُ بَعْدَ اِضْلَالِهِ اس صورت میں مِنْ بَعْدِهِ کی ضمیر اضلال کی طرف راجع ہوگی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعدہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو اور بعد اللہ، سِوَى اللّٰہِ کے معنی میں ہو، اس صورت میں ترجمہ ہوگا، اللہ کے سوا اس کا کوئی ولی نہ ہوگا۔

قَوْلًا: وَ تَرَى الظَّالِمِيْنَ جملہ حالیہ ہے، اور رویت سے رویت بصریہ مراد ہے، اور مخاطب ہر وہ شخص ہے جس میں رویت کی صلاحیت ہو۔

قَوْلًا: مَرَدٍّ، رَدُّ سے ظرف زمان و مکان، لوٹانے کا وقت، لوٹانے کا مقام۔

قَوْلًا: عَلَيْنَهَا یہ ایک سوال کا جواب۔

سُؤَالٌ: عَلَيْنَهَا میں ہاء ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ اگر ماقبل میں مذکور نہیں ہے تو اضاہار قبل الذکر لازم آتا ہے، اور اگر ماقبل میں مذکور، العذاب کی طرف راجع ہے تو ضمیر و مرجع میں مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ عذاب مذکور ہے اور ہاء ضمیر مؤنث ہے۔

جَوَابُ: ہاء ضمیر کا مرجع نار ہے جیسا کہ شارح نے اشارہ کر دیا ہے جس پر العذاب دلالت کر رہا ہے، لہذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔ (جمل)

قَوْلُهُ: تَرَاهُمْ، تَرَى سے رویت بصری مراد ہے، يُعْرَضُونَ اور خَاشِعِينَ دونوں ضمیر سے جملہ ہو کر حال ہیں۔
قَوْلُهُ: مِنَ الدَّلِّ، خاشعین سے متعلق ہیں۔

قَوْلُهُ: مِنَ الطَّرَفِ طرف سے مراد آنکھ ہے، بعض حضرات نے مصدری معنی یعنی دیکھنا بھی مراد لیا ہے، شارح کی عبارت کے مناسب اول معنی ہیں طرفٌ خَفِیُّ چشم نیم باز، شرمندہ نظر کو کہتے ہیں، چشم ضعیف و چشم نیم باز، و چشم بیمار، تقریباً ایک ہی مفہوم کو ادا کرتے ہیں:۔

ہموگان سیاہ کردی ہزاراں رخسہ در دینم بیا کر ”چشم بیمار“ ہزاراں درد بر چینم
(حافظ)

شاعر شرمندہ نظر کو چشم بیمار سے تعبیر کر رہا ہے، قیامت کے روز جب مجرموں کو دوزخ کے روبرو پیش کیا جائے گا تو مارے شرم و ذلت کے آنکھوں کو پوری طرح کھول بھی نہ سکیں گے بلکہ گوشہائے چشم کے ذریعہ دزدیدہ نظروں سے دیکھیں گے۔

قَوْلُهُ: ، يَنْظُرُونَ إِلَيْهَا، إِلَيْهَا کی ضمیر بھی، العذاب سے مفہوم، النار کی طرف راجع ہے مِنْ طَرَفٍ میں مِنْ ابتداء یہ ہے یا بمعنی باء ہے، دوسری صورت زیادہ واضح ہے۔

قَوْلُهُ: الَّذِينَ خَسِرُوا، اِنَّ کی خبر ہے، اور الْخَسِرِينَ اِنَّ کا اسم ہے۔

قَوْلُهُ: بِتَخْلِيدِهِمْ فِي النَّارِ و عدم وصولہم الی الحور اس میں لف و نشر مرتب ہے، بتخلید انفسہم کا تعلق الَّذِينَ خَسِرُوا اَنْفُسَهُمْ سے ہے اور عدم وصولہم کا تعلق اٰھْلِیْہِم سے ہے، اور اہل کے بارے میں نقصان کا مطلب یہ ہے کہ جو حور و غلمان ان کے لئے ایمان لانے کی صورت میں تیار کئے گئے تھے اب وہ ان سے محروم رہیں گے، اور بعض حضرات نے یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے اہل سے دنیا کے اہل مراد ہوں، ان کے بارے میں نقصان کی یہ صورت ہوگی کہ وہ جنت میں دوسروں کے حوالہ کر دیئے جائیں گے۔ (حاشیہ جلالین)

مفسر علام نے هُوَ مِنْ مَقُولِ اللّٰہِ تعالیٰ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ اَلَا اِنَّ الظَّالِمِیْنَ فِی عَذَابٍ مُّقِیْمٍ اللّٰہ تعالیٰ کا مقولہ ہے اور مومنین کے قول کی تصدیق ہے، اور بعض حضرات نے اس کلام کو مومنین کے کلام ہی کا تتمہ قرار دیا ہے۔

قَوْلُهُ: لَا یُرَدُّ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مِنَ اللّٰہ، مُرَدُّ کے متعلق ہے، اس کا تعلق یَاتِی سے بھی جائز ہے۔

قَوْلُهُ: اِنْكَارٍ لِّذُنُوبِكُمْ اس عبارت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نِکِیْرٌ خلاف قیاس اَنْکَر کا مصدر ہے یعنی مجرمین کو اپنے گناہوں کا انکار ممکن نہ ہوگا اس لئے کہ صحیفہ اعمال میں ان کے اعمال محفوظ ہوں گے، اور مجرمین کے اعضاء و جوارح ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ (جمل)

قَوْلًا: فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِیْظًا یہ جملہ شرط کے جواب محذوف کی علت ہے یعنی اِنْ اَعْرَضُوا شرط ہے اور فَلَا تَحْزَنْ جواب شرط محذوف ہے، لَٰنَا مَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِیْظًا یعنی مشرکین کے اعراض کرنے پر غمگین نہ ہوں، اس لئے کہ ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا، آپ کی ذمہ داری تبلیغ ہے اور بس، یعنی بلا وجہ اس فکر میں نہ پڑیں کہ ان کے اعمال ان سے مطلوب اعمال کے مطابق ہیں یا نہیں۔

قَوْلًا: الضمیر للانسان باعتبار الجنس یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: تُصِبُّهُمْ کی ضمیر انسان کی طرف راجع ہے ضمیر و مرجع میں مطابقت نہیں ضمیر جمع ہے اور مرجع واحد ہے **جواب:** انسان لفظ کے اعتبار سے اگرچہ واحد ہے مگر جنس ہونے کے اعتبار سے جمع ہے لہذا جمع کی ضمیر لانا درست ہے، اور فَرَح کو مفرد لایا گیا ہے، انسان کے لفظ کا اعتبار کر کے۔

قَوْلًا: فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے، اصل میں فَإِنَّهُ كَفُورٌ ہے، کرخی نے کہا ہے کہ یہ جملہ جواب شرط ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ جواب محذوف کی علت ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَإِنْ تُصِبُّهُمْ سَيِّئَةٌ نَّسِي النِّعْمَةِ رَأْسًا فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ نَّسِي النِّعْمَةِ رَأْسًا جواب شرط محذوف ہے، فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ جواب شرط کی علت ہے۔

قَوْلًا: فَلَا يَلِدُ وَلَا يُولَدُ لَهُ، فَلَا يَلِدُ کا تعلق امرأۃ سے ہے یعنی اگر بانجھ عورت ہو لَا يَلِدُ بولا جائے گا مگر اس صورت میں تِلِدُ تاء کے ساتھ ہونا چاہئے، البتہ کہا جاسکتا ہے کہ مَنْ کے لفظ کی رعایت سے يَلِدُ مذکر لانا درست ہے بعض نسخوں میں تِلِدُ بھی ہے جو کہ زیادہ مناسب ہے، اور وَلَا يُولَدُ لَهُ کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جب (عقم) بانجھ پن مرد میں ہو اور مصباح میں ہے کہ لَا يُولَدُ لَهُ دونوں صورتوں میں بولا جاتا ہے، عقم خواہ مرد میں ہو یا عورت میں۔ (حاشیہ جلالین)

قَوْلًا: وَلَا يَرَاهُ اس عبارت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں حجاب کے لازم معنی یعنی عدم رویت مراد ہیں، اس لئے کہ اللہ کے لئے حجاب ممکن نہیں ہے، بلکہ حجاب بندے کی صفت ہے۔

قَوْلًا: مَا الْكِتَابُ، مَا اسْتَفْهَمَ مَبْتَدَأً ہے، الْكِتَابُ اس کی خبر ہے، کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے اِی مَا كُنْتُ تَذَرِيْ جَوَابِ مَا الْكِتَابُ یعنی آپ اس سوال کا جواب بھی نہ جانتے تھے کتاب کیا ہے؟ (جمل)

قَوْلًا: اِی شَرَائِعِهِ وَمَعَالِمِهِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سُؤَال: آپ ﷺ تو نبوت سے قبل ہی توحید کے مقرر تھے اور اللہ کی توحید سے بخوبی واقف تھے، غار حراء میں اللہ وحدہ لا شریک لہ کی بندگی کرتے تھے تو پھر آپ کے بارے میں کہ آپ ایمان سے واقف نہیں تھے، اس کا کیا مطلب ہے؟ **جواب:** ایمان سے مراد احکام و شرائع اور اس کی تفصیل ہیں جن سے آپ نزول وحی سے پہلے واقف نہیں تھے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيح

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا (الآية) آخرت میں مومنین جب مشرکین و کافرین کی حالت زار کو دیکھیں گے تو کہیں گے، یہ کافر ہمیں دنیا میں بیوقوف اور دنیوی خسارے کا حامل سمجھتے تھے، جبکہ ہم دنیا میں صرف آخرت کو ترجیح دیتے تھے، اور دنیا کے خساروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، آج دیکھ لو حقیقی خسارے سے کون دوچار ہے؟ آیا وہ جنہوں نے دنیا کے عارضی خسارے کو نظر انداز کئے رکھا اور آج وہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں، یا وہ جنہوں نے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا تھا، اور آج ایسے عذاب میں گرفتار ہیں، جس سے اب چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔

مَا لَكُمْ مِنْ مَلْجَأٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَكِيرٍ نکیر کے معنی انکار کے ہیں، یعنی اے مشرک! تم روز قیامت اپنے گناہوں کا انکار نہ کر سکو گے، کیونکہ اول تو سب لکھے ہوئے ہوں گے، دوسرے خود ان کے اعضاء بھی گواہی دیں گے، اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تمہارے لئے کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی کہ جس میں تم چھپ کر انجان و بے نشان بن جاؤ اور پہچانے نہ جا سکو، یا نظر ہی نہ آسکو۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا یعنی اگر یہ لوگ آپ کی دعوت سے اعراض کریں تو آپ زیادہ فکر مند اور زیادہ رنجیدہ نہ ہوں، اس لئے کہ آپ کو ان پر نگہبان اور ان کے اعمال کا نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا، مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذمہ داری صرف اور صرف اتنی ہے کہ آپ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیں، مانیں نہ مانیں، آپ سے اس کی باز پرس نہیں ہوگی، اس لئے کہ ہدایت دینا آپ کے اختیار میں ہے ہی نہیں، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے، اسی مضمون کو دوسری آیتوں میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (البقرة) فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد) فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ (الغاشية) ان تمام آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ آپ امت کو اپنا پیغام پہنچا دیں، اور بس۔

نکتہ: إِذَا أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً (الآية) دنیوی نعمتیں اگرچہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہوں مگر سعادت اخروی کے مقابلہ میں ان کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسا کہ دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ، اور کھانے کے مقابلہ میں چکھنا، اسی وجہ سے مذکورہ آیت میں دنیوی نعمتوں کو چکھانے سے تعبیر فرمایا ہے۔ (حمل)

نکتہ: دنیوی نعمتوں کے حصول کو اذا سے تعبیر فرمایا ہے جو کہ یقیناً حصول پر دلالت کرتا ہے اور اخروی بلاء و مصیبت کو ان سے تعبیر کیا ہے جو یقیناً حصول پر دلالت نہیں کرتا، دونوں کی تعبیر میں فرق اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت، صفت غضب سے بہت بڑھی ہوئی ہے، گویا کہ رحمت ذات خداوندی کا تقاضہ ہے، وہ دنیا میں بڑے سے بڑے ملحد و مشرک کو دنیوی نعمتوں سے محروم نہیں کرتا، اور کسی کا بھی اس کے جرم و خطا کی وجہ سے رزق بند نہیں کرتا بلکہ زیادہ تر گناہوں سے درگزر فرماتا ہے، اس لئے ہر جرم و خطا کی سزا یقینی نہیں، اور غیر یقینی چیز کے لئے ان کا استعمال ہوتا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیۃ) یعنی کائنات میں صرف اسی کی مشیت اور تدبیر چلتی ہے، وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی کرنے کی قدرت اور اختیار نہیں رکھتا، جب یہ بات علم ہے کہ کائنات میں تصرف صرف اسی کا حق ہے کسی کی اس میں دخل اندازی کی گنجائش نہیں تو وہ اپنی مشیت اور اختیار کے ماتحت، جس کو چاہتا ہے لڑکا دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے لڑکی اور جس کو چاہتا ہے دونوں دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے دونوں سے محروم کر دیتا ہے، یہ تقسیم اولاد کے اعتبار سے ہے یعنی فروع کے اعتبار سے، اصول کے اعتبار سے بھی انسانوں کی چار قسمیں ہیں ① بغیر ماں باپ کے جیسے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا، نہ ان کی ماں ہے اور نہ باپ ② بغیر ماں کے جیسے حضرت حوا کہ ان کو صرف مرد (آدم) سے پیدا کیا ③ بغیر باپ کے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت سے پیدا کیا ان کے باپ نہیں ④ ماں باپ سے جیسے تمام انسان، مرد اور عورت سے، فسبحان اللہ العلیم القدیر (ابن کثیر) ان آیات میں بچوں کی اقسام بیان کرنے میں حق تعالیٰ نے پہلے لڑکیوں کا ذکر فرمایا۔ ہے، لڑکوں کا ذکر بعد میں کیا ہے، اسی آیت کے اشارہ سے حضرت واثلہ بن اسقع نے فرمایا کہ جس عورت کے بطن سے پہلے لڑکی پیدا ہو وہ مبارک ہوتی ہے۔ (قرطبی، معارف)

شان نزول:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحٰیًا یہ آیت یہود کے ایک معاندانہ مطالبہ کے جواب میں نازل ہوئی ہے، ایک روز یہود نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ہم آپ پر کیسے ایمان لے آئیں، جبکہ آپ نہ خدا کو دیکھتے ہیں اور نہ بالمشافہ اس سے کلام کرتے ہیں، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کلام کرتے تھے، اور اللہ کو دیکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ کو دیکھا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، (قرطبی، معارف) آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی انسان کے لئے حق تعالیٰ سے بالمشافہ کلام کرنا اس دنیا میں ممکن نہیں، خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی بالمشافہ کلام نہیں سنا، بلکہ پس پردہ صرف آواز سنی۔

نزول وحی کی تین صورتیں:

اس آیت میں نزول وحی الہی کی تین صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں ① دل میں کسی بات کا ڈال دینا یا خواب میں بتلا دینا اس یقین کے ساتھ کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے ② پردے کے پیچھے سے کلام کرنا، جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر کیا گیا ③ فرشتے کے ذریعہ اپنی وحی بھیجنا جیسا کہ جبریل علیہ السلام پیغام لے کر آتے تھے اور پیغمبروں کو سناتے تھے، مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان سے رودر رو کلام نہیں کرتا۔

شبہ: حدیث شریف میں وارد ہے آپ ﷺ نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بدون حجاب کے کسی بشر سے کلام نہیں کرتا، مگر تمہارے والد عبد اللہ سے رودر رو کلام فرمایا (یہ احد میں شہید ہو گئے تھے) لہذا آیت اور حدیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

دفع: یہ حدیث آیت مذکورہ کے مفہوم کے خلاف نہیں ہے اس لئے کہ نفی عالم دنیا سے متعلق ہے اور یہ رودر رو گفتگو عالم برزخ میں ہوئی۔ (خلاصۃ التفاسیر)

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا الخ ”روح“ سے مراد قرآن ہے یعنی جس طرح آپ سے پہلے ہم سابق انبیاء پر وحی کرتے رہے ہیں اسی طرح ہم نے آپ پر وحی کی ہے، قرآن کو روح سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ قرآن سے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے، جس طرح کہ روح میں انسانی زندگی کا راز مضمر ہے۔

کتاب اور ایمان کو نہ جاننے کا مطلب ہے ان کی تفصیلات سے واقف نہ ہونا، ورنہ نفس ایمان اور لازمی متعلقات سے ہر نبی مبعوث ہونے سے پہلے ہی واقف ہوتا ہے، آپ ﷺ کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ آدم علیہ السلام آب و گل میں تھے اور آپ ﷺ نبی مرسل، اس حدیث شریف میں سبقت آفرینش اور اعطائے صلاحیت نبوت کا ذکر ہے، نہ کہ تفصیلات شرايع نبوت کا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الزُّحُرْفِ مَكِّيَّةٌ تَسْعُ وَثَمَانُونَ آيَةً

سُورَةُ الزُّحُرْفِ مَكِّيَّةٌ وَقِيلَ إِلَّا وَاسْتُلْ مَنْ أَرْسَلْنَا الْآيَةَ تَسْعُ
وَّثَمَانُونَ آيَةً.

سورہ زخرف کی ہے اور کہا گیا ہے کہ واسئل من ارسلنا الایہ مستثنیٰ ہے،
نواسی (۸۹) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ حَمْدُ اللَّهِ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ وَالْكِتَابُ الْقُرْآنُ الْمُبِينُ ۝ الْمُظْهِرُ
طَرِيقَ الْهُدَى وَمَا يُحْتَاجُ إِلَيْهِ مِنَ الشَّرِيعَةِ إِنَّا جَعَلْنَاهُ ۝ أَوْجَدْنَا الْكِتَابَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا بِلُغَةِ الْعَرَبِ لَعَلَّكُمْ يَا
أَهْلَ مَكَّةَ تَعْقِلُونَ ۝ تَقْبَهُمُونَ مَعَانِيَهُ وَإِنَّهُ مُشَبَّهٌ فِي أَمْرِ الْكِتَابِ أَحْسَلِ الْكِتَابِ أَيْ اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ لَدَيْنَا بِذَلِكَ
عِنْدَنَا لَعَلَّ عَلَى الْكِتَابِ قَبْلَهُ حَكِيمٌ ۝ ذُو حِكْمَةٍ بِاللُّغَةِ أَفْضَرُ بِكُمْ عَنْكُمْ الذِّكْرُ الْقُرْآنُ صَفْحًا إِنْ سَأَلْتُمْ
فَلَا تُؤْمِرُونَ وَلَا تُنْهَوْنَ لِأَجْلِ أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُسْرِفِينَ ۝ وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيِّ فِي الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا كَانَ يَأْتِيهِمْ
أَتَاهُمْ مِنْ نَبِيِّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ كَانَتْهُمْ هَازِلًا قَوْلُكَ بِكَ وَبِهَذَا تَسْلِيَةٌ لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ مِنْ قَوْلِكَ بَطْشًا قُوَّةً وَمَضَى سَبَقُ فِي آيَاتٍ مِثْلُ الْأَوَّلِينَ ۝ صِفَتُهُمْ فِي الْإِبْلَاقِ
فَعَاقِبَةُ قَوْلِكَ كَذَلِكَ وَلَئِنْ لَمْ قَسَمِ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ حُذِفَ مِنْهُ نُونُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي
السُّؤَالِ وَوَأَوِ الضَّمِيرِ لِلنَّقَاءِ السَّائِكِينَ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝ أَخْرَجُوا جَوَابَهُمْ أَيْ اللَّهُ ذُو الْعِزَّةِ وَالْعِلْمِ زَادَ
تَعَالَى الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا فِرَاشًا كَالْمَهْدِ لِلصَّبِيِّ وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا طُرُقًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ أَلَى
مَقَاصِدِكُمْ فِي أَسْفَارِكُمْ وَالَّذِي نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً يُقَدِّرُ أَيْ بِقَدْرِ حَاجَتِكُمْ إِلَيْهِ وَلَمْ يُنْزِلْهُ طُوفَانًا فَأَنْشَرْنَا
أَخْيَيْنَا بِهِ بَلَدَةً مَيِّتًا كَذَلِكَ أَيْ مِثْلُ هَذَا الْإِحْيَاءِ تَخْرُجُونَ ۝ مِنْ قُبُورِكُمْ أَحْيَاءَ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ
الْأَصْنَافَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ الْسُّفْنَ وَالْأَنْعَامَ كَالْإِبِلِ مَا تَرْكَبُونَ ۝ حُذِفَ الْعَائِدُ إِيحْيَا زَادَ وَهُوَ مَجْرُورٌ

فِی الْاَوَّلِ اِی فِیہ مَنصُوبٌ فِی الثَّانِی لَتَسْتَوُوا لَتَسْتَقِرُّوا عَلٰی ظُهُورِهِ ذُکِرَ الضَّمِیْرُ وَجُمَعَ الظَّهْرُ نَظْرًا لِلفَظِ مَا وَعَنَابِهَا ثُمَّ تَذَكُّرُ وَاِنْعَمَ رَبِّکُمْ اِذَا اسْتَوِیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُولُوْا سُبْحٰنَ الَّذِی سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِئِیْنَ ﴿۱۷﴾ مُطْبِقِیْنِ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ لَمُنْصَرِفُوْنَ وَجَعَلُوْا لَہٗ مِنْ عِبَادَہٗ جُزْءًا حَیْثُ قَالُوْا الْمَلٰٓئِکَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ لِاَنَّ الْوَلَدَ جُزْءُ الْوَالِدِ وَالْمَلٰٓئِکَةُ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ اِنَّ الْاِنْسَانَ الْقَائِلَ ذٰلِکَ لَکَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۹﴾ بَیْنَ ظَاہِرِ الْکُفْرِ

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے حمد اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے قسم ہے اس کتاب کی جو ہدایت کے راستہ کو اور ضروری (قوانین) شریعت کو واضح کرنے والی ہے، اور ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم اے مکہ والو! اس کے معانی کو سمجھ لو اور وہ اصل کتاب یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے ہمارے نزدیک سابقہ کتابوں کے مقابلہ میں عالی مرتبت بڑی حکمت والی (کتاب) ہے، لَدٰیْنَا (فی ام الكتاب) سے بدل ہے (لَدٰیْنَا) معنی میں عندنا کے ہے (صاوی) کیا ہم اس نصیحت نامہ (یعنی) قرآن کو تم سے روک لیں کہ تم کو نہ حکم کیا جائے اور نہ منع کیا جائے اس بناء پر کہ تم حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو اور ہم نے اگلے لوگوں میں بھی کتنے ہی نبی بھیجے، ان کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا کہ اس کا انہوں نے مذاق نہ اڑایا ہو جیسا کہ تیری قوم نے تیرا مذاق اڑایا، اور یہ آپ ﷺ کی تسلی ہے پس ہم نے ان سے یعنی تیری قوم سے زیادہ زور آوروں کو ہلاک کر ڈالا اور آیات میں اگلوں کی مثالیں گزر چکی ہیں (یعنی) ہلاکت میں ان کی کیفیت (گزر چکی ہے) تیری قوم کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ یقیناً یہی جواب دیں گے، کہ ان کو غالب و دانا (اللہ) نے پیدا کیا (لَیَقُولُنَّ) میں نونِ رفع متعدد نونوں کے جمع ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا، اور واو ضمیر التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا، اور ذو العزة والعلم (یعنی) العزیز العلیم پر مشرکین کا کلام (جواب) پورا ہو گیا (اس کلام پر) اللہ تعالیٰ نے الَّذِی جَعَلَ لَکُمْ (سے) وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ تک زیادہ فرمایا، جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا، جیسا کہ بچہ کے لئے گہوارہ اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے تاکہ تم اپنے سفر میں اپنے مقاصد تک رسائی حاصل کرو اور اسی نے ایک اندازہ کے مطابق پانی نازل فرمایا یعنی تمہاری ضرورت کے مطابق اور اس کو طوفان کی شکل میں نازل نہیں کیا پس ہم نے اس کے ذریعہ مردہ شہر (خشک زمین) کو زندہ کر دیا، اسی طرح یعنی اس احیاء کے مانند تم کو قبروں سے زندہ کر کے نکالا جائے گا، جس پر ہر چیز کے جوڑے بنائے اور تمہارے لئے کشتیاں بنائیں، اور جانور مثلاً اونٹ پیدا کئے جن پر تم سوار ہوتے ہو (ضمیر) عائد کو اختصاراً حذف کر دیا گیا اور وہ عائد اول (یعنی مِنَ الْفُلْکِ میں) مجبور ہے، یعنی تر کبون فیہ اور ثانی یعنی والآنعام میں منصوب ہے (یعنی تر کبونہ) تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر سواری کر سکو (ظہورہ) میں ہضمیر کو مذکر (مفرد) لائے اور ظُہُور کو جمع مآ کے لفظ اور معنی کی رعایت کرتے ہوئے پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ اور کہو پاک ذات ہے اس کی جس نے اسے ہمارے بس

میں کر دیا حالانکہ ہمارے اندر اسے قابو میں کرنے کی طاقت نہ تھی اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اور انہوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اس کا جز ٹھہرا دیا، جبکہ انہوں نے کہا ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے کہ ولد، والد کا جزء ہوتا ہے، حالانکہ فرشتے اللہ کے بندے ہیں یقیناً اس بات کا قائل انسان کھلم کھلا کفر کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترمیم و تفسیری فوائد

سُورَةُ الزُّحُرْفِ: زُحُوفٌ، زُرین، آراستہ، زینت، زُحُوف کا استعمال جب قول کے ساتھ ہوتا ہے، تو جھوٹ، فریب وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، ارشاد ہے زُحُوفِ الْقَوْلِ غُرُورًا ملمع کی ہوئی فریب کی باتیں۔

(لغات القرآن ملخصاً)

قَوْلًا: وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ واقعہ جارہ ہے، الْكِتَابُ الْمُبِينُ موصوف باصفت مجرور ہے، جار با مجرور متعلق اقسام فعل محذوف کے، فعل اپنے فاعل و متعلق سے مل کر قسم اور اِنَّا جَعَلْنَاهُ جواب قسم۔

قَوْلًا: اَوْجَدْنَا الْكِتَابَ مفسر علام نے جَعَلْنَاهُ کی تفسیر اَوْجَدْنَا الْكِتَابَ سے کر کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

اعتراض: جَعَلَ قرآن کے مجعول ہونے پر دلالت کرتا ہے اور مجعول مخلوق ہوتا ہے، لہذا اس سے قرآن کا مخلوق ہونا لازم آتا ہے، جو کہ عقیدہ اور نظریہ ہے معتزلہ کا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ اللہ تعالیٰ نے نور و ظلمت کو پیدا فرمایا، حالانکہ یہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے، اہل سنت والجماعت کے نزدیک کلام نفسی صفت خداوندی ہونے کی وجہ سے غیر مخلوق و قدیم ہے۔

جواب: جواب کا ما حاصل یہ ہے کہ جَعَلَ خلق کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ قرآن کریم میں بھی دیگر معانی کے لئے استعمال ہوا ہے، مثلاً بَعَثَ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيْرًا اور جَعَلَ بمعنی قَالَ بھی مستعمل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا یعنی مشرکوں نے اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جز، کہا، یا جز ہونے کا عقیدہ رکھا، اور جَعَلَ بمعنی صَيَّرَ بھی مستعمل ہے، کقولہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ اَكِنَّةً ہم نے انکے دلوں پر پردے ڈال دیئے، جَعَلْنَاهُ کی تفسیر صَيَّرْنَاهُ کے بجائے اَوْجَدْنَاهُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ جَعَلَ متعدی بیک مفعول ہے، اور وہ جعلناہ کی مفعولی ضمیر ہے، جس کا مرجع کتاب ہے، اور کتاباً عربیاً موصوف صفت سے مل کر جَعَلْنَاهُ کی مفعولی ضمیر سے حال ہے، بعض مفسرین نے جَعَلَ کو صَيَّرَ کے معنی میں لے کر ہ ضمیر کو مفعول بہ اول اور قرآناً عربیاً کو موصوف صفت سے مل کر مفعول بہ ثانی قرار دیا ہے۔

البتہ زخشری نے جَعَلَ بمعنی خَلَقَ جائز قرار دیا ہے، اور یہ قرآن کے مخلوق ہونے کے معتزلہ کے عقیدہ کے مطابق ہے۔ (اعراب القرآن) مسئلہ کی مزید وضاحت انشاء اللہ تفسیر و توضیح کے زیر عنوان تحریر کی جائے گی۔

قَوْلًا: وَاِنَّهُ فِي اُمِّ الْكِتَابِ اس کا عطف جواب قسم پر ہے، اس طرح یہ دوسرا جواب قسم ہے، علامہ محلی نے مثبت محذوف

مان کر اشارہ کر دیا کہ فی اُمّ الکتاب جار مجرور سے مل کر اِن کی خبر ہے، اور لَدَيْنَا فی اُمّ الکتاب سے بدل ہے اور معنی میں عندنا کے ہے، اور لَعَلَّی حَکِیْمٌ اِن کی خبر ثانی ہے، اور اُمّ الکتاب بمعنی اصل کتاب، یعنی لوح محفوظ ہے۔

قَوْلُهُ: اَفَنْضِرِبُ ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فاء عاطفہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَنْهَمْ لَكُمْ فَضْرِبُ الخ استفہام انکاری ہے، جس کی طرف مفسر علام نے کلام کے آخر میں، لا محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے یعنی قرآن سے تمہارے اعراض کرنے کی وجہ سے قرآن کے نزول کے سلسلہ کو موقوف نہیں کریں گے، بلکہ نزول کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے قرآن کا نزول مکمل کریں گے، تاکہ تمہارے اوپر حجت تام ہو جائے۔

قَوْلُهُ: نُمِسِكُ مفسر علام نے نضرب کی تفسیر نُمِسِكُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ صَفْحًا، نَضْرِبُ کا مفعول مطلق ہے، اور صَفْحًا، اِمْسَاکًا کے معنی میں ہے اِی نُمِسِكُ اِمْسَاکًا۔

قَوْلُهُ: اِنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ نافع رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اِنْ کو شرطیہ قرار دیکر ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

سُؤَالٌ: اِنْ شرطیہ غیر محقق پر داخل ہوتا ہے، حالانکہ مشرکین کا شرک محقق تھا، تو یہاں اِنْ شرطیہ کیسے درست ہوگا؟
جَوَابٌ: اِنْ شرطیہ کبھی امر محقق پر بھی داخل ہو جاتا ہے، مخاطب کو یہ تاثر دینے کے لئے کہ متکلم کو وقوع شرط کا یقین نہیں ہے بلکہ وہ وقوع شرط کے بارے میں تردد اور شک میں ہے، یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اس قسم کے فعل کا صدور صاحب عقل و فہم سے مستبعد ہے۔
اور باقی قُرَاء نے اِنْ كُنْتُمْ ہمزہ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، اور لام تعلیلیہ کو مقدر مانا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنِّیْ لِاَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ یعنی کیا ہم اس وجہ سے کہ تم حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو قرآن کے نزول کو روک لیں گے، یعنی ہم ایسا نہیں کریں گے۔

قَوْلُهُ: كَمْ اَرْسَلْنَا، كَمْ خبریہ اَرْسَلْنَا کا مفعول مقدم ہے۔

قَوْلُهُ: اَنَاهُمْ، يَاتِيهِمْ کی تفسیر اناہم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مضارع بمعنی ماضی ہے، صورت عجیبہ کے استحضار پر دلالت کرنے کے لئے ماضی کو مضارع سے تعبیر کر دیا ہے۔

قَوْلُهُ: اَشَدُّ مِنْهُمْ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے اور موصوف اَهْلَكْنَا کا مفعول ہے اور بطشاً تمیز ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَهْلَكْنَا قَوْمًا اَشَدُّ مِنْ قَوْمِكَ مِنْ جِهَةِ الْبَطْشِ۔

قَوْلُهُ: وَلَیْسَ سَأَلْتَهُمْ میں واو عاطفہ اور قسمیہ ہے اور اِنْ شرطیہ ہے لَیْقُوْلُنَّ جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف ہے، جواب قسم جواب شرط پر دلالت کر رہا ہے، قسم اور شرط جب جمع ہو جائیں تو اول کا جواب مذکور ہوتا ہے، اسی معروف قاعدہ کی بناء پر یہاں جواب قسم مذکور اور جواب شرط محذوف ہے، جواب شرط کے محذوف ہونے کا دوسرا قرینہ یہاں یہ بھی ہے کہ مفسر علام نے لَیْقُوْلُنَّ میں نون رفع کے حذف کی علت اجتماع نونات کو قرار دیا ہے، اگر لَیْقُوْلُنَّ جواب شرط ہوتا تو مفسر علام حذف النون للجازم فرماتے۔

قَوْلُهُ: زَادَ تَعَالٰی الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ (الآیۃ) مفسر علام کے زاد تعالیٰ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مشرکین

کا کلام العزیز العظیم پر ختم ہو گیا، اَلَّذِی جَعَلَ لَكُم سے باری تعالیٰ کا کلام شروع ہوا ہے، اس لئے کہ اگر یہ کلام بھی مشرکوں کا ہوتا تو وہ جَعَلَ لَنَا الْاَرْضَ مَهْدًا الخ کہتے۔

قَوْلًا: الْأَصْنَافِ اس لفظ کے اضافہ کا مقصد الْأَزْوَاج کے معنی کی تعیین ہے، اس لئے کہ ازواج یہاں اپنے مشہور معنی (جوڑا) میں مستعمل نہیں ہے بلکہ مطلقاً اقسام و انواع کے معنی میں ہے۔

قَوْلًا: فَأَنْشَرْنَا اس میں التَّفَاتِ عَنْ الْغِیْبَتِ الِی التَّكْلَمِ ہے۔

قَوْلًا: حُذِفَ الْعَائِدُ السَّخ مَا تَرَكَبُونَ، ما موصول تر کبون جملہ: وَرَصْلہ، قاعدہ یہ ہے کہ جب صلہ جملہ ہو تو اس میں ایک ضمیر ضروری ہوتی ہے، جو موصول کی طرف راجع ہوتی ہے، یہاں اس کو اختصاراً حذف کر دیا گیا ہے ما تر کبون کا تعلق چونکہ فُلُک اور اَنْعَام دونوں سے ہے، اس لئے کہ جب مَا تَرَكَبُونَ کا تعلق اَلْفُلُک سے ہوگا تو عائدِ فِیْہِ محذوف ہوگا، اس لئے رَکِبْتُ فِی الْفُلُک بولتے ہیں نہ کہ رَکِبْتُ اَلْفُلُک اور جب اس کا تعلق اَنْعَام سے ہوگا تو عائد منصوب ہوگا، اس لئے رَکِبْتُ الْاِبِل مستعمل ہے نہ کہ رَکِبْتُ عَلٰی الْاِبِل۔

قَوْلًا: ذُکِّرَ الضَّمِیْرُ مفسر علام ظہورہ کے بارے میں بتانا چاہتے ہیں کہ ظہورہ میں ہ ضمیر مذکر اور ظہور جمع لائے ہیں، ظہور ظہر کی جمع ہے بمعنی پشت، اَنْعَام کی پشت مراد ہے، اور ہ ضمیر سے بھی اَنْعَام ہی مراد ہیں، دونوں میں مطابقت نہیں ہے جبکہ مراد دونوں سے ایک ہی ہے، اس کا جواب مفسر علام نے یہ دیا ہے کہ یہ فرق لفظ مسا کے لفظ اور معنی کے فرق کی وجہ سے ہے، لفظ ما جو کہ لفظاً مفرد ہے، اس لئے ضمیر کو مفرد مذکر لایا گیا اور معناً چونکہ جمع ہے اس لئے ظہور جمع لایا گیا۔

تَنْبِیْہ: مفسر علام اگر ذُکِّرَ الضَّمِیْر کے بجائے اُفْرِدَ الضَّمِیْر فرماتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ اس لئے کہ جمع کے مقابلہ میں مفرد آتا ہے نہ کہ مذکر، اگر دونوں میں ما کے معنی کی رعایت ہوتی تو علی ظہورہ ہوتا، اور اگر دونوں جگہ لفظ کی رعایت ہوتی تو ظہورہ ہوتا۔

قَوْلًا: مُفْرِنِیْنِ اٰی مُطِیْقِیْنِ مَا خُوذ مِنْ اَقْرَنَ التَّسٰی اِذَا اَطَاقَہُ۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حَمَّوْا الْکِتَابَ الْمُبِیْنِ اِنَّا جَعَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا۔

حَمَّ حروف مقطعات میں سے ہے، واجب الاعتقاد ما بہ المراد، اور سکوت عن التاویل ہے، یہی طریقہ احوط اور افضل ہے، ام الْکِتَاب سے اصل کتاب جو کہ لوح محفوظ ہے مراد ہے، یعنی کتاب ظاہر البیان ہے کہ ہم نے اس کو عربی کا قرآن بنایا تاکہ تم آسانی سے سمجھ لو، بے شک وہ لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے، مراتب و مقاصد و معانی میں اعلیٰ ہے، حکمتوں سے پُر ہے، وہ بنفسہ بھی افضل ہے اور دیگر آسمانی کتابوں پر بھی اس کی فضیلت مسلم ہے۔

قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق:

اہل سنت والجماعت کے نزدیک قرآن قدیم غیر مخلوق ہے، معتزلہ حادث مخلوق مانتے ہیں، اور جعلناہ قرآنًا عربیًّا سے قرآن کے مخلوق ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

بحث: اب جبکہ قرآن کے مخلوق و غیر مخلوق ہونے کا ذکر آ ہی گیا تو مسئلہ کی تنقیح و توضیح نیز معتزلہ کی تاریخ کا قدرے تفصیلی ذکر فائدے سے خالی نہ ہوگا، معتزلہ نے اِنَّا جَعَلْنَاهُ قرآنًا عربیًّا سے قرآن کو مجعول و مخلوق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ہے لفظ جعلنا قرآن کے مجعول ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور مجعول مخلوق ہوتا ہے اور ہر مخلوق حادث ہوتا ہے، لہذا ثابت ہو گیا کہ قرآن مخلوق و حادث ہے۔

جواب: جعل کو خَلَق کے ساتھ خاص کرنا اور اس کے دوسرے معانی سے صرف نظر کرنا زبردستی اور دھاندلی کی بات ہے جبکہ خود قرآن میں دیگر متعدد معانی، مثلاً بَعَثَ، قَالَ، صَيَّرَ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جس کی تفصیل مع امثلہ تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے۔

قرآن کے مخلوق ہونے پر معتزلہ کا طریق استدلال:

- ۱ لفظ جَعَلَ سے استدلال کرتے ہیں کہ قرآن مجعول ہے اور جو مجعول ہوتا ہے وہ مخلوق و مصنوع ہوتا ہے۔
 - ۲ کتاب کی صفت قرآن لائی گئی ہے، جس کے معنی ہیں بعض کا بعض کے ساتھ مقرون و متصل ہونا یہ بھی مخلوق و مصنوع کی صفت ہے۔
 - ۳ قرآن کو عربیًّا کی صفت کے ساتھ متصف کیا ہے، اور عربی کو عربی اس لئے کہتے ہیں کہ عرب نے اپنی اصطلاح میں الفاظ کی وضع کے ساتھ خاص کیا ہے، یہ بھی قرآن کے مخلوق ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ (جمل)
- دراصل بات یہ ہے کہ قرآن کی دو نسبتیں ہیں، اول معنوی اور دوسری تعبیری، جس کو متکلمین کی اصطلاح میں کلام نفسی اور کلام لفظی سے تعبیر کرتے ہیں، نسبت معنوی یا کلام نفسی یہ باری تعالیٰ کی صفت قدیم غیر حادث ہے، عوارض و حوادث سے پاک، صوت، حروف، لغت وغیرہ سے منزہ ہے، البتہ تعبیری نسبت جس کو کلام لفظی بھی کہتے ہیں، یعنی وہ نسبت و تعبیر جو ہمارے سمجھانے اور ادراک کے لئے ہے، اس میں صوت، حروف و کلمات و نقوش سب شامل ہیں، یہ بدایۃ حادث ہیں، آیت مذکورہ میں اسی کلام نفسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معتزلہ کا جواب:

خلق قرآن کے قائلین نے قرآن کے مخلوق ہونے پر جو مذکورہ آیت سے تین طریقہ سے استدلال کیا ہے یہ استدلال کلام لفظی پر صادق آتا ہے نہ کہ کلام نفسی پر اور کلام لفظی کے مخلوق و حادث ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اختلاف کلام نفسی کے بارے میں ہے، جو کہ باری تعالیٰ کی صفت قدیم ہے۔

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی کی تحقیق:

علامہ فرماتے ہیں اِنَّا جَعَلْنَاهُ جواب قسم ہے اور جَعَلَ بمعنی صَيَّرَ متعدی بدو مفعول ہے نہ کہ بمعنی خَلَقَ متعدی بیک مفعول آگے چل کر علامہ فرماتے ہیں کہ میں یہ اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ یہ تعظیم قرآن کے خلاف ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ذوق مقام اس کا ابا کرتا ہے اس لئے کہ اِنَّا جَعَلْنَاهُ کو اِنَّ کے ذریعہ تاکید کے ساتھ لایا گیا ہے، حالانکہ ماقبل میں کہیں خلق قرآن کا ذکر نہیں ہے اور نہ ماسبق میں منکرین خلق قرآن کا ذکر ہے کہ ان کی تردید کے لئے کلام کو مؤکد لایا گیا ہو، بلکہ مذکورہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو واضح اور فصیح عربی میں نازل کیا گیا ہے، جو کہ عرب کے اسلوب اور طرز پر وارد ہوا ہے تاکہ عرب کے لئے اس کا سمجھنا دشوار نہ ہو اور آسانی سے قرآن کے معجزہ ہونے کا ادراک کر سکیں، اسی مفہوم کی تائید اللہ تعالیٰ کے قول لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ سے ہوتی ہے، گویا کہ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ قرآن کو عربی میں نازل کرنے کی علت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور خلق قرآن:

ابن مردویہ نے طاؤس سے روایت کیا ہے، حضرت موت سے ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا: اے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما! آپ مجھے بتائیں کہ قرآن اللہ کے کلام میں سے ایک کلام ہے یا مخلوق خدا میں سے ایک مخلوق ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: کلام من کلام اللہ تعالیٰ، اور کیا تو نے نہیں سنا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتِجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ حضرت موتی شخص نے کہا: کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّا جَعَلْنَاهُ قرآناً عربیاً میں غور نہیں کیا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب دیا كَتَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى اللّٰوْحِ الْمَحْفُوْظِ بالعربية یعنی جَعَلْنَاهُ کا مطلب ہے لوح محفوظ میں عربی میں لکھنا۔ (روح المعانی)

معتزلہ کی تاریخ ولادت کا پس منظر:

فرقہ معتزلہ کا بانی واصل بن عطاء ہے، جس کی پیدائش ۸۰ھ اور وفات ۱۳۱ھ میں ہے، جلیل القدر مشہور تابعی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں میں سے ہے، جن کی پیدائش ۲۱ھ اور وفات ۱۱۰ھ میں ہے۔

معتزلہ کی وجہ تسمیہ:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک شخص نے سوال کیا کہ ہمارے زمانہ میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ مومن نہیں، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کسی بھی گناہ سے کچھ نہیں بگڑتا، اب آپ بتائیے کہ ہم کس کی بات کو حق سمجھیں تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سوچنے لگے، اتنے میں واصل بن عطا جو حسن بصری کے درس میں شریک ہوا کرتا تھا، بول پڑا کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن ہے اور نہ کافر، اس طرح گویا کہ اس نے ایمان و کفر کے درمیان واسطہ ثابت کیا ہے، جس پر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا **اعتزل عَنَّا** یہ ہماری جماعت سے خارج ہو گیا، اسی روز سے واصل بن عطا اور اس کے متبعین کی جماعت کو معتزلہ کہا جانے لگا، اگرچہ یہ لوگ اپنی جماعت کو اصحاب العدل والتوحید کہتے ہیں۔ (بیان الفوائد ملخصاً) عباسی خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں خلق قرآن کے مسئلہ نے شدت اختیار نہیں کی تھی نہ کوئی خاص قسم کا نزاع تھا، البتہ جب ۱۳۷ھ میں مامون تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس مسئلہ میں شدت آگئی، اس لئے کہ مامون نہ صرف یہ کہ خود خلق قرآن کا قائل تھا بلکہ اعتزال اور فرقہ معتزلہ کا زبردست حامی بھی تھا، اس طرح معتزلہ کو حکومت وقت کی سرپرستی حاصل ہو گئی، مامون نے محدثین کو جو معتزلہ کے مخالف تھے خلق قرآن کے مسئلہ میں طاقت کے بل بوتے پر معتزلہ کا ہم نوا بنانے کی ٹھان لی، اور بعض محدثین کو خلق قرآن کا قائل نہ ہونے کی وجہ سے قتل کرادیا، مامون کے بعد معتصم باللہ اور واثق باللہ نے بھی مامون کی وصیت کے مطابق اعتزال کا مسلک اختیار کیا، اور محدثین بالخصوص امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن کو مخلوق نہ ماننے کی وجہ سے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا، ایک روز معتصم نے امام احمد بن حنبل کو اپنے دربار میں بلایا اور ایک مجلس مناظرہ منعقد کی، جس میں عبدالرحمن بن اسحاق، قاضی احمد بن داؤد وغیرہ تھے، تین روز تک ان حضرات کا مناظرہ ہوتا رہا، چوتھے روز بھی جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو معتصم باللہ نے امام احمد بن حنبل کو کوڑے مارنے کا حکم دیا، مگر امام احمد بن حنبل اپنی رائے سے ٹس سے مس نہ ہوئے، حتیٰ کہ آپ کوڑوں کی ضرب سے بے ہوش ہو گئے، اس کے بعد بھی امام صاحب کو تلوار کی نوک سے کچوکے دیئے گئے، اور ایک ٹاٹ میں لپیٹ کر آپ کو پیروں سے روند ا گیا، اڑتیس کوڑوں کی ضرب لگانے کے بعد آپ کو ان کے گھر لائے، امام صاحب کو اٹھائیس ماہ جیل میں رکھا گیا۔ (اعراب القرآن) متوکل چونکہ اعتزال سے متنفر اور امام احمد بن حنبل کا معتقد تھا اس نے معتزلہ کا اثر و رسوخ ختم کر کے حکومت سے بے دخل کر دیا، جس سے ان کا زور ٹوٹ گیا۔

وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيَّ حَكِيمٌ اس آیت میں قرآن کریم کی اس عظمت و شرف کا بیان ہے جو علماء اعلیٰ میں اسے حاصل ہے، تاکہ اہل زمین بھی اس کے شرف و عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اس کو قرار واقعی اہمیت دیں اور اس سے ہدایت کا وہ مقصد حاصل کریں جس کے لئے اسے دنیا میں اتارا گیا ہے۔

أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ الْخَالِ اس آیت کے مختلف معنی کئے گئے ہیں مثلاً تم چونکہ گناہوں میں بہت منہمک اور ان پر مصر ہو اس لئے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم تمہیں وعظ و نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے؟ یا تمہارے کفر اور اسراف پر ہم تمہیں کچھ

نہ کہیں گے اور تم سے درگزر کریں گے۔

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا ۱ ولد کو جزء سے تعبیر کر کے مشرکین کے اس دعوائے باطل کی تردید کی طرف اشارہ کر دیا، کہ اللہ کے اگر کوئی اولاد ہو تو وہ اس کی جزء ہوگی، اس لئے کہ بیٹا باپ کا جزء ہوتا ہے، اور یہ عقلی قاعدہ ہے کہ ہر کل وجود میں اپنے جزء کا محتاج ہوتا ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی اولاد کا محتاج ہے، اور یہ شان خداوندی کے خلاف ہے۔

أَمْرٌ بِمَعْنَى هَمْزَةِ الْإِنْكَارِ وَالْقَوْلُ مُقَدَّرٌ أَيْ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بِنْتٍ لِنَفْسِهِ وَأَصْفَكُمْ أَخْلَصَكُمْ بِالْبَيْنِ ۱۵
اللازم من قولكم السابق فهو من جملة المنكر وإذا بشر أحدكم بما ضرب للرحمن مثلاً جعل له شبهاً
بنسبة البنات إليه لأن الولد يشبه الوالد، المعنى إذا أخبر أحدكم بالبنت تولد له ظل صار وجهه مسوداً
مُتَغَيِّرًا تَغْيِيرٌ مُغْتَمٌ ۱۶ وَهُوَ كَظِيمٌ ۱۷ مُتَمَلِّئٌ غَمًّا فَكَيْفَ يُنْسَبُ الْبَنَاتُ إِلَيْهِ تَعَالَى عَنْ ذَلِكَ أَوْ هَمْزَةُ الْإِنْكَارِ وَوَاوُ
الْعُطْفِ بِجُمْلَةٍ أَيْ يَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَنْ يُنْشِئُوا أَيْ يُرَبِّي فِي الْحِلْيَةِ الزَّيْنَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ۱۸ مُظْهِرُ الْحُجَّةِ
لِضَعْفِهِ عَنْهَا بِالْأَنُوثَةِ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَّا تَأْتِي الشَّهَادَاتُ حَضَرُوا خَلَقَهُمْ سَتَكْتُبُ شَهَادَتَهُمْ
بأنهم إناثٌ وَيُسْأَلُونَ ۱۹ عَنْهَا فِي الْآخِرَةِ فَيُتَرَتَّبُ عَلَيْهَا الْعِقَابُ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۲۰ أَيْ الْمَلَائِكَةَ
فَعِبَادَتُنَا إِيَّاهُمْ بِمَشِيئَتِهِ فَهُوَ رَاضٍ بِهَا قَالَ تَعَالَى مَا لَهُمْ بِذَلِكَ السَّمْعُ مِنَ الرِّضَا بِعِبَادَتِهَا مِنْ عِلْمٍ إِنْ مَا
هُمْ إِلَّا خُرُوصٌ ۲۱ يَكْذِبُونَ فِيهِ فَيُتَرَتَّبُ عَلَيْهِمُ الْعِقَابُ بِهِ أَمَّا تَأْتِيهِمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ أَيْ الْقُرْآنَ بِعِبَادَةِ غَيْرِ اللَّهِ
فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ۲۲ أَيْ لَمْ يَقَعْ ذَلِكَ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا مَا شُوعْنَا عَلَى آثَرِهِمْ مُهْتَدُونَ ۲۳
بِهِمْ وَكَانُوا يَعْبُدُونَ غَيْرَ اللَّهِ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا ۲۴ مُتَنَعِمُونَ بِمِثْلِ
قَوْلِ قَوْمِكَ إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَرِهِمْ مُقْتَدُونَ ۲۵ مُتَّبِعُونَ قُلْ لَهُمْ أَتَّبِعُونَ ذَلِكَ
أَوْ لَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ أَنْتَ وَمَنْ قَبْلَكَ كُفْرُونَ ۲۶ قَالَ تَعَالَى تَخْوِيفًا
لَهُمْ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۲۷ أَيْ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ لِلرُّسُلِ قَبْلَكَ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۲۸

ترجمہ: کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں تو خود رکھ لیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا (یہ بات) تمہارے سابق قول سے لازم آرہی ہے، (اُم) میں ہمزہ انکار کے لئے ہے، اور قول مقدر ہے اِی اتَّقُولُونَ، وَأَصْفَاكُمْ بِالْبَيْنِ کا عطف اتَّخَذَ پر ہونے کی وجہ سے منجملہ منکر (وند موم) ہے (حالانکہ) ان میں سے کسی کو جب اس چیز (بیٹی) کی خبر دی جائے جس کی تشبیہ اس نے (اللہ) رحمن کے لئے بیان کی ہے بیٹیوں کی اس کی طرف نسبت کر کے اس کا شبیہ قرار دیا، اس لئے کہ ولد والد کے مشابہ ہوتا ہے، معنی یہ کہ جب اس کے (گھر) پیدا ہونے والی بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ غمزہ کے مانند متغیر ہو کر سیاہ

ہو جاتا ہے، حال یہ کہ وہ عم سے بھرا ہوا ہوتا ہے تو پھر وہ بیٹیوں کی نسبت اللہ کی طرف کیوں کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ تو اس سے برتر ہے (او) میں ہمزہ انکار کے لئے اور واو (عاطفہ) عطف جملہ کے لئے ہے یعنی کیا یہ لوگ ان کو کہ جن کی پرورش زیورات زینت میں ہو اور جھگڑے کے وقت اپنی بات واضح نہ کر سکیں، اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں یعنی بوجہ عورت ذات ہونے کے حجت میں کمزور ہونے کی وجہ سے (اپنے مدعا کو) ظاہر نہیں کر سکتی، اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمان کے بندے ہیں عورتیں قرار دے لیا کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی کہ وہ عورتیں ہیں لکھ لی جائے گی اور اس بارے میں ان سے آخرت میں باز پرس ہوگی اور اس شہادت پر سزا مرتب ہوگی اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی یعنی ملائکہ کی عبادت نہ کرتے سو ہمارا فرشتوں کی بندگی کرنا اس کی مشیت سے ہے اور وہ اس سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو اس کی یعنی ان کی عبادت سے (اللہ کی) رضا مندی کے بارے میں مقولہ کی کچھ خبر نہیں یہ تو محض انکل سے باتیں کرتے ہیں (یعنی) دروغ گوئی کرتے ہیں، اس دروغ گوئی کی وجہ سے ان کی سزا مرتب کی جائے گی کیا ہم نے انہیں اس سے یعنی قرآن سے پہلے کوئی (اور) کتاب دی جو غیر اللہ کی عبادت کے (جواز) کے بارے میں ہو جس کو وہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں یعنی ایسا نہیں ہوا بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مذہب پر پایا اور ہم تو بلاشبہ ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، ان ہی کی بدولت ہدایت یافتہ ہیں حالانکہ وہ غیر اللہ کی بندگی کرتے تھے، اسی طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے آپ کی قوم کے مانند جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم تو ان ہی کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں (اے نبی آپ) ان سے دریافت کیجئے کیا تم اپنی قوم کی اس بات کی پیروی کرو گے اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے بہت بہتر طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے منکر ہیں جسے تم کو اور تم سے پہلے والوں کو دیکر بھیجا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈرانے کے لئے کہا ہم نے ان سے یعنی آپ سے پہلے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں سے انتقام لیا، دیکھ لے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟

تَحْقِيقُ تَرْكِ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: اَللّٰزِمُ مِنْ قَوْلِكُمُ السَّابِقِ قول سابق سے مراد مشرکین مکہ کا قول الملائكة بنات الله ہے یعنی ملائکہ کو جب اللہ کی بیٹیاں قرار دیدیا تو اس سے یہ بات خود بخود لازم آگئی کہ بیٹے ان قائلین کے لئے مخصوص ہیں، لہذا مشرکین مکہ کا قول وَأَصْفَاكُمْ بِالْبَنِينَ کا بھی جو کہ ان کے قول سابق کے لئے لازم ہے، منکر و مذموم ہونا ثابت ہو گیا۔

قَوْلُهُ: بِمَا ضَرَبَ، ما موصولہ سے بنات مراد ہیں، اور ضَرَبَ بمعنی جَعَلَ ہے جیسا کہ شارح نے جَعَلَ مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے جَعَلَ کا مفعول اول ہُضمیر محذوف ہے جو کہ موصول کا عائد بھی ہے اِی ضَرْبُهُ اور مثلاً مفعول ثانی ہے، معنی میں شبہا کے ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِی جَعَلَ الْبَنَاتُ لَهُ شَبْهًا یعنی بنات کی اللہ کی طرف نسبت کر کے بنات کو اللہ کے

مشابہ قرار دیا، اس لئے کہ اولاد والد کے مشابہ ہوا کرتی ہے۔

قَوْلٌ: اَوْ مِّنْ هَمْزٍ اَنْكَارٍ كَ لَئِیْ ہے اور وَاَوْ عطف جملہ علی الجملہ کے لئے ہے بجملة میں با بمعنی لام ہے بجملة عطف سے متعلق ہے اور معطوف محذوف ہے اور وہ یَجْعَلُوْنَ ہے اور معطوف علیہ بھی محذوف ہے اور وہ یَجْتَرُوْنَ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَيَجْتَرُوْنَ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ مَن یُنْشَا فِی الْحِلِیَةِ۔

قَوْلٌ: یُنْشَاْ واحد کر غائب فعل مضارع مجہول، مصدر تَنْشِئَة پرورش پانا (تفعیل) وہ پرورش پاتا ہے، یہ ترجمہ مَن کے لفظ کا اعتبار کرنے کی صورت میں ہے اور معنی کے اعتبار کی صورت میں وہ پرورش پاتی ہیں ترجمہ ہوگا۔

قَوْلٌ: غَیْرُ مُبِیْنٍ۔ مُظْہَرُ الْحِجَّةِ، مُبِیْنِ کی تفسیر مُظْہَر سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مبین یہاں ابان متعدی سے ہے۔

قَوْلٌ: وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ یَہَا جَعَلَ بمعنی قَالَ اور حَكَمَ ہے، کہا جاتا ہے جَعَلْتُ زَیْدًا اَعْلَمَ النَّاسَ زَیْدَ کے بارے میں میں نے اَعْلَمَ النَّاسَ ہونے کا حکم لگایا۔

قَوْلٌ: لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ شَاءَ کا مفعول محذوف ہے ای لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ عَدَمَ عِبَادَةِ الْمَلَائِكَةِ مَا عَبَدْنَاہُمْ۔
قَوْلٌ: اِنَّا مَاشُوْنَ عَلٰی اَثَارِہُمْ، مَاشُوْنَ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ علی اَثَارِہُمْ، مَاشُوْنَ محذوف کے متعلق ہو کر اِنَّا کی خبر ہے۔

قَوْلٌ: کَذٰلِکَ اِیْ الْاَمْرِ کَمَا ذٰکِرٌ یعنی عورتیں عام طور پر حجت میں عاجز اور کمزور ہوتی ہیں مَا اَرْسَلْنَا جملہ مستانفہ ہے اَتَتَّبِعُوْنَ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمزہ فعل محذوف پر داخل ہے اور وَاَوْ حالیہ ہے ای اَتَقْتَدُوْنَ بِاَبَاکُمْ وَلَوْ جِئْتُکُمْ بِاٰہِدٰی الْخِ اِیْ بَدِیْنِ الْاٰہِدٰی وَاَصُوْبُ مِمَّا وَجَدْتُہُمُ الْخِ اسم تفصیل کا استعمال اِرْخَاءِ عِذَانٍ اور مخاطب کی بات بڑی کرنے کے طور پر ہے ورنہ ان کے دین اور طریقہ میں سرے سے ہدایت ہی نہیں ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

اَمْ اَتَّخِذُوْا مِمَّا یَخْلُقُ اس آیت میں مشرکین کی جہالت اور سفاہت کا بیان ہے کہ انہوں نے اللہ کے لئے اولاد ڈھرائی اور وہ بھی وہ کہ جس کو وہ خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں یعنی لڑکیاں۔

اَوْ مِّنْ یُّنْشَاْ فِی الْحِلِیَةِ یُنْشَاْ اَنْشَا سے ہے بمعنی تربیت و نشوونما، یہاں عورتوں کی دو صفات کا تذکرہ بطور خاص کیا ہے، اول یہ کہ ان کی نشوونما، زیب و زینت و زیورات میں ہوتی ہے یعنی شعور بیدار ہوتے ہی ان کی توجہ حسن افزا اور جمال افروز چیزوں کی طرف ہوتی ہے، مطلب یہ کہ جن کی حالت یہ ہے کہ وہ تو اپنے ذاتی معاملات کے درست کرنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتیں، دوسرے اگر کسی سے بحث و تکرار ہو جائے تو وہ اپنی بات بھی صحیح طریقہ سے (فطری حجاب کی وجہ سے) واضح نہیں کر سکتیں، نہ فریق مخالف کے دلائل کا توڑ کر سکتی ہیں، عورت کی یہ وہ دو فطری کمزوریاں ہیں جن

وَبَضْمَهُمَا جَمْعًا مِّنْ فِضَّةٍ وَمَعَالِجٍ كَالدَّرَجِ مِّنْ فِضَّةٍ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ﴿٣٧﴾ يَغْلُونَ إِلَى السَّطْحِ وَلَبِئْسَ أَهْلُ الْبُيُوتِ ﴿٣٨﴾ فِضَّةٌ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سُرُرًا مِّنْ فِضَّةٍ جَمْعُ سُرِيرٍ عَلَيْهَا يَشْكُونَ ﴿٣٩﴾ وَزُخْرَفًا ذَهَبًا الْمَعْنَى لَوْلَا خَوْفُ الْكُفْرِ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ مِّنْ إِعْطَاءِ الْكَافِرِ مَا ذُكِرَ لَا عَظِيمَانَهُ ذَلِكَ لِثِقَلِ خَطَرِ الدُّنْيَا عِنْدَنَا وَعَدَمِ حَظِّهِ فِي الْآخِرَةِ فِي النَّعِيمِ وَإِنْ مُخَفَّفَةً مِّنَ الثَّقِيلَةِ كُلُّ ذَلِكَ لَمَّا بِالتَّخْفِيفِ فَمَا زَائِدَةٌ وَبِالتَّشْدِيدِ بِمَعْنَى إِلَّا فَاِنْ نَافِيَةٌ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا يُتَمَتَّعُ بِهِ فِيهَا ثُمَّ يَزُولُ وَالْآخِرَةُ الْجَنَّةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٠﴾

ترجمہ: اور اس وقت کا تذکرہ کرو کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو بجز اس ذات کے کہ جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے اپنے دین کی ہدایت بھی دے گا اور اس کو یعنی کلمہ توحید کو جو کہ اس کے قول اِنِّیْ تَاسِیْہِدِیْنِ سے مفہوم ہے، اپنی اولاد میں باقی رہنے والی بات کر گئے چنانچہ ہمیشہ ان میں توحید پرست رہیں گے تاکہ اہل مکہ اپنے موجودہ دین کو چھوڑ کر اپنے آبا، ابراہیم علیہ السلام کے دین کی طرف آجائیں بلکہ میں نے ان مشرکوں کو اور ان کے آباء کو سامانِ راحت دیا، اور ان کی سزا میں جلدی نہیں کی، یہاں تک کہ ان کے پاس حق یعنی قرآن اور احکام شرعیہ کو ظاہر کرنے والا رسول اور وہ محمد ﷺ ہیں آگئے اور ان کے پاس حق قرآن پہنچتے ہی بول پڑے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں اور کہنے لگے یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بستی کے کسی بڑے شخص یعنی مکہ میں ولید بن مغیرہ اور طائف میں عروہ بن مسعود ثقفی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ کیا آپ کے رب کی رحمت نبوت کو یہ تقسیم کرتے ہیں؟ (حالانکہ) ان کی دنیوی زندگی کی روزی (خود) ہم نے ان کے درمیان تقسیم کی، تو ہم نے ان میں سے بعض کو غنی اور بعض کو فقیر کر دیا، اور ہم نے بعض کو بعض پر مالداری میں درجہ بدرجہ فوقیت دی تاکہ ان کا بعض یعنی مالدار بعض یعنی غریب سے اجرت پر کام لیتا رہے، اور سُخریا میں یاءِ بستی ہے، اور ایک قراءت میں سین کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور تیرے رب کی رحمت یعنی جنت اس سے بدرجہا بہتر ہے جسے یہ دنیا میں سمیٹے پھرتے ہیں، اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی طریقہ (یعنی) کفر پر ہو جائیں گے تو رحمن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو اور زینوں کو بھی جن کے ذریعہ یہ چھتوں پر چڑھا کرتے چاندی کی بنادیتے لَبِیْؤْتِہُمْ، مَنْ سے بدل ہے اور سُقْفًا سین کے فتح اور قاف کے سکون اور دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے اور ان کے گھروں کے دروازے چاندی کے اور ان کے تخت بھی چاندی کے کر دیتے سُرُورِ سریر کی جمع ہے جن پر وہ ٹیک لگایا کرتے اور سونے کے بھی مطلب یہ کہ مذکورہ چیزیں کا فرو دینے میں، مومن کے بارے میں کفر کا اندیشہ نہ ہوتا تو یہ سب کچھ ہم ان کو دیدیتے اور یہ ہمارے نزدیک دنیا کی کوئی قدر نہ ہونے کی وجہ سے اور کافر کا آخرت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا اور یہ سب کچھ دنیا کا معمولی سا فائدہ ہے جس سے دنیا میں انتفاع کیا جاسکتا ہے پھر زائل ہو جائیگا، اِنْ ثَقِیْلَہُ سے مخففہ ہے اور لَمَّا تَخْفِیْفِ اور تشدید کے ساتھ اِلَّا کے معنی میں ہے، لہذا اِنْ

نافیہ ہے اور آخرت جنت تو تیرے رب کے نزدیک متقیوں ہی کے لئے ہے۔

تَحْقِيقُ شَرَكِيَّةِ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: بَرَاءٌ مصدر بيزار ہونا، نفرت کرنا، مفسر علام نے بَرِئ سے تفسیر کر کے اشارہ کر دیا بَرَاءٌ، بَرِئ صیغہ صفت بروزن فعیل ہے، اظہار بیزاری کرنے والا، مصدر جب صفت واقع ہو تو واحد، تشبیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب برابر ہوتے ہیں۔

قَوْلُهُ: إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي اس میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں ① مستثنیٰ منقطع ای لکن الذی فطرنی یہ اس صورت میں ہوگا کہ وہ صرف بتوں ہی کی بندگی کرتے ہوں ② مستثنیٰ متصل اس صورت میں جبکہ خدا کے ساتھ بتوں کو شریک کرتے ہوں ③ إِلَّا صفتی بمعنی غَیْر ہو، یہ زخشری کا قول ہے۔

قَوْلُهُ: جَعَلَهَا ای کلمۃ التوحید المفہوم الخ۔

سُئِلَ: ای کلمۃ التوحید الخ کے اضافہ کا مقصد کہ جَعَلَهَا کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ اگر کلمۃ ہے تو یہ ماقبل میں مذکور نہیں ہے۔

جَوَابُ: کلمۃ ماقبل میں اگرچہ صراحتہً مذکور نہیں ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول اِنِّیْ بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ سے مفہوم ہے۔

قَوْلُهُ: بَلْ هَؤُلَاءِ الْمُشْرِكِیْنَ، بَلْ اضراب انتقالی ان کی عدم اتباع پر توبیخ و تقریع کے لئے ہے، ہَؤُلَاءِ اسم اشارہ کا مشاۃ الیہ وہ مشرکین ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔

قَوْلُهُ: حَتّٰی جَاءَ هُمُ الْحَقُّ یہ محذوف کی غایت ہے، تقدیر عبارت یہ ہے بَلْ مَتَّعْتُ هَؤُلَاءِ فَاسْتَغْلَوْا بِذَلِكَ التَّمَتُّعَ حَتّٰی جَاءَ هُمُ الْحَقُّ۔

قَوْلُهُ: مَعَارِجٍ، مَعْرَجٍ میم کے فتح اور کسرہ کے ساتھ، کی جمع ہے، میڑھیوں کو معارج کہنے کی وجہ یہ ہے کہ میڑھیوں پر لنگڑے کے مانند چڑھتے ہیں اور لنگڑے کو اعرج کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: سُرُرًا یہ فعل محذوف کا مفعول ہے جیسا کہ مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے جعلنا محذوف مان کر اشارہ کر دیا، اس کا عطف جَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ پر ہے۔

قَوْلُهُ: زُخْرَفًا یہ جَعَلْنَا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای جَعَلْنَا لَهُمْ مَعَ ذَلِكَ زُخْرَفًا یا نزاع خافض کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ تھی ای ابوابًا و سُرُرًا من فضةٍ و من ذهبٍ، من کے حذف ہونے کی وجہ سے زُخْرَفًا منصوب ہو گیا۔

قَوْلُهُ: وَإِنْ کُلُّ ذَلِكَ، اِنْ نافیہ ہے، اور کُلُّ ذَلِكَ مبتداء اور لَمَّا بالتشدید بمعنی إِلَّا اور مَتَاعَ الْحَیْوَةِ الدُّنْیَا اس کی خبر لَمَّا کو تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس وقت اِنْ مخففہ عن الثقیلہ مہملہ ہوگا اور لام اِنْ مخففہ اور نافیہ کے درمیان

فارقہ ہوگا اور مازائد ہوگا۔

قَوْلُنَا: وَالْآخِرَةُ وَآخِرُهُ، آخِرَةُ مَبْتَدَاءُ هِيَ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ مَحذُوفٌ كَيْ مَتَعَلِّقٌ هُوَ كَرِ مَبْتَدَاءُ كِي خَبَرٌ هِيَ۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

رابط:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ الْخُ گزشتہ آیات کے آخر میں باری تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ مشرکین عرب کے پاس اپنے شرک پر سوائے اپنے باپ دادوں کی رسوم کے کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے اور یہ بات بالکل ظاہر اور واضح ہے کہ عقلی اور نقلی دلائل کی موجودگی میں محض آباء و اجداد کی تقلید پر اصرار کرنا حق و انصاف سے کس قدر بعید ہے، اب ان آیات میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اگر اپنے آباء و اجداد ہی کے راستہ پر چلنا چاہتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے راستہ پر کیوں نہیں چلتے جو تمہارے اشرف ترین جد اعلیٰ ہیں، اور جن کے ساتھ نسبی و وابستگی کو تم خود اپنے لئے سرمایہ صد افتخار سمجھتے ہو، وہ نہ صرف تو حید کے قائل تھے بلکہ اپنی اولاد کو بھی اس کی وصیت کر گئے، بلکہ ان کا طرز عمل تو یہ بتاتا ہے کہ واضح عقلی اور نقلی دلائل کی موجودگی میں محض باپ دادوں کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے، جس وقت وہ مبعوث ہوئے تو ان کی پوری قوم اپنے آباء و اجداد کی اتباع میں شرک میں مبتلا تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید کے بجائے دلائل واضحہ کا اتباع کرتے ہوئے اپنی قوم سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا اِنِّیْ بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ جن چیزوں کی تم بندگی کرتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ (معارف)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنی قوم کی بد اعمالیوں اور بد اعتقادیوں سے اظہار براءت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص بد عمل یا بد عقیدہ لوگوں یا جماعت کے درمیان رہتا ہو اور خاموش رہنے کی صورت میں یہ اندیشہ ہو کہ اس کو بھی اس گروہ یا جماعت کا ہم خیال سمجھا جائے گا تو محض اپنے عقیدے اور عمل ہی کا درست کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس گروہ کے عقائد و اعمال سے اظہار براءت بھی ضروری ہے، جیسا کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ اپنے عقائد و اعمال کو مشرکین سے علیحدہ و ممتاز کر لیا بلکہ زبان سے بھی اظہار براءت کا اعلان فرمایا۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً یعنی اس کلمہ تو حید کی وصیت اور تاکید اپنی اولاد کو بھی کر گئے، جیسے فرمایا وَوَصَّیْ بِهَا اِبْرَاهِیْمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ (البقرة) بعض مفسرین نے جَعَلَ کا فاعل اللہ کو قرار دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ تو حید کو ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں باقی رکھا اور وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اپنی ذات کے علاوہ اپنی اولاد کو دین صحیح پر کار بند اور عمل پیرا کرنے کی فکر بھی انسان کے فرائض میں شامل ہے، انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں بھی

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ ان حضرات نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو دین صحیح پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی، لہذا جس صورت سے ممکن ہو اولاد کے اعمال و اخلاق کی اصلاح میں اپنی پوری کوشش صرف کر دینا ضروری بھی ہے، اور انبیاء کی سنت بھی۔

وَقَالُوا لَوْلَا نَزَلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ان آیات میں باری تعالیٰ نے مشرکین عرب کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جو وہ آنحضرت ﷺ کی رسالت پر کیا کرتے تھے، شروع میں تو مشرکین مکہ یہ باور کرنے ہی کو تیار نہیں تھے کہ اللہ کا کوئی رسول انسان ہو سکتا ہے، چنانچہ ان کا یہ اعتراض قرآن کریم نے جا بجا نقل کیا ہے کہ ہم محمد ﷺ کو کس طرح رسول مان لیں جبکہ وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں لیکن جب متعدد آیات قرآنی کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا گیا کہ دنیا میں جس قدر بھی انبیاء و رسل آئے وہ انسان ہی تھے اور محمد ﷺ کی طرح کھاتے پیتے بھی تھے، جب یہ کھانا پینا اور انسان ہونا سابقہ انبیاء کی نبوت کے لئے باعث نقص و عیب نہیں تو پھر محمد ﷺ کی نبوت کے لئے کیسے نقص یا باعث اعتراض ہو سکتا ہے، تو مشرکین عرب نے مینتر ابدل کر یہ اعتراض کیا کہ اگر کسی انسان ہی کو نبوت سونپنی تھی تو حضور تو مالی اعتبار سے کوئی بڑے صاحب حیثیت نہیں ہیں، لہذا یہ منصب آپ ﷺ کے بجائے مکہ اور طائف کے کسی بڑے دولت مند اور صاحب جاہ و منصب انسان کو کیوں نہیں دیا گیا؟ روایات میں ہے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے مکہ مکرمہ سے ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ اور طائف سے عروہ بن مسعود ثقفی، حبیب بن عمر ثقفی یا کنانہ بن عبد یلیل کے نام پیش کئے۔

(روح المعانی)

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ”رحمت“ نعمت کے معنی میں ہے اور یہاں سب سے بڑی نعمت، نبوت مراد ہے، استفہام انکار کے لئے ہے، یعنی یہ کام ان کا نہیں ہے کہ رب کی نعمتوں بالخصوص نعمت نبوت کو یہ اپنی مرضی سے تقسیم کریں بلکہ یہ صرف رب کا کام ہے کیونکہ وہی ہر بات کا علم اور ہر شخص کے حالات سے پوری واقفیت رکھتا ہے وہی بہتر سمجھتا ہے کہ انسانوں میں سے نبوت کا تاج کس کے سر پر رکھا جائے؟

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ لِّعَلَّاهُمْ مَّا لَمْ يَأْتُوا بِالْحُكْمِ وَلَا هُمْ يُعْزَلُونَ عِلْم و فہم میں ہم نے یہ فرق اور تفاوت اس لئے رکھا ہے تاکہ زیادہ مال والا کم مال والے سے، بڑے منصب والا چھوٹے منصب والے سے اور عقل و فہم سے وافر حصہ پانے والا اپنے سے کم تر عقل و شعور رکھنے والے سے کام لے سکے، اللہ تعالیٰ کی اس حکمت بالغہ سے کائنات کا نظام بحسن و خوبی چل رہا ہے، ورنہ اگر سب لوگ ہر چیز میں برابر و یکساں ہوتے تو کوئی کسی کا کام کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا، جس سے دنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

لَوْ لَا اِنْ يَكُونُ النَّاسُ اُمَّةً وَاحِدَةً الْخ اس آیت میں چار امر مذکور ہیں ① مومنین کی رعایت کہ مبادا کافروں کی دولت کو دیکھ کر پھسل جائیں، اور دولت کو رضاء الہی سمجھنے لگیں ② آخرت میں فوز و فلاح مومنین کے لئے خاص ہے ③ یہ کہ دنیا ذلیل ہے اور زیادہ تر کفار سے تعلق رکھتی ہے، مومن کی شان سے بعید ہے کہ ایسی حقیر و فانی چیز پر نظر و فخر کرے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہ ملتا

③ سونے اور چاندی کی حرمت کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ جو چیز کفار کے لئے سزاوار نہ ہونا چاہئے، پھر یہ بھی اشارہ ہے کہ سونے چاندی کا مطلقاً استعمال منع نہیں اور یہ لولا سے سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ لولا کے ذریعہ نفی، ثبوت پر دلالت کرتی ہے، لہذا جہاں جہاں شارع سے منع ثابت ہے ممنوع ہے، جیسے اکٹار مال، اور استعمال ظروف طلا، و نقرہ منع ہے، اور مردوں کے لئے لباس و زیور، فرمایا آپ ﷺ نے لا تشربوا فی آنية الذهب والفضة لا تأكلوا فی اصحابها فانھا لهم فی الدنیا، لنا فی الآخرة واما حولہم اللہ تعالیٰ فی الدنیا لحقارتھا (ترمذی) ”نہ کھاؤ بیوسونے چاندی کے برتنوں میں یہ کفار کے لئے دنیا میں ہیں اور ہمارے لئے آخرت میں اور اللہ نے دنیا انہیں اس لئے عطا کی کہ وہ حقیر ہے۔“

سُؤَال: سونا چاندی کیوں ممنوع اور حقیر ہے حالانکہ دنیا میں معاش و معیشت کا نظام اس کے ساتھ قائم ہے، نیز دینی و دنیوی حاجات کا وسیلہ ہے اور آخرت میں موعود اور بہشت میں موجود۔

جواب: ممانعت باعتبار اثر کے ہے اس لئے موجب تکبر و تفاخر اور باعث کمال محویت و تغافل، جس کی وجہ سے خلوص حب الہی کو مانع ہے، اور غورتوں کے لئے جواز یا تو بطور احسان ہے یا جنت کی نعمتوں کے نمونہ کے طور پر ہے۔ (خلاصۃ التفاسیر)

وَمَنْ يَعْشْ يَغْرِضْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ الْقَرِیْنِ ۝ لَقِيْضٌ نَسِيبٌ لَهُ شَيْطَانٌ فَهُوَ لَهُ قَرِیْنٌ ۝ لَا يُفَارِقُهُ وَانَّهُمْ اِی الشَّیَاطِیْنِ لَیَصْذُوْنَهُمْ اِی الْعَاشِیْنِ عَنِ السَّبِیْلِ طَرِیْقِ السُّهْدِ ۝ وَحَسْبُوْنَ اِنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ فِی الْجَمْعِ رِغَايَةُ مَعْنٰی مَنْ حَتّٰی اِذَا جَاءَنَا الْعَاشِیْ بَقْرِیْنَةِ یَوْمِ الْقِیْمَةِ قَالَ لَهُ یَا لَیْسَبِیْہِ لَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقِیْنِ اِی مِثْلُ بُغْدِ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ ۝ اَنْتَ لَیْ قَالَ تَعَالٰی وَلَنْ یَنْفَعَكَ اِی الْعَاشِیْنَ تَمَنِّیْکُمْ وَنَدَمُکُمْ اَلْیَوْمَ اِذْ ظَلَمْتُمْ اِی تَبِیْنَ لَکُمْ ظُلْمُکُمْ بِالْاِشْرَاکِ فِی الدُّنْیَا اَنْکُمْ مَعَ قُرْنَائِکُمْ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝ عِلَّةٌ بِتَقْدِیْرِ اللّٰمِ لِعَدَمِ النِّفَعِ وَاِذَا بَدَلَ مِنَ الْیَوْمِ اَفَآنَتْ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ وَمَنْ كَانَ فِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ بَیْنِ اِی فَهْمٍ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ فَاَمَّا فِیْہِ اِذْ غَامُ نَوْنِ اِنْ الشَّرْطِیَّةِ فِی مَا الزَّائِدَةِ نَذَهَبَنَّ بِکَ بِاَنْ نُمِیْتُکَ قَبْلَ تَغْذِیْبِهِمْ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنتَقِمُوْنَ ۝ فِی الْاٰخِرَةِ اَوْثَرِیَّتْکَ فِی حَیَوِیَّتْکَ الَّذِی وَعَدْنَهُمْ بِہِ مِنَ الْعَذَابِ فَاِنَّا عَلَیْہُمْ عَلٰی عَذَابِهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝ قَادِرُوْنَ فَاسْتَمِیْکَ بِالَّذِیْ اَوْحٰی اِلَیْکَ اِی الْقُرْآنِ اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ وَاِنَّہُ لَذِکْرٌ لِّشَرَفٍ لِّکَ وَلِقَوْمِکَ لِنُزُوْلِهِ بُلْغَتِهِمْ ۝ وَسَوْفَ تُسْأَلُوْنَ ۝ عَنِ الْقِیَامِ بِحَقِّہِ وَسَلَّ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَا اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اِی غَیْرِہِ اِلٰہًا یُعْبَدُوْنَ ۝ قِیْلَ ہُوَ عَلٰی ظَہِرِہِ بَانَ جُمِیعَ لَہِ الرُّسُلُ لَیْلَةُ الْاِسْرَاءِ وَقِیْلَ الْمُرَادُ اَمَمٌ مِنْ اٰیِ اَہْلِ الْکِتَابِیْنِ وَلَمْ یَسْأَلْ عَلٰی وَاحِدٍ مِنَ الْقَوْلِیْنِ لِاَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْاَمْرِ بِالسُّؤَالِ التَّفْرِیْرُ لِمُشْرِکِی قُرَیْشٍ اَنَّهُ لَمْ یَاْتِ رَسُوْلٌ مِنَ اللّٰہِ وَلَا کِتَابٌ بِعِبَادَةِ غَیْرِ اللّٰہِ۔

تَرْجُمَہ: اور جو شخص رَحْمَن کے ذکر یعنی قرآن سے اعراض کرے۔ تو ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں سو وہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے کہ اس سے جدا نہیں ہوتا اور بلاشبہ وہ شیطاں ان اعراض کرنے والوں کو ہدایت کے راستہ سے روکتے ہیں اور یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں جمع کرنے میں مَسُّ کے تحت رَحْمَن کی رِیَایَت ہے یہاں تک کہ جب وہ اعراض کرنے والا اپنے ساتھی کے ساتھ قیامت کے روز ہمارے پاس آئے گا تو اپنے ساتھی سے کہے گا، کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی یعنی جس قدر مشرق و مغرب کے درمیان دوری ہے۔ یہاں تک کہ تم میرا بڑا اُترا ساٹھی ہے، (اے) اعراض کرنے والا! آج ہرگز تم کو تمہاری آرزو اور ندامت کچھ فائدہ نہ دے گی جبکہ تم ظالم ٹھہر چکے یعنی دنیا میں شرک کر کے تمہارا ظلم ظاہر ہو گیا اس لئے کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ عذاب میں شریک ہوؤ گے یہ تقدیر لام کے ساتھ عدم نفع کی علت ہے اور اِذْ، الْیَوْم سے بدل ہے کیا تو بہرے کو سنا سکتا ہے یا اندھے کو راہ دکھا سکتا ہے اور اس کو کہ جو کھلی مِراہی میں ہو یعنی وہ ایمان نہیں لائیں گے پس اگر ہم آپ کو یہاں (دنیا) سے وفات دیکر ان کو عذاب دینے سے پہلے لے بھی جائیں تو بھی ہم آخرت میں ان سے انتقام لینے والے ہیں یا جس عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے وہ آپ کو آپ کی زندگی میں دکھا دیں، ہم اس پر بھی قادر ہیں، پس جب وحی (یعنی) قرآن کو آپ کی طرف بھیجا گیا ہے آپ اس کو مضبوطی سے تھامے رہیں، بلاشبہ آپ راہ راست پر ہیں اور یقیناً یہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے باعث شرف ہے اس کے ان کی زبان میں نازل ہونے کی وجہ سے، اور عنقریب تم لوگوں سے اس کا حق ادا کرنے کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور ہمارے ان رسولوں سے پوچھو جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا، کیا ہم نے سوائے رَحْمَن کے اور معبود مقرر کئے تھے؟ کہا گیا ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر ہے، بایں طور کہ تمام رسولوں کو لیلۃ الاسراء میں جمع کیا گیا، اور کہا گیا ہے کہ مراد دونوں اہل کتاب سے کوئی سی بھی امت ہے، اور دونوں قولوں میں سے کسی قول کے مطابق آپ نے سوال نہیں کیا، اس لئے کہ سوال کا حکم کرنے سے مراد مشرکین قریش سے اقرار کرانا ہے یہ کہ نہ تو اللہ کی طرف سے کوئی رسول آیا اور نہ کوئی کتاب جو غیر اللہ کی عبادت کا حکم لے کر آئی۔

تَحْقِيقُ تَرْکِیْبِ تَسْهِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: عَشَا يَعْشُوا كَذَعَا يَدْعُوا عَشِيًّا وَعَشُوا سے واحد مذکر غائب، اعراض کرنا، مَنْ يَعْشُ جو اعراض کرے گا (ن) عَشُوا اعراض کرنا، نظریں چرانا، وبالفارسیہ چشم پوشیدن، وغافل شدن۔

قَوْلُهُ: نُقِیْضُ جواب شرط ہے یَعْشُ فعل شرط مجزوم بحذف الواو حذف واو پر ضمہ دال ہے، اور مَنْ حرف شرط ہے۔

قَوْلُهُ: نُقِیْضُ (تفعیل) مضارع جمع متکلم ہم مقدر کر دیتے ہیں، ہم سبب بنادیتے ہیں۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: اِنَّهُمْ هُمُ ضَمِیْرُ کَا مَرَجِ شَیْطَانٍ هَے، شَیْطَانٍ چُونکہ جنس هَے اس لئے ضَمِیْر کو جمع لایا گیا هَے اور جہاں ضَمِیْر کو مفرد لائے وہاں لفظ شَیْطَان کی رعایت کی گئی هَے۔

قَوْلًا: وَیَحْسَبُوْنَ اَنْهُمْ مُّہْتَدُوْنَ جملہ حالیہ هَے معنی مَنْ کی رعایت کی وجہ سے تینوں جگہ جمع کا صیغہ لایا گیا هَے۔

(صاوی ملخصاً)

قَوْلًا: بِقَرِیْنِهِ اِی مع قَرِیْنِهِ۔

قَوْلًا: یَا لِلتَّنْبِیْہِ یَا تَنْبِیْہِ کے لئے بھی ہو سکتا هَے جیسا کہ شارح نے اشارہ کیا هَے اور یَا تَنْبِیْہِ بھی ہو سکتا هَے، منادیٰ محذوف ہوگا، اِی یا قَرِیْنِ، لَیْتَ بَیْنِی وَبَیْنَكَ الْخ۔

قَوْلًا: تَمْنِیْکُمْ وَنَذْمُکُمْ جملہ معطوفہ ہو کر یَنْفَعُکُمْ کا فاعل هَے۔

قَوْلًا: تَبِیْنْ لَکُمْ ظُلْمُکُمْ اس عبارت کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا هَے۔

شبہ: ظلم یعنی کفر و شرک دنیا میں واقع ہوا، اس لئے کہ اِذَا ماضی کے لئے ظرف هَے، اور اَلْیَوْم سے مراد قیامت کا دن هَے جو کہ اِذَا سے بدل هَے، لہذا ماضی حال سے کس طرح بدل واقع ہو سکتی هَے۔

جَوَاب: تَبِیْن سے مراد ظلم کا ظہور هَے اور یہ قیامت کے دن ہوگا۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

مَنْ یَعِشْ، عِشًا یَعِشُوا کے معنی ہیں آنکھوں کی بیماری یعنی رتو نذا جس کو شب کوری کہتے ہیں، یعنی جو اللہ کے ذکر سے اندھا ہوا، آنکھیں چرائیں، اعراض کیا، شَیْطَانِ ایسے شخص کا ساتھی اور رفیق ہو جاتا هَے، جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا هَے، اور شَیْطَانِ ان کے حق کے راستہ میں حائل ہو جاتے ہیں اور انہیں برابر سمجھاتے رہتے ہیں، کہ تم حق پر ہو حتی کہ وہ واقعی طور پر اپنے بارے میں یہی گمان کرنے لگتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں، یا کافر شیطانون کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہیں۔

(فتح القدیر ملخصاً)

فَائِدَہ: آیت میں اس بات کی طرف اشارہ هَے کہ ذکر اللہ سے شَیْطَانِ مغلوب اور غفلت سے شَیْطَانِ غالب ہو جاتا هَے، اور آخر کار جبل مرکب میں مبتلا ہو کر دائمی نقصان و حرمان کا مستحق ہو جاتا هَے، آخرت میں جب عذاب کا مشاہدہ کرے گا تو اپنی غلطی پر نادم ہو کر کہے گا، کاش میرے اور اس کے درمیان دنیا میں مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی۔ (ارشاد ہوگا) یہ شَیْطَانِ براہمنشین هَے اور اے غافل! آج تم کو ندامت و خجالت کوئی فائدہ نہیں دے گی، اس لئے کہ تم دنیا میں ظلم کر چکے بے شک تم دونوں عذاب الہی میں شریک اور دوزخ میں بھی قریب رہو گے۔

درمنثور میں هَے کہ جب کافر قبر سے اٹھے گا تو شَیْطَانِ ہاتھ میں ہاتھ دیکر دوزخ تک ہمراہ رہے گا اور مومن کے ساتھ فرشتہ

جنت تک ہمراہ رہے گا، اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک جن اولادِ شیاطین میں سے معین ہے (جسے ہمزاد کہتے ہیں) صحابہ نے عرض کیا یا رسول آپ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا: ہاں! مگر اللہ نے میری مدد کی جس کی وجہ سے وہ ایمان لے آیا، اب وہ مجھے سوائے خیر کے کچھ نہیں بتاتا اور فرمایا کافروں کا شیطان خورد و خواب میں شریک رہتا ہے، اور شیطان زیادہ کھانے والے اور زیادہ سونے والے کو بہت دوست رکھتا ہے۔ (خلاصۃ التفاسیر)

أَفَأَنْتَ تَسْمِعُ (الآیۃ) یعنی جس کے لئے شقاوت ابدی لکھ دی گئی ہے وہ وعظ و نصیحت کے اعتبار سے بہرا اور اندھا ہے وہ آپ کی دعوت و تبلیغ سے راہِ راست پر نہیں آسکتا، یہ استفہام انکاری ہے، جس طرح بہرا سننے اور اندھا دیکھنے سے محروم ہے، اسی طرح کھلی گمراہی میں مبتلا حق کی طرف آنے سے محروم ہے، درحقیقت یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے تاکہ ایسے کے کفر سے آپ زیادہ تشویش محسوس نہ کریں۔

أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ (الآیۃ) یعنی عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، عین ممکن ہے کہ وہ آپ کی حیات مبارک ہی میں مکہ میں رہتے ہوئے ان پر آجائے، اور اگر ہماری مشیت متقاضی ہوئی تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے انتقال یا مکہ سے منتقل ہونے کے بعد ان پر وہ عذاب آئے ورنہ بصورت دیگر عذاب اخروی سے تو وہ بچ نہیں سکتے، مطلب یہ کہ ہمیں پوری قدرت حاصل ہے جو ہماری مصلحت کا مقتضی ہوگا وہی ہوگا، چنانچہ آپ کی حیات مبارک ہی میں بدر کی جنگ میں کافر عبرت ناک شکست اور ذلت سے دوچار ہوئے۔

وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ تَخْصِيصُ کا مطلب یہ نہیں کہ دوسروں کے لئے ذکر و شرف نہیں بلکہ اولین مخاطب چونکہ قریش تھے، اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا، ورنہ تو قرآن پورے جہان کے لئے نصیحت و شرف ہے وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ (سورہ قلم)

وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الْخِ آپ ﷺ تمام پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء سابقین تو وفات پا چکے تھے، ان سے پوچھنے کا حکم کیسے دیا جا رہا ہے، اس کا جواب بعض مفسرین نے یہ دیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ معجزے کے طور پر انبیاء سابقین سے آپ کی ملاقات کرا دے تو اس وقت ان سے یہ بات دریافت کر لیجئے چنانچہ شب معراج میں آپ کی ملاقات تمام انبیاء مت بیت المقدس میں ہوئی، قرطبی کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمانے کے بعد یہی بات انبیاء علیہم السلام سے دریافت کی مگر ان روایات کی سند معلوم نہیں ہو سکی، چنانچہ اکثر مفسرین نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ خود انبیاء علیہم السلام سے پوچھنا مراد نہیں بلکہ ان پر نازل ہونے والے صحیفوں سے تحقیق کرنا اور ان کی امتوں کے علماء سے پوچھنا مراد ہے چنانچہ انبیاء کے جو صحیفے اب موجود ہیں ان میں بہت سی تحریفات کے باوجود تو حید کی تعلیم اور شرک سے بیزاری کی تعلیم آج تک شامل ہے، مثال کے طور پر موجود بائبل کی درج ذیل عبارتیں ملاحظہ فرمائیے۔

انبیاء کے صحیفوں میں توحید کی تعلیم:

موجودہ توریت میں ہے:

”تا کہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔“ (استثناء ۴: ۳۵)

”اور سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے۔“ (استثناء ۶: ۴)

اور حضرت اشعیا علیہ السلام کے صحیفہ میں ہے:

”میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں، میرے سوا کوئی خدا نہیں تا کہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔“ (یسعیاہ ۴۵: ۶۰)

اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول موجودہ انجیل میں موجود ہے:

”اے اسرائیل، سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی پیاری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔“ (مرقس ۱۲: ۲۹ و متی ۲۲: ۳۶)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ۖ أَي الْقَبِطِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا الذَّالَّةِ عَلَىٰ رِسَالَتِهِ إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ۖ وَمَنْ أَرْسَلَهُمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ الْعَذَابِ كَالطُّوفَانِ وَهُوَ مَاءٌ دَخَلَ بُيُوتَهُمْ وَوَصَلَ إِلَىٰ خُلُوقِ الْجَالِسِينَ سَبْعَةَ أَيَّامٍ وَالْجُرَادِ ۖ إِلَٰهِي أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهِمَا ۖ قَرِيبَتِهَا الَّتِي قَبْلَهَا وَأَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۖ عَنْ كُفْرِهِمْ وَقَالُوا لِمُوسَىٰ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ يَا أَيُّهَا الشَّجَرُ أَي الْعَالَمِ الْكَامِلِ لِأَنَّ السِّحْرَ عِنْدَهُمْ عِلْمٌ عَظِيمٌ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ بِس كُشْفِ الْعَذَابِ عَنَّا إِنْ آمَنَّا إِنَّا لَمُهْتَدُونَ ۖ أَي مُؤْمِنُونَ فَلَمَّا كَشَفْنَا بِدُعَاءِ مُوسَىٰ عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْتَكِبُونَ ۖ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ وَيُصِرُّونَ عَلَىٰ كُفْرِهِمْ وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ افْتَحَا زَا فِي قَوْمِهِ قَالَ يَقَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكٌ مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ أَي مِنَ النَّيْلِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي أَي تَحْتَ قُصُورِي أَفَلَا تَبْصُرُونَ ۖ عَظَمَتِي أَمْ تُبْصِرُونَ وَجِئْتُكُمْ أَنَا خَيْرٌ مِنْ هَذَا أَي مُوسَى الَّذِي هُوَ مِهِينٌ ۖ ضَعِيفٌ حَقِيرٌ وَلَا يَكَادُ سَيْنٌ ۖ يُظْهِرُ كَلَامَهُ لِيُلْغِيَهُ بِالْجُمُرَةِ الَّتِي تَنَاوَلَهَا فِي صِغَرِهِ فَلَوْلَا أَلْقَىٰ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ صَادِقًا أَسْوَرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ جَمْعُ أَسْوَرَةٍ كَأَغْرِبَةٍ جَمْعُ سُورٍ كَعَادَتِهِمْ فِيمَا يَسْوُدُونَهُ أَنْ يَلْبَسُوهُ أَسْوَرَةٌ ذَهَبٍ وَيَطُوقُوهُ طَوْقَ ذَهَبٍ أَوْجَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقَرَّنِينَ ۖ مُتَّبَاعِينَ يَشْهَدُونَ بِصِدْقِهِ فَاسْتَخَفَّ اسْتَفْزَرَ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ فِيمَا يُرِيدُ مِنْ تَكْذِيبِ مُوسَىٰ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۖ فَلَمَّا أَسْفُونَا أَغْضَبُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۖ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا جَمْعُ سَالِفٍ كَخَدَمٍ وَخَدَمٍ أَي سَابِقِينَ عِبْرَةً وَمَثَلًا لِلْآخِرِينَ ۖ بَعْدَهُمْ يَتِمَثَّلُونَ بِحَالِهِمْ فَلَا

يُقَدِّمُونَ عَلَىٰ مِثْلِ أَعْمَالِهِمْ

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دیکر فرعون اور اس کے امراء یعنی قبطیوں کے پاس بھیجا تو موسیٰ علیہ السلام نے (جا کر) کہا کہ میں سارے جہانوں کے پروردگار کا رسول ہوں، پس جب وہ اپنی رسالت پر دلالت کرنے والی ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو وہ بے ساختہ ان پر ہنسنے لگے، اور ہم انہیں جو عذاب کی نشانیاں دکھاتے تھے مثلاً طوفان کی نشانی اور وہ پانی تھا جو ان کے گھروں میں داخل ہو گیا تھا اور وہ بیٹھے لوگوں کے حلق تک پہنچ گیا تھا، اور یہ سات دن رہا، اور مڈیوں کی نشانی تو وہ سابقہ دوسری نشانی سے بڑھی چڑھی ہوتی تھی، اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تا کہ وہ اپنے کفر سے باز آجائیں، جب انہوں نے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے اے عالم کامل اس لئے کہ سحران کے نزدیک عظیم علم تھا، تو ہمارے لئے اس کی دعاء کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے یعنی عذاب کو دور کر دینے کا اگر ہم ایمان لے آئیں یقین مانو، کہ ہم راہ پر لگ جائیں گے یعنی ایمان لے آئیں گے، پھر جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی دعاء کی بدولت وہ عذاب ان سے ہٹا لیا تو انہوں نے اسی وقت اپنا قول و قرار توڑ دیا، اور اپنے کفر پر اصرار کرنے لگے اور فرعون نے اپنی قوم میں فخریہ طور پر منادی کرائی اور کہا اے میری قوم کیا ملک مصر میرا نہیں؟ اور یہ نہریں (یعنی) نہرنیل (کی شاخیں) میرے مخلوق کے نیچے بہہ رہی ہیں تم میری عظمت کو دیکھتے ہو یا نہیں دیکھتے، اور بایں حالت میں اس موسیٰ سے جو کہ وہ ضعیف و حقیر ہے بہتر ہوں، اور صاف بول بھی نہیں سکتا، یعنی واضح کلام نہیں کر سکتا، اس لکنت کی وجہ سے جو اس چنگاری کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی جو (اس نے) اپنے بچپن میں منہ میں رکھ لی تھی، اچھا تو اس (کے ہاتھوں) میں سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے اگر یہ (دعوائے) نبوت میں سچا ہے، اساور اسورہ کی جمع ہے جیسا کہ اَغْرِبَةُ اور اَسْوَرَةُ، سوار کی جمع ہے، جیسا کہ ان کا طریقہ تھا کہ جس شخص کو وہ سردار بناتے تھے تو اس کو سونے کے کنگن اور سونے کا ہار پہناتے تھے، یا اس کے ساتھ فرشتے مسلسل آکر اس کی سچائی کی گواہی دیتے، اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنادیا اور انہوں نے اس کی وہ بات مان لی جو وہ ان سے چاہتا تھا، یعنی موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب، یقیناً یہ سارے ہی لوگ نافرمان تھے پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو غرق کر دیا، پس ہم نے ان کو داستان پارینہ بنادیا اور نمونہ عبرت بعد والوں کے لئے کہ بعد والے ان کے حال کو بطور مثال بیان کرتے تاکہ ان کے جیسے اعمال کے اقدام کی جرأت نہ کریں۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْهِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِي فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: فَقَالَ اِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ قصہ میں اختصار ہے تفصیل سورہ طہ اور سورہ القصص میں ہے، آیت کے معنی یہ ہیں فَقَالَ اِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ لِتُؤْمِنَ بِهِ وَ تَرْسُلَ مَعِيَ بَنِي اِسْرَائِيْلَ۔

قَوْلًا: فَلَمَّا جَاءَ هُم بِآيَتِنَا فَأَعَاطَفَهُ هِيَ، اس کا مقدر پر عطف ہے، ای فُطِّلُوا مِنْهُ آيَةً تَدُلُّ عَلَى صِدْقِهِ۔
قَوْلًا: يَنْكُثُونَ، نَكْثٌ (ن) جمع مذکر غائب توڑنے لگتے ہیں، توڑ دیتے ہیں۔

قَوْلًا: سَلَفًا مفسر علام نے جمع سَالِفٍ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ سَلَفًا مصدر نہیں ہے کہ تاویل کی ضرورت پیش آئے بلکہ سَلَفًا، سَالِفٌ کی جمع ہے، جیسا کہ خَدَمٌ، خَادِمٌ کی جمع ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

ولقد أرسلنا موسى بآيتنا (الآية) قریش مکہ نے کہا تھا کہ اللہ کو اگر کسی کو رسول بنا کر بھیجنا ہی تھا تو مکہ اور طائف کے کسی ایسے شخص کو بھیجتا کہ جو صاحب مال و جاہ ہوتا، فرعون نے بھی موسیٰ عليه السلام کے مقابلہ میں یہی کہا تھا کہ میں موسیٰ سے بہتر ہوں اور یہ مجھ سے کمتر ہے یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا، مگر جس طرح فرعون کا یہ شبہ کچھ کام نہ آسکا، اور اپنی قوم سمیت غرق ہو کر رہا، اسی طرح کفار مکہ کا یہ اعتراض بھی انہیں دنیا و آخرت کے وبال سے نہ بچا سکے گا۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ اس کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ فرعون نے اپنی قوم کو آسانی سے اپنا تابع بنا لیا، اور دوسرے یہ کہ اس نے اپنی قوم کو بیوقوف بنا لیا یا بیوقوف پایا (روح) فَلَمَّا آسَفُونَا یہ آسَفٌ سے مشتق ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: افسوس، اور چونکہ غصہ میں عام طور پر افسوس ہوتا ہے اسی مناسبت سے غصہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کا با محاورہ ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ ”جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا“ اور اللہ تعالیٰ چونکہ غصہ اور افسوس کی انفعالی کیفیات سے پاک ہے اس لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ایسے کام کئے کہ جس سے ہم نے انہیں سزا دینے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ (روح المعانی)

وَلَمَّا ضَرَبَ جَعَلِ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا حِينَ نَزَلَ قَوْلُهُ تَعَالَى إِنَّكُمْ وَمَن تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حُصْبٌ جَهَنَّمَ فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ رَضِينَا أَن تَكُونَ إِلَهُنَا مَعَ عِيسَى لِأَنَّهُ عَبْدٌ مِّن دُونِ اللَّهِ إِذَا قَوْمُكَ الْمُشْرِكُونَ مِنْهُ بِنِ الْمَثَلِ يَصْدُونَ^(۵۸) يَخْجُونَ فَرَحًا بِمَا سَمِعُوهُ وَقَالُوا الْهَيْتَ أَخِيرًا هُوَ ائِ عِيسَى فَنَرْضَى أَن تَكُونَ إِلَهُنَا مَعَهُ مَا ضَرَبُوهُ ائِ الْمَثَلِ لَكَ الْإِجْدَالُ خُصُومَةٌ بِالْبَاطِلِ لَعَلِّهِمْ أَن مَّا لِبِغِيرِ الْعَاقِلِ فَلَا يَتَنَاولُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ^(۵۹) شَدِيدُ الْخُصُومَةِ ائِ هُوَ مَا عِيسَى ائِ الْعَبْدُ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ بِالنُّبُوَّةِ وَجَعَلْنَاهُ بِوُجُودِهِ بِنِ غَيْرِ ائِ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ ائِ كَالْمَثَلِ لِبَغَايَتِهِ يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى قُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى مَا يَشَاءُ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ بَذَلِكَ مَلِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ^(۶۰) بَانَ نُهْلِكُكُمْ وَإِنَّهُ ائِ عِيسَى لَعِلْمُ السَّاعَةِ تُعْلَمُ بِزَوَالِهِ فَلَا تَمْتَرْنَ بِهَا حُذِفَ مِنْهُ نَوْنُ الرَّفْعِ لِلْجُزْمِ وَوَاوُ الضَّمِيرِ لِإِلْتِقَاءِ السَّاكِنِينَ تَشْكُرْنَ فِيهَا وَ قُلْ لَهُمُ ائِ شِعُونَ عَلَى التَّوْحِيدِ هَذَا الَّذِي أَسْرَكْتُمْ بِهِ صَرَاطَ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ^(۶۱) وَلَا يَصْدَقُكُمْ يُضَرِّفُكُمْ عَنْ دِينِ اللَّهِ الشَّيْطَانُ

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ يَبَيِّنُ الْعَدَاوَةَ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَى بِالْبَيِّنَاتِ بِالْمُعْجَزَاتِ وَالشَّرَائِعِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ
بِالنُّبُوَّةِ وَشَرَائِعِ الْإِنْجِيلِ ۝ وَلَا بُدَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ مِنْ أَحْكَامِ التَّوْرَةِ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ وَغَيْرِهِ فَبَيَّنَ لَهُمْ
أَمْرَ الدِّينِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ طَرِيقٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ
مِنْ بَيْنِهِمْ فَبَيَّنَ فِي عِيسَى هُوَ اللَّهُ أَوْ ابْنُ اللَّهِ أَوْ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ قَوْلٌ كَلِمَةٌ عَذَابٌ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا كَفَرُوا بِمَا قَالُوهُ
فِي عِيسَى مِنْ عَذَابٍ يَوْمَ الْيَوْمِ ۝ مُؤَلِّمٌ هَلْ يَنْظُرُونَ أَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ أَيْ مَا يَنْتَظِرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ
بَدَلٌ مِنَ السَّاعَةِ بَغْتَةً فَجَاءَتْ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ بِوَقْتٍ مَجِيئُهَا قَبْلَهُ الْإِخْلَاءُ عَلَى الْمَعْصِيَةِ فِي الدُّنْيَا يَوْمَئِذٍ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهِ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝ الْمُتَحَابِّينَ فِي اللَّهِ عَلَى طَاعَتِهِ فَانْتَهَمَ أَصْدِقَاءُ.

ترجمہ: اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی (یعنی) جب اللہ تعالیٰ کا قول اُنکُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
حَصَبُ جَهَنَّمَ نازل ہوئی تو مشرک کہنے لگے کہ ہم اس بات پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود بھی عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ (جہنم
میں) ہوں، اس لئے کہ اللہ کے علاوہ ان کی بھی بندگی کی گئی تو (اے محمد) تیری مشرک قوم اس مثال کو سن کر (مارے خوشی
کے) چیخنے لگی اور انہوں نے کہا کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام، ہم اس بات پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود
(جہنم) میں عیسیٰ کے ساتھ ہوں تجھ پر ان کا یہ اعتراض کرنا محض باطل طریقہ پر جھگڑنے کی غرض سے ہے، ان کی اس بات سے
واقف ہونے کی وجہ سے کہ ما غیر ذوی العقول کے لئے ہے، لہذا اس میں عیسیٰ علیہ السلام شامل نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ ہیں ہی
جھگڑالو سخت جھگڑنے والے، عیسیٰ (علیہ السلام) بھی) صرف بندے ہی ہیں جن پر ہم نے نبوت کے ذریعہ احسان فرمایا اور ہم
نے ان کو بغیر باپ پیدا ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل کے لئے نشان (قدرت) بنا دیا یعنی مثال کے مانند ان کے عجیب طریقہ
سے پیدا ہونے کی وجہ سے اسی سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال کیا جاتا ہے جس کا وہ ارادہ کرے اگر ہم چاہتے تم سے فرشتے
پیدا کر دیتے جو (تمہاری) جانشینی کرتے، اس طریقہ پر کہ ہم تم کو ہلاک کر دیتے اور وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی علامت
ہے اس کے نزول سے (قیامت) کا علم حاصل ہوگا، لہذا تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو نو نون رفع جازم کی وجہ سے اور واؤ
ضمیر التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا تَمْتَرُونَ (معنی میں) تَشْكُنُّ کے ہے، اور ان سے کہہ دو کہ توحید کے بارے میں
میری اتباع کرو یہی جس کا میں تم کو حکم دے رہا ہوں سیدھی راہ ہے شیطان تمہیں اللہ کے دین سے روک نہ دے یقیناً وہ تمہارا
صریح دشمن ہے (یعنی) کھلی عداوت والا ہے اور جب عیسیٰ معجزات اور احکام لیکر آئے تو فرمایا کہ میں تمہارے پاس نبوت اور
انجیل کے احکام لے کر آیا ہوں تاکہ جن بعض چیزوں میں تم اختلاف کر رہے ہو ان کو واضح کر دوں، مثلاً تورات کے دینی احکام
وغیرہ، چنانچہ آپ نے ان کے لئے دین کے معاملہ کو واضح کر دیا، پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو بلاشبہ میرا اور تمہارا رب اللہ
ہی ہے پس تم سب اسی کی بندگی کرو، راہ راست یہی ہے پس جماعتوں نے آپس میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف

ہا، آیا وہ خدا ہے یا خدا کا بیٹا ہے یا تین میں کا تیسرا ہے، سوظالموں (یعنی) کافروں کے لئے خرابی ہے اس سبب سے جو اس نے مِثْلِي عَلَيْهِمُ الْعَذَابُ کے بارے میں کہا تکلیف والے دن کے عذاب سے وَنِلَّ کلمہ عذاب ہے، یہ کفار مکہ صرف پیامت کے منتظر ہیں کہ ان پر اچانک آپڑے (تَاتِيهِمُ السَّاعَةُ) سے بدل ہے اور انہیں اس کے آنے کی پہلے سے خبر بھی نہ ہو ان دن معصیت کی بنیاد پر دنیا میں دوستی رکھنے والے ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ يَوْمَئِذٍ كَاتِلِقُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ سے ہے مگر متقین آپس میں ایک دوسرے کے دشمن نہ ہوں گے یعنی جن کی دوستی اللہ کے لئے ہوگی، اس کی طاعت پر تو وہ آپس میں دوست ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: ضَرَبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا ای شَبَّہ ابْنُ مَرْيَمَ بِالْأَصْنَامِ مفسر علام نے ضَرْب کی تفسیر جَعَلَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ضَرْب بمعنی جَعَلَ متعدی بدو مفعول ہے، پہلا مفعول ابْنُ مَرْيَمَ ہے، جو کہ نائب فاعل ہے اور دوسرا مفعول مَثَلًا ہے۔ اِذَا مَتَّاجَاتِيہ ہے اور قَوْمُكَ مَبْتَدَاء مِنْهُ يَصِدُّونَ کے متعلق ہے، اور يَصِدُّونَ جملہ ہو کر خبر ہے۔

قَوْلُهُ: يَصِدُّونَ صاد کے کسرہ کے ساتھ، مضارع جمع مذکر غائب (ض) وہ چیتے چلاتے ہیں (لغات القرآن) خوشی سے شور مچاتے ہیں (اعراب القرآن) اور بعض حضرات نے يَصِدُّونَ صاد کے ضم کے ساتھ پڑھا ہے، اس وقت صِدُّوْذ سے مشتق ہوگا، وہ اعراض کرتے ہیں۔

قَوْلُهُ: إِلَّا جَدَلًا، مَا ضَرَبُوا کا مفعول لہ ہے۔

قَوْلُهُ: هُوَ اللَّهُ یہ قول نصاریٰ میں سے فرقہ یعقوبیہ کا ہے اَوْ ابْنُ اللَّهِ یہ قول نصاریٰ میں سے فرقہ مرقوسیہ کا ہے، اَوْ ثَالِثُ ثَلَاثَةِ یہ قول نصاریٰ کے تیسرے فرقہ ملکانیہ کا ہے۔ (جمل)

قَوْلُهُ: إِلَّا إِخْلَاءً یہ خلیل کی جمع ہے بمعنی دوست۔

قَوْلُهُ: عَلَى الْمَعْصِيَةِ اگر إِخْلَاءً کو معصیۃ کے ساتھ مقید کیا جائے جیسا کہ مفسر علام نے کیا ہے تو إِلَّا الْمُتَّقِينَ مستثنیٰ منقطع ہوگا، اس لئے کہ متقیوں کی دوستی معصیۃ کی وجہ سے نہیں ہوتی، اس صورت میں مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہوگا، اور بعض حضرات نے إِخْلَاءً سے مطلقاً دوست مراد لیا ہے، اس صورت میں متقین بھی مستثنیٰ منہ میں داخل ہوں گے، جس کی وجہ سے مستثنیٰ متصل کہلائے گا۔

قَوْلُهُ: متعلق بقوله بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ یعنی يَوْمَئِذٍ كَاتِلِقُ عَدُوٌّ سے ہے اس لئے کہ يَوْمَئِذٍ عَدُوٌّ کا ظرف متقدم ہے۔

سُؤَالٌ: عَدُوٌّ صیغہ صفت کا ہونے کی وجہ سے عامل ضعیف ہے، یہ اسی وقت عمل کرتا ہے جب اس کا معمول ترتیب سے یعنی

اس کے بعد واقع ہو، حالانکہ یہاں یومئذ جو کہ عَذُو کا ظرف ہے، مقدم واقع ہے، لہذا عَذُو عامل ضعیف ہونے کی وجہ سے یومئذ میں عمل نہیں کرے گا۔

جواب: ظروف میں چونکہ توسع ہے لہذا اس میں تقدیم کے باوجود عامل ضعیف بھی عمل کر سکتا ہے۔

شبہ: ظرف کے مقدم ہونے کے علاوہ عامل اور معمول کے درمیان مبتداء ثانی یعنی بعضهم لبعض کا فصل بھی ہے۔
دفع: مبتداء کا فصل بھی عمل سے مانع نہیں ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

شان نزول:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ان آیات کے شان نزول میں مفسرین نے تین روایتیں بیان فرمائی ہیں، ایک یہ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ قریش کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا یا معشر قریش لا خیرَ فی أحدٍ یُعْبَدُ مِن دُونِ اللَّهِ یعنی اے قریش کے لوگو! اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے اس میں کوئی خیر نہیں، اس پر مشرکین نے کہا نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں، لیکن آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ خدا کے نیک بندے اور نبی تھے، ان کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

دوسری روایت:

دوسری روایت یہ ہے کہ جب قرآن کریم کی آیت اِنکُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ بلاشبہ اے مشرک! تم اور جن کی تم بندگی کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے، نازل ہوئی، تو اس پر عبد اللہ بن زبیری نے جو اس وقت کافر تھے، بعد میں ایمان لائے، یہ کہا کہ اس آیت کا تو میرے پاس بہترین جواب ہے، اور وہ یہ کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اور یہود عزیر علیہ السلام کی، کیا یہ دونوں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے، یہ بات سن کر قریش کے مشرکین بہت خوش ہوئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحَسَنٰی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ اور دوسری سورہ زحرف کی مذکورہ آیت۔ (ابن کثیر)

تیسری روایت:

یہ کہ ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے یہ یہودہ خیال ظاہر کیا کہ محمد ﷺ خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتے ہیں، ان کی مرضی یہ ہے کہ جس طرح نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کی بندگی کرتے ہیں ہم بھی ان کی بندگی کریں، اس پر

مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی، درحقیقت تینوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں، کفار نے تینوں ہی باتیں کہی ہوں گی، جن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایسی جامع آیت نازل فرمادی جس سے ان کے تینوں اعتراضوں کا جواب ہو گیا۔

غرضیکہ شرک کی مذمت اور جھوٹے معبودوں کی تردید و سب سے قیمتی کی وضاحت کے لئے جب مشرکین مکہ سے کہا جاتا کہ تمہارے ساتھ تمہارے معبود بھی جہنم میں جائیں گے تو اس سے مراد پتھر کی وہ مورتیاں ہوتی ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے، نہ کہ وہ نیک لوگ جو کہ اپنی زندگیوں میں لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے، مگر ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے انہیں بھی معبود سمجھنا شروع کر دیا، ان کی بابت تو قرآن کریم ہی نے واضح کر دیا کہ یہ جہنم سے دور رہیں گے، اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُنْعَدُوْنَ (الانبیاء) کیونکہ اس میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا، اسی لئے قرآن نے ان کے لئے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ لفظ صا ہے، جو غیر عاقل کے لئے استعمال ہوتا ہے اِنکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء) اس سے انبیاء علیہم السلام اور وہ صالحین نکل گئے جن کو لوگوں نے اپنے طور پر معبود بنائے رکھا ہوگا، یعنی یہ تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی شکل بنائی ہوئی مورتیوں کو بھی دیگر مورتیوں کے ساتھ جہنم میں ڈال دے، لیکن یہ شخصیات تو بہر حال جہنم سے دور ہی رہیں گی، لیکن مشرکین نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر خیر سن کر یہ کٹ جیتی اور مجادلہ کرتے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قابل مدح ہیں، حالانکہ عیسائیوں نے انہیں معبود بنایا ہوا ہے، تو پھر ہمارے معبود کیوں قابل مذمت ہیں، کیا وہ بھی قابل مدح نہیں، یا اگر ہمارے معبود جہنم میں جائیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام بھی پھر جہنم میں جائیں گے، یہ سن کر مشرکین مکہ کا خوشی کے مارے چلانا اور شور مچانا محض جدل اور کٹ جیتی تھا، جس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ جھگڑنے والا جانتا ہے، کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے محض اپنی بات کی سچ میں بحث و تکرار کرتا ہے۔

وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنیٓ اِسْرَٓءِیْلَ اَیْکَ تَوَاسِعُ اَعْتَبَارُ سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا، دوسرے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزے دیئے گئے کہ جن کے اعتبار سے وہ بنی اسرائیل کے لئے نشان قدرت تھے مثلاً احیاء موتی، اندھوں کو بینا کرنا، کوڑھیوں اور مریضوں کو تندرست کرنا وغیرہ۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنٰکُمْ مِّنْکُمْ مَّلَٔئِکَۃً فِی الْاَرْضِ یَخْلَفُوْنَ یٰہِ نَصَارَیْ کے اس مغالطہ کا جواب ہے جس کی بناء پر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود قرار دیا تھا، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے ان کی خدائی پر استدلال کیا تھا، باری تعالیٰ ان کی تردید میں فرماتے ہیں کہ یہ تو محض ہماری قدرت کا ایک مظاہرہ تھا، اور ہم تو اس سے بھی بڑھ کر خلاف عادت کاموں پر قادر ہیں، بغیر باپ کے پیدا ہونا تو کوئی بہت زیادہ خلاف عادت چیز نہیں، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام تو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے، اگر ہم چاہیں تو ایسا کام کر سکتے ہیں، جس کی اب تک کوئی نظیر نہیں، اور وہ یہ کہ انسانوں سے فرشتے پیدا کر دیں اور زمین پر تمہاری جگہ فرشتوں کو آباد کر دیں، جو تمہاری ہی طرح ایک دوسرے کی جانشینی کریں، مطلب یہ کہ فرشتوں کا آسمان پر رہنا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت کی جائے، یہ

تو ہماری مشیت ہے کہ فرشتوں کو آسمانوں پر اور انسانوں کو زمین پر آباد کیا، ہم چاہیں تو فرشتوں کو زمین پر بھی آباد کر سکتے ہیں، لہذا مسیح علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، علامت معبودیت نہیں، بلکہ قیامت کے علم و علامت میں سے ہے لہذا تم وقوع قیامت میں تردد نہ کرو اور میری بات مانو۔

لیکن اکثر مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا دوبارہ آسمان سے نازل ہونا قیامت کی علامت ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانہ میں آسمان سے نزول فرمانا اور دجال کو قتل کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ (الآیۃ) یہاں احزاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص کی اور انہیں نعوذ باللہ ولد الزنا قرار دیا، جبکہ عیسائیوں نے غلو سے کام لیکر انہیں معبود بنالیا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ احزاب سے عیسائیوں کے فرقے مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپس میں شدید اختلاف رکھتے ہیں، کوئی فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ”ابن اللہ“ اور بعض ”اللہ“، اور بعض ”ثالث ثلاثہ“ کہتا ہے اور ایک فرقہ مسلمانوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تسلیم کرتا ہے۔

الْأَخِلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ كَیونکہ کافروں کی دوستی کفر و فسق کی بنیاد پر ہوتی ہے اور یہی کفر و فسق ان کے عذاب کا باعث ہوگا اور ایک دوسرے کو قیامت کے دن مورد الزام ٹھہرائیں گے، اور ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے اس کے برعکس، اہل ایمان و تقویٰ کی باہمی محبت چونکہ دین اور رضائے الہی کی بنیاد پر ہوتی ہے، اور دین خیر و ثواب کا باعث ہے اس سے ان کی دوستی میں کوئی خلل و انقطاع نہیں ہوگا، بلکہ آپس میں ایک دوسرے کے شفیع اور معین ہوں گے۔

وَيُقَالُ لَهُمْ لِعِبَادِ الْأَخَوَفِ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۝۱۸۱ الدِّينَ آمَنُوا نَعْتُ لِمَبَادِي بِآيَاتِنَا الْقُرْآنَ وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۝۱۸۲
أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ مُبْتَدَأُ وَأَزْوَاجُكُمْ مُحْبَرُونَ ۝۱۸۳ تُسَرُّونَ وَتُكْرَمُونَ خَيْرُ الْمُبْتَدَأِ يُطَافُ عَلَيْهِمْ
بِصَحَافٍ بِقِصَاعٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابُ جَمْعُ كُوبٍ وَهُوَ إِنَاءٌ لَا غُرُورَ لَهُ لِيُشْرَبَ الْشَارِبُ مِنْ حَيْثُ شَاءَ
وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ تَلَذُّذًا وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ نَظَرًا وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝۱۸۴ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ ۝۱۸۵ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا أَيْ بَعْضُهَا تَأْكُلُونَ ۝۱۸۶ وَمَا يُوكُلُ يَخْلُفُ بَدَلُهُ
إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۝۱۸۷ لَا يَفْتَرُ يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ۝۱۸۸ سَاكِنُونَ سَكُوتُ
يَأْسٍ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ۝۱۸۹ وَنَادَى الْمَلِكُ هُوَ خَازِنُ النَّارِ لِيَقْضِيَ عَلَيْنَا رَبُّكَ لِيَمِيتَنَا قَالَ بَعْدَ
أَلْفِ سَنَةٍ إِنَّكُمْ مِّكْثُونَ ۝۱۹۰ يُقِيمُونَ فِي الْعَذَابِ دَائِمًا، قَالَ تَعَالَى لَقَدْ جِئْتُكُمْ أَيْ أَهْلَ مَكَّةَ بِالْحَقِّ عَلَى
لِسَانِ الرُّسُلِ وَلَكِنْ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَرِهُونَ ۝۱۹۱ أَمَّا بَرْمُوزًا أَيْ كُفَّارًا مَكَّةَ أَحْكُمُوا أَمْرًا فِي كَيْدِ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ۝۱۹۲ مُحْكَمُونَ كَيْدَنَا فِي إِبْلَاكِهِمْ أَمْ يَحْسِبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ

مَا يَسِرُّونَ إِلَىٰ غَيْرِهِمْ وَمَا يَجْهَرُونَ بِهِ بَيْنَهُمْ بَلَىٰ نَسْمَعُ ذَلِكَ وَرُسُلُنَا الْحَفَظَةُ لَدَيْهِمْ عِنْدَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾
 ذَلِكَ قُلٌّ إِنَّ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ ﴿٨١﴾ فَرَضَا فَنَا أَوَّلُ الْعَبِيدِينَ ﴿٨٢﴾ لَوْلَا لَكُنْ ثَبَتَ أَنْ لَا وَلَدَ لَهُ تَعَالَى فَانْتَفَتْ
 عِبَادَتُهُ سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ الْكَرْسِيِّ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٨٣﴾ يَقُولُونَ مِنَ الْكُذْبِ بِنَسْبَةِ الْوَلَدِ إِلَيْهِ
 فَذَرَهُمْ يَخُوضُوا فِي بَاطِلِهِمْ وَيَلْعَبُوا فِي دُنْيَاهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿٨٤﴾ فِيهِ الْعَذَابُ وَهُوَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
 وَهُوَ الَّذِي هُوَ فِي السَّمَاءِ إِلَهٌُ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَتَيْنِ وَاسْقَاطِ الْأُولَى وَتَسْهِيلِهَا كَالْيَاءِ أَيْ مَعْبُودٌ
 وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌُ وَكُلٌّ مِنَ الظَّرْفَيْنِ مُتَعَلِّقٌ بِمَا بَعْدَهُ وَهُوَ الْحَكِيمُ فِي تَدْبِيرِ خَلْقِهِ الْعَلِيمُ ﴿٨٥﴾ بِمَصَالِحِهِمْ
 وَتَبَرُّكُ تَعْظَمُ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ مَتَى تَقُومُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٦﴾ بِالتَّاءِ
 وَالْيَاءِ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَعْبدُونَ أَيْ الْكُفَّارُ مِنْ دُونِهِ أَيْ اللَّهُ الشَّفَاعَةُ لِأَحَدٍ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ أَيْ
 قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٧﴾ بِقُلُوبِهِمْ مَا شَهِدُوا بِهِ بِالسِّنْتِهِمْ وَبِهِمْ عَيْسَى وَعَزِيرُ وَالْمَلَكَةُ فَانَّهُمْ
 يَشْفَعُونَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنْ لَا مُقَسِّمٌ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولَنَّ اللَّهُ حُذِفَ مِنْهُ نُونُ الرَّفْعِ وَوَاوُ الضَّمِيرِ
 فَإِنِّي يُؤْفَكُونَ ﴿٨٨﴾ يُضَرِّفُونَ عَنْ عِبَادَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَقِيلَ أَيْ قَوْلُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَصَبُهُ
 عَلَى الْمَصْدَرِ بِفَعْلِهِ الْمُقَدَّرِ أَيْ وَقَالَ يَرْبِّ إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٩﴾ قَالَ تَعَالَى فَاصْفَحْ أَعْرِضْ
 عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ مِنْكُمْ وَبِذَا قَبِلَ أَنْ يُومَرَ بِقَتَالِهِمْ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٠﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ تَهْدِيدُ لَهُمْ.

وقف لازم

تَرْجَمَہ: ان سے کہا جائے گا اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غم زدہ ہو گے، جو ہماری آیتوں
 قرآن پر ایمان لائے (الذین آمنوا) عبادی کی صفت ہے اور تھے بھی وہ فرمانبردار تم اور تمہاری بیویاں خوشی خوشی اور اکرام
 کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ (أنتم) مبتداء ہے (تُخْبِرُونَ) اس کی خبر ہے ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے
 جائیں گے اکواب، کوب کی جمع ہے، اس برتن کو کہتے ہیں جس میں ٹونٹی نہ ہو (مثلاً کٹورا اور گلاس) تاکہ پینے والا جدھر
 سے چاہے پیے، اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو ان کا دل چاہے گا اور جن کو دیکھ کر آنکھیں لذت اندوز ہوں گی اور تم اس میں
 ہمیشہ رہو گے اور یہ وہی جنت ہے جس کے تم اعمال کے بدلے وارث بنائے گئے ہو یہاں تمہارے لئے بکثرت میوے ہیں جن
 میں سے تم ہمیشہ کھاتے رہو گے اور جو کھایا جائے گا (فوراً) اس کا بدل موجود ہو جائے گا بے شک مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں
 ہمیشہ رہیں گے (یہ عذاب) کبھی بھی ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا؟ اور وہ اسی میں مایوسی کے ساتھ خاموش پڑے رہیں گے اور
 ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے اور وہ پکار پکار کر کہیں گے، اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے تاکہ ہم
 مرجائیں، ہزار سال کے بعد وہ جواب دے گا تم کو تو (ہمیشہ) عذاب میں رہنا ہے اے اہل مکہ! ہم تو تمہارے پاس رسولوں کی
 زبانی حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت رکھنے والے تھے کیا کفار مکہ نے محمد ﷺ کو نقصان پہنچانے کے

لئے کوئی پختہ تدبیر کر رکھی ہے؟ تو یقیناً مانو ہم بھی ان کی ہلاکت کے بارے میں پختہ تدبیر کرنے والے ہیں کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے؟ (یعنی) جن باتوں کو وہ رازدارانہ طور پر کرتے ہیں اور جن باتوں کو وہ آپس میں علی الاعلان کرتے ہیں (کیا ہم نہیں سنتے؟) ہاں کیوں نہیں؟ اس کو (ضرور) سنتے ہیں (علاوہ ازیں) ہمارے نگران فرستادے ان کے پاس اس کو لکھ لیتے ہیں، آپ کہہ دیجئے اگر بالفرض رحمن کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے ولد کی عبادت کرنے والا ہوتا، لیکن یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہے، لہذا اس کی عبادت بھی منٹھی ہو گئی آسمانوں کا اور زمین کا مالک جو کہ عرش کرسی کا بھی مالک ہے اس کی جانب ولد کی نسبت کر کے جو جھوٹ بک رہے ہیں وہ ان سے پاک ہے اب آپ انہیں اسی باطل بحث و مباحثہ اور دنیوی کھیل کود میں چھوڑ دیجئے، یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑ جائے جس دن میں ان سے عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے اور وہ قیامت کا دن ہے وہی آسمانوں میں معبود ہے دونوں ہمزوں کی تحقیق اور اولیٰ کو ساقط کر کے اور اس کی یاء کے مانند تسہیل کر کے اور زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے اور دونوں ظرفوں میں سے ہر ایک اپنے مابعد (اللہ) سے متعلق ہے وہ اپنی مخلوق کی تدبیر کے بارے میں بڑی حکمت والا ہے اور ان کی مصالحتوں کے بارے میں بڑے علم والا ہے اور وہ بڑی عظمت والا ہے، جس کے پاس آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت ہے، اور قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے کہ کب واقع ہوگی، اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے تاء اور یاء کے ساتھ، اور جن غیر اللہ کو کافر پوجتے ہیں وہ کسی کی شفاعت کرنے کا حق نہیں رکھتے، ہاں جو حق بات کا اقرار کریں، یعنی لا الہ الا اللہ کہیں اور جس بات کا زبان سے اقرار کر رہے ہیں اس کا دل سے یقین بھی کریں اور وہ عیسیٰ اور عزیر اور ملائکہ علیہم السلام ہیں، یہ مومنین کی شفاعت کریں گے اور اگر آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ نے (لَسْنِ) میں لام قسمیہ ہے (لَيَقُولُنَّ) میں نون رفع اور واو ضمیر حذف کر دیئے گئے ہیں، تو پھر یہ کہاں لائے چلے جا رہے ہیں؟ اور اس کو محمد ﷺ کے اس قول کی بھی خبر ہے کہ اے میرے رب یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے اور (قِيلَ) پر نصب فعل مقدر کا مصدر ہونے کی وجہ سے ہے اِی قَالَ قِيلَ آپ ان سے منہ پھیر لیں اور کہہ دیں (اچھا بھائی) میں تم کو سلام کرتا ہوں سوان کو عنقریب (خود ہی) معلوم ہو جائے گا یاء اور تاء کے ساتھ، یہ ان کے لئے دھمکی ہے۔

تحقیق و تکیف تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: یا عبادِ اصل میں یا عبادی تھا، اے میرے بندو! عباد یاء متکلم محذوفہ کی طرف مضاف ہے اور یہ حذف، مصحف امام کی رعایت کی وجہ سے ہے، یہ اضافت برائے تشریف ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو اپنا کہہ دینا بہت بڑا اکرام اور اعزاز ہے نیز اس میں بندوں کی دلجوئی بھی ہے۔

قَوْلٌ: یا عبادِ کی یاء میں تین قراءتیں ہیں: حذف یاء، فتح یاء، سکون یاء، اس آیت میں ندا چار امور پر مشتمل ہے

① نفی خوف ② نفی حزن ③ جنت میں داخل ہونے کا حکم ④ خوشی کی بشارت تُخْبِرُونَ میں۔
قَوْلًا: لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ رَفَعُ اور تنوین جمہور کی قراءت ہے، خوف مبتداء ہے خوف کا نکرہ تحت النفی داخل ہونے کی وجہ سے مبتداء بننا درست ہے، علیکم مبتداء کی خبر، یوم ظرف ہے محذوف کے متعلق ہے۔

قَوْلًا: تُخْبِرُونَ اِی تُسَرُّونَ حَبْرُ (ن) سے مضارع جمع مذکر حاضر مجہول، تمہاری عزت کرائی جائے گی، تم کو خوش کیا جائے گا، ایسی خوشی کہ جس کا اثر چہرے پر ظاہر ہو، زجاج نے کہا ہے کہ تخبرون کے معنی تُكْرَمُونَ اِنْكَرَامًا يُبَالِغُ فِیْهِ کے ہیں۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: بِصِحَافٍ، صَحْفَةٌ کی جمع ہے، رکابیاں، اتنی بڑی رکابی کہ جس میں بیک وقت پانچ آدمی کھاسکیں، کسائی نے کہا ہے کہ اَعْظَمُ الْقَصَاعِ جَفْنَةٌ پھر الْقَصْعَةُ جس میں دس آدمی سیر ہو سکیں، پھر الصَّحْفَةُ جس میں پانچ آدمی سیر ہو سکیں، پھر المکیلة جس میں دو یا تین آدمی سیر ہو سکیں۔ (لغات القرآن للدرویش)

قَوْلًا: اَكْوَابٌ كَوْبٌ کی جمع ہے، اس لوئے کو کہتے ہیں کہ جس میں نہ دستہ ہو اور نہ ٹوٹی۔
قَوْلًا: تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي اُورِثْتُمُوهَا تِلْكَ الْجَنَّةُ موصوف الَّتِی موصول اُورِثْتُمُوهَا صلہ، موصول صلہ سے مل کر جملہ ہو کر الجنة کی صفت، موصوف با صفت مبتداء کی خبر۔

نکتہ۔ سوال: اُورِثْتُمُوهَا کی مطابقت کا تقاضہ تھا کہ تِلْکُمُوهَا الْجَنَّةُ فرماتے یعنی تِلْکَ کو جمع لاتے۔

جَوَابًا: تِلْکَ کو جمع لانے کی بجائے مفرد لانے میں یہ حکمت ہے کہ تِلْکُمُوهَا جمع لانے میں خطاب اہل جنت کو مجموعی طور پر ہوتا، اور مفرد لانے میں ہر جنتی کو مستقل خطاب ہو گیا جو کہ بڑے عز و شرف کی بات ہے۔ (صاوی)
قَوْلًا: لَا یُفْتَرُ تَفْتِیْرٌ (تفعیل) سے واحد مذکر غائب مجہول منفی، کم نہیں کیا جائے گا، ہلکا نہیں کیا جائے گا۔
قَوْلًا: نَادُوا یا مَالِکَ متحقق الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے۔

قَوْلًا: لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بِالْحَقِّ یہ باری تعالیٰ کا کلام بھی ہو سکتا ہے اس میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے اور مشرکین کے جہنم میں قیام کی علت ہے، علامہ محلی کے نزدیک یہی رائج ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہنم کے نگران مالک کا کلام ہو، اس صورت میں خطاب عام اہل نار کو ہوگا، اور قائم مقام علت کے ہوگا۔

قَوْلًا: اَبْرَمُوا، اِبْرَامٌ سے ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے مضبوط ارادہ کیا۔
قَوْلًا: الْعَرْشُ، الْکُرْسِیٰ مناسب تھا کہ مفسر علام عرش کی تفسیر کرسی سے نہ فرماتے، اس لئے کہ یہ بات معلوم و متعین ہے کہ عرش اور کرسی دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

قَوْلًا: یَوْمَهُمُ الَّذِی یُوعَدُونَ کی تفسیر یوم القیامۃ کے بجائے یوم الموت سے کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا اس لئے کہ مشرکین کے خوض فی الباطل اور لعب فی الدنیا کی انتہا موت پر ہو جاتی ہے، نہ کہ یوم قیامت میں۔

قَوْلًا: مِنَ الظَّرْفَيْنِ متعلق بما بعده، ظرفین سے مراد فی السماء اور فی الارض ہے اور ما بعد سے مراد دونوں جگہ اللہ ہے جو کہ مألوه (معبود) کے معنی میں ہے۔

قَوْلًا: الَّذِينَ يَدْعُونَ اِیْ يَدْعُوْنَهُمْ، هُمْ مفعول محذوف ہے۔

قَوْلًا: وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَخَالِفُونَكَ اِیْ يَمْلِكُ كَافَاعِلٌ ہے، اِیْ اَلَّذِیْنَ سے مطلقاً معبودانِ غیر اللہ مراد ہوں تو اس صورت میں اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ مستثنیٰ متصل ہوگا، جیسا کہ مفسر علام کی عبارت کا مقتضی ہے یا اَلَّذِیْنَ سے مخصوص طور پر اصنام مراد ہیں تو اس صورت میں مستثنیٰ منقطع ہوگا۔

قَوْلًا: اِیْ الْكَفَّارِ، الْكَفَّارُ يَدْعُونَ کے واؤ کی تفسیر ہے۔

قَوْلًا: لِأَحَدٍ یہ اشارہ ہے کہ الشفاعة کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلًا: وَهُمْ يَعْلَمُونَ، هُمْ ضمیر باعتبار معنی کے مَنْ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلًا: لَنْ سَأَلْتَهُمْ لَمْ تَمْ تَم ہے لَيَقُولَنَّ جواب قسم ہے اور حسب قاعدہ جواب شرط محذوف ہے، اس لئے کہ قسم اور شرط جب جمع ہو جائیں تو اول کا جواب مذکور اور ثانی کا محذوف ہوتا ہے۔

قَوْلًا: وَقِيلَ اِیْ قَوْلِ مُحَمَّدٍ ﷺ، یہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں کی تفسیر ہے، یعنی قیل بمعنی قول ہے اور ضمیر مضاف الیہ سے مراد آپ ﷺ ہیں۔

قَوْلًا: نَصَبُهُ عَلَى الْمَصْدَرِ بفعلة، قِيلَ قال کے مصادر میں سے ایک ہے یعنی قِيلَهُ قال فعل محذوف کا مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلًا: وَقَالَ يَا رَبِّ زِيَادَةٌ وَاضِحٌ یہ تھا کہ مفسر علام قال یا رَبِّ کے بجائے قَالَ قِيلَهُ یا رَبِّ فرماتے۔

(حاشیہ جلالین)

قَوْلًا: سَلَامٌ یہ سلام متارکت (پچھا چھڑانے کا سلام) ہے جیسا کہ متکلم نے اشارہ کر دیا ورنہ علیکم ہوتا نہ کہ سلام تحیۃ اور سلام مبتداء محذوف کی خبر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَمْرِی سَلَامٌ۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

يَعْبَادُ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ، يَعْبَادُ سے پہلے يُقَالُ لَهُمْ محذوف ہے، یہ بات قیامت کے دن ان متقیوں سے کہی جائے گی جو دنیا میں صرف اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت رکھتے تھے، جیسا کہ احادیث میں اس کی فضیلت وارد ہے، بلکہ اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے عداوت کو کمال ایمان کی بنیاد بتلایا گیا ہے۔

اَزْوَاجُكُمْ سے بعض حضرات نے مومن بیویاں مراد لی ہیں، اور بعض نے مومن دوست احباب اور بعض نے جنت میں ملنے والی بیویاں اور حوریں مراد لی ہیں، یہ تمام مفہوم درست ہیں، اس لئے کہ جنت میں یہ سب کچھ ملے گا تُخْبِرُونَ، حَبْرٌ سے ماخوذ ہے یعنی وہ فرحت و سرور جو انہیں جنت کی نعمت و عزت کی وجہ سے ملے گا۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ، بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ میں باءِ سیبہ ہے، یعنی تم کو اس جنت کا وارث تمہارے اعمال کے سبب بنایا گیا ہے۔

سِوَالٌ: یہ حدیث کے معارض ہے، حدیث شریف میں وارد ہے لَنْ يَدْخُلَ أَحَدُكُمْ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهِ بَلْ بِرَحْمَةِ اللَّهِ. جَوَابٌ: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عمل دخول جنت کا سبب مستقل نہیں ہے۔

كَيْسِتِلْ جَوَابٌ: بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ میں باءِ سیبہ نہیں ہے، بلکہ ملا بستہ کے لئے ہے یا حدیث و آیت کا مطلب ہے دخول بالفضل و درجات بالعمل یعنی نفس دخول تو رحمت خداوندی ہی کے ذریعہ ہوگا، البتہ درجات کی بلندی اعمال صالحہ کے ذریعہ ہوگی۔ (صاوی و حاشیہ جلالین)

وَهُمْ فِيهِ مُنْبِلِسُونَ مشرکین و کفار جہنم میں خاموش مایوس پڑے ہوں گے، اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ آئندہ آنے والی آیت نَادُوا يَا مَالِكُ (الآیة) کے معارض ہے، اس لئے کہ اس آیت کا مطلب ہے کہ وہ فریاد کریں گے، اور کلام کریں گے یعنی خاموش نہیں رہیں گے۔

جَوَابٌ: حالات اور مقامات مختلف ہوں گے، کہیں فریاد و تکلم کریں گے اور کہیں خاموش رہیں گے، تعارض کے لئے اتحاد زمان و مکان ضروری ہے۔

أَمْ أَسْرَمُوا أَمْراً فَإِنَّا مُبْرِمُونَ اِبرام کے معنی پختہ اور مضبوط کرنے کے ہیں اَمْ اَضْرَابَ کے لئے بل کے معنی میں ہے یعنی ان جہنمیوں نے حق کو صرف ناپسند ہی نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف منظم سازشیں اور تدبیریں بھی کرتے رہے جس کے مقابلہ میں پھر ہم نے بھی تدبیر کی، اور ظاہر ہے کہ ہم سے زیادہ مضبوط تدبیر کس کی ہو سکتی ہے۔

إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ اگر خدائے رحمن کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی تعظیم و توقیر کرتا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا کی اولاد ہونے کا نعوذ باللہ کسی بھی درجہ میں امکان ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ میں تمہارے عقائد کا انکار، کسی عناد یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہیں کر رہا ہوں، بلکہ دلائل کی روشنی میں کر رہا ہوں، اگر صحیح دلائل سے خدا کی اولاد کا وجود ثابت ہو جاتا تو میں اسے ضرور مان لیتا، لیکن نقل و عقل کی ہر دلیل اس کی نفی کرتی ہے، اس لئے ماننے کا کوئی سوال ہی نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ مباحثہ کے وقت اپنی حق پسندی جتانے کے لئے یہ کہنا جائز اور مناسب ہے، کہ اگر تمہارا

دعویٰ صحیح دلائل سے ثابت ہوتا تو میں اسے تسلیم کر لیتا کیونکہ بعض اوقات اس اندازِ کلام سے مخالف کے دل میں ایسی نرمی پیدا ہو سکتی ہے جو اسے قبول حق پر آمادہ کر دے، اصطلاحی زبان میں اسے ارضاء العنان کہتے ہیں یعنی تھوڑی دیر کے لئے مخالف کی بات بڑی کرنا، تاکہ وہ عناد اور ضد چھوڑ کر معقول پسندی کا طریقہ اختیار کرے۔

وَقِيلَ يَا رَبِّ اِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُوْنَ یہ جملہ اس بات کو واضح کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ ان کافروں پر غضب خداوندی نازل ہونے کے کتنے شدید اسباب موجود ہیں، ایک طرف تو ان کے جرائم فی نفسہ بڑے سخت ہیں، دوسری طرف وہ رسول جو رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین بنا کر بھیجے گئے، جب خود ان لوگوں کی شکایت کریں اور فرمائیں کہ یہ لوگ بار بار فہمائش کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کس قدر اذیت پہنچائی ہوگی، ورنہ معمولی شکایت پر رحمۃ للعالمین ﷺ سے ایسی پُر درد شکایت نہ فرماتے، اس تفسیر کے مطابق وَقِيلَ اِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُوْنَ کے پہلے کے لفظ السَّاعَةِ پر معطوف ہے، اس آیت کی اور بھی تفسیریں منقول ہیں، روح المعانی کی طرف رجوع فرمائیں۔ (معارف)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَخَمْسُونَ آيَةً وَثَلَاثُونَ حَرْفًا

سُورَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَقِيلَ إِلَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ (الآية) وَهِيَ سِتُّ
أَوْ سَبْعٌ أَوْ تِسْعٌ وَخَمْسُونَ آيَةً.

سورہ دخان مکی ہے سوائے کاشفوا العذاب الخ کے،
اور اس میں ۵۶/۵۷ یا ۵۹ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ حَمْدُ اللَّهِ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ وَالْكِتَابِ الْقُرْآنِ الْمُبِينِ ۝
الْمُظْهِرِ لِلْحَلَالِ مِنَ الْحَرَامِ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ أَوْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ نَزَلَ فِيهَا
مِنْ أَمِّ الْكِتَابِ مِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ۝ مُخَوِّفِينَ بِهِ فِيهَا أَيْ فِي لَيْلَةِ
الْقَدْرِ أَوْ لَيْلَةِ نِصْفِ شَعْبَانَ يُفَرِّقُ يُفْضِلُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝ مُحْكَمِينَ بَيْنَ الْأَرْزَاقِ وَالْأَجَالِ وَغَيْرِهِمَا الَّتِي
تَكُونُ فِي السَّنَةِ إِلَى مِثْلِ تِلْكَ اللَّيْلَةِ أَمْرًا فَرَقًا مِنْ عِنْدِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ الرُّسُلَ مُحَمَّدًا وَمَنْ قَبْلَهُ رَحْمَةً
رَافَةً بِالْمُرْسَلِ إِلَيْهِمْ مَنْ رَبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْغَنِيُّ ۝ بِأَفْعَالِهِمْ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
يَرْفَعُ رَبُّ خَبْرُ ثَالِثٍ وَبِجَرِّهِ بَدَلٌ مِنْ رَبِّكَ إِنْ كُنْتُمْ يَا أَهْلَ نَكَّةٍ مُوقِنِينَ ۝ بِأَنَّهُ تَعَالَى رَبُّ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ فَاتَّقُوا بَانَ مُحَمَّدًا رَسُولَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنَ
الْبَعْثِ ۝ يَلْعَبُونَ ۝ اسْتَهْزَأُوا بِكَ يَا مُحَمَّدٌ فَقَالَ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبَعَ يُوسُفُ قَالَ تَعَالَى
فَارْتَقِبْ لَهُمْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ۝ فَاجْدَبَتِ الْأَرْضُ وَاشْتَدَّتْ بِهِمُ الْجُوعُ إِلَى أَنْ رَأَوْا مِنْ سُيُوفِهِ كَهَيْئَةِ
الدُّخَانِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ يَغْشَى النَّاسَ فَقَالُوا هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ رَبَّنَا اكشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝
مُصَدِّقُونَ بِنَبِيِّكَ، قَالَ تَعَالَى أِنِّي لَهُمُ الذِّكْرَى أَيْ لَا يَنْفَعُهُمُ الْإِيمَانُ عِنْدَ نَزُولِ الْعَذَابِ

وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ ﴿١٧﴾ يَبَيِّنُ الرِّسَالَةَ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ بَشَرٌ مَجْنُونٌ ﴿١٨﴾ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ أَيْ الْجُوعِ عَنْكُمْ زَمَنًا قَلِيلًا فَكَشَفْنَا عَنْهُمْ إِفْكَكُمْ عَائِدُونَ ﴿١٩﴾ إِلَىٰ كُفْرِكُمْ فَعَادُوا إِلَيْهِ، أَذْكَرٌ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ هُوَ يَوْمٌ بَدِرُ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ﴿٢٠﴾ مِنْهُمْ وَالتَّبْطِشُ الْآخِذُ بِقُوَّةٍ وَلَقَدْ فَتَنَّا بِلُونَا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ مَعَ وَجَاءَهُم رَسُولٌ هُوَ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَرِيمٌ ﴿٢١﴾ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى أَنْ أَيْ بَانَ أَدُّوا إِلَى مَا أَدْعَوْكُمْ إِلَيْهِ مِنَ الْإِيمَانِ أِي أَظْهَرُوا إِيْمَانَكُمْ بِالطَّاعَةِ لِي يَا عِبَادَ اللَّهِ إِنِّي لَكُم رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿٢٢﴾ عَلَى مَا أُدْسِلْتُ بِهِ وَأَنْ لَا تَعْلُوا تَتَجَبَّرُوا عَلَى اللَّهِ بِتَرْكِ طَاعَتِهِ إِنِّي أَنَا رَبُّكُمْ سُلْطَانُ بُرْهَانٍ مُبِينٌ ﴿٢٣﴾ بَيْنَ عَلَى رِسَالَتِي فَتَوَعَّدُوهُ بِالرَّجْمِ فَقَالَ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُونِ ﴿٢٤﴾ بِالْحِجَارَةِ وَلَنْ لَكُمْ تُؤْمِنُونَالِي تُصَدِّقُونِي فَأَعْتَزِّلُونِ ﴿٢٥﴾ فَاتْرَكُوا أَذَاهُ فَلَمْ يَتْرَكَوه فَدَعَا رَبَّهُ أَنَّ أَيْ بَانَ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿٢٦﴾ مُشْرِكُونَ فَقَالَ تَعَالَى فَاسْرِ بِقَطْعِ الهمزة ووصلها بعبادى بنى اسرائيل لئلا انكم متبعون ﴿٢٧﴾ يتبعكم فرعون وقومه واترك البحر اذا قطعتة انت واصحابك رهوا ساكننا متفرجا حتى تدخله القبط انهم جند مغرقون ﴿٢٨﴾ فاطمان بذلك فاغرقوا كم تركوا من جنات بساتين وعيون ﴿٢٩﴾ تجرى وزروع ومقام كريم ﴿٣٠﴾ مجلس حسن ونعمة مشعة كانوا فيها فكهين ﴿٣١﴾ ناعمين كذلك خبر مبتدا اى الانر واورثتها اى انوالهم قوما اخرين ﴿٣٢﴾ اى بنى اسرائيل فما بك عليهم السماء والارض بخلاف المؤمنين يبكى عليهم بموتهم مصلاهم من الارض ومضعدهم عملهم بين السماء وما كانوا منظرين ﴿٣٣﴾ مؤخرين للتوبة.

تذکرہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے حَمْدُ اس سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ وہی بہتر جانتا ہے قسم ہے واضح کتاب قرآن کی جو حلال کو حرام سے ممتاز کرنے والی ہے، یقیناً ہم نے اس کو بابرکت رات میں نازل کیا ہے اور وہ شب قدر یا شب نصف شعبان ہے، اسی رات میں قرآن کو ساتویں آسمان پر موجود لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کیا گیا، بے شک ہم اس کے ذریعہ ڈرانے والے ہیں، اسی رات یعنی شب قدر یا شب نصف شعبان میں ہر محکم کام کا مثلاً روزی، موت وغیرہ جو اس سال اسی جیسی (آئندہ) رات تک ہونے والے ہوتے ہیں فیصلہ کیا جاتا ہے، ہمارے پاس سے حکم صادر ہو کر ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھیجنے والے محمد کو اور سابقہ انبیاء کو مرسل الیہم پر رحم کرتے ہوئے تیرے رب کی جانب سے وہی ہے ان کی باتوں کا سننے والا ان کے افعال کو دیکھنے والا جو رب ہے، آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے رَبِّ کے رفع کے ساتھ (ہو) کی خبر ثالث ہونے کی وجہ سے، یا رَبِّ کے جر کے ساتھ مِنْ رَبِّكَ سے بدل ہونے کی وجہ سے، اے اہل مکہ! اگر تم یقین کرنے والے ہو یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا رب ہے تو یقین کر لو کہ محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی، بلکہ وہ بعث

کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے کھیل میں مصروف ہیں، اے محمد ﷺ آپ کا استہزاء کرتے ہوئے، تو (آپ ﷺ) نے بدعاء فرمائی، اے میرے اللہ تو ان کے مقابلہ میں سات سالوں کے ذریعہ، یوسف علیہ السلام کے سات سالوں کے مانند میری مدد فرما، اللہ تعالیٰ نے دعاء کو قبول کرتے ہوئے فرمایا آپ اس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں نمودار ہو جو سب لوگوں پر چھا جائے گا، چنانچہ خشک سالی نمودار ہو گئی اور اہل مکہ شدید بھوک میں مبتلا ہو گئے، حتیٰ کہ شدت بھوک کی وجہ سے زمین اور آسمان کے درمیان ان کو دھوئیں جیسی چیز نظر آنے لگی، تو کہنے لگے یہ بڑا تکلیف دہ عذاب ہے، اے ہمارے رب یہ آفت ہم سے دور کر ہم ایمان قبول کرتے ہیں (یعنی) تیرے نبی کی تصدیق کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے لئے نصیحت کہاں ہے؟ یعنی نزول عذاب کے وقت ایمان فائدہ دینے والا نہیں ہے کھول کھول کر بیان کرنے والے پیغمبران کے پاس آچکے، پھر انہوں نے اس سے بے رخی کی اور کہہ دیا سکھلایا ہوا پڑھایا ہوا باؤلا ہے، کوئی شخص اس کو قرآن سکھاتا ہے ہم اس آفت کو چندے دور کر دیں گے یعنی بھوک کی تکلیف کو تم سے کچھ دنوں کے لئے دور کر دیں گے چنانچہ ان سے (بھوک کی) تکلیف دور کر دی گئی، تو تم پھر پلٹ جاؤ گے یعنی اپنے کفر کی طرف آ جاؤ گے چنانچہ وہ اپنی سابقہ حالت کی طرف پلٹ گئے، جس دن ہم سخت پکڑ پکڑیں گے اور وہ بدر کا دن ہے ہم ان سے (پورا) بدلہ لے لیں گے اور بطش کے معنی سختی سے مواخذہ کرنے کے ہیں، یقیناً ہم ان سے پہلے فرعون کی قوم کو مع فرعون کے آزما چکے ہیں ان کے پاس اللہ کا باعزت رسول آیا اور وہ موسیٰ تھے یہ کہ اے اللہ کے بندو! جس ایمان کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں اس کو قبول کر لو، یعنی میری اطاعت پر ایمان ظاہر کرو یقین مانو میں تمہارے لئے امانتدار رسول ہوں اس چیز پر کہ جس کو لے کر میں بھیجا گیا ہوں، اور تم اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی طاعت ترک کر کے سرکشی نہ کرو، میں تمہارے پاس اپنی رسالت پر کھلی دلیل لے کر آیا ہوں مگر ان لوگوں نے ان کو پتھروں سے کچل کر مارنے کی دھمکی دی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے، کہ میری تصدیق کرو تو مجھے چھوڑ دو یعنی میری ایذا رسانی سے باز آ جاؤ مگر ان لوگوں نے ان کو نہ چھوڑا پھر انہوں نے اپنے رب سے دعاء کر دی کہ یہ سب مجرم مشرک لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ تمہارا تعاقب کیا جائے گا یعنی فرعون اور اس کی قوم تمہارا تعاقب کرے گی، جب تو اور تیرے ساتھی دریا پار کر لیں تو دریا کو ساکن کھلا ہوا چھوڑ دے، حتیٰ کہ اس میں قبطنی داخل ہو جائیں بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جائے گا، اس بات پر اطمینان ہوا، چنانچہ ان کو غرق کر دیا گیا، وہ بہت سے باغات اور جاری چشمے اور کھیتیاں اور آرام دہ عمدہ مجلسیں چھوڑ گئے اور وہ آرام کی چیزیں جن میں وہ آرام کر رہے تھے، ایسا ہی ہو گیا کذلک، الامر مبتداء محذوف کی خبر ہے اور ہم نے ان کا یعنی ان کے اموال کا دوسری قوم یعنی بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا سو نہ تو ان پر آسمان رویا اور نہ زمین بخلاف مومنین کے کہ ان کی موت پر ان کی جائے نماز روتی ہے اور آسمان پر ان کے نیک اعمال چڑھنے کے راستہ روتے ہیں اور نہ توبہ کے لئے انہیں مہلت ملی۔

تحقیق و تکریم تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: وَالْكِتَابُ الْمُبِينُ اَنَا أَنْزَلْنَاهُ (الایہ) واؤ قسمیہ ہے الکتاب مقسم بہ ہے اَنَا اَنْزَلْنَاهُ الخ جواب قسم ہے۔
قَوْلٌ: اَنَا كُنَّا مَنذِرِينَ جواب قسم کی علت ہے، بعض حضرات نے اَنَا كُنَّا مَنذِرِينَ کو جواب قسم قرار دیا ہے اور اَنَا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مَبْرُكَةٍ کو قسم اور جواب قسم کے درمیان جملہ معترضہ قرار دیا ہے، مگر اول احسن ہے۔
قَوْلٌ: فِيهَا يُفْرَقُ یہ جملہ یا تو مستاتفہ ہے یا لَيْلَةٍ کی صفت ہے اور درمیان میں اَنَا كُنَّا مَنذِرِينَ جملہ معترضہ ہے۔
قَوْلٌ: فَرَقًا مفسر علام نے اَمْرًا کی تفسیر فرقًا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اَمْرًا، يُفْرَقُ کا مفعول مطلق بغیر لفظ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جیسے قَمْتُ وَقُوفًا اور قَعَدْتُ جُلُوسًا اور اَنْزَلْنَاهُ کی ضمیر فاعل سے حال بھی درست ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَنْزَلْنَاهُ حال كُنَّا مَنذِرِينَ یا اَنْزَلْنَاهُ کے مفعول سے بھی حال ہو سکتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَنْزَلْنَاهُ حال كونه مامورًا به اور مفعول نہ ہونا بھی صحیح ہے، اس کا عامل اَنْزَلْنَا ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَنْزَلْنَاهُ لِأَمْرِ الْخَلْقِ (صاوی)

قَوْلٌ: رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ اس میں پانچ صورتیں ہیں ① رَحْمَةً مفعول نہ ہو، اس کا عامل یا تو اَنْزَلْنَا ہوگا یا اَمْرًا یا يُفْرَقُ یا مَنذِرِينَ ② رَحْمَةً فعل محذوف کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای رَحْمَنَا رَحْمَةً ③ رَحْمَةً، المرسلین کا مفعول ہو ④ مرسلین کی ضمیر سے حال ہو ای ذوی رَحْمَةٍ ⑤ اَمْرًا سے بدل ہو۔
قَوْلٌ: فَأَيَقِينُوا شَارِحَ رَحْمَتِ اللَّهِ تَعَالَى نے اس سے اشارہ کر دیا کہ اِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ کا جواب شرط محذوف ہے اور جملہ شرطیہ خبروں کے درمیان جملہ معترضہ ہے، اس لئے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ یہ جملہ اِنْ کی خبر رابع ہے۔ (اعراب القرآن)
قَوْلٌ: دُحَانٌ دھواں (ج) اَذْخَنَةُ آیت شریفہ میں جس دھوئیں کا ذکر ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ فرماتے ہیں، اس دھوئیں کا ظہور عہد نبوی میں ہو چکا، حضرت علی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ اور دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ اس کا ظہور قرب قیامت میں ہوگا، حضرت شاہ ولی اللہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالَى نے اول قول کو اختیار کیا ہے۔

قَوْلٌ: اَنْ اَدُّوْا اِلَيَّ، اَنْ مفسرہ بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ مجبئی الرسول قول رسول کے معنی کو متضمن ہے، جاء الرسول ای قال الرسول اور مصدر یہ بھی صحیح ہے، اس صورت میں اَنْ مع اپنے مدخول کے نزع خافض کی وجہ سے مصدر کی تاویل میں ہو کر منصوب ہو ای بِاَنْ اَدُّوْا اِلَيَّ اور جار مجرور جاء ہم کے متعلق ہوں گے، اور یہ بھی درست ہے کہ اَنْ مخففہ عن الثقیلہ ہو، اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہو، اور اَدُّوْا اِلَيَّ جملہ ہو کر اس کی خبر، عِبَادَ اللّٰهِ منادی مضاف حرف نداء محذوف، عباد سے مراد قبط ہوں گے، زخشری نے کہا ہے کہ عباد اللّٰہ، اَدُّوْا اِلَيَّ کا مفعول بہ ہے اور وہ بنی اسرائیل ہیں اور اَدُّوْا اِلَيَّ معنی میں اَرْسَلُوْهُم معنی کے ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو سورۃ الشعراء میں آیا ہے اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ (اعراب القرآن) علامہ محلی نے اَدُّوْا اِلَيَّ کی تفسیر مَا اَدْعُوْكُمْ اِلَيْهِ مِنَ الْاٰیٰتِ

سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اُن مصدر یہ ہے اور اداء بمعنی قبول الدعوة ہے، مگر یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو امر پر اُن مصدر یہ کے دخول کے جواز کے قائل ہیں۔ (حاشیہ جلالین)

قَوْلُنَا: عِبَادَ اللَّهِ شارح نے مَا اَدْعُوْكُمْ کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اَدْعُو کا مفعول محذوف ہے عِبَادَ اللَّهِ منادی ہے یاہ حرف نداء محذوف ہے، اور عِبَادَ اللَّهِ سے مراد قبط ہیں، اور دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ عِبَادَ اللَّهِ اَدْعُو کا مفعول ہے اور مراد بنی اسرائیل ہیں اِی اَرْسَلُوْا مَعِیْ بَنِی اِسْرَآئِیْلَ۔

قَوْلُنَا: اَتْرُكُ الْبَحْرَ رَهْوًا یہ رَهَا يَرْهُو کا مصدر ہے، ساکن ہونا، تھمنا، ٹھہرنا، اور بعض نے راہ کی وسعت مراد لی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے سورہ حم کی تفسیر میں فرمایا کہ مجاہد نے کہا ہے رَهْوٌ خشک راستہ ہے، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ سمندر کو یہ حکم نہ دو کہ وہ اصلی حالت پر رجوع کرے بلکہ اس وقت تک اسی حالت پر چھوڑ دے کہ لشکر فرعون کا آخری سپاہی تک داخل ہو جائے، اور عبد بن حمید نے دوسرے طریق سے مجاہد سے رَهْوًا کے معنی منفرجاً یعنی وسیع اور کشادہ کے نقل کئے ہیں (لغات القرآن ملخصاً) علامہ محلی نے رَهْوًا کی تفسیر ساکناً متفرجاً سے کر کے رَهْوًا کے دونوں معنی کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلُنَا: اِی الْاَمْرُ اس سے اشارہ کر دیا کہ کَذٰلِكَ الْاَمْرُ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي اِسْرَآئِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ قَتَلَ الْاِبْنَاءِ وَاسْتِخْدَامِ النِّسَاءِ مِنْ فِرْعَوْنَ قَبْلَ بَدَلٍ مِنَ الْعَذَابِ بِتَقْدِیْرِ مُضَافٍ اِی عَذَابٍ وَقِيلَ حَالٌ مِنَ الْعَذَابِ اِنَّهٗ كَانَ عَلَیًّا مِنَ الْمُسْرِفِیْنَ وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ اِی بَنِی اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی عِلْمٍ مِّنَّا بِحَالِهِمْ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ اِی عَالَمِی زَمَانِهِمْ اِی الْعُقَلَاءِ وَآتَيْنَاهُمْ مِنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ بَلَاٰغٌ مُّبِیْنٌ نِّعْمَةٌ ظَاهِرَةٌ مِنْ فَلَاقِ الْبَحْرِ وَالْمِنْ وَالسَّلٰوِیْ وَغَیْرِهَا اِنَّ هٰؤُلَآءِ اِی كُفَّارٌ مَّكَّةَ لَیَقُولُوْنَ اِنْ هٰی مَا الْمَوْتَةُ الَّتِیْ بَعْدَهَا الْحَیٰوةُ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاَوَّلٰی اِی وَبِمِ نَطَفٌ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِّیْنَ بِمَبْعُوْثِیْنَ اَحْیَاءَ بَعْدَ الثَّانِیَةِ فَاتُّوْا بِاَبَائِنَا اَحْیَاءَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اَنَا نُبْعَثُ بَعْدَ مَوْتِنَا اِی نُحْیَا، قَالَ تَعَالٰی اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ بَوْنَبِیْ اَوْ رَجُلٌ صٰلِحٌ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْاَمَمِ اَهْلَكْنَاهُمْ لِكُفْرِهِمْ وَالمَعْنٰی لَیْسُوْا اَقْوٰی مِنْهُمْ فَابْلُكُوْا اِنَّهُمْ كَاثِرٌ مُّجْرِمِیْنَ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا الْعِیْنَ بِخَلْقِ ذٰلِكَ حَالٌ مَا خَلَقْنَاهُمَا وَمَا بَیْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ اِی مُحَقِّقِیْنَ فِیْ ذٰلِكَ لَیَسْتَدِلُّ بِهٖ عَلٰی قُدْرَتِنَا وَوَحْدَانِیَّتِنَا وَغَیْرِ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ اِی كُفَّارٌ مَّكَّةَ لَا یَعْلَمُوْنَ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ یَوْمَ الْقِیَمَةِ یَفْصِلُ اللّٰهُ فِیْهِ بَیْنَ الْعِبَادِ مِیْقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ لِلْعَذَابِ الدَّائِمِ یَوْمًا لَا یُغْنِیْ مَوْلٰی عَنْ مَوْلٰی بِقَرَابَةٍ اَوْ صَدَاقَةٍ اِی لَا یُدْفَعُ عَنْهُ شَیْءًا مِنَ الْعَذَابِ وَلَا هُمْ یَنْصُرُوْنَ یُصْنَعُونَ مِنْهُ وَیَوْمٌ بَدَلٌ مِنْ یَوْمِ الْفَصْلِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ وَبِمِ الْمُؤْمِنُوْنَ فَانَّهُ یَشْفَعُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ بِاِذْنِ اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَالِبُ فِیْ اِنتِقَامِهِ مِنَ الْكُفَّارِ الرَّحِیْمُ بِالْمُؤْمِنِیْنَ۔

تَرْجُمَہ: اور بے شک ہم نے (ہی) بنی اسرائیل کو رسوا کن سزا سے نجات دی یعنی لڑکوں کے قتل اور عورتوں کو خادمہ بنانے سے، جو فرعون کی طرف سے (ہو رہی) تھی، کہا گیا ہے کہ مِنْ فِرْعَوْنَ، عذاب سے تقدیر مضاف کے ساتھ بدل ہے ای من عذاب فرعون اور کہا گیا ہے کہ عذاب سے حال ہے فی الواقع وہ سرکش حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا اور ہم نے بنی اسرائیل کو ہمارے ان کے حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے ان کے زمانہ کے عقلاء پر فوقیت دی اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا یعنی کھلی نعمتیں تھیں، مثلاً دریا کو چیرنا اور من و سلوی وغیرہ یہ لوگ یعنی کفار مکہ تو یہی کہتے ہیں، نہیں ہے ایسی موت کہ اس کے بعد حیات ہو مگر ہماری پہلی موت یعنی نطفہ ہونے کی حالت کی اور ہم دوسری موت کے بعد زندہ کر کے اٹھائے نہیں جائیں گے ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے لے آؤ، اگر تم (اس بات میں) سچے ہو کہ ہم مرنے کے بعد اٹھائے جائیں گے یعنی زندہ کئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم کے لوگ؟ وہ نبی ہیں یا کوئی مرد صالح اور وہ امتیں جو ان سے بھی پہلے تھیں ہم نے ان کو ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیا، مطلب یہ کہ یہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور نہیں، ان کو ہلاک کر دیا یقیناً وہ گنہگار تھے اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو ان کے درمیان جو کچھ ہے کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا اس کو پیدا کر کے (لاعبین) حال ہے ہم نے ان دونوں (یعنی زمین و آسمان) کو اور جو ان کے درمیان ہے حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے حال یہ کہ ہم ان کی تخلیق میں باحکمت ہیں، تاکہ اس تخلیق سے ہماری قدرت اور وحدانیت وغیرہ پر استدلال کیا جائے لیکن کفار مکہ میں سے اکثر نہیں جانتے یقیناً فیصلہ کا دن یعنی یوم قیامت، اس دن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا ان سب کے دائمی عذاب کا طے شدہ وقت ہے، اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا، رشتہ داری کے اعتبار سے یا دوستی کے اعتبار سے یعنی اس سے کچھ بھی عذاب دفع نہ کرے گا، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی کہ ان کو عذاب سے بچا لیا جائے، یوم، یوم الفصل سے بدل ہے مگر جس پر اللہ کی مہربانی ہو جائے اور وہ مومن ہوں گے اس لئے کہ مومن اللہ پاک کی اجازت سے آپس میں ایک دوسرے کی سفارش کریں گے وہ زبردست ہے کفار سے اپنا بدلہ لینے میں اور رحم کرنے والا ہے مومنین پر۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْمِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلًا: وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَآئِيلَ (الآية) یہ کلام مستأنف ہے، اس سے آپ ﷺ کی تسلی مقصود ہے، لَقَدْ میں لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے۔

قَوْلًا: مِنْ فِرْعَوْنَ اعَادَةُ جَارِ کے ساتھ مِنَ الْعَذَابِ سے بدل ہے اور کائنًا یا صَادِرًا یا واقعًا کے متعلق ہو کر عذاب سے حال بھی ہو سکتا ہے ای صَادِرًا مِنْ فِرْعَوْنَ۔

قَوْلًا: كَانَ كَاسْمِ هُوَ مُسْتَرٌّ ہے اور عَالِیًّا اس کی خبر اور الْمُسْرِفِیْنَ، كَانَ کی دوسری خبر ہے۔
قَوْلًا: اِیْ عَالَمِیْ زَمَانِهِمْ اِیْ الْعُقَلَاءِ اس عبارت کا اضافہ دراصل ایک شبہ کا دفع ہے جو اخْتَرْنَا هُمْ عَلٰی عِلْمِ عَلِیِّ الْعَلَمِیْنَ سے پیدا ہوتا ہے۔

شبہ: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو تمام جہان کے عقلاء پر فوقیت و فضیلت حاصل ہے، حالانکہ نص صریح کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ تمام امتوں سے افضل ہے۔

دفع: بنی اسرائیل کو ان ہی کے زمانہ کے عقلاء پر فضیلت حاصل تھی، نہ کہ تا قیامت دنیا جہان کے عقلاء پر، مفسر علام علی العَلَمِیْنَ کی تفسیر العقلاء سے کرنے کے بجائے الثَّقَلِیْنَ سے فرماتے تو زیادہ مناسب ہوتا اس لئے کہ عقلاء میں جن، انس اور ملائکہ سب شامل ہیں، حالانکہ بنی اسرائیل ملائکہ سے افضل نہیں ہے۔

قَوْلًا: مِنْ الْآیَاتِ یَا الْمُبِیْنِ کا بیان مقدم ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے۔
قَوْلًا: نِعْمَةٌ ظَاهِرَةٌ یہ بلاء کی تفسیر ہے بلاء کے اصل معنی امتحان و آزمائش کے ہیں اور آزمائش چونکہ نعمت و رحمت وسعت و عسرت، تنگی و خوشحالی دونوں صورتوں میں ہوتی ہے، اسی سے مفسر علام نے یہاں بلاء کا ترجمہ نعمت سے کیا ہے۔

(صاوی)
قَوْلًا: اَلْمَنْ اِسْمُ ہے، ایک قسم کا شبنمی گوند ہے، وادی تہ میں بھٹکنے والے اسرائیلیوں کے کھانے کے لئے اللہ تعالیٰ روزانہ درختوں کے پتوں پر جمادیتا تھا۔

قَوْلًا: سَلَوٰی سَلَوٰی ایک چھوٹا پرندہ ہے، جس کو بئیر کہتے ہیں، قاموس میں اس کا واحد سَلَوًا مرقوم ہے، صحاح میں اخفش سے منقول ہے کہ اس کا واحد نہیں سنا گیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا واحد اور جمع ایک ہی ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: هٰؤُلَاءِ یہ اسم اشارہ قریب کے لئے ہے کافروں کی تحقیر و تذلیل کے لئے اسم اشارہ قریب کا استعمال فرمایا۔
قَوْلًا: قَوْمٌ تَبَعَ یہ تبع حمیری ہے، ابو کریب اس کی کنیت اور اس کا نام اسعد ہے، انصار بنی حیرہ اسی کی طرف منسوب ہیں، حیرہ کوفہ کے قریب ایک شہر ہے، مزید تفصیل تفسیر و تشریح کے زیر عنوان ملاحظہ فرمائیں۔
قَوْلًا: وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اس کا عطف قومٌ تَبَعَ پر ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

وَلَقَدْ اخْتَرْنَا هُمْ عَلٰی عِلْمِ عَلِیِّ الْعَلَمِیْنَ اس سے بنی اسرائیل کے زمانہ کا جہان مراد ہے علی الاطلاق کل جہان یا تا قیامت کے لوگ مراد نہیں، کیونکہ قرآن مجید میں امت محمدیہ کو کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ کے لقب سے نوازا گیا ہے، مطلب یہ کہ بنی اسرائیل کی فضیلت ان کے زمانہ کے لوگوں پر تھی اور فضیلت و فوقیت ہم نے اپنے علم کی رو سے دی تھی، علم کی رو سے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، لہذا ان کو فوقیت دینے میں بھی ہماری حکمت تھی، جزوی یا وقتی فضیلت سے کلی اور دائمی

فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور یہ بھی ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کو کسی جزوی خوبی کی وجہ سے تمام اہل عالم پر فضیلت حاصل ہو مثلاً یہ بات متفق علیہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اکثریت بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی ہے۔

علی علم کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اگرچہ بنی اسرائیل کی بعض کمزوریوں کا بھی ہم کو علم حاصل تھا مگر اس کے باوجود ہم نے بنی اسرائیل کو وقتی اور جزئی فضیلت دیدی۔ (فوائد عثمانی)

وَاتَيْنَهُمُ مِنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ بَلَاٌۢءٌ مُّبِیْنٌ آیات سے مراد معجزات بھی ہو سکتے اور احسانات و انعامات بھی، دونوں صورتوں میں آزمائش کا پہلو موجود ہے، اللہ تعالیٰ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ یہ لوگ کس طرح عمل کرتے ہیں؟ اور ان انعامات کا کس طرح شکریہ ادا کرتے ہیں جو ان پر اللہ تعالیٰ نے فرمائے تھے؟ مثلاً ان کے دشمن فرعون کو غرق کر کے ان کو نجات دینا، ان کے لئے دریا کو پھاڑ کر راستہ بنانا، بادلوں کا سایہ فلک ہونا، اور من و سلویٰ کا نازل ہونا وغیرہ وغیرہ۔

اِنَّ هٰؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ ، هٰؤُلَآءِ سے اشارہ کفار مکہ کی طرف ہے اس لئے کہ سلسلہ کلام ان ہی سے متعلق ہے، درمیان میں فرعون کا قصہ ان کی تنبیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ فرعون بھی اسی طرح کفر پر اصرار کرتا رہا، دیکھ تو اس کا کیا حشر ہوا، اگر یہ بھی اپنے کفر پر مصر رہے تو ان کا انجام بھی فرعون اور اس کے ماننے والوں سے مختلف نہ ہوگا۔

فَاتُوا۟ۤ اٰبَآءَنَا اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ یعنی دنیا کی زندگی ہی بس آخری زندگی ہے اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور حساب کتاب دینا ممکن نہیں ہے، اور اگر یہ بات صحیح ہے تو اولاد ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھا دو اگر تم سچے ہوتا کہ ہمیں اخروی زندگی کا یقین آجائے، اور اگر بالفرض ہم تسلیم کر لیں کہ مرنے کے بعد زندگی ہے تو وہ نطفہ کے بعد دنیوی حیات ہے، گویا کہ نطفہ مردہ اور اس سے انسان کا پیدا ہونا یہ مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے، قرآن کریم نے ان کے اس سوال کا جواب ظاہر ہونے کی وجہ سے نہیں دیا وہ یہ کہ دنیا و آخرت کے اصول اور ضابطے الگ الگ ہیں اگر کسی مردے کو زندہ کر کے دنیا میں نہیں لایا گیا تو اس سے یہ کہاں ثابت ہو گیا کہ آخرت میں بھی دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا؟

اٰھُمُ خَیْرٌ اَمْ قَوْمٌ تُبْعَ یعنی یہ کفار مکہ کیا تُبْع اور ان سے پہلی قوموں مثلاً عاد و ثمود وغیرہ سے بھی زیادہ طاقتور اور بہتر ہیں جب ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا تو یہ کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ تبع سے مراد قوم سبا ہے، سبا میں ایک قبیلہ حَمِیْر تھا، یہ اپنے بادشاہوں کو تبع کہتے تھے جیسے روم کے بادشاہوں کو قیصر اور فارس کے بادشاہوں کو کسریٰ اور مصر کے حکمرانوں کو فرعون اور حبشہ کے فرمانرواؤں کو نجاشی کہا جاتا تھا، اہل تاریخ کا اتفاق ہے کہ تابعہ میں سے بعض کو بڑا عروج حاصل ہوا اور وہ ملکوں کو فتح کرتے ہوئے سمرقند تک پہنچے۔

قوم تبع کا واقعہ:

قرآن کریم میں قوم تبع کا ذکر دو جگہ آیا ہے، ایک یہاں اور دوسرے سورہ ق میں اور دونوں جگہ صرف نام ہی مذکور ہے، اس لئے مفسرین نے تبع کے بارے میں مفصل بحثیں کی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ تبع کسی فرد معین کا نام نہیں بلکہ یہ یمن کے ان حمیری

بادشاہوں کا لقب رہا ہے جنہوں نے ایک عرصہ دراز تک یمن کے مغربی حصہ کو دار السلطنت قرار دیکر عرب، شام، عراق اور افریقہ کے بعض حصوں پر حکومت کی، یہاں ان تابعہ میں سے کونسا تُبَعُّع مراد ہے؟

قرآنی تبع:

قرآنی تُبَعُّع، تُبَعُّع اوسط ہے جس کا نام اسعد، ابوکریب یا ابوکرب کنیت ہے، یہ بادشاہ آپ ﷺ کی بعثت سے نو سو سال اور ایک روایت کے اعتبار سے کم از کم سات سو سال پہلے گزرا ہے، یہ اور اس کی قوم آتش پرست تھی، ایک مرتبہ سفر کے دوران اس کا مدینہ منورہ سے گذر ہوا، یہاں اس کا بیٹا مارا گیا، تبع نے مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ کیا، اس و خزر ج سے جو یہاں کے قدیم باشندے تھے مقابلہ ہوا، اہل مدینہ کا عجیب و غریب طریقہ تھا کہ دن میں تبع کے ساتھ لڑتے اور رات کو ان کی دعوت کرتے، تبع کو یہ امر نہایت عجیب معلوم ہوا، مدینہ میں یہودی بھی آباد تھے، بنی قریظہ کے دو بڑے عالم جن میں ایک کا نام کعب اور دوسرے کا نام اسعد تھا، یہ دونوں بادشاہ کے پاس گئے اور عرض کیا اے بادشاہ مدینہ کی طرف نظر بد نہ کرو، ورنہ عذاب آجائے گا، تجھ کو معلوم نہیں کہ یہ شہر نبی آخر الزمان محمد ﷺ کی ہجرت گاہ ہے، جن کا مولد مکہ ہے اور وہ قریش کی قوم سے ہوں گے، اے تبع اس وقت جہاں تو ہے اس سے قتال عظیم ہوگا، تبع نے معلوم کیا کہ جب وہ پیغمبر ہے تو اس سے قتال کون کرے گا، ان دونوں عالموں نے جواب دیا کہ ان کی قوم ان سے لڑے گی، تبع یہ سن کر لڑائی سے باز آ گیا، پھر ان دونوں عالموں نے اس کو دین یہود کی تبلیغ کی جس کے نتیجے میں اس نے یہودیت قبول کر لی، اور ان دونوں عالموں کو اپنے ہمراہ لیکر یمن چلا، جب مکہ معظمہ پہنچا تو قبیلہ ہذیل کے بعض لوگوں نے ازراہ شفقت بادشاہ سے کہا کہ ہم تجھے وہ گھربتائیں کہ جس میں خزانہ ہے اور وہ گھر خانہ کعبہ ہے، مقصد ان کا یہ تھا کہ تبع اس گستاخی سے ہلاک ہو جائے مگر ان دونوں عالموں نے اس کو اس حرکت سے باز رکھا، اور عرض کیا یہ خانہ خدا ہے، خبردار اس کی طرف نظر بد ہرگز نہ کرنا، تبع نے اس حرکت سے توبہ کی اور ہذیلیوں کو قتل کر دیا، اور مکہ میں حاضر ہو کر شعب صالح میں قیام کیا اور خانہ خدا کو لباس پہنایا، سب سے پہلے تبع ہی نے خانہ کعبہ پر غلاف ڈالنا شروع کیا، تبع نے مکہ میں چھ روز قیام کیا اور چھ ہزار بدنے قربان کئے، جب تبع یمن پہنچا تو قوم نے بغاوت کر دی اور کہا تو نے دین بدل ڈالا ہے، آخر فیصلہ یہ ہوا کہ زیر کوہ جو ایک آگ ہے وہاں دونوں فریق چلیں اور آگ حسب معمول ظالم کو جلادے، قوم اپنے بتوں کو لیکر گئی، اور تبع کعب و اسعد کو ساتھ لے گیا ان کے گلوں میں مصاحف لٹکے ہوئے تھے، یہ آگ کے اوپر سے باسانی گذر کر مقام معین پر پہنچ گئے، اس کے بعد آگ نکلی اور بت پرستوں کو جلا کر خاکستر کر دیا، اس کے بعد آگ جدھر سے آئی تھی واپس چلی گئی، اس کے بعد قوم تبع کے کچھ بچے ہوئے لوگوں نے یہودیت قبول کر لی۔ (خلاصۃ التفسیر، نائب لکھنوی)

حضرت عائشہ نے فرمایا تبع کو برانہ کہو وہ مرد صالح تھا، آپ ﷺ نے تبع کے بارے میں فرمایا کہ وہ اسلام لایا تھا اور یہ بھی فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھا یا نہیں، تبع نے دارابی ابوب آپ ﷺ کے لئے بنوایا تھا، اور وصیت نامہ لکھا تھا کہ نبی آخر الزمان جب تشریف لائیں تو یہ گھر اور میرا پیام نیاز پیش خدمت کیا جائے، چنانچہ وہ خط حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ (خلاصۃ التفاسیر) اس خط میں یہ اشعار بھی تھے:

شهدتُ على أحمد أنَّهُ
رسول من الله باري النسم
فلو مد عمرى الى عمره
لكنْتُ وزيراً له وابن عم

خط کا مضمون ابن اسحق کی روایت کے مطابق یہ تھا:

أما بعد! فاني آمنتُ بك وبكتابك الذي أنزل عليك، وأنا على دينك وسنتك وآمنتُ بربك ورب كل شيء وآمنتُ بكل ما جاء من ربك من شرائع الاسلام فإن ادر كتك فيها ونعمت وإن لم ادر كك فاشفع لي ولا تنسني يوم القيامة فاني من امتك الاولين وتابعتك قبل مجيئك وأنا على ملتك وملت ابيك ابراهيم عليه السلام ثم ختم الكتاب ونقش عليه، لله الامر من قبل ومن بعد وكتب عنوانه الى محمد بن عبد الله نبي الله ورسوله خاتم النبيين ورسول رب العالمين صلى الله عليه وسلم من تبع اول.

(لغات القرآن للدرويش)

مَا خَلَقْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ (الآية) ہم نے زمین و آسمان کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے، مطلب یہ ہے کہ اگر سوچنے سمجھنے والی عقل ہو تو آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو مخلوقات پیدا کی گئی ہیں، وہ سب بہت سے حقائق پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً ایک تو قدرت خداوندی پر دوسرے آخرت کے امکان پر کیونکہ جس ذات نے ان عظیم اجسام کو وجود بخشا وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں ایک مرتبہ فنا کر کے دوبارہ پیدا کر دے، تیسرے جزاء و سزا کی ضرورت پر کیونکہ اگر آخرت کی جزاء و سزا نہ ہو تو یہ سارا کارخانہ وجود بیکار ہو جاتا ہے، اس کی تخلیق کی حکمت ہی یہی ہے کہ اس کو دارالامتحان بنایا جائے اور اس کے بعد آخرت میں جزاء و سزا دی جائے ورنہ نیک و بد دونوں کا انجام ایک ہونا لازم آتا ہے جو اللہ کی شان حکمت سے بعید ہے، چوتھے یہ کہ یہ کائنات سوچنے سمجھنے والوں کو اطاعت خداوندی پر آمادہ کرنے والی ہے، اس لئے کہ پوری کائنات اس کا بہت بڑا انعام ہے اور بندے پر واجب ہے، کہ اس کی نعمت کا شکر، اس کے خالق کی اطاعت کرے۔ (معارف)

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ۖ هِيَ مِنْ أَحْبَبِ الشَّجَرِ الْمَرِّ بِتَهَامَةٍ يُنْبِثُهَا اللَّهُ فِي الْجَحِيمِ طَعَامُ الْآثِمِينَ ۖ إِي اهـ
جہل و أصحاب ذوی الاثم الكثير كَالْمُهْلِ ۖ إِي كَذَرْدِي الزَّيْتِ الْأَسْوَدِ خَبْرٌ ثَانٍ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ۖ
بِالْفَوْقَانِيَّةِ خَبْرٌ ثَالِثٌ وَبِالتَّحْتَانِيَّةِ حَالٌ مِنَ الْمُهْلِ ۖ كَغَلِي الْحَمِيمِ ۖ الْمَاءِ الشَّدِيدِ الْحَرَارَةِ خَذْوُهُ يُقَالُ لِلزَّبَانِيَةِ
خَذُوا الْآثِمِينَ فَاعْتَلَوْهُ بِكَسْرِ التَّاءِ وَضَمِّهَا جَرَّوْهُ بِغَلْظَةٍ وَشِدَّةٍ إِلَى سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۖ وَسَطِ النَّارِ
ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ۖ إِي مِنْ الْحَمِيمِ الَّذِي لَا يُفَارِقُهُ الْعَذَابُ فَهُوَ أَبْلَغُ مِمَّا فِي آيَةِ
يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ وَيُقَالُ لَهُ ذُقْ ۖ إِي الْعَذَابِ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۖ بَزْعُمِكَ وَقَوْلِكَ

مَا بَيْنَ جَنبَيْهَا أُعْزُّ وَاسْتَرْجُمُ مَنِي وَيُنَادِي لَهُمْ إِنَّ هَذَا الَّذِي تَرَوْنَ مِنَ الْعَذَابِ مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ۝ فِيهِ تَشْكُونَ ۝ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ مَجْلِسٍ ۝ آمِينَ ۝ يُوسِنُ فِيهِ الْخَوْفُ فِي جَنَّتٍ بِسَاتِينَ ۝ وَعُيُونٍ ۝ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ وَاسْتَبْرَقٍ ۝ أَيْ مَارِقِ مِنَ الدِّيْبَاجِ وَمَا غَلَطَ مِنْهُ مُتَقِيلِينَ ۝ حَالُ أَيْ لَا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى قِفَا بَعْضٍ لِدَوْرَانِ الْأَسْرَةِ بِهِمْ ۝ كَذَلِكَ يَنْتَدِرُ قَبْلَهُ الْأَمْرُ ۝ وَزَوْجُهُمْ مِنَ التَّزْوِيجِ أَوْ قَرَنَائِهِمْ بِمُحَوَّرٍ عَنِ ۝ بَيْنَسَاءٍ بَيْنَ بَيْنٍ ۝ وَاسْعَاتِ الْأَغْنِ حَسَانِهَا يَدْعُونَ يَطْلُبُونَ الْخَدَّامَ فِيهَا ۝ أَيْ الْجَنَّةُ أَنْ يَأْتُوا بِكُلِّ فَكَاكِهِ مِنْهَا ۝ آمِينَ ۝ مِنْ انْقِطَاعِهَا وَمَضَرَّتْهَا وَمِنْ كُلِّ مُخَوِّفٍ حَالٍ لَا يَدُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَى ۝ أَيْ الَّتِي فِي الدُّنْيَا بَعْدَ حَيَاتِهِمْ فِيهَا قَالَ بَعْضُهُمْ إِلَّا بِمَعْنَى بَعْدُ ۝ وَوَقَّهُمُ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ فَضْلًا مَسْدَرٌ بِمَعْنَى تَفَضُّلاً مَسْتُوبٌ بِتَفَضُّلٍ مُقَدَّرًا ۝ مِنْ رَبِّكَ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ سَهْلَنَا الْقُرْآنَ بِلِسَانِكَ بِلُغَتِكَ لِتَفْهَمَهُ الْعَرَبُ مِنْكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ يَتَعِظُونَ فَيُؤْمِنُونَ لِكُنْهَمُ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ فَارْتَقِبْ ۝ إِنَّظِرْ إِبْلَاقَهُمْ ۝ إِنَّهُمْ مُرْتَقِبُونَ ۝ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱

(آمنین) بدعون کی ضمیر سے حال ہے، وہاں وہ موت (کامزہ) نہیں چکھیں گے سوائے اس پہلی موت کے جس کو وہ دنیا میں حیات کے بعد چکھ چکے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اِلَّا بَعْدُ کے معنی میں ہے انہیں اللہ نے دوزخ کے عذاب سے محض تیرے رب کے فضل سے بچا دیا (فضلاً) مصدر ہے تفضلاً کے معنی میں تفضل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، یہی ہے بڑی کامیابی ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں آسان کر دیا تاکہ عرب آپ سے (سن کر) سمجھیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ایمان لے آئیں، لیکن وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اب تو ان کی ہلاکت کا منتظر رہو وہ بھی تیری ہلاکت کے منتظر ہیں، یہ حکم ان کے ساتھ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

تَحْقِيقُ وَتَرْكِيبُ تَسْبِيلٍ وَتَفْسِيرِي فَوَائِدُ

قَوْلُهُ: شَجَرَتِ الزَّقُّومِ، شَجَرَتٌ یہاں تاء مجرورہ کے ساتھ ہے قرآن میں بقیہ جگہ تاء مذکورہ کے ساتھ ہے حالت وقف میں، ہ اور تاء دونوں پڑھا گیا ہے۔
قَوْلُهُ: زَقُّومٌ ایک جنگلی نبات ہے، جمیلی کے مانند اس پر پھول آتا ہے، یہ جہنیوں کی غذا ہے، اردو میں تھوہڑ اور ہندی میں ناگ پھن کہتے ہیں، اس کامزہ کڑوا سیلابد مزہ ہوتا ہے۔

مَجْرَبُ نَسْخِ:

زقوم ایک ایسے درخت کو بھی کہتے ہیں جس کا پھل کھجور کے مانند ہوتا ہے، اس کا تیل ریاح بارودہ کے تحلیل میں عظیم النفع ہے امراض بلغمیہ میں عجیب تاثیر ہے، او جاع مفاصل، عرق النساء، نقرس اور کوہے میں احتباس ریاح کو تحلیل کرنے میں سریع الاثر اور کثیر النفع ہے، (مقدار خوراک) بقدر سات درہم روزانہ تین روز تک استعمال کیا جاتا ہے، اس دوا سے اپاہج اور معذورین بھی بمشیت خداوندی صحت یاب ہو جاتے ہیں، کہا گیا ہے کہ ہلیلہ کابلی اس درخت کی جڑ ہے۔

(صاوی، حمل)

قَوْلُهُ: تِهَامَةَ مَکَ معظمہ ملک حجاز کا جنوبی علاقہ ہے، نسبت کے لئے تہامہ کہتے ہیں جمع تہامیون و تہامون آتی ہے۔

(مصباح)

قَوْلُهُ: کَالْمُهْلِ پگھلی ہوئی دھات دُرْدِی تلچٹ، تیل وغیرہ کی گاد، زیت الاسود، تارکول۔

قَوْلُهُ: طَعَامُ الْاِثِمِ اِنَّ کی خبر اول ہے اور کالْمُهْلِ خبر ثانی، اور تَغْلِي تاء کے ساتھ خبر ثالث ہے، اور یاء کے ساتھ المہل سے حال ہے۔

قَوْلُهُ: صُبُّوا فَوْقَ رَاسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ میں زیادہ مبالغہ ہے بہ نسبت يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمِ کے پہلی آیت میں عذاب کو سر پر بہانے کا حکم ہے گویا کہ پانی اتنا گرم ہے کہ وہ خود عذاب ہو گیا لہذا اب حرارت اس سے جدا نہیں

ہوئی اس لئے کہ حرارت اب صفت نہیں رہی، بلکہ خود موصوف ہو گئی، اس میں مبالغہ زیادہ ہے بہ نسبت یہ کہنے کے کہ ان پر گرم پانی بہاؤ، یہاں پانی موصوف اور گرم اس کی صفت ہے، اور صفت موصوف سے جدا ہو سکتا ہے۔

قَوْلُنَا: اَوْ قَرَّ نَاهُمْ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ زَوْجُنَا متعدی بنفسہ ہے حالانکہ یہاں اس کا صلہ بحورِ عین کی باء ہے، جواب یہ ہے کہ زَوْجُنَا بمعنی قَرَّ نَا ہے، لہذا اس کا صلہ باء لانا درست ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

ان آیات میں آخرت کے کچھ احوال بیان کئے گئے ہیں اور قرآن نے اپنے دستور اور عادت کے مطابق یہاں بھی دوزخ اور جنت دونوں ہی کے احوال بیان فرمائے ہیں، اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقْوَمِ الخ اس آیت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ کفار کو زقوم دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے کھلایا جائے گا کیونکہ یہاں زقوم کھلانے کے بعد یہ حکم مذکور ہے کہ اسے کھینچ کر دوزخ کے پتھروں میں لے جاؤ۔

اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ اَمِينٍ ان آیات میں جنت کی سرمدی نعمتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور نعمت کی تقریباً تمام اقسام کو جمع کر دیا گیا ہے، اس لئے کہ عموماً انسانی ضرورت کی بنیادی چیزیں یہی ہوتی ہیں، عمدہ رہائش گاہ، عمدہ لباس، بہترین شریک حیات، بہتر ماکولات، پھر ان نعمتوں کے باقی رہنے کی ضمانت اور رنج و تکلیف سے کلی طور پر مامون رہنے کا یقین، یہاں ان چھ کی چھ باتوں کو اہل جنت کے لئے ثابت کر دیا گیا ہے، جیسا کہ ان چھ آیتوں میں غور کرنے سے صاف ظاہر ہے۔

ذُقْ اِنَّكَ انت العزيز الكريم یعنی دنیا میں بزعیم خویش بڑا معزز اور ذی وقار بنا پھرتا تھا، اور اہل ایمان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

وَزَوْجُنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ حُورَاءُ کی جمع ہے یہ حور سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں کہ آنکھ کی سفیدی نہایت سفید ہو اور سیاہی نہایت سیاہ ہو، حوراء اس لئے کہا جاتا ہے کہ نظریں اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں گی، عَيْنٌ عَيْنَاءُ کی جمع ہے، کشادہ چشم، جیسے ہرن کی آنکھیں ہوتی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعٌ وَثَلَاثُونَ آيَةً وَأَرْبَعٌ رُكُوعًا

سُورَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ إِلَّا قُلٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا (الآيَةُ)

وَهِيَ سِتُّ أَوْ سَبْعٌ وَثَلَاثُونَ آيَةً.

سورہ جاثیہ مکی ہے سوائے قُلٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا (الآیہ)

کے اور یہ چھتیس (۳۶) یا سینتیس (۳۷) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ حَمْدُ اللَّهِ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ الْقُرْآنُ مُبْتَدَأُ
مِنَ اللَّهِ خَبْرُهُ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ۝ فِي صُنْعِهِ إِنَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَى فِي خَلْقِهِمَا لَآيَاتٍ دَالَّةٌ عَلَى
قُدْرَةِ اللَّهِ وَوَحْدَانِيَّتِهِ تَعَالَى لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَفِي خَلْقِكُمْ أَى خَلْقِ كُلِّ مِنْكُمْ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ عُلْقَةٍ ثُمَّ مُضْغَةٍ إِلَى
أَنْ صَارَ إِنْسَانًا وَ خَلْقِ مَا يَبْتَغِي يَفْرُقُ فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ هِيَ مَا يَذُبُّ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ النَّاسِ وَغَيْرِهِمْ
أَيُّ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ بِالْبَغْتِ وَاجْتِلَافِ النَّيْلِ وَالتَّهَارِ ذِيَابِهِمَا وَمَجِيئِهِمَا وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ
مَطَرٍ لِأَنَّهُ سَبَبُ الرِّزْقِ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ تَقْلِيلِهَا سَرَّةً جَنُوبًا وَسَرَّةً شِمَالًا وَبَارِدَةً وَحَارَةً
أَيُّ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ الدَّلِيلُ فَيُؤْمِنُونَ تِلْكَ الْآيَاتِ الْمَذْكُورَةِ أَيْتُ اللَّهِ حُجْجُهُ الدَّالَّةُ عَلَى وَحْدَانِيَّتِهِ نَتْلُوهَا
نَقْصُهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِتَنَلُّو فَيَأْتِي حَدِيثُ بَعْدَ اللَّهِ أَى حَدِيثُهُ وَهُوَ الْقُرْآنُ وَأَيَّتُهُ حُجْجُهُ يُؤْمِنُونَ ۝
أَى كُفَّارُ مَكَّةَ أَى لَا يُؤْمِنُونَ وَفِي قِرَاءَةِ بِالتَّاءِ وَتِلْ كَلِمَةُ عَذَابٍ لِكُلِّ أَفَّاكٍ كَذَّابٍ أَتِيْمٍ ۝ كَثِيرِ الْإِثْمِ
يَسْمَعُ أَيْتُ اللَّهِ الْقُرْآنَ تَتْلُو عَلَيْهِ ثُمَّ يُصْرُ عَلَى كُفْرِهِ مُسْتَكْبِرًا مُتَكَبِّرًا عَنِ الْإِيمَانِ كَانَ لَمْ يَسْمَعْهَا
فَبَشَّرَهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ مَوْلِمٌ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا أَى الْقُرْآنِ شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا أَى مَهْزُؤًا بِهَا أُولَئِكَ أَى الْأَفَّاكُونَ
لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ ذَوَابَّةٌ مِنْ قُرْآنِهِمْ أَى أَمَانِيهِمْ لِأَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا جَهَنَّمُ وَلَا يَغْنِي عَنْهُمْ مَا كَسَبُوا مِنَ الْمَالِ وَالْفِعَالِ
شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى الْأَصْنَامِ أَوْلِيَاءَ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ هَذَا أَى الْقُرْآنُ هُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ حَظٌّ مِّنْ رَّحْمَةِ اٰی عَذَابِ الْيَمِّ مُوجِعٌ

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے حَمْر اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے کتاب یعنی قرآن کا نزول اللہ کی طرف سے ہے (من اللہ) خبر ہے جو کہ اپنے ملک میں غالب اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے بلاشبہ آسمانوں اور زمین میں یعنی ان دونوں کے پیدا کرنے میں ایسی نشانیاں ہیں جو اللہ کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں، اور خود تمہاری پیدائش میں یعنی تم سب کو نطفہ سے پیدا کرنے میں پھر دم بستہ سے پھر گوشت کے ٹوٹنے سے، حتیٰ کہ وہ نطفہ انسان ہو جاتا ہے، اور ان جانوروں کی پیدائش میں جنہیں وہ زمین پر پھیلاتا ہے (دابة) ہر وہ شے ہے جو زمین پر چلے انسان وغیرہ، بعث کا یقین رکھنے والی قوم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں اور رات دن کے بدلنے میں (یعنی) ان کے جانے اور آنے میں اور اس رزق (بارش) میں جسے وہ آسمان سے نازل کرتا ہے، اس لئے کہ (بارش) سبب رزق ہے اس بارش کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو زندہ کر دیا اس کے مردہ ہو جانے کے بعد اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی کبھی جنوباً، تو کبھی شمالاً کبھی ٹھنڈی، تو کبھی گرم، ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو دلیل کو سمجھتے ہیں کہ ایمان لے آئیں، یہ جو نشانیاں مذکور ہوئیں اللہ کی نشانیاں ہیں یعنی اس کی وہ جھتیں ہیں جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں جنہیں ہم آپ کو راستی کے ساتھ سنارہے ہیں (بالحق) نَتْلُوْا سے متعلق ہے پس اللہ کی بات اور وہ قرآن ہے اور اس کی حجّتوں کے بعد کس کی بات پر یہ کفار مکہ ایمان لائیں گے اور ایک قراءت میں تاء کے ساتھ (تؤمنون) ہے اور ہر جھوٹے، گنہگار بکثرت گناہ کرنے والے پر افسوس ہے، جو اپنے سامنے پڑھی جانے والی اللہ کی آیتوں قرآن کو سنتا ہے پھر بھی ایمان سے تکبر کرتا ہوا اپنے کفر پر مصر رہے، گویا کہ ان (آیات) کو سنا ہی نہیں ہے تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے اور وہ جب ہماری آیتوں قرآن میں سے کسی آیت کی خبر پالیتا ہے تو اس کا مذاق بنالیتا ہے یہی ہیں وہ دروغ گو جن کے لئے اہانت آمیز عذاب ہے ان کے آگے جہنم ہے اس لئے کہ وہ دنیا میں ہیں، مال و اعمال میں سے انہوں نے جو کچھ بھی کمایا ان کو کچھ فائدہ نہ دے گا اور نہ وہ (کچھ کام آئیں گے) جن بتوں کو اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا تھا اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے یہ یعنی قرآن سرتاپا گمراہی سے ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانا ان کے لئے دردناک عذاب کا حصہ ہے۔

تَحْقِیْقُ تَرْکِیْبِ تَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: تَنْزِیْلُ الْكِتَابِ مبتداء ہے اور من اللہ کائن کے متعلق ہو کر اس کی خبر ہے العزیز الحکیم یہ دونوں اللہ کی صفات ہیں جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ تنزیل الکتاب، هذا مبتداء محذوف کی خبر ہو اور من اللہ تنزیل کے متعلق ہو۔

قَوْلًا: لآيَاتٍ، آیاتِ اِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کسرہ کے ساتھ یہ باتفاق قراء ہے، لیکن آئندہ آنے والی آیات لقوم یوقنون اور آیات لقوم یغفلون ان میں رفع اور نصب دونوں قراءتیں ہیں، رفع تو اس لئے کہ آیات مبتداء مؤخر ہے اور فی خلقکم خبر مقدم ہے اور نصب اس لئے کہ آیات معطوف ہے آیات اول پر جو کہ وہ اِنَّ کا اسم ہے اور فی خلقکم معطوف ہے فی السموات والارض پر جو کہ اِنَّ کی خبر واقع ہے، اس میں عامل واحد کے دو معمولوں پر عطف ہے جو بالاتفاق جائز ہے۔ (صاوی)

قَوْلًا: وَخَلَقَ مَا يَبُتُّ شارح علام نے خَلَقَ مضاف مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اس کا عطف خَلَقَ پر ہے یہ بھی درست ہے کہ مَا يَبُتُّ کا عطف خَلَقَ کی کم ضمیر مجرور پر ہو مگر یہ ان لوگوں کے نزدیک جائز ہوگا جو ضمیر مجرور پر بغیر اعادہ جار کے عطف جائز کہتے ہیں۔

قَوْلًا: وَفِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، فی کو ظاہر کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں فی مقدر ہے جیسا کہ قراءت شاذہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (صاوی)

قَوْلًا: تِلْكَ آيَاتُ مَبْتَدَأِ خَبَرٍ اور نَتْلُوها حال۔

قَوْلًا: لَا يُؤْمِنُونَ سے اشارہ کر دیا کہ فَبَيَّأِ حَدِيثٌ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔

قَوْلًا: وَيَلْ عَذَابٍ اور جہنم کی وادی دونوں معنی میں مستعمل ہے۔

قَوْلًا: كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَن فِي صِلٍ كَأَن تَحْطَاہُ عَنْ الْمَقْلَدِ ہے، ضمیر شان محذوف ہے، اِی كَأَنَّهُ اور جملہ یا تو مستانہ ہے یا حال ہے۔ (صاوی)

قَوْلًا: اِتَّخَذَهَا هُزُوًا۔

سُؤَالٌ: اِتَّخَذَهَا کی ضمیر شینا کی طرف راجع ہے جو کہ مذکر ہے لہذا اس کی طرف ضمیر مؤنث لوٹانا صحیح نہیں ہے۔

جَوَابٌ: معنی کے اعتبار سے مؤنث کی ضمیر لوٹانا درست ہے اس لئے کہ شینا سے مراد آیت ہے۔

مُسْتَشْرَجٌ جَوَابٌ: آیاتنا کی طرف لوٹانا بھی درست ہے۔

قَوْلًا: اِی امامہم اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وراء امام اور خلف دونوں معنی میں مستعمل ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

بالاتفاق یہ سورت مکی ہے، صرف ایک قول یہ ہے کہ آیت قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ مَدَنِي ہے، اس سورت کے تین نام ہیں، ① جاثیة ② شریعة ③ الدهر (اتقان) یہ تینوں اشیاء اس سورت میں مذکور ہیں، یہ اسماء الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہیں۔

شان نزول:

قل للذین امنوا الخ حضرت عمر بن الخطاب کے بارے میں نازل ہوئی ایک مشرک نے ان کو مکہ میں گالی دی، حضرت عمر نے چاہا کہ اس سے انتقام لیں، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی پھر اس آیت کا حکم اقتلوا المشرکین سے منسوخ کر دیا گیا۔

اس سورت کا مضمون بھی دیگر کی سورتوں کی طرح عقائد کی اصلاح ہے چنانچہ اس سورت میں توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد ہی کو مختلف طریقوں سے مدلل کیا گیا ہے۔

وَبَلِّ لِكُلِّ آفَاكٍ أَثِمًا بڑی خرابی ہوگی اس شخص کے لئے جو جھوٹا اور نافرمان ہو۔

شان نزول:

اس آیت کے شان نزول میں متعدد روایات ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نصر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض میں ہے کہ حارث بن کلدہ کے بارے میں نازل ہوئی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی، مفہوم قرآن کو سمجھنے کیلئے کسی ایک شخص کی تعیین کی ضرورت نہیں کُل کا لفظ بتا رہا ہے کہ آیت کے پس منظر میں خواہ یہ تینوں اشخاص ہوں، لیکن مراد وہ شخص ہے جو ان جیسی صفات کا حامل ہو۔

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لَتَجْرِيَ الْفُلُكُ السُّفُنُ فِيهِ بِأَمْرِهِ بِإِذْنِهِ وَلِتَبْتَغُوا تَطْلُبُوا بِالْتِجَارَةِ مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝
وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَوَاتِ مِنْ شَمْسٍ وَقَمَرٍ وَنَجْمٍ وَمَاءٍ وَغَيْرِهِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ ذَاتَةٍ وَشَجَرٍ وَنَبَاتٍ وَأَنْهَارٍ
وغيرہ ای خلق ذلك لمنافعهم جميعاً تأكيد منه حال اي سخرها كائنة منه تعالى
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝
فيسا فيؤمنون قل للذين آمنوا يغفروا للذين لا يرجون يخافون أيام الله
وقائعه أي اغفروا للكفار ما وقع منهم من الأذى لكم وبهذا قبل الأمر بجهادهم ليجزى أي الله وفي
قراءة بالنون قومًا بما كانوا يكسبون ۝
من الغفر للكفار أذا هم من عمل صالحا فلنفسه عمل ومن أساء فعليها
أساء ثم إلى ربكم ترجعون ۝
تفسيرون فيجازي المصلح والمسي ولقد آتينا بني إسرائيل الكتاب التوراة والحكم
به بين الناس والنبوة لموسى وهارون منهم ورزقهم من الطيبات الحلال كالمن والسوى
وفضلهم على العالمين ۝
عالمى زمانهم العقلاء واليههم بينت من الأمر أمر الدين من الحلال والحرام وبعثه
محمد عليه أفضل الصلوة والسلام فما اختلفوا في بعثه إلا من بعد ما جاءهم العلم بغيا بينهم اي لبعثي

حَدَّثَ بَيْنَهُمْ حَسَدًا ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۖ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ طَرِيقَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ أَمْرَ الدِّينِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۚ فِي عِبَادَةِ غَيْرِ اللَّهِ إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا يَدْفَعُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا ۚ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ الْكَافِرِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ۚ ۱۸ الْمُؤْمِنِينَ هَذَا الْقُرْآنُ بَصَائِرُ لِلنَّاسِ مَعَالِمُ يَتَّبِعُونَ بِهَا فِي الْأَحْكَامِ وَالْحُدُودِ وَهَدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۚ ۱۹ بِالْبَغْثِ أَمْ بِمَعْنَى بِهَمْزَةِ الْإِنْكَارِ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا اِكْتِسَبُوا السَّيِّئَاتِ الْكُفْرَ وَالْمَعَاصِيَ أَنْ يُجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً خَبَرٌ مُّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ مُبْتَدَأُ وَمُعْطُوفٌ وَالْجُمْلَةُ بَدَلٌ مِنَ الْكَافِ وَالضَّمِيرُ لِلْكَفَّارِ الْمَعْنَى أَحْسِبُوا أَنْ نُجْعَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ فِي خَيْرٍ كَالْمُؤْمِنِينَ أَيْ فِي رَغْدٍ مِّنَ الْعَيْشِ مُسَاوٍ لِّعَيْشِهِمْ فِي الدُّنْيَا حَيْثُ قَالُوا لِلْمُؤْمِنِينَ لَيْتَ بُعِثْنَا لِنُعْطَىٰ مِنَ الْخَيْرِ مِثْلَ مَا تُعْطُونَ قَالَ تَعَالَىٰ عَلَىٰ وَفْقِ انْكَارِهِ بِالْهَمْزَةِ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۚ ۲۰ أَيْ لَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ فَهُمْ فِي الْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ عَلَىٰ خِلَافِ عَيْشِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْمُؤْمِنُونَ فِي الْآخِرَةِ فِي الثَّوَابِ بِعَمَلِهِمُ الصَّالِحَاتِ فِي الدُّنْيَا مِنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّيَامِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ أَيْ بِشَسْ حَكْمًا حَكْمُهُمْ بِهَذَا.

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو تابع کر دیا تاکہ اس میں اس کے حکم اجازت سے کشتیاں چلیں اور تم تجارت کے ذریعہ اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر بجالاؤ شمس و قمر ستارے اور پانی وغیرہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جانور اور درخت اور گھاس اور نہریں وغیرہ جو کچھ زمین میں ہے اس نے اپنی طرف سے سب کو تمہارے تابع کر دیا یعنی مذکورہ چیزوں کو اس نے انسانوں کے نفع کے لئے پیدا فرمایا جمیعاً تاکید ہے، اور منہ حال ہے یعنی ان چیزوں کو تابع کر دیا حال یہ ہے کہ یہ اس کی طرف سے ہے، بلاشبہ اس تابع کرنے میں ان لوگوں کے لئے جو ان میں غور (فکر) کریں بہت سی نشانیاں ہیں کہ ایمان لے آئیں، آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں واقعات سے خوف نہیں رکھتے یعنی کفار کی جانب سے جو تم کو تکلیف پہنچی اس کو معاف کر دیں اور یہ ان کو جہاد کا حکم دینے سے قبل کا حکم ہے تاکہ اللہ (مومن) قوم کو ان کے عمل کا اچھا بدلہ دے یعنی کافروں کی ایذا رسانی کو معاف کرنے کا بدلہ، جو نیکی کرے گا وہ اپنے ہی نفع کے لئے کرے گا، اور جو برے عمل کرے گا اس کا وبال اسی پر ہے پھر تم کو تمہارے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تاکہ وہ نیکو کار و بدکار کو بدلہ دے اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب تورات، اور حکمت کہ جس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور انہیں میں سے موسیٰ و ہارون کو نبوت دی تھی اور ہم نے ان کو پاکیزہ حلال روزی دی تھی جیسا کہ من و سلویٰ اور ہم نے ان کو ان کے زمانہ کے اہل جہان عقلاء پر فضیلت دی تھی اور ہم نے ان کو دین کے معاملہ میں یعنی حلال اور حرام اور بعثت محمد ﷺ کے بارے میں واضح اور صاف دلیلیں دیں تھیں، پھر انہوں نے علم آنے کے بعد ہی محمد ﷺ کی بعثت کے

بارے میں اختلاف کیا بوجہ آپس کی ضدِ اضدی کے یعنی اس عداوت کے باعث جو ان کے درمیان محمد ﷺ سے حسد کی وجہ سے پیدا ہوئی، جن چیزوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں تیرا رب ان کے درمیان قیامت کے دن (عملی) فیصلہ کر دے گا پھر ہم نے اے محمد ﷺ آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اسی طریقہ پر چلتے رہئے، اور غیر اللہ کی عبادت کے معاملہ میں ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے (یاد رکھئے) کہ یہ لوگ آپ سے اللہ کے عذاب کو ہرگز دفع نہیں کر سکتے اور (سمجھ لیں) کہ ظالم کافر لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں مومنین کا کارساز اللہ ہے اور یہ قرآن لوگوں کے لئے بصیرت اور ہدایت و رحمت ہے بعث (بعد الموت) پر ایمان رکھنے والوں کے لئے کیا ان لوگوں کا جو بدی کفر و معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں یہ خیال ہے کہ ہم ان کو ان جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے کہ ان کا جینا مرنا یکساں ہو جائے (اَمْرٌ) ہمزہ انکار کے معنی میں ہے سواء خبر (مقدم) ہے، اور مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ مبتداء و معطوف ہے، اور جملہ کاف سے بدل ہے، اور دونوں ضمیریں کافروں کے لئے ہیں (آیت کے) معنی یہ ہیں کیا یہ کافر یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو آخرت میں خیر میں مومنین کے مانند کر دیں گے یعنی عیش کی خوشگواہی میں کہ ان کے عیش کے مساوی ہو گا دنیا میں، اس لئے کہ انہوں نے مومنین سے کہا تھا کہ اگر (بالفرض) ہم کو زندہ کیا گیا تو ہم کو ایسی ہی خیر عطا کی جائے گی جیسی کہ تم کو عطا کی جائے گی، ہمزہ کو انکاری ماننے کی صورت میں فرمایا برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں یعنی بات ایسی نہیں وہ تو آخرت میں اپنے دنیوی عیش کے برخلاف عذاب میں ہوں گے اور مومن آخرت میں اپنے دنیا میں کئے گئے اپنے اعمال صالحہ مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ ڈلک کے بدولت ثواب میں ہوں گے (مَا يَحْكُمُونَ) میں ما مصدر یہ ہے یعنی ان کا یہ فیصلہ نہایت برا ہے۔

تحقیق و تکرید و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ وَاَوْعَاطِفُهُ اس جملہ کا عطف سابقہ جملہ پر ہے۔

قَوْلُهُ: جَمِيعًا، ما سے حال ہے اور مِنْهُ سَخَّرَهَا کی ضمیر سے حال ہے اِی سَخَّرَهَا كَاِنَّهُ مِنْهُ تعالیٰ علامہ محلی نے جمیعاً کو ما موصولہ کی تاکید قرار دیا ہے جو کہ سَخَّرَ کا مفعول ہے، غالباً یہ علامہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا وہم ہے اگر جمیعاً ما موصولہ کی تاکید ہوتی تو جَمِيعًا کہا جاتا، علامہ محلی نے غالباً اس میں ابن مالک کا اتباع کیا ہے اسکے علاوہ جمیعاً کے ذریعہ تاکید قلیل الاستعمال ہے، لہذا قرآن کو اس پر محمول کرنا بہتر نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: مِنْهُ حال ہے اِی سَخَّرَهَا كَاِنَّهُ مِنْهُ تعالیٰ (اعراب القرآن)

قَوْلُهُ: لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ مذکورہ جملہ غفور و درگزر کرنے کی علت ہے، اور قَوْمًا سے مراد قوم مومن ہے اور

مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ سے مراد درگزر کرنے اور معاف کرنے کا عمل ہے، مطلب یہ ہے کہ کفار کی جانب سے ایذا رسانی کو درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن درگزر کرنے والے مومنوں کو اچھا بدلہ دے مگر یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

آیت کے دوسرے معنی:

قوماً سے مراد کفار ہیں اور مَا كَسَبُوا سے مراد شرکین کے وہ کرتوت اور نازیبا حرکتیں ہیں، جو وہ مومنین کے ساتھ ایذا رسانی کی شکل میں کرتے تھے، اور جزاء سے مراد سزا ہے، مطلب یہ ہے کہ اے مومنو! تم انتقام اور بدلہ لینے کی کوشش نہ کرو بلکہ ہم خود ان سے انتقام لے لیں گے، اول معنی رائج ہیں۔ (فتح القدیر)

قَوْلُهُ: قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا قُلْ کا مقولہ جو کہ اغْفِرُوا ہے جواب امر یعنی يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ کے دلالت کرنے کی وجہ سے محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے قُلْ لَهُمْ اغْفِرُوا يَغْفِرُوا اور لِيَجْزِيَ امر مقدر اغْفِرُوا کی علت ہے علامہ مکی نے مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ کی تفسیر مِنَ الْغَفْرِ لِكْفَارِ اَذَاهُمْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اول معنی رائج ہیں۔

قَوْلُهُ: وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ بنی اسرائیل کی تین کتابیں ہیں زبور، تورات، انجیل مگر ان میں چونکہ تورات اصل ہے جو دیگر کتابوں سے کفایت کرتی ہے، اس لئے یہاں تورات پر اکتفا کیا ہے۔

قَوْلُهُ: الْعُقَلَاءُ مناسب ہوتا اگر مفسر رَحِمَهُمُ اللہُ الْعُقَلَاءُ کے بجائے الثَّقَلَيْنِ کہتے، اس لئے کہ العقلاء میں ملائکہ بھی داخل ہیں حالانکہ ملائکہ کتب سماویہ کے مکلف نہیں ہیں، بیضاوی کی عبارت وَفَضَّلْنَا هُمْ عَلَى الْعَلَمِينَ حَيْثُ آتَيْنَاهُمْ مَا لَمْ نُوْتِهٖ اَحَدًا غَيْرَهُم قاضی بیضاوی کے قول حَيْثُ آتَيْنَاهُمْ الْخ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عالمی زمانہم کی بھی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ مراد ان فضائل میں خصوصیت کو بیان کرنا ہے جو واقعہً دوسروں کو حاصل نہیں تھیں اور جزوی فضیلت سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، مثلاً بنی اسرائیل میں انبیاء کا بکثرت ہونا، دریا کا پھٹ کر راستہ دینا، ان کے دشمن فرعون کا غرق ہونا، من و سلویٰ کا نازل ہونا اور ایک پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہونا، اس سے معلوم ہوا کہ اجر و ثواب کے اعتبار سے فضیلت مراد نہیں ہے۔ (حمل ملخصاً)

قَوْلُهُ: وَبِعَثَّةٍ مُحَمَّدٍ اس کا عطف الدین پر ہے ای امرُ بَعَثَةِ مُحَمَّدٍ۔

قَوْلُهُ: لِيَبْغِيَ حَدَّثَ اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے اول یہ کہ بَغْيًا اختلاف کی علت ہے اور دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل کے درمیان اختلاف کا سبب ان کی آپس کی ضد اور ہٹ دھرمی تھی۔

قَوْلُهُ: هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ۔

سُؤَالٌ: هَذَا مبتداء ہے جو کہ واحد ہے اور بصائر جمع ہے دونوں میں مطابقت نہیں ہے۔

قَوْلًا: ہذا سے مراد آیات متعددہ اور براہین مختلفہ ہیں، اس لئے معنی کے اعتبار سے مبتداء و خبر میں مطابقت ہے۔

قَوْلًا: فِی عِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰہِ اس کا تعلق لَا تَتَّبِعُوْا سے ہے۔

قَوْلًا: مَعَالِمَ، مَعْلَم کی جمع ہے اس نشان کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ راستہ کی طرف رہنمائی حاصل کی جاتی ہے یعنی یہ آیتیں احکام کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

قَوْلًا: الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السِّنَاتِ، حسب کا فاعل ہے اور جملہ اَنْ نَّجْعَلَهُمُ الْخِ حَسِبَ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

قَوْلًا: سَوَاءٌ رَفَعَ کے ساتھ مَحْيَاہُمْ وَمَمَاتُہُمْ مبتداء کی خبر مقدم ہے اور کَسَائِیْ نے سواء کو کالذین آمنوا میں ضمیر مجرور سے حال واقع ہونے کی وجہ سے نصب کے ساتھ پڑھا ہے، یا اس لئے منصوب ہے کہ حَسِبَ کا مفعول ثالث ہے، اور بعض حضرات نے نَجْعَلَهُمُ کے مفعول سے بدل الاشتمال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے۔

قَوْلًا: لَیْسَ الْاَمْرُ کَذٰلِکَ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَمْ حَسِبَ میں ہمزہ استفہام انکار کے لئے ہے مناسب یہ تھا کہ مفسر علام لیس الامر کذلک کو ساء ما یَحْكُمُونَ پر مقدم کرتے، اس لئے کہ یہ جملہ اسی سے مربوط ہے۔

قَوْلًا: مَا مَصْدَرِیۃ، بئس ما یَحْكُمُونَ میں ما مصدریہ ہے اور ما یَحْكُمُونَ حُكْمُہُمْ کے معنی میں ہے اور بئس کا فاعل ہے جو کہ ظاہر ہے مگر جب فاعل ظاہر ہوتا ہے تو پھر تمیز نہیں ہوتی، شارح رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَیْکَ کا بئس حکماً کہنا، یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حکماً تمیز ہے اور جب تمیز ہوتی ہے تو فاعل مستتر ہوتا ہے جو ما کے مصدریہ ہونے کے منافی ہے ابن عطیہ نے کہا ہے کہ ما مصدریہ ہے ای ساء الحکم حکمہم اس صورت میں الْحُكْمُ فاعل ہے اور حُكْمُہُمْ مخصوص بالذم۔

(جمل)

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

اَللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلُکَ فِیْہِ بِاَمْرِہِ (الایۃ) یعنی سمندر کو ایسا بنایا کہ تم کشتیوں کے ذریعہ اس پر سفر کر سکو، سمندروں اور دریاؤں میں کشتیوں کا چلنا یہ تمہارا کمال نہیں یہ اللہ کا حکم اور اس کی مشیت ہے ورنہ اگر وہ چاہتا تو سمندر کی موجوں کو اتنا سرکش بنا دیتا کہ کوئی کشتی اور جہاز ان کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکتا، جیسا کہ کبھی کبھی وہ اپنی قدرت کے اظہار کے لئے ایسا کر دیتا ہے، اگر مستقل طور پر موجوں کی طغیانیوں کا یہی عالم رہتا تو تم کبھی بھی سمندروں میں سفر کرنے کے قابل نہ ہوتے۔

وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِہِ قرآن کریم میں فضل تلاش کرنے سے عموماً کسب معاش کی جدوجہد مراد ہوتی ہے، یہاں اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ تمہیں سمندر میں کشتی رانی پر اس لئے قدرت دی گئی تاکہ اس کے ذریعہ تم تجارت کر سکو۔

قُلْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُ اللّٰہُ لَیْرَجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰہِ آپ ایمان والوں سے فرمادیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں

جو اللہ تعالیٰ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے۔

شان نزول:

اس آیت کے شان نزول میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ مکہ مکرمہ میں کسی مشرک نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دشنام طرازی کی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بدلے میں اس کو کچھ تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمایا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس روایت کے مطابق یہ آیت مکی ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ غزوہ بنو مصطلق کے موقع پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ نے مرسیع نامی ایک کنوئیں کے قریب پڑاؤ ڈالا، منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بھی مسلمانوں کے ساتھ قافلہ میں شامل تھا، اس نے اپنے غلام کو کنوئیں سے پانی لانے کے لئے بھیجا، اسے واپسی میں تاخیر ہو گئی، عبداللہ بن ابی نے وجہ معلوم کی تو اس نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام کنوئیں کے کنارے بیٹھا ہوا تھا، اس نے اس وقت تک کسی کو پانی بھرنے کی اجازت نہیں دی جب تک کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر کے مشکیزے نہیں بھر گئے، اس پر عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ہم پر اور ان لوگوں پر تو وہی مثل صادق آتی ہے سَمَنْ كَذَبَكَ يَا كَلْكُ اپنے کتے کو فرہہ کر تو وہ تم کو کھا جائے گا، حضرت عمر کو جب یہ اطلاع ملی تو تلواریں سونت کر عبداللہ بن ابی کی طرف چلے، اس پر آیت نازل ہوئی، اس روایت کے اعتبار سے یہ آیت مدنی ہے۔ (قرطبی، روح المعانی، معارف)

ان روایتوں کی اسناد اگر تحقیق سے صحیح ثابت ہوں تو دونوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ دراصل یہ آیت مکہ میں نازل ہو چکی تھی پھر جب غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر اسی سے ملتا جلتا واقعہ پیش آیا تو آنحضرت نے اس آیت کو اس موقع پر بھی تلاوت فرما کر اس واقعہ کو اس پر منطبق فرمایا، اور شان نزول کی روایات میں ایسا بکثرت ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر یہ آیت دوبارہ یاد دہانی کے طور پر نازل ہوئی ہو، اس کو اصول تفسیر میں نزول مکرر کہتے ہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ "کتاب" سے مراد تورات، "حکم" سے مراد حکومت و بادشاہت یا فہم و قضاء کی صلاحیت ہے جو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ضروری ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ "شریعت" کے لغوی معنی ہیں راستہ، ملت اور منہاج، شاہراہ، پس شریعت سے یہاں مراد وہ دین ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ لوگ اس پر چل کر اللہ کی رضا کا مقصد حاصل کر لیں، یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ دین اسلام کے کچھ تو دینی عقائد ہیں، مثلاً توحید و آخرت وغیرہ، اور کچھ عملی زندگی سے متعلق احکام ہیں، جہاں تک اصول عقائد کا تعلق ہے وہ تو ہر نبی کی امت میں یکساں رہے ہیں، ان میں کبھی ترمیم نہیں ہوتی، البتہ عملی احکام مختلف انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے بدلتے رہے ہیں، آیت شریفہ میں انہی دوسری قسم کے احکام کو دین کے ایک خاص طریقہ سے تعبیر کیا ہے۔ (معارف)

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِخَلْقٍ لِيَذِلَّ عَلَى قُدْرَتِهِ وَوَحْدَانِيَّتِهِ وَلِيُجْزِيَ كُلَّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ مِنْ
 طَاعَاتٍ فَلَا يُسَاوِي الْكَافِرُ الْمُؤْمِنَ ۖ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ أَفَرَأَيْتَ أَخْبِرْنِي مَنْ اخْتَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ مَا
 يَهْدِيهِ مِنْ حَجَرٍ بَعْدَ حَجَرٍ يَرَاهُ أَحْسَنُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ مِنْهُ تَعَالَى أَيْ عَالِمًا بِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الضَّلَالَةِ قَبْلَ
 خَلْقِهِ وَحَمَّرَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ فَلَمْ يَسْمَعْ الْهُدَى وَلَمْ يَعْقِلْهُ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشْوَةً ظُلْمَةً فَلَمْ يَبْصُرِ الْهُدَى وَيُقَدِّرُ
 بُنَا الْمَفْعُولِ الثَّانِي لِرَأَيْتَ أَيْ أَيُّهُتَدَى فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَيْ بَعْدَ إِضْلَالِهِ إِيَّاهُ أَيْ لَا يَهْتَدِي
 أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ تَتَعَطَّوْنَ فِيهِ إِدْغَامُ أَحَدِ الثَّانِيَيْنِ فِي الدَّالِ وَقَالُوا أَيْ مُنْكَرُوا الْبَعْثَ مَا هِيَ أَيْ الْحَيَاةُ
 الْآخِيَاتُنَا الَّتِي فِي الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا أَيْ يَمُوتُ بَعْضٌ وَيُحْيَى بَعْضٌ بَانَ يُؤَلِّدُوا وَمَا يَهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ أَيْ مُرُورُ
 الزَّمَانِ قَالَ تَعَالَى وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ الْقَوْلِ مِنْ عِلْمٍ إِنْ مَا هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝ وَإِذَا نُنَادِيهِمْ عَلَيْهِمْ أَتَيْنَا مِنْ الْقُرْآنِ
 الذِّكْرَ عَلَى قُدْرَتِنَا عَلَى الْبَعْثِ بَيِّنَاتٍ وَأَضْحَاكِ حَالٍ مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اتُّوَابًا بَيْنَنَا أَحْيَاءُ
 إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ أَنَا نُبْعَثُ قُلُوبَ اللَّهِ يُحْيِيكُمْ حِينَ كُنْتُمْ نُطْفًا ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُجْمَعُكُمْ أَحْيَاءُ
 إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ شَكٍّ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ وَهُمْ الْقَائِلُونَ مَا ذُكِّرُوا لَا يَعْلَمُونَ ۝

ترجمہ: آسمانوں اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا بالحق، خلق کے متعلق ہے
 تاکہ اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کام کا خواہ از قبیل معاصی ہو یا
 از قبیل طاعات پورا پورا بدلہ دے تو کافر اور مومن برابر نہ ہوں گے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا، بھلا بتاؤ تو کیا آپ نے
 اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات ہی کو معبود بنا رکھا ہے یعنی جس پتھر کو یکے بعد دیگرے پسند کرتا ہے (معبود
 بنا لیتا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم (ازلی) کے مطابق گمراہ کر دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کی پیدائش سے پہلے
 ہی جانتا ہے کہ وہ اہل ضلالت میں سے ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے جس کی وجہ سے اس نے ہدایت کو
 نہ سنا اور نہ سمجھا اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے ہدایت کو نہیں دیکھ سکتا یہاں آیت کا مفعول ثانی
 ایہدی مقدر ہے اب ایسے شخص کو اللہ کے سوا کون ہدایت دے سکتا ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے اس کو گمراہ کرنے کے بعد
 (کون ہدایت دے سکتا ہے؟) یعنی کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، کیا اب بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، اس میں دو
 تاؤں میں سے ایک کا ذال میں ادغام ہے، اور منکرین بعث نے کہا ہماری زندگی تو صرف وہی زندگی ہے جو دنیا میں
 ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں یعنی ایک مرتا ہے تو دوسرا جیتا ہے، بایں طور کہ پیدا ہوتا ہے اور ہمیں صرف زمانہ ہی
 مارتا ہے یعنی اس کا مرور اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہیں اس بات کا کچھ علم نہیں یہ صرف انکل سے کام لیتے ہیں، اور جب ان

کے سامنے ہماری واضح آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآنی آیتوں کی جو ہماری قدرت علی البعث پر دلالت کرتی ہیں تو ان کے پاس اس بات کے سوا کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ ہم کو زندہ کیا جائے گا تو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر لاؤ (بیّنات) حال ہے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے جبکہ تم (بے جان) نطفے تھے پھر تم کو موت دے گا، پھر تم کو قیامت کے دن زندہ کر کے جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ جو مذکور کے قائل ہیں نہیں سمجھتے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: أَفَرَأَيْتَ، اخباری اس میں سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے اس لئے کہ رویت، سبب اخبار ہے، لہذا رویت سبب اور اخبار اس کا مسبب اور اطلاق از قبیل مجاز ہے، اور استفہام بمعنی امر ہے، اور جامع طلب ہے، اس لئے کہ امر اور استفہام دونوں طلب میں مشترک ہیں۔ (جمل)

قَوْلُهُ: أَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ، علی علم، أَضَلَّهُ کے فاعل اللہ سے بھی حال ہو سکتا ہے اور ضمیر مفعول سے بھی حال ہو سکتا ہے، مفسر علام نے فاعل سے حال قرار دیکر مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کی وجہ سے اس کے گمراہ ہونے کو جاننے کی وجہ سے اس کو گمراہ کر دیا، اور جن حضرات نے علی علم کو أَضَلَّهُ کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے، ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس کو اس کی سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کر دیا، ای أَضَلَّهُ وهو عالم بالحق اس میں شدید ترین مذمت ہے۔ (جمل)

قَوْلُهُ: وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ الْمَقُولِ، ذَلِكَ الْمَقُول سے منکرین خدا کا قول وما يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ مراد ہے یعنی ان کے پاس اپنے اس قول پر کوئی دلیل نہیں ہے نہ عقلی اور نہ نقلی، بلکہ وہ اٹکل اور اندازے سے باتیں کرتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

أَفَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ (الآية) بھلا بتائیے کہ وہ شخص جس نے اپنی خواہشات نفسانی کو اپنا معبود بنا لیا، یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی کافر بھی اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا خدا یا معبود نہیں کہتا، مگر قرآن کریم کی اس آیت نے یہ بتلایا کہ عبادت درحقیقت اطاعت کا نام ہے جو شخص خدا کی اطاعت کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی اطاعت اختیار کرے تو وہی اس کا معبود کہلائے گا، مطلب یہ کہ ایسا شخص اسی کو اچھا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس اچھا سمجھتا ہے اور اسی کو برا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس برا سمجھتا ہے یعنی اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلہ میں اپنی نفسانی خواہشات کو ترجیح دیتا ہے یا اپنی عقل کو اہمیت دیتا

ہے، حالانکہ عقل بھی ماحول سے متاثر خواہش سے مغلوب اور مفادات کی اسیر ہو کر، خواہش نفس کی طرح غلط فیصلہ کر سکتی ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ زیر آسمان دنیا میں جتنے معبودوں کی عبادت کی گئی ہے، ان میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک ہوائے نفس ہے، حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دانشمند شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور مابعد الموت کے لئے عمل کرے اور فاجر وہ ہے کہ جو اپنے نفس کو اپنی خواہشات کے پیچھے چھوڑ دے، اور اس کے باوجود اللہ سے آخرت کی بھلائی کی تمنا کرے اور بعض حضرات نے اس سے ایسا شخص مراد لیا ہے جو پتھر کو پوجتا تھا، جب اس سے زیادہ خوبصورت پتھر مل جاتا تو وہ پہلے پتھر کو پھینک کر دوسرے پتھر کو معبود بنا لیتا۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا (الآية) یہ دہریہ اور اس کے ہمنوا مشرکین مکہ کا قول ہے جو آخرت کے منکر تھے وہ کہتے تھے کہ بس یہ دنیا کی زندگی ہی پہلی اور آخری زندگی ہے اس کے بعد کوئی زندگی نہیں اور اس میں موت و حیات کا سلسلہ محض زمانہ کی گردش کا نتیجہ ہے، جیسے فلاسفہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد ہر چیز دوبارہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آتی ہے اور یہ سلسلہ بغیر صانع اور مدبر کے از خود یوں ہی چل رہا ہے، اور چلتا رہے گا، نہ اس کی کوئی ابتداء ہے اور نہ انتہاء، اس کو گروہ دوریہ کہتے ہیں (ابن کثیر) ظاہر بات ہے کہ یہ نظریہ عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے، حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے زمانہ کو برا بھلا کہتا ہے، حالانکہ میں خود زمانہ ہوں میرے ہی ہاتھ میں تمام اختیارات ہیں، رات دن بھی میں ہی بدلتا ہوں۔

(بخاری شریف تفسیر سورہ جاثیہ)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبَدِّلُ مِنْهُ يَوْمَذِيْخَسِرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۱۷ الْكَافِرُوْنَ اِيْ يَظْهَرُ خُسْرَانُهُمْۙ بَانَ يَصِيْرُوْا اِلَى النَّارِ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ اِيْ اَنْبَلِ دِيْنٍ جَاثِيَةً ۝۱۸ عَلٰى الرُّكْبِ اَوْ مُجْتَمِعَةً ۝۱۹ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا ۝۲۰ اَعْمَالُهَا وَيُقَالُ لَهُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۱ اِيْ جَزَاؤُهُ هٰذَا كِتٰبُنَا دِيْوَانُ الْحَفَظَةِ يَنْطَقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۝۲۲ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ نُسْخَتُ وَنَحْفَظُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۳ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيَدْخُلُوْنَ فِيْ رَحْمَتِيْ جَنَّتِيْ ۝۲۴ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۲۵ الْبَيِّنُ الظّٰهَرُ ۝۲۶ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيُقَالُ لَهُمْ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰتِيْنَ الْقُرْاٰنَ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْۙ تَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۲۷ كَافِرِيْنَ ۝۲۸ وَاِذَا قِيْلَ لَكُمْ اِيْهَا الْكُفّٰرُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ حَقٌّ�ۙ وَالسَّاعَةُ بِالرَّفْعِ وَالنَّصَبِ لَا رَيْبَ شَكٍّ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَذَرٰى مَا السَّاعَةُ اِنْ مَا نَنْظُرُ الْاٰظِنًا ۝۲۹ قَالَ الْمُبْرِدُ اَصْلُهُ اِنْ نَحْنُ اِلَّا نَنْظُرُ ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِيْنِ ۝۳۰ اَنَّهَا اَتِيَةٌ وَبَدَا ظَهَرَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ سَيّٰتُ مَا عَمِلُوْا فِي الدُّنْيَا اِيْ جَزَاؤُهَا وَحَاقَ نَزْلُ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهِ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۱ اِيْ الْعَذَابُ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسِكُمْ نَتْرُكُكُمْ فِي النَّارِ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اِي

تَرَكْتُمْ الْعَمَلَ لِلْقَائِمِ وَمَا وَلَكُمْ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ تُصَرِّينَ ۝ مَانِعِينَ مِنْهَا ذَلِكُمْ بَانَكُمْ اتَّخَذْتُمُ آيَاتِ اللَّهِ الْقُرْآنَ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا حَتَّى قُلْتُمْ لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ مِنْهَا مِنَ النَّارِ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ اِی لَا يُطْلَبُ مِنْهُمْ اَنْ يُرْضُوا رَبَّهُمْ بِالتَّوْبَةِ وَالطَّاعَةِ لَانْهَا لَا تَنْفَعُ يَوْمَئِذٍ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ الْوَصْفُ بِالْجَمِيلِ عَلَى وِفَاءٍ وَعِدِهِ فِي الْمُكَذِّبِينَ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ خَالِقُ مَا ذَكَرَ وَالْعَالَمُ مَا سِوَى اللَّهِ وَجُمِعَ لَاخْتِلَافُ اَنْوَاعِهِ وَرَبِّ بَدَلٍ وَلَهُ الْكِبَرِيَاءُ الْعِظَمَةُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ حَالُ اِی كَائِنَةً فِيهِمَا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ تَقَدَّمَ

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی بادشاہی ہے جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن اہل باطل یعنی کافر (یومئذ) یوم تقوم الساعة سے بدل ہے، یعنی (اس دن) ان کا نقصان ظاہر ہوگا، بایں طور کہ وہ جہنم کی طرف جائیں گے آپ دیکھیں گے کہ ہر فرقہ یعنی مذہب والے گھٹنوں کے بل یا اجتماعی طور پر بیٹھے ہوں گے، ہر گروہ کو اپنے اعمال ناموں کی طرف بلایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا آج تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، یہ ہے ہماری کتاب، حفاظت کرنے والے فرشتوں کا دیوان جو تمہارے حق میں سچ سچ بول رہی ہم تمہارے اعمال لکھواتے اور محفوظ کرتے جاتے تھے پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت جنت میں داخل کرے گا اور یہی کھلی کامیابی ہے لیکن جن لوگوں نے کفر کیا تو ان سے کہا جائے گا کیا میری آیتیں تمہیں سنائی نہیں جاتی تھیں؟ پھر بھی تم تکبر کرتے رہے اور تم تھے ہی مجرم کافر لوگ اور جب کبھی اے کافرو! تم سے کہا جاتا کہ اللہ کا بعث کا وعدہ حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں (الساعة) پر رفع اور نصب کے ساتھ تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے؟ ہمیں کچھ یوں ہی سا خیال ہو جاتا ہے مبرد نے کہا ہے (مَا نَظْنُ إِلَّا ظَنًّا) کی اصل ان نحن إِلَّا نَظْنُ ظَنًّا ہے لیکن ہمیں یقین نہیں کہ قیامت آنے والی ہے آخرت میں ان پر دینا میں کئے ہوئے اعمال کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی یعنی اس کی سزا اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑا رہے تھے وہی ان پر نازل ہو گیا (ان سے) کہا جائے گا آج ہم تم کو آگ میں چھوڑ کر فراموش کر دیں گے جیسے تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا یعنی اس دن کی ملاقات کے لئے عمل کو ترک کر دیا تھا، اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے اور تمہارا مددگار کوئی نہیں یعنی آگ سے بچانے والا (کوئی نہیں) یہ اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیتوں قرآن کی ہنسی اڑائی تھی اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، حتیٰ کہ تم نے کہا کہ نہ بعث ہے اور نہ حساب، پس آج کے دن نہ تو یہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے عذر معذرت قبول کی جائے گی، یعنی ان سے اس بات کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے رب کو توبہ اور

اطاعت کے ذریعہ راضی کر لیں، اس لئے کہ آج اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، (یسخر جون) معروف اور مجہول دونوں ہیں پس اللہ کی تعریف ہے یعنی اچھی ثنا ہے مکذبین کے بارے میں اپنے وعدہ کے وفا کرنے پر جو آسمانوں اور زمین اور تمام جہانوں کا رب ہے مذکورہ تمام چیزوں کا خالق ہے اور عالم اللہ کے علاوہ کا نام ہے اور (عالمین) کو اس کے انواع کے مختلف ہونے کی وجہ سے جمع لایا گیا ہے اور رب (اللہ) سے بدل ہے آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی بڑائی ہے (فی السموات والارض) حال ہے یعنی حال یہ ہے کہ وہ عظمت (وکبریائی) آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب ہے اور حکمت والا ہے (اس کی تشریح) سابق میں گذر چکی ہے۔

حَقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْهِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلًا: يَوْمَئِذٍ يَخْسِرُ الْمَبْطُلُونَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ سے بدل برائے تاکید ہے اور يَوْمَ تَقُومُ يَخْسِرُ کا ظرف ہے اور يَوْمَئِذٍ میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے، تقدیر عبارت یہ ہے يَوْمَ إِذَا تَقُومُ السَّاعَةُ.

قَوْلًا: اِیْ يَظْهَرُ خَسْرَانُهُمْ یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ اہل باطل کا خسران علم ازلی میں متعین اور لازم ہے تو پھر اس دن خاسر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابُ: مَبْطُلِينَ کا خسران اگرچہ روز ازل ہی سے متعین ہے مگر اس کا ظہور اس دن ہوگا کہ جب اس کو جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

قَوْلًا: جَاثِيَةً واحد مؤنث غائب زانو پر بیٹھنے والی، گھٹنوں کے بل گرنے والی، جُثُوْا جُثِيًّا سے، یہاں جاثیۃ جمع کی جگہ استعمال ہوا ہے جیسے جماعة قائمة.

قَوْلًا: نَسْتَنْسِخُ جمع متکلم مضارع (استفعال) ہم محفوظ رکھتے ہیں (ف) سے نسخاً زائل کرنا، بدل دینا، منسوخ کرنا، لکھنا، نقل کرنا۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ یعنی السَّاعَةُ پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں رفع مبتداء ہونے کی وجہ سے لَا رَيْبَ فِيهَا جملہ ہو کر مبتداء کی خبر، اور نصب اِنَّ کے اسم پر عطف ہونے کی وجہ سے۔

قَوْلًا: قَالَ الْمَبْرَدُ اَصْلُهُ اِنْ نَحْنُ اِلَّا نَظُنُّ ظَنًّا.

سَيِّوَالٌ: ظَنًّا مصدر تاکید کے لئے واقع ہوا ہے، اور جو مصدر تاکید کے لئے واقع ہو، تو وہ استثناء مفرغ واقع نہیں ہو سکتا حالانکہ یہاں ظَنًّا مصدر استثناء مفرغ واقع ہے اسلئے کہ اس سے ایک ہی شی کا اثبات اور اسی کی نفی لازم آتی ہے جو جائز

نہیں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے ما ضَرَبْتُ إِلَّا ضَرَبْتُ اور یہ استثناء الکُلِّ عن الکُلِّ ہونے کی وجہ سے بالاتفاق ناجائز ہے۔

جواب: مفسر علام نے نحن کا اضافہ کر دیا جس کی وجہ سے مستثنیٰ مستثنیٰ منہ سے مغایر ہو گیا، اس لئے کہ نفی کا مورد (مصدق) محذوف ہے اور وہ نحن ہے اور اثبات کا مصداق (مورد) نَظُنُّ ظَنًّا ہے کلمہ إِلَّا اگرچہ لفظاً مؤخر ہے، مگر تقدیراً مقدم ہے، آیت سے جو حصر مفہوم ہو رہا ہے اپنے لئے ظن کا اثبات اور ظن کے ماعدہ کی نفی ہے اور منجملہ ماعدہ میں یقین بھی ہے اور یقین ہی کی نفی مقصود ہے مگر مطلقاً ماعدہ الظن کی نفی یقین کی نفی میں مبالغہ کرنے کے لئے ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مشرکین نے اپنے قول وَمَا نَحْنُ بِمُتَّبِقِينَ سے مَا نَظُنُّ إِلَّا ظَنًّا کی تاکید کی ہے۔ (حاشیہ جلالین جمل ملخصاً)

قَوْلًا: جزائہا حذف مضاف سے اشارہ کر دیا کہ ظہور سیئات سے مراد ظہور جزاء سیئات ہے، نسیان کی تفسیر ترک سے کر کے اشارہ کر دیا کہ نسیان سے لازم معنی مراد ہیں اس لئے کہ انسان سے نسیان کا گناہ مرفوع ہے اور خدا کے لئے محال ہے اور ترک، نسیان کے لئے لازم ہے۔

قَوْلًا: ذَلِكُمْ بِأَنكُمُ أَي الْعَذَابُ الْعَظِيمُ بِسَبَبِ أَنْكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوءًا، ذَلِكَ كَامِرَجِ عَذَابٍ عَظِيمٍ ہے اور بِأَنكُمُ میں بآءِ سیہ ہے۔

قَوْلًا: لَا يُسْتَعْتَبُونَ، اسْتَعْتَابُ سے جمع مذکر غائب (استفعال) ان سے اللہ کو رضا مند کرنے کی خواہش نہیں کی جائے گی، بعض حضرات نے اس کا ترجمہ کیا ہے ان کے عذر قبول نہیں کئے جائیں گے، علامہ محلی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے پہلے معنی مراد لئے ہیں۔

قَوْلًا: فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، الْكِبْرِيَاءُ سے حال ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

وَتَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً، جَاثِيَةٌ جُثُوُّ سے مشتق ہے جس کے معنی گھٹنوں کے بل بیٹھنے کے ہیں اور حضرت سفیان رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا جُثُوُّ اس طرح بیٹھنے کو کہتے ہیں کہ جس میں صرف گھٹنے اور پاؤں کے پنجے زمین پر ٹک جائیں اور اس طرح کی نشست خوف و دہشت کی وجہ سے ہوگی، اور كُلُّ أُمَّةٍ کے لفظ سے ظاہر یہ ہے کہ یہ صورت خوف تمام اہل محشر انبیاء و اولیاء مومن و کافر، نیک و بد سب کو پیش آئے گی، اور بعض دوسری آیات و روایات میں جو محشر کے خوف و فزع سے انبیاء و صلحاء کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے یہ اس کے منافی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ یہ دہشت اور خوف تھوڑی دیر کیلئے انبیاء و صلحا پر بھی

طاری ہو اور قلیل مدت ہونے کی وجہ سے اس کو نہ ہونے کے حکم میں رکھا گیا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کل امة سے عام اہل محشر مراد نہ ہوں بلکہ اکثر مراد ہوں جیسا کہ لفظ کل بعض اوقات اکثر کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے جاثیۃ کے معنی ایسی نشست کے لئے ہیں جیسی نماز میں ہوتی ہے تو پھر وہ اشکال خود ہی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ نشست خوف کی نہیں ادب کی نشست ہے۔

ہذا کتابنا ینطق علیکم بالحق (الآیۃ) اس کتاب سے مراد وہ رجسٹر ہیں جن میں انسان کے تمام اعمال درج ہوں گے، یہ اعمال نامے انسانی زندگی کے ایسے مکمل ریکارڈ ہوں گے کہ جن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوگی، انسان ان کو دیکھ کر پکاراٹھے گا مالِ هذا الكتاب لا یغادرُ صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاها (الکھف) یہ کیسا اعمال نامہ ہے کہ جس نے چھوٹی بڑی کسی چیز کو بھی نہیں چھوڑا سب کچھ ہی تو اس میں درج ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

آج بتاریخ ۱۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

بروز یک شنبہ

بوقت ڈیڑھ بجے دن

مطابق ۲۸ جولائی ۲۰۰۲ء

جلد پنجم کی تسوید سے فراغت ہوئی۔

محمد جمال سیفی

استاذ دارالعلوم دیوبند



نوٹ:

This image shows a single sheet of white paper with horizontal ruling lines. The lines are evenly spaced and run across the width of the page. There is no text or other markings on the paper.